

وَنَزَّلْنَا عَلَی الْكُتُبِ الْبَيِّنَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

بَيِّنَاتُ الْقُرْآنِ

مختصر

جلد پنجم

التوبة تا يوسف

علامہ غلام رسول سعیدی

www.nafisulislam.com
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرا، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



ISBN 969-563-014-6



www.naezeislam.com

محقق: مولانا محمد امجد علی صاحب مدظلہ العالی
مطبع: رومی پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور
الطبع الاول: خزانہ 1421ھ / فروری 2000ء
الطبع السامی: جلد 1429ھ / فروری 2008ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No: 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور

فون نمبر: 092-42-7312173-7123435

فکس نمبر: 092-42-7224899

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۱	چار ماہ کے قصبین میں متعدد اقوال	۱۳	۳۳	سورۃ التوبہ	
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان براءت کرنا حضرت	۱۵			
۵۲	ابو بکر کی خلافت میں وجہ طعن نہیں ہے		۳۵	سورۃ التوبہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ	۱
۵۳	حج اکبر کے مصداق کے متعلق احادیث	۱۶	۳۶	سورۃ التوبہ کے اسماء کے متعلق احادیث	۲
۵۵	حج اکبر کے مصداق کے متعلق مذاہب فقہاء	۱۷	۳۷	سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال کی باہمی مناسبت	۳
۵۵	حج اکبر کے مختلف اقوال میں تطبیق	۱۸	۳۸	سورۃ التوبہ کا زمانہ نزول	۴
	جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر	۱۹	۳۹	سورۃ التوبہ کے نزول کا پیش منظر و پس منظر	۵
۵۵	ہونے کی تحقیق		۴۱	سورۃ التوبہ کے مسائل اور مطالب	۶
	جمعہ کے دن مغفرت اور نیکیوں میں اضافہ کے	۲۰	۴۲	براءۃ من اللہ ورسولہ (۱-۶)	۷
۵۶	متعلق احادیث			۸	سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن
	جس جمعہ کو یوم عرفہ ہو اس دن حج اکبر ہونے	۲۱	۴۳	الحجیم نہ لکھنے کی توجہات	
۵۸	پر ایک حدیث سے استدلال			۹	سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں
۵۹	جمعہ کے حج کے متعلق مفسرین کے اقوال	۲۲	۴۵	مذاہب ائمہ	
۶۰	جمعہ کے حج کے متعلق فقہاء کے اقوال	۲۳		۱۰	سورۃ التوبہ کے معنی ہونے سے بعض آیتوں کا
۶۳	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۲۴	۴۷	استثناء	
	حرمت والے مینوں میں ممانعت قتال کا	۲۵	۴۷	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۱۱
۶۴	منسوخ کرنا		۴۸	آیات سابقہ سے مناسبت	۱۲
	فافتلوا المشرکین سے منسوخ	۲۶		۱۳	ان مشرکین کا مصداق جن کو چار ماہ کی مصلحت
۶۵	ہونے والی آیات کلیان		۴۹	دی گئی	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۱	ملک میں قتل کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۲۱	فاقتلو المشركين میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد	۲۷
۸۵	شریعت کی توہین کرنے والا تورات کی تصریح کے مطابق واجب القتل ہے	۲۸	فاقتلو المشركين - الایۃ سے ائمہ ثلاثہ کا تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال اور اس کے جوابات	۲۹
۸۶	آیات سابقہ سے ارتجالہ	۲۹	ما یمن زکوٰۃ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قتل سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کے جوابات	۳۰
۸۶	الحکمہ کے لیے جہاد کرنے کے فوائد	۳۰	آیات سابقہ سے ارتجالہ	۳۱
۸۶	اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے واقعات کا علم ہے اور جس چیز کا مطلقاً وقوع نہ ہو اس کے وقوع کو اللہ کا علم شامل نہیں	۳۱	مشرکین کو دارالاسلام میں آنے کی اجازت دینے کے مسائل اور احکام	۳۲
۸۸	سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ کے چند تراجم	۳۲	کیف یکون للمشرکین عہد	۳۳
۸۹	ماکان للمشرکین ان یعمروا	۳۳	ان مشرکین کلہا ان جنوں نے مطہرہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور جنوں نے اس مطہرہ کی پابندی کی	۳۴
۸۹	(۱۷-۲۳)	۳۴	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۳۵
۹۳	تغیر کا معنی	۳۵	بعض سوالوں کے جوابات	۳۶
۹۳	کافروں سے مسجد کے لیے چند لینے میں	۳۶	اہل قبلہ کی تکفیر اور عدم تکفیر میں مذاہب	۳۷
۹۳	مذاہب فقہاء	۳۷	صحابہ کرام کو دینی عقل کے بجائے میرے صاحب کیوں فرمایا؟	۳۸
۹۳	کافروں سے مسجد کے لیے چند لینے میں علماء و یوہد کا نظریہ	۳۸	کسی شخص کے تعارف میں اس کی خصوصی صفات ذکر کی جائیں	۳۹
۹۵	مسجد بنانے کا جواز اور تحقیق کن امور پر موقوف ہے	۳۹	کفر کے علم پر داروں کا مصداق	۴۰
۹۵	مسجد بنانے کے انحصار میں ایمان ہا رسول ذکر نہ کرنے کی وجوہات	۴۰	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۴۱
۹۵	مسجد بنانے کے فضائل اور مسجد کے اجرو ثواب کے متعلق احادیث	۴۱	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۴۲
۹۷	مسجد کے احکام کے متعلق احادیث	۴۲	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۴۳
۹۸	اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کعبہ کو آباد کرنے سے افضل ہے	۴۳	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۴۴
۹۸	سابقین صحابہ کی فضیلت اور اللہ کی رضا کا جنت سے افضل ہونا	۴۴	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۴۵
۹۹	کفار اور مشرکین سے محبت کا تعلق رکھنا منع	۴۵	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۴۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۱۲	کانظریہ	۱	۱۰۰	ہے اور بغیر محبت کے معاملات جائز ہیں	
۱۱۳	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء	۷۶	۵۹	اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، قریبی اعزہ، وطن، تجارت اور مال و دولت سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہونا	
۱۱۵	حجۃ کانظریہ	۷۷	۶۰	صحابہ کرام محبت کے اس معیار کا کامل نمونہ تھے	
۱۱۵	ربط آیات اور مناسبت	۷۸	۶۱	لقد نصبرکم اللہ فی مواطن	
۱۱۶	جزیہ کانظریہ	۷۹	کثیرہ (۲۵-۲۹)	آیات سابقہ سے ارتباط	
۱۱۷	جزیہ کن سے وصول کیا جائے گا	۸۰	۶۲	وادی حنین کا مکمل وقوع	
۱۱۷	جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء	۸۱	۶۳	ابی حنین کی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری	
۱۱۸	وقالت الیہود عزیر ابن اللہ (۳۰-۳۵)	۸۲	۶۵	نہی جنگ کی اہل حنین سے جنگ کی تیاری	
۱۱۹	حضرت عزیر کا مہم و نسب، ان کا تعارف اور ان کو ابن اللہ کہنے کا سبب	۸۳	۶۶	نہی جنگ کا غزوہ حنین کے لیے روانہ ہونا	
۱۲۱	آیا حضرت عزیر نبی ہیں یا نہیں	۸۴	۶۷	بعض نو مسلم صحابہ کا حنین کے راستے میں وفات انوار کی تمنا کرنا	
۱۲۱	حبار اور ربیان کا معنی	۸۵	۶۸	حنین میں ابتدائی شکست، شکست کے اسباب اور آپ کو چھوڑ کر بھاگنے والوں کی تعداد	
۱۲۲	قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت	۸۶	۶۹	غزوہ حنین میں ابتدائی شکست کے بعد فتح اور کامرانی	
۱۲۳	نبی کے سوا کسی بشر کا قول خطا سے معصوم نہیں	۸۷	۷۰	یوم حنین میں فرشتوں کا نزول	
۱۲۵	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلائل	۸۸	۷۱	اہل حنین کو عذاب دینے کا معنی	
۱۲۶	تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ	۸۹	۷۲	اہل حنین میں سے ہوا زن اور ثقیف کا اسلام قبول کرنا	
۱۲۷	سودی اور عیسائی علماء کے مال کھانے کے ناجائز طریقے	۹۰	۷۳	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء شافعیہ کانظریہ	
۱۲۷	کنز کا معنی	۹۱	۷۴	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء مالکیہ کانظریہ	
۱۲۷	زکوٰۃ دے کر مال جمع کرنے والوں کی قرآن مجید اور احادیث مجیدہ سے مذمت	۹۲	۷۵	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء حنبلیہ	
۱۲۸	جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ موجب عذاب نہیں ہے	۹۳			
۱۲۹	ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مال جمع کرنے میں اختلاف صحابہ	۹۴			
۱۳۱	ان عدد الشہور عند اللہ (۳۷-۳۶)	۹۵			
	عیالات اور معاملات میں قمری تقویم کا اعتبار	۹۵			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۵۶	نہ ملنے کی تحقیق		۱۳۳	ہے	
۱۵۸	اہل اور اولاد کا سبب عذاب ہونا	۵۱		حرمت والے مینوں کا بیان اور ان کا شرعی حکم	۶۱
	رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق احادیث	۵۷	۱۳۳	شرکین کا حرمت والے مینوں کو موخر کرنا	۹۷
۱۵۹	جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا	۵۸	۱۳۳	یا ایہا الذین امنوا مالکم (۲۳-۳۸)	۹۸
۱۶۰	آپ نے اس کو سزا کیوں نہیں دی؟		۱۳۵	غزوہ تبوک کی تیاری	۹۹
	جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا	۵۹	۱۳۶	جہاد کے لیے نکلنے کا جوہر	۱۰۰
۱۶۱	اسی کی نسل سے خارجی پیدا ہوئے			غار ثور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت	۱۰۱
۱۶۱	خارجیوں کے ظہور کا سبب	۶۰	۱۳۷	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی وجوہ	۱۰۲
۱۶۱	خارجیوں کے متعلق اہل سنت کا نظریہ	۶۱	۱۳۷	خفافا و ثغالا کے معنی	۱۰۳
۱۶۲	خارجیوں کی علامت	۶۲	۱۳۷	جہاد کی اقسام	۱۰۴
	عذاب کے خوف، ثواب کے شوق اور محض رضائے الہی کے لیے عبادت کرنے کے تین مراتب	۶۳	۱۳۷	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۱۰۵
۱۶۳	رسول اللہ ﷺ کی طرف عطا کرنے کی نیت	۶۴	۱۳۷	عفا اللہ عنک لہم	۱۰۶
۱۶۳	انما الصدقات للفقراء (۶۱-۶۰)	۶۵		(۳۳-۳۹)	
۱۶۵	آیات سابقہ کے ساتھ ارجاء	۶۶	۱۳۷	عفا اللہ عنک کے متعلق مفسرین	۱۰۷
	زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	۶۷		سابقین کی تقاریر	
۱۶۶	زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	۶۸	۱۳۷	عفا اللہ عنک کے متعلق مصنف کی تقریر	۱۰۸
۱۶۸	فقیر کا معنی	۶۹		جب منافقین کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ کو نا پسند تھا تو ان کی مذمت کیوں کی گئی؟	۱۰۹
۱۶۹	مسکین کا معنی	۷۰	۱۵۰	تمام مخلوق میں نیک کی صلاحیت کیوں نہیں پیدا کی گئی	۱۱۰
۱۷۰	فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ اور تحقیق مقام	۷۱		ان نصبکم حسنة نسوہم	۱۱۱
۱۷۰	والعاملین علیہا کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۷۲	۱۵۱	(۵۰-۵۹)	
۱۷۱	سولۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوٰۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہب فقہاء	۷۳	۱۵۳	مسئلہ نقدیر	۱۱۲
۱۷۲			۱۵۵	مسلمانوں اور منافقوں کی دو حالتوں کی تفصیل	۱۱۳
			۱۵۵	شان نزول	۱۱۴
				کافر کی زمانہ کفر میں کی ہوئی نیکیوں پر اجر ملنے یا	۱۱۵

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
	۱۵۲	سابقہ قوموں کے عذاب سے منافقوں کو نصیحت فرمانا	۱۷۳	۱۳۳	غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ میں حصہ
۱۸۹				۱۳۵	غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے
۱۹۰	۱۵۳	منافقوں اور مومنوں میں تقابل	۱۷۳	۱۳۶	تیلیک ضروری نہیں
	۱۵۴	وائی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں اور جنت کی نعمتیں			زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تیلیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل
۱۹۰	۱۵۵	اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا سب سے بڑی نعمت ہونا	۱۷۷	۱۳۷	تیلیک کی رکعت کے دلائل کا تجزیہ
۱۹۲				۱۳۸	ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تیلیک کا رکن نہ ہونا
۱۹۳	۱۵۶	جنت کی تخفیف نہ کی جائے	۱۷۸	۱۳۹	آخری چار مصارف میں تیلیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ
	۱۵۷	بابہا النبی جہاد الکفار (۸۰-۷۳)			زکوٰۃ میں مقروضوں کا حصہ
۱۹۳	۱۵۸	منافقوں کے خلاف جہاد کی توجیہ	۱۷۹	۱۴۰	زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حصہ
۱۹۶	۱۵۹	اس حدیث کی تحقیق کہ میں صرف ظاہر حکم کرتا ہوں (الحدیث)	۱۷۹	۱۴۱	زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ
۱۹۷	۱۶۰	منافقین نے جو کلمہ کفر کہا تھا اس کے متعلق مفسرین کے اقوال	۱۸۰	۱۴۲	کسی ایک صنف کے ایک فرد پر زکوٰۃ تقسیم کرنے کا جواز
۱۹۸	۱۶۱	منافق جس مقصد کو حاصل نہ کر سکے اس کے متعلق مفسرین کے اقوال		۱۴۳	منافقین کا نبی ﷺ کو "کھن" کہنا اور اس پر اللہ کا رد کرنا
۲۰۰	۱۶۲	منافقین کو غنی کرنے کی تفصیل	۱۸۱	۱۴۵	شان نزول اور اللہ اور رسول کے لیے خمیر واحد لانے کی توجیہ
۲۰۰	۱۶۳	جلاس بن سید کی توجیہ			نبی ﷺ کو منافقین کا علم عطا کیا جاتا
۲۰۱	۱۶۴	اللہ سے حمد کر کے اس کو توڑنے والا منافق	۱۸۲	۱۴۷	نبی ﷺ کی شان میں توہین کا لفظ کفر ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہیں
	۱۶۵	یہ منافق حضرت ثعلبہ بن حاطب تھے یا کوئی اور شخص؟	۱۸۳	۱۴۸	المنفقون والمنفقت بعضہم
۲۰۲	۱۶۶	حضرت ثعلبہ بن حاطب کے بدری صحابی ہونے پر تصریحات			من بعض (۷۲-۶۷)
۲۰۳	۱۶۷	حضرت ثعلبہ بن حاطب کو منافق قرار دینے والی روایت کا شدید ضعف	۱۸۵	۱۴۹	اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا معنی
۲۰۴	۱۶۸	اس روایت کے راویوں پر جرح	۱۸۷	۱۵۰	عذاب مقیم کا معنی
۲۰۵	۱۶۹	اس روایت پر درایت جرح		۱۵۱	منافقین کی پہلے زمانہ کے کافروں کے ساتھ مشابہت
۲۰۶	۱۷۰	اس روایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۸		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۲۲	سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر استدلال	۱۸۸	۲۰۷	کے مزاج کے خلاف ہونا	
	وجاء المعذرون من الاعراب	۱۸۹	۲۰۸	سورۃ التوبہ کی ان آیات کا صحیح معنی	۱۷۱
۲۲۳	(۹۰-۹۳)		۲۰۹	اس روایت کی تحقیق میں حرف آخر	۱۷۲
۲۲۴	معذورین کی اقسام	۱۹۰	۲۰۹	صحابہ کرام کے صدقات پر منافقین کے طعنے	۱۷۳
۲۲۴	جملہ اور نماز میں معذورین کے متعلق احادیث	۱۹۱	۲۱۰	عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا شان نزول	۱۷۴
۲۲۶	اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا معنی	۱۹۲		عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے قیس عطا	۱۷۵
۲۲۶	کتاب اللہ کے لیے نصیحت کا معنی	۱۹۳	۲۱۰	فرمانے کی وجوہ	
۲۲۶	رسول اللہ ﷺ کے لیے نصیحت کا معنی	۱۹۴		اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود عبداللہ بن	۱۷۶
۲۲۶	نہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی	۱۹۵	۲۱۱	ابی کے لیے استغفار کی توجیہات	
۲۲۷	عام مسلمانوں کے لیے نصیحت کا معنی	۱۹۶		ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق نام	۱۷۷
	بڑے سے بڑا نیک بھی اللہ کی بخشش اور اس	۱۹۷	۲۱۲	رازی کا تسلیم	
۲۲۷	کی رحمت سے مستثنیٰ نہیں			فرض المخلفون بمقدمہ	۱۷۸
۲۲۸	عبادت سے محروم ہونے کی بناء پر رونا	۱۹۸	۲۱۳	(۸۱-۸۹)	
	يعتذرون اليكم اذ رجعت اليهم	۱۹۹	۲۱۵	ربط آیات	۱۷۹
۲۲۹	(۹۳-۹۹)		۲۱۵	دو رخ کی گری	۱۸۰
۲۳۱	اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا	۲۰۰	۲۱۵	کم چہنے اور زیادہ رونے کی تلقین	۱۸۱
۲۳۱	منافقین سے ترک تعلق کا حکم	۲۰۱		غزوہ تبوک کے بعد منافقوں کو کسی غزوہ میں	۱۸۲
۲۳۲	اعراب اور الاعراب کا معنی	۲۰۲	۲۱۶	شرکت سے ممانعت کی توجیہ	
	الاعراب سے مراد ہونے کے گرد رہنے والے	۲۰۳		منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کا شان	۱۸۳
۲۳۳	ہو سالی ہیں		۲۱۷	نزول	
۲۳۴	اعراب کی سنگ دلی اور شعلوت	۲۰۴		عبداللہ بن ابی کے نفاق کے باوجود اس کی نماز	۱۸۴
۲۳۵	الدوائر اور دائرۃ السوء کے معانی	۲۰۵	۲۱۷	جنازہ پڑھانے کی توجیہات	
۲۳۵	شان نزول اور ربط آیات	۲۰۶		مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت کے	۱۸۵
۲۳۵	قرابت اور صلوات کے معنی	۲۰۷		باوجود عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی	
	والسابقون الاولون من	۲۰۸	۲۱۸	توجیہات	
۲۳۶	المہاجرین (۱۰۰-۱۰۶)			کیا ابن ابی کے حق میں مغفرت کی دعا کا قبول نہ	۱۸۶
	مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کے	۲۰۹	۲۲۰	ہونا آپ کی محبوبیت کے متعلق ہے؟	
۲۳۸	صلوات میں اقوال			وفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرنا	۱۸۷
	مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں سبقت	۲۱۰	۲۲۱	اور اس سے قبر پر اذان کا استدلال	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱۱	کرنے والوں کی تفصیل	۲۳۹	۲۵۵	تسمیں	۲۵۵
۲۱۲	مہاجرین اور انصار کے فضائل	۲۴۱	۲۵۶	والذین اتخذوا مسجدا ضارا	۲۵۶
۲۱۳	اللہ کی رضا اس پر موقوف ہے کہ مہاجرین اور		۲۵۶	(۱۰۷-۱۰۸)	۲۵۶
۲۱۴	انصار کی نیکیوں میں ان کی اجتناب کی جائے	۲۴۲	۲۵۸	مسجد ضرار کا پس منظر و پیش منظر	۲۵۸
۲۱۵	مدینہ سے باہر کے منافقین اور ان سے متعلق		۲۵۹	مسجد ضرار میں کھڑے ہونے کی ممانعت	۲۵۹
۲۱۶	اعتراضات کے جوابات	۲۴۳		اس مسجد کا مصداق جس کی بنیاد اول یوم سے	
۲۱۷	دو مرتبہ عذاب دینے کی تفصیل	۲۴۴		تقویٰ پر رکھی گئی	
۲۱۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہتمم		۲۶۰	مسجد نبوی اور روضہ رسول کی زیارت کے	۲۶۰
۲۱۹	منافقین کو مسجد سے نکالنا	۲۴۵	۲۶۱	فضائل	۲۶۱
۲۲۰	حضرت ابولہب کی توبہ	۲۴۶	۲۶۲	مسجد قبائے فضائل	۲۶۲
۲۲۱	حضرت ابولہب کی توبہ اور شان نزول	۲۴۷	۲۶۳	پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی فضیلت	۲۶۳
۲۲۲	انبیاء علیہم السلام کے غیر استقلال اور انفراد		۲۶۴	مشکل الفاظ کے معانی	۲۶۴
۲۲۳	صلوۃ بھیجنے کی تحقیق	۲۴۸	۲۶۵	منافقین کے شک میں پڑنے کی وجہ	۲۶۵
۲۲۴	صلوۃ کا تقویٰ اور شرعی معنی	۲۴۸	۲۶۶	ان اللہ اشتری من المؤمنین	۲۶۶
۲۲۵	انبیاء علیہم السلام پر انفراد صلوۃ بھیجنے میں		۲۶۷	انفسہم (۱۱۱-۱۱۲)	۲۶۷
۲۲۶	نہا اب فقہاء	۲۴۸	۲۶۸	اللہ تعالیٰ کا مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت	۲۶۸
۲۲۷	انبیاء علیہم السلام کے غیر صلوۃ اور سلام بھیجنے		۲۶۹	کے بدلہ خریدنا	۲۶۹
۲۲۸	میں جمہور کا موقف	۲۵۹	۲۷۰	تورات اور انجیل میں اللہ کے عہد کا ذکر	۲۷۰
۲۲۹	انبیاء علیہم السلام کے غیر استقلال صلوۃ		۲۷۱	جنت کے بدلہ میں جان و مال کی بیچ کی تاکیدات	۲۷۱
۲۳۰	پڑھنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۴۹	۲۷۲	اس بیچ کے بعد معصیت کا بہت سنگین ہونا	۲۷۲
۲۳۱	انبیاء علیہم السلام کے غیر انفراد صلوۃ بھیجنے		۲۷۳	التائبون کا معنی	۲۷۳
۲۳۲	کے دلائل	۲۵۰	۲۷۴	العابدون کا معنی	۲۷۴
۲۳۳	صدقہ کی ترفیہ	۲۵۱	۲۷۵	الحامدون کا معنی	۲۷۵
۲۳۴	صدقہ کی فضیلت میں احادیث	۲۵۲	۲۷۶	المسبحون کا معنی	۲۷۶
۲۳۵	نیک اعمال کا حکم دینے اور برے اعمال سے		۲۷۷	الراکعون الساجدون کا معنی	۲۷۷
۲۳۶	روکنے کی وجہ	۲۵۳	۲۷۸	الامرون بالمعروف والنہون عن	۲۷۸
۲۳۷	انسان کے اعمال کو زندہ اور مردہ لوگ دیکھتے		۲۷۹	المنکر کا معنی	۲۷۹
۲۳۸	رہتے ہیں	۲۵۵	۲۸۰	الحافظون لحدود اللہ کا معنی	۲۸۰
۲۳۹	غزوہ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں کی چار	۲۵۰	۲۸۱	ابوطالب کا مرتے وقت کلمہ نہ پڑھنا	۲۸۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۵۱	ابو طالب کے ایمان کے متعلق ایک روایت کا جواب	۲۴۱	۲۴۱	اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول ہے	۲۴۱
۲۵۲	سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر اعتراض کا جواب	۲۴۲	۲۴۲	تبلیغ اسلام کے لیے جملہ کافر فرض کفایہ ہوتا	۲۴۲
۲۵۳	مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی توجیہات	۲۴۳	۲۴۳	حصول علم دین کافر فرض کفایہ ہوتا	۲۴۳
۲۵۴	زندہ کافروں کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کا جواب	۲۴۴	۲۴۴	حصول علم دین کے فرض میں ہونے کا محمل	۲۴۴
۲۵۵	آزر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کی توجیہ	۲۴۵	۲۴۵	حصول علم دین کے فرض کفایہ ہونے کا محمل	۲۴۵
۲۵۶	اواہ کا معنی	۲۴۵	۲۴۶	علم دین کے فضائل	۲۴۶
۲۵۷	قیامت کے دن آزر کی شفاعت کی توجیہ	۲۴۵	۲۴۷	فقہ کافوی اور اصطلاحی معنی	۲۴۷
۲۵۸	وما کان اللہ لیبطل قوماً (۱۱۵-۱۱۸)	۲۴۶	۲۴۸	تخلید شخصی پر دلائل	۲۴۸
۲۵۹	شیاء میں اصل اباحت ہے	۲۴۷	۲۴۹	مسائل قبیہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب	۲۴۹
۲۶۰	آیات سابقہ سے ارتباط کی وجوہ	۲۴۸	۲۵۰	یایہا الذین امنوا قاتلوا (۱۲۳-۱۲۹)	۲۵۰
۲۶۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول فرمانے کی توجیہات	۲۴۸	۲۵۱	قریب کے کافروں سے جملہ کی ابتدا کرنے کی وجوہ	۲۵۱
۲۶۲	مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کرنے کا محمل	۲۴۹	۲۵۲	دنیا اور آخرت میں منافقین کے عذاب کی تفصیل	۲۵۲
۲۶۳	غزوہ تبوک کی جنگی اور سختی	۲۵۰	۲۵۳	قرآن مجید سے منافقین کی نفرت اور بیزاری	۲۵۳
۲۶۴	اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرمانا	۲۵۱	۲۵۴	سابقہ آیات سے ارتباط	۲۵۴
۲۶۵	رسول اللہ ﷺ، تبوک کے غازیوں اور تمین خلفین کی توبہ کلمہ ہی فرق	۲۵۱	۲۵۵	نبی ﷺ کی پانچ صفات	۲۵۵
۲۶۶	حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول ہونے کی تفصیل	۲۵۲	۲۵۶	من انفسکم کا معنی	۲۵۶
۲۶۷	یایہا الذین امنوا اتقوا اللہ (۱۱۹-۱۲۳)	۲۵۲	۲۵۷	من انفسکم کا معنی (نبی ﷺ کا نفیس ترین ہونا)	۲۵۷
۲۶۸	صدق کے متعلق احادیث	۲۵۸	۲۵۸	امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا	۲۵۸
۲۶۹	صدق کی عقلی فضیلت	۲۵۹	۲۵۹	دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا	۲۵۹
۲۷۰	شکر اسلام کے ساتھ تمام مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وجوب کی تحقیق	۲۶۰	۲۶۰	اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ کو تسلی دینا	۲۶۰
			۲۶۱	عرش کا معنی	۲۶۱
			۲۶۲	عرش کے متعلق احادیث و آثار	۲۶۲
			۲۶۳	عرش کی تفسیر میں اقاویل علماء	۲۶۳

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۳۲۷	۳۱۱	آیا سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن مجید کی	۳۲۷	۳۱۱	آیا سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن مجید کی
۳۲۸	۳۱۲	آخری آیت ہے یا نہیں	۳۲۸	۳۱۲	آخری آیت ہے یا نہیں
۳۲۸	۳۱۳	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے لفظ	۳۲۸	۳۱۳	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے لفظ
۳۲۹	۳۱۴	جاء کمر رسول من انفسکم ہالابہ کا	۳۲۹	۳۱۴	جاء کمر رسول من انفسکم ہالابہ کا
۳۲۹	۳۱۵	سورہ توبہ میں درج ہونا	۳۲۹	۳۱۵	سورہ توبہ میں درج ہونا
۳۳۰	۳۱۶	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کلو گواہوں	۳۳۰	۳۱۶	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کلو گواہوں
۳۳۰	۳۱۷	کے برابر ہونا	۳۳۰	۳۱۷	کے برابر ہونا
۳۳۰	۳۱۸	لفظ جاء کمر رسول من انفسکم۔	۳۳۰	۳۱۸	لفظ جاء کمر رسول من انفسکم۔
۳۳۳	۳۱۹	الابہ کے معنی سے رسول اللہ ﷺ کی	۳۳۳	۳۱۹	الابہ کے معنی سے رسول اللہ ﷺ کی
۳۳۳	۳۲۰	زیارت	۳۳۳	۳۲۰	زیارت
۳۳۳	۳۲۱	حسبى اللہ لا الہ الاہو پڑھنے کی	۳۳۳	۳۲۱	حسبى اللہ لا الہ الاہو پڑھنے کی
۳۳۳	۳۲۲	فضیلت	۳۳۳	۳۲۲	فضیلت
۳۳۶	۳۲۳	کلمات تشکر	۳۳۶	۳۲۳	کلمات تشکر
۳۳۷	۳۲۴	سورۃ یونس	۳۳۷	۳۲۴	سورۃ یونس
۳۳۷	۳۲۵	سورۃ کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ	۳۳۷	۳۲۵	سورۃ کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ
۳۳۸	۳۲۶	سورۃ یونس کا زمانہ نزول	۳۳۸	۳۲۶	سورۃ یونس کا زمانہ نزول
۳۳۸	۳۲۷	سورۃ التوبہ اور سورۃ یونس کی مناسبت	۳۳۸	۳۲۷	سورۃ التوبہ اور سورۃ یونس کی مناسبت
۳۳۹	۳۲۸	سورۃ یونس کے مسائل اور مقاصد	۳۳۹	۳۲۸	سورۃ یونس کے مسائل اور مقاصد
۳۳۹	۳۲۹	الرد تلک کتاب الکتب الحکیم	۳۳۹	۳۲۹	الرد تلک کتاب الکتب الحکیم
۳۴۰	۳۳۰	(۱-۱۰)	۳۴۰	۳۳۰	(۱-۱۰)
۳۴۰	۳۳۱	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۴۰	۳۳۱	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل
۳۴۰	۳۳۲	آپ کی نبوت پر مشرکین کا تعجب اور اس کا	۳۴۰	۳۳۲	آپ کی نبوت پر مشرکین کا تعجب اور اس کا
۳۴۰	۳۳۳	ازالہ	۳۴۰	۳۳۳	ازالہ
۳۴۱	۳۳۴	قدم صدق کے متعدد محال	۳۴۱	۳۳۴	قدم صدق کے متعدد محال
۳۴۱	۳۳۵	آپ کو سنا کر کہنے کا جواب	۳۴۱	۳۳۵	آپ کو سنا کر کہنے کا جواب
۳۴۱	۳۳۶	مشرکین کے تعجب کو زائل کرنا	۳۴۱	۳۳۶	مشرکین کے تعجب کو زائل کرنا
۳۴۲	۳۳۷	حشر ا جلا پر دلائل	۳۴۲	۳۳۷	حشر ا جلا پر دلائل
۳۲۷	۳۱۱	عدل کے ساتھ جزا دینے کی توجیہ	۳۲۷	۳۱۱	عدل کے ساتھ جزا دینے کی توجیہ
۳۲۸	۳۱۲	سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال	۳۲۸	۳۱۲	سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال
۳۲۸	۳۱۳	آدم کا تین قمری حساب سے کرنا چاہیے	۳۲۸	۳۱۳	آدم کا تین قمری حساب سے کرنا چاہیے
۳۲۹	۳۱۴	مشرکین حشر کے احوال	۳۲۹	۳۱۴	مشرکین حشر کے احوال
۳۲۹	۳۱۵	حشر پر ایمان لانے والوں کے احوال	۳۲۹	۳۱۵	حشر پر ایمان لانے والوں کے احوال
۳۳۰	۳۱۶	اہل جنت کی گفتگو کا معمول	۳۳۰	۳۱۶	اہل جنت کی گفتگو کا معمول
۳۳۰	۳۱۷	ولو یعجل اللہ لئناس (۱۱-۲۰)	۳۳۰	۳۱۷	ولو یعجل اللہ لئناس (۱۱-۲۰)
۳۳۳	۳۱۸	اپنے آپ کو اپنی اولاد کو اور اپنے احوال کو	۳۳۳	۳۱۸	اپنے آپ کو اپنی اولاد کو اور اپنے احوال کو
۳۳۳	۳۱۹	بدو علوینے کی ممانعت	۳۳۳	۳۱۹	بدو علوینے کی ممانعت
۳۳۳	۳۲۰	کافر کے مشرف ہونے کی وجوہ	۳۳۳	۳۲۰	کافر کے مشرف ہونے کی وجوہ
۳۳۳	۳۲۱	نزول معیت کے وقت مسلمانوں کی فکر اور	۳۳۳	۳۲۱	نزول معیت کے وقت مسلمانوں کی فکر اور
۳۳۳	۳۲۲	عمل کیا ہونا چاہیے؟	۳۳۳	۳۲۲	عمل کیا ہونا چاہیے؟
۳۳۶	۳۲۳	کافر کو مشرف فرمانے کی وجوہ	۳۳۶	۳۲۳	کافر کو مشرف فرمانے کی وجوہ
۳۳۷	۳۲۴	اللہ تعالیٰ کے آواز سے پراعتراض کا جواب	۳۳۷	۳۲۴	اللہ تعالیٰ کے آواز سے پراعتراض کا جواب
۳۳۷	۳۲۵	اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک مشکل کا جواب	۳۳۷	۳۲۵	اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک مشکل کا جواب
۳۳۸	۳۲۶	المنظر کے چند مشہور تراجم	۳۳۸	۳۲۶	المنظر کے چند مشہور تراجم
۳۳۸	۳۲۷	مشرکین کا یہ مطالبہ کہ آپ قرآن مجید کو بدل	۳۳۸	۳۲۷	مشرکین کا یہ مطالبہ کہ آپ قرآن مجید کو بدل
۳۳۸	۳۲۸	ڈالیں	۳۳۸	۳۲۸	ڈالیں
۳۳۹	۳۲۹	قرآن مجید میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات	۳۳۹	۳۲۹	قرآن مجید میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات
۳۳۹	۳۳۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل	۳۳۹	۳۳۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل
۳۴۰	۳۳۱	قرآن مجید کلو جی الٹی ہونا	۳۴۰	۳۳۱	قرآن مجید کلو جی الٹی ہونا
۳۴۰	۳۳۲	غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے پر دلائل	۳۴۰	۳۳۲	غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے پر دلائل
۳۴۰	۳۳۳	یتوں کو اللہ کے ہاں سفارش قرار دینے میں	۳۴۰	۳۳۳	یتوں کو اللہ کے ہاں سفارش قرار دینے میں
۳۴۰	۳۳۴	مشرکین کے نظریات	۳۴۰	۳۳۴	مشرکین کے نظریات
۳۴۱	۳۳۵	جس چیز کے وجود کا اللہ کو علم نہ ہو اس کا وجود	۳۴۱	۳۳۵	جس چیز کے وجود کا اللہ کو علم نہ ہو اس کا وجود
۳۴۱	۳۳۶	محال ہے	۳۴۱	۳۳۶	محال ہے
۳۴۱	۳۳۷	ابتداء میں تمام لوگوں کے مسلمان ہونے پر	۳۴۱	۳۳۷	ابتداء میں تمام لوگوں کے مسلمان ہونے پر
۳۴۱	۳۳۸	طوائف اور آثار	۳۴۱	۳۳۸	طوائف اور آثار
۳۴۲	۳۳۹	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۴۲	۳۳۹	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۳	قرآن مجید کی پیش گوئیوں جو مستقبل میں پوری ہوئیں	۳۳۳	واذا ذقنا الناس رحمة (۳۱-۳۰)	۳۳۳	واذا ذقنا الناس رحمة (۳۱-۳۰)
۳۳۵	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۳۶	مصابیح کے بعد کفار پر رحم فرما	۳۳۵	مصابیح کے بعد کفار پر رحم فرما
۳۳۶	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۳۷	مصابیح اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا	۳۳۶	مصابیح اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا
۳۳۷	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۳۷	علامہ آلوسی، شیخ شوکانی اور نواب بھوپالی کا	۳۳۷	علامہ آلوسی، شیخ شوکانی اور نواب بھوپالی کا
۳۳۸	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۳۸	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استاد اور	۳۳۸	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استاد اور
۳۳۹	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۳۹	کو ناجائز قرار دینا	۳۳۹	کو ناجائز قرار دینا
۳۴۰	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۰	علامہ آلوسی وغیرہ کی عبارات پر تبصرہ	۳۴۰	علامہ آلوسی وغیرہ کی عبارات پر تبصرہ
۳۴۱	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۱	وقت یافتہ بزرگوں سے استاد اور کے معاملہ میں	۳۴۱	وقت یافتہ بزرگوں سے استاد اور کے معاملہ میں
۳۴۲	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۲	رأوا اعتدال	۳۴۲	رأوا اعتدال
۳۴۳	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۳	احادیث کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۳۴۳	احادیث کا معنی اور اس کے متعلق احادیث
۳۴۴	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۴	زمین کی پیداوار کی دنیا کے ساتھ مثل	۳۴۴	زمین کی پیداوار کی دنیا کے ساتھ مثل
۳۴۵	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۵	جنت کے داعی کے متعلق احادیث	۳۴۵	جنت کے داعی کے متعلق احادیث
۳۴۶	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۶	جنت کو دارالسلام کہنے کی وجوہات	۳۴۶	جنت کو دارالسلام کہنے کی وجوہات
۳۴۷	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۷	محشر میں مومنین کی عزت اور سرفرازی	۳۴۷	محشر میں مومنین کی عزت اور سرفرازی
۳۴۸	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۸	اللہ تعالیٰ کا دیدار	۳۴۸	اللہ تعالیٰ کا دیدار
۳۴۹	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۴۹	اللہ تعالیٰ کے جواب سے کیا مراد ہے؟	۳۴۹	اللہ تعالیٰ کے جواب سے کیا مراد ہے؟
۳۵۰	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۰	محشر میں کفار کی ذلت اور رسوائی	۳۵۰	محشر میں کفار کی ذلت اور رسوائی
۳۵۱	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۱	قیامت کے دن شرکاء کی شرکاء کی بیزاری	۳۵۱	قیامت کے دن شرکاء کی شرکاء کی بیزاری
۳۵۲	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۲	اور شرکاء کا مصداق	۳۵۲	اور شرکاء کا مصداق
۳۵۳	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۳	شرکاء کے کام پر کذب کا اعتراض اور اس کے جوابات	۳۵۳	شرکاء کے کام پر کذب کا اعتراض اور اس کے جوابات
۳۵۴	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۴	قل من يرزقكم من السماء	۳۵۴	قل من يرزقكم من السماء
۳۵۵	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۵	والارض (۳۱-۳۰)	۳۵۵	والارض (۳۱-۳۰)
۳۵۶	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۶	توحید کے اثبات پر دلائل	۳۵۶	توحید کے اثبات پر دلائل
۳۵۷	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۷	شرک کا بطلان	۳۵۷	شرک کا بطلان
۳۵۸	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۸	قیاس اور خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک	۳۵۸	قیاس اور خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک
۳۵۹	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۵۹	اعتراض کا جواب	۳۵۹	اعتراض کا جواب
۳۶۰	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۶۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل	۳۶۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل
۳۶۱	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۶۱	تورات میں نبی ﷺ کی آمد کی خوشخبری	۳۶۱	تورات میں نبی ﷺ کی آمد کی خوشخبری

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷۲	ولوں لکل نفس ظلمت مافی الارض (۶۰-۵۳)	۳۸۲	۳۸۸	حسن نہ ہونے اور درج ہونے کے جوابات	۳۹۵
۳۷۳	ظالموں سے فدیہ نہ قبول کیا جاتا	۳۸۳		تعویذ کے جواز کی روایت کا ایک حدیث سے	
۳۷۴	ظالموں کے پیشانی چھپانے کی توجیہ	۳۸۴	۳۸۹	معارضہ اور اس کا جواب	۳۹۷
۳۷۵	ظالموں کے درمیان عدل سے فیصلہ کی توجیہ	۳۸۴	۳۹۰	روایت حدیث میں امام محمد بن اسحق کا مقام	۳۹۷
۳۷۶	وعید عذاب کے برحق ہونے پر دلائل	۳۸۴	۳۹۱	امام محمد بن اسحق کو کذب کہنے کا جواب	۳۹۹
۳۷۷	ظاہری ملکیت پر نازاں ہونے والوں کو متنبہ فرماتا	۳۸۴	۳۹۱	عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ پر جرح کا جواب	۴۰۰
۳۷۸	روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے انبیاء عظیم اسلام کو مبعوث فرمایا	۳۸۵	۳۹۲	عمرو بن شعیب کی اس روایت سے استدلال کرنے والے علماء	۴۰۲
۳۷۹	قرآن مجید سے قلبی اور روحانی امراض کے علاج کے چار مدارج	۳۸۵	۳۹۳	بعض تابعین کے اقوال کی توجیہ	۴۰۳
۳۸۰	قرآن مجید سے جسمانی شفاء حاصل کرنے کی تحقیق	۳۸۶	۳۹۳	تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق فقہاء تابعین کے فتویٰ	۴۰۳
۳۸۱	تسمیہ اور تولد وغیرہ کے معنی اور ان کا شرعی حکم	۳۸۷	۳۹۵	ہوم اور تعویذ کے جواز کے متعلق علامہ شاہی	۴۰۳
۳۸۲	قرآن مجید سے جسمانی شفاء کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار	۳۸۸	۳۹۶	ہوم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور روایتیں	۴۰۳
۳۸۳	کلمات طیبہ سے دم کرنے کے جواز کے متعلق احادیث	۳۸۹	۳۹۷	ہوم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریح	۴۰۳
۳۸۴	ہوم اور تعویذ کی ممانعت کے متعلق حضرت ابن مسعود کا ارشاد اور امام بغوی سے اس کی توجیہ	۳۹۰	۳۹۸	ہوم اور تعویذ کے جواز کے متعلق علامہ ذہبی کی تصریح اور خواب میں ڈرنے کا تعویذ	۴۰۵
۳۸۵	تعویذ اور دم کی ممانعت کے متعلق ابن کیم اور حضرت عقبہ بن عامر کا ارشاد اور امام بیہقی، امام ابن الاثیر اور دیگر علماء متفق کی توجیہ	۳۹۱	۳۹۹	تعویذ لٹکانے کے متعلق علامہ ابن قیم جوزی کی تصریحات اور بخار کا تعویذ	۴۰۶
۳۸۶	تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت اور اس کے حوالہ جات	۳۹۲	۴۰۰	وضع حمل میں تنگی اور مشکل کے متعلق تعویذ	۴۰۶
۳۸۷	حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے صحیح اور	۳۹۳	۴۰۱	تکسیر کے متعلق تعویذ	۴۰۸
			۴۰۲	دل یا سینہ میں درد (انجائنا) کے لیے تعویذ	۴۰۸
			۴۰۳	سجڑی بخار (نایقائید) مثلاً عین دن کے بخار کے لیے تعویذ	۴۰۸
			۴۰۴	عرق النساء کے لیے تعویذ	۴۰۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۰۵	ولی کی صفات	۳۲۵	۳۰۸	گنہگار کے لیے تعویذ	۳۰۵
۳۰۶	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور خوفِ خدا	۳۲۶	۳۰۸	ڈاڑھ کے درد کے لیے تعویذ	۳۰۶
۳۰۷	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۳۲۷	۳۰۸	پھوڑے، پھنسیوں اور آبلوں اور ہر قسم کی انفیکشن کے لیے تعویذ	۳۰۷
۳۰۸	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۳۲۸	۳۰۹	اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا مصداق	۳۰۸
۳۰۹	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۳۲۹	۳۰۹	رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی آمد اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار	۳۰۹
۳۱۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک روایت پر علامہ قرطبی کا تبصرہ	۳۳۰	۳۱۰	مشرکین کی خود ساختہ شریعت کی مذمت	۳۱۰
۳۱۱	امام اعظم کے اخلاق، زہد و تقویٰ، عبادت اور خوفِ خدا	۳۳۱	۳۱۱	تمکنت اور بناوٹی زہد اللہ کی ناشکری ہے	۳۱۱
۳۱۲	افضل خارقہ (خلافتِ عادت کاموں) کی اقسام اور کرامت کی تعریف	۳۳۲	۳۱۲	وماتسکون فی سار و ماتسکون مہ (۷۰-۷۱)	۳۱۲
۳۱۳	اولیاء اللہ کی کرامت کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات	۳۳۳	۳۱۳	مشکل الفاظ کے معانی اور آیاتِ سابقہ سے مناسبت	۳۱۳
۳۱۴	اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں غم اور خوف کا ثبوت	۳۳۴	۳۱۴	زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ	۳۱۴
۳۱۵	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کا ثبوت	۳۳۵	۳۱۵	ولی کا لغوی معنی	۳۱۵
۳۱۶	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۳۶	۳۱۶	ولی کا اصطلاحی معنی	۳۱۶
۳۱۷	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۳۷	۳۱۷	ولی کے مصداق اور ان کے فضائل کے متعلق احادیث اور آثار	۳۱۷
۳۱۸	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۳۸	۳۱۸	اللہ اپنے محبوب بندے کے کلن اور آنکھیں ہو جاتا ہے اس کی توجیہ	۳۱۸
۳۱۹	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۳۹	۳۱۹	اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے کی توجیہ	۳۱۹
۳۲۰	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۰	۳۲۰	ولی کے فضائل کے متعلق مزید احادیث	۳۲۰
۳۲۱	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۱	۳۲۱	ابدال کے متعلق احادیث اور آثار اور ان کی قیمتی حیثیت	۳۲۱
۳۲۲	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۲	۳۲۲	احادیث ابدال کا متن متواتر ہونا	۳۲۲
۳۲۳	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۳	۳۲۳	احادیث ابدال کی مزید توثیق	۳۲۳
۳۲۴	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۴	۳۲۴	نجباء اور نقباء وغیرہ کی تعداد	۳۲۴
۳۲۵	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۳۴۵	۳۲۵		

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۴۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا	۴۴۷	۴۴۰	متفرع ہونا	۴۵۸
۴۴۱	شرک کے بطلان پر دلائل	۴۴۷	۴۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی دعا کے دو محل	۴۵۸
۴۴۲	اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا محال ہونا	۴۴۸	۴۴۲	بنی اسرائیل کے گھروں کو قبلہ بنانے کے محال	۴۵۹
۴۴۳	کفار کے ناکام ہونے کی واضح دلیل	۴۴۹	۴۴۳	فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائے ضرر کی توجیہ	۴۶۰
۴۴۴	واقیل علیہ السلام (۸۴-۷۱)	۴۴۹	۴۴۴	اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے کی دعا کی توجیہ	۴۶۰
۴۴۵	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۴۵۱	۴۴۵	دعا کی قبولیت میں جلدی کی امید رکھنا جہالت ہے	۴۶۱
۴۴۶	ربط آیات اور انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمتیں	۴۵۱	۴۴۶	بنی اسرائیل کی قوم فرعون سے نجات اور فرعون کا غرق ہونا	۴۶۱
۴۴۷	حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کو مقدم کرنے کی وجہ	۴۵۲	۴۴۷	فرعون کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجہ	۴۶۲
۴۴۸	حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کی ناکواری کی وجہ	۴۵۲	۴۴۸	فرعون کے منہ میں حضرت جبرئیل کا مٹی ڈالنا اور اس پر اشکال کا جواب	۴۶۳
۴۴۹	حضرت نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین میں کفار کا کوئی خوف نہ تھا ان سے کسی نفع کی توقع تھی	۴۵۲	۴۴۹	قرآن مجید کی صداقت	۴۶۳
۴۵۰	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کا انجام	۴۵۳	۴۵۰	ولقد موبناہی اسرائیل (۱۰۶-۹۳)	۴۶۳
۴۵۱	کافروں کے دلوں پر مرنگانے کی توجیہ	۴۵۳	۴۵۱	بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف قرآن میں شک کرنے کی نسبت اور اس سے عام لوگوں کا مراد ہونا	۴۶۶
۴۵۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	۴۵۳	۴۵۲	شک کی نسبت کلام لوگوں کی طرف ہونا	۴۶۷
۴۵۳	فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب اور حضرت موسیٰ کے معجزہ کا جلاو نہ ہونا	۴۵۳	۴۵۳	شک کی نسبت کے متعلق بعض تراجم	۴۶۷
۴۵۴	قوم فرعون کے ایمان کردہ دو عذر	۴۵۵	۴۵۴	اللہ تعالیٰ کے کلمات کا معنی	۴۶۸
۴۵۵	جادو کا حکم دینے کی توجیہ	۴۵۵	۴۵۵	حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	۴۶۹
۴۵۶	فحما امس لموسى الادریہ (۸۳-۷۳)	۴۵۵	۴۵۶	حضرت یونس علیہ السلام کا نام و نسب	۴۶۹
۴۵۷	ربط آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۴۵۷	۴۵۷	حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات	۴۶۹
۴۵۸	حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کا مصداق	۴۵۷	۴۵۸	حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث	۴۷۰
۴۵۹	اسلام اور ایمان کا معنی اور اس معنی پر توکل کا	۴۵۹			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷۸	حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح	۳۷۰	۳۸۵	کردی ہے	۳۸۵
۳۷۹	ربط آیات	۳۷۳	۳۸۵	لفظ "وکیل" کے چند تراجم	۳۸۵
۳۸۰	آثار عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام	۳۷۷	۳۸۵	زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم	۳۸۵
	کی قوم کا توبہ کرنا	۳۷۴	۳۸۶	سورہ یونس کی اختتامی دعا	۳۸۶
۳۸۱	حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول		۳۸۷	سورة طور	۳۸۷
	کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ	۳۷۴			
۳۸۲	حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور		۳۸۹	سورة کلام	۳۸۹
	نگاہ رسالت میں ان کا بلند مقام	۳۷۵		سورة حمود کی آیات، زمانہ نزول اور نزول کا	
۳۸۳	حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید		۳۹۰	مقام	۳۹۰
	مودودی کی تنقید	۳۷۶	۳۹۰	سورة حمود کی سورہ یونس کے ساتھ مناسبت	۳۹۰
۳۸۴	سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ	۳۷۷	۳۹۰	سورة حمود کے متعلق احادیث	۳۹۰
۳۸۵	روئے زمین کے تمام لوگوں کو مومن بنانا اللہ		۳۹۰	سورة حمود کے مضامین	۳۹۰
	تعالیٰ کی قدرت میں ہے لیکن اس کی حکمت			الردد کنسب احکمتا ہنہ نم	
	میں نہیں	۳۷۸		فصلت (۱-۵)	
۳۸۶	انسان مجبور محض ہے نہ مختار مطلق	۳۷۹	۳۹۳	قرآن مجید کی آیات کے حکم ہونے کے محال	۳۹۳
۳۸۷	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلیل	۳۷۹	۳۹۳	استغفار کے حکم کے بعد توبہ کے حکم کی توجیہ	۳۹۳
۳۸۸	مومنوں کو ثواب عطا فرمانے کا جو ب اللہ تعالیٰ		۳۸۰	دنیا میں کافروں کی خوشحالی اور مسلمانوں کی	
	کے وعدہ کی وجہ سے ہے			بدحالی کی توجیہ	
۳۸۹	اسلام کا نظریہ کے مطابق ہونا اور کفر کا خلاف		۳۸۱	زیادہ نکلی کرنے والے کو زیادہ اجر دینے کی	
	نظریہ ہونا	۳۸۱		تحقیق	
۳۹۰	ریاکاری کا شرک خفی ہونا	۳۸۱	۳۹۹	تمدید اور تبشیر کا احتراز	۳۹۹
۳۹۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے منع کرنے		۳۹۹	منافقین کے سینہ موڑنے کے محال	۳۹۹
	میں امت کی طرف قریض ہے	۳۸۱	۳۹۸	وما من دابة فی الارض (۸-۶)	۳۹۸
۳۹۲	وینمسیک اللہ مبصر (۱۰۹-۱۰۷)	۳۸۲	۳۹۹	ربط آیات	۳۹۹
۳۹۳	اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود اپنے بندوں کو نفع		۳۸۲	دابة کا معنی	۳۹۹
	پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا			مستقر اور مستوع کا معنی	
۳۹۴	اپنے گناہوں کو پہنچانا واجب ہے اور ظاہر کرنا		۳۸۳	اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کی مثالیں	۳۹۹
	حرام ہے			آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنا	
۳۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیازی تبلیغ				

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۵۱۹	۵۳۲	رکھتے تھے تو ان سے گرفت کیوں ہوئی؟	۵۰۰	۵۱۷	عرش کے پانی پر ہونے کے متعلق احادیث
۵۲۰	۵۳۳	نیکوں کے لانا قبول ہونے کی توقع نہ رکھی جائے	۵۰۱	۵۱۸	عرش کے پانی کے اوپر ہونے کے متعلق علماء کی آراء و نظریات
۵۲۱	۵۳۴	ولقد ارسلنا نوحا حالی قومہ (۲۵-۳۵)	۵۰۵	۵۱۹	ربط آیات
۵۲۳	۵۳۶	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۵۰۵	۵۲۰	قرآن مجید اور احادیث میں لفظ "امت" کے اطلاقات
۵۲۳	۵۳۷	انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت	۵۰۶	۵۲۱	ولئن ادقنا الانسان منا رحمہ (۹-۱۷)
۵۲۳	۵۳۸	حضرت نوح کی قوم کے کافر مرداروں کے شہادت	۵۰۸	۵۲۲	معصیت میں کفار کا ایس ہونا اور راحت میں ناشکری کرنا
۵۲۴	۵۳۹	بشر کا معنی اور نبی کے بشار ہونے کی حقیقت	۵۰۹	۵۲۳	مومن کے لیے معصیت اور راحت دونوں کا خیر ہونا
۵۲۵	۵۴۰	نبی کی خصوصیات	۵۱۰	۵۲۴	کیا کفار کے طعن و تشنیع کے خوف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تبلیغ میں کمی کرنے والے تھے؟
۵۲۵	۵۴۱	قوت ہامرہ	۵۱۲	۵۲۵	قرآن مجید کا مجر ہونا
۵۲۶	۵۴۲	قوت سامرہ	۵۱۲	۵۲۶	ریا کاری کی مذمت اور اس پر وعید
۵۲۶	۵۴۳	قوت شامرہ	۵۱۲	۵۲۷	تمام اہل ظل پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وجوب
۵۲۶	۵۴۴	قوت ذائقہ	۵۱۳	۵۲۸	غیر متدین دنیا میں رہنے والوں کے لیے توحید پر ایمان لانا ضروری ہے نہ کہ رسالت پر
۵۲۷	۵۴۵	قوت لامرہ	۵۱۵	۵۲۹	ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا (۱۸-۲۳)
۵۲۷	۵۴۶	فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ	۵۱۵	۵۳۰	روز قیامت کفار کے خلاف گواہی دیتے والوں کے مصداق
۵۲۷	۵۴۷	بہس ماندہ اور گزردہ لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں	۵۱۷	۵۳۱	کفار مکہ کی چودہ وجوہ سے مذمت
۵۲۸	۵۴۸	اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کی یہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا	۵۱۸	۵۳۲	کفار کو گنہگار اب دینے ایک برائی پر ایک
۵۲۸	۵۴۹	طبقاتی فرق اور نام و نسب فضیلت کا موجب نہیں	۵۱۹	۵۳۳	غذاب کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے
۵۲۹	۵۵۰	بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے	۵۱۹	۵۳۳	جب کفار حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں
۵۳۰	۵۵۱	تبلیغ دین پر اجر طلب نہ کرنے سے حضرت نوح کا پٹی نبوت پر استدلال			
۵۳۰	۵۵۲	مومنوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہ			
۵۳۰	۵۵۳	شریعت میں مومن کی حکیم اور کافر کی تذلیل			

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۵۳۵	۵۲۹	حضرت نوح علیہ السلام کے جوابدہ اڑانے کا محمل	۵۳۱	۵۲۹	مطلوب ہے
۵۳۶	۵۴۰	تور کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق	۵۳۲	۵۲۹	حضرت نوح علیہ السلام کا معنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ
۵۳۶	۵۴۱	حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل	۵۳۳	۵۲۹	جدال کا معنی
۵۳۷	۵۴۲	ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا	۵۳۳	۵۲۹	حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات
۵۳۸	۵۴۳	حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جبکہ وہ کافر تھا؟	۵۳۳	۵۲۹	جب اللہ تعالیٰ کفار کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمائے تو پھر گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟
۵۳۸	۵۴۴	وقبل یارض ابلغنی ماء ک (۳۹-۴۳)	۵۳۳	۵۲۹	انسان کے افعال کی قدرت میں مذہب و شکلیں اور جبر و قدر کی وضاحت
۵۵۰	۵۴۵	مشکل الفاظ کے معنی	۵۳۳	۵۲۹	واوحی الی نوح انسل من من من قومک (۳۶-۴۳)
۵۵۰	۵۴۶	اللہ اور اس کے رسول کا جملوات کو خطاب کرنا	۵۳۳	۵۲۹	مناہج کذب اور مسئلہ تقدیر
۵۵۱	۵۴۷	جو دی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل	۵۳۳	۵۲۹	جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع
۵۵۲	۵۴۸	تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف	۵۳۵	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات میں متاثرین کا مسلک
۵۵۲	۵۴۹	ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟	۵۳۷	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات میں حقد من کا مسلک
۵۵۲	۵۵۰	اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا	۵۳۷	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات
۵۵۳	۵۵۱	حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل	۵۳۷	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۳	۵۵۲	سکرین عصمت کا حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۳۸	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۳	۵۵۳	حضرت نوح علیہ السلام کے سوال کے متعلق	۵۳۸	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۵	۵۵۴	امام رازی کی تقریر	۵۳۹	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۶	۵۵۵	حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالکلام علی مودودی کا تبصرہ	۵۳۹	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۷	۵۵۶	حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ	۵۳۹	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۷	۵۵۷	حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا حکم جواز	۵۳۹	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق
۵۵۸	۵۵۸	ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں	۵۳۹	۵۲۹	اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵۸۸	حضرت صلح علیہ السلام سے ان کی قوم کی امیدوں کی وجوہات	۶۰۸	۵۵۹	اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی	۵۸۸
۵۸۹	شک اور مرید کا فرق	۶۰۹	۵۶۰	وصول نعمت میں عوام اور خواص کا فرق	۵۸۹
۵۹۰	اپنی نبوت پر یقین کے بلو جوہ حضرت صلح علیہ السلام نے بصورت شک کیوں بہت کی؟	۶۱۰	۵۶۱	غیب کی خبروں اور علم غیب کے اطلاق کی بحث	۵۹۰
۵۹۱	انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ کی ترتیب	۶۱۱	۵۶۲	والی عداۃ احابہم ہود (۶۰-۵۰)	۵۹۱
۵۹۲	حضرت صلح علیہ السلام کی اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہ	۶۱۲	۵۶۳	حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہنے کی توجیہ	۵۹۲
۵۹۳	اونٹنی سے قوم کی دشمنی کا سبب	۶۱۳	۵۶۴	امت کے لیے نبی کو اپنا بھائی کہنے کے جواز پر بعض علماء کے دلائل	۵۹۳
۵۹۴	اونٹنی کو قتل کرنے کی وجوہ	۶۱۴	۵۶۵	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے کے عدم جواز پر دلائل	۵۹۴
۵۹۵	اونٹنی کو قتل کرنے کی تفصیل	۶۱۵	۵۶۶	بڑے بھائی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تلقین کرنا غلط ہے	۵۹۵
۵۹۶	قوم ثمود پر عذاب نازل ہونے کی تفصیل	۶۱۶	۵۶۷	حضرت صلح علیہ السلام نے دلائل قائم کیے بغیر توحید کی دعوت کیوں دی تھی؟	۵۹۶
۵۹۷	الحجرۃ کا معنی	۶۱۷	۵۶۸	نعمتیں عطا کرنے کے بعد ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمانا	۵۹۷
۵۹۸	ولقد جاءہم برسلسنا (۷۶-۷۹)	۶۱۸	۵۶۹	حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا کلام	۵۹۸
۵۹۹	حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	۶۱۹	۵۷۰	خلاصہ آیات	۵۹۹
۶۰۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال	۶۲۰	۵۷۱	قوم عاد پر نزول عذاب کا پس منظر اور پیش منظر	۶۰۰
۶۰۱	فرشتوں کے سلام کے الفاظ	۶۲۱	۵۷۲	والی ثمود احابہم صالحا (۶۸-۶۷)	۶۰۱
۶۰۲	سلام کے متعلق احادیث	۶۲۲	۵۷۳	انسان کو زمین سے پیدا کرنے کے دو محمل	۶۰۲
۶۰۳	جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے یا مکروہ ہے	۶۲۳	۵۷۴	انسان اور زمین کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال	۶۰۳
۶۰۴	سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل	۶۲۴	۵۷۵	نیکو کاروں اور بدکاروں کے لیے دنیا کا عرف ہونا	۶۰۴
۶۰۵	سلام میں مسلمان نوازی کی حیثیت	۶۲۵	۵۷۶	عمری کا معنی	۶۰۵
۶۰۶	مسلمان نوازی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۶۲۶	۵۷۷	عمری کے متعلق احادیث	۶۰۶
۶۰۷	مسلمان نوازی کے متعلق مذاہب فقہاء	۶۲۷	۵۷۸	عمری میں مذاہب ائمہ	۶۰۷

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
	۵۸۸	۳۷۷ حضرت لوط علیہ السلام کا نجات پانا اور بد معاش	۳۷۸	۵۸۸	۳۷۸ مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث
۶۰۲		کافروں کا بھاگنا	۳۷۹	۵۸۸	۳۷۹ مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات
۶۰۳	۳۷۸	۳۷۸ قوم لوط کی بہت سی لٹنے کے متعلق روایات	۳۸۰	۵۸۹	۳۸۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ
۶۰۳	۳۷۹	۳۷۹ "بھیل" کا معنی	۳۸۱	۵۸۹	۳۸۱ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں
۶۰۳	۳۸۰	۳۸۰ قوم لوط کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات	۳۸۲	۵۹۰	۳۸۲ "بھیل" امتوں میں بھی کھلنے سے پہلے "بہم" اللہ پر دھنا تھا
۶۰۳	۳۸۱	۳۸۱ اس امت کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات	۳۸۳	۵۹۰	۳۸۳ حضرت سارہ کے جننے کی وجوہ
۶۰۳	۳۸۲	۳۸۲ والی مہینہ انعام شعیب	۳۸۴	۵۹۰	۳۸۴ "یا ویدشی" کا معنی اور ترجمہ
۶۰۳	۳۸۳	۳۸۳ (۸۸-۸۳)	۳۸۵	۵۹۰	۳۸۵ اہل بیت کے صدق کی تحقیق
۶۰۶	۳۸۴	۳۸۴ باب اور قول میں کی کرنے کی ممانعت	۳۸۶	۵۹۱	۳۸۶ فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ پر ایک اعتراض کا جواب
۶۰۶	۳۸۵	۳۸۵ لوگوں کو نقصان نہ پہنچانے اور فساد نہ کرنے کے محال	۳۸۷	۵۹۱	۳۸۷ فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ
۶۰۷	۳۸۶	۳۸۶ "بقیۃ اللہ" کا معنی	۳۸۸	۵۹۱	۳۸۸ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی
۶۰۸	۳۸۷	۳۸۷ حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ کی تشریح	۳۸۹	۵۹۱	۳۸۹ ولما جاءہم رسلنا بآیات موسیٰ بہم
۶۰۹	۳۸۸	۳۸۸ قوم کے سامنے حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر	۳۹۰	۵۹۱	۳۹۰ (۸۳-۷۷)
۶۰۹	۳۸۹	۳۸۹ ویقوم لایجر منکم شقاقی	۳۹۱	۵۹۱	۳۹۱ مشکل الفاظ کے معانی
۶۱۰	۳۹۰	۳۹۰ (۸۹-۹۵)	۳۹۲	۵۹۱	۳۹۲ فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچنا
۶۱۱	۳۹۱	۳۹۱ حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کا ترجمہ اور قوم کو نصیحت	۳۹۳	۵۹۱	۳۹۳ حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجوہ
۶۱۲	۳۹۲	۳۹۲ "نقہ" کا معنی اور اصطلاحی معنی	۳۹۴	۵۹۱	۳۹۴ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صلیبی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا یا قوم کی بیٹیوں کو؟
۶۱۳	۳۹۳	۳۹۳ کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو کیوں نہیں سمجھتے تھے؟	۳۹۵	۵۹۱	۳۹۵ قوم کی بیٹیوں کے ارادہ پر دلائل
۶۱۴	۳۹۴	۳۹۴ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی تفصیل	۳۹۶	۵۹۱	۳۹۶ حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنا
۶۱۴	۳۹۵	۳۹۵ ولقد ارسلنا موسیٰ بآیتنا	۳۹۷	۵۹۱	۳۹۷ اللہ تعالیٰ کی پناہ کی بجائے مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنے کی توجیہات
۶۱۴	۳۹۶	۳۹۶ (۹۱-۱۰۹)	۳۹۸	۵۹۱	
۶۱۶	۳۹۷	۳۹۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	۳۹۹	۵۹۱	
۶۱۷	۳۹۸	۳۹۸ "سلطان" کا معنی اور علماء کی سلطنت کا	۴۰۰	۵۹۱	
۶۱۷	۳۹۹	۳۹۹ بادشاہوں کی سلطنت سے زیادہ قوی ہونا	۴۰۱	۵۹۱	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۲۶	آیت سلطان اور سلطان مہیب کا	۶۸۳	۶۸۳	دائمی عذاب پر ایم رازی کے دو اعتراضوں کا	۶۳۱
۶۲۷	بہی فرق	۶۸۸	۶۸۳	کفار کے دائمی عذاب پر قرآن مجید سے دلائل	۶۳۱
۶۲۷	فرعون کی گمراہی اور دوزخ میں اس کا اپنی قوم	۶۸۸	۶۸۵	زیر تفسیر آیت میں کفار کے دائمی عذاب سے	۶۳۲
۶۲۸	انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور	۶۸۹	۶۸۶	استثناء کی توجیہات	۶۳۳
۶۲۹	واقعات بیان کرنے کے فوائد	۶۹۰	۶۸۶	اہل جنت کے جنت میں اور اہل نار کے نار میں	۶۳۳
۶۲۹	کفار کو عذاب میں مبتدل اور حکمت کا تعلق ہے	۶۹۱	۶۸۷	دوام کے متعلق احادیث	۶۳۳
۶۳۰	گزشتہ قوموں کی برائیوں کے مرتکبین پر	۶۹۱	۶۸۷	کفار کے حصول کا بیان	۶۳۳
۶۳۱	آنے والے عذاب سے ڈرنا چاہیے	۶۹۱	۶۸۸	ولقد اتينا موسى الكتاب	۶۳۵
۶۳۱	تو قیامت کی دلیل	۶۹۱	۶۸۹	ماحتلف فیہ (۱۸۰-۱۸۳)	۶۳۵
۶۳۲	کیا حشر کے دن لوگوں کو باتیں کرنا مطلقاً ممنوع	۶۹۱	۶۸۹	توحید و رسالت کا انکار کفار کی پرانی روش ہے	۶۳۷
۶۳۲	ہے؟	۶۹۱	۶۹۰	کفار مکہ پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجہ	۶۳۷
۶۳۳	آیا حشر کے دن لوگ "سعید" اور "شقی" میں	۶۹۱	۶۹۱	بعد اور وعید کی جامع آیت	۶۳۸
۶۳۳	منحصر ہوں گے یا نہیں؟	۶۹۱	۶۹۱	"استقامت" کا لغوی اور عرفی معنی	۶۳۹
۶۳۳	لوگوں کے سعید اور شقی ہونے کے متعلق	۶۹۱	۶۹۱	"استقامت" کا شرعی معنی	۶۴۰
۶۳۳	احادیث	۶۹۱	۶۹۱	صوفیاء کے نزدیک استقامت کا معنی	۶۴۰
۶۳۳	جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی	۶۹۱	۶۹۱	"رکون" کا لغوی اور عرفی معنی	۶۴۱
۶۳۳	تقدیر میں شقی ہونا لکھ دیا تو پھر سعیت میں	۶۹۱	۶۹۱	"رکون" کا شرعی معنی	۶۴۱
۶۳۳	اس کا کیا تصور ہے؟	۶۹۱	۶۹۱	کفار بد مذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی	۶۴۲
۶۳۳	"تقدیر مطلق" اور "تقدیر مبرم" کے متعلق	۶۹۱	۶۹۱	ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۴۲
۶۳۳	احادیث	۶۹۱	۶۹۱	کفار بد مذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی	۶۴۲
۶۳۳	تضاد مبرم کو کوئی حل نہیں سکتا	۶۹۱	۶۹۱	ممانعت کے متعلق احادیث	۶۴۲
۶۳۳	تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے	۶۹۱	۶۹۱	کابیر صحابہ پر شیعہ کا سب و شتم اور زیر تفسیر	۶۴۳
۶۳۳	تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے	۶۹۱	۶۹۱	آیت سے اس کا جواب	۶۴۳
۶۳۳	"سعادۃ" اور "شقاوت" کا معنی	۶۹۱	۶۹۱	نماز کی اہمیت	۶۴۳
۶۳۳	"رفہر" اور "شہیق" کا معنی	۶۹۱	۶۹۱	دن کی دو طرفوں میں فقہاء صحابہ و تابعین کے	۶۴۳
۶۳۳	اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے عذاب کو	۶۹۱	۶۹۱	اقوال	۶۴۳
۶۳۳	آسمان اور زمین کے قیام پر موقوف کرنا دوام	۶۹۱	۶۹۱	نماز فجر کو سفید اور روشن وقت میں پڑھنے،	۶۴۳
۶۳۳	عذاب کے متعلق ہے	۶۹۱	۶۹۱	عصر کو دو شکل سلیہ کے بعد پڑھنے اور وتر	۶۴۳

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۶۰	کا ذکر	۶۳۴	۶۳۴	کے وجوب میں امام ابو حنیفہ کی تائید	
۶۶۱	سورۃ یوسف کے مقاصد اور اہداف	۶۳۵	۶۳۵	پانچ وقت کی نمازوں سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث	
۶۶۳	حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق احادیث	۶۳۸	۶۳۸	پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ دیگر عبادات سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث	
۶۶۳	الرد علیٰ کتائب المبین (۱-۶)	۶۳۹	۶۳۹	نیکوں سے صغیرہ گناہ ملتے ہیں یا کبیرہ؟	
۶۶۳	قرآن مجید کے مبین ہونے کی وجوہ	۶۵۰	۶۵۰	مرجیہ کے استدلال کا جواب	
۶۶۳	اللہ تعالیٰ کے لیے کمال کا معنی			سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہونے کے دو سبب	
۶۶۵	”قصہ“ کا لغوی معنی	۶۵۱	۶۵۱	دنیا میں شرک قتل در گزر ہے، ظلم لائق در گزر نہیں	
۶۶۵	سورۃ یوسف کو ”احسن القصص“ فرمانے کی وجوہات	۶۵۱	۶۵۱	دنیا کے مشہور فرقے	
۶۶۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھنا	۶۵۲	۶۵۲	اختلاف مذہب ہونے کے باوجود مجتہدین کا اختلاف کیوں محمود ہے؟	
۶۶۶	ان ستاروں کے اسما	۶۵۳	۶۵۳	اللہ، رسول اور کتب ایک ہے پھر اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟	
۶۶۶	خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر	۶۵۳	۶۵۳	ابتداء اسلام قبول کرنے والا کس فرقے میں جائے	
۶۶۶	”خند“ کی تشریف	۶۵۳	۶۵۳	جہنم کائناتوں اور انسانوں سے بھرتا	
۶۶۶	”خواب“ کی تشریف	۶۵۳	۶۵۳	انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمت	
۶۶۶	خواب کی اقسام	۶۵۵	۶۵۵	حق، نصیحت اور عبرت کا فرق	
۶۶۰	انجیل اور برے خوابوں کا شرعی حکم	۶۵۶	۶۵۶	حرف آخر	
۶۶۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب اور بیداری میں زیارت	۶۵۷	۶۵۷		
۶۶۲	خند خوابوں کی تعبیروں کے متعلق احادیث				
۶۶۵	خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت				
۶۶۵	بھائیوں کو خواب سناتے سے منع کرنے کا سبب				
۶۶۵	کفار اور فساق کے خواب سچے ہونے کی وجوہ				
۶۶۶	صرف ہمدرد اور خیر خواہ کے سامنے خواب بیان کیا جائے				
۶۶۶	محمدؐ خواب کی غلط تعبیر بیان نہ کرے				

سورۃ یوسف

سورۃ یوسف کا نام، اس کا مقام نزول اور زمانہ

نزول

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۳۰	کسی کو ضرر سے بچانے کے لیے دوسرے کے		۶۷۰	تخصیلات	
	عیسائیوں کے لئے کاجواز	۶۷۷	۴۳۱	حسد کے خطرات نعمتوں کے چھپانے کاجواز	۶۷۷
	۴۳۱		۴۳۲	حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف	۶۷۸
	۴۳۲			علیہ السلام کی سر بلندی اور ان کے بھائیوں	
	۴۳۳			کے حسد کا پیشگی علم ہونا	
	۴۳۴		۴۳۳	سچے خوابوں کے بشارت ہونے کی تفصیل	۶۷۸
	۴۳۵		۴۳۴	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے	
	۴۳۶			انبیاء ہونے کے دلائل	
	۴۳۷		۴۳۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے	
	۴۳۸			انبیاء ہونے کے دلائل	
	۴۳۹		۴۳۶	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی	
	۴۴۰			نبوت کے متعلق مصنف کا موقف	
	۴۴۱		۴۳۷	حضرت یوسف علیہ السلام کی صرح	
	۴۴۲		۴۳۸	توبل الا حادثہ کے محال	
	۴۴۳		۴۳۹	تکمیل نعت کا معنی	
	۴۴۴		۴۴۰	نقد کار فی یوسف و احوتہ (۴۳-۷۷)	
	۴۴۵		۴۴۱	حضرت یوسف علیہ السلام کے قصص میں	
	۴۴۶			مشائیاں	
	۴۴۷		۴۴۲	حضرت یوسف کے بھائیوں کی حضرت یوسف	
	۴۴۸			سے نفرت کا سبب	
	۴۴۹		۴۴۳	حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے زیادہ	
	۴۵۰			محبت کیوں تھی؟	
	۴۵۱		۴۴۴	حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد ہی ان کے	
	۴۵۲			تمام گناہوں کی جڑ تھا	
	۴۵۳		۴۴۵	حسد، رشک اور منافست کی تفریقیں	
	۴۵۴		۴۴۶	حسد نہ کرنے کی فضیلت	
	۴۵۵		۴۴۷	حسد نہ موم	
	۴۵۶		۴۴۸	غیر اختیاری صبر کی بہ نسبت اختیاری صبر کی	
	۴۵۷				
	۴۵۸				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۷۹	حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھڑیچے کے کھانے کا خطرہ کیوں ہوا؟	۷۰۵	۷۲۰	بھائے اپنے بیٹوں کے جرم کے خلاف تفتیش کیوں نہیں کی؟	۷۲۰
۷۸۰	فلمادھب و ابواجمعہ (۱۵-۴۰)	۷۰۶	۷۲۱	”میر جمیل“ کی تعریف	۷۲۱
۷۸۱	حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں کا راستہ میں زد و کوب کرنا	۷۰۷	۷۲۱	میر جمیل کے حصول کے اسباب	۷۲۱
۷۸۲	حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی سے مراد وحی نبوت ہے یا الہام؟	۷۰۸	۷۲۲	میر جمیل کی اقسام	۷۲۲
۷۸۳	حضرت یوسف کے بھائیوں کو خبر نہ ہونے کے محال	۷۰۸	۷۲۳	کالہ والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا	۷۲۳
۷۸۴	والد سے اپنے حالات کو مخفی رکھنے میں حضرت یوسف کی حکمت	۷۰۸	۷۲۳	وقال الذی اشتريه من مصر (۲۹-۴۱)	۷۲۳
۷۸۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خبر دینا	۷۰۹	۷۲۴	حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے متعلق متعدد روایات	۷۲۴
۷۸۶	یوزمیں مسابقت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح	۷۰۹	۷۲۵	کنعان سے مصر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے پہنچنے کی تفصیل	۷۲۵
۷۸۷	یوزمیں مسابقت کی شرط کے متعلق مذاہب فقہاء	۷۱۰	۷۲۶	عزیز مصر کی فراست	۷۲۶
۷۸۸	انعامی بانڈز کے جواز کی بحث	۷۱۱	۷۲۷	اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محال	۷۲۷
۷۸۹	لاماری اور قمار بازی کے متعلق تقریرات پاکستان کی دفعت کی تشریح	۷۱۲	۷۲۸	قصہ یوسف میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں	۷۲۸
۷۹۰	وفد ۳۹۳ (ب) تجارت وغیرہ کے لیے انعام کی پیشکش کرنا	۷۱۳	۷۲۹	پختگی کی عمر میں متعدد اقوال	۷۲۹
۷۹۱	انعامی بانڈز کے متعلق جنس پیر محمد کرم شاہ کا فیصلہ	۷۱۴	۷۳۰	علم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال	۷۳۰
۷۹۲	انعامی بانڈز کے جواز کے متعلق جنس شفیع اور حسن کا فیصلہ	۷۱۵	۷۳۱	محسنین کی تفسیر میں متعدد اقوال	۷۳۱
۷۹۳	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خبر کے من گھڑت ہونے کی وجوہ	۷۱۶	۷۳۲	حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت اور پر سائی کا مکمل	۷۳۲
۷۹۴	حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کرنے کے	۷۱۷	۷۳۳	عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف کو دور غلاٹا	۷۳۳
			۷۳۴	مخلوق کی بہ نسبت خالق سے حیاء کرنا لائق ستائش ہے	۷۳۴
			۷۳۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے جوابات کی وضاحت	۷۳۵
			۷۳۶	”ہم“ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے متعلق احادیث	۷۳۶
			۷۳۷	”وہم بہا“ کے ترجمہ کے دو محمل	۷۳۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۱۳	آیا حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تھا یا نہیں؟	۷۳۳	۸۳۲	حضرت یوسف علیہ السلام کو "فرشتہ" کہنے کی توجیہ	۷۳۹
۸۱۵	"وہم بہا" کی باطل تفسیریں	۷۳۳	۸۳۵	حضرت یوسف علیہ السلام کی سخت آزمائش	۷۴۰
۸۱۶	"لو لان راہرہا ریبہ" کی باطل تفسیریں	۷۳۵	۸۳۶	اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر گناہ سے بچنا ممکن نہیں	۷۵۰
۸۱۷	"وہم بہا" کے اکثر صحیح اور بعض غلط محال و نبیاء علیہم السلام کو گناہ کار قرار دینے کی توجیہات اور ان کا بطلان	۷۳۶	۸۳۷	حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا سبب	۷۵۱
۸۱۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف گناہ کی قسمت کار و اور ابطال	۷۳۷	۸۳۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک بازی کی علامات	۷۵۲
۸۱۹	حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن ہونے پر متعدد شواہد تفسیر	۷۳۷	۸۳۹	قید کی مدت	۷۵۲
۸۲۰	"لو لان راہرہا ریبہ" کو ذکر کرنے کا فائدہ	۷۳۸	۸۴۰	ودحلی معہ السحس فنیس (۳۶-۳۷)	۷۵۲
۸۲۱	"لو لان راہرہا ریبہ" کے مزید محال	۷۳۹	۸۴۱	حضرت یوسف کی قید خانہ میں سلاقی اور نانہائی سے ملاقات	۷۵۲
۸۲۲	السوء الفحشاء اور المخلصین کا معنی	۷۴۰	۸۴۲	سلاقی اور نانہائی کے بیان کیے ہوئے خواب آیا ہے یا جموئے؟	۷۵۳
۸۲۳	عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگانا	۷۴۰	۸۴۳	قید خانہ میں کھانا آنے سے پہلے حضرت یوسف کا کھانے کی خبر پانا	۷۵۵
۸۲۴	حضرت یوسف علیہ السلام کی قسمت سے براءت اور ان کے صدق کے شواہد	۷۴۱	۸۴۴	خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے کھانے کے متعلق پیش گوئی کی توجیہ	۷۵۵
۸۲۵	عزیز مصر کی بیوی کو محفل مانگنے کی تلقین	۷۴۲	۸۴۵	حضرت یوسف کے دعویٰ نبوت کے اشارات	۷۵۶
۸۲۶	عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا	۷۴۳	۸۴۶	کافروں کے دین کو ترک کرنے کی توجیہ	۷۵۸
۸۲۷	وقال نسوة فی الحدیث قاتلات العزیز (۳۵-۳۶)	۷۴۴	۸۴۷	مبدء اور محار کے اقرار کی اہمیت	۷۵۸
۸۲۸	مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی	۷۴۵	۸۴۸	اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا جواز	۷۵۹
۸۲۹	مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی کا فائدہ	۷۴۶	۸۴۹	دین کا معنی	۷۶۰
۸۳۰	مصری خواتین کی دعوت کا اہتمام	۷۴۶	۸۵۰	شرک سے اجتناب کے اختصار کی توجیہ	۷۶۰
۸۳۱	حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن کے متعلق احادیث و آثار	۷۴۷	۸۵۱	ایمان پر شکر ادا کرنے کا وجوب	۷۶۱
۸۳۲	مصری خواتین کا پہلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں	۷۴۸	۸۵۲	حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں توحید یاری کی تقاریر	۷۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۵۳	بتوں کے صرف اسماء ہونے پر ایک اعتراض کا جواب	۷۳	۸۷۳	میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے	۷۷۳
۸۵۴	کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے بتوں کی تعظیم کا حکم دیا ہے	۷۳	۸۷۴	غیر اللہ سے استمداد کا جواز	۷۷۴
۸۵۵	اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل	۷۳	۸۷۵	مخلوق سے استمداد کی بناء پر حضرت یوسف سے مواخذہ کی توجیہ	۷۷۵
۸۵۶	اس بات کی توجیہ کہ اکثر لوگ اللہ کے استحقاق عبادت کو نہیں جانتے	۷۳	۸۷۶	حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت	۷۷۶
۸۵۷	سلاقی اور بنیالی کے خواب کی تعبیر	۷۵	۸۷۷	وقال الملک کئانی اری سبع بقرات (۳۳-۳۹)	۷۷۷
۸۵۸	خواب کی تعبیر کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے ظن کی توجیہ	۷۵	۸۷۸	مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا	۷۷۸
۸۵۹	شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں	۷۶	۸۷۹	اصحاحات احلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۷۹
۸۶۰	حضرت یوسف علیہ السلام کو بھلانے کے متعلق روایات	۷۶	۸۸۰	مدت گزرنے کے بعد حضرت یوسف کا ذکر کرنے کی توجیہ	۷۷۹
۸۶۱	شیطان کے بھلانے کے متعلق اختلاف مفسرین	۷۶	۸۸۱	جس سے علم حاصل کیا جائے اس کی تعظیم و انکرم لازم ہے	۷۸۰
۸۶۲	نبی کو بھلانے کی توجیہ	۷۶	۸۸۲	حضرت یوسف علیہ السلام کے مکارم اخلاق مستقبل کے لیے پس انداز کرنے اور قوی ضرورت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنے کا جواز	۷۸۱
۸۶۳	نبی ﷺ کے نسیان کی تحقیق	۷۸	۸۸۳	خواب کا پہلی تعبیر پر واقع ہونا ضروری نہیں	۷۸۱
۸۶۴	سوا اور نسیان کا فرق	۷۸	۸۸۴	تمام مقاصد حیات کے لیے شریعت کا مشکل ہونا	۷۸۲
۸۶۵	افعال تبلیغیہ میں سوا اور نسیان کا جواز اور اقوال تبلیغیہ میں سوا اور نسیان کا کلام جواز	۷۹	۸۸۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا غیب کی خبریں دینا	۷۸۲
۸۶۶	بھولنے اور بھلانے جانے کے دو عمل	۷۹	۸۸۶	وقال الملک کئانی اری سبع (۵۴-۵۰)	۷۸۲
۸۶۷	"لبسہ التھریس" میں نماز فجر قضا ہونے کی تحقیق	۷۹	۸۸۷	علم دین کی وجہ سے روز قیامت علماء کی مغفرت	۷۸۳
۸۶۸	غزوہ خندق میں نمازیں قضا ہونے کی تحقیق	۷۹	۸۸۸	ہمارے نبی ﷺ کا حضرت یوسف کی تمسین کرنا	۷۸۳
۸۶۹	غزوہ خندق میں نماز قضا ہونے کا سبب	۷۹	۸۸۹	رہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توقف کرنے کی وجوہات	۷۸۳
۸۷۰	بیماروں میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیا اب نماز قضا کی جاسکتی ہے؟	۷۹	۸۹۰	"جیل بھرو تحریک" کا کلام جواز	۷۸۵
۸۷۱	نبی ﷺ کی نمازوں میں سو کی تحقیق	۷۹	۸۹۱	حضرت یوسف کا سمت لگانے والیوں کی تعیین	۷۸۵
۸۷۲	اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات	۷۹			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	نہ کرنا	۷۸۵		غلط متکبر	۷۹۲
۸۹۳	مصر کی عورتوں کی سازش کی وجوہ	۷۸۵	۹۰	موجودہ طریق انتخاب کی اصلاح کی ایک صورت	۷۹۲
۸۹۳	عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف اور حصص کا معنی	۷۸۶	۹۱	اکافریا قاسم قاہرہ کی طرف سے عہدہ یا منصب قبول کرنے کی تحقیق	۷۹۷
۸۹۳	پس پشت خیانت نہ کرنے کے دو محل	۷۸۶	۹۲	حضرت یوسف کے حفیظ اور ملیم ہونے کے محال	۷۹۸
۸۹۵	حضرت یوسف علیہ السلام نے پس پشت کسی کی خیانت نہیں کی	۷۸۷	۹۳	خود ستائی کے ممنوع ہونے کے محال اور	۷۹۸
۸۹۶	حضرت یوسف کی پاکیزگی پر دلائل	۷۸۷	۹۴	حضرت یوسف کی اپنی تعریف کا جواز	۷۹۹
۸۹۷	و ما بہرئ نفسی (۵۷-۵۳)	۷۸۸	۹۵	حضرت یوسف کا اپنی مدح فرمانا تو وضع اور	۷۹۹
۸۹۸	حضرت یوسف کے اس قول کی توجیہ کہ "میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا"	۷۸۹	۹۶	تکسار کے خلاف نہیں ہے	۷۹۹
۸۹۹	صحت کی تعریف	۷۹۰	۹۷	ایام قحط میں حضرت یوسف کا حسن انتظام	۸۰۰
۹۰۰	نفس امارہ اور نفس مطہرہ	۷۹۱	۹۸	عزیز مصر کی بیوی سے حضرت یوسف کا نکاح	۸۰۱
۹۰۱	بادشاہ کا حضرت یوسف کو اپنے پاس بلانا	۷۹۱	۹۹	حضرت یوسف کی طہارت اور نزاہت پر	۸۰۳
۹۰۲	حضرت یوسف سے بادشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات	۷۹۲	۱۰۰	دلائل	۸۰۳
۹۰۳	حضرت یوسف کا رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانا	۷۹۳	۱۰۱	وجاء بحو قہو یوسف فدعوا لہ واعلیہ (۵۸-۶۸)	۸۰۳
۹۰۳	حضرت یوسف کلبو شاہ کے سامنے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنا	۷۹۳	۱۰۲	مشکل الفاظ کے معانی	۸۰۶
۹۰۵	بادشاہ کا حضرت یوسف کو صاحب اقتدار اور امانت دار قرار دینا	۷۹۳	۱۰۳	حضرت یوسف کے بھائیوں کا غلہ لینے مصر پہنچنا	۸۰۶
۹۰۶	طلب منصب کا خدمت جو از اور حضرت یوسف کے طلب منصب کی توجیہ	۷۹۳	۱۰۴	اور حضرت یوسف کا انہیں پہچان لینا	۸۰۶
۹۰۷	موجودہ طریق انتخاب پر حضرت یوسف کے طلب منصب سے استدلال اور اس کے جوابات	۷۹۳	۱۰۵	بھائیوں کا حضرت یوسف کو نہ پہچانا اور اس کی وجوہ	۸۰۷
۹۰۸	موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا	۷۹۴	۱۰۶	بنیامین کو بلوانے کی وجوہ	۸۰۷
۹۰۹	امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے	۷۹۵	۱۰۷	حضرت یوسف نے بنیامین کو بلوا کر حضرت یعقوب کو مزید رنج میں کیوں مبتلا کیا؟	۸۰۸
			۱۰۸	مشکل الفاظ کے معنی	۸۰۹
			۱۰۹	بھائیوں کی بوریوں میں رقم کی تبدیلی رکھنے کی وجوہ	۸۰۹
			۱۱۰	برائی کا جواب اچھائی سے دینے میں ہمارے نبی	۸۰۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷	حضرت یعقوب علیہ السلام کے بنیامین کو بھیجنے کی وجوہ	۸۱۰	۳۶	حیلہ کو جائز کرنے کی وجہ سے علامہ قرطبی کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات	۸۲۶
۳۸	بنیامین کو ساتھ بھیجنے کے لیے باپ کو تیار کرنا	۸۱۳	۳۷	حیلہ کو جائز کرنے کی وجہ سے امام بخاری کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات	۸۲۷
۳۹	مہیبت میں گھر جانے کا معنی	۸۱۳	۳۸	حیلہ کے جواز پر علامہ قرطبی کے اعتراضات کے جوابات	۸۲۷
۴۰	انظر لکھنے کے متعلق احادیث	۸۱۳	۳۹	حیلہ کے جواز پر امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات	۸۲۸
۴۱	”نظربہ“ میں مذاہب اور اس کے متعلق شرعی احکام	۸۱۵	۴۰	ونیامی احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں	۸۲۹
۴۲	نظربہ کی تاثرات کی تحقیق	۸۱۶	۴۱	حیلہ کے جواز پر قرآن اور سنت سے دلائل	۸۲۹
۴۳	ولمادخلوا علی یوسف (۶۹-۷۹)	۸۱۷	۴۲	حیلہ کی تعریف اور اس کے جواز پر علامہ سرخسی کے دلائل	۸۳۱
۴۴	حضرت یوسف کا بنیامین کو یہ بتانا کہ میں تمہارا بھائی ہوں	۸۱۹	۴۳	حیلہ کے جواز میں مفسرین کے مضماع قلعی کا ازالہ	۸۳۱
۴۵	اس اعتراض کا جواب کہ حضرت یوسف نے بنیامین کو روک کر باپ کی مزید دل آزاری کی	۸۱۹	۴۴	”وصوق کل ذی علم علیہم“ کے ترجمہ میں مصنف کی تحقیق	۸۳۲
۴۶	بے قصور قافلہ والوں کو چور کرنے کی توجہ	۸۲۰	۴۵	حضرت یوسف کی طرف منسوب کی گئی چوری کے متعلق روایات	۸۳۳
۴۷	جعل (کسی چیز کو ڈھونڈنے کی اجرت) کی تحقیق	۸۲۰	۴۶	بھائیوں کا حضرت یوسف سے فدیہ لینے کی درخواست کرنا	۸۳۵
۴۸	مال اور شخص کی ضمانت کے متعلق احادیث	۸۲۱	۴۷	ولما استیئسوا منہ فخلصوا	۸۳۵
۴۹	ضمانت کی تعریف اور اس کے شرعی احکام	۸۲۲	۴۸	حیلہ (۸۰-۹۳)	۸۳۵
۵۰	حضرت یوسف کے بھائیوں کے چور نہ ہونے کے دلائل	۸۲۳	۴۹	بڑے بھائی کو واپس جانے سے انکار کرنا	۸۳۸
۵۱	حضرت یوسف کا بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا	۸۲۳	۵۰	بھائیوں کا حضرت یعقوب کے پاس واپس جانے کا فیصلہ	۸۳۹
۵۲	بھائیوں سے چور کی سزا معلوم کرنے کی وجہ	۸۲۳	۵۱	واقعاتی شہادت کے تحت ہونے پر قرآن و سنت اور عقل مرتب سے دلائل	۸۳۹
۵۳	بھائی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس پر چوری کے الزام کی تحقیق	۸۲۳	۵۲	غیب کے نمکدان نہ ہونے کے محال	۸۴۱
۵۴	بھائی کی طرف چوری کی نسبت کو علامہ سلور دی کا نکتہ قرار دینا	۸۲۵			
۵۵	حیلہ کے جواز کی تحقیق	۸۲۵			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۱۳	بستی سے پوچھنے کے معانی	۸۳۱	۹۸۰	امت فاضلہ سے حضرت یعقوب تک حضرت	
۹۱۴	بدگمانی دور کرنے کے لیے وضاحت کرنے کا		۹۸۱	یوسف کی خوشبو پہنچنے کی توجیہ	۸۵۶
	استجاب	۸۳۱	۹۸۲	"تفندوں" کے معانی	۸۵۷
۹۱۵	بنیامین کے متعلق بات گھڑنے کی توجیہ	۸۳۲	۹۸۳	"ضلال" کے معانی	۸۵۷
۹۱۶	صبر جمیل کی تعریف	۸۳۳	۹۸۴	حضرت یعقوب کی بیٹائی کا لوٹ آنا	۸۵۷
۹۱۷	صبر جمیل کے اجر کے متعلق احادیث	۸۳۳	۹۸۵	اپنے مظالم کو دنیا میں معاف کر لینا	۸۵۸
۹۱۸	حضرت یعقوب کے "ہائے افسوس" کہنے کی		۹۸۶	بیٹوں کے لیے استغفار کو مؤخر کرنے کی وجوہ	۸۵۸
	توجیہ	۸۳۳	۹۸۷	حضرت یعقوب کا صبر روانہ ہونا اور حضرت	
۹۱۹	مشکل الفاظ کے معانی	۸۳۵	۹۸۸	یوسف کا استقبال کرنا	۸۶۰
۹۲۰	جن قرائن کی بناء پر حضرت یعقوب کو حضرت		۹۸۹	حضرت یوسف کی ماں کی وفات کے باوجود ان	
	یوسف سے ملاقات کا یقین تھا	۸۳۵	۹۹۰	کے والدین کو تخت پر بٹھانے کی توجیہ	۸۶۰
۹۲۱	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یوسی کے کفر ہونے		۹۹۱	یوسف کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے	
	کی وجوہ	۸۳۶	۹۹۲	ایمان لانے پر علامہ قرطبی کے دلائل	۸۶۱
۹۲۲	حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت		۹۹۳	حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر پوری	
	یوسف کو صحنہ کے بجائے غلہ کا سوال		۹۹۴	ہونے کی مدت میں متعدد اقوال	۸۶۳
	کیوں کیا؟	۸۳۷	۹۹۵	حضرت یوسف کے لیے حضرت یعقوب کے	
۹۲۳	سوال کرنے کی شرائط اور احکام	۸۳۷	۹۹۶	سجدہ کی توجیہات	۸۶۳
۹۲۴	بھائیوں سے ان کے مظالم پوچھنے کی وجوہ	۸۳۸	۹۹۷	ہماری شریعت میں "سجدہ تعظیم" کا حرام ہونا	۸۶۳
۹۲۵	بھائیوں کا حضرت یوسف کو پہچان لینا	۸۵۰	۹۹۸	قیام تعظیم کی ممانعت کے متعلق احادیث	۸۶۳
۹۲۶	حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے		۹۹۹	قیام تعظیم میں مذاہب فقہاء	۸۶۳
	سلسلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا	۸۵۰	۱۰۰۰	آنے والے کے استقبال کے لیے گھرے	
۹۲۷	حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف خطا			ہونے کے متعلق احادیث	۸۶۴
	کرنا اور حضرت یوسف کا نہیں معاف فرماتا	۸۵۰	۱۰۰۱	دعائیں سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا	۸۶۷
۹۲۸	حضرت یوسف کی قیاس سے حضرت یعقوب		۱۰۰۲	سوت کی دعا کرنے کے متعلق امام رازی کا	
	کی آنکھوں کا روشن ہونا	۸۵۱	۱۰۰۳	نظریہ	۸۶۸
۹۲۹	ہمارے نبی ﷺ کے کپڑوں اور آپ کے بالوں		۱۰۰۴	سوت کی دعا کرنے کے متعلق مصنف کی	
	سے بیماروں کا شفا یاب ہونا اور دیگر کتب	۸۵۲	۱۰۰۵	تحقیق	۸۶۸
۹۳۰	ولما فصل العبر قال ابوہم		۱۰۰۶	حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین	۸۶۹
	(۱۰۳-۹۳)	۸۵۳	۱۰۰۷	حضرت موسیٰ کا ایک پڑھیا کی رہنمائی سے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حضرت یوسف کا نبوت نکالنا	۸۶۹			
۱۰۰۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ				
	کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا	۸۷۰			
۱۰۰۱	دو فن سے پہلے اور دو فن کے بعد میت کو دو سری				
	جگہ ختم کرنے کی تحقیق	۸۷۲			
۱۰۰۲	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۸۷۳			
۱۰۰۳	اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دینا	۸۷۴			
۱۰۰۴	و کما ہیں من ابہ فی السموت				
	والارض (۱۰۵-۱۱۱)	۸۷۴			
۱۰۰۵	آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود				
	اور اس کی وحدت کی نشانیوں	۸۷۶			
۱۰۰۶	ایمان لانے کے بلوجود شرک کرنے والوں کے				
	مصلوب	۸۷۶			
۱۰۰۷	نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہ کا زائل	۸۷۸			
۱۰۰۸	”و ظنوا انہم قد کذبوا“ کی توجیہات	۸۷۹			
۱۰۰۹	اس آیت کے ترجمہ میں بعض حرمین کی				
	غرض	۸۸۰			
۱۰۱۰	حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا حسن				
	قصہ ہوتا	۸۸۳			
۱۰۱۱	قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل کا محل	۸۸۳			
۱۰۱۲	حرف آخر	۸۸۳			
۱۰۱۳	ماخذ و مراجع	۸۸۵			

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبليغا لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليما ما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدي بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والرسل امام الاولين والآخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتنصيبه المغفرة له في كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اوليائه امته وحملاته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقا وارزقني اتباعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلنى في تبليان القرآن على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويمة واحصى عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزبيح المعاندين في تقرير اللهم الق في قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا - اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضاً ومفيضا ومرغوبا في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحيى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم ارنت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستثنیٰ ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عالمین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے لوصف سربا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ظیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہو گا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ نسل، ان کے کمال اور ہادی اصحاب اور ان کی اندوچ مطہرات اہل بیت اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی لہجہ عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا اظہار کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے، مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہو مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر، اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) خدا کا ہے۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے، اور اس کو اپنی نور اپنے رسول ﷺ کی ہر گاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہو مند کر، مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیرے پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انحلت ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ التَّوْبَةِ

(۹)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة التوبة

سورة التوبة کے اسماء اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام البراءۃ ہے، اس کے علاوہ اس کے اور بھی اسماء ہیں۔ التوبہ، المتعشش، البعث، المبعثرة، المستقرة، الميرة، الحافرة، الخزيه، الفانحة، المنكحة، المشرقة، المدمة اور سورة العذاب۔

(انوار التنزيل و اسرار التأويل ج ۳ ص ۱۳۶، مع انکار رونی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس سورت کا نام التوبہ اس لیے ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے، خصوصاً حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرادہ بن الربیع رضی اللہ عنہم۔ ان تین صحابہ کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَوْا حَتَّىٰ إِذَا صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِسَارِحَتٍ وَصَافَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْحَاقَ مِنَ اللَّهِ بِهِمْ سَبَبٌ نَّابٍ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبة: ۱۸)

اور ان تین مصلوں (کی توبہ قبول فرمائی) جن کو مؤخر کیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر ٹنگ ہو گئی اور خود وہ بھی اپنے آپ سے ٹک آ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی (بھی) توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ (بیش) تائب رہیں، بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان فرماتے والا ہے۔

اور اس سورت کا نام البراءۃ ہے کیونکہ البراءۃ کا معنی کسی سے بری اور بیزار ہونا ہے اور اس صوبت کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بری اور بیزار ہیں:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ (التوبة: ۱)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کی طرف بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔

اور اس سورت کا نام المتعشش ہے کیونکہ تعشش کا معنی معنی ہے کسی شخص کو خارش اور چپک کی بیماری سے نجات اور شفا دینا اور یہاں اس سے مراد ہے مسلمانوں کو منافقین سے نجات دینا کیونکہ اس سورت میں منافقین کی سزا کے متعلق ایک

امام ابوالشیخ نے عبد اللہ بن عبید بن حمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ البراءۃ کو سورۃ المستقرہ کہا جاتا تھا کیونکہ اس میں مشرکین کے دنوں کی باتوں سے بحث کی گئی ہے۔

امام ابن مردودہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورہ توبہ کو سورۃ الغذاب کہتے تھے۔
امام ابن المنذر امام محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ البراءۃ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں المعبرۃ کہا جاتا تھا کیونکہ اس نے لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو منکشف کر دیا تھا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۱-۱۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال کی باہمی مناسبت

سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال میں قوی مشابہت ہے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں اسلامی ملک کے داخلی اور خارجی احکام بیان کیے گئے ہیں، اور صلح اور جنگ کے اصول اور قواعد بیان کیے گئے ہیں اور مومنین صلہ قہین اور کفار اور منافقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں، اور دیگر ممالک کے ساتھ معاملہ دہوں اور مواثیق کا بیان کیا گیا ہے، البتہ سورۃ الانفال میں غیر مسلموں کے ساتھ کیے ہوئے معاملہ دہوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور سورۃ التوبہ میں کفار کی طرف سے عہد شکنی کی ابتدا کی صورت میں ان معاملہ دہوں کو توڑنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس سورت کی ابتدا ہی اس حکم سے ہوتی ہے، اور ان دونوں سورتوں میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے روکا جائے اور ان دونوں سورتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور مشرکین اور اہل کتاب سے جہاد اور قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور منافقین کی سازشوں سے خبردار فرمایا ہے، اسی قوی مشابہت کی وجہ سے سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کے تحت کے حکم میں ہے لیکن درحقیقت یہ دونوں مستقل الگ الگ سورتیں ہیں اور سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کا جز نہیں ہے، کیونکہ سورۃ التوبہ کے بہ کثرت اسما ہیں جو اس سورت کو سورۃ الانفال سے ممتاز کرتے ہیں، اور عہد صحابہ سے آج تک تمام مسلمان اس سورت کو سورت الانفال سے الگ شمار کرتے آئے ہیں۔

یزید قاری بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورۃ الانفال مثنی سے ہے، اور سورۃ البراءۃ ثمنی سے ہے، پھر اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو طاکر درج کیا ہے، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی؟ اور آپ نے اس سورت کو السبع الطوال میں درج کیا ہے، اس کا باعث کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زمانہ تک لمبی لمبی سورتیں نازل ہوتی رہیں، جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ لکھنے والوں کو بلا کر فرماتے: اس آیت کو غلاں غلاں سورت میں رکھو، اور عہدہ کے ابتدائی ایام میں سورت الانفال نازل ہوئی تھی، اور سورۃ البراءۃ قرآن کے آخر میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا قصہ، الانفال کے قصہ کے مشابہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ یہ الانفال کا حصہ ہے، سو ہم نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کا حصہ ہے، سو اس وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو طاکر لکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ حنفیہ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے بخاری المستدرک ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار الباز مکہ)

مکرّمہ، سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۷۸۶، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۰۹، السنن الکبریٰ للعلی رقم الحديث: ۱۸۰۰

فائدہ: سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سورت جن میں ایک سویا اس سے زیادہ آیتیں ہیں ان کو السبع الطوال کہا جاتا

ہے، وہ یہ ہیں: البقرة، آل عمران، النساء، المائدة، الانعام، الاعراف اور الاغل، اور جن سورتوں میں ایک سو آیتیں ہیں، ان کو ذوات المنین کہتے ہیں، اور جن میں اس سے کم آیتیں ہوں ان کو مثنی کہتے ہیں اور ان کے بعد مفصل ہیں، سورة الحجرات سے سورة البروج تک طوال مفصل ہیں اور سورة البروج سے سورة الینہ تک اوسطہ مفصل ہیں، اور سورة الینہ سے آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔ (در مختار رد المحتار ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

سورة التوبة کا زمانہ نزول

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورة البراءة مکمل نازل ہوئی اور جو آپ پر آخری آیت نازل ہوئی وہ سورة النساء کی یہ آیت ہے: یستفتونک قبل اللہ بعنیک فی الکلالۃ، (النساء: ۵۹)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع قدیم)

امام ابوالطحاوت المبارک بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے بخاری، مسلم اور ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آخری سورت جو مکمل نازل ہوئی وہ سورة التوبة ہے اور جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الکلالہ ہے۔

(جامع الاصول ج ۲ رقم الحديث ۸۸۷۳، تہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں کلمہ یا تہم کا لفظ نہیں ہے، دیکھئے صحیح البخاری رقم الحديث ۳۴۷۳، ۳۶۵۳، ۳۶۵۴ اور صحیح مسلم رقم الحديث ۲۲۱۸ اور سنن ترمذی میں یہ روایت نہیں ہے، یہ پورا متن مسند احمد میں ہے، حافظ سیوطی نے مصنف ابن ابی شیبہ کا حوالہ بھی دیا ہے (الدر المنثور ج ۳ ص ۸۹) اور اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید کی آخری آیت یستفتونک... ہے۔)

ہجرت کے بعد اواکل عینہ میں الاغل نازل ہوئی اور سورة البراءة یا التوبة قرآن مجید کی آخری سورت ہے، یہ سورة نو ہجری میں نازل ہوئی ہے، جس سال غزوہ تبوک ہوا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی اور مسلمانوں کی بہت تنگی اور عسرت میں غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے، اس وقت کھجوریں پک چکی تھیں، اس میں مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش تھی، اور اسی غزوہ سے منافقوں کے خفاق کا پردہ چاک ہو گیا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے آخری غزوہ تھا۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ ایام حج میں مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ کو فتح کرنے کا اعلان کر دیں۔

یہ سورت نزول کے اعتبار سے بلا شاق آخری سورت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ سورت سورة الفتح کے بعد نازل ہوئی ہے، اور بہ اعتبار نزول کے اس کا نمبر ۱۱۴ ہے۔ روایت ہے کہ یہ سورت اواکل شوال ۹ ہجری میں نازل ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ یہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں نازل ہوئی، اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کر چکے تھے اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت الانعام کی طرح مکمل یکبارگی نازل ہوئی ہے، اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں اور مکمل یکبارگی نازل ہونے کی یہ توجیہ ہے کہ اس سورت کے نزول کے دوران کوئی اور سورت درمیان میں نازل نہیں ہوئی ہے۔

اس پر روایات متفق ہیں کہ جب رمضان نو ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے لوٹے، تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ اس سال ذوالحجہ کے مہینہ میں حج کر لیں، لیکن آپ نے اپنے حج میں مشرکین کے ساتھ اختلاط کو پسند کیا، کیونکہ وہ

کر لی اور آپ کی میت سے قیصر روم اور اس کے گماشتوں کو آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی تو آپ فاتحانہ شان کے ساتھ مدینہ منورہ میں پہنچے اور آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ غزوہ تبوک کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ اس سے متعلق آیتوں کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا پھر آپ نے خیال فرمایا کہ اپنی عالت کے مطابق ان دنوں میں مشرکین بھی حج کے لیے آئیں گے اور برہنہ طواف کریں گے اور تلبیہ میں شریک کلمات پڑھیں گے، اس لیے آپ نے ان کے ساتھ حج کرنے کو پسند فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے حج کا امیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو منہک حج کی تعلیم دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور چونکہ عرب معاہدہ کے حج میں اصل شخص کی ہمت کا اعتبار کرتے تھے یا اس کے قریبی رشتہ دار کی، اس لیے حضرت ابوبکر کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اب اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں اور حدیبیہ کا معاہدہ اب ختم ہو چکا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۸-۳۵ مطبوعہ المکتبۃ النبیہ للذین اشام مع الروض الناف ج ۴ ص ۳۲۰-۳۲۱ مطبوعہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس میں بھیجا۔ ہم منیٰ میں یہ اعلان کرنے والے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ حمید بن عبد الرحمن نے کہا پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا پھر حضرت علی نے ہمارے ساتھ قرطبہ کے دن منیٰ والوں میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک طواف کرے گا نہ برہنہ طواف کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۸ مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت ۱۸۸۰ھ، صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۹۳۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو براءت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا پھر ان کو بلایا اور فرمایا یہ اعلان صرف اسی شخص کو کرنا چاہیے جو میرے اہل سے ہو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۸ اس کی سند میں ملہ بن سلمہ ہیں، بدھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اسی وجہ سے امام بخاری نے ان کو ترک کر دیا تھا تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۳۸ تنذیب التہذیب ج ۲ ص ۹ تنذیب الکمل ۳۸۲ لفظ یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان کلمات کا اعلان کریں، پھر ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھیجا، حضرت ابوبکر ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء کی آواز سنی۔ حضرت ابوبکر گھبرا کر باہر آئے، انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتبہ دیا، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان کلمات کے ساتھ اعلان کریں، پھر وہ دونوں گئے اور ان دونوں نے حج کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام تشریق میں یہ اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہر مشرک سے بری ہو چکا ہے، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ میں برہنہ طواف کرے گا اور مومن کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ

اعلان کرتے تھے اور جب وہ تھک جاتے تھے تو حضرت ابو بکر کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۲ یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس کا ایک راوی سفیان بن حبیب ہے، امام محمد بن سعد نے کہا یہ اپنی حدیث میں بہت غلط کرتا تھا، یعقوب بن شیبہ نے کہا یہ ضلوق ہے مگر اس کی حدیث میں ضعف ہے، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۹۰ تہذیب الکمال رقم الحدیث: ۳۳۹۹ سفیان بن حبیب نے اس حدیث کو الحکم بن حنیبہ سے روایت کیا ہے، النجاشی نے کہا اس میں تشبیح تھا، امام ابن حبان نے کہا یہ تدلیس کرتا تھا، تقریب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۲ رقم: ۳۵۸ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳۲ تہذیب الکمال رقم: ۳۳۷)

سورۃ التوبہ کے مسائل اور مطالب

سورۃ التوبہ میں مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور منہک حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہے، مشرکین کے ان مطالب کو معطل اور منع کر دیا جن پر وہ زائد جاہلیت میں فخر کیا کرتے تھے، مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان حالت جنگ کا اعلان کر دیا گیا، اہل کتب جب تک جزیہ ادا نہ کریں ان سے بھی حالت جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور یہ کہ وہ مشرکین سے کم برے نہیں ہیں اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان کا مل اور ان کی قوت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، حرمت واسلے مہینوں کی تعلیم کا بیان کیا، زائد جاہلیت میں مشرکین اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے سال کے مہینوں کو جو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے اس کو باطل اور منسوخ کر کے اللہ کی راہ میں قتل کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب کرنے پر مسلمانوں کو جلا کے لیے روانہ ہونے کی ترغیب دی یہ فرمانا کہ اللہ خود اپنے رسول کی مدد فرمائے والا ہے، جنگ حنین میں اللہ کی نصرت کو یاد دلایا، غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کے ساز و سامان اور رسد کی تیاری کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دی، بلاعذر غزوہ تبوک میں نہ جانے والے منافقوں کی مذمت کر کے صدقات پر منافقوں کی حرص اور ان کے نکل پر ان کو ملامت کر کے منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ کر آپ کو اذیت پہنچائی، پھر جمہونی قسمیں کھا کر منکر ہوئے، انہوں نے ہراکی کی ترغیب دی اونٹنی سے روکا اور ضعیف مسلمین کا مذاق اڑایا، ان کی ان کارستانیوں کا بیان کر کے اہل کتب پر جزیہ مقرر کر کے اور ان کے احبار اور رہبان نے دین میں جو عقائد باطلہ شامل کر دیئے تھے ان کی مذمت کر کے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین کے ساتھ جلا کا حکم دیا ہے، مسلمانوں کو اپنے جلا میں کافروں سے مد لینے کی ممانعت کی ہے اور کفار اور منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے، گزشتہ امتوں کی مثالیں بیان کی ہیں، جن منافقوں نے مسجد ضرار بنائی تھی ان کی بدعتی کا ذکر فرمایا ہے، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی فضیلت بیان کی ہے، اعراب (ہاتھوں) میں سے ٹیکوں اور بروں کا ذکر فرمایا ہے، کفار اور منافقین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی ان کے برعکس صفات بیان کی ہیں اور مسلمانوں کی نیک صفات کے مقابلہ میں کفار اور منافقین کی بری صفات بیان کی ہیں، اور مسلمانوں کی جزاء اور ان کی سزا کا ذکر فرمایا ہے، نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہؓ اور انصار اور ان کی اتباع بلا حسان کرنے والے مسلمانوں کی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے، توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کی ترغیب دی ہے، اور جلا کے فرض کفایہ ہونے کے متعلق آیات ہیں، غزوہ حنین میں مسلمانوں کی مایوسی کے بعد ان کی مدد کرنے کی نعمت کو یاد دلایا ہے، غزوہ تبوک اور اس کے لشکر کی اہمیت بیان فرمائی ہے، جن تین مسلمانوں نے بغیر کسی عذر کے غزوہ تبوک میں اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے شرکت نہیں کی تھی، ان کی ندامت اور تنگی کے بعد ان کی توبہ قبول فرماتے کا ذکر فرمایا ہے، اور مسلمانوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا جس کی ہر صفت میں ان کے لیے رحمت، خیر اور برکت ہے۔

زکوٰۃ کی مشروعیت کو بیان فرمایا ہے اور علم دین حاصل کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو علم دین حاصل کرے پھر اس کی تبلیغ اور شرع و اشاعت کرے۔

سورۃ التوبہ کے اس تعارف کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں، ہم اس سورت کی تفسیر میں کتب حدیث، کتب سیرت اور کتب فقہ سے زیادہ تر مواد پیش کریں گے، ہماری کوشش ہوگی کہ ہمارے قارئین کو زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کی سیرت تک رسائی ہو جائے، فقہی و باللہ التوفیق وہ الاستعانة بلیق۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ مِنْ ثَمَانِيَةِ فَرَاقِ عَشْرٍ وَأَرْبَعِينَ آيَةً وَتَسْتَبْدِلُ عَشْرَ رُكُوعَاتٍ

سورۃ التوبہ مدنی ہے، اس میں ایک سو اسی آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ①

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، ان مشرکین سے اعلان برأت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ ①

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي

سورۃ مشرکوں! اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) اہل بھروسہ اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُعْجِزِي الْكَافِرِينَ ② وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَ

یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ ② اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف

رَسُولُهُ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ

سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن، اللہ مشرکین سے بری الذمہ

الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ ③ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ④ وَإِنْ

ہے اور اس کا رسول (جی) پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا

تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب

بِعَذَابٍ إِلَيْنَا ⑤ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ

کی خوش خبری دیکھئے ⑤ ماسوا ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر انہوں نے

يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُوا إِلَيْهِمْ

اس معاہدہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے ان کے معاہدہ کو

عَهْدًا هُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ فَإِذَا انْسَلَخَ

اس کی مدت معینہ تک پہنچا کرو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے ۝ پس جب حرمت والے

الْأَشْهُرِ الْحَرَمِ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَ

پہنچنے گند جاؤ تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو اور

خُذُوهُمْ وَأَحْصِرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ إِن تَابُوا

ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھمات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بہت بخشنے

رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ

والا بے مدد رح فرمائے والا ہے ۝ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ

يَسْمِعَ كَلِمَةَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا

سنے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے، یہ (حکم) اس لیے ہے کہ وہ لوگ

يَعْلَمُونَ ۝

علم نہیں رکھتے ۝

سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا سورۃ الانفال مثنیٰ (جس سورۃ میں ایک سو سے کم آیتیں ہوں) سے ہے اور سورۃ البراءۃ مثنیٰ (جس سورۃ میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں) سے ہے، اور آپ نے اس سورۃ کو السج الطوال (سورۃ الفاتحہ کے بعد کی سات سو تین جن میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہیں) میں مدج کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زمانہ تک ایسی ہی سورۃیں نازل ہوتی رہیں، جب بھی آپ پر کوئی چیز نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلائے اور فرماتے ان آیات کو

فلان فلان نام کی سورتوں میں لکھ دو، اور جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوئی تو آپ فرماتے اس آیت کو فلاں نام کی سورت میں لکھ دو، اور سورۃ الانفال مدینہ کے ادا کل میں نازل ہوئی تھی، اور سورۃ البراءۃ قرآن کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اور التوبہ کا قصہ الانفال کے قصہ کے مشابہ تھا، پس میں نے یہ گمان کیا کہ سورۃ البراءۃ الانفال کا جز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے اور انہوں نے ہم سے یہ نہیں بیان فرمایا کہ سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کا جز ہے، پس اس وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر رکھا اور میں نے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور میں نے اس سورت کو السج الطوال میں درج کر دیا۔

امام ابو یسٰیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ہمارے علم کے مطابق حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو صرف یزید قاری نے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یزید قاری یزید بن ہرمل ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۸۶۲، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث ۷۸۰۰، المستدرک ج ۲ ص ۲۱۱-۲۱۲ حافظ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے، تخیض المستدرک ج ۲ ص ۲۴۱)

حافظ جمال الدین ابوالخلاج یوسف الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:
امام عبدالرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یزید بن ہرمل یزید قاری ہے یا نہیں، عبدالرحمن بن ہمدانی نے کہا یزید قاری ہی ابن ہرمل ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے، یحییٰ بن سعید القطان نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، انہوں نے کہا یہ شخص امراء کے ساتھ ہوتا تھا ابولہلال نے کہا یہ شخص عبید اللہ بن زیاد کا غشی تھا امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ یزید بن ہرمل یزید قاری نہیں ہے۔

(تذیب، الکمال ج ۲۰ ص ۳۹۳-۳۹۴، رقم: ۷۶۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ یزید قاری یزید بن ہرمل نہیں ہے۔

(تذیب، التذیب ج ۱۱ ص ۲۲۱، تقریب التذیب ج ۲ ص ۳۳۳)
اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ متعین نہیں ہو سکا کہ اس حدیث کا راوی یزید قاری ہے یا یزید بن ہرمل۔
سند پر بحث کے علاوہ اس حدیث کا متن بھی مخدوش ہے، امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس بات کو جائز قرار دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے بعد رکھا جائے اور بعض سورتوں کی ترتیب وحی کے موافق نہیں کی گئی بلکہ صحابہ نے اپنے اجتہاد سے ان میں ترتیب قائم کی تھی تو باقی سورتوں میں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کی ترتیب بھی وحی سے نہ کی گئی ہو، بلکہ ایک سورت کی آیات میں بھی یہ احتمال ہو گا کہ ان آیتوں کی ترتیب بھی صحابہ نے اپنی رائے سے قائم کی ہو اور اس سے رافضیوں کے اس عقیدہ کو تقویت ہوگی کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کا ہونا جائز ہے اور پھر قرآن مجید حجت نہیں رہے گا اس لیے صحیح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے مطلع ہو کر خود یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اس سورت کو سورۃ الانفال کے بعد رکھا جائے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے مطلع ہو کر اس سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)
سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی صحیح وجہ تو یہی ہے جو امام رازی نے ذکر فرمائی ہے، اس کے علاوہ علماء کرام نے اور بھی توجہات کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۃ البراءۃ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کیوں نہیں لکھی گئی؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم امان ہے اور البراءۃ میں نکوار سے مارنے کی آیتیں ہیں اس میں امان نہیں ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ دار البیازکۃ المکرمہ)

میرد سے بھی ایسی ہی توجیہ مروی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم رحمت ہے اور البراءۃ اظہار غضب سے شروع ہوتی ہے، اسی کی مثل سفیان بن عیینہ نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم رحمت ہے اور رحمت امان ہے اور یہ سورت منافقین اور نکوار کے متعلق نازل ہوئی ہے اور منافقین کے لیے امان نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس لیے نہیں لکھا گیا کہ اس سورت سے پہلے جبریل بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لے کر نازل نہیں ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ الانفال اور التوبہ الگ سورتیں ہیں یا دونوں مل کر ایک سورت ہیں، کیونکہ مجموعی طور پر ان کی آیات دو سو چھ (۲۰۶) ہیں اور یہ طوالت میں سے ایک ہیں، اور ان دونوں سورتوں میں قتل اور مغازی کا مضمون ہے، اس اختلاف کی بنا پر انہوں نے ان دونوں سورتوں کے درمیان خلی جگہ رکھی تاکہ اس سے ان لوگوں کے قول پر تنبیہ نہ ہو جو کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی تاکہ ان لوگوں کے قول پر تنبیہ نہ ہو جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں، تو انہوں نے ایسا عمل کیا جو صحابہ کرام کے اس اختلاف اور اشتہار پر دلالت کرتا ہے، اور ان کا یہ عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دین کو منضبط کرنے میں اور قرآن مجید کو تغیر اور تحریف سے محفوظ رکھنے میں بہت خشد و تحفے، اس سے رافضیوں کا قول باطل ہو جاتا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال دونوں مل کر ایک سورت ہیں، ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الانفال کے آخر میں ہے مومن ایک دوسرے کے ولی اور وارث ہیں اور وہ کفار سے بالکل منقطع ہیں۔ سورۃ التوبہ براءۃ من اللہ ورسولہ سے شروع ہوتی ہے اور التوبہ کی ابتداء الانفال کے آخر کی تائید ہے کیونکہ براءۃ کا معنی ہے عصمت اور حفاظت کا منقطع ہونا تو الانفال کا آخر اور التوبہ کا اول دونوں کا حاصل مسلمانوں کا مشرکین کی ولایت اور ان کی حفاظت کو منقطع کرنا ہے۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳ ص ۴۲۸، مطبوعہ ۱۴۲۱ھ)

سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

سید محمود آکوسی خلی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ سقوی سے جمل القراء میں یہ منقول ہے کہ سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ترک کرنا مشہور ہے اور عاصم کی قرأت میں سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم مذکور ہے، اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ بسم اللہ کو یا تو اس لیے ترک کیا جائے گا کہ اس سورت میں نکوار سے قتل کرنے کے احکام نازل ہوئے ہیں یا اس وجہ سے بسم اللہ کو ترک کیا جائے گا کہ صحابہ کرام کو یہ یقین نہیں تھا کہ سورۃ التوبہ مستقل سورت ہے یا سورۃ الانفال کا جز ہے، اگر پہلی وجہ ہو تو پھر بسم اللہ کو ترک کرنا ان لوگوں کے ساتھ مختص ہو گا جن کو کفار اور منافقین کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ہم تو سورۃ التوبہ کو تبرکاً پڑھتے ہیں، اور اگر بسم اللہ کو اس وجہ سے ترک کیا گیا ہے کہ یہ سورۃ الانفال کا جز ہے تو سورتوں کے اجزاء اور بعض آیات کو پڑھنے سے پہلے بھی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جائز ہے

اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم مذکور ہے۔

ابن منذر کا موقف ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہیے اور الاقناع میں بھی اس کا جواز لکھا ہوا ہے اور صحیح یہ ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ کو نہ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم مذکور نہیں ہے اور اس کے سوا اور کسی مصحف کی اقتدا نہیں کی جاتی، بعض مشائخ شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ کو پڑھنا حرام ہے اور اس کا ترک واجب ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص سورت کے درمیان سے قرأت شروع کرے پھر بھی قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میری رائے میں علامہ آلوسی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے اور سورۃ التوبہ کے اول کو سورت کے درمیان سے قرأت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ کو نہ پڑھنا مصحف عثمان کے مطابق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر محمول ہے لہذا سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ پڑھنا تو قیہنی ہے اور اتباع سنت ہے جبکہ کسی سورت کے درمیان سے جب قرأت کی جائے تو وہاں بسم اللہ کو نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ بسم اللہ کو پڑھنے کی دلیل موجود ہے کیونکہ قرآن مجید خواہ کہیں سے پڑھا جائے ایک مہتمم بالشان کام ہے اور ہر مہتمم بالشان کام سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ مہتمم بالشان کام جس کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن فضائل اہل میں احادیث ضعیفہ معتبر ہیں۔
(الجامع الصغیر ج ۲ ص ۴۷۷ رقم: ۳۸۸۳، الجامع الکبیر ج ۶ ص ۳۳۰ رقم: ۵۷۷۳، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۷۷، کنز العمال ج ۹ رقم الحدیث: ۲۳۹۴)

حافظ سیوطی نے کہا ہے اس حدیث کو عبداللہ بن ابی ریحان نے اپنی اربعین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: جس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کے متعلق حدیث ہے اسی طرح الحمد للہ سے ابتداء کے متعلق بھی حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ مہتمم بالشان کام جس کو الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸۳، سنن احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۷۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۰۹)

ان دونوں حدیثوں میں اس طرح موافقت کی گئی ہے کہ بسم اللہ سے ابتداء، ابتداء حقیقی پر محمول ہے اور الحمد للہ سے ابتداء، ابتداء اضافی یا ابتداء عرفی پر محمول ہے اور یہی اسلوب قرآن مجید کے مطابق ہے۔

اس لیے ہر اس کام کو جو شرعاً محمود ہو بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے البتہ جو کام لہذا مذکور ہو اس کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا جائز نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ کے مدنی ہونے سے بعض آیتوں کا استثناء

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، قتادہ اور بہت سے علماء نے یہ کہا ہے کہ سورۃ التوبہ مدنی سورت ہے، ابن القریس نے کہا یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کی آخری دو آیتیں لفظ جاء کہ رسول میں مفسکہ اور فان تولوا فقل حسبی اللہ (التوبہ: ۳۹-۴۰) یہ دو آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ حاکم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی آخری آیت جو نازل ہوئی ہے وہ لفظ جاء کہ رسول میں مفسکہ ہے۔ اور دوسرے علماء نے ان دو آیتوں کا استثناء کیا ہے ماکان للسی والدیس اموا ان یستعصروا للمشرکین۔ الایہ (التوبہ: ۳۳-۳۴) کیونکہ یہ دو آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے یہ فرمایا تھا: میں تمہارے لیے ضرور اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے اور یہ آیتیں ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے اعلان برائت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاملہ کیا تھا سو (اے مشرک!) اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) چل پھر لو اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن، اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی) پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔

(التوبہ: ۱-۳)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

براءۃ: علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۵۰ھ نے لکھا ہے براءۃ کا اصل معنی یہ ہے کہ انسان اس چیز سے منفصل ہو جائے جس سے اتصال اس کو پسند ہو اس لیے کہا جاتا ہے کہ میں مرض سے بری ہو گیا اور میں فلاں شخص سے بری ہوں، قرآن مجید میں ہے:

اَنْتُمْ بِرِیْثُوْنَ بِمَا اَعْمَلْتُمْ وَاَنْتَا بِرِیْثِیْہِمْ
نَعْمَلُوْنَ۔ (یونس: ۳۱)

ہوں۔

(الفردات ج ۱ ص ۵۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصلحی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

مرض سے بری ہونے کا معنی ہے مرض سے نجات پانا عہد سے بری ہونے کا معنی ہے عہد کو ختم کرنا یا طبع کرنا گناہ سے بری ہونے کا معنی ہے گناہ کو ترک کرنا قرض سے بری ہونے کا معنی ہے قرض کو ساقط کرنا۔

عاہدہ: عہد کا معنی ہے کسی چیز کی بدرجہ رعایت اور حفاظت کرنا وہ پختہ وعدہ جس کی رعایت کرنا لازم ہو اس کو بھی عہد کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔

(ہو اسرائیل: ۳۴)

جائے گا۔

اللہ سے کیا ہوا پختہ وعدہ کبھی ہماری عقلوں میں مقرر ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کتاب اور سنت کے واسطے سے ہم سے پختہ وعدہ لیتا ہے، اور کبھی ہم کسی چیز کو از خود اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں اور شریعت نے اس چیز کو ہم پر لازم نہیں کیا تھا، اس کی مثال غزیریں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْتَهْزِئُ مَثَلُ هَذِهِ الْإِلَٰهَةِ (التوبة: ۷۵)

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔

اصطلاح شرع میں معاہدہ ذی کو کہتے ہیں یعنی مسلمان جس کافر سے جزیہ لے کر اس کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیں اور اس کی حفاظت کا عہد کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ معاہدہ (ذی) کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۰۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۰)

(۱) المفردات ج ۲ ص ۴۵۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ

خلاصہ یہ ہے کہ دو فریق چند شرائط کے ساتھ جس عقد کا التزام کریں اس کو معاہدہ کہتے ہیں، یہاں معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی مدت کے تعین کے عہد کیا تھا یا جن لوگوں کا عہد چار ماہ کی مدت سے کم تھا، سو ان دونوں کو چار ماہ مکمل کرنے کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں کا عہد چار ماہ سے زیادہ کی مدت کے لیے تھا (حدیبیہ میں مشرکین سے دس سال کی مدت کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا) لیکن انہوں نے عہد کی خلاف ورزی کی ان کو بھی صرف چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں نے عہد کی پابندی کی، ان کے ساتھ ان آیتوں میں مدت عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَسَبِّحُوا فِي الْأَرْضِ: ساحتہ کھلی جگہ کو کہتے ہیں، مکان کے صحن کو بھی ساحتہ کہتے ہیں۔ جو پانی کھلی جگہ میں مسلسل بہتا رہتا ہو اس کو سائج کہتے ہیں، جو شخص مسلسل بہتے ہوئے پانی کی طرح آزادی سے چلتا رہتا ہو اس کو بھی سائج کہتے ہیں اور اس کو سیاح بھی کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۴ ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں سے بغیر تعین مدت کے عہد کیا تھا یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کا عہد تھا ان لوگوں کو اس مدت میں امن کے ساتھ زمین میں چلنے کی مہلت ہے۔ اس مدت کی ابتداء ذہری کے قول کے مطابق شوال ۹ھ سے ہوئی، کیونکہ سورۃ التوبہ شوال میں نازل ہوئی تھی، اور پھر چار ماہ کے بعد تمہارے لیے امن نہیں ہوگی۔ سیاحت کے معنی زمین میں آزادی کے ساتھ چلنا ہے۔

الحج الاکبر: حج کا معنی لغت میں زیارت کا قصد کرنا ہے، اور اصطلاح شرع میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا ہے اور ذوالحجہ کو احرام باندھے ہوئے میدان عرفات میں وقوف کرنا اور ۹ تاریخ کے بعد طواف زیارت کرنا ہے، یہ حج کے ارکان ہیں، اس کے علاوہ حج کی شرائط، حج کے واجبات، سن، آداب اور موافق ہیں جن کی تفصیل ہم البقرہ: ۹۶ اور آل عمران: ۹۷ میں بیان کر چکے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ نے لکھا ہے کہ حج اکبر سے مراد یوم قربانی اور یوم عرفہ ہے اور روایت ہے کہ عمرو حج اصغر ہے۔ (المفردات ج ۴ ص ۳۳۲، مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ منورہ) اور زبان زد خلافت ہے کہ جس سال نو ذوالحجہ جمعہ کے دن ہو وہ حج اکبر ہوتا ہے اور اس کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے، اس کی تحقیق ہم ان شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں کریں گے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

وَأَمَّا تَخْلَافٌ مِنْ قَوْمٍ عِيسَىٰ فَهِيَ الْيَهُودُ
عَلَيْهِ سَوَاءٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْنِي عَنْكَ الْغَنَىٰ وَالْكَثْرَةُ ۝
اور اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی کرنے کا خطرہ محسوس
کریں تو ان کا عہد ان کی طرف برابر برابر پھینک دیں، بے شک
اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الأنفال: ۵۸)

اور سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں مشرکین سے مسلمانوں کے کیے ہوئے معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان فرمادیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶ھ میں مسلمانوں نے مشرکین سے حدیبیہ میں صلح کی تھی، پھر ۹ھ میں بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کے سوا سب نے عہد شکنی کی، تب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ سے بری الذمہ ہو جائیں، اور ان کو چار ماہ کی مہلت دی، اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ اگر مشرکین اسلام قبول کر لیں تو فیماورنہ ان کو قتل کر دیا جائے، مشرکین اس انتظار میں تھے کہ روم اور ایران کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تو اس دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ہزیمت سے دو چار کر دیا جائے، لیکن اللہ اور اس کے رسول نے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی ان کی بے بسائی پر الٹ دی اور ان سے اعلان براءت کر کے انہیں اس پر مجبور کر دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا مسلمانوں سے ٹکڑا کر نکلتے اتر جائیں، پھر وہ وقت آیا کہ ان کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ اس وقت کی دو بڑی طاقتیں فارس و روم بھی مسلمانوں کی قوت کے سامنے سرنگوں ہو گئیں اور جو یہ چاہتے تھے کہ قیصر کسریٰ کی یلغار کے سامنے مسلمان ٹکوں کی طرح بہہ جائیں، انہوں نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی قوت کے سامنے قیصر کسریٰ ٹکوں کی طرح بہہ گئے اور یوں اللہ اور اس کے رسول کی حکمت اور تدبیر سے ان کی بازی ان پر الٹ گئی۔

ان مشرکین کا مصداق جن کو چار ماہ کی مہلت دی گئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سو (اے مشرک!) اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) چل پھرو۔ (التوبہ: ۳) اس میں مفسرین کے چار اقوال ہیں کہ اس آیت میں کن مشرکین کو چار ماہ کے لیے امان دی گئی ہے۔
امام ابو القریح عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتلہ اور ضحاک نے یہ کہا ہے کہ جن مشرکین سے مسلمانوں نے چار ماہ کی مدت سے زیادہ معاہدہ کیا تھا ان کی مدت کم کر کے چار ماہ کر دی گئی اور جن سے چار ماہ سے کم کا معاہدہ کیا تھا ان کے معاہدہ میں چار ماہ تک توسیع کر دی گئی اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں تھا ان کو محرم ختم ہونے تک پچاس راتوں کی مہلت دی گئی۔

(۲) مجاہد زہری اور قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں چار ماہ کے لیے تمام مشرکین کو امان دی گئی خواہ ان کا عہد ہویا نہ ہو۔

(۳) امام ابن اسحاق نے کہا اس آیت میں ان کے لیے امان ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے امان دی تھی یا ان کی امان غیر محدود تھی اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نہیں دی تھی ان سے بدستور حالت جنگ ہے۔

(۴) ابن السائب نے کہا اس آیت میں ان لوگوں کو امان دی ہے جن کے لیے پہلے امان نہیں تھی یا ان سے کوئی معاہدہ نہیں تھا اور جن سے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے لیے معاہدہ کی آخری مدت تک امان ہے، اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دن اعلان کرتے ہوئے فرمایا: جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے وہ اپنے معاہدہ کی مدت پوری کریں گے اور بعض روایات میں ہے ان کی مدت چار ماہ ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۳۹۳، مطبوعہ مکتب الاسلامیہ دہلی ۱۳۰ھ)

حافظ اسماعیل بن کثیر القرشی الشافعی المتوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ کا عقار یہ ہے کہ اس آیت میں ان مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی ہے جن سے بغیر تعیین مدت کے مہلہ کیا گیا تھا یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کے لیے مہلہ تھا تو وہ چار ماہ کی مدت کو پورا کریں، اور جن سے کسی خاص مدت تک کے لیے مہلہ تھا تو وہ اپنی مدت پوری کریں خواہ وہ مدت جتنی بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ماسوا ان مشرکوں کے جن سے تم نے مہلہ کیا تھا پھر انہوں نے اس مہلہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے اس مہلہ کو مدت معینہ تک پورا کرو۔ (التوبہ: ۴) اور جیسا کہ عنقریب حدیث میں آئے گا کہ جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مہلہ ہے تو وہ اس مدت کو پورا کرے۔ یہ قول تمام اقوال میں زیادہ عمدہ اور زیادہ قوی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح ہے: جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہلہ کیا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مہلت دی اور جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مہلہ نہیں تھا ان کو یوم النحر (قربانی کے دن) سے لے کر آخر محرم تک مہلت دی ہے اور محرم گزرنے کے بعد یا تو وہ اسلام قبول کر لیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷، مطبوعہ دار الاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے جنہوں نے مہلہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی اور جن لوگوں نے مہلہ کی خلاف ورزی نہیں کی ان کی مدت پوری ہونے تک ان کو امن دینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ التوبہ: ۴ سے ظاہر ہے اور یہی قول تمام اقوال میں رائج ہے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف براءت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا ان کے بیٹے نے پوچھا آپ لوگ کیا اعلان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہم یہ اعلان کرتے تھے کہ مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی مہلہ تھا اس کی انتہائی مدت چار ماہ ہے اور جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا پس میں یہ اعلان کرتا رہا حتیٰ کہ میری آواز کی تیزی ختم ہو گئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۵۸، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۹۸۲، طبع جدید)

زید بن بشیبہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کو حج میں کس چیز کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا بیت اللہ کا کوئی شخص برہنہ طواف نہیں کرے گا جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی مہلہ نہ ہو اس کو چار ماہ کی مہلت ہے اور سوائے مومن کے جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا اور اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک حج نہیں ہوں گے۔ امام ابو یوسفی ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳، مسند احمد ج ۴ رقم الحدیث: ۵۵۳، طبع جدید، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۸، سنن الدارمی رقم

الحدیث: ۶۰۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۵۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۸۵، المستدرک ج ۳ ص ۱۷۸)

ہو سکتا ہے کہ یہ سوال کیا جائے کہ پہلی حدیث جو امام نسائی اور امام احمد سے مروی ہے اس میں مذکور ہے جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ تھا اس کی انتہائی مدت چار ماہ ہے اور دوسری حدیث جو امام ترمذی اور امام احمد سے مروی ہے اس میں مذکور ہے جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہو وہ اپنی مدت پوری کرے گا اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ حدیبیہ کیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی ان کو صرف چار ماہ کی مصلحت دی گئی ہے اور دوسری حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی وہ اپنے معاہدہ کی انتہائی مدت کو پورا کریں گے۔

چار ماہ کے تعین میں متعدد اقوال

جن چار ماہ کی مشرکین کو مصلحت دی گئی تھی ان کے تعین میں بھی مختلف اقوال ہیں، امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۵۷ھ نے حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔

(۲) مجاہد، سدی اور قرطبی نے کہا ان کی ابتداء یوم النحر (دس ذوالحجہ) سے ہے اور ان کی انتہا دس ربیع الثانی کو ہے۔

(۳) زہری نے کہا یہ مہینے شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی۔ ابو سلیمان الدمشقی نے کہا یہ سب سے ضعیف قول ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان میں اعلان کرنے کے لیے ذوالحجہ تک تاخیر نہ کی جاتی کیونکہ ان پر اس حکم کی ہرودی اعلان کے بعد ہی لازم تھی۔

(۴) علامہ ماوردی نے کہا ہے اس مصلحت کی ابتداء دس ذوالقعدہ سے ہوئی اور اس کی انتہا دس ربیع الاول کو ہوئی، کیونکہ اس سال حج اس دن ہوا تھا پھر اس کے اگلے سال دس ذی الحجہ کو ہوا اور اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تھا اور فرمایا تھا زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آگیا ہے۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۷۰ھ) امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص خفی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

ان چار مہینوں کی ابتداء ۱۰ ذوالقعدہ سے ہوئی اور ذوالحجہ، محرم، صفر اور دس دن ربیع الاول کے۔ اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں لوگوں کے ساتھ سورۃ التوبہ پڑھی تھی، پھر اس کے اگلے سال جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال حج ذوالحجہ میں تھا اور یہ وہی وقت تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے حج مقرر فرمایا تھا کیونکہ مشرکین مہینوں کو موخر کرتے رہتے تھے، اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال حج لوٹ کر اپنے اصل وقت میں آگیا تھا جس وقت میں ابتداء اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حج فرض کیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو حج کے لیے ندا کریں:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ فَاذِّنْ مِنْ كُلِّ فُجٍّ عَاجِلٍ۔ (اے ابراہیم!) لوگوں میں یہ آواز بلند حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس پیادہ اور ہر دلی اونٹنی پر آئیں گے جو ہر دور دراز سے نہیں گی۔ (الحج: ۲۷)

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں کھڑے ہو کر فرمایا: سنو زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا ہے جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا پس عجلت ہو گیا کہ حج نوزوالحجہ کو ہوتا ہے۔ وہ یوم

عرفہ ہے اور دس ذوالحجہ یوم النحر ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ مشرکین کو جن چار مہینوں میں زمین پر آزادی سے چلنے پھرنے کی مصلحت دی گئی ہے وہ بھی چار ماہ ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۷۷؛ مطبوعہ سبیل الہدٰی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

امام بھٹائی نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کا متن مع تخریج یہ ہے:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی مصلحت میں گھوم کر آ چکا ہے جس مصلحت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا سال میں بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قیلہ مضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے، (پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ اس مہینہ کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے پوچھا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس شہر کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے پوچھا آج کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ اس دن کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر (قریبی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی، اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ہے، اور مغرب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ، سنو! حاضر! یہ پیغام غائب کو پہنچا دے، شاید بعض وہ لوگ جن کو یہ پیغام پہنچایا جائے وہ بعض سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں (امام بخاری جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا) پھر آپ نے فرمایا: سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵، ۴۲۳، ۳۸۷ صحیح مسلم، المحدث ۲۹ (۱۷۹) ۳۳۰۳ مسند احمد ج ۵ ص ۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳ السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۵۸۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان براءت کرنا حضرت ابوبکر کی خلافت میں وجہ طعن نہیں ہے

پچھٹی صدی کے شیعہ عالم ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبری لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استحقاق خلافت میں حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر کے سامنے اپنی وجوہ ترجیح بیان کیں اور ان میں فرمایا:

میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ یہ بتاؤ کہ حج کے موسم میں مجمع عظیم کے سامنے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے والا میں تھا یا تم تھے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا بلکہ تم تھے۔ (الاحزاب ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بیروت، ۱۳۴۳ھ)

پھر تمام وجوہ ترجیح بیان کرنے کے بعد حضرت علی نے فرمایا: ان دلائل کی وجہ سے تم امت محمدی کی امارت کے مستحق ہوتے ہو؟ وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے تم اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین سے ہٹ گئے اور تم ان چیزوں سے خالی ہو جن کے دین دار متعلق ہوتے ہیں، پھر (حضرت) ابوبکر رونے لگے اور کہا اے ابوالحسن! تم نے حج کیا مجھے ایک دن کی مصلحت دو تاکہ میں اس پر غور کروں۔ (الاحزاب ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ بیروت، ۱۳۴۳ھ)

ایک اور شیعہ عالم محمد باقر الموسوی خراسانی نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا ہے وہ سورۃ البراءۃ کے اعلان کے متعلق لکھتے

ہیں:

(حضرت) ابو سعید اور (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ مقام خنبلان پر پہنچے تو انہوں نے حضرت علی کی اونٹنی کی آواز سنی، وہ ان کو پہچان کر ان کے پاس آئے اور کہا کیا بات ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا یا رسول اللہ! میرا کیا مقام ہے؟ فرمایا اچھا ہے تم میرے عار کے صاحب ہو مگر بات یہ ہے کہ یہ اعلان یا میں پہنچا سکتا تھا یا میرا رشتہ دار یعنی حضرت علی۔ اس حدیث کو امام ابو حاتم نے روایت کیا ہے (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۵) رقم الحدیث: ۹۱۵ اور انہوں نے حضرت جابر سے ایک روایت اس طرح بیان کی ہے کہ: حضرت ابو بکر نے حضرت علی سے کہا آپ امیر ہیں یا سفیر ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ میں سفیر ہوں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں حج کے موقع پر لوگوں کے سامنے سورۃ البراءۃ کا اعلان کروں، اور امام احمد نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے حلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل آئے تھے اور یہ کہا کہ محلہ فصیح کرنے کا اعلان آپ خود کریں گے یا آپ کا کوئی قرابت دار۔ (ذخائر العتقی ص ۹۱)

(تعلیقات الموسوی علی الاحیاء ج ۱ ص ۱۱۶، مطبوعہ بیروت ۱۳۰۳ھ)

دیگر شیعہ مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشرکین پر یہ اعلان اسی وقت حجت ہو سکتا تھا جب آپ کا کوئی قرابت دار یہ اعلان کرتا۔

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۳۲۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے قربانی کے دن مکہ میں لوگوں کے سامنے سورۃ البراءۃ پڑھی، کیونکہ اس سال حج کے موسم میں ابو بکر لوگوں کے امیر تھے، ان کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا میری طرف سے صرف میرا رشتہ داری اعلان کر سکتا ہے۔ (الاحیاء ج ۵ ص ۹۹، دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (چھٹی صدی کے اکابر علماء امامیہ میں سے تھے) لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ سورۃ البراءۃ کی پہلی دس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور جس کا بھی کوئی محلہ تھا اس کو فصیح کر دیں، پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا تاکہ وہ ان سے یہ کام لے لیں اور وہ لوگوں کے سامنے پڑھیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی حبشہ پر بیٹھ کر گئے، حتیٰ کہ وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت ابو بکر سے جا ملے اور ان سے یہ کام لے لیا، اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا خیر کے سوا کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، لیکن میری طرف سے میں خود اعلان کر سکتا ہوں یا میرا کوئی رشتہ دار۔ (مجمع البیان ج ۵ ص ۹۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۶ھ)

ان مستند علماء شیعہ کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے حضرت ابو بکر کی امارت میں فریضہ حج ادا کیا تھا اور ان کا اعلان کرنا ایک خاص سبب سے تھا اس سے حضرت ابو بکر کی امارت کو عزل کرنا لازم نہیں آتا جیسا کہ شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۱۰۷۷ھ نے سمجھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: آپ نے مجھے ایسا منصب دیا تھا جس سے لوگوں کی

گردنیں میری طرف اٹھنے لگیں، پھر ابھی میں نے کچھ راستہ ہی طے کیا تھا تو آپ نے مجھے معزول کر دیا! آپ نے فرمایا: یہ میں نے نہیں کیا یہ اللہ نے کیا ہے۔ (منہج الصادقین ج ۳ ص ۹۲۰ مطبوعہ کتب فروغیہ ملیہ اسلامیہ طبران)

اور نہ یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل ہے جیسا کہ شیخ طبری صاحب الاحتجاج نے سمجھا ہے۔

کتب امامیہ سے اس واقعہ کی روایات پڑھنے کے بعد اب اہل سنت کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو سعید یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب وہ مقام بجنک پر پہنچے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی آواز سنی، تو انہوں نے اس کو پہچان لیا اور وہ حضرت علی کے پاس گئے اور پوچھا میرے متعلق کوئی بات ہے؟ انہوں نے کہا خیر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا ہے، جب ہم واپس آ گئے تو حضرت ابو بکر گئے اور پوچھا یا رسول اللہ! میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا خیر ہے، تم میرے غار کے صاحب ہو البتہ میرا غیر میری طرف سے اعلان نہیں کر سکتا میں اعلان کروں گا یا وہ شخص جو میرے خاندان سے ہو، آپ کی مراد حضرت علی تھے۔

(صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۷۱ رقم الحدیث: ۳۶۳۳ خصائص علی للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۱۱۱، فضائل الصحابہ رقم الحدیث: ۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۰۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲)
حج اکبر کے مصداق کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی، پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور آپ کافروں کو عذاب کی خوش خبری دے دیجئے (التوبہ: ۱-۳)

حج اکبر کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، امام عبدالرزاق بن ہمام منہجی متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حسن اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا اس میں مسلمان اور مشرکین جمع تھے اور اسی دن یسود اور نصاریٰ کی عید بھی تھی اس لیے اس حج کو حج اکبر فرمایا۔

حادث حضرت علی سے اور معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (قرمانی کا دن) حج اکبر ہے۔

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے حج اکبر اور حج اصغر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمو ہے۔
عطائے کما حج اکبر یوم عرفہ ہے۔

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عیینہ رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا وہ یوم عرفہ ہے۔ میں نے پوچھا یہ آپ کی رائے ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی؟ انہوں نے کہا سب کی، پھر میں نے حضرت عبداللہ بن شداد سے سوال کیا تو انہوں نے کہا حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمو ہے۔

(تفسیر امام عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۳۱، مطبوعہ دارالعرفہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج ادا کیا تو آپ یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کو جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷۴۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۲۲۱ سنن ابن ماجہ رقم

الحديث: ۳۰۵۵: الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، المستدرک ج ۲ ص ۳۲۶

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ اور سعید بن جبیر سے، عبد اللہ بن شداد سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، عامر سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ابو حمزہ رضی اللہ عنہ سے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حج اکبر یوم النحر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۶۰، رقم الحديث: ۱۵۱۱۱-۱۵۱۰۲)

حج اکبر کے مصداق کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حمید بن عبد الرحمن کہتے تھے کہ یوم النحر، یوم الحج الاکبر ہے۔ (البخاری ۳۶۹۳ مسلم نے ۳۳۴ سنن ابوداؤد: ۶۸۶۶ سنن الترمذی: ۴۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۹۹) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے، جیسا کہ حمید نے کہا ہے، اور یہ سعید بن جبیر اور امام مالک کا قول ہے، اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے اور یہی حضرت عمر کا قول ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، پہلے نے کہا حج اکبر قرآن ہے اور حج اصغر افراد ہے، اور سبھی نے کہا حج اکبر، حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، اور پہلا قول ادنیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج اکبر کا اعلان کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اکبر یوم النحر ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحديث: ۱۵۱۱۱)

(المصنف ج ۳ ص ۳۶۰-۳۵۹، مطبوعہ دار ابن کثیر، دمشق ۱۴۱۷ھ)

حج اکبر کے مختلف اقوال میں تطبیق

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ یوم حج اکبر کے متعلق چار قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے، دو سراقول یہ ہے کہ یہ یوم نحر ہے تیسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر طواف زیارت کا دن ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ حج کے تمام ایام یوم حج اکبر ہیں، اور درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اکبر اور اصغر امراضلتی ہیں، لہذا جمعہ کے دن کا حج دوسرے ایام کی بہ نسبت اکبر ہے اور حج قرآن حج افراد سے اکبر ہے اور مطلقاً حج، عمرے سے اکبر ہے اور جمع ایام حج بھی اکبر ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے انوارانی مقام کے اعتبار سے مختلف ہے، اسی طرح ایام میں یوم عرفہ، حج اکبر کی تحصیل کا دن ہے جو مطلقاً حج ہے، اور یوم نحر حج اکبر کے افعال کے کھل ہونے اور ان سے حلال ہونے کا دن ہے۔

(الخط الاذفر فی الحج الاکبر مع المسک المستطیع ص ۳۸۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۷ھ)

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کی تحقیق

احادیث اور آثار صحابہ میں مختلف ایام پر حج اکبر کا اطلاق آیا ہے اور کسی دن کے حج اکبر ہونے پر اتفاق نہیں ہے، اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہرچند کہ کوئی صریح حدیث نہیں ہے تاہم بکثرت دلائل شرعیہ سے اس دن کا حج اکبر ہونا ثابت ہے، اس لیے اس کو حج اکبر کہنا صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس سال جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو اس سال کے حج کا ثواب ستر حج سے زیادہ ہوتا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ نے جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل رسالہ

لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس پر حج اکبر کا اطلاق کرنا بہت مشہور ہے اور زبان زد خلافت ہے اور خلق خدا کی زبانیں حق کا قلم ہوتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس چیز کو مسلمان حسن (اچھا اور نیک) سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷) شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث ۳۳۳۳ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کو امام احمد، امام یزید اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸-۱۷۹ ج ۸ ص ۲۵۴ حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ۳ ص ۷۹-۷۸، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۱۵ کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۴۳ اس رسالہ میں ہمارا مقصود اس مسئلہ کی تحقیق کرنا ہے۔

امام رزین بن معلویہ نے تجرید الصحاح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الايام یوم عرفہ ہے اور جب یہ جمعہ کے دن ہو تو یہ بغیر جمعہ کے سترج سے افضل ہے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ مطبعہ مصر)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگر بالفرض یہ واقع میں ضعیف ہو بھی تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ فضائل ائہل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے اور بعض جاہلوں کا یہ کہنا کہ یہ حدیث موضوع ہے، باطل اور مردود ہے (علامہ منلوی اور حافظ ابن قیم نے اس حدیث کو باطل کہا ہے) کیونکہ رزین بن معلویہ عبد ربی کبراء محدثین اور عظماء عجمین میں سے ہیں اور محققین کے نزدیک ان کا کسی حدیث کو نقل کرنا معتد سند ہے، جبکہ انہوں نے اس کو صحاح ستہ کی تجرید میں بیان کیا ہے، اس لیے یہ سند اگر صحیح نہیں ہے تو ضعیف سے کسی حال میں کم نہیں ہے اور اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن عبادات کا ثواب ستریا سو گنا بڑھ جاتا ہے، اور علامہ نووی نے اپنے مناسک میں بیان کیا ہے کہ جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کر دی جاتی ہے، علامہ ابو طالب مکی نے اس حدیث کو قوت القلوب میں بیان کیا ہے۔ ابن جملہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسب کر کے بیان کیا ہے، اور علامہ سیوطی نے اس کو ابن جملہ سے نقل کر کے مقرر رکھا ہے اور یہ چیز قواعد میں سے ہے کہ جب کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں تو وہ قوی ہو جاتی ہے اور اس پر دلیل ہوتی ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔

(الخط الادفرنی الحج الاکبر مع المسک المتقط ص ۳۸۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جمعہ کے دن مغفرت اور نیکیوں میں اضافہ کے متعلق احادیث

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فضائل جمعہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن کو ہم تخریج کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْيَوْمَ الْمَوْعُودِ وَشَهِيدٍ وَمَشْهُودٍ

وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم اور حاضر ہونے والے کی اور

حاضر کیے ہوئے کی قسم۔ (البیورج: ۳-۴)

اس کی تفسیر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم موعود قیامت کا دن ہے، اور یوم مشہود یوم عرفہ ہے اور شاہد یوم الجمعہ ہے، اور آپ نے فرمایا سورج کسی ایسے دن پر طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ بندہ اس میں جس خیر کی بھی دعا کرے اللہ اس کو قبول فرماتا ہے اور

جس چیز سے بھی پتہ طلب کرے اس کو اس سے پتہ میں رکھتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۰ سند احمد ج ۲ ص ۲۹۹-۲۹۸ سنن کبریٰ ج ۳ ص ۹۷۰ شرح السنہ للبغوی ج ۷ ص ۳۳۶ کل ابن عدی ج ۲ ص ۳۷۶ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۵۸۹ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ شعب الایمان ج ۳ ص ۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۶۵)

ملاحظہ قاری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ نماز جمعہ یوم عرفہ سے افضل ہے، پس ثابت ہوا کہ جمعہ سید الایام ہے جیسا کہ زبانِ مذہبِ خلافت ہے۔ (الحق الاذفر فی الحج الاکبر مع المسک المقتطع ص ۳۸۳) میں کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی احادیث وارد ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن سید الایام ہے، اس میں حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن وہ جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت صرف جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۵۰۷ شعب الایمان ج ۳ ص ۹۰ رقم الحدیث: ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان سید الشہور (مہینوں کا سردار) ہے اور جمعہ سید الایام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۵ رقم الحدیث: ۹۰۰۰ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۵ کنز العمال ج ۷ رقم الحدیث: ۲۱۰۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۵۰۸)

اس کے بعد ملاحظہ قاری نے جمعہ کے دن مغفرت کے متعلق یہ احادیث ذکر کی ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۵ ص ۳۱۱ رقم الحدیث: ۳۸۸۳ سند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۳ اس کا ایک راوی محمد بن بحر الجعفی بہت ضعیف ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اور اس کی رات کے چوبیس گھنٹوں کی ہر ساعت میں چھ سو گزہ گار دوزخ کی آگ سے آزاد ہوتے ہیں، ان میں سے ہر گزہ گار پر دوزخ واجب ہوتی ہے۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۶ ص ۳۰۲-۳۰۱ رقم الحدیث: ۳۳۸۳ اس کی سند میں عبدالواحد بصری ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۵ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۸۵۴ کنز العمال ج ۷ ص ۷۹ رقم الحدیث: ۲۱۰۸۰)

امام محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یوم عرفہ کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی وجہ سے فخر فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ میری رحمت کی طلب میں آئے ہیں، میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کے نیکیوں کو بخش دیا اور ان کے نیکیوں کو ان کے بدوں کے لیے شفاعت کرنے والا بنادیا اور جمعہ کے دن بھی اسی طرح فرماتا ہے (مجھ کو طبقات یا کسی اور کتب میں یہ حدیث نہیں ملی۔)

جج سے افضل ہے۔

جمعہ کے جج کے متعلق مفسرین کے اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے جج اکبر کے حطلق ایک یہ قول ذکر کیا ہے:

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے جج اکبر کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا جو جج اس دن کے موافق ہو جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام رسالتوں نے جج کیا تھا۔ (وہ جج اکبر ہے)

(جامع البیان، ج ۷ ص ۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن شیبہ کی روایت میں اہل مل کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت میں اہل دبر (رسالتوں) کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت ہی صحیح ہے کیونکہ تمام اہل مل نے اس سال جج کیا تھا جس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جج کیا تھا اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جج کیا تھا اس سال صرف مسلمانوں نے جج کیا تھا جن میں اہل دبر بھی تھے۔ بہر حال اس روایت کا ذکر حسب ذیل علما نے کیا ہے:

○ امام بغوی شافعی، متوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ بیروت)

○ علامہ قرطبی مالکی، متوفی ۶۷۸ھ۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۸۹)

○ علامہ ابوالیمان اندلسی، متوفی ۵۵۲ھ۔ (البحر المحیط ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

○ حافظ ابن کثیر شافعی، متوفی ۷۴۲ھ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

○ حافظ جلال الدین شافعی، متوفی ۸۵۱ھ۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۳۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

○ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (غیر مقلد)، متوفی ۱۲۳۰ھ۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۲۳۳، مطبوعہ المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں:

جو جج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جج کے موافق ہو اس کو جج اکبر کہا گیا ہے اور یہ دن جمعہ کا دن تھا۔

(الباب الاول ج ۲ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ دار الفکر العربیہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں وارد ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کا اجر ستر جج کے برابر ہے اور یہی جج اکبر ہے۔

(رد المحتار البیان، ج ۳ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۲۶۷ھ لکھتے ہیں:

اور ایک قول یہ ہے کہ اس جج کو جج اکبر اس لیے کہا گیا کہ اس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جج فرمایا تھا اور چونکہ یہ جمعہ کو واقع ہوا تھا اس لیے مسلمان اس جج کو جو روز جمعہ ہو جج و دلع کاغذ کر (یاد دلانے والا) جان کر جج اکبر کہتے ہیں۔

(خزانة العرفان ص ۳۰۹، مطبوعہ تاج کتبیں لینڈ لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس سے اشارہ معلوم ہوا کہ اگر جج جمعہ کا ہو تو جج اکبر ہے کیونکہ جمعہ کے ایک جج کا ثواب ستر جج کے برابر ہے، حضور کا

جنت البدرج جمعہ ہی کو ہوا تھا۔ (نور العرفان ص ۶۹۷، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال یوم عرفہ بروز جمعہ واقع ہو صرف وہی حج اکبر ہے، اس کی اصلیت اس کے سوا نہیں ہے کہ اتفاق طور پر جس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج وداع ہوا ہے اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱۵، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۱۳ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی (دیوبندی) متوفی ۱۳۹۳ھ لکھتے ہیں:

عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

(تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور، ۱۳۰۲ھ)

جمعہ کے حج کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ عثمان بن علی زہلی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین بن معلویہ نے تجرید الصالح میں ذکر کیا ہے اور علامہ نووی نے اپنے منہک میں ذکر کیا ہے۔ جب یوم عرفہ یوم جمعہ کو ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملکن، ایضاً حاشیہ الشلی ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ ملکن)

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی متوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

اور ایک قول یہ ہے کہ جب یوم عرفہ یوم جمعہ کو ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کردی جاتی ہے اور جمعہ کا حج باقی ایام کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ (المحرار الرائق ج ۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ ماہدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شافعی حنفی متوفی ۸۵۲ھ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

علامہ ربیع نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل موقف کی مغفرت فرماتا ہے اور شیخ عزالدین بن جملہ نے کہا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ جمعہ کے دن کے حج کی باقی دنوں پر کیا فضیلت ہے؟ انہوں نے کہا جمعہ کے حج کو باقی دنوں کے حج پر پانچ وجہ سے فضیلت ہے: پہلی اور دوسری وجہ تو مذکور الصدر حدیثوں سے واضح ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جگہ کی فضیلت سے بھی عمل کی فضیلت ہوتی ہے مثلاً مکہ میں عمل کی دوسرے شہروں کے عمل کی بہ نسبت فضیلت ہے اسی طرح زمانہ کی فضیلت سے بھی عمل کی فضیلت ہوتی ہے اور جمعہ کا دن ہفتہ کے باقی دنوں سے افضل ہے (بلکہ سید الایام ہے) پس واجب ہوا کہ جمعہ کے دن کا عمل باقی دنوں کے عمل سے افضل ہو اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال بھی کرے اللہ اسے وہ عطا فرماتا ہے اور یہ فضیلت باقی دنوں میں نہیں ہے اور پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے موافقت ہے کیونکہ حجۃ الوداع جمعہ کے دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے افضل عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ بعض طلبہ نے میرے والد سے سوال کیا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمام اہل موقف کی مغفرت فرماتا ہے، پھر اس میں جمعہ کے دن کی کیا خصوصیت ہے جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے تو میرے والد نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مغفرت فرمائے اور باقی ایام کے حج میں بعض لوگوں

کے واسطے سے مغفرت فرمائے۔ شیخ نور الدین الزیاری الشافعی کے حاشیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

(منہ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۰، مطبوعہ مکتبہ ماجدہ کوئٹہ)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشریانی الخفنی المتوفی ۶۶۹ھ لکھتے ہیں:

تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت سترج سے افضل ہے، اس حدیث کو معراج الدرایہ نے اپنے اس قول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح مروی ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ سترج سے افضل ہے۔ یہ حدیث تجرید المصالح میں علامۃ الموطا کے ساتھ مذکور ہے (الموطا کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اگر اس حدیث کی کوئی اصل ہے تو ہو سکتا ہے ستر سے مراد ستر درجے ہوں یا مہلجہ مراد ہو اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۷)۔ (مراتی المصالح مع حاشیۃ المصنف ص ۳۲۵، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی الخفنی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو سترج کا ثواب ہے اور (میدان عرفات میں) ہر فرد کے لیے بلا واسطہ مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس کے حاشیہ پر علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

الشریانی نے زینبی سے نقل کیا ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا باقی دنوں کے سترج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو زین بن مہویہ نے تجرید المصالح میں روایت کیا ہے۔ علامہ منہوی نے بعض حفاظ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (فیض القدر ج ۳ ص ۹۷۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۳۸۰ھ) البتہ امام فزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل عرفہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور یہ دن دنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے، اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا جو حجتہ الوداع تھا اور جب آپ وقوف فرما رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: **اليوم اكملت لكم دينكم**۔ (المائدہ: ۳) اہل کتاب نے کہا اگر ہم میں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: یوم عرفہ اور یوم جمعہ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں وقوف فرما رہے تھے۔ (علامہ شامی نے معراج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۸)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ سندی نے المنسک الکبیر میں لکھا ہے کہ تمام اہل موقف کی مطلقاً مغفرت کر دی جاتی ہے پھر جمعہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جمعہ کے دن بلا واسطہ مغفرت کی جاتی ہے اور باقی ایام میں بعض لوگوں کی بعض کے واسطے سے مغفرت کی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں صرف تہلیل کی مغفرت کی جاتی ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تہلیل اور غیر تہلیل سب کی مغفرت کی جاتی ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ میدان عرفات میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا تو سب کی مغفرت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مغفرت تو ہو جائے گی لیکن ان کو حج مبرور کا ثواب نہیں ملے گا اور مغفرت حج کے مقبول ہونے کے ساتھ متعید نہیں ہے۔ ان احادیث میں تمام اہل موقف کی مغفرت کا ذکر ہے، اس لیے اس قید کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد الخلیلوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا دوسرے ایام کی بہ نسبت مترج سے افضل ہے۔

(حاشیہ الخلیلوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۵ھ)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو تمام میدان عرفات والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور یہ دن دنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے اور اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تھا۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

رزین بن معلویہ العبدری نے تجرید الصالح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جس دن عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ مترج سے افضل ہے۔ اس حدیث پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے، شاید یہ کسی اور موطا میں ہے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر)

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اور بے شک یہ کہا گیا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف (میدان عرفات کے تمام لوگوں) کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(شرح المنہب ج ۸ ص ۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الايضاح فی مناسک الحج والعمرة ص ۴۸۶، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ مکہ مکرمہ)

(۱۴۱۷ھ)

مناسک نوادی کی یہی وہ عبارت ہے جس کا اکثر علماء نے حوالہ دیا ہے اور اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عبد القلح کی مناسک الحج والعمرة کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر اس میں وقوف جمعہ کے دن ہو تو وہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت ستر دنوں سے افضل ہے۔

(الایضاح علی مسائل الایضاح، ص ۲۸۷، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن حجر البیتسی الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

جمعہ کے دن کے فضائل میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر وقوف عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ غیر جمعہ کے مترج سے افضل ہے۔

(حاشیہ ابن حجر البیتسی علی شرح الایضاح فی مناسک الحج لامام النووی ص ۳۲۸، مطبوعہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۹ھ)

میں نے شرح صحیح مسلم کی تیسری جلد میں بھی حج اکبر کے موضوع پر لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے اور وہ حج دیگر ایام کی بہ نسبت مترج سے افضل ہوتا ہے۔ اس وقت میرے وسائل عمرہ یا حج کرنے کے نہیں تھے اور میرے وہم و گمان میں بھی عمرہ یا حج کی سعادت نہیں تھی۔ میں نے کتاب الحج کے اخیر میں دعا لکھی اے اللہ! مجھے عمواد حج کی سعادت عطا فرما یہ دعا ۱۲ جولائی ۱۴۰۸ھ کو لکھی تھی (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۷۳) اور ۱۴۱۰ھ میں اللہ

تعلیٰ نے مجھے عمرہ کی سعادت عطا فرمائی اور ۱۳۱۳ھ میں مجھے حج کی سعادت عطا فرمائی اور یہ حج، حج اکبر تھا! اور اب سورۃ التوبہ کی تفسیر میں حج اکبر کا لفظ آیا تو ذہن میں وہ پچھلی یادیں تازہ ہو گئیں اور میں نے دوبارہ حج اکبر کے موضوع پر لکھا اور حسن اتفاق یہ ہے کہ جن دنوں میں اس موضوع پر لکھ رہا تھا وہ ایام بھی حج کے تھے اور اس سال (۱۳۱۹ھ) کا حج بھی حج اکبر تھا! اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو قبول فرمائے، میں نے اس بحث میں یہ حدیث لکھی ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے بے پیاں کرم سے دنیا کے تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادیتا ہے اور میں اپنی اس تحریر یا کسی اور نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا طالب نہیں ہوں، میں صرف اس کے فضل و کرم کی وجہ سے اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا امیدوار ہوں۔ ۷ اذوالحجہ بروز ہفتہ بعد عصر ۱۳۱۹ھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ما سوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے اس معاہدہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے ان کے معاہدہ کو اس کی مدت معینہ تک پورا کرو،** بے شک اللہ متعین کو پسند فرماتا ہے (التوبہ: ۴)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری ہے ماسوا ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مشرکین سے معاہدہ کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ان سے اللہ تعالیٰ نے برأت کا اظہار کر دیا اور بعض نے معاہدہ کی پابندی کی ان سے اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کی پابندی پورا کرنے کا حکم دیا۔

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مصداق جو ضررہ تھے جن کا تعلق کنانہ سے تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ کی مدت کو پورا کریں، اور نزول آیت کے وقت ان کی مدت ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھلت کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو،** بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ رحم فرمانے والا ہے (التوبہ: ۵)۔

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

انسلاح: سلب کا معنی ہے جانور کی کھال اتارنا پھر اس کو زردہ اتارنے کے لیے بھی استعارہ کیا ہے۔ (الطہرات ج ۲ ص ۳۳۳) یہاں اس کا معنی ہے جب حرمت والے مہینے گزر جائیں زمانہ کے گزرنے کو جانور کی کھال اتارنے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح کھال جانور کو محیط ہوتی ہے، اسی طرح مہینہ اپنے دنوں کو محیط ہوتا ہے اور جب ایک مہینہ گزر جاتا ہے تو وہ ان دنوں سے منفصل ہو جاتا ہے جن کو وہ محیط تھا۔

الاشہر الحرم: حرمت والے مہینے، ان مہینوں سے مراد یا تو وہ مہینے ہیں جن مہینوں کی مشرکین کو مصلحت دی گئی تھی، اور امام ابو بکر رازی کی تحقیق کے مطابق وہ مہینے ۱۰ اذوالقعدہ سے لے کر ۱۰ ربیع الاول تک ہیں، اور یا ان مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے قتل حرام تھا ان کا بیان اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی اصل ہیئت پر گھوم کر آ

چکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا سال میں بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ معتر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔
 الحدیث۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۰، ۴۶۳۳، ۳۴۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۳) وحذوہم: ان کو گرفتار کر کے پکڑ لو، الاحیاء کا معنی ہے الا سیر۔

واحصر وہم: الحصر اور الاحصار کا معنی ہے گھر کے راستہ کو بند کر دینا ظاہری ممانعت اور باطنی ممانعت دونوں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے، ظاہری ممانعت جیسے دشمن کا محاصرہ کرنا اور باطنی ممانعت جیسے مرض کسی مریض کو کسی کام سے روک دے۔ الحصر کا معنی تنگی کرنا بھی ہے اور واحصر وہم کا معنی ہے ان پر تنگی کرنا اور زمین پر آزادی کے ساتھ ان کے چلنے پھرنے کو بند کر دو۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۵۸) یعنی ان کو باہر نکلنے اور دوسرے شہروں میں منتقل ہونے سے منع کر دو، ان کے گھروں اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر دو حتیٰ کہ وہ قتل کیے جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔

واقعدوا لہم کل مرصد: رصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی تیاری کرنا اور مرصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی جگہ۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۴۰) یعنی ان تمام جگہوں پر نظر رکھو جہاں سے مشرکین گزر سکتے ہیں اور کسی دوسرے شرکی طرف نکل سکتے ہیں۔

اس آیت کی آیت سابقہ سے مناسبت یہ ہے کہ یہ آیت اس سے پہلی آیتوں پر متفرع ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت کا اعلان فرمادیا تھا اور ان کو چار ماہ کی امان دی تھی اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد مسلمانوں پر کیا لازم ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتل کا منسوخ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں گے تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ (التوبہ: ۵)
 اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور ان کو چار ماہ کی مسلت دی گئی تھی، اس مدت کے گزرنے کے بعد ان مشرکین کو قتل کر دو، اسی طرح جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جو بنو کنانہ ہیں ان کو معاہدہ کی مدت پوری کرنے کی مسلت دی گئی تھی اور ان سے معاہدہ کی معاہدہ بھی نو ماہ تک باقی تھی سو نو ماہ گزرنے کے بعد ان کو بھی قتل کر دو، اور اس آیت میں حرمت والے چار ماہ یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی حرمت ماقتلو المشرکین حبث وجد نہ وہم سے منسوخ ہو گئی کیونکہ اس آیت کا معنی ہے تمام مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو، خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں اور ان کو حرمت والے مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتل جاری رکھا تھا۔

ایم محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال آٹھ ہجری میں طائف پر حملہ کیا اور اٹھارہ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر متینق کو نصب کیے رکھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۱-۱۳۰ دار الکتب العلمیہ، المستمل ج ۲ ص ۳۰۷ دار الفکر بیروت)

اس کا اقتضایہ ہے کہ شوال کے دو ماہ بعد تک ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں طائف پر حملہ جاری رہا اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ حرمت والے مہینے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔
(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طائف کے محاصرہ کی مدت چالیس دن تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس کا تقاضا یہ ہے کہ ۳۰ ذوالحجہ تک طائف پر حملہ جاری رہا۔
اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں کہ صحت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ محرم تک طائف کا محاصرہ کیا۔ (عنایت القاضی ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ دار صادر بیروت)
ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتل کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت کے منسوخ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

فاقتلوا المشركين من منسوخ ہونے والی آیات کا بیان

امام ابو بکر رازی متوفی ۷۴۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت فاقتلوا المشركين نے حسب ذیل آیات کو منسوخ کر دیا:

لَسَّ عَلَىٰ يَدَيْهِ بِمُصَيِّبٍ - (الغاشیہ: ۳۲)	آپ ان کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں۔
وَمَا أَنتَ عَلَيْهِ بِمُخَيَّرٍ - (ق: ۳۵)	آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ - (البقرہ: ۲۳۷)	آپ ان کو معاف کر دیجئے اور درگزر کیجئے۔
قُلْ لِلَّهِ الْإِيتِثَاتُ أَمْثُلًا بِمَا عَمِلُوا، لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ عَذَابَ اللَّهِ - (الجماعیہ: ۱۳)	آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔

اسی طرح حسب ذیل آیت بھی ان مذکور الصدر آیتوں کے لیے تلخ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَكْفُرُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ ذَاكِرُونَ - (التوبہ: ۲۹)	ان لوگوں سے قتل کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور وہ اس کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی، (ان سے) قتل کرتے رہو حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
---	---

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے قتل نہیں کرتے تھے جو
آپ سے قتل میں پل نہیں کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

فَإِنْ اعْتَرَفْتُمْ فَلَمْ يُقَاتِلْكُمْ وَالْقَوَا لِيَكُمُ السَّلَاحُ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا - (انعام: ۹۰)	پس اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے قتل نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں رکھا۔
--	--

پھر اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم سے منسوخ کر دیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

فاقتلوا المشرکین میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن (التوبہ: ۲۹) نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنیٰ کر لیا جو جزیہ ادا کر دیں۔

اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کفار سے قتل کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے قتل نہ کرو اور اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر دارمہاجرین میں منتقل ہو جائیں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے قتل نہ کرو، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر ان سے قتل سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر اللہ کی عداوت سے ان سے قتل کرو۔ اور ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو اور ان کو مثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔

(صحیح مسلم الجہاد: ۲ (۱۷۳۱) ۳۳۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۷، مطبوعہ)

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو محتول پایا تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۳، صحیح مسلم، الجہاد: ۲۵ (۱۷۳۳) ۳۳۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۸، سنن الترمذی رقم

الحدیث: ۱۵۶۹، السنن الکبریٰ للشیخ: رقم الحدیث: ۸۶۸)

فاقتلوا المشرکین۔ الایہ سے ائمہ ثلاثہ کا تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال

اور اس کے جوابات

جو شخص فرضیت نماز کا قائل ہو لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو، امام احمد کا اس کے متعلق مختار قول یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کو حد ا قتل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے جہان القرآن ج ۱ میں البقرہ: ۳ کی تفسیر میں کر دی ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے فاقتلوا المشرکین۔ الایہ سے تارک نماز کے متعلق امام شافعی کے موقف کی تائید میں استدلال کی تقریر کی ہے، ہم پہلے امام رازی کے استدلال کی تقریر پیش کریں گے پھر اس کے جوابات کا ذکر کریں گے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کو ہر طریقہ سے مباح کر دیا، پھر تین چیزوں کا مجموعہ پائے جانے کی صورت میں ان کے خون کو حرام کر دیا: (۱) کفر سے توبہ کریں، (۲) نماز قائم کریں، (۳) زکوٰۃ ادا کریں اور جب یہ مجموعہ نہ پایا جائے تو ان کا خون بہانے کی اباحت اپنی اصل پر باقی رہے گی۔

اگر یہ جواب دیا جائے کہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جاتا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اقاموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد لینا مجاز ہے اور بلا ضرورت حقیقت سے عدول کرنا جائز نہیں اور تارک زکوٰۃ کو اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ اس میں تخصیص ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۹-۵۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے اس آیت میں اقاموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں، یہ بلا ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ظاہری اور حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا اس کا ظاہری اور حقیقی معنی یہ ہے کہ جب وہ شرک اور کفر سے توبہ کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ورنہ ان کا راستہ نہ چھوڑو، پس ایک مشرک شرک سے تائب ہو گیا لیکن اس نے فوراً نماز نہیں پڑھی کیونکہ ابھی نماز کا وقت نہیں آیا، یا ابھی نماز کا وقت ختم ہونے میں کافی دیر ہے تو ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے یا اس نے شرک سے توبہ کرنے کے بعد فوراً زکوٰۃ ادا نہیں کی کیونکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک نہیں یا مال کا مالک تو ہے لیکن ابھی اس پر سال نہیں گزرا تو اس آیت کے ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ جس شخص نے شرک سے توبہ کر لی اور نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھا اس کا راستہ چھوڑ دو ورنہ اس کو قتل کر دو۔

اس معنی کا موجب اور تارک نماز کو قتل نہ کرنے کا باعث یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، جو مسلمان شخص اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں ایسے کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے ماسوا تین شخصوں کے: جو شخص اسلام کو ترک کرنے والا ہو اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والا ہو اور شلوی شدہ زنا کرنے والا اور جس شخص کو کسی شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، القصار: ۲۵، (۶۷۴) ۳۲۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵۳۴، مسند احمد، ج ۱ ص ۳۰، ج ۶ ص ۵۸)

اس حدیث میں کسی بھی مسلمان شخص کو ان تین وجہوں کے علاوہ قتل کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے اور جو نماز کا تارک ہو وہ ان تین وجہوں میں داخل نہیں ہے لہذا اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۷۸۰ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احوال اور تمام صورتوں میں کفار کے قتل کو مباح فرمادیا پھر اس صورت میں ان کے قتل کو حرام فرمایا جب وہ کفر سے توبہ کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور جس صورت میں یہ مجموعہ نہیں پایا جائے گا اس صورت میں ان کو قتل کرنا اپنی اصل پر مباح ہو گا پس تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا اور شاید اسی آیت کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یامعین زکوٰۃ سے قتل کیا تھا اور ان دو فرضوں کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ ان کا اظہار کرنا لازم ہے اور باقی فرائض کی ادائیگی پر مطلع ہونا دشوار ہے۔

علامہ مزنی شافعی نے فقہاء شافعیہ پر اس مسئلہ میں ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب دینے میں فقہاء شافعیہ حیران اور مبسوت ہو گئے، جیسا کہ علامہ سبکی شافعی نے طبقات میں اس کا اعتراف کیا ہے، علامہ مزنی نے کہا جس نماز کا وقت گزر چکا ہے یا تو

تارک نماز کو اس کے ترک کرنے پر قتل کیا جائے گا اور یا اس نماز کے ترک پر قتل کیا جائے گا جس کو اس نے ادا نہیں کیا اور اس کا وقت موجود ہے۔ اول الذکر صورت میں اس کو قتل کرنا اس لیے درست نہیں کہ قضا نماز کی ادائیگی کو ترک کرنے پر قتل نہیں کیا جاتا اور ثانی الذکر صورت میں اس کو قتل کرنا اس لیے درست نہیں کہ جب تک کہ نماز کا وقت ختم نہ ہو جائے اس کے لیے نماز کو موخر کرنا جائز ہے۔ فقہاء شافعیہ نے اس اعتراض کا ایک جواب یہ دیا کہ یہ اعتراض امام ابو حنیفہ پر بھی وارد ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ تارک نماز کو قید کیا جائے یا اس کو مارا چٹا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے عہد نماز کو ترک کر دیا تو اس نماز کا وقت نکلنے کے بعد اس کو قید کر لیا جائے گا اور جب تک وہ ترک نماز سے توبہ نہیں کرے گا اور وقت پر نماز پڑھنے کا علوی نہیں ہو جائے گا اس کو قید سے نہیں چھوڑا جائے گا اور اس جواب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ نے دو سرا جواب یہ دیا کہ جس نماز کا وقت نکل گیا اس کے بعد اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے اس نماز کو بلا عذر ترک کیا ہے۔ یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ قضاء نماز کو فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ کسی شخص کو قضا نماز کی وجہ سے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کے اصحاب کا مذہب بھی یہ ہے کہ قضا نماز میں تاخیر کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء شافعیہ نے تیسرا جواب یہ دیا کہ اگر کسی شخص نے وقت پر نماز ادا نہیں کی اور نماز کا آخری وقت آگیا تو آخری وقت میں اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ تارک نماز قتل کی سزا کا مرتبہ سے بھی زیادہ حقدار ہو کیونکہ مرتد کو بھی فوراً قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مسلت دی جاتی ہے اور اس شخص کو اتنی مسلت بھی نہیں دی گئی کہ اس نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ اگر نماز کا وقت نکل جائے گا تو وہ نماز قضا ہو جائے گی اور قضاء نماز کی ادائیگی میں تاخیر پر ان کے نزدیک بھی قتل نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی کے مسلک پر علامہ مزنی شافعی کا یہ وہ قوی اعتراض ہے جس کا فقہاء شافعیہ میں سے کسی سے بھی جواب نہیں بن پڑا۔ (مناہج القاضی ج ۳ ص ۴۷۲ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

فقہاء احناف نے اس آیت کا ایک یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ معنی کرتا: اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کو چھوڑ دو، ورنہ ان کو قتل کر دو۔ یہ مفہوم مختلف سے استدلال ہے اور فقہاء احناف مفہوم مختلف سے استدلال کے قائل نہیں ہیں اور اس آیت کی صحیح توجیہ یہی ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو مان لیں اور ان کا التزام کر لیں تو ان کو چھوڑ دو ورنہ ان کا راستہ نہ چھوڑو کیونکہ توبہ کرتے ہی فوراً تو نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا متصور نہیں ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کسی نماز کا وقت نہ ہو اور اگر نماز کا وقت ہو بھی تو اس کو آخر وقت تک موخر کرنا جائز ہے اور زکوٰۃ کا ادا کرنا تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب مسلمان بہ قدر نصاب مال کا مالک ہو اور اس پر سال گزر جائے۔ علامہ ابو بکر صاں، علامہ نسفی، علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ توبہ نہ کریں اور نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ان کا راستہ نہ چھوڑو، اور راستہ نہ چھوڑنے کا مطلب لانا قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو قید کرنا اور مارنا بھی اس میں شامل ہے۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انہما مسئلہ مذکورہ پانچویں آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی غیر مسلم کے مسلمان ہو جانے پر اعتقاد تین چیزوں پر موقوف ہے: ایک توبہ، دوسرے اقامت صلوٰۃ، تیسری اداء زکوٰۃ۔ جب تک اس پر عمل نہ ہو محض کلمہ پڑھ لینے سے ان کے ساتھ جنگ بند نہ کی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے مقابلہ پر

صدیق اکبر نے جہاد کرنے کے لیے اسی آیت سے استدلال فرما کر تمام صحابہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

(معارف القرآن ج ۳ ص ۳۱۳، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۱۳ھ)

مفتی محمد شفیع صاحب خفی ہیں، لیکن اس آیت کی جو انہوں نے تفسیر کی ہے وہ شافعی مذہب کے مطابق ہے۔ ہم علامہ ابو بکر صامی خفی، علامہ نسفی خفی، علامہ خفاجی خفی اور علامہ آلوسی خفی کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ احناف کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کو قتل نہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ وہ شرک سے توبہ کریں اور اقامت نماز اور اداء زکوٰۃ کی فرضیت کو مانیں اور اس کا التزام کریں اور اقامت نماز اور اداء زکوٰۃ کا عمل اس آیت میں مراد نہیں ہے اور نہ ہی ان کا عمل متصور ہو سکتا ہے جبکہ مفتی صاحب نے یہ لکھا ہے ”جب تک اس پر عمل نہ ہو محض کلمہ پڑھ لینے سے ان کے ساتھ جنگ بند نہ کی جائے گی۔“

باقی مفتی صاحب نے مانعین زکوٰۃ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جہاد سے جو استدلال کیا ہے، یہ بھی دراصل فقہاء شافعیہ کا استدلال ہے۔ ہم پہلے اس حدیث کو باحوالہ ذکر کریں گے، پھر اس حدیث سے فقہاء شافعیہ کے استدلال اور پھر احناف کی طرف سے اس حدیث کے جوابات کا ذکر کریں گے، فصول وبالله التوفیق۔

مانعین زکوٰۃ سے حضرت ابو بکر کے قتل سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کے جوابات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بتلایا گیا اور عرب کے قبائل میں سے جو کافر ہوئے وہ کافر ہو گئے، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کیسے لوگوں سے قتل کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے لوگوں سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا ماسوا اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص سے قتل کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! میں نے یہ جان لیا کہ اللہ عزوجل نے قتل کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹،

جانبین سے ہوتا ہے اور قتل جانب واحد سے۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۸۱-۱۸۲، مطبوعہ دارۃ البیاعۃ النیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ)

شیخ انور شہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عمار تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا اور ہمارے امام اعظم کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو تین دن قید رکھا جائے گا اگر اس نے نماز پڑھ لی تو فیہما ورنہ اس پر ضرب لگائی جائے گی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۴۰۶، مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

شیخ بدر عالم میر خٹھی نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ عینی کے مذکور صدر کلام کا خلاصہ لکھا ہے۔

(حاشیہ فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۸)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد، امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دے اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زد و کوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے، بہر حال تجلیہ کبیل (تارک نماز کا راستہ چھوڑ دینا) کسی کے نزدیک نہیں، رہے ماتمین زکوٰۃ ان کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آملاہ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کے لیے جنگ کی جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ماتمین زکوٰۃ سے جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

(حاشیہ شبیر احمد عثمانی ص ۲۳۹، مطبوعہ المکتبۃ العربیہ السعودیہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سے پھر آپ اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ (حکم) اس لیے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ○ (التوبہ: ۱۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کر دیا تھا کہ مشرکین کو جن میٹوں کی صلت دی گئی ہے اس صلت کے گزر جانے کے بعد ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو چکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ایسے دلائل اور براہین بیان کر دیئے جو ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں اور اب ان سے صرف اسلام کا مطالبہ ہے یا پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا اس لیے یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر کسی شخص کو دین اسلام سمجھنے کے لیے کسی مزید دلیل یا حجت کی ضرورت ہو تو وہ آپ کے پاس اپنے اطمینان کے لیے نہیں آ سکتا اس شہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا اگر کوئی شخص اسلام کے متعلق اپنے شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے آنا چاہے تو آپ اس کو اسلامی ریاست میں آنے کی اجازت دے دیں اور بعد میں جس جگہ وہ اپنے لیے امن اور عافیت سمجھتا ہے وہاں اسے پہنچا دیں۔

مشرکین کو دارالاسلام میں آنے کی اجازت دینے کے مسائل اور احکام

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی البصام الحنفی المتوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں:

مشرک جب مسلمانوں کے ملک میں آنے کی اجازت طلب کرے تاکہ وہ دین اسلام کو سمجھے تو اس کو اجازت دینی چاہیے اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل بیان کرنے چاہئیں اور اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ جو شخص ہم سے جو دینی مسئلہ معلوم کرے، ہمیں اس کو وہ مسئلہ بتانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جو مشرک ہماری اجازت سے ہمارے ملک میں آیا ہے ہم

پر اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کی حفاظت کرنا لازم ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ کسی مشرک کو زیادہ مدت تک دارالاسلام میں نہیں ٹھہرانا چاہیے اور اس کو صرف اتنی مدت تک ٹھہرانا چاہیے جتنی مدت میں اس کا اسلام کے احکام سمجھنا ضروری ہو، اور یہ کہ کسی عذر اور سبب کے بغیر کسی مشرک کو دارالاسلام میں نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

علامہ برہن الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا کافروں کی جماعت یا قلعہ بند لوگوں کو یا کسی شہر کے لوگوں کو امان دے دیں (یعنی دارالاسلام میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں) تو ان کی یہ اجازت صحیح ہے اور مسلمانوں میں سے کسی شخص کے لیے ان سے قتل کرنا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے اور غیر مسلموں کے خلاف وہ ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں، ان کا ادنیٰ فرد بھی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا اور جو شخص (شکر میں) دور ہو گا اس کو بھی غنیمت پہنچائی جائے گی اور عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے اور مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی شخص کو امان دے سکتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶۸۳-۶۶۸۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۸۸ مسند احمد ج ۲

ص ۶۶۶۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۹)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، اس وقت آپ قسطل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے آپ پر پردہ کر رہی تھیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں ام ہانی بنت ابی طالب، آپ نے فرمایا مرحبا ام ہانی، جب آپ قسطل سے فارغ ہوئے تو آپ نے (چاشت کی) آٹھ رکعت پڑھیں، جب آپ فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ میری ماں کا بیٹا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) یہ کہتا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرے گا جس کو وہ امان دے چکی ہیں، وہ ابن ابیہرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے اس کو پناہ دی جس کو اے ام ہانی تم نے پناہ دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷ صحیح مسلم صلاۃ السافرن: ۸۲ (۳۳۶) ۹۱۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۹۳ سنن الترمذی رقم

الحدیث: ۴۷۸۸ السنن الکبریٰ للسلکی رقم الحدیث: ۳۸۲۱ مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۸ المستدرک ج ۲ ص ۵۳-۵۴ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹

ص ۵۹ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۵۲ تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۹۰ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹ کمال ابن عدی ج ۷ ص ۲۵۸

المستقی رقم الحدیث: ۶۰۵۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۹۵۵)

امام ابن ہشام نے امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن الربیع کو امان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو پختہ کر دیا اور فرمایا: مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی امان دے سکتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۶۹ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۳۰)

ہاں اگر کسی شخص کو امان دینے میں اگر کوئی بڑا خطرہ یا فساد ہو تو اس سے امان واپس لے لی جائے گی، جیسے خود امام نے امان دی پھر امان واپس لینے میں کوئی مصلحت دیکھی تو وہ امان واپس لے سکتا ہے۔ ذی کا کسی شخص کو امان دینا جائز نہیں ہے، اور نہ اس مسلمان کا امان دینا جائز ہے جو خود دار الحرب میں قید ہو یا وہاں تجارت کے لیے گیا ہو، اور مجنون اور کم عمر بچے کا امان دینا

بھی صحیح نہیں ہے البتہ جو بچہ جنگ کر سکتا ہو اس کا امن و صلح ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۶۶-۵۶۳، مطبوعہ شرکت طبع ملتان)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

جس مشرک نے دین کو سمجھنے کے لیے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے کی اجازت اور امن طلب کی ہو اس کے جواز میں سب کا اتفاق ہے لیکن جس مشرک نے تجارت یا کسی اور غرض سے مسلمانوں کے ملک میں دخول کی اجازت طلب کی ہو تو اگر مسلمان حکمران یہ سمجھیں کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور منفعت ہے تو یہ جائز ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء نے کہا ہے کہ جب کافر حربی اپنا مل لے کر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس کا مل بھی ملِ نغیمت ہوتا ہے، ماسوا اس کے کہ وہ کسی غرض شرعی کی بنا پر امن لے کر داخل ہو مثلاً وہ اسلام قبول کرنے کیلئے اللہ کا کلام سننا چاہتا ہو یا وہ تجارت کیلئے داخل ہو، اور جو کافر حربی دار الاسلام میں کافروں کا سفیر بن کر آئے تو سفارت بھی امن ہے اور جس شخص کا مل دار الاسلام میں امن ہو تو اس کا اپنا مل لینے کیلئے آنا بھی صحیح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن حسن الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

قائد یہ ہے کہ جب تک اہل ملک میں امن حاصل کرنے والے کافر رہیں، مسلمانوں کے امیر پر ان کی نصرت کرنا واجب ہے اور اس پر واجب ہے کہ اگر کوئی شخص ان پر ظلم کرے تو اس کو انصاف کیا کرے جس طرح مسلمانوں پر اہل ذمہ کے حق میں یہ واجب ہے۔

شمس الامام محمد بن احمد السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیونکہ امن حاصل کرنے والے کافر جب تک دار الاسلام میں رہیں وہ مسلمانوں کی ولایت میں ہیں اور ان کا حکم ذمیوں کی طرح ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج ۵ ص ۹۸۵، مطبوعہ بالمحرکۃ الثورۃ اسلامیہ، افغانستان)

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کے ساتھ کیونکر کوئی عہد سکتا ہے؟ ماسوا ان

الَّذِينَ عَاهَدُوا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا

لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا کہ جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں

لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ كَيْفَ

تم بھی ان سے کیے ہوئے عہد کے پابند رہو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے ○ ان کے عہد کا

وَأِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَقْبَلُوا فِيكُمْ إِلَّا ذِمَّتُهُ

کیسے اعتبار ہو سکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تم پر غالب ہوں تو وہ نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ تم سے

يُرْضَوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَتَأَلَّى قُلُوبُهُمْ ۚ وَكَثَرَهُمْ فَسْقُونَ ۝۸

○ کیے ہوئے عہد کا پاس کر لی گئے وہ نہیں صرف اپنی زبانی باتوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل اس کے خلاف ہیں، اس میں سے اکثر لوگ ناس ہیں

اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَسَدَ ۚ وَاعَن سَبِيلَهُ ۚ إِنَّهُمْ

انہوں نے حق تعالیٰ کی آیتوں کو فروخت کر دیا پھر اللہ کے راستے سے روکا ہے شک وہ

سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۹ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وِلاَدَةً ۚ

○ بہت برے کام کرتے تھے ○ وہ نہ کسی مؤمن کی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اس کے کسی عہد کا پاس کرتے ہیں

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝۱۰ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

اور یہی لوگ عد سے بڑھنے والے ہیں ○ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا

الزَّكَاةَ فَآخَرًا ۚ إِنَّكُمْ فِي الدِّينِ وَفَقِيلُ ۚ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝۱۱

کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم صاحبانِ علم کے لیے تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں ○

وَأَنْ تَكُونُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ

اور اگر یہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر طنز کریں تو تم

فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّكُمْ يَنْتَهُونَ ۝۱۲

کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شاید کہ وہ باز آجائیں ○

أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو بے وطن کرنے کا قصد کیا

وَهُمْ بَدَأُوا وَاوَّلَ مَرَّةٍ اتَّخَشَوْهُمْ ۚ قَالَهُ أَحَقُّ أَنْ

اور پہلی بار جنگ کی انہوں نے ہی ابتدا کی تھی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اسو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم

تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۳ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ

اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ○ ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو

بَايْدِيكُمْ وَيُخِزْهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَكُمْ

عذاب دے گا، ان کو رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کے دلوں کو

مُؤْمِنِينَ ۱۴ وَيَذْهَبْ غِيظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى

شعائد پہنچائے گا ۱۴ اور ان کے دلوں کے غیظ کو دور فرمائے گا اور اللہ جس کی پہلے سے توبہ

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۱۵ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَ

قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت جاننے والا ہے، بے حد حکمت والا ہے ۱۵ (اے مسلمانو! کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم ایسے ہی چھوڑ دیے

لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ

جاؤ گے، حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو تمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کامل طریقہ سے جہاد کیا ہو، اور انہوں نے اللہ اور اس

اللَّهُ وَلَا رَسُولَهُ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

کے رسول، اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بتایا ہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب

تَعْمَلُونَ ۱۶

خبر رکھتا ہے ۱۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کے ساتھ کیونکر کوئی عہد ہو سکتا ہے؟ یا سوا ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان سے کیے ہوئے عہد کے پابند رہو، بے شک اللہ متعین کو پسند فرماتا ہے ۱۶ (التوبہ: ۷)

ان مشرکوں کا بیان جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور جنہوں نے اس معاہدہ کی پابندی کی

جن لوگوں نے مسجد حرام کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے پھر اس عہد کو توڑا، ان کے متعلق امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا کہ عام معاہدہ یہ کیا گیا تھا کہ نہ مسلمان مشرکوں کو حرم میں جانے سے روکیں گے اور نہ مشرک مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکیں گے اور نہ حرمت والے مینوں میں جنگ کریں گے۔ یہ معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا جو مسجد حرام کے پاس ہے۔ یہ معاہدہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا تھا۔ اس معاہدہ میں بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے، پھر معاہدہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے بنو بکر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔

اور جن لوگوں نے عہد کی پاس داری کی وہ بنو خزاعہ تھے۔ امام ابو جعفر نے کہا وہ لوگ بنو بکر کے بعض افراد تھے جن کا تعلق کنانہ سے تھا جب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو کنانہ نے بنو بکر کا ساتھ نہیں دیا اور اپنے عہد پر قائم رہے۔ یہ قول اس سے اولیٰ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سورۃ البراءۃ کا پیغام سننے کے لیے مکہ مکرمہ گئے تھے تو اس وقت تک اہل مکہ میں سے قریش اور بنو خزاعہ سے جنگ ہو چکی تھی اور فتح مکہ کے بعد ان آیات کے نزول سے پہلے وہ سب مسلمان ہو چکے تھے، اس وقت کنانہ ہی شرک پر تھے لیکن انہوں نے چونکہ معہدہ حدیبیہ کی پاس داری کی تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ عہد نبھاؤ اور جو شخص اپنے فرائض کی ادائیگی میں اللہ سے ڈرتا ہے اور خوف خدا سے معہدہ کی پابندی کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے، اور معہدہ کر کے غداری نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۷۶۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: جنہوں نے عہد کی پاسداری کی تھی وہ بنو کنانہ اور بنو ضمرہ تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۰ھ)

جن لوگوں نے عہد شکنی کی تھی ان کے متعلق امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے تین قول لکھے ہیں: (۱) بنو ضمرہ، (۲) قریش، (۳) خزاعہ۔ (ازوالسیر، ج ۳ ص ۳۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے عہد کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے، جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تم پر غالب ہوں تو وہ نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ تم سے کیے ہوئے عہد کا پاس کریں گے وہ تمہیں صرف اپنی رہائی ہاتھ سے خوش کرتے ہیں، اور ان کے دل اس کے خلاف ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○ انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیتوں کو فروخت کر دیا، پھر اللہ کے راستہ سے مدد کا بے شک وہ بہت برے کام کرتے تھے ○ وہ نہ کسی مومن کی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اس کے کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور یہی لوگ حد سے بڑھتے والے ہیں ○ (التوبہ: ۱۰-۸) مشکل اور اہم الفاظ کے معنی

وان بظہروا علیکم: ظہر کا معنی ہے جسم کی پشت، جس سے قوت حاصل ہو اس کے لیے بھی ظہر کا استعارہ کیا جاتا ہے۔ ظہر علیہ کا معنی ہے اس پر غالب ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۳) وان بظہروا علیکم کا معنی ہے اگر وہ تم پر فتح اور غلبہ حاصل کریں۔ لبظہرہ علی الدہس کلہ۔ (التوبہ: ۳۳) تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، ظہر کا معنی کسی چیز کو ظاہر کرنا بھی ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس شخص کو دوسرے پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس کو ایک کمال حاصل ہوتا ہے اور جس کے پاس کوئی کمال ہو وہ اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور جو شخص مغلوب ہو اس کو نقص حاصل ہوتا ہے، اور نقص کو انسان چھپانا چاہتا ہے اس لیے ظہور، غلبہ اور کامیابی سے کنایہ ہو گا۔

لا یرقبوا فیکم: رقب کا معنی گردن ہے، پھر رقبہ کو غلام سے کنایہ کیا گیا رقب کا معنی محافظ ہے، قرآن مجید میں ہے: الالذیہ رقیب عنید۔ (ق: ۱۸) مگر اس کے پاس اس کا محافظ (نکبان) لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے، رقب اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جس پر کھڑا ہو کر نکبان کسی کو جھانک کر دیکھتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۱۵) اس لیے رقب کا معنی انتظار کرنا بھی ہے۔ وارتقبوا انی معکم فریب۔ (حود: ۹۳) اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں، اس آیت میں اس کا معنی حفاظت کرنا ہے یعنی وہ تمہارے قربت کی حفاظت کریں گے اور نہ تمہارے عہد کی حفاظت کریں گے۔

الّا: ال کا معنی ہے صاف شفاف اور چمک دار چیز، جب گھوڑا تیز دوڑے یا بجلی چمکے تو ال کہا جاتا ہے، قسم کھا کر عہد کیا

جائے یا قرابت کو بھی اہل کہا جاتا ہے اور چونکہ عہد بھی غدر سے صاف اور چمکدار ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی اہل کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل اور اہل اللہ تعالیٰ کے اہل ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (الفردات ج ۱ ص ۲۵)

دمہ: ذمہ کا معنی ہے عہد، یعنی ہر وہ کام جو کسی شخص کو لازم ہو اور اس کے ترک کرنے کی وجہ سے اس کو مذمت کا سامنا ہو اس کو ذمہ کہتے ہیں۔

برصوبکہ سافواہہ وناسی فلوہہم: یعنی وہ اپنی زبانوں سے میٹھی باتیں کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کے خلاف ہوتا ہے، کیونکہ ان کے دلوں میں صرف شر اور فساد ہوتا ہے اگر ان کو موقع ملے تو وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کریں۔

بعض سوالوں کے جوابات

اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۸ کے آخر میں فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان لوگوں سے مراد ہیں مشرک اور کافر اور شرک اور کفر فسق سے بہت بڑا گناہ ہے تو مشرکین کی مذمت میں فسق کی صفت ذکر کرنا کیسے مناسب ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مشرکین اور کفار اپنے دین کے قواعد کے لحاظ سے نیک ہوتے ہیں مثلاً وہ امانت دار ہوں، سچ بولتے ہوں اور عہد پورا کرتے ہوں، اور بعض مشرکین اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی بدکار اور اخبث ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ جھوٹ بولتے ہوں اور عہد شکنی کرتے ہوں، سو یہ مشرکین شرک کرنے کے علاوہ اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی فاسق ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، تو کیا تمام مشرک فاسق نہیں ہیں۔ اس کا جواب بھی پہلے اعتراض کے جواب سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مشرکین میں سے بعض لوگ اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے نیک ہوتے ہیں۔ مثلاً امانت دار ہوں، سچ بولتے ہوں اور عہد پورا کرنے والے ہوں لیکن مشرکین میں سے اکثر فاسق ہوتے ہیں جو جھوٹے، خائن اور عہد شکن ہوتے ہیں۔

التوبہ: ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیتوں کو فروخت کر دیا، اگر اس سے مراد یہود ہوں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ تورات کی آیات کی عہد غلط تشریح کرتے تھے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات بیان کی ہیں تو وہ دجال کی صفات بیان کر دیتے تاکہ ان کے عام لوگ ان کے دین سے برگشتہ نہ ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلام کا سیاق و سباق یہود کے متعلق نہیں ہے بلکہ ان مشرکین کے متعلق ہے جسوں نے معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کے لیے یہ موقع حاصل تھا کہ وہ اللہ کی آیات پر ایمان لے آتے لیکن وہ دنیاوی مفاد کی خاطر اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیات کو فروخت کر دیا، نیز ان کے متعلق فرمایا: اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اس سے مراد ان کی دیگر برائیوں کے علاوہ عہد شکنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم صاحبان علم کے لیے تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں ○ (التوبہ: ۱۱)

اہل قبلہ کی تکفیر اور عدم تکفیر میں مذاہب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت نے اہل قبلہ کا خون حرام کر دیا۔

(جامع البیان ۷: ۱۰ ص ۱۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص شرک اور کفر سے تائب ہو، نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے وہ مسلمانوں کا دینی بھائی ہے، اس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قسزانی متوفی ۷۷۹ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کے قواعد میں سے یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان کا یہ کہنا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، پھر یہ کہنا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے، یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہے یا حضرت ابوبکر اور عمر کو گل دے یا ان کو لعنت کرے وہ کافر ہے، ان دونوں قولوں کو جمع کرنا مشکل ہے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۱۲۲-۱۲۱، مطبوعہ کرچی)

علامہ عبدالعزیز ہاروی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں:

(۱) اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا شیخ اشعری اور ان کے متبعین کا مذہب ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی المستقی میں اسی طرح منقول ہے، اور فقہاء نے ان لوگوں کو کافر کہا ہے، اس لیے تعارض نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا کتب، سنت اور اجماع سلف کے دلائل قطعیہ سے ثابت اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایمان اور ان کا شرف عظیم بھی دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، سو جو شخص ان امور کا منکر ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کا مصدق نہیں ہے اور اس کا اہل قبلہ سے ہونا معتبر نہیں ہے۔

(۳) فقہاء نے جو تکفیر کی ہے وہ تخلیق اور تدبیر پر محمول ہے، اس کا ظاہر مراد نہیں ہے۔

(نبراس ص ۵۷۲، مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی بنڈیال ۱۳۹۷ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

اہل قبلہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً عالم کا حادث ہو، قیامت کے بعد لوگوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہے، اور اس طرح کے دیگر اعتقادی امور، پس جو شخص ساری عمر ایسی لمبی عبادات اور ریاضات میں مشغول رہا حالانکہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ عالم قدیم ہے یا اس کا اعتقاد تھا کہ حشر نہیں ہو گا یا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ سبحانہ کو جزئیات کا علم نہیں ہے وہ اہل قبلہ سے نہیں ہے۔ (اسی طرح جو شخص غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد مانتا ہے یا جو شخص قرآن مجید کی تحریف کا قائل ہے یا حضرت عائشہ پر بدکاری کی تحت لگاتا ہے، یا یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے یا جو شخص ائمہ اربعہ کے مقلدین کو حقیقتاً مشرک کہتا ہے یا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح کلمات کفریہ کہتا ہے ایسے تمام لوگ قرآن مجید کے مصدق نہیں ہیں خواہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں لیکن وہ اہل قبلہ سے نہیں ہیں) اور اہل سنت نے جو یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس میں کفر کی علامات اور کفر کی وجوہات نہیں پائی جائیں گی اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، ہم نے جو اصول بیان کیے ہیں اہل قبلہ ان پر متفق ہیں، ان کا دیگر اصول میں اختلاف ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، اعمال کا مخلوق ہونا، اس کے ارادہ کا عموم، اللہ کے کلام کا قدیم ہونا اور آخرت میں اس کے دیدار کا ممکن ہونا اس قسم کے اور دیگر امور جن کے متعلق اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حق صرف ایک ہے، اور اس میں بھی ان کا اختلاف ہے

کہ جو ان امور میں حق کا منکر ہو اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں۔ امام اشعری اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ ان امور میں جو حق کا منکر ہو وہ کافر نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایک قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اہل الاحواء (نئے مذاہب اختیار کرنے والوں) میں سے میں صرف خطابیہ کی شہادت کو مسترد کرتا ہوں کیونکہ وہ جھوٹ بولنے کو حلال کہتے ہیں اور المستسقی میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اکثر فقہاء کا اسی پر اعتقاد ہے اور ہمارے بعض اصحاب ان امور میں مخالفین کو کافر کہتے ہیں اور قدامت معتزلہ انہیں کافر کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ کے قائل تھے اور اعمال کو مخلوق کہتے تھے اور استلا ابو اسحق نے کہا ہم اس کو کافر کہیں گے جو ہمیں کافر کہے اور جو ہمیں کافر نہ کہے ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے اور اصل اشکال کا جواب یہ ہے کہ تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مذہب ہے اور تکفیر کرنا فقہاء کا مذہب ہے پس کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تکفیر کرنا مخالفین کے رد میں مصلحت کے لیے ہے اور تکفیر نہ کرنا اہل قبلہ کے احرام کے لیے ہے کیونکہ وہ بعض امور میں ہمارے موافق ہیں۔ اشرح فقہ اکبر ص ۱۵۵-۱۵۴ مطبوعہ مصر

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض کی گئی ہیں اور ان کی فرضیت میں فرق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے بغیر زکوٰۃ کے نماز کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ کس قدر زیادہ فقیہ تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز مقبول نہیں ہے۔ (جامع الیوم ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

صحابہ کرام کو دینی بھائی کے بجائے میرے اصحاب کیوں فرمایا؟

اس آیت میں توبہ کرنے والوں، نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے متعلق فرمایا وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، بظاہر ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا: السلام علیکم اے مومنو! ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں، میری خواہش ہے کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کی دینی بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے (دینی) بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم، المارۃ: ۳۹ (۲۳۹) ۵۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۴۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۸، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے مسلمانوں کو اپنا دینی بھائی فرمایا اور صحابہ کو دینی بھائی نہیں فرمایا حالانکہ جن مشترک اوصاف کی وجہ سے آپ نے بعد کے مسلمانوں کو اپنا دینی بھائی فرمایا وہ اوصاف صحابہ کرام میں بھی تھے بلکہ زیادہ احسن اور زیادہ اکمل تھے اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو دینی بھائی تو بعد کے لوگ ہیں، کیونکہ دینی بھائی ہونے میں صحابہ کرام کی کوئی انفرادیت اور خصوصیت نہیں تھی، وہ تو قیامت تک کے سارے مسلمان ہیں ان کی خصوصیت صحابی ہونے میں تھی، کیونکہ بعد کے مسلمان کتنے ہی کامل کیوں نہ ہوں درجہ صحابیت کو نہیں پاسکتے۔

کسی شخص کے تعارف میں اس کی خصوصی صفات ذکر کی جائیں

اس حدیث سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے اوصاف کا ذکر کیا جائے تو ان اوصاف کا ذکر کرنا چاہیے

جو اس کے خصوصی اوصاف ہوں نہ کہ وہ اوصاف جو کہ عام ہوں، مثلاً کسی مفتی اور عالم کا ذکر کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ لکھنے پڑھنے والے ہیں تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ لکھنے پڑھنے والے تو بہت لوگ ہیں، اس کی خصوصیت مفتی اور عالم ہونے میں ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں اگر آپ کو صرف بشر کہا جائے تو یہ درست نہیں ہے، بشر کی تو مسلمانوں کے ساتھ بھی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ کافر بھی بشر ہیں، آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ سید البشر ہیں، بشر کامل ہیں، افتخار بشر ہیں، بشر تو اپنی جگہ ہے صرف نبی ہونا بھی آپ کی خصوصیت نہیں ہے، آپ سید الانبیاء ہیں، قائد المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں، سو جب آپ کا ذکر کیا جائے تو آپ کے خصوصی اوصاف کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے کیونکہ عام اوصاف کے ساتھ تو آپ نے اپنے صحابہ کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعنے کریں تو تم کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے شاید کہ وہ باز آجائیں ○ (التوبہ: ۳۰)

کفر کے علم برداروں کا مصداق

جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ مشرک اس معاہدہ کو توڑ دیں اور تمہارے دین اسلام کی مذمت اور برائی کریں تو تم کفر کے ان علم برداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح تمہارے دین کی مذمت کرنے سے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کرنے سے باز آجائیں۔ قتادہ نے کہا کفر کے ان علم برداروں سے مراد ابوسفیان بن حرب، امیہ بن خلف، عقبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام اور سمیل بن عمرو ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کر کے توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا قصد کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۳۸۳) سکت کا معنی ہے نقص اور توڑنا، جب کوئی شخص اپنی مضبوطی کو توڑ دے تو اس موقع پر سکت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام رازی نے لکھا ہے کہ ذہاب نے کہا ہے کہ جب ذی دین اسلام میں طعن کرے تو یہ آیت اس کے قتل کو واجب کرتی ہے کیونکہ ان کی جان اور مال کی حفاظت کا جو مسلمانوں نے عہد کیا تھا وہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ دین اسلام میں طعن نہیں کرے گا اور جب اس نے دین اسلام میں طعن کیا تو اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

میں کتابوں کہ اس آیت کی رو سے اسلامی ملک میں رہنے والے ان غیر مسلموں کو بھی قتل کرنا واجب ہے جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی بھی توہین کریں یعنی ان کی شان کے خلاف کوئی ایسا لفظ بولیں یا لکھیں جو لفظ عرف میں توہین کے لیے متعین ہو، اور حسب ذیل احادیث اور آثار اس پر شہد ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ، کعب کے پاس گئے اور کہا اس شخص نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تمہارا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کرتا رہتا ہے، نیز کہا بخدا تم اس کو ضرور طلال میں ڈال دو گے، اور کہا ہم نے اس کی پیروی کی ہے اور اب ہم اس کو چھوڑنا پسند کرتے ہیں، حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آخر کار ان کا جہاں کیا ہو گا، وہ

اسی طرح کعب بن اشرف سے باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۰۳۲، ۳۰۳۱، ۳۰۳۰، ۲۵۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۷۸۰، ۲۷۸۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا کی باندی ام ولد تھی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتی تھی اور آپ کو سب و شتم کرتی تھی۔ وہ نابینا اس کو منع کرتے رہتے تھے اور وہ باز نہیں آتی تھی۔ ایک رات جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کر رہی تھی انہوں نے ایک مغول (گھٹی یا بھادو، یہاں دلی لاشی) لے کر اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور اس کی ٹانگوں میں ایک بچہ آکر اس کے خون میں لتھڑ گیا۔ صبح کو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے سب لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ نابینا لوگوں کو پھلاتا ہوا آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! میں اس باندی کا مالک ہوں! وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی اور برا کہتی تھی۔ میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے بھی ہوئے اور وہ میری رفیقہ تھی۔ گزشتہ رات وہ پھر آپ کو سب و شتم کر رہی تھی اور برا کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ پر گھٹی رکھ کر اس کو دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی اس کا کوئی قصاص یا تادان نہیں ہوگا)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۳۶۱، سنن نسائی رقم الحدیث ۳۰۸۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث ۱۹۸۵) حضرت عرفہ بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نصرانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے حضرت عرفہ سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں۔ حضرت عرفہ نے کہا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذا پر عہد کریں، ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں عبادت کرنے دیں گے، اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے، اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا: تم نے سچ کہا۔

(المکرم الادب ج ۹ رقم الحدیث ۸۷۳۳، مطبوعہ ریاض، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۰۰، المطالب العالیہ رقم الحدیث ۱۹۸۷) حضرت عمیر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی، جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے تو وہ آپ کو سب و شتم کرتی اور آپ کو برا کہتی۔ انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا، اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم کو معلوم ہے اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا امن دینے کے بل جود اس کو قتل کیا گیا ہے، اور ان لوگوں کے مل پاپ مشرکہ تھے۔ حضرت عمیر کو یہ خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ آپ کے متعلق مجھے ایذا پہنچاتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(المکرم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث ۱۲۳، ص ۶۵، ۶۴، مطبوعہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۰۰ طبع بیروت)

حصین بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا۔ ہم نے ان کو اس لیے امان نہیں دی کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کریں۔ (الطالع العالیہ رقم الحدیث ۹۸۲ طبع بیروت)

توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گلا دی اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ امام مالک، لیث، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جو ذی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گلا دے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو ذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گلا دے، یا آپ کو تعزیر اور کنایہ برا کہے یا آپ کی شان میں کمی کرے یا آپ کی ایسی صفت بیان کرے جو کفر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ ہم نے اس بات پر اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا نہ اس پر اس سے معاہدہ کیا ہے، البتہ امام ابو حنیفہ، ثوری اور اہل کوفہ میں سے ان کے متبعین نے کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا مذہب جس پر وہ قائم ہے، وہ شرک ہے اور وہ سب سے بڑا جرم ہے لیکن اس کو سزا دی جائے گی اور اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۱-۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ جمہور فقہاء احناف نے امام ابو حنیفہ کے اس قول پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ ان کا یہی مسلک ہے کہ جو ذی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے وہ واجب القتل ہے اور توہین سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کفریہ اور شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی ایسی بات کہے جو عرف میں توہین ہو۔

توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الرافضی الخنسی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

جو ذی جزیہ ادا کرنے سے رک جائے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا جس غایت کی وجہ سے اس سے قتل موقوف ہوا ہے وہ جزیہ کا التزام ہے نہ کہ اس کو ادا کرنا اور التزام باقی ہے، اور امام شافعی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گلا دینا عہد ذمہ کو توڑتا ہے اور جب اس نے عہد توڑ دیا تو اس کو دی ہوئی امان بھی ٹوٹ گئی، اس نے ذمہ کا عقد کر کے اس کی خلاف ورزی کی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گلا دینا اس کا کفر ہے، اور جو کفر ابتدا اس کے ساتھ قائم تھا وہ اس عقد ذمہ سے مانع نہیں تھا جو کفر بعد میں طاری ہوا وہ بھی اس عقد سے مانع نہیں ہو گا لہذا اس کفر طاری سے اس کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ (ہدایہ اولین ص ۵۹۸ مطبوعہ شرکت مطبعہ لبنان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الخنسی المتوفی ۵۸۶ھ لکھتے ہیں:

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا السلام علیک (سلام کے معنی موت ہیں، یعنی تم کو موت آئے) آپ نے فرمایا: وعلیکم (یعنی تم پر) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے سمجھ لیا تھا انہوں نے کیا کہا ہے۔ میں نے کہا علیکم السلام واللہ (یعنی تم پر موت آئے اور لعنت ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نھروا عیالکم! بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا جواب دے چکا ہوں وعلیکم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۱۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۳۶۰ مسند احمد ج ۶ ص ۸۵ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۰۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ یہود کا توہین پر مبنی کلمہ تھا اور اگر اس سے عہد ذمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ان کو قتل کر دیتے، کیونکہ اس صورت میں وہ حربی ہو چکے تھے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر سے ایک شخص نے کہا: میں نے سنا کہ ایک راہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھلی دیا، رہا تھا حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا، ہم نے ان سے اس پر عہد نہیں کیا تھا۔ (الطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶) علامہ ابن ہمام جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے ان سے عہد میں یہ شرط لگائی ہو کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم نہیں کریں گے۔ (علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:) اس مسئلہ میں جو مہرا ذمہ ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرے یا کسی ایسی چیز کی جو اس کی شان کے لائق نہیں، جب ذمی ایسی بات کو ظاہر کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ اس کا اعتراف نہ کرے وہ چھپا کر ایسی بات کہہ رہا ہو اور کوئی اس پر مطلع ہو جائے تو پھر اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے جزیہ اس شرط کے ساتھ قبول کیا گیا تھا کہ وہ ذلت کے ساتھ رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَتَّىٰ يَبُذُّوا الْيَحْرِيَّةَ عَنْ ثِيَابِهِمْ صَبْرُونَ۔
حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور انہیں ایک ذلیل ہوں۔
(التوبہ: ۲۹)

اور اللہ اور رسول پر سب و شتم کرنے کا اظہار کرنا جزیہ قبول کرنے کی شرط اور ان سے قتل کی ممانعت کے منافی ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ چھوٹے بن کر رہیں اور ذلت سے جزیہ دیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جن یہود کا ذکر کیا گیا ہے وہ ذی نہ تھے اور نہ جزیہ ادا کرتے تھے، بلکہ ان سے مل لے بغیر دفع شر کے لیے ان سے صلح کی گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر ظہور کر دیا۔ اور اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی ذمی مسلمانوں کے خلاف سرکشی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ان سے قتل کو اس صورت میں دور کیا گیا ہے کہ وہ چھوٹے بن کر ذلت سے رہیں۔

(فتح اللہ ج ۶ ص ۵۹-۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متونی ص ۵۵ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں حق اصحاب شافعی کے ساتھ ہے، امام شافعی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنا عہد کو توڑنا ہے، اگر وہ بالفرض مسلمان بھی ہوتا تو اس کی ذلت ٹوٹ جاتی، اسی طرح ذی کی ذلت بھی ٹوٹ جائے گی۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ (مبانی ج ۲ ص ۶۹۹-۶۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے مزید لکھا ہے:

امام شافعی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس سے ایمان جاتا رہتا ہے تو اہلن بطریق اولیٰ نہیں رہے گی، اور یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے اور میں نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، کیونکہ جب کوئی مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی اور اگر حاکم اس کو قتل کرنے کا حکم دے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اگر کسی دین کے دشمن اور مجرم (غیر مسلم ذمی) سے یہ سب و شتم صادر ہو تو اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ (شرح البیہقی علی کنز الدقائق ج ۱ ص ۲۵۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ عینی حنفی نے دلائل کے ساتھ اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ فقہاء کرام محض مقلد جلد نہیں ہیں اور یہ امام اعظم کی ان ہی مسائل میں موافقت کرتے ہیں جہاں امام اعظم کا قول قرآن اور حدیث پر مبنی ہو، اور جہاں امام اعظم کا قول قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو وہاں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی، علامہ حنفی اور علامہ شامی نے بھی سب و شتم کرنے والے ذمی کے قتل کو جائز لکھا ہے۔ البتہ علامہ ابن نجیم نے علامہ عینی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ ”میں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے“ اور علامہ شامی نے علامہ عینی کا دغل کیا، اس کی تفصیل بھی عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۸۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر سب و شتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ابو اخطب بھدانی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بھنڈا یا رسول اللہ! وہ میرے ساتھ نکلی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(شرح المسیر النکیر ج ۴ ص ۴۱۸-۴۱۷، مطبوعہ افغانستان، ۱۳۰۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(محمد القاری ج ۱۳ ص ۷۱، مطبوعہ ادارۃ البیاعۃ النیر یہ مصر، ۱۳۲۸ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحنفی المتونی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب کوئی شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سیر ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی عورت علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عدی نے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی تھی، انہوں نے رات میں اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تعریف فرمائی۔

(الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۰-۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین حنفی متونی ۱۲۵۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا علاناً سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ

عورت ہو۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۷۸، مطبوعہ بیروت، ۱۳۰۹ھ)

نیز علامہ شاہی لکھتے ہیں:

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ علامہ یعنی نے یہ کہا ہے کہ میں نے اس قول کو اختیار کیا ہے جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے اس کو قتل کر دیا جائے، علامہ ابن نجیم نے کہا کہ علامہ یعنی کے اس قول کی کسی روایت (تقیہ) میں اصل نہیں ہے، علامہ شاہی فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا یہ قول فاسد ہے کیونکہ تمام فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ اس شخص پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو سزا دی جائے گی اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ دو سروں کی عبرت کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ جب جرم بڑا ہو تو تعزیر کی قتل تک ترقی جائز ہے۔

(منہج الحلق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۵، مطبوعہ کوئٹہ)

ایک انگریز نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک سخت توہین آمیز عبارت لکھی۔ ایک مسلمان ممتحن نے انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے اس عبارت پر مشتمل احتمال پر چہ بنایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ سوال اور جواب حسب ذیل ہیں:

مسئلہ: از جو پور ملٹولہ مرسلہ مولوی عبدالاول صاحب ۶ رمضان مبارک ۱۳۵۵ھ

یہ جواب صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہو تو اور بھی دلائل سے مبرا بن و مرین فرما کر مردود و خط سے ممتاز فرمایا جائے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص مسلمان ممتحن نے زیر نگرانی دو شخص مسلمان کے پرچہ زبان دانی انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے مرتب کیا جس میں سب سے بڑے سوال جس میں نصف نمبر رکھے تھے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی اور توہین کے فقرات استعمال کیے تاکہ مسلمان طالب علم لاجملہ مجبور ہو کر اپنے قلم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معصوم و مقدس شان میں بدگوئی لکھیں جو برائے فتویٰ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۰ اس سخت توہین آمیز عبارت کو نقل کرنے کا اس عاجز میں حوصلہ نہیں ہے، جو قارئین اس عبارت کو پڑھنا چاہیں وہ فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۷ میں ملاحظہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت کا جواب درج ذیل ہے:

الجواب: رَبِّدَائِي أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُوا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ۝ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ ان ہم کے مسلمان کھلانے والوں میں جس شخص نے وہ ملعون پرچہ مرتب کیا وہ کافر مرتد ہے، جس نے اس پر نظر پانی کر کے برقرار رکھا وہ کافر مرتد، جس کی نگرانی میں تیار ہوا وہ کافر مرتد، طلبہ میں جو کلمہ گو تھے اور انہوں نے بخوشی اس ملعون عبارت کا ترجمہ کیا اپنے نبی کی توہین پر راضی ہوئے یا اسے ہلکا جانا یا اسے اپنے نمبر گھٹنے یا پاس نہ ہونے سے آسان سمجھا وہ سب بھی کافر مرتد، بالغ ہوں خواہ نابالغ، ان چاروں فریق میں ہر شخص سے مسلمانوں کو سلام کلام حرام، میل جول حرام، نشست برخاست حرام، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس پر نماز پڑھنا حرام، اس کا جنازہ اٹھانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنانا حرام، اسے مٹی دینا حرام، اس پر فاتحہ حرام، اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام بلکہ خود کفر و فاحش اسلام، جب ان میں کوئی مرجائے اس کے اعزاء اقربا مسلمین اگر حکم شرع مانیں تو اس کی لاش دفع عنونت کے لیے مردار کتے کی طرح بھٹی چماروں سے ٹھیلے میں اٹھا کر کسی تنگ گڑھے میں ڈالوا کر اوپر سے آگ پھرجو چاہیں

پھینک پھینک کر پٹ دیں کہ اس کی بدبو سے ایذا نہ ہو۔ یہ احکام ان سب کے لیے عام ہیں اور جو ان میں نکاح کیے ہوئے ہوں ان سب کی جو روئیں ان کے نکاحوں سے نکل گئیں، اب اگر قربت ہوگی حرام حرام و زنا سے خالص ہوگی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی ولد الزنا ہوگی، عورتوں کو شرعاً اختیار ہے کہ عدت گزر جانے پر جس سے چاہیں نکاح کر لیں، ان میں جسے ہدایت ہو اور توبہ کرے اور اپنے کفر کا اقرار کرتا ہو پھر مسلمان ہو اس وقت یہ احکام جو اس کی موت سے متعلق تھے فتنی ہوں گے اور وہ ممانعت جو اس سے میل جول کی تھی جب بھی باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کے حال سے صدقِ عدالت و خصوصِ توبہ و صحتِ اسلام ظاہر و روشن ہو مگر عورتیں اس سے بھی نکاح میں واپس نہیں آ سکتیں، انہیں اب بھی اختیار ہو گا کہ چاہیں تو دوسرے نکاح کر لیں یا کسی سے نہ کریں، ان پر کوئی جبر نہیں پہنچتا، ہاں ان کی مرضی ہو تو بعد اسلام ان سے بھی نکاح کر سکیں گی۔

وجیز امام کردری جلد ۳ ص ۳۲۱ میں مذکور ہے:

جو شخص معذ اللہ مرتد ہو جائے اس کی عورت حرام ہو جاتی ہے، پھر اسلام لائے تو اس سے تجدید نکاح کیا جائے۔ اس سے پہلے اس کلمہ کفر کے بعد کی صحبت سے جو بچہ ہو گا حرامی ہو گا اور یہ شخص اگر علوت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھتا رہے کچھ فائدہ نہ دے گا جب تک اپنے اس کفر سے توبہ نہ کرے کہ علوت کے طور پر مرتد کے کلمہ پڑھنے سے اس کا کفر نہیں جاتا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے دنیا میں بعد توبہ بھی اسے سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اگر نشہ کی بے ہوشی میں کلمہ گستاخی بکا جب بھی معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور کافر بھی ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق جلد چہارم ص ۴۰۷ میں لکھتے ہیں: یعنی جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کینہ ہو وہ مرتد ہے، تو گستاخی کرنے والا بد رجہ اولیٰ کافر ہے اور اگر نشہ بلا اکراہ پیا اور اس حالت میں کلمہ گستاخی بکا جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۶ ص ۳۹-۴۰، مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

شریعت کی توہین کرنے والا تورات کی تصریح کے مطابق واجب القتل ہے

پاکستان میں توہین رسالت کا قانون بنایا گیا ہے جس کے مطابق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی بھی توہین کرنے والے کو پھانسی کی سزا دی جاسکے گی، اس پر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم خصوصاً عیسائی آئے دن احتجاج کرتے رہتے ہیں اور باقی دنیا کے غیر مسلم بھی اس کو مسلمانوں کی بنیاد پرستی قرار دیتے ہیں اور اس قانون کو اقلیت پر ظلم قرار دیتے ہیں جبکہ بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قاضی یا کاہن کی توہین کرنے والا بھی واجب القتل ہے اور نبی کی حرمت اور اس کا مقام تو کاہن اور قاضی سے کہیں زیادہ ہے، سو معلوم ہوا کہ توہین رسالت کا یہ قانون قرآن، حدیث، آثار اور مذاہب ائمہ کے علاوہ بائبل کے بھی مطابق ہے۔ بائبل کی عبارت یہ ہے:

شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اسی کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں اس سے رہنے یا پائیں نہ مڑنا اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کمانہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دور کر دینا اور سب لوگ من کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے ○

(اشعرا و باب: ۷ آیت: ۱۱-۱۳، پرانا مہند نامہ ص ۱۸۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

شرح صحیح مسلم ج ۲ میں ہم نے توہین رسالت کرنے والے مسلمان کا حکم بیان کیا تھا اور الاعراف کی تفسیر میں توہین

رسالت کرنے والے ذی کا حکم لکھا تھا اور اس میں احادیث اور آثار کے علاوہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات پیش کی تھیں اور یہیں پر ہم نے احناف کے مذہب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے اور بائبل کا حوالہ بھی پیش کیا ہے اور ان تینوں مباحث کا مطالعہ کرنا فائدہ سے غللی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو بے وطن کرنے کا قصد کیا اور پہلی بار جنگ کی انہوں نے ہی ابتداء کی تھی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو سو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو (التوبہ: ۳۳)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کفر کے علم برداروں سے قتل کرو، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے قتل کا محرک اور باعث بیان فرمایا ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے قتل کے تین اسباب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو پکا کرنے کے بعد اس کو توڑ ڈالا، اور انہوں نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی اور دوسروں کی یہ نسبت ان سے قتل کرنا زیادہ اولیٰ ہے جنہوں نے عہد شکنی کی۔ اور دوسرا سبب یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وطن کرنے کا قصد کیا اور یہ ان سے جنگ کرنے کا بہت بڑا داعیہ اور محرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وطن کرنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ ان کی وجہ سے آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بار بار مدینہ منورہ پر حملے کیے اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی تاکہ آپ یا شہید ہو جائیں یا ان کی مخالفت سے تنگ آکر مدینہ منورہ سے بھی چلے جائیں اور تیسرا سبب یہ ہے کہ جنگ کی ابتداء انہوں نے خود کی تھی جب انہوں نے بدر میں حملہ کیا، حالانکہ قافلہ ان کے پاس صحیح سلامت پہنچ چکا تھا لیکن انہوں نے کہا ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ اسلام کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا، ان کو رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائے گا اور ان کے دلوں کے غیظ کو دور فرمائے گا اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد حکمت والا ہے (التوبہ: ۱۵-۱۳)

اس آیت میں ان سابقہ آیات کی تاکید ہے، جن میں کفار کے ظالمانہ افعال ذکر فرما کر کفار سے جنگ کے لیے مسلمانوں کی غیرت کو ابھارا تھا علاوہ ازیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ میں فتح کی بشارت دی ہے اور کفار کی ہزیمت کی نوید سنائی ہے اور کفار کے خلاف اللہ نے اپنی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف اس جنگ میں مسلمانوں کے متعدد فوائد بیان فرمائے ہیں۔

فتح مکہ کے لیے جہاد کرنے کے فوائد

(پہلا فائدہ:) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ذریعہ سے کافروں کو عذاب دے گا، اس عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور یہ عذاب کافروں کو قتل کرنے کی صورت میں حاصل ہو گا اور ان کو قید کرنے کی صورت میں اور میدان جنگ میں ان کے اموال پر بطور مال غنیمت کے قبضہ کی صورت میں حاصل ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عذاب دینے کا ذکر فرمایا ہے، اور ایک آیت میں ان پر عذاب بھیجنے کی نفی فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔
اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے در آنحالیکہ آپ

(الانفال: ۳۳) ان میں موجود ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ التوبہ میں جس عذاب دینے کا ذکر ہے اس سے مراد جنگ میں ان کے قتل اور قید ہونے کا عذاب ہے اور سورۃ الانفال میں جس عذاب دینے کی نفی ہے اس سے مراد ہے آسمانی عذاب۔ دو سراجواب یہ ہے کہ سورۃ التوبہ میں جس عذاب دینے کا ذکر ہے وہ صرف بعض لوگوں کو پہنچے گا اور سورۃ الانفال میں جس عذاب کی نفی ہے اس سے مراد ہے ان پر ایسا عذاب نہیں آئے گا جس سے پوری قوم کفار ملیا میٹ ہو جائے۔

(دوسرا فائدہ:) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کو رسوا کرے گا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلت آمیز اور عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور جن مسلمانوں کو وہ بہت کمزور اور پس ماندہ سمجھتے تھے انہوں نے ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور ان کا غرور و غرور خاک میں مل گیا۔

(تیسرا فائدہ:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تمہاری مدد فرمائے گا اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کی وجہ سے مسلمانوں کو حالت جنگ میں طمانیت حاصل ہوگی۔

(چوتھا فائدہ:) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنو خزاعہ اسلام لاپچھکے تھے اور وہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور بنو بکر کفار قریش کے حلیف تھے۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے بنو بکر کی مدد کی، پھر مسلمانوں نے معاہدہ حدیبیہ کو فتح کر کے مکہ پر حملہ کیا کفار قریش کو شکست ہوئی اور بنو خزاعہ کھل ٹھنڈا ہو گیا۔

(پانچواں فائدہ:) اور ان کے دلوں کے غیظ کو دور فرمائے گا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانا اور ان کے دلوں سے غیظ دور کرنا یہ ایک ہی بات ہے، اور یہ ٹھیک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہما دونوں کے مضموموں میں فرق ہے، دشمنوں کی شکست سے مسلمانوں کے دلوں کا غم و غصہ اور غیظ دور ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کی وجہ سے وہ انتظار کی کوفت سے بچ جائیں گے، کیونکہ انتظار موت سے زیادہ سخت ہوتا ہے، اور جب اللہ نے ان کو فتح کی بشارت دے دی تو ان کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

(چھٹا فائدہ:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ جس کی چاہے کتبہ قبول فرمائے گا اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ بعض مسلمان طبعی طور پر کفار سے جملہ کرنے سے گھبراتے تھے اور اس میں تسلل کرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں غیرت دلائی اور حماد کے فوائد اور اجر و ثواب کی ترغیب دی تو وہ جملہ کے لیے شجہ صدر سے تیار ہو گئے اور ان کا جہد رب اللہ تعالیٰ سے توبہ کے قائم مقام ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فتح اور نصرت کی جو بشارت دی ہے وہ بہت بڑا انعام ہے اور جب بندہ اپنی بے شمار کوتاہیوں اور گناہوں کے باوجود اللہ عزوجل کے انعامات کو دیکھتا ہے تو اس پر ندامت طاری ہوتی ہے اور وہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے۔

(ساتواں فائدہ:) یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اور آپ کا معجزہ ہے کیونکہ اس آیت میں جن امور کی پیشگی خبر دی گئی ہے وہ سب فتح مکہ میں حاصل اور واقع ہو گئے، سو اس آیت میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور غیب کی خبر معجزہ ہے، نیز اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل کے علم میں صحابہ کرام حقیقی مومن تھے کیونکہ ان کے قلوب کفار کے خلاف غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے اور یہ ان کی دینی حمیت تھی، اور دین اسلام کی سر بلندی کے لیے وہ بہت راجب اور سخت کوشاں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم (ایسے ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ اللہ نے ابھی

تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کمال طریقہ سے جہاد کیا ہو، اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بتایا ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب خبر رکھتا ہے (التوبہ: ۱۶)

وہی سچہ کا معنی ہم نے محرم راز کیا ہے۔ کیونکہ ولوح کا معنی ہے داخل ہونا اور ولہیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے گھر میں بار بار آتا جاتا ہو۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۹۰) اور یہ وہی شخص ہوتا ہے جو اس کا محرم راز ہو۔ اس سے پہلی آیتوں میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی اور اس آیت میں بھی جہاد پر مزید براکتیں فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے واقعات کا علم ہے اور جس چیز کا مطلقاً وقوع نہ ہو اس کے وقوع کو اللہ کا علم شامل نہیں

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے: اور ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو نہیں جانا۔ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ہی کاموں کا علم ہوتا ہے جو ہو چکے ہوں اور جو کلام ہونے والے ہوں ان کا اس کو علم نہیں ہوتا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ہشام بن الحکم نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی چیز کا علم ہوتا ہے جو وجود میں آچکی ہو، پھر امام رازی نے اس کا رد کیا ہے اور فرمایا کہ اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو موجود نہیں فرمایا، اور اس کو علم سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ کسی شے کے موجود ہونے کو یہ لازم ہے کہ اللہ کو اس کا علم ہو اس لیے اللہ کو کسی چیز کے وجود کا علم اس چیز کے موجود ہونے سے کنایہ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کے موجود ہونے کا اللہ کو علم نہ ہو وہ چیز موجود نہیں ہوتی، کیونکہ وہ چیز موجود نہ ہو اور اللہ کو یہ علم ہو کہ وہ چیز موجود ہے تو یہ علم معلوم کے موافق نہیں ہو گا اور جو علم معلوم کے مطابق نہ ہو وہ جمل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جمل سے منزہ اور پاک ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر رضوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں بعض مومنین سے خطاب ہے جنہوں نے قتل کرنے کو پسند کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں منافقین سے خطاب ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ابھی تک تم میں سے ظالمین غیر مخلصین سے متمیز نہیں ہوئے۔ مخلصین وہ ہیں جو جہاد کرنے والے ہوں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم کی نفی کی ہے اور اس سے مباحثا معلوم کی نفی کا ارادہ کیا ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے۔

(انوار التنزیل علی ہامش ص ۳ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ شلب الدین احمد خلیفی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کی نفی کی ہے اور اس سے معلوم کی نفی کا ارادہ کیا ہے، یعنی انہوں نے بہت زیادہ کمال طریقہ سے جہاد نہیں کیا، کیونکہ اگر انہوں نے کمال جہاد کیا ہوتا تو اس کا اللہ کو علم ہوتا، کیونکہ کسی چیز کے ساتھ اللہ کے علم کا تعلق اس کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے ورنہ اللہ کا علم واقع کے مطابق نہیں ہو گا اور یہ محال ہے، اور جس چیز کا اللہ کو علم نہ ہو وہ اس چیز کے عدم وقوع کو مستلزم ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ چیز واقع ہو تو کائنات میں ایسی چیز ہوگی جس کا اللہ کو علم نہ ہو اور یہ بھی محال ہے۔ (علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کی یہی تقریر کی ہے)

(روح المعانی ج ۱ ص ۶۳، ص ۳۱۰-۳۰۹، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۳ھ)

قاضی بیضاوی نے جلا کے ساتھ مبالغہ کی قید لگائی ہے اور علامہ خفاجی نے کمال کی قید لگائی ہے کیونکہ مسلمانوں نے فتح مکہ سے پہلے جلا تو کیا تھا لیکن بہت زیادہ مبالغہ سے جلا نہیں کیا تھا یا کمال طریقہ سے جلا نہیں کیا تھا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہو اور اگر اس میں منافقوں سے خطاب ہو تو پھر معنی یوں گا حلا نکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے خوش دلی سے جلا کیا ہو۔

سورۃ التوبہ کی آیت: ۲۶ کے چند تراجم

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۷۶۵ھ لکھتے ہیں:

آیا پنداشید شما آنکہ شاپہ گزارده شوید و نہ بیند خداے آنازاکہ جلاوی کنند از شمار راہ او۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

آیا گمان کردید کہ گزاشدہ شوید و ہنوز متمیز نساختہ است خدا آنازاکہ جلا کردہ انداز شما۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۸۳۰ھ لکھتے ہیں:

کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے تم میں سے جو لوگ ٹرے ہیں۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی ۸۳۳ھ لکھتے ہیں:

کیا گمان کرتے ہو تم یہ کہ چھوڑے جاؤ اور حلا نکہ ابھی نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو کہ جلا کرتے ہیں تم سے۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے حلا نکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جلا کیا

ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل دہلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی ان کی جو تم میں سے جلا کریں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حلا نکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون

وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ میں) اجل فحشائی کی۔

ہمارے شیخ مہتمم اسلام سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ متوفی ۱۳۰۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے حلا نکہ اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی ظاہر

نہیں فرمایا جنہوں نے جلا کیا۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

(اے مسلمانو!) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم (ایسے ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے حلا نکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں

کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کمال طریقہ سے جلا کیا ہو۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ

مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مسجد تعمیر کریں ورنہ ان کا سبک وہ خود

عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۖ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي

اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ

التَّارِكُ خَلْدُهُ ۖ ۝۱۷۱ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ

دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۝۱۷۱ اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ تعمیر کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ

آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا وہ

إِلَّا اللَّهُ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝۱۷۲

کسی سے نہیں ڈرے اور غریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ۝۱۷۲

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ

کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص (کی نیکیوں) کی مثل کر دیا جو

أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوِ

اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ

عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۱۷۳ الَّذِينَ آمَنُوا

برابر نہیں ہوں گے اور اللہ ظالم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۝۱۷۳ جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جائزوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کیا،

أَعْظَمُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝۱۷۴

اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے، اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ۝۱۷۴

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا

ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی خوش خبری دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان

نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۲۱ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ

کے لیے دائمی نعمت ہے ۰ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، بے شک اللہ کے پاس بہت

عَظِيمٌ ۲۲ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ

بڑا اجر ہے ۰ اے ایمان والو! اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست

أَوْلِيَاءَ إِنْ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ

نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور تم میں سے جو لوگ ان کو دوست

مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۲۳ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ

بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں ۰ اے رسول مکرم! آپ کہیے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور

أَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ

تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے گھرانے

اِقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ

جوئے مال اور تمہاری تجارت جس کے گھاتے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ

تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي

مکان تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ

سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

محبوب ہوں تو تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۲۴

نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں۔ در آنحالیکہ وہ خود

اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۰

(التوبہ: ۱۷)

تعمیر کا معنی

عمر الدار کا معنی ہے مکان تعمیر کرنا اور عمر الحمرل کا معنی ہے گھر بنانا اور آباد کرنا۔ (المبجد ص ۵۹۹ بیروت) اتسما بمعمر مساجد اللہ (التوبہ: ۱۸) میں اس کا معنی ہے تعمیر کرنا یا زیارت کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۵۱) عمارت کا جو حصہ ٹوٹ پھوٹ جائے اس کی مرمت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اس کی صفائی اور آرائش و زیبائش کرنا اس میں روشنی کا انتظام کرنا۔ اور مسجد کی تعمیر میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو دنیاوی باتوں سے محفوظ رکھا جائے اور اس میں اللہ کے ذکر اور علم دین کی تدریس میں مشغول رہا جائے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۶۷۸ مطبوعہ المدینۃ المنورہ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی جصاص حنفی رازی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

مسجد کی تعمیر کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے مسجد کی زیارت کرنا اور اس میں رہنا اور دوسرا معنی ہے مسجد کو بنانا اور اس کا جو حصہ بوسیدہ ہو گیا ہو اس کو نیا بنانا۔ کیونکہ اعتمر اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس نے مسجد کی زیارت کی اور اس سے لفظ عمرہ ماخوذ ہے کیونکہ عمرہ بیت اللہ کی زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہو اور مسجد میں ہی رہتا ہو اس کو عمار کہتے ہیں، پس اس آیت کا یہ قضا ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے اور مسجد کو بنانے اور مسجد کی دیکھ بھال کا انتظام کرنے اور مسجد میں قیام کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۷، مطبوعہ سیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

بمعمر عمارۃ سے بنا ہے اور مسجد کی عمارت کی دو قسمیں ہیں: (۱) مسجد میں بکثرت آنا جانا اور مسجد کو لازم پکڑ لینا (۲) مسجد کو بنانا اور اس کی تعمیر کرنا۔ اگر دوسرا معنی مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ کافر کے لیے مسجد کی مرمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اس لیے اس کا معظم ہونا واجب ہے اور کافر مسجد کی اہانت کرتا ہے اور اس کی تعظیم نہیں کرتا نیز کافر عکرا نجس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مشرکین محض نجس ہیں۔ (التوبہ: ۲۸) اور مسجد کی تطہیر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور احکامات کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔ (البقرہ: ۱۵۵) نیز کافر نجاسات سے احتراز نہیں کرتا اور اس کا مسجد میں داخل ہونا مسجد کو نجاست سے مفلوث کرنے کا موجب ہے نیز کافر کا مسجد میں داخل ہونا بعض اوقات مسلمانوں کی عبادت میں خلل اور فساد کا موجب ہو گا۔ نیز کافر کا مسجد کی مرمت کرنا مسلمانوں پر کافر کے احسان کا موجب ہو گا اور کافر کو مسلمان پر احسان کرنے کا موقع دینا جائز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: در آنحالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، کیونکہ جب تم کسی عیسائی سے پوچھو تمہارا کیا مذہب ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں عیسائی ہوں اور یہودی سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ میں یہودی ہوں۔ ستارہ پرست یا آتش پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں ستارہ پرست ہوں یا آتش پرست ہوں اور بت پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں بت پرست ہوں۔

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں مذاہب فقہاء

فقہاء منیلہ کے نزدیک کافر کا کسی جگہ کو عبادت کے لیے وقف کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ مقدسی متوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

مسلمان یا ذی کی جانب سے کسی جگہ کو نیک کام کے سوا وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مسجد وغیرہ بنانے کے لیے، کیونکہ اس کا نفع مسلمانوں کو پہنچے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، البتہ کسی جگہ کو یہودیوں یا عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے۔

(کتاب الفردوس ج ۳ ص ۵۸۷-۵۸۶، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروادی ضلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

دوسری شرط یہ ہے کہ کسی جگہ کو نیک کام کے لیے وقف کرنا چاہیے خواہ وقف کرنے والا مسلمان ہو یا ذی، اس کی امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ مثلاً مسکینوں کے لیے وقف کر، مسجدوں کے لیے، پلوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے، یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور اصحاب منیلہ کا اتفاق ہے۔

(الانصاف ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۶ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم امام رازی شافعی کی عبارت نقل کر چکے ہیں، اور علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب المروزی الشافعی المتوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

سورۃ توبہ کی اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کفار کے لیے مسجدوں کی تعمیر جائز نہیں ہے، کیونکہ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ان کو صرف ایمان کے ساتھ تعمیر کیا جاسکتا ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار کے لیے مسجدوں میں داخل ہونا اور زیارت کے لیے مسجدوں میں آنا جائز نہیں ہے۔ (الکتب والعیون ج ۲ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتب الشافعیہ بیروت)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، علامہ دسوقی مالکی متوفی ۳۲۹ھ لکھتے ہیں:

کافر ذمی کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ اللہ سوقی علی الشرح الکبیر ج ۳ ص ۷۹-۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس سے پہلے ہم علامہ ابوبکر حصار حنفی کی عبارت لکھ چکے ہیں اور علامہ شاہ حنفی لکھتے ہیں:

ذی کا اس چیز کے لیے وقف کرنا صحیح ہے جو اس کے اور ہمارے دونوں کے نزدیک عبادت ہو لہذا ذی کا حج اور مسجد کے لیے وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ہمارے لیے عبادت ہیں ذی کے لیے نہیں ہیں، اور نہ ذی کا اگر جا کے لیے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، البتہ مسجد قدس کے لیے ذی کا وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ مسجد قدس اس کے نزدیک بھی عبادت ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔

(منہ الخالق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ کوئٹہ، مکتبۃ الفتاویٰ الخادمیہ ج ۱ ص ۱۱۹، مطبوعہ مطبع حبیبہ کوئٹہ)

غیر مقلدین کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ اگر کافر نے مسجد بنانے کی وصیت کی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۲۵۲، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

کافر نے مسجد کے لیے وقف کیا وقف نہ ہو گا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۳۸، مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جس کے لیے وقف کرتا ہے فی نفع ثواب کا کام ہو، یعنی واقف کے نزدیک بھی وہ ثواب کا کام ہو اور واقع میں بھی ثواب کا کام ہو۔ اگر ثواب کا کام نہیں تو وقف صحیح نہیں (الی قول) اگر نصرانی نے حج و عمرہ کے لیے وقف کیا جب بھی وقف صحیح نہیں کیا کہ اگرچہ یہ کار ثواب ہے مگر اس کے اعتقاد میں ثواب کا کام نہیں۔ (الی قول) ذی نے اپنے گھر کو مسجد بنایا اور اس کی شکل صورت بالکل مسجد کی سی کر دی اور اس میں نماز پڑھنے کی مسلمانوں کو اجازت بھی دے دی اور مسلمانوں نے اس میں نماز پڑھی بھی جب بھی مسجد نہیں ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد میراث جاری ہوگی، یونہی اگر گھر کو گر جاو غیرہ بنادیا جب بھی اس میں میراث جاری ہوگی۔ (بہار شریعت ج ۱۰ ص ۲۹۳۰ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں علماء دیوبند کا نظریہ

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۶۱ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لیے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کرنا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتانے کا خطرہ نہ ہو۔

(در المختار، شامی، مراغی) (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۳۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۱۳ھ)

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی نے اسی طرح لکھا ہے (تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۷۳، مطبوعہ بیروت) لیکن علامہ المراغی کوئی مسلم فقہ نہیں ہیں اور در المختار میں اس طرح لکھا ہوا نہیں ہے، رہے علامہ شامی تو انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے سندہ الحاق اور منتخب الفتاویٰ الخلفاء کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں اور اب ایک مزید حوالہ پیش کر رہے ہیں:

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

در مختار میں صحت وقف کی ایک یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ اس کافی نفع عبادت ہونا معروف ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں یہ صرف مسلمان کے وقف کرنے کی شرط ہے ورنہ المهرار ائقی میں مذکور ہے کہ ذمی کے وقف کی صحت کی شرط یہ ہے کہ وہ اس کے نزدیک اور ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے فقراء پر وقف کرنا یا مسجد بیت المقدس پر وقف کرنا یا طائف اس کے کہ ذمی کسی گر جا پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، یا وہ حج اور عمرہ پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے نزدیک عبادت ہونا صرف ذمی کے وقف کے لیے شرط ہے کیونکہ مسلمان کے وقف کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ان کے نزدیک بھی عبادت ہو بلکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے حج اور عمرہ۔

(رد المختار ج ۳ ص ۳۹۳، مطبوعہ کوئٹہ، رد المختار ج ۳ ص ۳۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ، رد المختار ج ۶

ص ۳۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۳۹ھ طبع جدید)

اور چونکہ کافروں کے مذہب میں مسجد بنانا یا مسجد کے لیے چندہ دینا عبادت نہیں ہے اس لیے ان امور میں ان سے چندہ لینا فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے اور دینی حیثیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اپنی عبادت میں کافروں سے مدد نہ لی جائے اور اپنے دین میں ان کا احسان نہ اٹھایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ تعمیر کر سکتے ہیں، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرے اور عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے (التوبہ: ۱۸)

مسجد بنانے کا جواز اور استحقاق کن امور پر موقوف ہے

اللہ تعالیٰ نے تعمیر مساجد کا جواز پانچ چیزوں میں منحصر فرمایا ہے: (۱) اللہ پر ایمان، (۲) قیامت پر ایمان، (۳) نماز قائم کرنا، (۴) زکوٰۃ ادا کرنا، (۵) اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔

مسجد بنانے کے لیے اللہ پر ایمان رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد وہ جگہ ہے جہاں اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی جاتی ہے، سو جو شخص اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ رکھتا ہو اس کے لیے اللہ کی عبادت کی جگہ بنانا ممنوع ہو گا۔ قیامت پر ایمان رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہو گا اس شخص کے لیے اللہ کی عبادت کا کوئی محرک اور باعث نہیں ہو گا۔

نماز قائم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد بنانے کی غرض ہی نماز کی ادائیگی ہے، سو جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس کے لیے مسجد بنانا ممنوع ہو گا۔ زکوٰۃ ادا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے لیے بدن کی طہارت ضروری ہے اور نماز کے لیے وضو اور پاک اور صاف لباس ضروری ہے اور اس کے لیے مال خرچ کرنا ہو گا اور اس کے لیے فراغ دلی سے مال دی خرچ کرے گا جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو، نیز فقراء، مساکین اور مسافروں کو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے نمازیوں میں فقراء، مساکین، مسافر اور دیگر مستحقین زکوٰۃ ہوتے ہیں اور مسجد میں آنے والے کو انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

مسجد بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسجد بنانے والا اللہ عزوجل کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو، کیونکہ بعض اوقات غیر مسلم مسجد بنانے میں مزاحم ہوتے ہیں جیسا کہ بھارت اور دیگر غیر مسلم ممالک میں اس کا بغیرت مشاہدہ کیا گیا ہے، ایسے میں مسجد بنانے کی جرات ہی شخص کرے گا جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو، نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مسجد بنانے والا نام و نمود اور اپنی تعریف و شہرت کے لیے مسجد نہ بنائے بلکہ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے لیے مسجد بنائے۔

مسجد بنانے کے انحصار میں ایمان بالرسول ذکر نہ کرنے کی توجیہات

اس آیت میں مسجد بنانے کے لیے ایمان باللہ اور دیگر امور کا ذکر فرماتا ہے لیکن ایمان بالرسول کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان باللہ ایمان بالرسول کو مستلزم ہے، کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام ارشادات پر ایمان لایا جائے اور اللہ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے محمد رسول اللہ (فتح ۲۴) سو جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانا اس نے اللہ عزوجل کو نہیں مانا، دو سرا جواب یہ ہے کہ اس میں نماز کا ذکر ہے اور نماز سے پہلے اذان اور اقامت ہوتی ہے اور اذان اور اقامت میں ہے محمد رسول اللہ، تیسرا جواب یہ ہے کہ اس میں نماز کا ذکر ہے اور نماز سے مراد وہ نماز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۱۰، ۷۳۱۱) چوتھا جواب یہ ہے کہ خود نماز کے تشہد میں ہے: السلام علیک ایہا النبی اور نماز کے دوران میں ہے اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد اور صراحتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا تاکہ مشرکین کے اس قول کا رد ہو کہ (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دین اسلام کی دعوت اپنی ریاست اور حکومت کی طلب کی خاطر دیتے ہیں۔

مسجد بنانے کے فضائل اور مسجد کے اجر و ثواب کے حقائق احادیث

جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (مسجد نبوی) کو از سر نو بنانے کے سلسلہ میں بہت اعتراض کیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے بہت اعتراض کیے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے: جس شخص نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے مسجد بنائی اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۶۱ رقم الحدیث: ۴۳۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸ جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۷۱۴)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے اس لیے مسجد بنائی تاکہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۵، سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۳۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کو مسجد میں جائے یا شام کو مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر صبح اور شام کو جنت سے مہمانی تیار کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اللہ کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا: (۱) امام عادل، (۲) جو شخص اللہ کی عبادت میں جو ان ہو، (۳) جس شخص کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی مسجد میں معلق رہا حتیٰ کہ وہ دوبارہ مسجد میں آیا، (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں جمع ہوئے اور اللہ کی محبت میں الگ الگ ہوئے، (۵) جس شخص نے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے، (۶) جس شخص کو خوبصورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۷) جس شخص نے چھپا کر صدقہ دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتانہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰، ۱۳۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور قبائل کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے، اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کے گرد جگہ خالی ہوئی تو بنو سلمہ نے مسجد کے قریب خنقل ہونے کا ارادہ کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب خنقل ہونے کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! ہمارا یہ ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اے بنو سلمہ! اپنے گھروں میں ہی رہو، تم جس قدر قدم چلتے ہو تمہاری اتنی ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، (پھر فرمایا) اپنے گھروں میں ہی رہو تم جس قدر قدم چلتے ہو تمہاری اتنی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اندھیروں میں چل کر مسجدوں تک جلتے ہیں انہیں قیامت کے دن نور تام کی بشارت دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۶۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲۳، المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۱۵۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آبلو رکھتے ہیں

اور جو میری وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو سحر کے وقت انھہ کر مجھ سے استغفار کرتے ہیں تو میں ان سے عذاب کو پھیر دیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو مسجد کی حفاظت کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا يَعْزَّمُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ امْسِ يَوْمِ الْاِحْرَارِ۔ (التوبہ: ۱۸)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے بلغات سے گزرو تو اس میں چراگد۔ کما گیا یا رسول اللہ! جنت کے بلغات کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد۔ پوچھا کیا ان میں چراگس طرح ہے؟ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (کنز) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

مسجد کے احکام کے متعلق احادیث

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز (تحتیہ المسجد) پڑھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس بدبودار درخت (لسن اور پیازا میں سے کچھ کھنڈا وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، کیونکہ جس چیز سے انسانوں کو ایذا پہنچتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۴، ۸۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۳)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے تمام اعمال اچھے اور برے مجھ پر پیش کیے گئے، میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ تکلیف دہ چیز راستہ سے ایک طرف کر دی گئی، اور برے اعمال میں نے دیکھا کہ ظلم کو مسجد میں دفن کیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد میں جس نیت سے آیا اس کا وہی حصہ ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم دیکھو کہ کوئی شخص اپنی کم شدہ چیز کی تلاش کے لیے مسجد میں چلا رہا ہے تو کہو اللہ تیری چیز کو واپس نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۳۰۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مسجد میں دنیاوی باتیں کریں گے تم ان کے پاس مت بیٹھو اللہ کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۳۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کے باہر ایک کھلی جگہ بنوادی تھی، جس کا نام طیمحاتہ آپ نے فرمایا جو آدمی پسلیاں اور بھارتیں ڈالنا چاہتا ہو یا شعر پڑھنا چاہتا ہو یا آواز بلند کرنا چاہتا ہو وہ اس کھلی جگہ میں چلا جائے۔

(موطأ امام مالک اثر: ۴۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، موطأ مع الزرقلی رقم: ۴۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو اور اپنے لڑائی جھگڑوں کو اور اپنی حدود (کے غلطی) کو اور اپنی خرید و فروخت کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور جمعہ کے دنوں میں مسجدوں میں کثرت سے جمع ہو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر وضو کرنے کی جگہیں بناؤ۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۱۶۷۲، المعجم الكبير ج ۲۰ رقم الحديث: ۳۶۹، مسند الشافعی رقم الحديث: ۳۵۸۱)

حضرت ابو الدرداء، حضرت ابو امامہ اور حضرت واصلہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو اور اپنے پاگل لوگوں کو اور اپنے برے لوگوں کو اور اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے لڑائی جھگڑوں کو اور اپنی آوازوں کو اور اپنی تگوار سونٹے کو اور اپنی حدود قائم کرنے کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور جمعہ کے دنوں میں کثرت سے اپنی مسجدوں میں جمع ہو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر اپنی وضو کی جگہیں بناؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۷۵۰، المعجم الكبير ج ۸ رقم الحديث: ۷۶۰، مسند الشافعی رقم الحديث: ۳۶۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آبلو کرنے کو اس شخص (کی نیکیوں) کی مثل کر دیا جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہوں گے اور اللہ عظیم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (التوبہ: ۱۸)

اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کعبہ کو آبلو کرنے سے افضل ہے

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے کہا اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے سو اس کے کہ میں حجاج کو پانی پلاتا رہوں گا۔ دوسرے شخص نے کہا مجھے اسلام لانے کے بعد کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے مگر میں مسجد حرام کی زیارت کروں گا اور اس کو آبلو رکھوں گا۔ تیسرے شخص نے کہا تم نے جو چیزیں بیان کی ہیں ان سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آوازیں بلند نہ کرو اور وہ جمعہ کا دن تھا لیکن میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دریافت کروں گا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم الامارۃ: ۱۸۷۹، مسند احمد رقم الحديث: ۱۹۸۳، المعجم الاوسط ج ۲ رقم الحديث: ۳۲۳، جامع البیان ج ۲ رقم الحديث: ۳۸۶، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحديث: ۱۰۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں جب حضرت عباس بن عبد المطلب کو قید کیا گیا تو انہوں نے کہا ہر چند کہ تم اسلام کو قبول کرنے میں اور ہجرت کرنے میں اور جہاد کرنے میں ہم پر سبقت کر چکے ہو لیکن ہم مسجد حرام کو آبلو رکھتے ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مشرکین نے کہا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرنا اور حجاج کو پانی پلانے ایمان لانے اور جہاد کرنے سے افضل ہے اور وہ لوگ حرم کی دیکھ بھال کرنے کی وجہ سے غر اور تکبر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیتیں بھی نازل فرمائیں:

قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُنْذِرُكُمْ فَكُنْتُمْ
عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَكْفُرُونَ ۝ مُسْتَكْبِرِينَ
بِمَسْجِدِائِهِمْ يُحْزَرُونَ ۝ (المومن: ۶۷-۶۶)

بے شک تم پر میری آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ کر ہٹا جاتے تھے اور آنحالیکہ تم تکبر کرتے تھے اور رات کو (اللہ کی آیتوں کے متعلق) بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔

پس مشرکین نے جو کعبہ کی دیکھ بھل کی ہے اور حبلج کو پانی پلایا ہے، اس سے اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کہیں افضل ہے۔

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۲۳-۱۲۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم ص ۱۷۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۳-۳۸۴ طبع بیروت)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی خوشخبری دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے ○ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، بے شک اللہ کے پاس بہت بڑا درجہ ہے ○ (التوبہ: ۲۳-۲۴-۲۵)

سابقین صحابہ کی فضیلت اور اللہ کی رضا کا جنت سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ وہ مشرک جنہوں نے کعبہ کی حفاظت کی اور حبلج کو پانی پلایا ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کیا ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید وضاحت کی اور فرمایا: ان کا بہت بڑا درجہ ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کی حفاظت کرنے والے مشرکوں کا بھی اللہ کے نزدیک کوئی درجہ ہے لیکن مسلمانوں کا بڑا درجہ ہے حالانکہ مشرکوں کے تمام نیک اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں اللہ کے نزدیک ان کا کوئی درجہ نہیں ہے، البتہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کاموں کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کا کوئی درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارے گمان میں تمہارا جو بھی درجہ ہے ایمان لانے والوں، ہجرت کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا تم سے بہت بڑا درجہ ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا يَشْرِكُونَ ○ (تہل ۵۴)

(آپ کہئے) کیا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے

ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایمان لانے والوں، ہجرت کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا درجہ تمام مخلوق سے بڑا ہے، اور ان کا درجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، فوز کا معنی ہے اپنے مطلوب کو پالینا اور ان کا مطلوب عذاب سے نجات اور ثواب کا حصول ہے اور اس کا مصداق فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِمَّنْ اَتَّقَىٰ مِنَ قَبْلِ الْفَتْحِ
وَقَاتَلَ اُولَٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَتَّقَوْا
مِنَ تَعَدٍّ وَقَاتَلُوا وَكُنَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنٰى۔

(الحمد ۱۳)

(۱) مسلمانوں! تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے
(اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا ان کے برابر کوئی نہیں
ہو سکتا ان کا ان سے بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ
کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ان سب سے جنت کا
وعدہ فرمایا ہے۔

اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو سب دشمن نہ
کہو (برائہ کہو) پس اگر تم میں سے کوئی شخص (اللہ کی راہ میں) احد پھاڑتا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے ایک کلو

یا نصف کلو کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱ مسند احمد ج ۳ ص ۵۳، ۵۴ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۳۰۹ تاریخ بغداد ج ۷ ص ۴۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۱) آیت ۲۱ میں فرمایا ہے: ان کا رب ان کو رحمت اور رضا کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ رب کہم کا دعوہ ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ال جنت سے فرمائے گا: اے ال جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے موجود ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: اے رب! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے مگر تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے رب! اس سے زیادہ افضل اور کیا چیز ہے؟ اللہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رحمت اور رضائیں نازل کرتا ہوں، اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۸)

سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ (التوبہ: ۷۴) اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی چیز ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جنت کو معمولی نعمت سمجھا جائے اور جنت کی تحقیر کی جائے۔ جیسا کہ جاہل صوفی کرتے ہیں، جنت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس سے بھی بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے لیکن یہ نعمت ہم کو جنت میں ہی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں جنت کی طلب اور زیادہ فرمائے اور اپنے فضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہمیں جنت عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں، اور تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

کفار اور مشرکین سے محبت کا تعلق رکھنا منع ہے اور بغیر محبت کے معاملات جائز ہیں

اس آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک باقی ہے اور اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرما دیا ہے، لیکن مسلمان ملکوں میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں ان کے ساتھ خرید و فروخت، مزدوری کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور ملکی امور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی اور محبت رکھنے سے منع کیا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے کافر باپ دادا اور بھائیوں سے دوستی اور محبت نہ رکھو۔ اس آیت میں بیٹوں کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ بیٹے باپ کے تابع ہوتے ہیں اور فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لوگ مشرک ہیں کیونکہ جو شخص مشرک کے ساتھ راضی ہو اور مشرک ہے لیکن یہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ ان کے مشرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے اور اس وجہ سے ان سے محبت کرے اور اگر وہ کسی اور وجہ سے ان سے دوستی اور محبت رکھتا ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا کافر اور مشرک نہیں ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

وَالنَّصَارَىٰ ۚ (المائدہ: ۵۷)

یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھے بغیر مسلمانوں کے مفاد میں ان سے دفاعی اور تجارتی معاملہ سے کرنے جائز ہیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے معاملہ سے کیے اور حدیبیہ میں مکہ کے کافروں سے معاملہ کیا اور آپ نے معاملہ کی پابندی فرمائی تو ضرورت کی بنا پر کافر ملکوں سے معاملہ سے کرنا جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے میں باپ کافر ہیں تو ان سے صلہ رحم کرنا اور کافر رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (نمل: ۲۵)

دنیا میں مشرک میں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، انہوں نے کہا میرے پاس میری ماں آئیں در آنحضرت وہ مشرک تھیں اور جب قریش نے مسلمانوں سے معاملہ کیا تھا تو وہ ان کے ساتھ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس میری ماں آئی ہیں در آنحضرت وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(صحیح مسلم، زکوٰۃ: ۵۰ (۱۰۰۳) ۲۲۸۸، صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

اسی طرح جن مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ قتل کیا نہ کوئی اور ظلم کیا ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا يَتَّبِعْكُمْ الْكَافِرُونَ قُلُوبُهُمْ لِيَكْفُرُوا بِكُمْ فَإِذَا اتَّخَذْتُمُ الدِّينَ

جن لوگوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی اور تم کو

الْمُشْرِكِينَ وَلَمْ يُغَيِّرْ دِينَكُمْ قُلُوبُهُمْ لِيَكْفُرُوا بِكُمْ فَإِذَا اتَّخَذْتُمُ الدِّينَ

تمہارے گھروں سے نہیں نکلا، اللہ تم کو ان کے ساتھ نیک کرنے

وَنَقُصِّطُوا إِلَيْهِمْ دَرَجَاتٍ مِّنَ اللَّهِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

سے اور انصاف کرنے سے نہیں روکنے بے شک اللہ انصاف

الْمُفْسِدِينَ۔ (المائدہ: ۸)

کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ایک ایسی ہستی میں داخل ہوئے جس میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ اس نے حضرت سارہ کے متعلق کہا ان کو آجر (اجر) دے دو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری پر یہ کی گئی، اور ابو حمید نے کھلا ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر پر یہ کیا اور آپ کو ایک چلور پستلی اور آپ نے اس سرزمین پر اس بادشاہ کی حکومت کے لیے لکھا۔ (صحیح البخاری باب قبول الہدیۃ من المشرکین ص ۵۳۳، مطبوعہ دارالرقم بیروت)

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ کفار اور مشرکین سے دوستی اور محبت کرنا منع ہے، اور بغیر دوستی اور محبت کے ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا، ان سے تحائف لینا اور ان کو تحائف دینا، ان سے قرض اور خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک ماہ کے ادھار پر طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گردی رکھ دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰۳) اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک سے ایک بکری خریدی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۵۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کھلے ہوئے مل اور تمہاری تجارت جس کے کھانے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ غفران لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (التوبہ: ۲۴) اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، قریبی اعزہ، وطن، تجارت اور مل و دولت سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہونا

انسان کو فطری طور پر اپنے باپ دادا، بیٹے، بیویاں اور دیگر قریبی رشتہ دار بہت محبوب ہوتے ہیں، اسی طرح اس کو اپنا کھانا، مل اور اپنا کاروبار بھی بہت مرغوب ہوتا ہے اور اپنے رہائشی مکان بھی اس کو بہت پسند ہوتے ہیں اور ان سب کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلے جانا اس کے لیے بہت دشوار ہوتا ہے اس لیے ہجرت کرنا اس پر طبعاً گراں ہوتا ہے اور اپنی جان بھی اس کو بہت پیاری ہوتی ہے اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس پر بہت شاق ہوتا ہے اور شیطان بھی اس کو ہجرت کرنے اور جہاد کرنے سے روکتا ہے۔ صحت میں ہے:

حضرت سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان ابن آدم کے راستوں میں بیٹھ جاتا ہے، وہ اسلام کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم اپنے دین اور اپنے آپ کو اجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو؟ ابن آدم شیطان کی بات رد کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے، پھر وہ اس کی ہجرت کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم ہجرت کر کے اپنے وطن کی زمین اور آسٹن کو چھوڑ رہے ہو، مہاجر کی مثال تو اس گھوڑے کی طرح ہے جو سی سے بندھا ہوا ہو (یعنی تم ایک اجنبی شہر میں جا کر مقید ہو جاؤ گے اور کسی جگہ آ جا نہیں سکو گے) ابن آدم شیطان کی اس بات کو بھی رد کر کے ہجرت کرتا ہے، پھر شیطان اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم جہاد کرنے جا رہے ہو، تم اپنی جان اور مل کو خطرہ میں ڈالو گے، تم جہاد میں مارے جاؤ گے، تمہاری بیوی دو سرائیلج کرنے لگی، تمہارا مل تقسیم ہو جائے گا۔ ابن آدم اس کی اس بات کو بھی رد کر کے جہاد کے لیے چلا جاتا ہے۔ جس مسلمان نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔۔۔۔۔ الحدیث۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۳)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مل و دولت، اپنے مکانوں بلکہ خود اپنی جانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھیں، اور اللہ کے رسول کی محبت میں اپنے وطن سے ہجرت کریں اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

اللہ کی محبت کا کیا معنی ہے، اللہ بندوں سے کس طرح محبت کرتا ہے اور بندے اس سے کس طرح محبت کریں، اس کی پوری تفصیل ہم نے آل عمران ۳۱ میں بیان کر دی ہے، اس کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کیا معنی ہے، آپ سے محبت کی کیا وجوہات ہیں اور آپ سے محبت کی کیا علامات ہیں، اس کو ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۴۵-۴۶ میں بیان کر دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں اور تھمرا چند حدیثیں یہاں بھی ذکر کی جاتی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۰۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۳ طبع جدید)

زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! اپنی جان کے سوا آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ پھر حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اے عمر! (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶ طبع قدیم)
صحابہ کرام محبت کے اس معیار کا کامل نمونہ تھے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ دادا اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوں اور جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے مہارت کی اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے لٹکارا تو حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے آگے بڑھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔

(کتاب المغازی للوائد ج ۱ ص ۷۰، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۴۰۴ھ)

ابن شوزب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے باپ ان کو اپنے بت دکھا رہے تھے اور حضرت ابو عبیدہ ان سے اعراض کر رہے تھے، لیکن جب ان کے باپ باز نہ آئے، بت دکھاتے رہے اور ان کی تعریف کرتے رہے تو حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور پھر ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ
كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ
وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ (المجادلہ: ۲۲)

(اے رسول کرم!) جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے خواہ (وہ دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو جاگزیں کر دیا ہے اور اپنی طرف کی پسندیدہ روح سے ان کی تائید فرمائی ہے، اور وہ ان کو ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔ سنو! اللہ کے لشکر کے لوگ ہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۰۰ المستدرک ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۳ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند جید ہے،
الاصلاح ج ۳ ص ۷۶ رقم: ۳۳۱۸، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت، حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حافظ بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے،
تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہوں اور

حدیث میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کو لڑنے کے لیے لٹکار رہے تھے۔ حضرت ابو بکر نے ان کے مقابلہ پر جانا چاہا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۶۸ رقم: ۴۳۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ایم ابو الحسن علی بن احمد الواحیدی المتوفی ۴۶۸ھ نے کور الصدر آیت (الجمادہ: ۲۲) کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ ابو قحافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو حضرت ابو بکر نے ابو قحافہ (حضرت ابو بکر کا باپ) کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ گر پڑا۔ پھر انہوں نے اس واقعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے ایسا کیا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس ٹکڑا ہوتا تو میں اس کو قتل کر دیتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے جنگ احد میں اپنے باپ عبد اللہ بن الجراح کو قتل کر دیا اور حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی جب جنگ بدر میں ان کے بیٹے عبدالرحمن نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے لٹکارا تو حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے میری آنکھوں اور میرے کھنوں کے مرتبہ میں ہو۔ اور حضرت مصعب بن عمیر کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو جنگ احد میں قتل کر دیا اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے عقبہ، شیبہ اور ولید بن عقبہ کو قتل کر دیا اور یہ صحابہ اس آیت کے اس حصہ کے مصداق ہیں خواہ وہ (دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

(اسباب النزول للواحیدی ص ۲۳۳ رقم الحديث: ۴۳۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اسباب النزول للسیوطی ص ۸۲ مطبوعہ

دار الکتب العلمیہ بیروت)

سورہ توبہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنی بیویوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھیں اور ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مختلف جنگوں میں صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے باپ، بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کو قتل کر دیا اور ہم اس سے پہلے التوبہ: ۳ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کے ایک باندی سے دو کمن بچے تھے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۴۳۰۴) اور حضرت عمر بن امیہ کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۷ ص ۶۵-۶۴) اسی طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اپنے وطن، اپنے پسندیدہ مکانات اور اپنے جمع شدہ مال اور اپنے کاروبار اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت صیب بن خان سے روایت کیا ہے کہ میں بشت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قہہ کھا جاتا ہے کہ جب حضرت صیب نے ہجرت کی تو مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت صیب نے کلا اے قریش کی جماعت میں تم سب سے بڑا تیر انداز ہوں اور جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے تو تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تیر ختم ہونے کے بعد میں اپنی تلوار سے تم پر وار کروں گا سو اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تم کو اس کا پاتا جاتا ہوں۔ کفار قریش اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت صیب نے ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے مال کا پاتا دیا، وہ واپس گئے اور حضرت صیب کا مال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جب حضرت صیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری تجارت فائدہ مند رہی، اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَبْذِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ (البقرہ: ۲۰۷)
اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کی طلب میں اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں۔

(الاصابہ ج ۳ ص ۳۶۵، رقم: ۳۱۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، کمال ابن عدی ج ۷ ص ۲۶۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
سودا صبح ہو گیا کہ صحابہ کرام کو اپنے باپ، بیٹوں اور تمام رشتہ داروں، وطن، مکان، تجارت اور مال و دولت ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ

بے شک اللہ نے بہ کثرت مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور (غزوہ) حنین کے دن (بھی) جب

أَعَجَبْتُكُمْ كَثَرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ

تمہاری کثرت نے تمہیں محنت میں مبتلا کر دیا تھا (حالانکہ) اس کثرت نے تم سے کسی چیز کو دور نہیں کیا اور زمین اپنی

الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۚ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ

دست کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹے ○ پھر اللہ نے اپنے رسول پر

سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا

طاہریت قلب نازل فرمائی اور ایمان والوں پر (بھی) امداد اس نے ایسے لشکر اتارے

لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۚ

جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ○

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ

عَفُورًا حَيًّا ۳۷ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ

بہت بخشنے والا ہے حد نہرہاں ہے ۰ اے ایمان والو تمام مشرک

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ

محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ

هَذَا ۳۸ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ

آئیں، اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو غریب اپنے

فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۳۹ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۴۰ ﴿قَاتِلُوا

فضل سے غنی کر دے گا، بے شک اللہ بے حد جانتے والا بہت حکمت والا ہے ۰ ان لوگوں سے قتال

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا

کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ

يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ

وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو

الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم ان سے قتال کر سکتے ہو حتیٰ کہ وہ ذلت کے

يَدًا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۴۱

ساتھ ہاتھ سے جسزیر دیں ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے بکثرت مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور (غزوہ) حنین کے دن (بھی) جب تمہاری کثرت نے تمہیں محمدؐ میں جلا کر دیا تھا، (حالانکہ) اس کثرت نے تم سے کسی چیز کو دور نہیں کیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر ٹک ہو گئی، پھر تم چٹھہ پھرتے ہوئے لوٹے ۰ پھر اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت قلب نازل فرمائی، اور ایمان والوں پر (بھی) اور اس نے ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی بھی سزا ہے ۰ پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد نہرہاں ہے ۰ (التوبہ: ۲۷-۲۵)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے مشرک باپ، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں اور قریبی رشتہ داروں سے احتراز کریں اور اپنے اموال، تجارت، مکانوں اور کاروبار کو دین کے مفاد کے لیے ترک کر دیں اور چونکہ یہ امر طبی طور پر مسلمانوں کے لیے مشکل اور دشوار تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کی مثال سے یہ بیان فرمایا کہ جو شخص دین کی خاطر دنیا کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی مطلوب بھی عطا فرماتا ہے، کیونکہ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں نے اپنی کثرت پر اعتماد اور بھروسہ کیا تو وہ شکست کھا گئے، پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف گزرا کر رجوع کیا تو انہوں نے کفار کے لشکر کو شکست دے دی اور کافی مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان دنیا پر اعتماد کرتا ہے تو دین اور دنیا دونوں اس کے ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں اور جب وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ اس کو دین اور دنیا دونوں عطا فرماتا ہے۔

وادئ حنین کا محل وقوع

مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے جس کا نام حنین ہے۔ (کتب المطازی للوالدہ ج ۲ ص ۸۸۵، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۹) حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ذوالحجاز کے پہلو میں طائف کے قریب یہ وادی ہے۔ عرفات کی جنت میں یہ مکہ سے دس بارہ میل ہے، ابو عیینہ بکری نے کہا ہے کہ حنین بن قلابشہ بن صامی کے نام پر اس وادی کا نام حنین پڑ گیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۷)

اہل حنین کی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری

ہر چند کہ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا قبائل عرب مطمئن تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو وہ واقعی سچے نبی ہیں، اور جب مکہ فتح ہو گیا تو بہت سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا، لیکن ہوازن اور ثقیف دو قبیلے بہت جنگجو اور فٹون حرب کے ماہر تھے، انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس وقت مسلمان مکہ میں جمع ہیں اس لیے سب مل کر ان پر حملہ کر دیں، ان کے لشکر میں ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں شریک تھیں لیکن کعب اور کلاب ان سے الگ رہے۔ ان کے لشکر کے سپہ سالار مالک بن عوف تھے۔ (یہ بعد میں طائف میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے دمشق کو فتح کیا اور جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔ الامالیہ رقم ۷۸۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل حنین سے جہاد کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکہ میں ہوازن اور ثقیف کی جنگی تیاریوں کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لیے حنین بھیجا۔ انہوں نے حنین میں کئی دن جاسوسی کی پھر آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات سے مطلع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کی تیاری کی، مکہ میں صفوان بن امیہ امیر شخص تھا اور اس کے پاس کافی اسلحہ تھا۔ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا آپ نے اس سے اسلحہ مستعار لیا، امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے صفوان! کیا تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس نے پوچھا: آپ عاریتاً لینا چاہتے ہیں یا نصب کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں عاریتاً لینا چاہتا ہوں۔ اس نے آپ کو تیس چالیس زہریں عاریتاً دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں گئے۔ جب مشرکین شکست کھا گئے تو صفوان کی زہریں جمع کی گئیں تو اس نے کئی زہریں گم پائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے فرمایا: ہم سے تمہاری کئی زہریں گم ہو گئیں، کیا ہم تم کو ان کا تلوان ادا

کریں؟ اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! کیونکہ میرے دل میں جواب (آپ کی محبت) ہے وہ اس وقت نہیں تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۶۳، سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ج ۲ ص ۲۰۸، الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۷ طبع جدید)
اسماعیل بن ابراہیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کے لیے گئے تو ان سے تیس یا چالیس ہزار درہم قرض لیے، پھر جب آپ واپس آئے تو آپ نے وہ سب قرض ادا کر دیا، پھر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت دے۔ قرض کی جزا یہ ہے کہ اس کو واپس کیا جائے اور (قرض خواہ کا) شکریہ ادا کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۲۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ حنین کے لیے روانہ ہونا

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ان تیاریوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار وہ صحابہ تھے جو عینہ سے آپ کے ساتھ فتح مکہ کے لیے آئے تھے اور دو ہزار وہ نو مسلم صحابہ تھے جو مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کو طلقاء کہا جاتا ہے۔ (الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۷) نیز امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ میں رمضان آٹھ بھری کو مکہ فتح ہوا تھا اور پانچ شوال آٹھ بھری کو آپ ہوازن کی طرف روانہ ہوئے، اس طرح ان کا گمان یہ ہے کہ فتح مکہ کے پندرہ دن بعد آپ ہوازن کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابن مسعود سے یہی روایت ہے اور عروہ بن الزہر کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد کا اور امام ابن جریر کا بھی یہی مختار ہے اور امام واقدی نے یہ کہا ہے کہ آپ چھ شوال کو روانہ ہوئے اور دس شوال کو حنین پہنچ گئے۔ بارہ ہزار کا کثیر تعداد لشکر دیکھ کر حضرت ابو بکر نے یہ کہا کہ آج ہم لشکر کی قلت کی وجہ سے شکست یاب نہیں ہوں گے، تو مسلمانوں کو شکست ہوئی، پہلے بنو سلیم کو شکست ہوئی، پھر اہل مکہ کو، پھر تمام مسلمانوں کو۔

(الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۴، طبع جدید ۱۳۱۸ھ)

بعض نو مسلم صحابہ کا حنین کے راستے میں ذات انواط کی تمنا کرنا

امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حارث بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف گئے۔ ہم اس وقت زمانہ جاہلیت سے نئے نئے نکلے ہوئے تھے۔ کفار قریش اور دیگر عرب کے لیے ایک سرسبز درخت تھا جس کو ذات انواط کہتے تھے۔ وہ ہر سال اس درخت پر آتے اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے اور وہاں جانور ذبح کرتے اور وہاں ایک دن احتکاف کرتے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف جا رہے تھے تو ہم نے بھری کا ایک بہت بڑا سرسبز درخت دیکھا، ہم نے کہا یا رسول اللہ! اس درخت کو ہمارے لیے ذات انواط کر دیجئے جیسے ان کا ایک درخت ذات انواط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! تم نے ایسی بات کہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی: ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں، حضرت موسیٰ نے فرمایا: تم جاہل لوگ ہو۔ (الاعراف: ۳۸) یہ ان لوگوں کی باتیں تھیں اور تم میں بھی ان کی باتیں سراپت کریں گی۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ج ۲ ص ۲۳۴)

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۱۸، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۷۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۶۳، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۳۸)
حنین میں ابتدائی شکست، شکست کے اسباب اور آپ کو چھوڑ کر بھاگنے والوں کی تعداد

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو عمار! کیا تم جنگ حنین کے دن بھاگ پڑے تھے، انہوں نے کہا: نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی، بلکہ امر واقعہ یہ تھا کہ

آپ کے اصحاب میں سے چند جلد باز اور نیتے نوجوان آگے نکلے اور ان کا مقابلہ ہوا زن اور بنو نضیر کے تیر اندازوں سے ہوا جن کا کوئی تیر خطا نہیں جانتا تھا۔ انہوں نے اس طرح ماک ماک کر تیر بر سائے کہ ان کا کوئی تیر خطا نہیں گیا پھر یہ جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بٹ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید ٹخیر سوار تھے، اور ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب اس کے آگے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹخیر سے اترے اور اللہ سے مدد طلب کی، اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۰ صحیح مسلم مغازی: ۷۸، (۱۷۷۶) ۳۵۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۸ مسند احمد ج ۳

ص ۲۸۰)

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا تم غزوہ خنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ حضرت براء نے کہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے سلسلے سے نہیں بٹے۔ ہوا زن کے جوان اس دن تیر اندازی کر رہے تھے، ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے، اور جب ہم مال غنیمت لوٹنے لگے تو انہوں نے ہمیں حیلوں پر رکھ لیا اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید ٹخیر سوار تھے اور حضرت ابو سفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ فرما رہے تھے: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ (صحیح مسلم، مغازی: ۸۰، (۱۷۷۶) ۳۵۳۵)

امام عبد الملک بن شام متوفی ۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب ہوا زن کی تیر اندازی سے بھگدڑ مچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: لوگ کہاں ہیں؟ میرے پاس آئیں، میں اللہ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبد اللہ ہوں، کچھ نہیں ہوا، اونٹ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے، اور مسلمان بھاگ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہاجرین اور انصار اور آپ کے اہل بیت میں سے چند لوگ تھے۔ مہاجرین میں سے جو آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے وہ حضرت ابو بکر اور عمر تھے اور اہل بیت میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت ابو سفیان بن الحارث اور ان کے بیٹے، اور حضرت فضل بن عباس اور ربیعہ بن الحارث اور حضرت اسامہ بن زید اور ایمن بن عبیدہ تھے اور ایمن اس دن شہید ہو گئے تھے۔

(سیرت ابن شام مع الردی ج ۳ ص ۲۱۳ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۹ طبع جدید، سیرت ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۶، بیروت)

امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب مسلمان شکست کھا گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن النعمان سے فرمایا: اے حارث ثابت قدم رہنے والے کتنے ہیں؟ تو انہوں نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا ایک سو ہیں، حتیٰ کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے پر حضرت جبرئیل سے کلام کر رہے تھے اس وقت وہاں سے حضرت حارث گزرے تو حضرت جبرئیل نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حارث بن النعمان ہے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ ان سو مسلمانوں میں سے ہیں جو یوم خنین میں ثابت قدم رہے اور روایت ہے کہ ان سو میں سے تینتیس مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے۔ (کتب المغازی للواقفی ج ۳ ص ۹۰، ۹۱، ۹۲، مطبوعہ مطبعہ عالم الکتاب بیروت، ۱۳۴۳ھ)

غزوہ خنین میں ابتدائی شکست کے بعد فتح اور کامرانی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خنین میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں اور

حضرت سفیان بن الحارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے، اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفید رنگ کی ٹمچر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن غنڈہ جذامی نے ہدیہ کی تھی۔ جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ٹمچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے، حضرت عباس نے کہا میں ٹمچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! صاحبِ سرکہ کو آواز دو، حضرت عباس بلند آواز فحش تھے۔ وہ کہتے ہیں میں نے یہ آواز بلند پکارا! صاحبِ سرکہ کہیں ہیں (سرکہ وہ درخت ہے جس کے نیچے صحابیہ نے بیعت رضوان کی تھی، اس کا معنی یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو آواز دو جنہوں نے حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کی تھی) حضرت عباس نے کہا بخدا یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسے گلے اپنے بچوں کی طرف پلٹی ہے۔ وہ یالیک!، یالیک! کہتے ہوئے دوڑے آئے اور انہوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انصار کو بلایا وہ کہتے تھے اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنو حارث بن خزرج کو بلایا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ در آنحالیہ آپ ٹمچر سوار تھے، آپ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تور گرم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا: رب محمد کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی کہ آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر کفار کے چروں پر ماریں (اس باب کی آخری روایت میں ہے آپ نے فرمایا "ان کا منہ کلا ہو گیا") بخدا میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

(صحیح مسلم، مخازی: ۶۷، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱

لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۵) امام ابن اسحق نے کہا کہ غزوہ حنین میں ثقیف کے سرکافر قتل کیے گئے۔ (البدایہ ج ۳ ص ۵۳۰) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مل غنیمت جمع کیا جائے لہذا اونٹ، بکریوں اور غلاموں کو جمع کیا گیا اور آپ نے حکم دیا کہ تمام مل غنیمت کو ہجرانہ میں محفوظ کیا جائے اور مل غنیمت کی نگرانی پر آپ نے حضرت مسعود بن عمر غفاری کو مامور فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۳۳، طبع جدید)

اہل حنین میں سے ہوازن اور ثقیف کا اسلام قبول کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا۔ یعنی حنین کے رہنے والے ہوازن اور ثقیف جو شکست کھا چکے تھے ان میں سے جس کی اللہ چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اور ان کو اسلام کی ہدایت دے گا۔ چنانچہ حنین کے رئیس مالک بن عوف نصری اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے معاذی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں تھے۔ جب آپ نے ہوازن کا مل و متاع بطور غنیمت لے لیا اور ان کے لڑنے والوں کو غلام اور ہانپیاں بنا لیا، اور یہ مل غنیمت اور قیدی ہجرانہ بھیج دیئے۔ ہوازن مسلمان ہو گئے اور ان کا وفد ہجرانہ میں آیا، ادھر ہوازن کا مل غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تقسیم ہو چکا تھا اور اس سے پہلے کہ آپ ہجرانہ سے عمرہ کے لیے روانہ ہوئے، امام ابن اسحق نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے اور ہجرانہ پہنچے اس وقت آپ کے پاس ہوازن کے بست سے قیدی تھے۔ آپ سے ایک شخص نے کہا تھا یا رسول اللہ! ثقیف کے لیے دعاء ضرر کیجئے۔ آپ نے دعا کی اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ، پھر آپ کے پاس ہوازن کا وفد ہجرانہ میں آیا۔ اس وقت آپ کے پاس ان کے چھ ہزار قیدی تھے اور ان کے اموال میں سے چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ ہوازن کے وفد کی درخواست اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب درج ذیل حدیث میں ہے۔ (معدۃ القاری ج ۳ ص ۱۳۶)

حضرت مسور بن عمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا تو آپ کھڑے ہو گئے، انہوں نے یہ سوال کیا کہ ان کے اموال اور ان کے قیدی ان کو واپس کر دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک سب سے پسندیدہ بات وہ ہے جو سب سے سچی ہو، تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ قیدی یا مال۔ رہا مال تو میں تمہارا انتظار کرتا رہا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے تو دس پندرہ دن ان کا انتظار کرتے رہے تھے۔ جب ہوازن کو یہ یقین ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں کھڑے ہوئے، پہلے آپ نے اللہ کی وہ حمد و ثناء کی جس کے وہ لائق ہے پھر آپ نے فرمایا: حمد و ثناء کے بعد میں یہ بتاتا ہوں کہ تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں اور میں نے یہ مناسب جانا ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں، تم میں سے جس کو یہ فیصلہ پسند ہو وہ ان کے قیدی واپس کر دے اور تم میں سے جو شخص اپنا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو تو اس کے بعد اللہ ہمیں جو مال غنیمت عطا فرمائے گا ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے تو وہ ایسا کر لے۔ مسلمانوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان لوگوں کو ان کے آدمی خوشی سے واپس کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم از خود نہیں جانتے تم میں سے کس نے (خوشی سے) اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی، تم واپس جاؤ اور ہمارے پاس ان لوگوں کو بھیجو جو تمہارے محلات کی دیکھ

بھال کرتے ہیں، لوگ واپس گئے اور انہوں نے اپنے مختار ان کار اور اپنے وکیلوں سے مشورہ کیا پھر واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے خوشی سے قیدی واپس کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۸-۲۳۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۳، تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۲۳۳)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ بے حد چاہنے والا، بہت حکمت والا ہے (التوبہ: ۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجری کے بعد کافروں اور مشرکوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرمادیا ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ ممانعت صرف مسجد حرام کے ساتھ مختص ہے یا کسی مسجد میں بھی مشرکوں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے اور یہ کہ مشرکین کسی صورت میں مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے یا یہ ممانعت کسی قید کے ساتھ مقید ہے، اس میں فقہاء کے حسب ذیل مسائل ہیں:

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ
امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ کفار کو صرف مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک ان کو تمام مساجد میں دخول سے منع کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا نہ کسی اور مسجد سے، اس آیت کے صریح الفاظ سے امام ابو حنیفہ کا نہ باب باطل ہے اور اس آیت کے مفہوم مخالف سے امام مالک کا قول باطل ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں دخول سے نہ منع کیا جائے لیکن اس صریح نص قطعی کی وجہ سے ہم نے اس اصل کی مخالفت کی اور کفار کو مسجد میں دخول کی اجازت دی اور مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد میں ہم نے اصل پر عمل کیا اور ان مساجد میں کفار کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ (تفسیر کبیرن ۶ ص ۲۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ)
مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ
علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۸۸ھ لکھتے ہیں:

اہل مدینہ (مالکیہ) نے کہا کہ یہ آیت تمام مشرکین اور تمام مساجد کے حق میں عام ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمل کو یہی حکم لکھوایا تھا اور اس حکم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْعَمَلِ فَلْيُحْسِنِ الْعَمَلُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ لَكُمْ كِتَابًا وَلَا حَكْمًا فَلْيَقُولُوا هُوَ خَيْرٌ ۚ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ ذُنُورًا ۚ وَمِنْ قَبْلِ نَزْلِ الْآيَةِ كُنْتُمْ كَافِرِينَ ۚ (التوبہ: ۳۴)

اللہ کے ان گھروں میں، جنہیں اللہ نے بندہ کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔

اور کفار کا مساجد میں داخل ہونا اللہ کی مساجد کے بلند کرنے کے مثالی ہے اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے: "ان مساجد میں پیشاب کرنا یا کسی قسم کی کوئی اور نجاست ذالنا جائز نہیں ہے" اور کافران نجاستوں سے خلل نہیں ہے (یعنی وہ استنجا کرتا ہے نہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مسجد کو حائض اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا اور کافر جنبی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمَشْرِكُونَ جَنَسٌ (التوبہ: ۲۸) مشرکین نجس ہیں، اب یا تو یہ نجس العین ہیں یا حکماً نجس ہیں اور ہر صورت میں ان کو مساجد سے منع کرنا واجب ہے کیونکہ منع کرنے کی علت "نجاست" ان میں موجود ہے اور مساجد میں حرمت موجود ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حرم میں ذمیوں کا داخل ہونا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَمَائِهِمْ هَذَا۔
مشرکین نجس ہیں تو اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب
نہ جائیں۔

(التوبہ: ۲۸)

غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مجوسی مسجد میں داخل ہو کر منبر پر بیٹھ گیا تو حضرت علی نے اس کو منبر سے اتار کر مارا اور مسجد کے دروازوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کی اجازت سے ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پہلے اہل طائف کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور سعید بن مسیب نے کہا کہ ابو سفیان حالت شرک میں مدینہ کی مسجد میں آتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے (اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا کہ تم کس ارادہ سے آئے ہو) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام سے سرفراز کر دیا۔

اور دوسری روایت ہے کہ کافروں کا کسی صورت میں بھی مسجد میں دخول جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو موسیٰ، حضرت عمر کے پاس گئے۔ ان کے پاس ایک مکتوب تھا جس میں عمال کا حساب لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے کہا اس کے لکھنے والے کو لاؤ تاکہ وہ اس کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے، اس اثر میں یہ دلیل ہے کہ کافروں کا مسجد میں داخل نہ ہونا صحابہ کرام کے درمیان مشہور و معروف اور مقرر ہے، نیز جنابت، حیض اور نفاس کا حدیث مسجد میں دخول سے منع ہے تو شرک کا حدیث بطریق اولیٰ مانع ہو گا۔

(المغنی ج ۹ ص ۲۸۷-۲۸۶ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ شرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو گا اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی اور مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتا البتہ ذی کسی ضرورت کی بنا پر مسجد میں جاسکتا ہے، مثلاً کسی مقدمہ کی پیروی کے لیے حاکم کے پاس مسجد میں جاسکتا ہے، اور ادارے اصحاب (فقہاء احناف) نے یہ کہا ہے کہ ذی کے لیے تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، اور اس آیت کے دو محمل ہیں: نول یہ کہ یہ آیت غیر ذمی مشرکین کے لیے ہے جو مشرکین عرب ہیں، ان کو مکہ مکرمہ اور تمام مساجد میں دخول سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ذمی نہیں ہو سکتے ان کے لیے صرف دو راستے ہیں: اسلام یا نکوار! دو سرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سال حضرت ابو بکر نے حج کیا تو اس سال حضور نے حضرت ابو بکر کے ساتھ حضرت علی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا پھر اس کے اگلے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور اس معنی پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے متصل بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تو اگر تم کو تک“

دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا۔ اور تنگ دستی کا خوف اس وجہ سے ہو سکتا تھا کہ حج کے موسم میں بکثرت لوگ حج کے لیے آتے تھے اور اہل مکہ ان سے تجارت اور خرید و فروخت کے ذریعہ نفع اٹھاتے تھے اور جب کہ مشرکین کو حج پر آنے سے روک دیا گیا تو اہل مکہ کی تجارت میں کمی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اس معنی کی مزید تائید اس بات سے ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجتماع ہے کہ مشرکین کو عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرنے اور حج کے تمام افعال سے منع کیا جائے گا خواہ وہ افعال مسجد میں نہ کیے جاتے ہوں، اور ذمیوں کا ان جگہوں میں جانا منع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا ہے اور حج کے بغیر مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا گیا نیز اس آیت میں مسجد حرام کے قریب جانے کی ممانعت ہے مسجد حرام میں جانے کی ممانعت نہیں ہے اور مسجد حرام کے قریب جانا حج کے لیے جانے میں مستحق ہو سکتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے کہ جب ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوا دیا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو نجس لوگ ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی نجاست زمین پر نہیں لگتی ان کی نجاست ان میں ہی رہتی ہے اور زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ ابو سفیان زمانہ کفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوا تھا البتہ ان کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وہ (غیر ذمی مشرک) مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔“

علامہ ابو بکر رازی کہتے ہیں کہ ثقیف کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (آنحضرت ہجری میں) فتح مکہ کے بعد آیا تھا اور یہ آیت نو ہجری میں نازل ہوئی ہے جب حضرت ابو بکر صدیق امیر حج بن کر گئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور یہ خبر دی کہ کفار کی نجاست ان کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی اور ابو سفیان فتح مکہ سے پہلے صلح کی تجدید کے لیے آئے تھے وہ اس وقت مشرک تھے اور یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کا تقاضا صرف مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت ہے اور یہ آیت کفار کو باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زید بن بشیبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ ندا کی کہ حرم میں کوئی مشرک داخل نہیں ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کے ساتھ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم میں کوئی مشرک حج کیلئے داخل نہیں ہو گا کیونکہ حضرت علی سے احادیث میں یہ روایت ہے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس حدیث میں حج کیلئے حرم میں دخول سے ممانعت ہے اور مشرک نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں، البتہ کسی ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی مسجد حرام میں داخل ہو سکتی ہے۔“ اس حدیث میں آپ نے ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی کا مسجد حرام میں دخول جائز قرار دیا ہے اور حج کیلئے اجازت نہیں دی، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ آزاد ذمی بھی ضرورت کی وجہ سے مسجد حرام میں داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں کسی نے بھی آزاد اور غلام میں فرق نہیں کیا اور حدیث میں غلام اور باندی کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ عام طور پر حج کیلئے نہیں جاتے اور امام عبد الرزاق نے سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے البتہ غلام یا کوئی ذمی شخص ہو تو وہ جاسکتا ہے۔

(تفسیر عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۱۰۶۹۰) (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹-۸۸، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت میں مشرکین کو حج اور عمرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو اس سال (یعنی نو ہجری) کے بعد سے مقید کیا ہے اور جو کام سال بہ سال کیا جاتا ہے وہ حج یا عمرہ ہے۔ اگر مشرکین کو مسجد میں مطلقاً داخل ہونے سے منع کرنا مقصود ہو تا تو اس سال کے بعد کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مشرکین کو اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے ”اور اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ عنقریب تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا“ اور تنگ دستی کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ مشرکین کو حج کے لیے آنے سے روک دیا جائے، کیونکہ حج کے موقع پر مشرکین کے آنے سے مسلمانوں کو تجارت میں بہت فائدہ ہوتا تھا اور ان کے نہ آنے سے اس تجارت کے منقطع ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے امام اعظم کے نزدیک مشرکین اہل ذمہ کا مسجد حرام اور دیگر مساجد میں دخول جائز ہے۔

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن علی بن شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی وغیرہ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ لا یفرسوا المسجد الحرام ”مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں“ سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نئی تکوینی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں مسجد حرام کے قریب جانے کا فعل پیدا نہیں کرے گا اور یہ منقول نہیں ہے کہ ان ممانعت کے بعد مشرکین میں سے کسی نے ہرگز نہ ہو کر حج یا عمرہ کیا ہو، اور اس نئی کو تکوینی اس لیے قرار دیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک کفار احکام فرعیہ کے ملکت نہیں ہیں۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۱-۳۳۰، مطبوعہ استنبول، ج ۵ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں سے قتل کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتل کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں ○

رابط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے احکام بیان فرمائے تھے کہ نو ہجری کے بعد ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لیے آنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ مشرکین کے لیے مساجد کو بنانا جائز ہے، اور یہ کہ مشرکین جہاں پائے جائیں ان کو قتل کرنا واجب ہے، اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا حکم بیان فرما رہا ہے کہ اہل کتاب اگر ایمان نہ لائیں تو ان سے قتل کرو حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیا کریں۔

جزیہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو عبیدہ القاسم بن سلام ہروی متوفی ۳۲۴ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ کا لغوی معنی ہے اکتفا۔ (غریب اللمع ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ وہ رقم ہے جو اہل ذمہ سے لی جاتی ہے اور وہ رقم ان کی جان کی حفاظت کے لیے کفایت کرتی ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴، مطبوعہ بیروت۔۔۔) امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ جزیہ جزی سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی واجب کو ادا کرنا اور اصطلاح میں جزیہ اس رقم کو کہتے ہیں جو ذمی اپنی حفاظت کے لیے ادا کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحسینی الغنی المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

جزیہ کا لغوی معنی ہے الجزاء یعنی بدلہ اور یہ قتل کا بدلہ ہے، کیونکہ جب کوئی ذمی جزیہ ادا کرتا ہے تو اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے اور الجزاء سزا کو بھی کہتے ہیں اور جزیہ کی رقم ذمی کے کفر کی سزا ہے۔ جزیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو صلح سے لی جاتی ہے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور نہ اس میں تغیر کیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے اس پر صلح کی کہ وہ ہر سال دو ہزار ملے ادا کیا کریں گے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۴۳) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کے نصاریٰ سے اس پر صلح کی کہ ان کے ہر شخص سے زکوٰۃ سے دہائی رقم لی جائے گی اور جزیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اہل کتب سے جبراً ہر سال لی جاتی ہے اور اس کے عوض ان کو ان کے اٹاک پر برقرار رکھا جاتا ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، ج ۶، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ، طبع جدید)

جزیہ کن سے وصول کیا جائے گا

امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے جزیہ صرف اہل کتب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی اور سنت کی رو سے بھی جزیہ لیا جائے گا اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مرتد کے سوا ہر کافر اور مشرک سے جزیہ لیا جائے گا خواہ اس کا کفر اور شرک کسی قسم کا ہو۔ (المجموع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۵)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحسینی الغنی المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

جزیہ اہل کتب پر مقرر کیا جائے گا ان میں یہود السامیہ بھی داخل ہیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو مانتے ہیں، اور نصاریٰ پر مقرر کیا جائے گا ان میں افریقی اور رومی بھی داخل ہیں اور یہ الصائبہ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ وہ یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے وہ اہل کتب میں داخل ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ ستارہ پرست ہیں اور اہل کتب میں داخل نہیں ہیں اس لیے ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا اور مجوسی پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں پر جزیہ مقرر کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل بحرین میں سے اسبذین (بحرین کا ایک شہر) کا ایک شخص آیا اور وہ اہل ہجر (بحرین کی زمین) کا ایک مجوسی تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند دن ٹھہر کر چلا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا اللہ اور اس کے رسول نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ کیا۔ اس نے کہا برا فیصلہ کیا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا اسلام لاؤ ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا آپ نے اس سے جزیہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس نے کہا پھر مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمن کے قول پر عمل کیا اور اس کے قول کو ترک کر دیا جو میں نے خود اس اسبذی سے سنا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۴۳) اور حضرت عمرو بن اوس اور حضرت ابوشامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک مجوس سے جزیہ قبول نہیں کیا جب تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت نہیں دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول کیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۴۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۶) اور امام ابو حنیفہ نے زہری سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے جزیہ وصول کیا تھا اور وہ مجوسی تھے۔ (الاسموال رقم الحدیث: ۸۵۵) اور عجمی بت پرست پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس کو غلام بنانا جائز ہے اور عربی بت پرست پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اہل ذہابن تھے اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا ان کے حق میں بت ظاہر تھا۔ اس لیے ان کا عذر مقبول نہیں ہے اور نہ مرتد سے جزیہ قبول کیا جائے گا اس سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا

یا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر ہم ان پر غالب آجائیں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو بائندیاں اور غلام بنالیا جائے گا کیونکہ حضرت ابو بکر نے بنو حنیفہ کے مرتدین کی عورتوں اور بچوں کو بائندیاں اور غلام بنالیا تھا اور ان کو بچہ دہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔
(در مختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۲۴۲-۲۴۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ، طبع جدید)

عجمی بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف یہ خط لکھا جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا اذیت نہ کھائے پس وہ مسلمان ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میں ہے اور جو انکار کرے اس پر جزیہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء

جزیہ کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ آزاد اور بالغ پر ہر سال ایک دینار مقرر کیا جائے گا خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی کپڑا وصول کریں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۰۳) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سونا رکھنے والوں سے ہر سال چار دینار وصول کیے جائیں گے، اور چاندی رکھنے والوں سے ہر سال چالیس درہم وصول کیے جائیں گے، اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح حصول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۷) امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ امیر آدمی سے اڑتالیس درہم سلاطہ لے جائیں گے، متوسط سے چوبیس اور فقیر سے بارہ درہم، اور اثرم نے امام احمد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی ملی حیثیت کے لحاظ سے اس میں کمی زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور یہ امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ (ازوالسمیع ج ۳ ص ۳۲۲)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی المتوفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

فقیر سے بارہ درہم سلاطہ لے جائیں گے، متوسط سے چوبیس درہم سلاطہ اور امیر سے اڑتالیس درہم سلاطہ لے جائیں گے اور جو شخص دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے اور جو شخص دو سو یا اس سے زیادہ درہم کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو شخص دو سو درہم سے کم کا مالک ہو یا کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ فقیر ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۲۴۰-۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ، طبع جدید)

فقہاء اختلاف کی دلیل یہ حدیث ہے:

محمد بن عبید اللہ الشافعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مردوں پر جزیہ مقرر کیا غنی پر اڑتالیس درہم، متوسط پر چوبیس درہم اور فقیر پر بارہ درہم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۶۳۳، البیہقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس زمانہ میں درہم کی مالیت کا یہ حساب ہے: ایک درہم = ۴۰۰۰ (صغیر) عشریہ چوبیس (چاندی) = دس درہم = ۲۰۰۰ (۱۲) عشریہ چوبیس (چاندی) = بارہ درہم = ۳۰۰۰ (تین) عشریہ ایک (چاندی) = دو سو درہم = ۵۰۰۰ (پانچ) عشریہ ایک (چاندی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ ہاتھ سے مراد احسان ہے، یعنی ان پر مسلمانوں کا احسان

ہے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے بدلہ ان سے صرف جزیہ لے رہے ہیں اور ذلت کے ساتھ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم نہ دیں جیسے کوئی افسر اپنے ماتحت کو انعام دیتا ہے کیونکہ اس میں دینے والے کی بڑائی ہے بلکہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم دیں جس طرح مجرم حاکم کو جرمانہ ادا کرتے ہیں اور اس میں اس پر حاکم کا احسان ہے کہ وہ جرمانہ وصول کر کے اس کی مزا محاف کر رہا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيُّرُ ۖ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى

اور یہودیوں نے کہا کہ عزییر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ

الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۚ

مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سرو پا) باتیں ہیں،

يُضَاهِيُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ

یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی پھینکار

أَنِّي يُؤْفَكُونَ ۖ ۝ اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ

یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں ۝ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور

أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

پیروں کو خدا بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو (بھی)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی عبادت کا

سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ ۝ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ

مستحق نہیں ہے وہ ان کے خود ساختہ شرکا سے پاک ہے ۝ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو

اللَّهُ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ

اپنی چھونکوں سے، بھلا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیسے بغیر اسنے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو

الْكُفْرُونَ ۖ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ

ناگوار ہو ۝ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

الْحَقُّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار ہو ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

لے ایمان والو! بے شک (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور پیر

لَيَا كُلُّونَ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن

لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اشد کے

سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ

راستے سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور

لَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِشْرُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

اس کو اشد کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سننا دیجئے ○

يَوْمَ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُكُوِي بِهَا جِبَاهُهُمْ

جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں پٹایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو

وَجَنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تُفْسِكُمْ

اور ان کے پیٹوں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ سب وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے

فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾

اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا سوا ب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سرو پا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار یہ کہیں اور نہ ملے جارہے ہیں ○ (التوبہ: ۳۰)

حضرت عزیر کا نام و نسب، ان کا تعارف اور ان کو ابن اللہ کہنے کا سبب

ماخذ ابو العاصم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر المتوفی ۵۷۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت عزیر کا نام و نسب یہ ہے: عزیر بن جردہ (ایک قول ابن شریک ہے) ابن عراء بن ایوب بن درقان بن عزیر بن بقی

بن العثور بن قنحاس بن الفارز بن ہارون بن عمران۔ اور ان کو عزیر بن سروخا بھی کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ دمشق میں ان کی قبر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عزیر انبیاء کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے تورات کو محکم کیا تھا اور ان کے زمانہ میں تورات کا ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ ان کا انبیاء کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا۔ جب انہوں نے اللہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے ابن کاہنم مٹا دیا۔ جب یہ نو عمر لڑکے تھے تو ان کو بخت نصر نے قید کر لیا تھا اور جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔ (یہ ضعیف روایت ہے، ابن کثیر نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (از خود) نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں۔

(سنن ابوداؤد در قم الحدیث: ۳۶۷۳، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۹۵، طبع جدید)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عزیر بن سروخا وہ شخص ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوَكَلَدْنِي مَرَّةً عَلَى قَرِينٍ وَهِيَ خَيَابَةٌ عَلَى
عُرْوَتِهَا قَالَتْ آتِي بِحَبِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ هَاتِي عَلِمَ ثُمَّ بَعَثَهُ - الْآيَةُ -

یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزار اور آنحاجہ وہ بستی
اپنی چھتوں پر مری ہوئی تھی، اس نے (تجربہ سے) کہا، اللہ اس
بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے سو

(البقرہ: ۲۵۹)

ہم نے بیان القرآن جلد اول میں اس بستی کا بیان کیا ہے اور حضرت عزیر کے زندہ ہونے کی کیفیت بھی بیان کر دی ہے۔ اس کی تفصیل وہاں ملاحظہ کریں۔

حضرت عزیر سو سال کے بعد جب زندہ ہوئے تو اپنے محلہ میں گئے۔ لوگ ان کے شناسانہ تھے اور نہ یہ لوگوں کے شناسا تھے، اور اپنا مکان بھی اٹکل پچو سے تلاش کیا وہاں ایک سو بیس سال کی عمر کی ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی جو فالج زدہ تھی، وہ دراصل حضرت عزیر کی باندی تھی۔ حضرت عزیر نے اس سے پوچھا اے خاتون! کیا یہی عزیر کا گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں یہ عزیر کا گھر ہے۔ نیز اس نے کہا میں نے اتنے سالوں سے کسی کو عزیر کا ذکر کرتے نہیں سنا، لوگ اس کو بھول چکے ہیں۔ انہوں نے کہا میں عزیر ہوں۔ اس نے کہا سبحان اللہ! عزیر کو تو ہم ایک سو سال سے گم کر چکے ہیں اور ہم نے کسی سے ان کا ذکر نہیں سنا۔

انہوں نے کہا میں عزیر ہوں، اللہ نے مجھ پر ایک سو سال تک موت طاری کر دی تھی پھر زندہ کر دیا۔ اس عورت نے کہا عزیر مستقبل الہ عوات تھے ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتا تھا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور ہو جاتی تھی۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ میری بیٹی لوہادے تاکہ میں آپ کو دیکھ لوں، اور اگر آپ واقعی عزیر ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی۔ حضرت عزیر نے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ تندرست ہو گئی۔ پھر حضرت عزیر نے اس فالج زدہ سے کہا تم اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ۔ سو وہ بالکل تندرست ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آپ کو دیکھ کر کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہیں۔ جب یہودیوں کو حضرت عزیر کا پتا چلا تو انہوں نے کہا ہم میں عزیر کے سوا کوئی تورات کا حافظ نہیں تھا اور بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے سو چند سورتوں کے جو لوگوں کو حفظ ہیں۔ آپ ہمیں کمل تورات لکھوادیں۔ حضرت عزیر کے والد سروخا نے بخت نصر کے ایام میں ایک جگہ تورات کو دفن کر دیا تھا جس کا حضرت عزیر کے سوا کسی کو علم نہیں تھا حضرت عزیر اس جگہ لوگوں کو لے گئے اور تورات کو کھود نکالا، اس کے اوراق گل گئے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی۔ وہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور بنو اسرائیل ان کے گرد بیٹھ گئے۔ آسمان سے دو ستارے نازل ہوئے اور ان کے

پیٹ میں گھس گئے اور ان کو تورات یاد آگئی اور انہوں نے بنو اسرائیل کے لیے از سر نو تورات لکھوا دی۔ جب بنو اسرائیل نے حضرت عزیر سے یہ غیر معمولی امور دیکھے تو وہ کہنے لگے کہ عزیر اللہ عزوجل کے بیٹے ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹-۳۵، ملحد اور الکفریہ، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۹۷، طبع جدید دار الفکر بیروت)

آیا حضرت عزیر نبی ہیں یا نہیں

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر اللہ مشقی متوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:

عطاء بن رباح، حسن بصری اور عثمان بن عطاء الخراسانی کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عزیر نبی نہیں تھے، کیونکہ عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ زمانہ فترت (انتفاع نبوت کا زمانہ) میں نو چیزیں تھیں: ان میں سے ایک بخت نصر کو بیان کیا اور اسحاق بن بشر نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کیا کہ عزیر اور بخت نصر کا واقعہ زمانہ فترت میں ہوا اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عیسیٰ بن مریم کے تمام لوگوں سے زیادہ قریب پہلے ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۳۳۳ سنن ابی داؤد رقم الحديث: ۳۹۷۵، مسند احمد ج ۳ رقم الحديث: ۹۸۸۷ طبع جدید) اور وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت عزیر حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ کے درمیان تھے، اور حافظ ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عزیر حضرت موسیٰ بن عمران کے زمانہ میں تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹۷)

البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۹۸، طبع جدید دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ

بہر حال روایات مختلف ہیں اور حضرت عزیر کا نبی ہونا حتمی اور یقینی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے تمام اہم پہلو اور ان کے ابن اللہ ہونے کی بحث ہم نے آل عمران: ۵۸-۳۵ میں بیان کر دی ہے، وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کسی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ اس مشابہت میں تین اقوال ہیں: (۱) بت پرست کہتے تھے کہ لات، منات اور عزرائیل خدا کے شریک ہیں۔ (۲) بعض کافر کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (۳) یہ اس قول میں اپنے باپ دادا کی ادھی تخلید کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو (بھی) حلا نکہ ابن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ ان کے خود ساختہ شرکاء سے پاک ہے (التوبہ: ۳۱)

اس سے پہلی آیت میں یہودیوں کی یہ بدعتیہ کی بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے عزیر کو ابن اللہ کہا اور اس آیت میں ان کی یہ بدعتیہ بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا بنا رکھا تھا۔

احبار اور رہبان کا معنی

امام ابو عبیدہ حنفی ۲۴۳ھ نے لکھا ہے کہ احبار، جبر کی جمع ہے۔ جبر عالم کو کہتے ہیں، کعب کو جبر کہا جاتا تھا۔

(غریب الحديث ج ۱ ص ۱۶۰)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ نے لکھا ہے جبر کا معنی ہے: نیک اثر اور اچھی نشانی۔ جب علماء لوگوں کے دلوں میں اپنے علوم سے اچھے تاثرات اور اپنے افعال کے نیک آثار چھوڑتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نیکیوں کی اقتداء کی جاتی ہے تو ان کو احبار کہتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علماء تو قیامت تک باقی رہیں گے اور احبار گم ہو گئے اور ان

کے آثار و لوگوں میں موجود ہیں۔ (الطہرات ج ۱ ص ۳۸)

نیز علامہ راغب نے لکھا ہے کہ رہب کا معنی ہے گھبراہٹ کے ساتھ ڈر اور خوف اور راہب کا معنی ہے اللہ سے ڈرنے والا اور رہبان راہب کی جمع ہے۔ (الطہرات ج ۱ ص ۳۹) امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ جبراس عالم کو کہتے ہیں جو عمدہ بیان کرتا ہو اور راہب اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں خوف خدا جاگزیں ہو اور اس کے چہرے اور لباس سے خوف خدا ظاہر ہوتا ہو اور عرف میں احبار کا لفظ علماء یہود کے ساتھ خاص ہے اور رہبان کا لفظ ان علماء نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے جو گرجوں میں رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰-۳۱)

قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہودیوں نے اپنے احبار (علماء) کی اور عیسائیوں نے اپنے رہبان (گرجا) میں رہنے والے علماء کی عبادت کی تھی؟ اور اس آیت کی کیا توجیہ ہے؟ انہوں نے کہا: انہوں نے اپنے علماء کی عبادت نہیں کی لیکن جب وہ ان کے لیے حرام کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب وہ ان کے لیے حلال کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے تھے اور یہی ان کا اپنے اپنے علماء کو خدا بنانا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۵۴، مطبوعہ بیروت)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار کر پھینک دو! میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: اتخذوا احبارہم و رہسانہم اربابا من دون اللہ و المسیح اس سریم۔ (التوبہ ۳۴) آپ نے فرمایا: وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اور اس پر اصرار کرنا اس دینی پیشوا کو خدا بنالینا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اس کو رسول کا درجہ دینا ہے اسی گمراہی کا قلع قمع کرنے کے لیے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ جب میرے قول کے خلاف کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور امام شافعی نے فرمایا اگر میرا قول کسی حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر مار دو اور حدیث پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے متقدمین فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے، انہوں نے کتنے ہی مسائل میں ائمہ کے اقوال کے خلاف احادیث پر عمل کیا ہے اور اس گمراہی کی جڑ کاٹ دی ہے لیکن اس زمانہ میں ہم نے دیکھا کہ اگر کسی شخص کے دینی پیشوا کے کسی قول کے خلاف قرآن اور حدیث کتنا ہی کیوں نہ پیش کیا جائے وہ اپنے دینی پیشوا کے قول کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اور کہتا ہے کیا یہ قرآن کی آیت اور یہ حدیث ان کو معلوم نہیں تھی اور وہ قرآن اور حدیث کو تم سے بہت زیادہ جاننے والے تھے!

امام عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے متعدد اساتید کے ساتھ حبیہ اور بجلہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(جامع بیان العلم و فضلہ ج ۲ ص ۹۲-۹۲۵، دار ابن الجوزیہ جدہ)

نبی کے سوا کسی بشر کا قول خطا سے معصوم نہیں

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھا حضرت عثمان حج تمتع سے

منع کر رہے تھے، حضرت علی نے یہ دیکھ کر حج تمتع کا احرام باندھا اور فرمایا میں کسی شخص کے قول کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۳ سنن داری رقم الحدیث: ۱۸۲۳)
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حج تمتع کیا اور قرآن نازل ہوا اور ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔ امام مسلم کی روایت میں ہے ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۳۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۷۸ سنن داری رقم الحدیث: ۱۸۲۳)

سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا جائز ہے۔ اس نے کہا آپ کے باپ تو حج تمتع سے منع کرتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ میرا باپ ایک کام سے منع کرتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو کیا ہو تو آیا میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۲۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ سے ذکر کیا کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ میت کے گھروالوں کے رونے سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میت کے گھروالوں کے رونے سے اللہ اس میت کو عذاب دیتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ کافر پر اس کے گھروالوں کے رونے سے اللہ اس کے عذاب میں زیادتی کرتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا يَحْزَنُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ (الانعام: ۲۴) اور کوئی بوجہ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۸-۳۸۸۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۳۳-۴۲۳۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۰۰۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۷۱)

مکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو بلوایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کے عذاب سے سزا نہ دو، البتہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص ایمان دین بدلے اس کو قتل کر دو۔ ترمذی کی روایت میں ہے حضرت علی کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: ابن عباس نے حج کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۲۲-۲۹۲۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۵ مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۶۸۷۱ المستدرک ج ۳ ص ۵۳۸ سنن بیہقی ج ۸ ص ۹۵۹ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زانیہ حلالہ کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا جو بچہ اس کے

ہیٹ میں ہے اس کو ہلاک کرنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر معلوم نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا!

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۹۲۰، رقم: ۱۷۳۵-۱۷۳۲، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ ریاض ۱۴۱۹ھ)

ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد پید ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس عورت کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اس کو رجم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: عورتیں پورے دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۲۳) اور فرمایا: حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی (مجموعی) مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف: ۱۵) تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۹۲۰، رقم: ۱۷۳۶، مطبوعہ ریاض)

عبداللہ بن مسعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: عورتوں کا سر چالیس اوقیہ (دس چھٹانک چاندی) سے زیادہ نہ باندھا اور جس نے اس سے زیادہ مہر باندھا میں وہ زیادہ مقدار بیت المال میں داخل کر دوں گا تب ایک بیٹی ناک والی ورازد عورت کھلی صف میں کھڑی ہوئی اور اس نے کہا: آپ کے لیے یہ حکم دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَنبِئْتُمُ الذَّكَرَ فَهَٰذَا فَالَا تَأْخُذُوا بِهِ
شَيْئًا۔ (النساء: ۳۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: عورت نے گھج کہا اور مرد نے خطا کی۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۸۰ سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۶۳۳ سنن سعید بن منصور رقم الحديث: ۵۹۸-۵۹۷ جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۵۳۰، رقم: ۸۶۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۸، دار الفکر ۱۸۰ھ، الدر المنثور ج ۲ ص ۳۶۶، دار الفکر ۱۳۳۳ھ)

غور کیجئے جب اکابر صحابہ کے اقوال خطاء سے معصوم نہیں ہیں تو بعد کے ائمہ، فقہاء اور علماء کے اقوال کی خطاء سے معصوم ہونے کی کیا ضمانت ہے؟ اس لیے کسی امام، عالم اور فقیہ کے حلق یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے قول میں خطاء نہیں ہو سکتی اور ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الرسائل کے مترادف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بے جا صادر ہونا کچھ نادور کلمہ دوم نہیں، پھر سلف صالحین و ائمہ دین سے آج تک ملحق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول مقبول بھی ہوتا ہے اور مردود بھی ماسوا اس قبر والے کے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ نے لکھا ہے کہ حیر کے نام کا کبکرا حرام ہے خواہ یہ وقت ذبح تکبیر کی جائے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے، اگر اس نے اراقت دم تقرباً الی اللہ کی (اللہ کے لیے جانور کا خون بہایا) اور وقت ذبح نام الی لیا، جانور منہ قلعی قرآن عظیم حلال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنَکُم مَّنْ لَا تَأْكُلُ أَوْشًا ذَكَرَ اسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ۔ (الانعام: ۱۱۵)

تفصیل فقیر کے رسالہ سئل الانبیاء میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں فطی ہوئی اور وہ نہ فقط فتاویٰ بلکہ تفسیر

عزیزی میں بھی ہے اور نہ ایک ان کا فتویٰ بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں سے کچھ حروک نہ ہو۔
سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص کا قول مقبول بھی ہے اور مردود بھی سوا اس قبر والے کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۳۵۶ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو کھل کیے بغیر
ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو ناگوار ہو (الحوبہ: ۳۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلائل

اس آیت میں یہودیوں کی ایک اور اسلام دشمنی بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے
دلائل کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کے دلائل کی اہم پانچ قسمیں ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی نبوت ان کے معجزات سے ثابت ہوئی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے
اثبات کے لیے بے شمار معجزات پیش کیے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ای تھے اور آپ نے قرآن مجید کو پیش کیا جس کی فصاحت اور بلاغت کی نظیر آج تک کوئی نہیں
لا سکا۔ اس کی وی ہوئی پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئیں اور اس کے اس دعویٰ کو بھی کوئی رد نہیں کر سکا کہ اس میں کمی اور
زیادتی نہیں ہو سکتی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیم اور شریعت کا حاصل یہ ہے کہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی جائے، آپ سے جو
بھی علمی اور عملی کمالات ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا: یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، آپ نے علم اور عمل کے ہر کمال کی اپنی ذات
سے نفی کر دی، آپ نے اپنے نیک اعمال کو کبھی موجب نجات قرار نہیں دیا بلکہ یہی فرمایا کہ میری نجات بھی صرف اللہ کے
فضل سے ہوگی۔ آپ کی پوری سیرت کو دیکھ لیں آپ اپنی نبوت اور رسالت سے اپنے لیے کوئی کبریائی، کوئی بڑائی نہیں چاہتے
تھے بلکہ یہی فرماتے تھے کہ ساری کبریائی اور عظمت و جلالت صرف اللہ کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دعویٰ نبوت
سچا ہے جبکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے لوگوں میں اس کے کمالات کا چرچا ہو اور لوگ کہیں کہ یہ اس کے کمالات ہیں
خواہ ان کمالات کا ذریعہ کوئی اور ہو!

(۴) آپ نے امت سے شریعت کیے لیکن اپنے لیے دنیا جمع نہیں کی، آپ کے کھانے، پینے، لباس اور گھر کے ساز و سامان میں
کوئی آسودگی، عیش اور محم نہیں تھا۔ ڈھیروں مال غنیمت آتا لیکن آپ اس کو تقسیم کیے بغیر مسجد سے نہیں اٹھتے تھے، اس سے
بھی معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی تھے اور اس دعویٰ نبوت سے آپ کا مقصود اپنی ذات کی منفعت نہیں تھی۔

(۵) آپ نے لوگوں کو جس قدر عبادت کا حکم دیا، خود اس سے زیادہ عبادت کی، لوگوں کو پانچ نمازوں کا حکم دیا خود تہجد
سمیت چھ نمازیں پڑھتے تھے، لوگوں کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا حکم دیا، خود پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، لوگوں سے کہا تمہارا ترکہ
وراثت ہے اور میرا ترکہ صدقہ ہے، لوگوں کو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کا حکم دیا اور خود وصال کے روزے رکھے
جس میں سحری ہوتی ہے نہ افطار، کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں ہوتا تھا اور راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ پاؤں مبارک
سوج جاتے تھے، لوگوں کو چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود بیک وقت نوازاواج میں عدل کر کے دکھایا، آپ کا عبادت
اور ریاضت میں اس قدر کوشش ہوتا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوت اپنے عیش و آرام، اپنی آسودگی اور اپنی بڑائی کے
لیے نہیں تھا۔ آپ سچے نبی ہیں اور آپ کا پیغام سچا ہے اور جس طرح کوئی شخص سورج کے نور کو بجھانے کے لیے پھونکیں مارتا

رہے تو سورج کا نور کم نہیں ہوگا اسی طرح یہودی اور دیگر مخالفین اسلام کی اسلام دشمنی کو ششوں سے اسلام کی اشاعت اور فروغ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار ہو (التوبہ: ۳۳)

تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور بھشت کا ذکر فرمایا، رسالت دلائل اور معجزات سے ثابت ہوتی ہے اور آپ کے دلائل اور معجزات سب رسولوں سے زیادہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ سب سے عظیم اور کامل رسول ہیں۔

نیز فرمایا آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا یعنی آپ کا دین اور آپ کی شریعت متوازن اور معتدل ہے، فطرت سلیمہ کے مطابق ہے، آپ کا کوئی حکم خلاف عقل نہیں ہے اور آپ کی تعلیم میں دین اور دنیا کی سبے شمار ممکنات ہیں۔ واضح ہوا کہ آپ کی شریعت ہی کامل ہے۔

پھر فرمایا تاکہ آپ کا دین ہر دین پر غالب ہو جائے اور غلبہ سے مراد دلائل اور محبت کے اعتبار سے غلبہ ہے تو تمام ادیان کے مقابلہ میں اسلام کے دلائل غالب ہیں اور اسلام کے آنے سے ہر دین پر عمل منسوخ ہو گیا ہے اور اگر سے مراد مادی غلبہ ہو تو یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔

امام سعید بن منصور، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ہر یہودی اور ہر عیسائی مسلمان ہو جائے گا حتیٰ کہ بکریاں بھیڑیوں سے مامون ہو جائیں گی اور گائے شیروں سے اور انسان سانپوں سے اور حتیٰ کہ چوہا حباب کو نہیں کترے گا اور جزیہ موقوف ہو جائے گا اور صلیب توڑ دی جائے گی اور خنزیر قتل کر دیے جائیں گے۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! بے شک (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور پیر لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (التوبہ: ۳۴)

یہودی اور عیسائی علماء کے مال کھانے کے ناجائز طریقے

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کی مذموم صفات بیان فرمائی تھیں کہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور تکبر کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے، اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس تکبر کے باوجود وہ لوگوں سے مل لینے میں بہت حریص ہیں اور لوگوں سے ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کے لیے ان کے کئی طریقے ہیں:

(۱) وہ رشوت لے کر شرعی احکام میں تخفیف کر دیتے تھے، اگر توہمات میں رجم یا کوڑوں کی سزا ہو تو وہ صرف جرمانہ عائد کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

(۲) انہوں نے عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھادیا تھا کہ انہیں آخرت میں نجات اسی وقت حاصل ہوگی، جب وہ ان کی

خدمت اور اطاعت کریں گے۔

(۳) تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ ان کی ایسی باطل تاویل کرتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہ ہوتی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے عوام ان سے کٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو جائیں اور ان کے نذرانے شکرانے بند ہو جائیں۔

(۴) انہوں نے لوگوں کو یہ بلور کر دیا تھا کہ صحیح دین یہودیت یا عیسائیت ہے اور اس دین کی تقویت اسی وقت ہوگی جب اس دین کے حاملین کی مالی خدمت کی جائے، سو وہ ان باطل طریقوں سے اپنے عوام کا ناجائز طریقہ سے مال کھاتے تھے، ہر چند کہ وہ اس ناجائز مال کو کھانے کے علاوہ دیگر مصارف میں بھی خرچ کرتے تھے لیکن عرف میں کسی سے ناجائز مال لینے کو مال کھانے سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا وہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں، اور مفسرین نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ کسی کا مال لینے سے بڑا مقصود اس مال کو کھانے اور پینے پر صرف کرنا ہوتا ہے، اس لیے فرمایا وہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں۔

لوگوں کا اس دنیا میں بڑا مقصود مال اور عزت اور سرداری کا حصول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال حاصل کرتے تھے اور عزت اور سرداری کے حصول کے لیے لوگوں کو اسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روکتے تھے کیونکہ اگر ان کے عوام مسلمان ہو جاتے تو پھر لوگ ان کی تعلیم اور نکریم چھوڑ دیتے۔

کنز کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کنز کا معنی ہے مال کو اوپر تلے رکھنا، مالی جمع کر کے اس کی حفاظت کرنا، خزانہ کو کنز کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

(الفرقان ج ۲ ص ۷۰)

زکوٰۃ نہ دے کر مال جمع کرنے والوں کی قرآن مجید اور احادیث مجیدہ سے مذمت

جو لوگ ان چیزوں (کو خرچ کرنے) میں ہل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں، وہ ہرگز یہ ممکن نہ کریں کہ یہ ہل ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے حق میں بہت بُرا ہے، وہ (مال) قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

وَلَا يَخْشَى الْوَيْسَ يَبْخُلُونَ يَمَّا أَنَّهُمْ آلَةٌ
مِّنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ
سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
(آل عمران: ۷۵)

ہر شخص دینے والے، غیبت کرنے والے کے لیے تباہی ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا، وہ ممکن کرتا ہے کہ وہ (مال) اس کو بیشہ زندہ رکھے گا، ہرگز نہیں! وہ چوراچورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا اور آپ کیا جانیں کہ چوراچورا کرنے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھا جائے گی، بے شک وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی، (بھڑکتے ہوئے شعلوں کے) لیے لیے ستونوں میں۔

وَبَلَّ لِكُلِّ هَمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۚ الْيَدِیْ جَمَعَ مَالًا
وَعَلَدَهُ ۖ يَخْشَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۖ كَلَّا
لَبُئْسَ دَنًّا فِی الْحُطَمَةِ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
الْحُصَمَةُ ۖ تَارَاهُ الْمُؤَقِّنَةُ ۚ النَّبِیُّ تَطْلِعُ
عَلَى الْآفِیْقَةِ ۖ إِنَّمَا عَلَیْهِمْ مُّؤَصَّدَةٌ ۚ وَفِی
عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۖ (الحمز)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کے لیے ایک گھجاساٹپ بنایا جائے گا جس کے دو زہریلے ڈنک ہوں گے، اس سانپ کو اس کا طوق بنا دیا جائے گا پھر وہ اس کو اپنے جیزوں سے پکڑے گا پھر کئے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے آل عمران: ۷۵ کی تلاوت فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۵ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۲۵ مسند احمد ج ۲ ص ۷۸ تمیید ابن عبد البر ج ۶ ص ۵۳۶ المستقیمی للبلاخی رقم: ۵۳۰ صحیح المالک رقم: ۳۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرتا ہو، جب قیامت کا دن ہو گا تو اس کے لیے آگ کے پترے تیار کیے جائیں گے، اور ان کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر ان کے ساتھ اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ پترے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو ان کو دوبارہ آگ میں گرم کیا جائے گا یہ عذاب اس دن دیا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اس کو یہ عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ تمام لوگوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف، اور جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا اس کو اس پورے دن اونٹ اپنے پیروں سے روندتے رہیں گے اور اپنے مونہوں سے کالتے رہیں گے، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف اور جو شخص بکریوں اور بھیڑوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ اس کو اس پورے دن تک اپنے سینگوں سے زخمی کرتی رہیں گی اور اپنے پیروں سے روندتی رہیں گی، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۲۳ (۷۸۷) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۸ مسند احمد ج ۲ ص ۷۸۳ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۸ تمیید ابن عبد البر ج ۶ ص ۵۳۸)

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ موجب عذاب نہیں ہے

اس آیت میں پہلے یہودی اور عیسائی علماء کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ قاضی بیضاوی متنی ۶۸۵ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مال جمع کرنے والوں سے مراد یہودی اور عیسائی علماء ہوں اور ان کی زیادہ مذمت کرنا مقصود ہو کہ وہ مال پر حرص بھی ہیں اور مال پر بخل بھی ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہوں جو مال جمع کرتے ہیں اور اس کا حق ادا نہیں کرتے، اور یہودی اور عیسائی رشوت خوروں کے ساتھ بریاء مطلقہ ان کا ذکر کیا گیا ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی والدیس بکسروں الذهب والعصاة (التوبہ: ۳۳) تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری، حضرت عمر نے فرمایا چلو میں تمہارے لیے اس معاملہ کو کشادہ کرانا ہوں، پھر انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاکیزہ ہو جائے اور وراثت

تمہارے بعد والوں کے لیے فرض کی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۹۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۸۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازنب پہنتی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز (خزانہ، جمع شدہ مال جس پر آگ کے عذاب کی وعید ہے) ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳۳، الاستذکار رقم الحدیث: ۱۳۷۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم نے اس حق کو ادا کر دیا جو تم پر واجب تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳ ص ۸۴، معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۷۸۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا کر دی ہو تو خواہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے ہو وہ کنز نہیں ہے اور جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خواہ وہ ظاہر ہو وہ پھر بھی کنز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۰۶، الاستذکار رقم الحدیث: ۱۲۷۰۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی ٹینگوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا سو اس اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو (التوبہ: ۳۵)

اس آیت میں پیشانیوں، پہلوؤں اور ٹینگوں کو سونے اور چاندی کے ساتھ داغنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ اشرف اعضاء ہیں۔ جو اعضاء رئیسہ دل، دماغ اور جگر پر مشتمل ہیں اور جو تک انسان اپنے ان ہی اعضاء کی سلامتی کے لیے مل جمع کرتا ہے اس لیے ان اعضاء کو اس مال کے ساتھ جلایا جائے گا اس لیے کہ انسان کے بدن کی چار اطراف ہیں، اگلا حصہ اور پچھلا حصہ، چہرہ اگلے حصہ پر اور پیٹ پیچھے حصہ پر دلالت کرتی ہے اور دو پہلو دائیں اور بائیں جانبوں پر دلالت کرتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ ہر جانب سے اس کو عذاب محیط ہو گا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مال جمع کرنے میں اختلاف صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ جس کنز (جمع شدہ مال) کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور اس پر عذاب کی وعید سنائی ہے اس کا مصداق کیا ہے؟ اکثر صحابہ کا موقف یہ تھا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز مذموم نہیں ہے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی وہ کنز مذموم ہے اور بعض صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ جس مال کو بھی جمع کیا گیا وہ کنز مذموم ہے اور موجب عذاب ہے خواہ اس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو یا نہ، ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے کیونکہ اس آیت میں بغیر کسی قید اور استثناء کے اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے کہ دوزخ کی آگ سے سونا چاندی جمع کرنے والوں کے بدنوں کو داغا جائے گا۔ نیز حدیث میں ہے:

عبد اللہ بن ابی ہذیل بیان کرتے ہیں کہ میرے صاحب نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: سونے اور چاندی کے لیے ہلاکت ہو! میرے صاحب نے کہا پھر وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے لیے ہلاکت ہو، پھر ہم

کس مال کو حاصل کریں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور آخرت میں مدد کرنے والی پیروی۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۱۳، ۶۳۱۴، ۶۳۱۵)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں الریذۃ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور جگہ) کے پاس سے گزرا تو وہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے پوچھا آپ یہاں کس سبب سے آگئے؟ انہوں نے کہا میں شام میں تھا میرا اور حضرت معاذیہ کا اس آیت میں اختلاف ہوا: الذی یسکرون الذهب والفضۃ ولا یسفونہا فی سبیل اللہ۔ (التوبہ: ۳۴) حضرت معاذیہ نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، میں نے کہا یہ آیت ان کے اور ہمارے دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان بحث ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان کی طرف میری شکایت لکھ کر بھیجی، حضرت عثمان نے مجھے مدینہ بلایا، میں مدینہ آگیا تو بہت زیادہ لوگ میرے گرد اکٹھے ہو گئے جیسے اس سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا، میں نے حضرت عثمان سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ چاہیں تو مدینہ کے قریب کسی اور جگہ چلے جائیں تو اس سبب سے میں یہاں آگیا اور اگر مجھ پر کسی حبشی کو بھی حاکم بنادیا جاتا تو میں اس کی (بھی) اطاعت کرتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۳۸۹، شرح السنہ ج ۵ ص ۳۸۰)

اصف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا، میں وہاں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھ گیا وہاں ایک شخص آیا جس کا جسم اور چہرہ سخت تھا اور اس نے سونا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے قریش کے پاس کھڑے ہو کر کمال جمع کرنے والوں کو اس گرم پتھر کی بشارت دو جس کو جنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس پتھر کو ان میں سے کسی ایک کے پستان کے سر پر رکھ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان کے کندھے کی باریک ہڈی سے نکل جائے گا پھر کندھے کی باریک ہڈی پر رکھا جائے گا اور ان کے پستان کے سر سے نکل جائے گا اور اسی طرح حرکت کرتا رہے گا لوگوں نے اس شخص کی طرف سرائھا کر دیکھا اور میں نے کسی شخص کو اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے نہیں دیکھا پھر وہ چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے گیا حتیٰ کہ وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے کہا میرا گمان ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بات کو پسند کیا ہے، اس نے کہا ان لوگوں کو سمجھ نہیں ہے، ایک دن میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! تم احد (پہاڑ) کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے سورج کی طرف دیکھا اور میں یہ سمجھا کہ شاید آپ مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہتے ہیں، میں نے کہا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں ہو گا کہ میں اس میں سے تین دینار سے زیادہ اپنے پاس رکھوں اور میں وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں گا پھر یہ لوگ دنیا کو جمع کر رہے ہیں ان کو محل نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا ان قریشی بھائیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے، کیونکہ آپ ان کے پاس جاتے ہیں نہ کوئی سوال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: تمہارے پروردگار کی قسم! میں ان سے دنیا کا کوئی سوال کروں گا نہ دین کا حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴، مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰)

اس قسم کی احادیث سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ استدلال کرتے تھے کہ جو شخص اپنی ضرورت سے زائد مال کو جمع کرے اس پر عذاب کی وعید ہے، لیکن یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی منفرد رائے تھی۔ حضرت ابوذر کی طرف سے یہ توجیہ کی گئی ہے کہ وہ ان حکام اور سلاطین پر رد کرتے تھے جو بیت المال سے اپنے لیے مال لے لیتے تھے۔ حضرت علی، حضرت ابوذر، صحابہ اور بعض اہل زہد سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے اور حضرت ابوذر سے ایسے آثار منقول ہیں کہ جو چیز جانے پینے اور گزر بسر سے زائد ہو اس کو جمع کرنا مال مذموم ہے اور اس آیت میں اسی کے متعلق وعید ہے۔ حضرت ابوذر

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ مال والے قیامت کے دن سب سے پہلے طبقہ میں ہوں گے ماسوا ان لوگوں کے جو مال کو دائیں بائیں آگے پیچھے تقسیم کر دیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰)

(الاسند کارج ۹ ص ۹۲۳ مطبوعہ مکتبۃ الرسل بیروت ۱۴۱۳ھ، المنہج ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

تاہم صحیح نظریہ وہ ہے جو جمہور صحابہ کا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بغیر سوال اور بغیر طلب کے مال لینا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے تو میں عرض کرتا جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس کو عطا کر دیں تو آپ نے فرمایا: یہ مال لے لو، جب تمہیں اس مال سے کوئی چیز بغیر طلب اور سوال کے ملے تو اس کو لے لو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۸ سنن ابوداؤد رقم

الحدیث: ۱۶۷۱)

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ

جسے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد، اللہ کی کتاب میں

اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ

بارہ مہینہ ہے، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے

حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

حرمت والے ہیں یہی دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو،

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً

اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۷﴾ **إِنَّمَا النَّسِيءُ عُزْبٌ**

اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ﴿۳۷﴾ مہینہ کو منحسر کرنا

فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

کفر میں کفر ہے، اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے وہ کسی مہینہ کو ایک سال عدال قرار دیتے ہیں

وَيَحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُؤْخِطُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا

اور اسی مہینہ کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں، تاہم التوبہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بڑی کر لیں، پھر جس کو التوبہ حرام بیابست

مَا حَرَّمَ اللَّهُ طَرَائِينَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا

اس کو حلال کرے، ان کے برے کام ان کے لیے خوش نما بنادیے گئے ہیں، اور اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ع

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کے نزدیک مینوں کی تعداد اللہ کی کتب میں بارہ مینے ہیں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان میں سے چار مینے حرمت والے ہیں، یہی دین مستقیم ہے، سوان مینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکین سے قتل کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتل کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متعین کے ساتھ ہے ○

(التوبہ: ۳۶)

عبادات اور معاملات میں قمری تقویم کا اعتبار ہے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبادات اور معاملات کے احکام ان مینوں اور سالوں کے اعتبار سے مقرر کیے جائیں گے جو مینے اور سال اہل عرب کے نزدیک معروف تھے نہ کہ وہ مینے جو عجمیوں، رومیوں، قبطیوں اور ہندیوں کے نزدیک معروف تھے، غیر عرب کے نزدیک مینے تیس دنوں سے زیادہ کا بھی ہوتا ہے اور عرب کے نزدیک مینے کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوتا ہے اور ایک مینے تیس دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا، البتہ تیس دن سے کم کا مینے بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا
وَقَدَرَهُ مَنَاقِلَ لِيَتَعْلَمُوا عِندَ السَّيِّئِ
وَالْحِجَابِ - (ہود: ۱۵)

وہی جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشن اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حسبِ جان لو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآيَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ
اللَّيْلِ وَالنَّجْمِ - (البقرہ: ۱۸۹)

لوگ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہتے کہ وہ لوگوں کی عبادات اور معاملات اور خصوصاً حج کے لیے اوقات کی نشانیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان بارہ مینوں کو مقرر کیا اور ان کے نام رکھے، جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر جو کتابیں نازل کیں ان میں ان مینوں کا ذکر کیا، اللہ کی کتب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ حرمت والے مینوں کا بیان اور ان کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان میں سے چار مینے حرمت والے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اصل شکل پر آچکا ہے، جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا سال کے بارہ مینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مینے ہیں، تین مینے متواتر ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (تھیلہ) معرکار جب جو جملوی اور شعبان کے درمیان ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۳، مطبوعہ دار الرقہ بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سو تم ان مینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، ہر چند کہ کسی مینہ میں بھی ظلم کرنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ مینے جو تک حرمت والے ہیں اس لیے ان مینوں میں گناہ کرنا زیادہ شدت سے ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی ایک وجہ سے عظمت اور حرمت مقرر فرماتا ہے تو وہ ایک وجہ سے محرم اور مکرم ہوتی ہے اور جس چیز کی دو یا دو سے زیادہ وجہ سے حرمت اور عظمت مقرر فرماتا ہے تو وہ دو یا دو سے زیادہ وجہ سے مکرم اور محرم ہوتی ہے، پس اس میں برے کاموں پر عذاب بھی دگنا چو گنا ہوتا ہے جس طرح اس میں نیک کاموں کا اجر و ثواب بھی دگنا اور چو گنا ہوتا ہے سو جو شخص حرمت والے مینہ مثلاً ذوالحجہ میں یا حرمت والی جگہ مثلاً مکہ مکرمہ یا مسجد حرام میں عبادت کرے گا اس کا اجر و ثواب دوسرے اوقات اور دوسری جگہوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو گا اور جو شخص اس حرمت والے مینہ اور حرمت والی جگہ میں برے کام کرے گا اس پر مواخذہ بھی دگنا چو گنا ہو گا اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَسْتَأْذِنُ الْيَهُودِيُّ مَنْ يُبَاتِلُ يَسْكُنُ فِيهَا يَحْتَفِلُ
فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمَا الْعَذَابُ صَفَعَتِ
اے نبی کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی ایک کھلی بے حیائی کا
ارتکاب کرے تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

(۱۱۷: اب: ۳۰)

پہلے ان مینوں میں قتل کرنا جائز نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور تمام مینوں میں قتل کو مباح کر دیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں قتل کیا اور شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ان کا محاصرہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مینہ کو موخر کرنا محض کفر ہے، اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ کسی مینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور اسی مینہ کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں، تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مینوں کی تعداد پوری کر لیں، پھر جس کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کر لیں، ان کے برے کام ان کے لیے خوش نمایا دیئے گئے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (التوبہ: ۳)

مشرکین کا حرمت والے مینوں کو موخر کرنا

السببی کا معنی ہے موخر کرنا، شرکین حرمت والے مینوں کو موخر کرتے رہتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ محرم حرمت والا مینہ تھا اس میں قتل حرام تھا، شرکین عرب لوٹ مار اور قتل و غارت کرنے والے لوگ تھے، اور ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم یہ تین مینے متواتر حرمت والے تھے، ان تین مینوں میں قتل سے مبرا کرنا شرکین عرب کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا انہیں جب محرم کے مینے میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ محرم کے مینہ کو موخر کر دیتے اور صفر کے مینہ کو محرم قرار دیتے اور اصل محرم کے مینہ میں قتل کر لیتے۔ اسی طرح وہ ہر سال محرم کے مینہ کو ایک ماہ موخر کرتے رہے، حتیٰ کہ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اس سال گیارہ مرتبہ محرم کا مینہ موخر ہو کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: نلذہ محوم کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے

سَبِيلِ اللَّهِ إِثْقَالُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ

کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چپک جاتے ہو! کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند

الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي

کر لیا ہے! سو کونسا کی زندگی کا نفع تر آخرت کے مقابلہ میں

الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝۳۸ إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

بہت تھوڑا ہے ۝ اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۝ وَاللَّهُ

اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۳۹ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ

ہر چیز پر قادر ہے ۝ اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا۔ وہ آں حالیکہ وہ دو ہیں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ

جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہماری साथ ہے، سو اللہ نے

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

ان پر طمانیت قلب تامل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور

كَلِمَةً الَّذِينَ كَفَرُوا وَالسُّفُلَى ۚ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۚ

کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کا دین ہی بلند و بالا ہے،

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۴۰ إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا

اور اللہ بہت غالب والا بڑی حکمت والا ہے ۝ (اللہ کی راہ میں) ہلکے ہلکے اور بوجھل ہو کر اور اپنے مالوں

بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اود جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا

اگر تم جانتے ہو تو ○ (اے رسول کریم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لیے کہا تھا، اگر وہ مسل الحصول ال ہوا اور متوسط

قَاصِدًا إِلَّا تَبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعْدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۖ

سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن دود دراز کا سفر ان کو بھاری لگا،

وَسَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ

اود عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے،

يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۴۳﴾

وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اود اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چپک جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ سو دنیا کا نفع تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے ○ (التوبہ: ۴۸)

غزوہ تبوک کی تیاری

یہ آیت غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ہے، یہ غزوہ نو ہجری میں ہوا تھا۔ تبوک ایک چشمہ ہے جو وادی قرئی میں تھا۔ یہ مدینہ سے بارہ مرحلہ پر شام کے نزدیک واقع ہے۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ طائف کی مہم سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ہجری میں ذوالحجہ سے رجب تک مدینہ میں قیام فرمایا، پھر آپ نے مسلمانوں کو روم کے عیسائیوں سے جلاو کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہت تنگی کا زمانہ تھا۔ گرمی بہت شدید تھی، اور شہروں میں کھجوریں پکتے والی تھیں اور لوگ چاہتے تھے کہ مدینہ میں ٹھہریں اور درختوں کے سائے اور پکی ہوئی کھجوروں سے راحت حاصل کریں، اور اس موسم میں مدینہ سے باہر نکلنا ان پر بہت شاق اور دشوار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ کے لیے نکلتے تھے تو اس کا صراحتاً ذکر نہ کرتے بلکہ اس کا ناپائیدار فرماتے تھے لیکن تبوک کا آپ نے صراحتاً ذکر فرمایا کیونکہ یہ بہت دور کا سفر تھا اور اس میں مشقت بہت تھی اور جس دشمن سے آپ نے جنگ کا ارادہ کیا تھا اس کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے آپ نے صراحتاً بیان فرمادیا کہ آپ رومیوں سے جنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا اس قدر سخت گرمی میں جلاو کے لیے نہ جاؤ۔ اسحاق بن ابراہیم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ منافقین سولیم یسودی کے گمراہ ہو رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں جانے سے منع کر رہے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو چند اصحاب کے ساتھ بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ سویم کے گھاگ لگادیں، سو حضرت طلحہ نے ایسا ہی کیا۔

امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی تیاری شروع کی، اور مال دار مسلمانوں کو جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں دل کھول کر مال خرچ کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن خیاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے مسلمانوں کو براہِ گنیمت فرما رہے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں ایک سوانٹ مع کجلوں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ آپ نے پھر مسلمانوں کو براہِ گنیمت کیا تو حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں دو سوانٹ اللہ کی راہ میں مع ان کے کجلوں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مسلمانوں کو لشکر کی مدد کے لیے براہِ گنیمت کیا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور کہہ میں اللہ کی راہ میں تین سوانٹ مع ان کے کجلوں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ تب میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے منبر سے اترے آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۶۹۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۵۲)

حضرت عبدالرحمن بن السمرہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے لشکر کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر آئے، میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۹، طبع جدید)

اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان نیک کام کریں یا بد ان کو اس کا ضرر نہیں ہوگا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو برائی سے محفوظ رکھے گا اور اگر بشری نقصان سے کوئی غلطی ہوگئی تو مرنے سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔ واضح رہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے چپک جاتے ہو، اس سے مراد تمام مسلمان نہیں ہیں، بلکہ بعض مسلمان ہیں کیونکہ اکثر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق غزوہ تبوک پر خوشی سے روانہ ہو گئے تھے جن کی تعداد تیس ہزار تھی، اور بعض مسلمان بغیر کسی عذر کے اپنی سستی کی وجہ سے رہ گئے تھے جن کو بہت سخت طاعت کی گئی اور منافقین جھوٹے حیلے بہانے کر کے رہ گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (التوبہ: ۳۹)

جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب

اس آیت سے مسلمانوں کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنان اسلام کی سرکوبی کرنے اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مدد کرنے کے لیے خود نکلتی ہے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب کرنے پر جہاد کے لیے جانے میں سستی کی تو اللہ تعالیٰ کو کوئی کمی نہیں ہے وہ اپنے نبی کی مدد کے لیے کوئی اور قوم لے آئے گا

اس لیے وہ یہ گمان نہ کریں کہ دین کا غلبہ صرف ان ہی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم اللہ کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اس سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانا تو متصور ہی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کرنا واجب ہے، نیز اس سے پہلی آیت میں ان مسلمانوں کی مذمت کی ہے جو جہاد پر بلاسنے کے باوجود جہاد کے لیے نہیں جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلائے تو ان پر واجب ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں، نیز اس آیت میں جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور جس طرح جہاد فرض ہے اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بھی فرض ہیں اور جب جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے تو بقیہ فرائض کے ادا نہ کرنے پر بھی عذاب ہوگا، کیونکہ یہ حیثیت فرض ان مہلوات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے، جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا اور آنجا ایک وہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں عار میں تھے، جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بہت کو نچا کر دیا اور اللہ کا دین ہی بلند و بالا ہے اور اللہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○

(التوبہ: ۴۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ اگر مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں جا کر ان کی مدد نہیں کی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کمی نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد فرمائی تھی جب قریش مکہ نے آپ کو بے وطن کر دیا تھا آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور عار ثور میں تین راتیں گزاریں اس سفر میں اور عار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق تھے، ان کا ذکر بھی اس آیت میں ہے اور عار ثور میں حضرت ابوبکر کی رفاقت کی تفصیل اس طرح ہے:

عار ثور میں حضرت ابوبکر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کسی کو اس کا علم نہیں تھا، ماسوا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آل ابوبکر کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں چھوڑ دیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس ہیں وہ ان کو ادا کر دیں، اس کے بعد مدینہ آجائیں اور مکہ میں جس شخص کے پاس بھی کوئی اہم چیز ہوتی تھی وہ اس کو آپ کے پاس رکھوا دیتا تھا کیونکہ سب لوگ آپ کی صداقت اور امانت پر یقین رکھتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور ان کے مکان کے پیچھے سے عار ثور کی طرف نکلے جو مکہ کے خیب میں ایک پہاڑ ہے، وہ دونوں اس پہاڑ میں داخل ہو گئے، حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ وہ بغور سنیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں پھر شام کو آکر ہمیں خبر دیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن میں بکریاں چرائیں اور شام کو ان کے پاس آجائیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا شام کو ان

کے پاس کھائے کر آتی تھیں۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کو غار میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابو بکر غار میں داخل ہوئے اور غار کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس میں کیسی سانپ یا بچھو تو نہیں ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اثر سے محفوظ رکھیں۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۹، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو بکر محمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم حضرت ابو بکر کی ایک رات اور ایک دن، عمر کی تمام عمر سے افضل اور بہتر ہے، کیا میں تمہیں ان کی ایک رات اور ایک دن کے متعلق بتاؤں؟ راوی نے کہا ہاں! اے امیر المومنین! حضرت عمر نے فرمایا: رات تو وہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کے ساتھ ہجرت فرمائی، حضرت ابو بکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے، کبھی آگے چلتے، کبھی دائیں چلتے، کبھی بائیں چلتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابو بکر! ایسا کیوں کر رہے ہو؟ حضرت ابو بکر نے کہا: میں آپ کے چاروں طرف اس لیے چل رہا ہوں کہ اگر کوئی اچانک آپ پر حملہ آور ہو تو اس کا پہلا نشانہ میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات چلتے رہے حتیٰ کہ آپ کے مبارک پاؤں ٹھس گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور آپ کو اٹھا کر دوڑنا شروع کیا حتیٰ کہ غار ثور کے وہانہ پر پہنچ گئے، وہاں انہوں نے آپ کو اتارا اور کہا: آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، آپ غار میں پہلے داخل نہ ہوں، پہلے میں داخل ہوں گا، تاکہ اگر اس میں کوئی معرچہ ہو تو پہلے مجھے اس کا ضرر پہنچے۔ حضرت ابو بکر غار میں گئے اور کوئی معرچہ نہیں پائی، غار میں بہت سوراخ تھے جن میں مختلف اقسام کے سانپ تھے۔ ابو بکر کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ان سوراخوں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائے، انہوں نے سوراخ میں اپنا قدم رکھ دیا، سانپ ان کے پیر پر ڈنک مارنے لگے اور ڈسنے لگے اور تکلیف کی شدت سے حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: یہ حضرت ابو بکر کی رات ہے، اللہ ع۔

(دلائل النبوة للسیوطی ج ۲ ص ۷۷، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۳، طبع جدید، الریاض النضرۃ للحب الجبری ج ۱ ص ۶۶، اللہ راہ الشور

ج ۳ ص ۹۸، مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۵۵)

امام ابو القریب عبد الرحمن بن علی جوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم غار میں ہیں، اگر کسی نے اپنے قدموں کے نشان کو دیکھا تو وہ ہمارے قدموں کے نشانوں کو بھی دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! تمہارا ان دونوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے! (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۶۵۳، صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۳۸۸، مسند احمد ج ۱ ص ۴) نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غار کی شب حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پہلے غار میں داخل ہونے دیں، آپ نے فرمایا: تم داخل ہو، حضرت ابو بکر داخل ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر غار کے سوراخوں کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے اپنے کپڑے کو پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں اپنی ایزی رکھ دی۔ جب رسول اللہ داخل ہوئے تو آپ نے پوچھا: اے ابو بکر تمہارا کپڑا (لیس) کہاں ہے، تو حضرت

ابو بکر نے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: اے اللہ! ابو بکر کو جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔

(المستطعم ج ۲ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ، سبل الہدیٰ والارشاد، ج ۳ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)
امام ابن جوزی نے الوفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے سوراخ پر اپنی ایزی رکھ دی تو سانپ ان کی ایزی میں ڈنک مارنے لگے، اور حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابو بکر غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کے دل میں سکون نازل فرمایا۔

(الوقایح ص ۲۳۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۵۰۲ھ نے بھی اتنی ہی لکھا ہے۔

(ادارج الثبوت ج ۲ ص ۵۸، مکتبہ نوریہ رضویہ سکس ۱۳۹۷ھ)

امام ابو جعفر احمد، الحب الطبری المتوفی ۲۹۳ھ لکھتے ہیں:

ابن السمان نے کتب الموافات میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر غار میں داخل ہوئے اور اس میں جو سوراخ بھی دکھا اس میں اپنی انگلی داخل کر دی حتیٰ کہ ایک بڑا سوراخ دکھا اس میں ران تک اپنی ٹانگ داخل کر دی پھر کہا یا رسول اللہ! اب آپ غار میں آجائیے، میں نے آپ کے لیے جگہ تیار کر دی ہے۔ (الی ان قل) رات بھر سانپ حضرت ابو بکر کی ٹانگ میں ڈنک مارنے رہے اور حضرت ابو بکر نے بڑی تکلیف میں رات گزاری، صبح کو انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! یہ کیا ہوا؟ ان کی پوری ٹانگ سوجی ہوئی تھی، حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! یہ سانپ کے ڈنک مارنے کا اثر ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ حضرت ابو بکر نے کہا میں نے آپ کی نیند کو خراب کرنا پسند کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کے جسم کا سار اوردرد جاتا رہا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب الشریعہ ج ۱ ص ۱۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سلسلہ میں دوسری روایت الحب الطبری نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات کی عظمت اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پہلے غار میں داخل نہ ہوں پہلے میں داخل ہوتا ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی مضرت ہو تو اس کا ضرر مجھے لاحق ہو، نہ کہ آپ کو۔ جب حضرت ابو بکر غار میں داخل ہوئے تو اس میں بہت سوراخ تھے، انہوں نے اپنی چادر بھاڑ کر وہ تمام سوراخ بھر دیئے۔ دو سوراخ باقی رہ گئے تو انہوں نے ان پر اپنا پیر رکھ دیا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور حضرت ابو بکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، سانپ نے حضرت ابو بکر کے پیر میں ڈنک مارنے شروع کر دیئے اور حضرت ابو بکر نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ ان کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے، آپ نے پوچھا اے ابو بکر! کیا ہوا؟ انہوں نے کہا آپ پر میرے بل پاپ قدا ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیر پر لعاب دہن لگایا تو ان کی تمام تکلیف دور ہو گئی۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب الشریعہ ج ۱ ص ۹۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نیز روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہوئے تاکہ آپ کو ضرر سے محفوظ رکھیں، انہوں نے ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ اس میں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر نہ پہنچائے، پھر سانپ حضرت ابو بکر کی ایڑی پر ڈنک مارنے لگے اور حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت ابو بکر کی گود میں تھا، جب سانپ نے حضرت ابو بکر کی ایڑی پر ڈنک مارا تو حضرت ابو بکر کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے، آپ نے پوچھا: اے ابو بکر! کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: آپ پر میرے مل باپ فدا ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب دہن لگا دیا اس سے حضرت ابو بکر کی تکلیف جاتی رہی۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ متوفی ۵۵۳ھ نے روایت کیا ہے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ، شرح الزرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۱۳۵، دار المعرفہ بیروت) علامہ علی بن زہبان الدین حلی متوفی ۱۰۴۳ھ نے بھی اس روایت کو درج کیا ہے۔

(انسان المعین ج ۲ ص ۲۰۵، مطبوعہ مصر ۱۳۸۳ھ)

امام ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن غار میں رہے اور قریش نے آپ کو واپس لانے والے کے لیے ایک سوانٹ کا انعام مقرر کر دیا تھا اور حضرت ابو بکر کے بیٹے عبد اللہ بن ابی بکر دن میں قریش کی باتیں سنتے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے متعلق کرتے تھے اور شام کو آکر ان کی خبر پہنچاتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی بکر کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر کے غلام عامر بن فہرہ اس جگہ بکریوں کو لے جاتے اور بکریوں کے چھنے کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی بکر کے غار کے پاس چلنے کے نشان مٹ جاتے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے لیے کھانا پہنچاتی رہیں، پھر تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۰-۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

قریش جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئے تو وہ کھوتی کو لائے جو قدموں کے نشان سے اپنے ہدف تک پہنچتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ غصہ غار پر جا کر ٹھہر گیا۔ اس نے کہا میں آکر نشانات ختم ہو گئے ہیں، کڑی نے اسی وقت غار کے منہ پر جلا تن دیا تھا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کڑی کو مارنے سے منع فرمایا ہے، جب انہوں نے کڑی کے جانے کو دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے اور وہ واپس چلے گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۵)

حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کی وجوہ

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے تھے اور آپ ان سے چھپ کر غار ثور میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابو بکر کے ایمان اور ان کی جانثاری پر کھل اعتماد نہ ہوتا تو ان کو اپنے ساتھ لے کر کبھی غار میں داخل نہ ہوتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اللہ کے حکم سے تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسی قربت دار بھی بہت تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں رفاقت کے لیے صرف حضرت ابو بکر کو ساتھ لیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر ہجرت میں حضرت ابو بکر کو ساتھ لینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور حضرت ابو بکر کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو چن لیا۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کو ثانی اثنین (دومین سے دوسرا) فرمایا ہے، اور دین کے اکثر مہاسب میں

حضرت ابو بکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مانی تھے۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے، پھر حضرت ابو بکر نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عثمان بن عفان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اسلام کی دعوت دینے میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ثانی حضرت ابو بکر تھے۔ اسی طرح ہر غزوہ میں حضرت ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں حاضر رہے، اس طرح وہ غزوات میں بھی مانی اثنین ہیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت ابو بکر کو امام مقرر فرمایا، پس امامت میں بھی حضرت ابو بکر مانی اثنین ہیں، اور جب حضرت ابو بکر فوت ہوئے تو وہ آپ کے پہلو میں دفن ہوئے اس طرح وہ قبر میں بھی مانی اثنین ہیں، اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر اٹھیں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۳) اور جنت میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے اور امت میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر داخل ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۵۴) خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ دین میں، ہجرت کرنے میں، مغازی میں، امامت میں، امارت میں، قبر میں، حشر میں، دخول جنت میں، تمام اہم دینی مناصب میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) اس آیت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو بکر غفلیں ہوئے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا: غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے اور یہ حضرت ابو بکر کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دینے والے ہوں۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح کی ہے حضرت ابو بکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ہیں اور یہ نص قطعی ہے جس کا انکار کفر ہے اور تمام صحابہ میں صرف حضرت ابو بکر کی صحابیت منصوص ہے اور آپ کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے۔

(۶) اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ ہمارے مع (ساتھ) ہے، اور اس معیت سے حفاظت اور نصرت کی معیت مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حفاظت اور نصرت فرمائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں حضرت ابو بکر کو بھی شامل فرمایا اور یہ حضرت ابو بکر کی بہت بڑی فضیلت ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ متقین اور محسنین کے مع (ساتھ) ہوتا ہے۔ اس سے حضرت ابو بکر کا تسلی اور محسن ہونا بھی منصوص ہوا۔

(۷) احادیث اور کتب میر سے ثابت ہے کہ غار ثور میں قیام کے دوران حضرت ابو بکر کے بیٹے، عبد اللہ بن ابی بکر اور ان کی بیٹی حضرت اسماء، ان کا طعام عامر بن فہیرہ آپ تک مکہ کی خبریں پہنچانے اور آپ کے لیے طعام پیش کرنے میں لگے رہے اور یہ بھی حضرت ابو بکر کی فضیلت ہے کہ ان کی اولاد اور ان کے خدام اس خطرے کے موقع پر جان کی بازی لگا کر آپ کی خدمت میں مشغول رہے۔

(۸) حضرت ابو بکر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینے پہنچے تو سب لوگوں نے جان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو سفرو حضر میں ساتھ رکھتے ہیں وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۹) اس آیت میں حضرت ابو بکر کی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ حاکمیت میں اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سالم بن عبید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو گا تو حضرت عمر نے کہا: ایسا کون شخص ہے جس کے متعلق یہ تین آیتیں ہوں: اذہمما فی العار (جب وہ دونوں عار میں تھے) وہ دونوں کون تھے؟ اذ یقول لصاحبه (جب وہ اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے) وہ صاحب کون ہیں؟ لا تحسرن ان اللہ معا (غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) یہ دونوں کون ہیں؟ پھر

حضرت ابو بکر نے ہاتھ بڑھایا اور سب لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ اور یہ بیعت محمد و بیعت تھی۔

(النسائی الکبریٰ ج ۶ ص ۳۵۵ رقم الحدیث: ۱۱۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

(۱۰) غار ثور کی ان تین راتوں میں حضرت ابو بکر میں انوار رسالت اس طرح جذب ہو گئے تھے کہ جب حضور اور حضرت ابو بکر نہ پہنچے تو استقبال کے لیے آئے ہوئے مسلمانوں نے حضرت ابو بکر کو سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور وہ سب آگے بڑھ کر حضرت ابو بکر سے ملنے لگے، تب حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر چادر کا سایہ کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں تو ان کا ایک غلام اور امتی ہوں۔

امام بخاری حدیث ہجرت کے اخیر میں عروہ بن اثیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں کی ایک جماعت میں حضرت زبیر سے ملاقات ہوئی جو شام سے تجارت کر کے لوٹ رہے تھے، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کو سفید کپڑے پہنائے اور مدینہ کے مسلمانوں نے من لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تشریف لارہے ہیں، وہ ہر روز صبح مدینہ کی پتھریلی زمین پر جاتے اور آپ کا انتظار کرتے اور دوپہر کو لوٹ آتے، حتیٰ کہ ایک روز جب ان کا انتظار بہت طویل ہو گیا اور وہ اپنے گھروں کو لوٹ گئے، ایک یہودی کسی نیلہ پر کھڑا ہوا کسی کا انتظار کر رہا تھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو سفید لباس میں آتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ یہودی بے اختیار بلند آواز سے چلا کر بولا: اے معاشر العرب! یہ ہیں وہ تمہارے بزرگ جن کا تم انتظار کر رہے تھے۔ مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور انہوں نے اس پتھریلی زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب مڑ گئے اور بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں ٹھہرے۔ یہ ماہ ربیع الاول کا پہلا دن تھا۔ حضرت ابو بکر لوگوں کے سامنے کھڑے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔ پھر انصار کے جن لوگوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکر کو تعظیم دینے لگے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آگئی۔ تب حضرت ابو بکر نے اپنی چادر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا اس وقت لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا..... الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۵، مطبوعہ دار ارقم، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا انہوں نے حضرت ابو بکر کو رسول اللہ مگن کیا اسی لیے انہوں نے ابتداءً حضرت ابو بکر کو سلام کیا اور جب دھوپ آگئی اور حضرت ابو بکر نے چادر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا تب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۴۴ طبع لاہور)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر میں انوار رسالت اس طرح جذب ہو گئے تھے کہ دیکھنے والے حضرت ابو بکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مگن کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کی راہ میں) نکلو خواہ ہلکے ہو کر خواہ بوجھل ہو کر اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو تو ○ (التوبہ: ۳۷)

خفافا وثقالا کے معنی

اس آیت میں پھر مسلمانوں کو جہاد کی جانب متوجہ کیا ہے اور فرمایا ہے: تم خفیف ہو یا ثقیل جہاد کے لیے نکلو، خفیف اور ثقیل کے مفسرین نے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ (۱) تمہارے لیے نکلنے میں خواہ آسانی ہو یا مشقت ہو (۲) اہل و عیال کی کمی ہو یا

زیادتی ہو (۳) ہتھیاروں کی زیادتی ہو یا کسی ہو (۴) سوار ہو کر نکلے یا پیادہ (۵) جوان ہو یا بوڑھے (۶) طاقتور ہو یا کمزور (۷) تندرست ہو یا بیمار (۸) خوشی سے نکلے یا ناخوشی سے (۹) خواہ غنی ہو یا فقیر (۱۰) کاروبار دنیا سے فارغ ہو یا اس میں مشغول (۱۱) کھیتی باڑی سے فارغ ہو یا مشغول ہو (۱۲) بملور ہو یا بزدل۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے بلائیں تو خواہ تم کسی حال میں ہو یا کسی کیفیت میں ہو، تم پر جہاد کے لیے جانا واجب ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت لیس علی الاعسی حرج۔ (الفتح: ۱۷۱) ”اندھے پر کوئی گناہ نہیں“ سے منسوخ ہے اور بعض نے کہا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً۔

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے

(التوبہ: ۳۷) ہوں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام مسلمان جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں خواہ وہ معذور ہوں یا غیر معذور بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جن مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلائیں تو ان کا جہاد کے لیے جانا واجب ہے خواہ وہ کسی حالت یا کسی صفت پر ہوں۔

جہاد کی اقسام

نیز اس آیت میں فرمایا ہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اس آیت کا محمل یہ ہے کہ جس کے پاس مال بھی ہو اور اس کا بدن بھی تندرست اور قوی ہو تو وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرے اور جس کے پاس مال نہ ہو لیکن وہ توانا اور تندرست ہو تو وہ اپنی جان کے ساتھ جہاد کرے اور جس کا بدن کمزور ہو یا وہ بیمار یا معذور ہو لیکن مالدار ہو تو وہ اپنے مال کے ساتھ جہاد کرے، حدیث میں ہے:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غازی کو اللہ کی راہ میں سامان دیا تو اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی غازی کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کی اور ان کے ساتھ نیکی کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۴۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۹، سنن الترمذی: ۱۶۲۷) جہاد کی پہلی قسم فرض عین ہے، اور یہ اس وقت ہے کہ جب دشمن اسلام مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے، اس وقت اس شہر کے تمام لوگوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے خواہ نئے ہوں یا مسلح، جوان ہوں یا بوڑھے، اگر اس شہر کے لوگ دشمن سے مقابلہ کے لیے ناکافی ہوں تو اس سے متصل شہر کے مسلمانوں پر دشمن سے جہاد کرنا فرض عین ہے وعلیٰ هذا القیاس۔

جہاد کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے امیر پر واجب ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرے حتیٰ کہ مخالفین اسلام میں داخل ہوں یا ذلت کے ساتھ جزیہ دیں۔

الاختلاف: ۲۰۰ میں ہم نے جہاد سے متعلق تمام امور پر مفصل گفتگو کی ہے، اس موضوع کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) رسول اکرم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لیے کہا تھا، اگر وہ سب الحصول ہاں ہو تا اور متوسط سفر ہو تا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگتا اور عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے، وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور

اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ (التوبہ: ۳۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

یہ آیت ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسافت قریب ہوتی اور مال قیمت کے منافع ملنے کا عین غالب ہو تا تو یہ منافقین ان منافع کے لالچ میں آپ کے ساتھ ضرور جلتے لیکن ایک تو سفر بہت دور کا تھا، دوسرے ان کے خیال میں رومی بہت طاقتور اور تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لیے مسلمانوں کا ان پر غالب آنا اور ان سے مال قیمت حاصل کرنا بہت مشکل تھا اس وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں نہیں گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جب آپ جملہ سے لوٹ کر آئیں گے تو یہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمیں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جاتے اور یہ ابتداء کہیں گے تاکہ ان کے لیے غزوہ تبوک میں نہ جانے کا عذر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے کذب اور فحاشی کی وجہ سے جو جھوٹی قسمیں کھائی ہیں اس کی وجہ سے یہ اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ذریعہ پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ یہ عنقریب قسمیں کھائیں گے سو یہ غیب کی خبر ہے اور پیش گوئی ہے اور پھر بعد میں انہوں نے قسمیں کھائیں اور آپ کی پیش گوئی سچی ہو گئی اور یہ آپ کی نبوت کے صدق پر دو طرح دلیل ہے: ایک آپ نے غیب کی خبر دی، دوسرے آپ کی پیش گوئی سچی ہوئی اور یہ عظیم پیش گوئی ہے، کیونکہ آپ نے ایسی پیش گوئی کی جس کا پورا ہونا یا نہ ہونا دشمن کے اختیار میں تھا۔ اگر منافقین بعد میں قسمیں نہ کھاتے تو آپ کی پیش گوئی جھوٹی ہو جاتی لیکن منافقین نے قسمیں کھائیں اور آپ کی پیش گوئی سچی ہو گئی۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ

اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی (کیوں) اجازت دیدی را اگر آپ اجازت نہ دیتے تو آپ کو

الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ

مصدق ہوجاتا کہ غزوہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت دیدی را اگر آپ اجازت نہ دیتے تو آپ کو

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

پہر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

(کبھی رخصت کی) اجازت نہیں طلب کریں گے اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے ○

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

آپ سے وہی لوگ (جہاد میں رخصت کی) اجازت طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان

الْآخِرَ وَأَمَّا تَابِتٌ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رِيحِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿۲۵﴾

نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں (اسلام کے متعلق) شکوک ہیں پس وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے ○

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَاَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ

اور اگر وہ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے ناودراہ کی تیاری کرتے ، لیکن اللہ کو ان کا

اللَّهُ اتَّبَعَانَهُمْ فَتَبَطَّوهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقُعْدِيَّيْنَ ﴿۲۶﴾

نکھانا ناپسند تھا تو اس نے ان کو پست ہمت کر دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھے والو! دیاروں اور مردوں کے ساتھ بیٹھے رہو ○

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا تَرَادَوْكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُفٍّ لَّكُمْ

اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے اور تم میں فتنہ ڈالنے کے لیے

خَلَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ سَاعُونَ لَهُمْ ۚ وَ

بہمت تیزی کے ساتھ تم میں افراہیں پھیلاتے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں اور

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۷﴾ لَقَدْ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے ○ بیشک انہوں نے پہلے ہی (ادوارِ ہجرت میں) فتنہ پھیلانے کی کوشش کی

وَقَلْبُكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ

تمہاری اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کی تھیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آگئی اور اللہ کا دین غالب آگیا

وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۲۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا

اور وہ (اس کو) ناپسند کرنے والے تھے ○ اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے) رخصت کی اجازت دیجئے اور مجھے

تَفْتِنِي ۚ إِلَّا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمِ حَاطَةٌ

آزمائش میں نہ ڈالیے ، سنو! یہ فتنے میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کا فسوس کو

بِالْكَافِرِينَ ﴿۲۹﴾

مردِ کفر پر محیط ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں (غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی؟ (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو مظلوم ہو جاتا کہ پھر پیش کرنے میں بچے کون ہیں، اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔ (التوبہ: ۴۳)

شان نزول

منافقین کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں غزوہ تبوک میں شامل ہونے سے رخصت دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی، اس موقع پر یہ آیت بصورت عتاب نازل ہوئی کہ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی، اور عتاب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ کو معاف فرمائے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مطمئن رہے۔

عفا اللہ عنک کے متعلق مفسرین سابقین کی تقاریر

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

مفسرین صحت انبیاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء سے گناہ کا صدور ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ معاف کرنا گناہ کی فرغ ہے اگر آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر معاف کرنے کا کیا معنی ہوا۔ قلدہ اور عمرو بن میمون نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کام بغیر وحی کے کیے تھے: ایک منافقین کو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی اور دو سرا کام یہ تھا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا۔

امام رازی نے اس اعتراض کے دو جواب دیے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ عفا اللہ عنک (اللہ آپ کو معاف فرمائے) کلام عرب میں تعظیم اور تکریم کا کلمہ ہے جس کو کلام کی ابتداء میں ذکر کیا جاتا ہے اور جو شخص مشکل کے نزدیک بہت معظّم اور تکریم ہو اس کے حقائق کتابت اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے، یا اللہ آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے۔ لہذا اس آیت میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے عفا اللہ عنک اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ دو سرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا آیا گناہ تھا یا نہیں۔ اگر یہ گناہ تھا تو عفا اللہ عنک سے اللہ نے اس کو معاف فرمادیا تھا پھر کیوں فرمایا آپ نے ان کو اجازت کیوں دی، اور اگر یہ گناہ نہیں تھا تو یہ کیوں فرمایا اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر تقدیر پر آپ نے ان کو اجازت کیوں دی یہ فرمانا گناہ کو مستلزم نہیں ہے، لہذا اس قول کو ترک ہوئی اور ترک اکمل پر محمول کیا جائے گا۔

(تفسیر کبرج ۶ ص ۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ، مکی متوفی ۵۴۳ھ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو محمد مکی نے کہا عفا اللہ عنک اقتلح کلام کا کلمہ ہے، جیسے کہتے ہیں اصلحک اللہ واعرک اللہ (اللہ تمہاری اصلاح کرے، اللہ تمہیں عزت دے)

علامہ سمرقندی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے اس کا معنی ہے: اللہ آپ کو عافیت سے رکھے آپ نے ان کو کیوں اجازت دی اور اگر کلام اس طرح شروع ہوتا کہ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی تو اس کا اندیشہ تھا کہ اس کلام کی ہیبت سے آپ کا قلب شق ہو جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پہلے یہ ذکر فرمایا اللہ آپ کو معاف کرے تاکہ آپ کا دل مطمئن اور پُر سکون رہے پھر فرمایا آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت کیوں دی حتیٰ کہ آپ پر یہ مشکف ہو جاتا کہ کون اپنے

نذر میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے، اور اس اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ مفسرین نے کہا کہ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت میں عتاب کیا گیا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عتاب کیے جانے سے بہت بعید ہیں بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ آپ ان کو اجازت دیں یا نہ دیں اور جب آپ نے اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے پھر بھی یہ اپنے خلق کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوتے اور آپ کے اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں عفا اللہ عنک فرمایا ایسے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: مجھے یوسف علیہ السلام کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے دہلی اور موٹی گھوڑوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں اس وقت تک ان کو خواب کی تعبیر نہ بتاتا جب تک ان سے یہ شرط نہ منوالیتا کہ وہ مجھ کو قید سے رہا کر دیں گے۔ (اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ حضرت یوسف کی مغفرت فرمائے اور پھر جس کام پر مغفرت کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی گناہ نہیں ہے، اسی طرح اس آیت میں جس کام کے متعلق عفا اللہ عنک فرمایا ہے وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے... سعیدی) عون بن عبد اللہ نے کہا اس سے زیادہ حسین اور کون سا عتاب ہو گا جس میں اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ (ہمارے نزدیک یہ حقیقت عتاب نہیں ہے صورت عتاب ہے... سعیدی فخر) سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ کیسا لطف ہے کہ پہلے معافی کا ذکر فرمایا پھر اس چیز کا ذکر فرمایا جس پر معافی دی۔ اس کے بعد علامہ آلوسی نے زعفری پر سخت رد کیا ہے جس نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آپ کے مجرم سے کنایہ ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۷۳)

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ احمد خفاجی نے بھی امام رازی اور قاضی عیاض کی طرح تقریر کی ہے اور قاضی بیضاوی نے زعفری کی اتباع میں جو یہ لکھا ہے کہ عفا اللہ عنک فرماتا اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ کا اجازت دینا خطائی کیونکہ معاف کرنا خطا کی فرع ہے، علامہ خفاجی نے زعفری اور بیضاوی دونوں کا رد بلج کیا ہے۔

(مخاتبات القاضی ج ۲ ص ۵۷۲-۵۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۱۰۵۰ھ نے قاضی بیضاوی کی عبارت کی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ قاضی بیضاوی کی خطا سے مراد اجتہادی خطا ہے اور اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی بلکہ اس پر اجر ملتا ہے اور آپ کا یہ فعل ترکِ اولیٰ کے قبیل سے تھا۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۲ ص ۳۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۶۸ھ نے لکھا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ سے ترکِ اولیٰ صلور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خطاب میں غلو کو مقدم کیا جو صورتِ عتاب میں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عفا اللہ عنک کے متعلق مصنف کی تقریر

میرے نزدیک اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ جس کام سے اللہ نے لانا منع کیا ہو اس کام کا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لانا منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اس کا نہ کرنا راجح ہو تو اس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منافقین کو اجازت دینے سے لانا منع کیا ہو تو یہ فعل حرام اور

گناہ کبیرہ ہو گا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہو تا تو گناہ تو نہ ہو تا مگر یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہو تا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منع کیا ہی نہیں تھا تو آپ کا ان کو اجازت دینا کسی قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے بلکہ آپ کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو جملہ میں شامل نہ ہونے کی کیوں اجازت دے دی حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو یہ پھر بھی جملہ میں شریک ہونے والے نہ تھے یعنی ان کے حق میں آپ کا اجازت دینا اور نہ دینا دونوں امر برابر تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جملہ کرنے میں (کبھی رخصت کی) اجازت طلب نہیں کریں گے، اور اللہ متعین کو خوب جاننے والا ہے (التوبہ: ۴۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ آپ سے جملہ میں شامل نہ ہونے کی یا اپنے گمروں میں بیٹھنے کی اجازت طلب نہیں کریں گے، بلکہ جب بھی آپ کسی بات کا حکم دیں گے وہ اس کی تعمیل میں جھپٹ پڑیں گے اور اس وقت جملہ میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کرنا علامتِ نفاق سے تھا اسی لیے اس کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے وہی لوگ (جملہ میں رخصت کی) اجازت طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں (اسلام کے مطلق) شکوک ہیں، پس وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے (التوبہ: ۴۵)

اس آیت میں فرمایا ہے: ان کے دلوں میں شکوک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکوک کا محلِ قلب ہے اور جب شک کا محلِ قلب ہو گا تو معرفت اور ایمان کا محل بھی قلب ہو گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ . . . یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت فرما دیا ہے۔ (البقرہ: ۲۴)

نیز فرمایا ہے: وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے، کیونکہ جس شخص کو کسی مسئلہ میں شک ہوتا ہے وہ نہ اس کی مختلف جانب کوئی حکم لگا سکتا ہے نہ موافق جانب اور نہ نفی اور اثبات کے درمیان تردد اور حیران رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ (جملہ کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے زاوِ راہ کی تیاری کرتے، لیکن اللہ کو ان کا نکلنا پسند تھا تو اس نے ان کو پست ہمت کر دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (بیاروں اور عورتوں) کے ساتھ بیٹھنے رہو (التوبہ: ۴۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین کا جملہ کرنے کا ارادہ ہو تا تو وہ اس کے لیے زاوِ راہ کی تیاری کرتے اور سلطانِ سفر جمع کرتے اور ان کا سلطانِ سفر کی تیاری نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں شامل ہونا نہیں چاہتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جملہ میں نکلنے کو پسند کرنا تھا تو اس نے ان پر بڑی طاری کر کے ان کو جملہ میں شامل ہونے سے روک دیا، تشبیہ کے معنی ہیں کسی شخص کو اس کے ارادہ پر عمل کرنے سے روک دینا اور ان سے کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، بیٹھنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو جملہ میں شامل ہونے سے معذور ہوں، جیسے اندھے، اپاہج، بیمار، عورتیں اور بچے، اس میں اختلاف ہے کہ ان سے یہ کہنے والا کون تھا ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خود ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تھا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، انہوں نے آپ کے اس قول کو محبت بھالیاً اور کہا ہمیں بیٹھنے کی اجازت مل گئی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے یہ بات ان

کے دلوں میں ڈال دی تھی۔

جب منافقین کا جہلو کے لیے نکلنا اللہ کو پسند تھا تو ان کی مذمت کیوں کی گئی؟

حافظ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر منافقین جہلو کے لیے نکلے تو ان کا یہ فعل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور عبادت ہو تا تو اللہ عزوجل نے اپنی اطاعت کو کیسے پسند فرمایا، اور جب ایک چیز مکروہ ہو تو اس کی ضد محبوب ہوتی ہے، اور جب منافقین کا جہلو کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ تھا تو اس کی ضد یعنی جہلو کے لیے نہ نکلنا اور مدینہ میں بیٹھے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب قرار پایا اور جب ان کا جہلو کے لیے نہ جانا اور بیٹھے رہنا اللہ کے نزدیک محبوب تھا تو اللہ تعالیٰ ان کو جہلو کے لیے نہ نکلنے پر کیونکر عذاب دے گا یہ بہت اہم سوال ہے اور مختلف فرقوں نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں: جبریت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افضل کسی حکمت اور مصلحت پر موقوف نہیں ہوتے اور ہر ممکن اللہ کے لیے جائز ہے، اس لیے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس فعل پر عذاب دے جو اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو اور اس فعل پر عذاب نہ دے جو اس کے نزدیک مبغوض اور غیر پسندیدہ ہو، اور اللہ کے اعتبار سے سب کچھ جائز ہے۔

اور قدر یہ (مستزاد) نے اپنے قواعد کے مطابق یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہلو کے لیے نکلنے سے حقیقتاً منع نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو جہلو کے لیے نکلنے سے منع کیا اور رو کا اور وہ کلام کیا جو اللہ کا ارادہ نہ تھا اور جب کہ ان کے نکلنے میں خرابی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہلو کے لیے نکلنے کی کراہت اور پسندیدگی ڈال دی اور اللہ تعالیٰ کا ان کے دلوں میں کراہت کا ڈالنا اس کی مشیت کی کراہت ہے اور خود اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہلو کے لیے نکلنے کا حکم دیا تھا اللہ تعالیٰ ان کو اس چیز کا حکم کیسے دے گا جس کو وہ پسند کرتا ہو، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ”لیکن اللہ کو ان کا نکلنا پسند تھا“ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نکلنے کی پسندیدگی اور کراہت ڈال دی جب کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند تھا۔

جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے علم کی ثورانیت رکھی ہو اس پر ان دونوں جوابوں کا تسلسلہ عقلی نہیں ہے، اور اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جہلو کے لیے نکلنے کا حکم دیا اور ان کا جہلو کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تھا اور آپ کی اور مومنین کے لیے نصرت تھی، اور ان کا یہ عمل محبوب اور پسندیدہ تھا لیکن اللہ سبحانہ کو یہ علم تھا کہ اگر یہ جہلو کے لیے نکلے تو ان کی نیت اللہ کی رضا جوئی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور مسلمانوں کی نصرت نہیں ہوگی، بلکہ ان کا نکلنا اس لیے ہو گا کہ وہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں، اور حرکی اور رکائیں اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کی کوشش کریں اور ان کا سطح نظریہ ہو گا کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو ناکام کیا جائے اور اس جہلو میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا جائے، اس لیے ان کا جہلو کے لیے نکلنا اگرچہ ظاہر اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع تھا لیکن درحقیقت ان کا نکلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بدخواہی پر مبنی تھا اور ان کا نکلنا اس چیز کو مستحکم تھا جو اللہ کے نزدیک مکروہ اور مبغوض تھی سو ان کا نکلنا اس اعتبار سے اللہ کے نزدیک مکروہ اور پسندیدہ تھا اور جس اعتبار سے مسلمان جہلو کے لیے نکلے تھے اس اعتبار سے ان کا نکلنا محبوب اور پسندیدہ تھا اور اللہ کو علم تھا کہ منافقین نے اسی اعتبار سے جہلو کے لیے نکلنا تھا جو اللہ کو پسندیدہ اور مبغوض ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لیے مذمت کی کہ جس طرح ان کو

جملہ کے لیے نکلتا چاہیے تھا وہ اس طرح جملہ کے لیے نہیں نکلتے اور ان کے اس طرح نہ نکلتے اور بیٹھے رہنے کی وجہ سے ان کو عذاب دے گا۔ اس بنا پر جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ان کو جملہ کے لیے جس طرح نکلتا چاہیے تھا اس طرح ان کا نہ نکلتا اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے اور اس کی ضد ہے جملہ کے لیے اس طریقہ سے نکلتا یہ اللہ کو پسندیدہ ہے لیکن وہ اس طرح نہیں نکلتا چاہتے تھے، وہ بریاء فساد جملہ کے لیے نکلتا چاہتے تھے اور یہ نکلتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ تھا غرض یہ کہ ان کا جملہ کے لیے نکلتا بھی پسندیدہ تھا اور نہ نکلتا بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور موجب عذاب تھا۔

تمام مخلوق میں نیکی کی صلاحیت کیوں نہیں پیدا کی گئی

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ نے ان کو ایسی توفیق کیوں نہ دی کہ وہ جملہ کے لیے اس طرح نکلتے جس طرح نکلتا اللہ کو محبوب اور پسندیدہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غیر محل اور غیر اہل میں اپنی توفیق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ اس نے اپنی ہدایت، اپنی توفیق اور اپنے فضل کو کہاں رکھا ہے اور ہر محل اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر محل میں ہدایت اور توفیق کی صلاحیت کیوں نہ پیدا کر دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال ربوبیت اور عالم خلق اور امر میں اس کے اسما اور صفات کا تصور اس بات سے انکار کرتا ہے اور اگر اللہ سبحانہ ایسا کرتا تو یہ اس کو محبوب ہوتا کیونکہ وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے، اس کی توحید بیان کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے لیکن ایسا کرنا اس سے زیادہ محبوب چیز کے فوت ہونے کا باعث تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے دشمنوں سے جملہ کیا جائے اور ان سے انتقام لیا جائے اور اس کے اولیاء کے مرتبہ اور شرف کا اظہار کیا جائے اور ان کے فضل کی تخصیص کی جائے اور وہ اپنی جانوں کو اللہ کے دشمنوں سے جنگ میں خرچ کریں اور اللہ کی عزت، قدرت اور سطوت کا تصور ہو اور اس کی زبردست پکڑ اور اس کے دردناک عذاب کا اظہار ہو، اس کے علاوہ اور بے شمار حکمتیں ہیں جن تک مخلوق کے علم اور عقل کی رسائی نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جبراً ہر شخص میں ہدایت اور توفیق نہیں پیدا کی۔ (ابداً فی التفسیر ص ۲ ص ۳۵۵-۳۵۷ مطبوعہ دار ابن الجوزیہ ریاض، ۱۴۲۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے اور تم میں فتنہ ڈالنے کے لیے بہت تیزی کے ساتھ تم میں افواہیں پھیلاتے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں اور اللہ خالصوں کو خوب جاننے والا ہے (التوبہ: ۴۷)

حبال کے معنی میں فساد ڈالنا چغلی کر، لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا۔ اس آیت میں مومنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر منافقین تمہارے ساتھ جملہ کے لیے نہیں گئے تو یہ بکل کار تمہارے لیے بہتر ہوا، کیونکہ اگر وہ تمہارے ساتھ جاتے تو فساد ڈالتے، پھیلیں کرتے اور تم کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کرتے اور فتنہ ڈالنے کے لیے بہت تیزی سے افواہیں پھیلاتے، نیز فرمایا ہے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کے جاسوس موجود ہیں جو تمہاری خبریں ان تک پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انہوں نے پہلے بھی (اواکل ہجرت میں) فتنہ پھیلانے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں اٹھ پلٹ کی تھیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آگئی اور اللہ کا دین غالب آگیا اور وہ (اس کو) پسند کرنے والے تھے (التوبہ: ۴۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے رسول مکرم! یہ منافقین اس سے پہلے بھی ایسی سازشیں کرتے تھے

جس کے نتیجہ میں آپ کے اصحاب آپ کے دین سے پھر جائیں، جیسے جنگ احد میں عبد اللہ بن ابی بنی معرکہ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان کارزار سے نکل گیا اور وہ آپ کے دین کو اور آپ کی صوم کو ناکام کرنے کے لیے مختلف سازشیں کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آگئی اور اللہ کا دین غالب آیا اسی طرح اب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو رومیوں کے مقابلہ میں فتح اور نصرت عطا فرمائی اور آپ تنوک سے کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے اور تنوک کی عیسائی ریاستوں نے آپ کا بلج گزار بننا قبول کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جملہ سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالے۔ سنو، یہ فتنے میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور محیط ہے (التوبہ: ۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تنوک کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ نے جد بن قیس سے فرمایا: اے جد بن قیس! بنو الاضر (زرد رقوم) سے جملہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس عورتیں ہیں، اور جب بنو الاضر کی عورتیں دیکھوں گا تو فتنہ میں پڑ جاؤں گا تو آپ مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت دیں اور فتنہ میں نہ ڈالیں، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جملہ سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالے۔ (المکمل الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۳۶۵۴ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۰)

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کرتے ہیں: جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تنوک کی تیاری فرما رہے تھے ایک دن آپ نے بنو سلمہ کے بھائی جد بن قیس سے فرمایا: اے جد! اس سال بنو الاضر (زرد رومیوں) سے جملہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اس سے اجازت دیں گے؟ اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں میں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہوں اور جب میں بنو الاضر کی عورتیں دیکھوں گا تو ان سے صبر نہیں کر سکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور فرمایا: میں نے تم کو اجازت دی، تو اس موقع پر جد بن قیس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ کہتا ہے مجھے فتنہ میں نہ ڈالے، سنو یہ فتنے میں گر چکے ہیں۔ یعنی اگر واقعی وہ بنو الاضر کی عورتوں کے فتنہ سے ڈرتا تھا تو یہ فتنہ تو اس کو لاحق نہیں ہوا لیکن وہ اس سے بڑے فتنہ میں پڑ گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جملہ میں شامل نہیں ہوا اور اس نے حضور کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دی اور یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ (جامع البیہاں ج ۲ ص ۱۳۳-۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسمانی مدد یا مال غنیمت) تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے

يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اختیار کر لیا تھا (کہ جہاد میں نہیں ملے تھے) اور یہ خوشیاں

وَهُمْ قَرِحُونَ ۝ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ

ماتے ہوئے ہوتے ہیں ۝ آپ کہیے کہ میں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو

اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے، اور ایسا ان والوں کو اللہ ہی پر

الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى

توکل کرنا چاہیے ۵۹ آپ کہیے کہ تم ہماری وہ بھلائیوں دفع یا شہادتِ ایمں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو،

الْحُسْنَىٰ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ

اور ہم تمہارے متعلق صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنے پاس سے

بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِنَا أَوْ بِأَيِّدِنَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ

عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلاتا ہے، سو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ

مُتَرَبِّصُونَ ﴿۶۰﴾ قُلْ أَتَفْقَهُوا طُوعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَلَ

انتظار کرنے والے ہیں ۶۰ آپ کہیے کہ تم اللہ کی راہ میں انہوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہیں کیا

مِّنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۶۱﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ

جائے گا، کیوں کہ تم فاسق قوم ہو ۶۱ ان کے خرچ کیے ہوئے کو صرف اس

تُقَبَّلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

وجہ سے قبول نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے تھے

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا

اور صرف کستی اور کاہلی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے اور اللہ کی راہ میں (صرف ناخوشی سے

وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

خرچ کرتے تھے ۶۲ سو ان کے مال اور اولاد سے آپ متعجب نہ ہوں۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ

اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ ان کو ان کے مال اور ان کی اولاد کے سبب ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور

تَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللهِ

ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں ○ اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ﴿۵۶﴾

کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ تفریق کرتے ہیں کہ تم ان سے منکر ہو جیسا سلوک نہ کرو ○

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغْرِبًا أَوْ مَدًّا خَلَّالُوا إِلَيْهِ

اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جاتے، یا پرتھانے یا دخول کی کوئی جگہ تو وہ اس میں تیزی سے

وَهُمْ يَجْهَرُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ

رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جاتیں ○ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں،

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ

اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو

يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آلَسَهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ

وہ نادامنی ہو جاتے ہیں ○ اور اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے،

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِينَا اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ

اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، مغرب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے

رَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو یہ ان کے لیے بہتر رہتا) ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسانی یا مدد یا مالی غنیمت) تو ان کو بڑا لگتا ہے، اور اگر آپ کو کوئی

مصیبت پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کر لی تھی، (کہ جملہ میں نہیں گئے تھے) اور یہ خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے

ہیں ○ (التوبہ: ۵۰)

اس آیت میں منافقین کے خبیث بواطن کی ایک اور نوع بیان فرمائی ہے، کہ بعض غزوات میں اگر آپ کو کامیابی حاصل

ہو یا مالی غنیمت حاصل ہو، یا جن بادشاہوں کے خلاف آپ نے جملہ کیا تھا وہ مطیع اور پناہ گزار ہو گئے ہوں تو ان کو بڑا لگتا ہے

اور اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہو تو اس پر یہ خوش ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے

کہ بھلائی سے مراد جنت بدر میں مسلمانوں کی فتح ہے اور مصیبت سے مراد جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست ہے۔ اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس آیت کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ اس آیت میں عموم مراد لینا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ منافقین کو مسلمانوں کی ہر بھلائی سے رنج ہوتا تھا اور ان کو مسلمانوں کی ہر مصیبت سے خوشی ہوتی تھی۔

امام ابن جریر نے اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جد بن قیس نے کہا کہ غزوہ تبوک کے اس سفر میں مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچی یعنی فتح حاصل ہوئی ہو تو اس کو اور دیگر منافقین کو بڑے اگے لگے گا۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۶۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے (التوبہ: ۵۱) مسئلہ تقدیر

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم کو کوئی خیر یا شر، کوئی رنج یا راحت، کوئی سختی یا آسانی نہیں پہنچتی مگر وہ ہمارے لیے مقدر ہوتی ہے اور اللہ کے پاس لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے خلاف ہونا محال ہے، کیونکہ اللہ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اس نے اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا، اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے تو گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ کے علم کے خلاف ہو سکتا ہے اور علم کے خلاف ہونا جمل ہے اور جمل اللہ کے لیے محال ہے، سو اللہ کے علم اور تقدیر کے خلاف ہونا بھی محال ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ ہمارا مالک ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے ارادہ اور اس کے فعل دونوں کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب بندہ کا ارادہ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کا فعل بھی اللہ نے پیدا کیا ہے تو بندے کو بڑے کاموں پر عذاب اور نیک کاموں پر ثواب کیوں ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے مملوک ہیں اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کے عام احوال میں یہی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس میں جس طرح تصرف کرے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے تو اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں جس طرح تصرف فرمائے اس پر کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے۔

ابن دہلی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ شک ہوا کہ اس سے میرا دین فاسد ہو جائے گا میں حضرت ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے ایک حدیث سنائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی پوچھنا، حضرت عبداللہ نے بھی وہی حدیث سنائی اور کہا کہ حضرت حذیفہ سے بھی پوچھنا۔ انہوں نے بھی جواب میں وہی حدیث سنائی جو ان دونوں نے سنائی تھی اور کہا کہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جاؤ۔ انہوں نے بھی وہی حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہو گا اور اگر وہ ان پر رحمت فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد پناہ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اللہ اس کو تم سے اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک تم اللہ کی ہر تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو چیز بھی پہنچی ہے وہ تم سے مل نہیں سکتی تھی اور جو چیز تم کو نہیں پہنچی وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مریے تو دوزخ میں داخل ہو گے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹، مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۲۱۶۶۷)

مشکمین نے اس اشکل کو دور کرنے کے لیے یہ کہا ہے کہ ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا بندہ اس کا خود احوال کرتا ہے اور معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ ارادہ کو بندہ خود پیدا کرتا ہے اور افعال کو بھی خود پیدا کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے، اس میں ایک اشارہ یہ ہے کہ منافقین اور کفار دنیاوی اسباب پر توکل کرتے ہیں اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ صرف اللہ پر توکل کریں، دوسرا اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اس لگائے رکھیں اور ہر چند کہ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے لیکن بندوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار رہیں اور اس سے دعا کرنا چھوڑیں کیونکہ دعا اور دعا بھی مقدرات میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم ہماری دو بھلائوں (فتح یا شاد) میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو، اور ہم تمہارے متعلق صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنے پاس سے عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلاتا ہے، سو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں (التوبہ: ۵۲)

مسلمانوں اور منافقوں کی دو حالتوں کی تفصیل

مسلمانوں کے مصائب پر منافقین جو خوشی کا اظہار کرتے تھے اس آیت میں اس کا دو سرا جواب ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان جب میدانِ جہاد میں جاتا ہے تو اگر وہ مغلوب ہو کر قتل کر دیا جائے تو اس کو دنیا میں شہید کہا جاتا ہے اور موت کے بعد دنیا میں بھی اس کی بہت تکریم ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے، وہ اپنی قبر میں ہمسائی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور اس کی رُوح ہنر پرندوں میں بیٹھ کر جنت کی کیاریوں میں سیر کرتی ہے اور اگر مسلمان میدانِ جنگ میں غالب ہو تو وہ فتح و کامرانی، مالِ غنیمت اور نیک نامی کے ساتھ لوٹتا ہے، اور منافق جب جہاد کے لیے نہیں جاتا اور گھر میں بیٹھ رہتا ہے تو دنیا میں وہ بزدلوں میں شمار ہوتا ہے اور اندھوں، پاہیوں، بیماروں، کمزوروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس کا شمار ہوتا ہے، اور اس کے ہاں جو اس کو اپنی جان، مال اور اولاد کا خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو پھر ان کو مشرکوں کے ساتھ لاحق کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ وہ عذاب ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو لاحق ہو گا اور مرنے کے بعد ان کو قیامت میں دائمی عذاب ہو گا پس منافق مسلمان کی جن دو حالتوں کا مختصر ہے ان میں سے ہر حالت عزت و تکریم کی حامل ہے اور مسلمان منافق کی جن دو حالتوں کا مختصر ہے وہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کی حالتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کی راہ میں خوشی سے خرچ کر دیا یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو، ان کے خرچ کیے ہوئے کو صرف اس وجہ سے قبول نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے تھے اور صرف سستی اور کافلی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے اور (اللہ کی راہ میں) صرف ناخوشی سے خرچ کرتے تھے (التوبہ: ۵۳-۵۴)

شانِ نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جد بن قیس نے کہا میں عورتوں کو دیکھ کر اپنے نفس پر ضبط نہیں کر سکتا، لیکن میں اپنے مال کے ساتھ آپ کی امداد کروں گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم خوشی سے خرچ کر دیا یا ناخوشی سے

تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔

کافر کی زمانہ کفر میں کی ہوئی نیکیوں پر اجر ملنے یا نہ ملنے کی تحقیق

کافر جب دنیا میں کوئی نیک کام کرتا ہے مثلاً رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے، کسی کے نقصان کی صفائی کرے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے اور کسی بھوکے پیاسے کو کھلائے اور پلائے تو اس کو آخرت میں ان نیک کاموں کا اجر نہیں ملے گا البتہ ان نیکیوں کے عوض دنیا میں اس کو نعمتیں اور راحتیں دی جائیں گی، اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابن جعد بن زبائہ جاہلیت میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھلاتا تھا کیا یہ کام اس کو نفع دیں گے؟ آپ نے فرمایا: (یہ کام) اس کو نفع نہیں دیں گے، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے اللہ! حسب کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم، الایمان: ۳۶۵ (۲۱۳) ۵۰۷، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۰، ۱۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کسی مومن کی نیکی میں کوئی کمی نہیں کرے گا اس کو اس نیکی کا عوض دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی اس کو اجر دیا جائے گا اور رہا کافر تو اس نے اللہ کے لیے جو نیکیاں دنیا میں کی ہیں ان کا تمام عوض اللہ اس کو دنیا میں دے دے گا حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اس کو اجر دیا جائے۔ (صحیح مسلم، صفات المنافقین: ۵۶، (۲۸۰۸) ۳۵۶)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کفر کی نیکیوں پر بھی اجر ملتا ہے:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں زمانہ جاہلیت میں چند امور بطور عبادت کرتا تھا کیا ان کا مجھ کو کچھ اجر ملے گا؟ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے پہلے جو نیکیاں کی تھیں تم نے ان کو سلامت رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۰، صحیح مسلم، الایمان: ۱۹۳ (۱۲۳) ۳۱۶)

اہم مسلم کی دوسری روایت (۳۵) میں ہے: وہ صدقہ کرتے تھے، غلام آزاد کرتے تھے اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کافر کفر پر ہی مرے اس کو اس کی نیکیوں کا آخرت میں اجر نہیں ملتا اور جو کافر اسلام لے آئے اس کو زمانہ کفر کی نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کافر مسلمان ہو جائے اور مسلمان ہو کر نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر بھلی نیکی کو بھی لکھ لیتا ہے اور اس کے ہر بھٹے گناہ کو مٹا دیتا ہے اور اسلام کے بعد جو نیکی کرے گا اس کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گا اور ایک گناہ کو ایک ہی لکھا جائے گا سو اس کے کہ اللہ اس کو معاف کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۷، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۰۴۳)

اس پر پھر یہ اعتراض ہے کہ بعض کافر کفر پر مرے اور ان کو نیکیوں کا پھر بھی اجر دیا گیا جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کا دفاع کرتا تھا اور آپ کی وجہ سے لوگوں پر غضب ناک ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۶۵۷۲، ۶۲۰۸، ۳۵۷۷، صحیح مسلم، الایمان: ۳۵۷ (۲۰۹) ۵۰۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس کافر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تعلق کی وجہ سے شفاعت فرمادیں اللہ تعالیٰ اس کے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے جیسا کہ ابو طالب کے معاملہ میں ہوا اور جو کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ محبت کا کوئی نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو بھی عہد میں نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ ثویبہ ابولسب کی لونڈی تھی۔ ابولسب نے اس کو آزاد کر دیا تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولسب مر گیا تو اس کے بعض رشتہ داروں نے اس کو بہت بڑے محل میں دیکھا۔ اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ابولسب نے کہا تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے کوئی خیر نہیں ملی البتہ مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۸) محدث رزین کی روایت میں کچھ اضافہ ہے، عروہ نے کہا: ثویبہ ابولسب کی باندی تھی، اس باندی نے جب ابولسب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے اس کو آزاد کر دیا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولسب کفر پر مرا تو (حضرت) عباس (ابن عبدالمطلب) نے اسلام لانے کے بعد اس کو خواب میں بڑی حالت میں دیکھا اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا: تمہارے بعد میں نے کسی بھلائی کو نہیں دیکھا سوا اس کے کہ مجھے اس انگلی سے ہریر کی رات پلایا جاتا ہے، کیونکہ میں نے ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے آزاد کیا تھا۔ (جمع الفوائد ص ۳۵-۳۳ رقم الحدیث: ۴۳۸۸)

ابو طالب اور ابولسب کے عذاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے ساتھ اظہارِ محبت کے نیک عمل کی وجہ سے تخفیف کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیثیں قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں جس میں کفار کے متعلق فرمایا ہے:

عَلَيْهِمْ وِثْرَتُهُمْ لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (البقرہ: ۲۶)

کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو سلسلہ دی جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے عذاب میں کثرت اور مدت کے اعتبار سے تخفیف نہیں کی جائے گی اور جو تخفیف کی گئی ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ بطریق عدل ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور جو تخفیف کی گئی ہے وہ بطریق فضل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس کافر نے زندہ کفر میں کوئی نیک عمل کیا ہو اور وہ پھر مسلمان ہو جائے یا وہ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی ہو یا اس نے آپ کی محبت میں کوئی نیک عمل کیا ہو تو اس کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے یا اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے، اور جو کافر کفر پر مرا ہوتا اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی ہو اور نہ اس نے آپ کی محبت میں کوئی نیک عمل کیا ہو، تو اس کی زندہ کفر کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَدْ كَفَرَ يَتْلُو آيَاتِ الْكِتَابِ وَأَعْلَمُ مَا يَكْفُرُ بِهَا وَلَكِنْ لَمْ يَأْمُرْ بِإِيمَانٍ لِّمَنْ كَفَرَ بِهِ وَأَعْلَمُ مَا يَكْفُرُ بِهِ (النحل: ۲۳)

ہم ان کے (نیک) کاموں کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں قہراً بکھرے ہوئے عباد کے بار یکذوے بنادیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا قَدْ كُفِرَ—أَوْ أَتَىٰ مَوْءِدًا فَكَذَّبَ بِآيَاتِهِ—أُولَٰئِكَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ (النحل: ۲۴)

جس نے کوئی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے لیے ہوئے نیک کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

(النحل: ۲۴)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور وہ صرف سستی اور کلاہی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر وہ لوگوں کے ساتھ ہوتے تو نماز پڑھ لیتے اور اگر اکیلے ہوتے تو نماز نہ پڑھتے، ایسا شخص نماز پڑھنے پر کسی اجر کی امید رکھتا ہے اور نہ نماز نہ پڑھنے سے اس کو کسی عذاب کا خوف ہوتا ہے، اور منافق عیلت کی اورائیگی میں کلاہی اور سستی پیدا کرتا ہے۔ اس آیت کی مکمل تفسیر النساء: ۱۳۲ میں بیان کی جا چکی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ کی راہ میں صرف ناخوشی سے خرچ کرتے تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ اور صدقات کو بڑمانہ سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ان کے مال اور اولاد سے آپ متعجب نہ ہوں، اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کے سبب سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں (التوبہ: ۵۵)

مال اور اولاد کا سبب عذاب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تحقیر کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو جو اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کی کثرت عطا کی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا فرمائے، دنیا کی زندگی میں ان پر جو مصائب آتے ہیں ان پر ان کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملتا اس لیے یہ مصائب ان کے لیے محض عذاب ہیں، اس کے علاوہ شریعت نے ان کو زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی اورائیگی کا بھی ملکہ کیا ہے جس کو وہ عذاب سمجھتے ہیں۔

جو شخص مال اور اولاد کی محبت میں جلا ہو وہ دن رات جائز اور ناجائز طریقہ سے مال اور دولت کو جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور جیسے جیسے اس کے دل میں مال اور اولاد کی محبت بڑھتی جاتی ہے وہ آخرت اور یا خدا سے غافل ہوتا جاتا ہے، جس شخص کے دل میں مال اور اولاد کی محبت نہ ہو بلکہ وہ دنیاوی امور سے بے رغبت اور بے پروا ہو اسے مرتے وقت اور دنیا سے جدا ہوتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی، لیکن جو شخص مال و دولت اور اولاد سے شدت کے ساتھ محبت کرتا ہو اس پر موت بہت بھاری اور دشوار ہوتی ہے۔ اس کا دل دنیا میں لگا ہوا ہوتا ہے اور اب وہ دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہے اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ بلخ سے نکل کر قید خانہ کی طرف جا رہا ہو اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی مجالس سے نکل کر تہائی اور غربت کی جگہ جا رہا ہو تو اس کا رنج و غم بہت بڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ قیہ کرتے ہیں کہ تم ان سے مشرکوں جیسا سلوک نہ کرو (التوبہ: ۵۷-۵۶)

دخول کی کوئی بھی جگہ تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں بڑھاتے ہوئے گھس جائیں (التوبہ: ۵۷-۵۶)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ منافقین دنیا اور آخرت کی زندگی میں نقصان اٹھانے والے ہیں اور ان کے لیے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے اور اس آیت سے پھر ان کے قبیح اوصاف اور بڑے کام بیان کرنے شروع فرمائے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی تمہارے دین اسلام پر ہیں اور حالانکہ وہ دین اسلام پر قائم نہیں ہیں، وہ صرف اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے پوشیدہ کفر کو ظاہر کر دیا تو ان کے ساتھ مشرکین جیسا سلوک ہو گا ان کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کا مال بطور مال غنیمت کے ضبط کر لیا جائے گا۔

دوسری آیت میں ملجاء سے مراد قلعے، نور مغارات سے مراد ہے پہاڑوں میں غار اور مدخل سے مراد ہے زمین

کے تمہ خانے۔۔۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ وہ جلد سے جلد مسلمانوں کی پہنچ اور ان کی گرفت سے نکلنا چاہتے ہیں، انہیں کوئی قلعہ مل جائے، یا کسی پہاڑ میں غار یا زمین کے نیچے کوئی تمہ خانہ تو وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے اس میں گھس جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو یہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں ○ (التوبہ: ۵۸)

لہذا کے معنی ہیں کسی کو طعنہ دینا اور اس کے منہ پر اس کی بُرائی بیان کرنا اور ہمسر کے معنی ہیں کسی کے پس پشت اس کی بُرائی بیان کرنا اور اس کی غیبت کرنا اور توسعاً ان کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین صدقات کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے تھے، بکثرت احادیث میں ان منافقین کا ذکر کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپسی پر حمرانہ میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آنحضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ملے بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے، ایک شخص نے کہا: اے محمد! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کرتا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاتا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں، یہ شخص اور اس کے اصحاب قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترتا اور یہ لوگ قرآن سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۴۲ (۲۳۳) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۳ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۲-۳۵۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ بنو حنیملہ سے ذوالخوسرہ نامی ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! عدل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاؤں گا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہنے دو، کیونکہ اس کے ایسے ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے، اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تم اپنے روزوں کو حقیر گردانو گے، یہ لوگ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا اور یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے اس طرح نکل جاتا ہے کہ تیر ابداز تیر کے پھل کو دیکھتا ہے اور اس میں خون کا اثر نہیں ہوتا پھر پھل کی جڑ کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی خون نہیں ہوتا پھر اس کے پر کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی کچھ نہیں ہوتا، حالانکہ تیر شکار کی بیٹ اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہو گا جس کا ایک شانہ عورت کے پستان کی طرح ہو گا یا

جیسے بتا ہوا گوشت کالو تھڑا ہو، یہ گروہ اس وقت ظاہر ہو گا جب لوگوں میں تفرقہ ہو گا۔ حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں اس وقت حضرت علی کے ساتھ تھا۔ حضرت علی نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ وہ مل گیا اور اس کو حضرت علی کے پاس لایا گیا اور میں نے اس شخص کو ان ہی صفات کے ساتھ پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۳۸ (۱۰۶۳) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶۹، سنن کبریٰ للنسائی رقم

الحدیث: ۸۰۸۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے کچھ سونا بھیجا جس میں کچھ مٹی بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم فرما دیا۔ اقرع بن حابس، حصصی، عیینہ بن بدر الغراری اور علقمہ بن علائہ العامری، پھر بنو کلاب کے ایک شخص کو اور زید الخیر الطائی کو، پھر بنو سبآن کے ایک شخص کو۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ قریش ناراض ہو گئے کہ حضور نجد کے سرداروں کو دسے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ میں ان لوگوں کی تالیف قلب کروں۔ پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی گھلی تھی، گل ابھرے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی اونچی تھی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اللہ سے ڈرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امن بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امن نہیں مانتے، پھر وہ شخص پشت پھیر کر چل دیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، راوی کا گمان ہے وہ حضرت خالد بن ولید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، اگر میں ان لوگوں کو (یعنی ان کا زمانہ) پالیتا تو قوم علوی کی طرح ان کو قتل کر دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۶۳، الزکوٰۃ: ۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۳، سنن النسائی رقم

الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳)

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا آپ نے اس کو سزا کیوں نہیں دی؟

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں: جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا آپ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں کیونکہ وہ شخص منافق تھا اور مسلمانوں کی وضع اختیار کر کے رہتا تھا آپ نے صبر کیا اور تحمل کیا اور دوسرے نو مسلموں کی تالیف کے لیے اس کو قتل نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر اور حلم اور موضع تہمت سے بچنے کا ثبوت ہے۔

(اکمال المعظم بنو اشد مسلم ج ۳ ص ۶۰۸، مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا آپ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اس پر ہم اس سے پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں، اس کے لیے مطالعہ فرمائیں: الاعراف: ۹۵، التوبہ: ۶۳، شرح

صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۰-۱۶۱

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اسی کی نسل سے خارجی پیدا ہوئے

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اس منافق کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابی ایہیم مالکی قرطبی المتوفی ۵۶۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبر دیتے تھے کیونکہ آپ نے جو پیش گوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خارجیوں کا ظہور ہوا جو کافروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے اور یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہت قوی دلیل ہے۔ ان کا امام وہ شخص تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظلم اور ناانصافی کی نسبت کی، اگر اس میں ادنیٰ بصیرت ہوتی تو وہ جان لیتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظلم اور بے انصافی کی نسبت کرنا اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح اللہ کی طرف ظلم اور بے انصافی کی نسبت جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے اور اس پر کسی کا حق نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے متعلق بے انصافی اور ظلم کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں تو جس طرح اللہ کے متعلق ظلم کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ظلم اور بے انصافی کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ کا ہر قول اور فعل وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ ان خارجیوں کی جہالت اور گمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کو کافر کہتے تھے جن کے صحت ایمان اور جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی تھی، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ (المعجم ج ۳ ص ۱۳)

خارجیوں کے ظہور کا سبب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین فرقے کے خلاف خروج کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۴۳ الزکوٰۃ: ۸۸) علامہ قرطبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان لوگوں نے اس وقت خروج کیا تھا جب مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے تھے: ایک فرقہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیتا تھا اور ایک فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیتا تھا اور ہر فرقہ دوسرے سے قتال کر رہا تھا اور اس گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ تھے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آپ ہی امام عادل تھے اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے بلکہ اس زمانہ میں ہر شخص سے افضل تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرقہ پر یہ صواب آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا سب سے بہتر فرقہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ان سے وہ جماعت قتل کرے گی جو مسلمانوں کی دو جماعتوں میں حق کے زیادہ قریب ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے ان سے قتل کیا لہذا ان ہی کا فرقہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں بہتر تھا۔ (المعجم ج ۳ ص ۱۷-۱۸)

خارجیوں کے متعلق اہلسنت کا نظریہ

نیز علامہ قرطبی خارجیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمارے ائمہ نے خارجیوں کو کافر قرار دیا ہے اور بعض ائمہ نے اس میں توقف کیا ہے، لیکن اس باب کی احادیث کی روشنی میں پہلا قول درست ہے، اس قول کی بنا پر ان سے قتل کیا جائے گا اور ان کے اموال کو ضبط کر لیا جائے گا اور دوسرے

قول کی بنا پر ان میں سے بھاگنے والوں کا پچھا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ ان کا مال لوٹا جائے گا اور یہ حکم اس وقت ہے جب یہ لوگ مسلمانوں کی مخالفت کریں اور ان کے اتھلی لاشی کو توڑیں اور بغاوت کا جھنڈا بلند کریں، لیکن ان میں سے جو شخص اپنی بدعت کو خفی رکھے، اور بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرے، اس کی اس بدعت کو رد کرنے اور اس کو راد راست پر لانے کی پوری کوشش کی جائے گی اور اس سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (المفہم ج ۳ ص ۸۰)

خارجیوں کی علامت

حضرت سل بن خنیف کی روایت میں ہے: یہ لوگ سر منڈایا کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۸، الزکوٰۃ: ۱۵۹) علامہ قرطبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ان لوگوں نے سر منڈانا اس لیے اختیار کیا کہ یہ ان کی دنیا سے بے رغبتی اور زہد کی علامت ہو جائے اور ان کی شناخت اور شعار بن جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق ارشاد ہے ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۶۳) یہ ان کی جہالت ہے کہ جس چیز میں زہد نہیں ہے یہ اس کو زہد شمار کرتے ہیں اور یہ اللہ کے دین میں بدعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا طریقہ اس کے خلاف تھا اور کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ اس نے سر منڈانے کو اپنی شناخت بنالیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تھے جن میں آپ مانگ نکالتے تھے، اور کبھی آپ کے بال کٹوں کی لو تک ہوتے اور کبھی اس سے زیادہ لمبے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس کے بال ہوں وہ ان کی نکریم کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۶۳) اور امام مالک کے نزدیک احرام سے باہر آنے کے سوا یا کسی ضروری حاجت کے سوا سر منڈانا مکروہ ہے۔

(المفہم ج ۳ ص ۱۲۲، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے اور کہتے کہ ہمیں اللہ کفٰی ہے، عنقریب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (توبہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا) O (التوبہ: ۵۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے جتنا ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اسی پر راضی ہو جاتے اور خواہ وہ مال کم ہوتا لیکن وہ اس پر خوش ہوتے اور یہ کہتے کہ ہمیں یہ مال کفٰی ہے، اور عنقریب ہمیں اللہ تعالیٰ کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو دوبارہ اس مرتبہ سے زیادہ عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فضل و کرم کی طرف رغبت کرتے ہیں تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا کی لذات کی وجہ سے دنیا کو طلب کرتا ہے یا دنیا برائے دنیا طلب کرتا ہے تو وہ نفاق کے خطرہ میں ہے اور جو شخص دنیا اس لیے طلب کرتا ہے کہ اس سے عبادت کی انجام دہی میں آسانی ہو، دین کی زیادہ اور موثر طریقہ سے تبلیغ کر سکے تو یہ مستحسن اور محمود ہے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جو کچھ عطا فرمائیں انہیں اس پر اور قضاء و قدر پر راضی رہنا چاہیے اور اپنی رضا کا زبان سے بھی اظہار کرنا چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ ہمیں اللہ کفٰی ہے اور عبادت میں اس کا مقصود صرف اللہ کی رضا ہونا چاہیے۔

عذاب کے خوف، ثواب کے شوق اور محض رضا الہی کے لیے عبادت کرنے کے تین مراتب امام رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک جماعت سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں اللہ کے ذکر پر کس نے پراگندہ کیا؟ انہوں نے کہا اللہ کے عذاب کے خوف نے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا: تمہاری نیت درست ہے، پھر ایک اور جماعت کے پاس سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی، ان سے پوچھا کہ تم کو اس ذکر پر کس نے ترغیب دی؟ انہوں نے کہا: حصولِ ثواب نے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری نیت صحیح ہے، پھر ایک تیسری قوم کے پاس سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی۔ آپ نے ان سے اس ذکر کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم عذاب کے خوف سے ذکر کر رہے ہیں نہ ثواب کے شوق میں ذکر کر رہے ہیں، ہم محض ذلتِ عبودیت کی وجہ سے اور عزتِ ربوبیت کی وجہ سے ذکر کر رہے ہیں اور اپنے دل کو اس کی معرفت سے مشرف کرنے کے لیے اور اپنی زبان کو اس کی صغیت قدسہ کے الفاظ سے مکرّم کرنے کے لیے اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ہی حقیقت میں حق رسیدہ ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس نکایت سے یہ مطلب نہیں اخذ کرنا چاہیے کہ انسان عذاب کے خوف اور ثواب کے شوق سے بالکل عبادت نہ کرے اور صرف اطمینانِ عبودیت اور حصولِ رضا کے لیے عبادت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور حدیث میں جو دوزخ کے عذاب کی شدت اور ہولناکی بیان کی ہے وہ عیث نہیں ہے اور قرآن اور حدیث میں جنت کی نعمتوں کا جو بکثرت ذکر فرمایا ہے وہ بھی بے قاعدہ نہیں ہے اور جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب عیبوں نے دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کی دعائیں کی ہیں، اس لیے انسان کو خدا کے سامنے بے پاک اور جری نہیں بننا چاہیے اور دوزخ کے خوف سے بھی عبادت اور دعا کرنی چاہیے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستغنی ہونا چاہیے اور جنت کی طلب کے لیے بھی عبادت کرنا چاہیے اور کبھی کبھی اس کے دل میں یہ کیفیت بھی ہونی چاہیے کہ ثواب اور عذاب سے قطع نظر کر کے وہ اللہ کی عبادت صرف اس لیے کرے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت میں نگار ہے خواہ اس کو مولیٰ کچھ دے یا نہ دے اور اس کا مسلح نظر صرف یہ ہونا چاہیے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی رہے، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کرنے کی نسبت

اس آیت کا ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دینے اور عطا کرنے کی نسبت درست ہے اور اس کو شرک کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی ترغیب دی ہے کہ یوں کہنا چاہیے کہ عنقریب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائیں گے اور اللہ اور رسول کے دینے میں فرق ہے، اللہ بلاذات عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی دی ہوئی طاقت، اس کے اذن اور اس کے حکم سے عطا فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کرنے کی نسبت کی گئی ہے:

وَمَا يَقُولُوا إِلَّا أَنْعَمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ عَلَيْهِ (التوبہ: ۷۴)

وَأَذِّنْ لِلْعَذَابِ أَتَعَمَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَاتَّقِ اللَّهَ (الاحزاب: ۳۷)

اور ان کو صرف یہ بات بڑی لگی کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا۔

إِنَّمَا الطَّيِّبَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ

زکوٰۃ کے معارف مرتبہ قرار اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیاتی

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ

پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور قرض لوگ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۖ

اور اللہ کی راہ میں اور مسافریں، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۶۰ وَمِنَهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ

اور اللہ بہت علم والا ہے و اللہ بہت حکمت والا ہے ۝ اور بعض منافقین نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں

وَيَقُولُونَ هُوَ أَذُنٌ ۖ قُلْ أَذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ

اور کہتے ہیں کہ وہ کان کے کچے ہیں، آپ کہیے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ

اور مؤمنین کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں،

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۶۱

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ

اسے (مسلمانوں) منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حقدار تھے

أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝۶۲ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ

کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن تھے ۝ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو

مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ

فِيهَا ۖ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝۶۳ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ

بیشہ تر ہے گا یہ بہت بڑی رسوائی ہے ۝ منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ

الْعَلَفَةُ

أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ط

مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو مسلمانوں کو منافقوں کے دل کی باتوں کی خبر دے دے گی

قُلْ اسْتَهِزُّوْا ۚ إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہیے تم مذاق اڑاتے رہو، بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرے گا جس سے تم ڈرتے ہو ○

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ط

اور اگر آپ ان سے (اللہ کے مذاق اڑانے کے متعلق) سوال کریں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ہم تو محض خوش طبعی اور دل کی کرتے تھے

قُلْ أَيْدِي اللَّهِ وَأَيْتُهُ ۚ وَمَا سَأَلْتُمُوهُ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿۶۵﴾

آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے ○

لَا تَعْتَدُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنَّ نَعْفَ عَنْ

اب مذر نہ پیش کرو، بے شک تم اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کر چکے ہو، اگر ہم تمہاری ایک جماعت کے

طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبُ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۶۶﴾

(اس کی توبہ کی وجہ سے) اور گندہ کریں تو بیشک ہم (دوسرے فریق کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے) وہ کفار مذاق اڑانے پر اصرار کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ، اور اللہ کی راہ میں اور مسافرن، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے اور اللہ بہت علم والا ہے حد حکمت والا ہے ○

(التوبہ: ۶۰)

آیات سابقہ کے ساتھ ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ منافقین زکوٰۃ اور صدقات کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کا بیان فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں تقسیم فرماتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات میں سے اپنے نفس کے لیے کوئی چیز نہیں رکھتے، اس لیے زکوٰۃ کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور اعتراض کا کوئی جواز نہیں ہے۔

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی، زکوٰۃ کا نصاب اور وجوب زکوٰۃ کی شرائط ہم البقرہ: ۲۳ میں بیان کر چکے ہیں اس مقام پر ہم زکوٰۃ کی حکمتیں، زکوٰۃ کی مصلحتیں اور زکوٰۃ کے فوائد بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض حکمتوں کا تعلق زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ ہے اور بعض حکمتوں کا تعلق زکوٰۃ لینے والے کے ساتھ ہے۔

زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

امام ابو حلد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے زکوٰۃ کے حسب ذیل اسرار اور فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱) انسان جب کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ قرآن مجید

میں ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ - (البقرة: ۱۷۵)

اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت

کرتے ہیں۔

یعنی مومن اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، تو مسلمانوں پر جہاد فرض کر کے ان کی جان سے زیادہ محبت کو آزمایا گیا اور زکوٰۃ کو فرض کر کے ان کی مال سے زیادہ اللہ سے محبت کو آزمایا گیا اور اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے والے مسلمانوں کے تین درجات ہیں:

(الف) وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں اور اپنے پاس ایک درہم اور ایک دینار بھی نہیں رکھتے اس لیے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ دو سو درہم پر کتنی زکوٰۃ ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عوام پر تو پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور ہم پر تمام مال کو خرچ کرنا واجب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دن افاق سے میرے پاس مال تھا، میں نے دل میں کہا اگر میں کسی دن حضرت ابو بکر پر سبقت کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے۔ میں اپنا آدھا مال لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا آپ نے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی مال ہے۔ حضرت عمر نے کہا پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام مال و متاع لے کر آئے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابو بکر نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، تب میں نے دل میں کہا میں حضرت ابو بکر پر کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۳، سنن نسائی ج ۴ ص ۹۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۲۲۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکمل صدق کے مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے پاس صرف اسی چیز کو رکھا جو انہیں سب سے زیادہ محبوب تھی اور وہ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ہیں۔

(ب) دو سرادرجہ اس پہلے درجہ والوں سے کم ہے، یہ اپنے پاس مال کو بچا کر رکھتے ہیں تاکہ ان کی ضروریات کے مواقع پر کام آئے اور جب نیک کاموں پر خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو وہ مال کو خرچ کر سکیں، پس وہ مال کو اس لیے جمع کر کے رکھتے ہیں تاکہ ضرورت کے مواقع پر خرچ کر سکیں نہ کہ عیش و عشرت پر خرچ کرنے کے لیے اور یہ ضرورت سے زائد مال کو نیکی کے راستوں پر خرچ کرتے ہیں، اور یہ لوگ صرف زکوٰۃ کی مقدار پر اقتصار نہیں کرتے، اور تابعین میں سے نفعی، شجعی، عطا اور مجاہد کا یہ نظریہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور حقوق بھی ہیں، ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں سے ہے:

وَأَنزَلْنَا الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَأَنزَلْنَا السَّبِيلَ

وَالسَّابِيلِ فِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَىٰ

الزَّكَاةَ - (البقرة: ۱۷۷)

اور مال سے (طبعی) محبت کے بلوجود (اللہ کی محبت میں) اپنا

مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال

کرنے والوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے دے، اور نماز قائم

کے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ - (النفاقون: ۱۰)

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ - (الانفال: ۳)

اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

(ج) اور تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو صرف مقدار واجب ادا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان پر جتنی زکوٰۃ فرض ہے وہ صرف اتنی ہی ادا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ اس سے کم اور یہ سب سے کم مرتبہ ہے اور تمام عام لوگوں کا یہی طریقہ ہے کیونکہ وہ مال کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ ان کی محنت کمزور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ يَسْئَلُكُمْ هَا فَبُحِمِكُمْ تَسْأَلُوا وَيُخْرِجْ أَصْعَابَكُمْ ۚ هَآئِنٌ مَّا تَدْعُونَ لِنُفِيقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلْ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهِ - (محمد: ۳۸-۳۷)

اگر اللہ تم سے تمہارا مال طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا ۚ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کا وہ سراقائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے:

وَمَنْ يُؤَقِّ شَيْئًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - (الحشر: ۹)

اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

نیز حدیث صحیح میں بھی بخل کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے تو تم عام لوگوں سے الگ ہو کر عزت نشین ہو جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۳)

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے کا تیسرا قائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کر کے انسان اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی، عبادتِ بدنیہ انجام دے کر وہ نعمتِ بدن کا شکر ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کر کے وہ نعمتِ مال کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ایک فقیر کو دیکھے جس پر رزق کی تنگی ہو اور وہ اس سے سوال کرنے کا محتاج ہو، پھر اس کے دل میں رحم نہ آئے اور وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہ کرے کہ اللہ نے اس کو سوال کرنے سے اور دوسرے کی طرف محتاج ہونے سے مستغنی کر دیا ہے اور وہ اس ضرورت مند فقیر کو زکوٰۃ، عشر اور صدقہ و خیرات دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۰۳-۲۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

(۴) جب انسان کے پاس مال اس کی ضروریات سے بہت زیادہ ہو گا تو وہ اس مال سے اپنے عیش و عشرت کے ذرائع اور وسائل مہیا کرے گا اور یوں اس کا دل دنیا کی رنگینیوں میں اور دنیا کی مرغوب چیزوں اور لذتوں میں لگا رہے گا اور آخرت کی

طرف بالکل متوجہ نہیں ہو گیا کم متوجہ ہو گا اور وہ سوچے گا کہ عبادات اور نیک کاموں اور زکوٰۃ عشر اور صدقہ و خیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہوگی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا۔

(۵) مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہو گا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگی اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہوگی اور اس کا دل اللہ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضا جوئی کی طرف متوجہ ہو گا۔
(۶) جب انسان زکوٰۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ و خیرات کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لیے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مال نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ - اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے تو وہ زمین میں (الرعد: ۲۷) یہ قرار رہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ سے اپنے اموال کی حفاظت کرو اور صدقات سے اپنے بیماروں کی دوا کرو اور مصائب کے لیے دعا کو تیار رکھو۔

(۱) المعجم الکبیر ج ۱۰ رقم الحدیث: ۹۰۷۶۶ طبع الادبیات ج ۲ ص ۴۴۳ ج ۳ ص ۱۹۳ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۷۶۶ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۳ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کا ایک راوی متروک الحدیث ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۳ حافظ سیوطی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے، الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحدیث: ۷۲۸ (۳)

(۷) مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے، لیکن جب انسان اس مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرے گا تو وہ نیکیاں باقی رہیں گی، دنیا میں ان کی تعریف کی جائے گی اور آخرت میں اجر ملے گا۔ ایک شخص نے کہا: کاش! میں اپنے تمام مال کو قبر میں لے جا سکتا! میں نے کہا: یہ ممکن ہے، تم اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں خرچ کرو تم کو یہ مال قبر میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔

(۸) مال داروں کے پاس بہت زیادہ مال ان کی ضروریات سے زائد ان کی تجویروں اور بیگوں میں سطل پڑا رہتا ہے اور فقراء اور ضرورت مندوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی مال نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ مال داروں کے زائد مال میں سے بقدر ضرورت زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔

(۹) اگر مال دار ضرورت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ ضرورت مند فقراء اپنی تنگی اور فقر سے تنگ آ کر بغاوت پر اتر آئیں اور چوریاں، ڈاکے اور لوٹ مار اور بھتہ خوری شروع کر دیں اور زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کے ذریعہ اس بغاوت کا سد باب ہو سکتا ہے۔

(۱۰) زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کر کے انسان اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے، ان کے لیے رزق فراہم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سے متعف ہوتا ہے اور انبیاء اور صالحین کے اخلاق سے متحقق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

(۱) مغیرہ بن عامر نے کہا: شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین کمل ایمان ہے۔

(۲) موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۳۰، مؤست الثقافہ بیروت ۱۴۱۳ھ، شعب الایمان ج ۴ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۴۴۳۸
زکوٰۃ دینے والا اپنے مال کے کم ہونے پر صبر کرتا ہے اور ضرورت مند فقیر زکوٰۃ کی صورت میں مل لے کر شکر ادا کرتا ہے

یا یوں کہا جائے کہ مال دار نے پہلے مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا پھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے جو مال میں کمی ہوئی اس پر صبر کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان مکمل ہو گیا اسی طرح حاجت مند فقیر نے پہلے مال نہ ہونے پر صبر کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔ نیز حضرت سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس نے صبر کیا اور اس کو نعمت دی گئی تو اس نے شکر ادا کیا اس پر قلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور اس نے خود قلم کیا تو اس پر استغفار کیا پوچھا گیا اس کے لیے کیا اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہی لوگ عذاب سے مامون ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۲) ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کو بہت مال دیا ہے اور فقیر کو مال نہیں دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے غنی کو اس بات کا ملکت کیا ہے کہ وہ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرے اور فقیر کا غنی پر احسان ہے کہ وہ اس سے زکوٰۃ قبول کر کے اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑاتا ہے، غنی کا فقیر کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے اس کی دنیا پر احسان ہے اور فقیر کا غنی کی آخرت پر احسان ہے اور اخروی احسان دنیاوی احسان سے زیادہ بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اس بات کا ملکت نہیں کیا کہ وہ غنی کے پاس جا کر اس سے زکوٰۃ مانگے، بلکہ غنی کو اس بات کا ملکت کیا ہے کہ وہ فقیر کے پاس جا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ فقیر اپنی دنیا میں غنی کا محتاج ہے تو غنی اپنی آخرت میں فقیر کا محتاج ہے۔

فقیر کا معنی

فقیر کا لفظ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) حاجت ضروریہ کا وجود مثلاً جن کو غذا، لباس اور مکان کی حاجت ہو اور اس معنی میں ہر شخص فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ - (فاطر: ۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو۔

(۲) جس شخص کے پاس مال جمع نہ ہو، فقہی اصطلاح میں جو شخص دو سو درہم (بلون اعشاریہ ۵ تولہ چاندی) کا مالک نہ ہو یا اس کے پاس اس کی حاجت اصلہ سے زائد دو سو درہم کے مساوی رقم نہ ہو اور وہ مستحق زکوٰۃ ہو، فقہاء احتاف کے نزدیک فقیر کا یہی معنی ہے اور سورہ توبہ: ۶۰ میں یہی معنی مراد ہے اسی طرح یہ آیت بھی ہے:

لِيُفْقَرَاَ الْيَدِیْنِ اُحْصُرُوا مِی سَبِيلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا مِی الْاَرْضِ بِحَسَبِہُمْ الْحَاحِلُ اَعْمٰیاء مِی التَّحْقِیْفِ - (یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے، بلا وقف حال ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو فنی سمجھتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۳)

(۳) نفس کا بہت زیادہ حرص ہو، اس حدیث میں فقرا اسی معنی میں ہے۔ یزید بن ابان رقمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ فقر (زیادہ حرص) کفر ہو جائے اور قریب ہے کہ حسد اقتدر پر غالب ہو جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳، طبع قدیم، ج ۳ ص ۷۸-۷۹، رقم: ۳۱۲۹، طبع جدید، تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۹۰، اصفاء للعتیل ج ۳ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۱۶۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۵۱، المحل المستاہیہ ج ۲ ص ۳۲۰) اور اس فقر کے مقابل غنی کا یہ معنی ہے: ”غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔“

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو، قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ رَبِّ ارْنِيْ لِمَا اَنْزَلْتَنِيْ مِنْ خَيْرٍ فَقَبِيْرٌ۔
 موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ (قصص: ۲۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے: اے اللہ! مجھے اپنی طرف محتاج کر کے (دنیا سے) مستثنیٰ کر دے اور اپنے آپ سے (یعنی اللہ سے) مستثنیٰ کر کے مجھے (دنیا کا) محتاج نہ کر۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۶-۴۹۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۸ھ)

مسکین کا معنی

مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور یہ فقیر کی بہ نسبت زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:
 اَمْثَالِ السَّيْفِ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنٍ۔
 رعی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔ (الکہف: ۷۹)

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کشتی چھن جانے کے بعد ان کو مسکین فرمایا ہے، دو سرا جواب یہ ہے کہ ان پر اس قدر زیادہ غربت اور مسکینی تھی کہ اس کے مقابلہ میں اس کشتی کا ہونا لائق شمار نہ تھا۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۳) اور علامہ طاہر بنی متونی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے کہ مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے پاس توڑی سی چیز ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا فرما۔ (سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۳۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۶۱ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۴ المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲) آپ نے اس سے تواضع کا ارادہ فرمایا اور یہ کہ آپ جبارین اور متکبرین میں سے نہ ہوں۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۹۶، مطبوعہ مکتبہ منور، ۱۳۱۵ھ)

فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ اور تحقیق مقام

حسن بھری نے کہا: فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مسکین وہ ہے جو سہی کرتا رہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مساکین گھومنے پھرنے والے ہیں اور فقراء، فقراء مسلمین ہیں۔ جابر بن زید نے کہا: فقراء وہ ہیں جو سوال نہیں کرتے اور مساکین وہ ہیں جو سوال کرتے ہیں۔ زہری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا: فقیر اپنا حق ہے اور مسکین وہ ہے جو تندرست اور محتاج ہو، اور عکرمہ نے کہا کہ فقراء کا اطلاق فقراء مسلمین پر ہوتا ہے اور مساکین کا اطلاق، اہل کتاب کے مساکین پر ہوتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری کا بخاری یہ ہے کہ جو سوال نہیں کرتے وہ فقراء ہیں اور جو سوال کرتے ہیں وہ مساکین ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۰۵-۲۰۴، مطبوعہ بیروت)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ نصابِ زکوٰۃ سے کم ہو، اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، اور امام شافعی کا قول اس کے برعکس ہے اور امام مالک کے نزدیک فقیر اور مسکین مساوی ہیں، اور امام احمد کا مذہب بھی امام شافعی کی مثل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۹۸-۹۶، حاشیہ القاضی ج ۴ ص ۵۸۶-۵۸۵، زاد المسیر ج ۳ ص ۳۵۶)

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مسکین کے متعلق قرآن مجید میں ہے: رعی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔ (الکہف: ۷۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کے پاس کچھ مال ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کشتی ان کی ملکیت نہیں تھی وہ اس کو کرائے پر چلاتے تھے یا انہوں نے اس کشتی کو عارضاً لیا ہوا تھا یا دراصل وہ فقیر تھے ان کو از رو ترحم

مجازاً مسکین فرمایا۔ امام شافعی کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے بحالت مسکین زندہ رکھ اور بحالت مسکین مجھے موت عطا فرما اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ دعائیں کی ہے؟ آپ نے فرمایا: مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ! مسکین کو زندہ کرو، خواہ کھجور کا ایک کلو اسی دو، اے عائشہ! مساکین سے جنت رکھو اور ان کو قریب رکھو، قیامت کے دن اللہ تمہیں قریب رکھے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۱، المستدرک ج ۲ ص ۳۲۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حال میں رہنے کی دعا کی ہے اور ایک اور حدیث میں آپ نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں فقر، قلت اور ذلت سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں ظلم کرنے یا ظلم سنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۷۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۸)

امام شافعی کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسکین مالی طور پر فقیر سے کم ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقر سے پناہ مانگیں اور مسکین ہونے کی دعا فرمائیں جو کہ فقیر سے زیادہ اہتر حال ہے اور یہ ناقض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی ہے اس حدیث میں فقر سے مراد قلت مال نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فقر النفس ہے یعنی وہ شخص جو مال پر بہت حسد ہو اور اس فقر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ سوال سے بچنے اور غناء کا سوال کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۲۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۲، الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۷۷۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸) اور اس حدیث میں غنی سے مراد کثرت مال نہیں ہے بلکہ اس سے غنی النفس مراد ہے یعنی نفس کا مستغنی ہونا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حال میں رہنے کی جو دعا کی ہے اس سے مراد آپ کی تواضع اور انکسار ہے۔ امام شافعی کی طرف سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ سورۃ توبہ کی اس آیت میں فقیر کو مسکین پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر کا حال مسکین سے زیادہ بُرا ہوتا ہے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہو۔ اس کا یہ جواب ہے کہ تقدم کے کئی اعتبار ہوتے ہیں اور یہاں تقدم ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے طور پر ہے، پہلے فقیر کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ مالیت ہوتی ہے، اس کے بعد مسکین کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اور مسکین کے اس معنی پر امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی ہے: مسکینا دامنہ (البلد: ۱۶) یعنی مسکین وہ شخص ہے جس نے بھوک کی شدت سے اپنا پیٹ زمین سے چمٹایا ہوا ہے۔

والعاملین علیہا کا معنی اور اس کے شرعی احکام

یعنی جو لوگ زکوٰۃ اور صدقت کو وصول کر کے لاتے ہیں ان کو ان کی محنت اور مشقت کے مطابق مال زکوٰۃ سے اجرت دی جائے لیکن یہ اجرت اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول کردہ تمام رقم یا اس کے نصف پر محیط ہو۔ (عنایت القاضی ج ۳ ص ۵۸) اگر عامل کو اس مہم کے دوران کوئی شخص ذاتی طور پر کچھ دے اور تحفہ دے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، وہ اس کو بھی وصول شدہ زکوٰۃ کی مد میں شامل کر دے۔

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن التیمیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے دیا گیا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے حتیٰ کہ تمہارے پاس ہدیہ آتے اگر تم سچے ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو کسی کام پر عامل بنانا ہوں جس کام کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے، پھر تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آکر کہتا ہے یہ حقہ تمہارے لیے ہے اور یہ حقہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، پس وہ شخص کیوں نہ اپنے باپ کے گھر میں یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا، مگر وہ سچا ہے، اللہ کی قسم! تم اس میں سے جو چیز بھی ناحق لو گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چیز کو اس کے اوپر لاد دے گا، سنو! میں اس شخص کو قیامت کے دن ضرور پہچان لوں گا، جس کے اوپر اللہ بلبلاتا ہو، اونٹ لاد دے گا اور جس کے اوپر ذکر آتی ہوئی گلے لاد دے گا یا میاں ہوئی بکری لاد دے گا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دیکھی، پھر آپ نے فرمایا: سنو! یہ میں نے پیغام پہنچا دیا ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۹)

حضرت عدی بن عمیر کنذی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جس شخص نے ہمارے لیے کوئی عمل کیا پھر اس میں سے کوئی چیز چھپالی خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کتر چیز تو وہ خیانت ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا تب ایک سیاہ قام انصاری اٹھا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اپنا عمل مجھ سے لے لیجئے، آپ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں نے آپ کو اس اس طرح فرماتے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے یہ کہا ہے کہ جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ لیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۳۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۵۸۱)

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوٰۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

ادائیگی زکوٰۃ کا جو تھا معروف مؤلفۃ القلوب ہیں یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ آزاد اور معزز لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں عطا فرمایا تھا، یہ پندرہ آدمی تھے: ابوسفیان، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، حوہب بن عبد العزیٰ، سل بن عمرو، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، الجثنی، ابواسطل، حکیم بن حزام، مالک بن عوف، صفوان بن امیہ، عبدالرحمن بن یزید، جد بن قیس، عمرو بن مرداس اور العلاء بن الحارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر شخص کو سواونٹ دیئے اور ان کو اسلام کی ترغیب دی، ماسوا عبدالرحمن بن یزید کے، اس کو آپ نے پچاس اونٹ دیئے اور حکیم بن حزام کو آپ نے ستر اونٹ دیئے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے خیال میں آپ کا عطاء کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں ہے تو آپ نے ان کو بھی سواونٹ پورے کر دیئے۔

مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار۔ مسلمانوں کو صدقات میں سے اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا ایمان قوی رہے، یا ان کے مماثل لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور کفار کو اسلام کی ترغیب دینے کے لیے یا ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کو زکوٰۃ اور صدقات سے دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو عطا فرمایا ہے

جب آپ نے ان کا اسلام کی طرف میلان دیکھا۔

علامہ واحدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے قلوب کی تالیف سے مستغنی کر دیا ہے، اگر مسلمانوں کا سربراہ یہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور ان کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ان کو مال غنیمت سے عطا کرے، زکوٰۃ سے نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف، مصارف زکوٰۃ سے اب ساقط ہو چکا ہے اور یہی شعبی کا قول ہے۔ امام مالک، ثوری، امام ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، اور حسن بصری سے یہ مروی ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ زہری، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو ثور کا یہی مذہب ہے اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲۶-۱۲۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی بیضاوی شافعی نے کہا: مؤلفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کرنے میں ان کی نیت ضعیف تھی، تو ان کے قلوب کو اسلام پر قائم اور برقرار رکھنے کے لیے ان کو عطا کیا جاتا ہے، یا ایسے معزز لوگ کہ اگر ان کو عطا کیا جائے تو ان کو دیکھ کر ان جیسے دوسرے معزز لوگ اسلام لے آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید بن حمین، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس کو اسی وجہ سے عطا فرمایا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ معزز لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے عطا کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عطا کرتے تھے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خمس کے اس پانچویں حصہ سے عطا فرماتے تھے جو خالص آپ کا حصہ تھا اور کفار اور مہین زکوٰۃ سے قتال کرنے کی طرف مائل کرنے کے لیے جن کو عطا کیا جائے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو اس لیے دیا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد میں کثرت ہو اور اب جبکہ اللہ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی ہے تو ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الرافعی الحنفی المتوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں:

مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب ساقط ہو چکا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور ان سے مستغنی کر دیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۳-۴ مطبوعہ مکتبہ شرکت علیہ لبنان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رد کر دیا تھا۔ عبید اور اقرع نے حضرت ابو بکر سے ایک زمین کو طلب کیا کہ حضرت ابو بکر نے ان کو خط لکھ دیا۔ حضرت عمر نے اس خط کو پھاڑ دیا اور کہا یہ وہ چیز ہے جو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا کرتے تھے، تاکہ تم کو اسلام پر راغب کریں لیکن اب اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا کر دیا ہے اور تم سے مستغنی کر دیا ہے، اب اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہے ہو تو فہمادرنہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ پھر وہ حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا: خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابو بکر کی رائے حضرت عمر کے موافق ہو گئی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی رائے برحق نہ ہوتی تو صحابہ اس پر ضرور انکار کرتے اور یقیناً ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوگی جس سے ان کو علم ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمت سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا تھا یا یہ حکم آپ کی حیات کے ساتھ مقید تھا یا یہ حکم کسی علت کے

ساتھ مغل تھا اور اب وہ علت نہیں تھی، اور حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی:
 وَقِيلَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ
 وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔ (۱) (کلمہ: ۲۵)

آپ کیسے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے ہے سو جو
 چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمود باہرہ حنفی متونی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاء الدین عبدالعزیز نے کہا: ان کی تائید قلوب سے مقصود دین کا اعزاز اور غلبہ تھا، کیونکہ غلبہ کفر کے زمانہ میں
 اسلام کمزور تھا اس وقت تائید قلوب کے لیے عطا کرنے میں دین کا اعزاز تھا اور جب حال بدل گیا اور اللہ نے اسلام کو غلبہ
 عطا فرمادیا تو اب دین کا اعزاز ان کو نہ دینے میں ہے اور اصل مقصود دین کا اعزاز ہے، وہ اپنے حال پر باقی ہے اور منسوخ نہیں
 ہوا، اس کی مثل یہ ہے کہ جب پانی نہ ہو تو طہارت کے حصول کے لیے مٹی سے تنہم کرنا ضروری ہے، اور جب حال بدل جائے
 اور پانی مل جائے تو اب مٹی سے تنہم کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا اور پانی کا استعمال کرنا ضروری ہو گا کیونکہ اب طہارت کے
 حصول کے لیے پانی کا استعمال کرنا متعین ہے، اسی طرح دین کا اعزاز پہلے بتوفیق القلوب کو دینے میں تھا اب نہ دینے میں ہے
 اور اصل حکم دین کا اعزاز ہے، وہ منسوخ نہیں ہوا۔ (الغایۃ ج ۲ ص ۲۶۶-۲۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ میں حصہ

جس غلام کے متعلق اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ اگر اس نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیئے تو یہ آزاد ہے، اس غلام کو
 مکاتب کہتے ہیں اور اس کی آزادی میں تعاون کرنے کے لیے زکوٰۃ میں سے اس کو حصہ دینا مشروع کیا گیا ہے۔
 حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے
 رہے تھے۔ اس نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا اے امیر! لوگوں کو میرے لیے برا بھلا کہتے ہیں۔ تو حضرت ابو موسیٰ نے مسلمانوں کو
 برا بھلا کہہ کر لوگوں نے اس کو پکڑے اور انگوٹھیاں دیں، حتیٰ کہ بہت مل جمع ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ نے اس مال کو جمع کر کے
 فروخت کیا اور اس کی مکاتب ادا کر دی اور باقی مال بھی غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا، اور لوگوں کو یہ رقم واپس نہیں
 کی، اور یہ کہا کہ لوگوں نے یہ رقم غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دی ہے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو حنفہ عمر بن علی اللہ شافعی الحلی المتونی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں:

الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانے) کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد مکاتب ہیں تاکہ ان کو زکوٰۃ کے مال سے
 آزاد کرایا جائے، (۲) امام مالک وغیرہ نے یہ کہا کہ مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرایا جائے، (۳) امام ابو حنیفہ اور ان کے
 اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مال زکوٰۃ سے کچھ رقم غلام کے لیے دی جائے اور اس
 سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے میں مدد کی جائے، کیونکہ وہی الرقاب فرمانے کا قصدا یہ ہے کہ اس کا مال زکوٰۃ میں کچھ دخل
 ہونا چاہیے اور یہ اس کے منافی ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد کیا جائے۔

غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم
 خرچ کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتب کی اجازت سے زکوٰۃ میں اس کا حصہ اس کے مالک کو دے دیا

جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار مصارف کا ذکر لام تئیک کے ساتھ کیا ہے اور جب رقباب کا ذکر کیا تو لام کے بجائے "فی" کا ذکر کیا اور فرمایا و فی الرقباب اور اس فرق کا کوئی فائدہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ ان کو دے کر ان حصص کا مالک بنادیا جائے اور باقی مصارف میں زکوٰۃ میں ان کا حصہ ان کے مصلح اور ان کی بہتری اور ان کے فوائد میں خرچ کیا جائے اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے۔

زعفری نے کہا ہے کہ آخری چار مصارف میں لام کے بجائے "فی" کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بتاتا ہے کہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف سے صدقہ اور زکوٰۃ دیئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ "فی" ظرفیت کے لیے آتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ وہ صدقات کا طرف اور محل ہیں اور فی سبیل اللہ و ابن السبیل میں جو "فی" کا تکرار کیا ہے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ان دو مصروفوں کو یعنی فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو پہلے دو مصروفوں پر زیادہ ترجیح ہے اور غلام آزاد کرانے اور مقروض کا قرض ادا کرنے کی بہ نسبت بل زکوٰۃ کو اللہ کے راستہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنا زیادہ رائج ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

پہلے چار مصارف کے ساتھ لام اور آخری چار مصارف کے ساتھ "فی" ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کر کے ان کو ان حصص کا مالک بنادیا جائے اور آخری چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ میں سے ان کے حصہ کا مالک نہیں بنایا جائے بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور ان کے مصلح میں خرچ کیا جائے گا مکتب کامل اس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کامل (اس کے حصہ کی زکوٰۃ) اس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے، اور مسافر بھی اللہ کے راستے میں داخل ہے، اس کو علیحدہ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ اس کی خصوصیت پر تنبیہ ہو۔

(مناہج القاضی ج ۳ ص ۵۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ پہلے چار مصارف میں لام اور آخری چار مصارف میں "فی" کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ دے کر ان کو مالک بنادیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوٰۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا اسی طرح مجاہدین کی زکوٰۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا اور اسی طرح مسافروں کی ضرورت کی چیزوں میں ان کا حصہ خرچ کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیئے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کو ان کے حصص نہیں دیئے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸۷-۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

مفسرین حنبلیہ میں سے علامہ عمر بن علی الدمشقی حنبلی نے اور مفسرین شافعیہ میں سے امام رازی کے علاوہ علامہ خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے پہلے چار مصارف میں تئیک ضروری ہے اور آخری چار مصارف میں تئیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصلح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۵۳) اور مفسرین احناف میں سے علامہ خفاجی کے علاوہ علامہ محی الدین شیخ زادہ حنفی متوفی ۹۵۱ھ اور علامہ ابوالسعود محمد بن عماد حنفی متوفی ۹۸۲ھ اور علامہ آلوسی حنفی

متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۴ ص ۷۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۹ھ، تفسیر ابو السعود ج ۳ ص ۹۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۹ھ، تفسیر روح المعانی ج ۱۰ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح البیان ج ۵ ص ۳۲۲)

جن مفسرین نے ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس پر غور کیا کہ پہلی چار اصناف کے لیے اللہ تعالیٰ نے لام کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور باقی چار اصناف کے لیے ”فی“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، انہوں نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ پہلی چار قسموں میں سے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اس کو اس مال زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور دوسری چار قسموں کے شروع میں چونکہ لام تملیک نہیں ہے بلکہ ”فی“ کا ذکر ہے اس لیے ان میں ان کو مال زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ ضعیفی، شافعی اور حنفی مفسرین کی تصریحات اس مسئلہ میں گزر چکی ہیں اور فقہاء مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غلام کو زکوٰۃ کا حصہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حصہ سے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہوگی، (الی قول) اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی جائے یا نہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ رقبہ (غلام) کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور رہا مکاتب تو وہ غارمین (مقروضوں) کے کلمہ میں داخل ہے کیونکہ اس کے اوپر مکاتب کا قرض ہوتا ہے اس لیے وہ رقاب میں داخل نہیں ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۰۹)

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تملیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

ہر چند کہ علامہ غفرلہ حنفی، علامہ ابو سعید حنفی، علامہ شیخ زادہ حنفی اور علامہ آلوسی حنفی نے یہ تصریح کی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالک بنانے کا تعلق اصناف زکوٰۃ میں سے صرف پہلی چار اصناف کے ساتھ ہے اور باقی چار اقسام میں تملیک نہیں کی جائے گی بلکہ مال زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے گا لیکن جمہور فقہاء احناف تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا رکن قرار دیتے ہیں اور یہ زکوٰۃ کی تمام اصناف کے لیے رکن ہے۔

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جز کو اللہ کی طرف نکالا جائے اور اس کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور فقیر کو مالک بنا کر اس کے سپرد وہ مال کر کے مالک کا قبضہ اس جز سے منقطع ہو جائے، یا فقیر کے نائب کے سپرد کر دے جو زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے اور ملک فقیر کے لیے اللہ کی طرف سے ثابت ہوگی اور صاحب مال فقیر کو مالک بنانے اور اس کے سپرد کرنے میں اللہ کی طرف سے نائب ہوگا۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ۔ (التوبة: ۱۰۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فقیر کی ہتھیلی پر آنے سے پہلے صدقہ رخص کے ہاتھ میں آتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اتوا الزکوٰۃ۔ (البقرہ: ۴۳) زکوٰۃ دو، اور الایتناء (دینا) تملیک ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے، انما الصدقات للفقراء۔ (التوبة: ۶۰) اور تصدق کا معنی تملیک ہے، پس نصاب کا مالک زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ کی طرف نکالنے والا ہوتا ہے۔

ہم نے یہ کہا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ سپرد کرتے وقت اس سے زکوٰۃ کی نسبت منقطع ہو جائے گی اور یہ خالص اللہ کے لیے ہو جائے گی، اور اللہ کی طرف زکوٰۃ نکالنے کا معنی عبودیت اس وقت بنے گا جب فقیر کو مالک بنا کر وہ اس سے اپنی ملک کو باطل کر دے، بلکہ حقیقت میں مالک اللہ بنا آتا ہے اور صاحب مال تو اللہ کی طرف سے ثابت ہے۔

اس قاعدہ کے مطابق مساجد، سرائے اور پانی کی سہیلیں بنانے، پلوں کی مرمت کرنے، مردوں کو دفن کرنے اور دیگر نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان میں تملیک (کسی کو مالک بنانا) بالکل نہیں پائی جاتی (کیونکہ یہ چیزیں وقف ہوتی ہیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا) اسی طرح اگر کسی شخص نے مال زکوٰۃ سے طعام خرید اور فقراء کو صبح اور شام کھانا کھلایا اور ان کو بینہ طعام نہیں دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہوئی، اور اگر اس نے مال زکوٰۃ سے کسی زندہ فقیر کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بھی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا اور اگر فقیر کے حکم سے اس کا قرض ادا کیا گیا ہے تو جائز ہے کیونکہ اب فقیر کے لیے تملیک پائی گئی گویا کہ فقیر نے مال زکوٰۃ پر قبضہ کیا اور اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنادیا، اسی طرح اگر کسی شخص نے مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اور قرآن مجید میں جو ہے: **وَفِي الرِّفَاقِ**۔ (التوبہ: ۶۰) ان کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے، اور ہمارے نزدیک تملیک واجب ہے اور آزاد کرنا ملک کو زائل کرنا ہے اور ہمارے نزدیک **وَفِي الرِّفَاقِ** کا معنی یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکاتبن کی امداد کی جائے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۵۷-۳۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بلین ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مال زکوٰۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ میت کو کفن دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور وہ رکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو مال کا مالک بنادیا جائے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

تملیک کی رکنیت کے دلائل کا تجزیہ

علامہ کاسانی نے تملیک پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَاتُوا الزَّكَاةَ** اور **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی ہے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا، ہم اب کتب لغت میں **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی دیکھتے ہیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں: **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز عطا کرنا۔ (قاموس ج ۲ ص ۳۳۰) علامہ راجب اصغری متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے: **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی ہے: **الْإِعْطَاءُ**۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰) علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ کشف میں ہے: **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی **الْإِعْطَاءُ** میں مشہور ہو گیا۔ اس کا اصل معنی ہے کسی چیز کو حاضر کرنا۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۸، مطبوعہ المطبعۃ المہذبہ مصر ۱۳۰۶ھ) کتب لغت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ **الْإِبْتِئَاءُ** کا معنی تملیک ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہاں اس کا معنی مالک بنانا مشہور نہیں ہو سکتا۔

(نوح نے) کہلا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت دی ہو سو وہ تم پر ظنی کر دی گئی۔

بموجب وہ حائل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی

قَالَ يَقُوهُ آرَءَيْتُمْ كُنتُ عَلَىٰ يَسْقُوتٍ رَبِّي
وَالْيَسِي رَحْمَةً مِنِّي عَشِيهِ فَعُوَّتْ عَلَيَّ كُتُبِي

(ہود: ۲۸)

فَلَمَّا أَتَيْنَا دَعَا إِلَهُ رَبَّهُمَا لَوْ أَنَّنَا

صَالِحًا لِّسُكُونٍ مِّنَ الشَّكْرِ مِّنَ
اگر تو نے ہمیں نیک بنادیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہو جائیں گے۔
(الاعراف: ۱۸۹)

فَمِمَّا أَنۡهَیۡہُمَا صَالِحًا۔ (الاعراف: ۱۹۰)
فَآتَتْ كُلَّہُمَا ضَعْفَیۡنِ۔ (البقرہ: ۳۶۵)
اُنۡوِیۡ رُؤۡسَہُمَا حَبِیۡدَیۡنِ۔ (الکحد: ۹۶)
پس اللہ نے جب انہیں بہترین بچہ دیا۔
تو اس بلخ نے دگنا پھل دیا۔
مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاکر دو۔

اس لفظ کے تمام صیغوں اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کے اطلاقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ الایتناء کا معنی حاضر کرنا اور کسی چیز کو دینا اور ہینا کرنا ہے اور اس کے مفہوم میں تنیک داخل نہیں ہے۔

علامہ کاسانی اور علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ صدقہ کا معنی تنیک ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: صدقہ وہ چیز ہے جس کو تم اللہ عزوجل کی ذات کے لیے دو۔ (قاموس ج ۳ ص ۳۶۸) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ صحاح میں مذکور ہے: جس چیز کو تم فقراء پر صدقہ کرو اور مفردات میں مذکور ہے: جس چیز کو انسان اپنے مال سے بطور عبادت نکالتا ہے جیسے زکوٰۃ، لیکن صدقہ اصل میں نقلی خیرات کو کہتے ہیں اور زکوٰۃ خیرات واجبہ کو۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۵) تاج العروس ج ۶ ص ۴۰۵ ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ صدقہ کے لغوی معنی میں تنیک کا مفہوم داخل نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تنیک کارکن نہ ہونا

ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں تنیک کا ذکر نہیں کیا ان کے نزدیک تنیک زکوٰۃ کارکن ہے نہ شرط۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البوری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

کسی مخصوص چیز کو مخصوص مال سے اوصاف مخصوصہ کے ساتھ جماعت مخصوصہ کے لیے لینا شرعاً زکوٰۃ ہے۔

(الحادی الکبیر ج ۴ ص ۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الرزقانی المالکی المتوفی ۵۲۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ پر، صدقہ مستحبہ پر، نفقہ پر، غنہ پر اور حق پر کیا جاتا ہے اور اس کی شرعی تعریف یہ ہے: سال گزرنے کے بعد نصاب کے ایک جز کو فقیر اور اس کی مثل کو دینا وہ فقیر غیر ہاشمی اور غیر مطلبی ہو، اس کارکن اخطام ہے، اس کا سبب ایک سال تک نصاب کا مالک ہونا ہے، اس کی شرط عقل، بلوغ اور حریت ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں واجب ساقط ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور اس کی حکمت مال کو میل پچیل سے پاک کرنا ہے۔

(شرح الرزقانی علی الموطا امام مالک ج ۴ ص ۱۳۵-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۴ھ نے بھی ابن عربی مالکی کی اس تعریف کو ذکر کر کے لکھا ہے۔ یہ بہت عمدہ تعریف ہے لیکن وجوب کی شرط میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۱ھ)

علامہ منصور بن یونس ہوتی متوفی ۴۳۶ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ یہ وہ حق ہے جو مال مخصوص میں جماعت مخصوصہ (فقراء وغیرہ) کے لیے وقت مخصوص میں واجب ہے یعنی نصاب پر سال گزرنے کے بعد، اور مال مخصوص سے مراد مویشی، سوہ، چاندی (درہم، دینار) اور مال تجارت ہے۔ (کشاف القناع ج ۲ ص ۵۰-۵۱، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آخری چار مصارف میں تملیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ

فقہاء احناف نے تملیک کے ثبوت میں جو دلیل دی ہے کہ اتنا اور صدقہ کرنے کا معنی فقیر کو مالک بنانا ہے وہ کتب لغت اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ میں تملیک کو رکن یا شرط قرار نہیں دیا، البتہ سورہ توبہ کی اس آیت میں مذہب اربعہ کے مفسرین نے المفقراء والمساکین والعاملین علیہا والحوالۃ قلوبہم میں لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور وفی الرفاہ والعمرین وفی سبیل اللہ واسن السبیل میں لام کی جگہ "فی" لانے کی وجہ ان مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غلام آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کی رقم کو ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، خصوصاً حنفی مفسرین میں سے علامہ خفائی، علامہ شیخ زادہ، علامہ ابو سعید اور علامہ آلوسی کا یہی مختار ہے، سو اگر ہمارے علماء احناف اس نظریہ سے اتفاق کریں تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ دینی مدارس، مساجد، ہسپتالوں اور دیگر فلاحی کاموں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکے گی اور حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمارے اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ میں مقروضوں کا حق

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے سینما ہاؤس، وڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لیے قرض لیا ہو یا مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لیے قرض لیا ہو مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں مروجہ رسومات بڑے پیمانہ پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے، البتہ علامہ نووی شافعی نے "الردۃ" میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، مقروض خواہ غنی ہو لیکن اگر اس کے پاس قرض اتارنے کے لیے رقم نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر ہانچ کے لیے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو، یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو، یا جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی غنی ہو اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے۔ (یہ روایت مرسل ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر اس غنی کے لیے جو اللہ کی راہ میں ہو، یا مسافر ہو، یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸۳۷، فردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۶۳۶، مسند احمد ج ۳ ص ۵۶، المستدرک ج ۱ ص ۴۰۷۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں)

زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حق

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے اور ان کے لیے اسلحہ، گھوڑے اور کھانے پینے کی

چیزیں خریدی جائیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک جو مسلمان حج کے لیے جائیں وہ بھی اللہ کی راہ میں ہیں اور ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکل ہے کہ اگر مجاہد یا حاجی کے پاس اس کے وطن میں نصاب کے برابر مال ہے اور سفر میں نہیں ہے تو وہ مسافر میں داخل ہے اور اگر سفر اور محرومیتوں میں وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو پھر وہ فقیر میں داخل ہے تو پھر فی سبیل اللہ ایک مستقل اور الگ معارف نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے وطن میں مال دار ہے لیکن جب وہ جہاد کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اس کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے برخلاف مسافر کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غازی اور مجاہد کو اسی وقت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب وہ محتاج ہو، باقی ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

امام محمد بن محمد بن عمر رازی حنفی ص ۶۶۶ لکھتے ہیں:

فی سبیل اللہ کے الفاظ صرف غازیوں اور مجاہدین میں منحصر نہیں ہیں، اسی وجہ سے قتل نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کو نیکی کے تمام راستوں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، مثلاً مردوں کو کفن دیا جائے، قلعے بنائے جائیں اور مساجد بنائی جائیں۔ ان تمام امور میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال اور اسباب نہ ہوں اور اس کو مدد کی ضرورت ہو، اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

علامہ سید محمود اکوی حنفی حنفی ص ۷۰ لکھتے ہیں:

مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو، وہ زکوٰۃ قبول کرنے کے بجائے قرض مانگ لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ ”فتح القدیر“ میں مذکور ہے کہ مسافر کے لیے اپنی ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور مسافر کے ساتھ ہر وہ شخص لاحق ہے جس کے پاس مال نہ ہو خواہ اس کے شرم میں اس کے پاس مال ہو، اور ”محیط“ میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کی رقوم لوگوں کے پاس قرض ہوں اور وہ ان سے قرض وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح اس حال میں فقیر ہے، اور ”فتاویٰ“ میں اس کی تفصیل ہے، اس میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کا لوگوں پر میٹھی قرض ہو اور وہ کھلنے پینے میں محتاج ہو تو اس کے لیے قرض وصول ہونے کی مدت تک زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے اور اگر قرض غیر میٹھی ہو لیکن مقروض تنگ دست ہو تب بھی اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر ہو تو پھر اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، اور اگر گواہ عادل نہیں ہیں پھر بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں الا یہ کہ مقروض قاضی کے سامنے حلف اٹھالے کہ اس نے اس تاجر کا قرض نہیں دیا پھر وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے، اس مسئلہ میں قرض کی رقم نصاب سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کسی ایک صنف کے ایک فرد پر زکوٰۃ تقسیم کرنے کا جواز

مشہور یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک لام تیلیک کے لیے ہے اور یہی ان کے مذہب کا مقتضی ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب یہ تمام اصناف موجود ہوں تو ان تمام اصناف پر زکوٰۃ کو تقسیم کرنا واجب ہے اور چونکہ اس آیت میں ہر صنف کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے ہر صنف کے تین افراد پر تقسیم کرنا واجب ہے اور ہمارے اوزار مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ

جائز ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ہر صنف پر زکوٰۃ تقسیم کرے یا کسی ایک صنف پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صنف کے تین افراد پر زکوٰۃ کو تقسیم کرے، وہ کسی ایک فرد کو بھی پوری زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سب کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَنْ تَحْفَظُوهَا وَتُؤْنُوْهَا الْعُقَرَاءُ فَهَوْاْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم صدقات خفیہ طریقہ سے دے دو اور وہ صدقات فقراء کو

دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اس آیت میں فقراء کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے اور فقراء ایک صنف ہیں، اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کامل آیا تو آپ نے صرف ایک صنف میں دیا اور وہ مؤلفات القلوب تھے، پھر دوسری مرتبہ مل آیا تو آپ نے صرف مقروضوں کو دیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ صرف ایک صنف پر اقتصار کرنا جائز ہے اور اس آیت میں جمع کے صیغوں پر الف لام جنس کا ہے، کیونکہ حمد اور استغراق کا الف لام محصور نہیں ہے، اور جنس صدقہ کو کسی صنف کی جنس پر خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے، اس لیے کسی صنف کے ایک فرد پر بھی زکوٰۃ کی پوری رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۵۵-۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۹۵ زاد المسیر ج ۳ ص ۴۵۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض منافقین نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کلاں کے کچے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانین کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النبوة: ۶۶)

منافقین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”کلن“ کہنا اور اس پر اللہ کا رد کرنا

اس آیت میں مذکور ہے کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حعلق کہتے ہیں کہ وہ اذن (کلن) ہیں، عربی میں اذن (کلن) اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر اس بات کو سنے جو اس سے کہی جائے اور اس کی تصدیق کرے جیسا کہ جاسوس کو وہ ہیں (آنکھ) کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز کو بطور دیکھتا ہے، گویا کہ وہ سرپا آنکھ ہے، اسی طرح جو ہر بات کو سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے گویا کہ وہ سرپا کلن ہے۔

علامہ خلیفی حنفی حنفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منافقین کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حعلق نامناسب باتیں کہیں، پھر انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہماری باتیں ان تک پہنچ جائیں گی تب جلاس بن سید نے کہا ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر اگر ان تک یہ باتیں پہنچ گئیں تو ہم قسم کھالیں گے اور وہ ہماری بات قبول کر لیں گے کیونکہ وہ تو سرپا کلن ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق ہے تو ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی کے بیٹے نے کہا بخدا! وہ برحق ہیں اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تب ان میں سے ایک شخص نے کہا بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کلن ہیں اگر تم ان کے لیے حلق اٹھا لو تو وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے۔

(عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: آپ کہیے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں، لیکن وہ اس طرح نہیں سنتے جس طرح تم ان کے سننے کا بطور مذمت ذکر کرتے ہو، بلکہ وہ نیکی کی بات سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں، آپ کے نزدیک جس بات پر دلائل قائم ہوں آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں، مومنین کی باتوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں کیونکہ آپ کو ان کے خلوص کا علم ہے، اس میں یہ تعریض ہے کہ منافقین بڑے کلن ہیں، وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں لاتے، اور مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کو قبول نہیں کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں ازراہ شفقت سنتے ہیں لیکن ان کو قبول نہیں کرتے۔ منافقین میں سے جو ایمان کا اظہار کرتا ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس کا پردہ فاش نہیں کرتے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ وہ تمہارے حال سے بلا اقلیت کی بنا پر تمہارے قول کو قبول نہیں کرتے بلکہ تم پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تمہاری باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے خیر اور رحمت ہیں اور وہ بہت خبیث اور گمراہ ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا بدلہ بڑائی سے دیا۔ آپ نے بطور شفقت ان کی بات سنی اور انہوں نے کہا کہ یہ کانوں کے کچے ہیں، اس لیے وہ عذاب شدید کے مستحق ہو گئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا درحقیقت اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حق دار تھے کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن تھے ○ (التوبہ: ۳۳)

شانِ نزول اور اللہ اور رسول کے لیے ضمیر واحد لانے کی توجیہ

اس آیت میں منافقین کی ایک اور بڑائی بیان فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ جمہونی قسمیں کھاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت پہلی آیت سے مربوط ہے، پہلی آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نامناسب باتیں کہیں، اور جب انہیں یہ خوف ہوا کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں گی تو جلاس بن سوید نے کہا: ہم قسم کھالیں گے کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں اور وہ تو کلن ہیں، وہ ہماری قسمیں قبول کر لیں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں..... دو سرا قول یہ ہے کہ منافقین کی ایک جماعت غزوہ تبوک میں نہیں گئی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ آ گئے تو انہوں نے اپنے نہ جانے پر جموٹے بہانے تراشے اور اس پر جمہونی قسمیں کھائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے جمہونی قسمیں کھاتے ہیں۔

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے: اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اس کو راضی کر سکتے اور برصوہ میں واحد کی ضمیر ہے اور چونکہ پہلے اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر ہے اس لیے یہ ظاہر مشیہ کی ضمیر ہونی چاہیے تھی جس کا معنی ہوتا کہ وہ ان کو راضی کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ واحد کی ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بہت بڑی رسوائی ہے ○ (التوبہ: ۳۳)

اس آیت میں بھی منافقین کی بڑائیوں کا بیان ہے کہ واضح دلائل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ظاہر ہو چکا ہے، وہ کتنے عرصے سے آیات اور معجزات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے باوجود منافقین اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں۔

منافقین اگرچہ اللہ کو مانتے تھے اور اپنے گمان میں وہ اللہ کی مخالفت نہیں کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا ہی درحقیقت اللہ کی مخالفت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو مسلمانوں کو منافقوں کے دل کی باتوں کی خبر دے دے گی، آپ کہیے تم مذاق اڑاتے رہو بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو (التوبہ: ۶۴)

اس آیت کے شان نزول میں تین قول ہیں:

(۱) منافقین آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی بیان کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ عنقریب اللہ ہماری باتوں سے ان کو مطلع کر دے گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ایک منافق نے کلمہ میں یہ چاہتا ہوں کہ خواہ مجھے سو کوڑے مار دیئے جائیں لیکن ہمارے متعلق کوئی ایسی چیز نہ نازل ہو جس سے ہماری رسوائی ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ابن کیسان نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آرہے تھے تو اندھیری رات میں منافقین کی ایک جماعت راستہ میں کھڑی ہو گئی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر آپ کو خبر دے دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۳۳، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۴۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم عطا کیا جاتا

امام ابو محمد الحسن بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ستر منافقین کا نام بیان ذکر کیا اور ان کے آباء کا نام بھی ذکر کیا، پھر ان کے ناموں کا ذکر مٹا دیا تاکہ ہوشیین پر رحم ہو، اور بعض مسلمان دوسرے مسلمانوں کو عار نہ دلائیں کیونکہ ان کی اولاد مومن تھی۔

ابن کیسان نے کہا: یہ آیت بارہ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی جو ایک گھاٹی کے اوپر کھڑے ہوئے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے لوٹیں تو وہ آپ پر حملہ کریں، ان کے ساتھ ایک مسلمان بھی تھا جس نے اپنا حال ان سے چھپایا ہوا تھا وہ اندھیری رات میں بھیجیں بدل کر کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے منصوبہ کی خبر دی، اور یہ کہا کہ آپ ان کے پاس ان لوگوں کو بھیجیں جو ان کی سوار یوں پر ضرب لگائیں۔ حضرت عمار بن یاسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے آگے تھے اور حضرت حذیفہ پیچھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی سوار یوں کے اوپر ضرب لاؤ۔ حضرت حذیفہ نے ان کی سوار یوں کو مار کر بھاگ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا: تم نے ان کو پہچانا؟ حضرت حذیفہ نے کہا: میں ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں اور فلاں تھے حتیٰ کہ ان سب کے نام بتا دیئے۔ حضرت حذیفہ نے پوچھا: آپ ان کے پیچھے کسی شخص کو بھیج کر ان کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ آپ نے فرمایا: میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ جب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب فتح یاب ہوتے ہیں تو وہ ان کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ ہمارا بدلہ اللہ ان سے لے گا۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۶۶۱، بیروت، ۱۳۱۳ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۲۲، مطبوعہ بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام خوالد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بارہ منافقین اپنے خفاق پر جمع ہوئے، حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خفاق کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اس اس بات پر جمع ہوئے ہیں، وہ کھڑے ہو کر اعتراف کریں اور اپنے رب سے استغفار کریں حتیٰ کہ میں ان کی شفاعت کروں۔ جب وہ کھڑے نہیں ہوئے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں کھڑے ہو، اے فلاں کھڑے ہو، حتیٰ کہ آپ ان سب کے پاس گئے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہم اعتراف کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اب کہہ رہے ہو حالانکہ میں پہلے تمہاری شفاعت کرنے والا تھا اور اللہ قبول فرمائیگا میرے پاس سے نکل جاؤ۔ پھر ان سب کو نکال دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے کہ کہیں اللہ ان کے احوال کی آپ کو وحی سے خبر نہ کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ کافر تھے لیکن ان کو بارہا تجربہ ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل کی باتوں کی وحی کے ذریعہ سے خبر دی، سو وہ اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر ڈرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ آپ سچے نبی ہیں لیکن وہ حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کا کفر کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو آپ کی نبوت کی صحت کے متعلق شک تھا اور شک کرنے والا ڈرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کے متعلق) سوال کریں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے۔ آپ کہیں کہ کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟ اب غور نہ پیش کرنا کہ بے شک تم اپنے ایمان کے اعہاد کے بعد کفر کر چکے ہو، اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے (اس کی توبہ کی وجہ سے) درگزر کر لیں تو بے شک ہم دوسرے فریق کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے (وہ کفر اور مذاق اڑانے پر اصرار کرتے تھے) (النوبہ: ۲۱-۲۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کا لفظ کہنا کفر ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہیں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والے منافقین کے متعلق امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ نے حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غزوہ تبوک کی ایک مجلس میں ایک شخص نے مکہ ہمارے قرآن پڑھنے والے جتنے پیٹ کے حریص ہیں اور جتنی باتوں میں جھوٹے ہیں اور مقابلہ کے وقت جتنے بزدل ہیں، انہیں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس مجلس میں دوسرے شخص نے مکہ تم نے جھوٹ بولا اور تم منافق ہو، میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچاؤں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی اور قرآن نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا اور پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: یا رسول اللہ! ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔

قلوہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں جا رہے تھے اور آپ کے آگے کچھ منافق تھے۔ ان میں سے کسی نے مکہ اس شخص کو یہ امید ہے کہ یہ شام کے محلات اور قلعے فتح کرنے کا حالانکہ یہ بہت بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے مطلع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان

سواروں کو روکو، پھر آپ نے پوچھا: تم نے اس طرح کہا تھا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم تو محض خوش طبعی اور دل گلی کرتے تھے۔

پھر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ایک منافق نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ حدیث سناتے ہیں کہ قلوب محض کی اونٹنی، فلاں وادی میں، فلاں فلاں دن ہے، یہ غیب کو کیا جانیں!

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۲۱-۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں: منافقین نے یہ کلمات کفریہ سنجیدگی سے کہے تھے یا مذاق سے اور جس طرح بھی انہوں نے یہ کلمات کہے ہوں یہ کفر ہے کیونکہ اس میں امر کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مذاق سے کلمہ کفریہ کہنا بھی کفر ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو وہ کفر ہے اور اس کا قائل واجب القتل ہے خواہ اس نے توہین کی نیت کی ہو یا نہیں، کیونکہ منافقین نے کہا: ہم نے توہین کی نیت سے ایسا نہیں کہا تھا، مذاق سے کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب بھانپنے نہ بناؤ تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کر چکے ہو۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: یہ تین آدمی تھے، دو نے مذاق اڑایا اور ایک ان کی بات پر ہنسنا تھا۔ جو آدمی ہنسنا تھا وہ صدق دل سے تادم اور تائب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ اس نے دعا کی تھی کہ اللہ اس کو شہادت عطا فرمائے اور اس کی قبر کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گیا اور مذاق اڑانے والے کفر اور غفلت پر قائم رہے اور مستحق عذاب ہوئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ

منافق مرد اور منافق عورتیں (نفاق میں) سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، برائی کا

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ

حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں

كُسُوا اللّٰهَ فَتَنِيَهُمْ ۖ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۷۲﴾

انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا بے شک منافقین ہی فاسق ہیں ○

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتُ الْكُفَّارَاتِ نَارُ جَهَنَّمَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار کو دوزخ کی آگ کی امید سنائی ہے

خٰلِدِينَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے

مُقِيمٌ ۶۸ ۷۱ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

والمی عذاب ہے ○ اسے منقرا تمہاں لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے تھے، وہ تم سے زیادہ قوت والے تھے،

وَأَكْثَرًا مَوَالِدًا ۷۲ فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

اور تم سے زیادہ مال دار اور اولاد والے تھے، سو انہوں نے اپنے حق سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی

بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ

اپنے حق سے فائدہ حاصل کر لیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حق سے فائدہ حاصل کیا تھا

وَحُضُّتُمْ كَالَّذِي عَاضُوا ۷۳ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي

اور تم بھی فضول کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے، ان لوگوں کے اعمال دنیا اور

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۷۴ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۷۵ ۷۶ ۷۷ أَلَمْ يَأْتِهِمُ

آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ کیا ان لوگوں کے پاس

بِأَآلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمٌ نُوحٍ ۷۸ وَعَادٌ ۷۹ وَثَمُودٌ ۸۰ وَقَوْمُ

ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں ہے، نوح کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی، اور ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ ۸۱ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۸۲ وَالْمُؤْتَفِكَةَ ۸۳ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کی قوم کی اور اصحاب مدین کی اور ان کی، جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا، ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنَاتِ ۸۴ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

معجزات سے کر آئے تھے، سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر

يُظْلِمُونَ ۸۵ ۸۶ ۸۷ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

ظلم کرتے تھے ○ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے کارساز ہیں،

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ

وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز

دفع لازم

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ط

تقام کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں،

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۴۱ وَعَدَا

ان ہی لوگوں پر مغرب اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بہت خلد والا ہے حکمت والا ہے ۝۴۱ اللہ نے

اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ط

دیا جیتے ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا وعدہ فرمایا ہے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۴۲

اور اللہ کی رضا (ان سب سے) بڑی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۝۴۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافق مرد اور منافق عورتیں (خلق میں) سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، برائی کا حکم دیتے

ہیں اور نیک سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی ان کو بھلادیا، بے شک

منافقین ہی فاسق ہیں ۝ (التوبہ: ۶۷)

اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا معنی

اس آیت سے اللہ تعالیٰ منافقین کی ایک اور قسم کی خرابیاں بیان فرما رہا ہے اور اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ

ان کی عورتیں بھی ان کے مردوں کی طرح خلق کی خرابیوں میں ملوث ہیں، نیز فرمایا ہے کہ منافق برائی کا حکم دیتے ہیں یعنی وہ

لوگوں کو کفر کرنے اور معصیت کا حکم دیتے ہیں، اس سے مراد ہر قسم کی برائی اور معصیت ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ عیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب کا حکم دیتے ہیں اور ہر قسم کے نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور خصوصاً عیدنا محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے سے منع کرتے ہیں اور فرمایا وہ اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں یعنی ہر خیر سے اپنے ہاتھ بند

رکھتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ صدقات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، اور اس سے یہ

بھی مراد ہے کہ وہ ہر اس نیک کام کو نہیں کرتے جو فرض یا واجب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف فرض یا واجب کے ترک پر

ملامت فرماتا ہے، اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ جہلوں میں شریک نہیں ہوتے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اللہ کو بھلا دیا اس پر اعتراض ہے کہ بھول پر تو مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ اس پر

ملامت کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کا فسق فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھلانے کا لازمی معنی مراد ہے

اور وہ ہے اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنا اور ان کو اسی وجہ سے فاسق فرمایا ہے، پھر فرمایا ہے سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا، اس

پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھولنا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی بھلانے سے اس کا لازمی معنی مراد ہے یعنی ان پر لطف و کرم نہ فرمانا اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار کو دنیا کی آگ کی وحید سنائی ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ ان کے لیے کلن ہے اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے (التوبہ: ۶۸) عذاب مقیم کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے جرائم بیان فرمائے تھے کہ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور اس آیت میں ان جرائم کی سزا بیان فرمائی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے بالکل دور کر دیا، پھر فرمایا ان کے لیے عذاب مقیم ہے، اس پر اعتراض ہے کہ عذاب مقیم کا معنی ہے دائمی عذاب اور اس کا ذکر تو حال ہی میں فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ان کو دوزخ کی آگ کا دائمی عذاب ہو گا اور عذاب مقیم سے مراد کسی اور قسم کا عذاب ہے جو ان کو دائمی ہو گا دو سزا جواب یہ ہے کہ عذاب مقیم سے مراد ان کا دنیاوی عذاب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو اپنے نفاق کی وجہ سے ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق سے مطلع کر دے گا اور ان کو ہر وقت اپنی رسوائی کا خطرہ رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے منافقو! تم) ان لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے تھے، وہ تم سے زیادہ قوت والے تھے، اور تم سے زیادہ مالدار اور اولاد والے تھے، سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا تو تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کر لیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی فضول کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے، ان لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں (التوبہ: ۷۶)

منافقین کی پہلے زمانہ کے کافروں کے ساتھ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو ان کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ان سے پہلے زمانہ میں تھے۔ وہ بھی برائی کا حکم دیتے تھے اور نیکی سے منع کرتے تھے، اور خیرات کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ کافر ان منافقین سے زیادہ قوت والے تھے اور ان سے زیادہ مال اور اولاد والے تھے، پھر انہوں نے اس فنی زندگی سے چند روز فائدہ اٹھایا اور پھر آخر دائمی عذاب کی طرف لوٹ گئے، اور تم جبکہ ان کی بہ نسبت کمزور ہو اور تمہارے پاس دنیاوی اچھائیاں بھی ان کی بہ نسبت کم ہیں تو تمہارا دائمی عذاب کی طرف لوٹنا زیادہ لائق ہے۔

دوسری وجہ تشبیہ یہ ہے کہ منافقین نے دنیاوی عیش و آرام اور لذتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کیا تھا جس طرح ان سے پہلے زمانہ کے کافروں نے دنیاوی لذتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مال اور اولاد کی کثرت اور قوت کو بیان کر کے فرمایا انہوں نے اپنے حصے کی دنیاوی بھلائی سے فائدہ اٹھایا اسی طرح اے منافقو! اب تم بھی اپنے حصے کی دنیاوی لذتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے، یعنی ان کی، کی ہوئی نیکیاں ان کے مرنے کے بعد باطل ہو گئیں کیونکہ مرنے کے بعد کافر کو اس کی نیکیوں پر کوئی اجر نہیں ملے گا پھر فرمایا: سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں،

کیونکہ ان منافقوں اور کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور رسل عظام کا رد کرنے میں اپنے آپ کو سخت مشقت میں ڈالا لیکن اس کے عوض میں انہوں نے دنیا اور آخرت کی نیکیوں کے ضائع ہونے کے سوا اور کچھ نہیں پایا، اور دنیا اور آخرت میں جو عذاب ان کو ملا وہ اس پر مستزاد ہے۔ اس مثل سے مقصود یہ ہے کہ ان سے پہلے کے کافروں کو اعمال ضائع ہونے اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا جبکہ وہ کافران منافقوں سے زیادہ طاقت ور تھے اور ان کے اموال اور اولاد بھی بہت زیادہ تھی، تو یہ منافقین اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت کے فوائد سے محروم ہوں اور دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی نوح کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم کی اور اسماعیل مدین کی اور (ان کی) جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا، ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (التوبہ: ۷۰) سابقہ قوموں کے عذاب سے منافقوں کو نصیحت فرمانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی اور پہلے لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر فرمایا ہے: (۱) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، ان کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق کر دیا تھا (۲) قوم عاد، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہولناک آندھی کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا (۳) قوم ثمود، ان کو اللہ تعالیٰ نے گرج اور کڑک کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم، اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین کر ان کو ہلاک کر دیا تھا اور نمرود کے دماغ میں ایک گھبر مسلط کر دیا تھا (۵) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، اور یہ اصحاب مدین تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدین بن ابراہیم کی اولاد تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے یوم الظلۃ کے عذاب سے ہلاک کر دیا، الظلۃ کے معنی ہیں سائبان، ان کے پاس سائبان کی طرح ابر آیا اور اس میں سے آگ برسی اور زمین میں زلزلہ آیا جس سے سخت ہولناک آواز آئی اور پوری قوم بھاگ ہو گئی۔ (۶) المؤمنکات، یہ مؤمنکات کی جمع ہے اور لغت میں الاکلاف کا معنی ہے انقلاب، اس سے مراد ہے قوم لوط۔ ان کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے پلٹ دیا تھا زمین کا نچلا حصہ اوپر، اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان چھ قوموں کا ذکر فرمایا، کیونکہ عرب والوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ وہ لوگوں سے بھی ان کے متعلق خبریں سنتے رہتے تھے، کیونکہ جن علاقوں سے متعلق یہ خبریں تھیں وہ ان کے آس پاس تھے، مثلاً شام اور عراق وغیرہ اور وہ ان علاقوں کے سفر میں ان کے آثار کا مشاہدہ کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر جو عذاب نازل فرمایا وہ اللہ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے ناجائز افعال کی وجہ سے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے حد تکذیب کرنے کی وجہ سے اس عذاب کے مستحق ہو چکے تھے، اس وجہ سے انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے کار ساز ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان ہی لوگوں پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا بے شک اللہ بہت غلبہ والا ہے حد حکمت والا ہے (التوبہ: ۷۱)

منافقوں اور مومنوں میں تفریق

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات قبیحہ، ان کے عقائد فاسدہ اور ان کے اعمال خبیثہ بیان فرمائے تھے، اور اب اس کے بعد کی آیات میں ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات حسنہ، ان کے عقائد صحیحہ اور ان کے اعمال صالحہ بیان فرما رہا ہے، نیز پہلے منافقوں کے بد اعمال بیان فرما کر ان کی سزا کا بیان فرمایا تھا اور اب مومنوں کے نیک اعمال بیان فرما کر ان کی جزاء کا ذکر فرمائے گا۔

پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور اب اس آیت میں فرما رہا ہے کہ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے کار ساز ہیں، منافق ہوائے نفس کی بناء پر ایک دوسرے کی تقلید کرتے تھے اور مومنوں کو جو ایک دوسرے کی موافقت حاصل ہوئی وہ اندھی تقلید کی بناء پر نہیں تھی بلکہ وہ سب حق کی تلاش کے لیے استدلال کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو توفیق اور ہدایت عطا فرماتا تھا منافق برائی کا حکم دیتے تھے اور نیکی سے منع کرتے، نمازوں میں سستی کرتے تھے اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے میں اپنے ہاتھ بندھے رکھتے اور مومن نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات خوش دلی اور فراخ دستی سے ادا کرتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ مومنین کی جزاء کا ذکر فرماتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے) اور اللہ کی رضا (ان سب سے) بڑی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے (التوبہ: ۷۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ان جنتوں (بلعات) کا ذکر فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور ان دائمی جنتوں کا ذکر فرمایا ہے جو مومنوں کی دائمی پاکیزہ رہائش گاہیں ہیں، ہو سکتا ہے کہ پہلی قسم کی جنتیں مسلمانوں کی میرو تفریح اور احباب سے ملاقات کے لیے ہوں اور دوسری قسم کی جنتیں مسلمانوں کی رہائش کے لیے ہوں۔

دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں اور جنت کی نعمتیں

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسکس طیبہ فی حسانت عدد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ موتیوں کا ایک محل ہے، اس میں سرخ یا قوت کی ستر خویلیاں ہیں، ہر خویلی میں سبز زمرہ کے ستر گھر ہیں، ہر گھر میں ستر تخت ہیں، ہر تخت پر ہر رنگ کے ستر بستریں ہیں، ہر بستری پر بڑی آنکھوں والی ایک گوری بیوی ہے، ہر گھر میں ستر دس ترخوان ہیں، ہر دس ترخوان پر ستر قسم کے کھانے ہیں، ہر گھر میں ستر خدمت گار ہیں اور مومن کو ہر صبح اتنی قوت دی جائے گی کہ وہ ان تمام چیزوں کو صرف کر سکے۔

(جامع البیان ج ۱۰، ص ۲۲۹، تفسیر امام بن ابی حاتم ج ۶، ص ۱۸۳۰)

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے، لوگوں کے اور ان کے رب کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اللہ کے چہرہ پر جنت عدن میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸، ۴۸۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۰۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸، سنن ابن ماجہ رقم

(الحديث: ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لیے جنت میں کھوکھلے موتیوں کا ایک خیمہ ہے جس کا طول ساٹھ میل ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۸۳۸ صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۸۸۸ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۲۸ سنن الدارمی رقم

(الحديث: ۲۸۳۳)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت میں سو درجے ہیں: ہر دو درجوں میں زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے اور فردوس ان میں سب سے بلند درجہ ہے اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۳۰ سنن نسائی رقم الحديث: ۳۳۴۴ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۴۳۳۳ المستدرک ج ۳ ص ۸۰

مسند احمد رقم الحديث: ۲۲۵۹۳ ۲۲۵۹۲ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ حافظ شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہو گا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی، پھر جو ان کے قریب ہوں گے ان کی صورت چمک دار ستارے کی طرح ہوگی، وہ پیشاب اور پاخانہ نہیں کریں گے، تو کیس گے نہ ان کی ناک نکلے گی، ان کی سونے کی کنکھی ہوگی اور ان کا ہینہ مشک کی طرح ہوگا ان کی انگلیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی خوریں ہوں گی، ان سب کی تخلیق ایک شخص کی طرح ہوگی، وہ سب اپنے باپ (حضرت) آدم کی صورت پر ہوں گے، جن کا تہ آسمان میں ساٹھ گز کے برابر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۳۲۷ صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۲۵۵ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۳۳ سنن ابن ماجہ رقم

الحديث: ۳۳۳۳ سنن الدارمی رقم الحديث: ۲۸۲۳ شرح السنہ ج ۴۵ ص ۲۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جنتی شخص کو کھانے پینے، جمع اور شہوت میں سو آدمیوں کی طاقت ہوگی۔ ایک یہودی نے یہ سن کر کہا جو شخص کھائے گا اور پئے گا اس کو قضاء حاجت بھی ہوگی، آپ نے فرمایا: اس کے جسم سے ہینہ نکلے گا جس سے اس کا جسم سکر جائے گا۔

(سنن دارمی رقم الحديث: ۲۸۲۵ مسند احمد رقم الحديث: ۱۹۲۱۰ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ)

امام ترمذی نے حضرت انس سے اس باب کی حدیث کو روایت کیا ہے، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۳۶ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ مسند احمد رقم الحديث: ۲۴۱۰ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جس کے اسی ہزار غلام ہوں گے اور اس کی بہتر ۱۷۲ بیویاں ہوں گی اور اس کے لیے موتی، زمرد اور یاقوت کا اتنا بڑا گنبد بنایا جائے گا جتنی جابہ اور صنعاء میں مسافت ہے۔ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۵۷۳)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: جنت میں سب سے کم درجہ کس شخص کا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ایک شخص ہوگا جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت میں جائے گا اس سے کہا جائے گا جنت میں چلے جاؤ۔ وہ شخص کے گاہے میرے رب میں جنت میں کہاں جاؤں، جنت کے عملات اور منصب پر تو لوگوں نے پہلے ہی قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے کہا

جائے گا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کو جنت میں اتنا علاقہ مل جائے جتنا دنیا میں کسی پادشاہ کے ملک کا علاقہ ہوتا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ یہ علاقہ لے لو اور اس کا پانچ گنا علاقہ اور لے لو اور اس کے علاوہ وہ چیز بھی لے لو جو تمہارے دل کو پسند آئے اور تمہاری آنکھوں کو اچھی لگے۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اور جن لوگوں کا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہو گا وہ کون ہو گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ مردہ ہے جس کو میں نے پسند کر لیا اور ان کی عزت و کرامت پر میں نے مرگاری، ان کو وہ نعمتیں ملیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں اس کا تصور آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان نعمتوں کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ (السجدة: ۷۱)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھیں کھنڈی کرنے کے لیے کیا کیا نعمتیں چھپائی ہوئی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۸، مسند احمد ج ۳، ص ۹۵، ۱۸۸)

اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا سب سے بڑی نعمت ہونا

اللہ تعالیٰ نے جنات اور مساکن طیبہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: لبیک اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے، تو نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا۔ وہ عرض کریں گے: اس سے افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضا طحال کر دی ہے، میں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸، صحیح مسلم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۳)

اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، بندہ کو جب یہ علم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے تو اس کو ہر نعمت سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جیسا کہ اس کو جسمانی آرام اور آسائش حاصل ہو لیکن اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مولیٰ اس سے ناراض ہے تو تمام عیش اور آرام مکدر ہو جاتا ہے اور اس کو پھولوں کی بیج بھی کانٹوں کی طرح جھپتی ہے اور جب اس کو اپنے مولیٰ اور محبوب کی رضا کا علم ہو تو جسمانی تکالیف اور بھوک و پیاس کا بھی احساس نہیں ہو تا چنانکہ جسمانی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مالک اور مولیٰ اور محبوب بھی اس سے راضی ہے تو اس کی خوشی اور راحت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حسن بھری نے کہا: اللہ کی رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ زبخری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے، اس میں مقربین کے درجات کی طرف اشارہ ہے ہر چند کہ تمام جنتی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں، ہر فلان اور سعادت کا سبب اللہ کی رضا ہے۔

(البحر المحیط ص ۵۶۳-۵۶۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت حاصل ہوگی جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے

چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں (فجر اور عصر کی نمازوں) سے عاجز نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (ن: ۳۹)

طلوع شمس سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے
اور غروب سے پہلے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱)

حضرت صیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: تم کوئی اور چیز چاہتے ہو جو میں تم کو عطا فرماؤں! وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی! آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ تجلب مشکف کر دے گا اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۹۳، ۹۸۹۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اپنے علم غیب سے اور مخلوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب میرے لیے وفات بہتر ہو، اے اللہ! میں تجھ سے غیب میں (جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو) اور شہادت میں (لوگوں کے سامنے) تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں، اور میں رضا اور غضب میں کلمہ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں، اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے ختم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں، پور زائل نہ ہونے والی آنکھوں کی نصیحت کا سوال کرتا ہوں، اور تنذیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد نصیحتی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہو، اے اللہ! ہمیں ایمان کی نعمت کے ساتھ مزین کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنادے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیدار کرنے اور اس کی ملاقات کے شوق کے حصول کی دعا کی ہے۔ ابویزید نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ جنت میں اپنے چہرے کو تجلب میں کرے تو وہ جنت میں اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں فریاد کرتے ہیں۔

بعض حکایات میں ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ معروف کرخی کے متعلق کہا گیا کہ یہ معروف کرخی ہیں، جب یہ دنیا سے گئے تو اللہ کی طرف مشتاق تھے تو اللہ عزوجل نے اپنا دیدار ان کے لیے مباح کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو لوگ مجھ سے روگردانی کیے ہوئے ہیں کاش وہ جانتے کہ مجھ کو ان کا کتنا انتقام ہے اور ان کے لیے کیسی نری ہے اور ان کے گناہ ترک کرنے کا مجھ کو کتنا شوق ہے تو وہ میرے اشتیاق میں مرجلتے اور میری محبت میں ان کی رگیں کٹ جاتیں، اے داؤد! یہ تو مجھ سے روگردانی کرنے والوں کے لیے میرا

ارادہ ہے تو جو میری طرف بڑھنے والے ہیں ان کے حلق میرا ارادہ کیسا ہو گا!

استاذ ابو علی الدقاق یہ کہتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام روئے حتیٰ کہ ٹاپتا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی جینلی ٹوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ ٹاپتا ہو گئے، اللہ عزوجل نے پھر ان کی جینلی ٹوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ ٹاپتا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اگر تمہارا یہ رونا جنت کے لیے ہے تو میں تمہارے لیے جنت مہلج کر دیتا ہوں، اور اگر تمہارا یہ رونا دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں تمہیں دوزخ سے پناہ دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ میں تجھ سے ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی: اسی وجہ سے میں نے اپنے نبی اور اپنے کلیم کو دس سال تمہاری خدمت میں رکھا۔ اور کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی طرف مشتاق ہو اس کی طرف ہر چیز مشتاق ہوتی ہے، اور حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین غنموں کی مشتاق ہے: علی، عمار اور سلمان۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۳ تاریخ دمشق ج ۵، ص ۲۵۹)

(رسالہ قشیریہ ص ۳۶۱-۳۵۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

جنت کی تخفیف نہ کی جائے

سورۃ توبہ کی اس آیت کریمہ: ۷۲ اور نہ کورہ العدر احادیث اور اقوال صوفیہ کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے اور یہ بالکل برحق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کوئی معمولی نعمت ہے اور جنت کی تخفیف کی جائے یا العیاذ باللہ جنت کی تخفیر کی جائے، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بہت زیادہ جنت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین کی ہے کہ ہم عذاب نار سے پناہ مانگیں اور جنت الفردوس کے حصول کی دعا کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار بھی ہمیں جنت میں ہی حاصل ہو گا اس لیے بھی جنت مقصود ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی قیام گاہ بھی جنت ہے اور محبوب کا دیار اور اس کا گھر بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے بھی جنت ہمیں مطلوب اور محبوب ہونی چاہیے۔ اے اللہ! ہمیں دوزخ کے اور ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں اپنا دیدار عطا فرما! بے شک تیری رضا اور تیرا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے سو ہم سے وہ کام کرا جن سے تُو راضی ہو! اور ان کاموں سے بچا جن سے تُو ناراض ہو۔ آمین یا رب العلمین بحرمۃ سبک سبیلنا محمد خاتم النبیین، قائد المرسلین شعیب الحدیبی وعلی الہ الطاہرین واصحابہ الراشدین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر المؤمنین والمسلمین اجمعین۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے،

وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَيْسُ الْمَصِيرِ ۝ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا

ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۝ وہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ

قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ

انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ یہ شک انہوں نے کلمہ کفر یہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے

وَهُمُ ابْنَاءُ لَمْرِيئَاتٍ وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ أَعْنِيَهُمُ اللَّهُ

اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ

وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ

اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے معنی کر دیا، پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر

يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا لَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دَرَجَةٍ وَلَا نَصِيرٌ ۝۴۳

اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا ○ اور ان میں سے

عَمَدًا اللَّهُ لَكُمْ اثْنَا مِئَاتٍ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ

بعض (مناقصین) وہ بی جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور

مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۴۴ فَلَمَّا أَتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ

ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا

وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝۴۵ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ

اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی، درآں حالیکہ وہ اعراض کولے دلتے تھے ○ سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے

إِلَى يَوْمٍ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَقُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا

یہ نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے

يَكْذِبُونَ ۝۴۶ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ

جی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ○ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دل کے راز کو اور ان کی سرگوشیوں کو (بھی) جانتا ہے

وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝۸۰ الَّذِينَ يُلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ

اور بے شک اللہ تمام غیپوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے ○ یہ شک جو (مٹا فنی) خوشی سے مدد دینے والے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ

مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں اور ان کو جن کے پاس (مدد کے لیے) اپنی محنت کی مزاحمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے

فَيَسْتَخِرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۸۱

سو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کو ان کے غماق اڑانے کی سزا دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے ○

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ

آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں

مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشنے گا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝۸۲

اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جملہ کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ

کیا ہی بڑا ٹھکانہ ہے ○ (التوبہ: ۷۳)

منافقوں کے خلاف جملہ کی توجیہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قبیح صفات بیان کیں، اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا بیان فرمایا اور آخرت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا پھر اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی نیک صفات اور آخرت میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا، اب پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کافروں کا ذکر فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کفار اور منافقین سے جملہ کرنے اور ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منافق اپنے کفر کو خفیہ رکھتا ہے اور زبان سے کفر کا انکار کرتا ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جاتا ہے اور منافق کا قصہ تو الگ رہا کسی شخص کے بھی باطن پر حکم نہیں لگایا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف ظاہر پر حکم لگاتا ہوں اور باطن کامل اللہ کے سپرد ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۱۸۶، مطبوعہ ۱۳۱۹ھ)

یزامام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اتنی (۸۰) سے زیادہ لوگوں نے قسم کھا کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے حلق غدر پیش کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کا اعتبار کر کے ان کے غدر قبول

کیے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے تو پھر ان کے خلاف جملہ کرنے کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کافروں اور منافقوں سے جملہ کیجئے اور ان دونوں سے الگ الگ نوعیت کا جملہ مطلوب ہے، کافروں کے ساتھ تلوار کے ساتھ جملہ مطلوب ہے اور منافقوں کے ساتھ جملہ کا معنی یہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام کی حقانیت پر دلائل پیش کیے جائیں، اور اب ان کے ساتھ نرم رویہ کو ترک کر دیا جائے اور ان کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ٹھٹ کی جائے۔

اس حدیث کی تحقیق کہ میں صرف ظاہر پر حکم کرتا ہوں (الحدیث)

ہم نے مذکورہ الحدیث پر اگر اہل احیاء العلوم کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف ظاہر پر حکم کرتا ہوں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اہل اصول اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الفتاویٰ المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

اور حافظ زین الدین عبد الرحیم بن الحسن العراقی المتوفی ۸۰۶ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: مجھے اس حدیث کی اصل نہیں ملی اور جب مزنی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ (المغنی عن حمل الاسفار مع احیاء العلوم ج ۳، ص ۱۸۶) میں کہتا ہوں کہ متعدد احادیث سے اس حدیث کا معنی ثابت ہے: حضرت امین عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتل کروں حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کر لیں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲)

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے مناقشہ کی آواز دروازہ کے باہر سے سنی۔ آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا: میں محض بشر ہوں اور میرے پاس ایک فریق (اپنا مقدمہ لے کر آتا ہے) پس ہو سکتا ہے کہ بعض فریق بعض سے زیادہ حق بہ زبان ہو اور میں یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس (اگر بالفرض) میں اس کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ محض آگ کا ٹکڑا ہے، وہ خواہ اس کو لے یا ترک کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۳)

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی چھان بین کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۳)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے ظاہر پر حکم کرنے کا امر کیا گیا ہے اور باطن کے معاملات اللہ کے سپرد ہیں، نیز ایک حدیث میں ہے: حضرت اسامہ بن زید نے جہینہ کے ایک کافر پر حملہ کیا۔ اس نے کہا لا الہ الا اللہ، انہوں نے اس کو قتل کر دیا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اس نے لا الہ الا اللہ کہہ تم نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت اسامہ نے کہا یا رسول اللہ! اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا! آپ نے فرمایا: تم نے

کیوں نہ اس کا دل حیر کے دیکھ لیا کہ آیا اس نے ذر سے کہا تھا یا نہیں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳، مسند احمد ج ۳، ص ۴۳۳)

”مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی چھان بین کروں“ اس کی شرح میں علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ظواہر کا اعتبار کروں اور ان کے بواطن کو اللہ کے سپرد کر دوں۔ (المفہم ج ۳، ص ۱۳۳) علامہ ابی یاسک متوفی ۸۴۸ھ نے بھی یہی تقریر کی ہے۔ (کمال اکمل المعظم ج ۳، ص ۵۶۵)

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے بھی علامہ نووی کی تقریر نقل کی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۲، ص ۹۰، مطبوعہ مکتبہ انکلیت الادب ہریہ مصر، ۱۳۹۸ھ) نیز قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ تمام امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ظواہر احوال کا اعتبار کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب جنگ بدر میں آپ کے چچا عباس نے یہ عذر پیش کیا کہ مجھ کو جبرالایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ہم پر تمہارا ظاہر حجت ہے، اور یہ حدیث کہ ہم صرف ظاہر پر حکم کرتے ہیں ہر چند کہ اس کی عبارت کسی معتبر سند سے ثابت نہیں ہے لیکن اس پر ایسے شواہد ہیں جن کی صحت پر سب اتفاق ہے اور ظاہر کا اعتبار کرنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر کے اعتبار سے معاملہ کرتے تھے۔ (نیل الاوطار ج ۲، ص ۹۲، مطبوعہ مصر)

اس مسئلہ میں بہت واضح دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر وحی سے مواخذہ (بھی) کیا جاتا تھا اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے، اب ہم تمہارا ان چیزوں پر مواخذہ کریں گے جو تمہارے ظاہری اعمال ہیں، پس جو شخص ہمارے لیے خیر کو ظاہر کرے گا اس کو ہم امن سے رکھیں گے اور اس کو اپنے قریب کریں گے اور اس کے باطنی امور سے کوئی چیز ہمارے ذمہ نہیں ہے، اس کے باطن کا اللہ حساب کرے گا اور جس نے ہمارے لیے برائی کو ظاہر کیا ہم اس کو امن سے رکھیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے خواہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن نیک ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے المقاصد الحسنة ص ۱۱۰-۱۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، اور کشف الخفاء و منزل الالباس ج ۶ ص ۱۹۳-۱۹۴۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ”میں ظاہر پر حکم کرتا ہوں اور باطن کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔“ ہر چند کہ ان الفاظ کے ساتھ کسی معتبر سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے لیکن یہ احادیث صحیحہ اور آثار قویہ سے معنائیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفریہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے اس کلام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا اور اگر وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہو گا (التوبہ: ۷۴)

منافقین نے جو کلمہ کفر کہا تھا اس کے متعلق مفسرین کے اقوال

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف توہین پر مبنی کلمہ کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کفریہ قرار دیا، وہ کلمہ کفریہ کیا تھا اس کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جلاس بن سید بن الصامت کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس نے کہا تھا کہ (سیدنا) محمد صلی

اللہ علیہ وسلم) جو پیغام لے کر آئے ہیں اگر وہ پیغام برحق ہے تو ہم لوگ گمراہی سے بھی بدتر ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی کے بیٹے نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے جو کچھ کہا ہے میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچاؤں گا اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو ضرور مجھ پر کوئی آفت آپڑے گی ورنہ تیری گرفت کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاس کو بلا کر پوچھا: اے جلاس! کیا تم نے ایسا ایسا کہا تھا تو جلاس نے قسم کھائی کہ اس نے یہ نہیں کہا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی: وہ منافق اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفر یہ کہا ہے۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۱۹۰)

امام ابن ابی حاتم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ پھر جلاس نے توبہ کر لی تھی اور توبہ کے بعد اس نے اسلام میں نیک کام کیے۔

(۲) نیز امام عبد الرحمن بن محمد بن ادريس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:

ثلاثہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: دو آدمیوں نے آپس میں قتال کیا ان میں سے ایک جبینہ میں سے تھا اور دوسرا غفار سے تھا اور جبینہ انصار کے حلیف تھے۔ غفاری جبینی پر غالب آگیا تب عبد اللہ بن ابی لہ نے ندا کی اے بنو اس! اپنے بھائی کی مدد کرو اور کہا خدا کی قسم ہماری اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال صرف ایسی ہے جیسا کہ کسی نے کہا اپنے کتے کو خوب موٹا کرو، وہ تمہیں کھا جائے گا اور کہا اگر ہم مدینہ کی طرف واپس آگئے تو ضرور عزت والے زلت والوں کو نکال دیں گے۔ ایک مسلمان شخص نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کو بلوایا اور اس سے پوچھا۔ اس نے قسم کھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کہی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۳۱۹۰)

(۳) امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ تیسری یہ روایت ذکر کی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی کھائی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری سے گرا دینے کا ارادہ کیا تھا جب کہ آپ رات کے وقت تھوک سے واپس آرہے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے منصوبہ کو سن لیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے تھے اور حضرت عمار بن یاسر سواری کے آگے تھے۔ حضرت حذیفہ نے اونٹوں کے چلنے کی آواز سنی۔ حضرت حذیفہ نے کہا اے اللہ کے دشمنو! پرے ہٹو۔ انہیں ایک طرف ہٹایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے حتیٰ کہ آپ صبح کے وقت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ صبح کے وقت آپ نے ان سب کو بلوایا اور فرمایا: تم نے اس طرح کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ انہوں نے اس طرح نہیں کہا تھا اور نہ اس کا ارادہ کیا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۳۱۹۰)

اس آیت کے شان نزول میں پہلی دو حدیثیں جو بیان کی گئی ہیں، ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں صرف جلاس کے کلمہ کفر کے کہنے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں صرف عبد اللہ بن ابی کے کلمہ کفر کہنے کا ذکر ہے، جبکہ قرآن مجید میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کہ منافقوں نے کلمہ کفر کہا اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ باقی منافقین بھی اس کلمہ کفر کے ساتھ متفق تھے اس لیے قرآن مجید نے جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: انہوں نے کلمہ کفر کہا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ کلمہ کفر یہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک اور روایت میں ہے کہ تبوک کے سفر میں ایک جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی، مسلمان اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے، اس پر منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی مجلس میں بیٹھ کر خوب مذاق اڑایا اور آپس میں کہا "یہ حضرت آمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔" (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۲۸)

اس روایت کا ذکر ان تفسیروں میں ان الفاظ سے ہے: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بیان کرتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں فلاں وادی میں فلاں فلاں دن تھی، ان کو غیب کی کیا خبر۔ یہ روایت التوبہ: ۶۵ کی تفسیر میں امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن جوزی نے ذکر کی ہے۔

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۲۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۳۰، زاد المسیر ج ۳ ص ۲۶۵)

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار کرنے کو یا اس پر اعتراض کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کفر قرار دیا ہے اور یہ کہ آپ کے علم غیب کا انکار اور اس پر اعتراض منافقین کا طریقہ ہے۔ منافق جس مقصد کو حاصل نہ کر سکے اس کے متعلق مفسرین کے اقوال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کا ایک محمل یہ بیان کیا کہ عروہ نے کہا کہ جلاس نے ایک گھوڑا خریدا تھا تاکہ اس پر بیٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے مگر وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہا (رقم الحديث: ۱۰۰۰۰) دوسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اسود نام کے ایک منافق نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ ناکام رہا۔ (جامع البیان: ۹۳۱۷ ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۰۰۰۲) تیسرا محمل یہ ہے کہ مجاہد نے کہا کہ جب جلاس نے کہا تھا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں، اس وقت ایک مسلمان شخص نے کہا بے شک وہ حق کہتے ہیں اور تم ضرور گدھے سے بدتر ہو تو اس منافق نے اس مسلمان شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ (رقم الحديث: ۹۰۰۰۳ جامع البیان رقم الحديث: ۸۳۱۲) چوتھا محمل یہ ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن ابی کے سر پر تلج رکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ (رقم الحديث: ۱۰۰۰۳)

مفسرین نے اس کا یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے موقع پر منافقین نے یہ ارادہ کیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں کسی بلند گھانٹی سے آپ کو سواری سے نیچے گرا دیں گے تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ کو بروقت خبردار کر دیا اور منافقین اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

منافقین کو عینی کرنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا، امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ اس کی تفسیر میں عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو عدی بن کعب کے ایک شخص نے ایک انصاری کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم ادا کی تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان کو دیت کی یہ رقم یعنی ناگوار ہوئی۔ (رقم الحديث: ۹۰۳۰۰ جامع البیان رقم الحديث: ۸۳۲۰۱) اور عروہ نے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جلاس پر قرض تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قرض ادا کر دیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (رقم الحديث: ۱۰۳۰۲) جلاس بن سواد کی توبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا امام ابو حاتم نے اس کی تفسیر میں عروہ سے روایت کیا ہے کہ جب جلاس نے وہ کفریہ کلمہ کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق ہیں تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں، تو ایک صحابی عمیر بن سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا دیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاس کو بلا کر پوچھا تو اس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ اس نے یہ کلمہ کفر نہیں کہا لیکن جب بعد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا تو جلاس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کلمہ کفر کہا تھا اور اپنے اس قول سے صدق دل سے توبہ کر لی اور پھر نیک عمل کیے اور نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے فرمایا: تمہارے رب نے تمہاری تصدیق کر دی۔

(رقم الحدیث: ۶۰۴۰۳ جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۱۹۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض منافقین (وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مل) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے) پس جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مل) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی وہ آنحالیفہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔ سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے خفق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ ان کے دل کے راز کو اور ان کی سرگوشیوں کو (بھی) جانتا ہے، اور بے شک اللہ تمام غیبیوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے۔ (التوبہ: ۷۸-۷۹)

اللہ نے عہد کر کے اس کو توڑنے والا منافق

عام کتب حدیث، کتب تفسیر اور کتب سیرت میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں جس منافق کی وعدہ خلافی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب تھا اور یہ واقعی منافق تھا اور اول الذکر یعنی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری بدری صحابی تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، پہلے ہم عام روایت کے مطابق اس واقعہ کا ذکر کریں گے، پھر یہ واضح کریں گے کہ یہ واقعہ ثعلبہ بن ابی حاطب کا ہے نہ کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ثعلبہ بن حاطب الانصاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اے ثعلبہ کم مال ہو اور تم اس کا شکر ادا کرنا یہ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ مال ہو اور تم اس کا شکر نہ ادا کر سکو، وہ پھر دوبارہ آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے فرمایا: ثعلبہ! تم پر افسوس ہے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہو جاؤ؟ اللہ کی قسم! اگر میں سوال کروں کہ پہاڑ میرے لیے سونا اور چاندی بہائیں تو وہ ضرور بہائیں گے، وہ پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا کرے، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے مال دیا تو میں ہر حق دار کا حق ادا کروں گا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرما۔ اس نے بکریاں پالیں ان میں اس قدر افزائش ہوئی کہ مہینہ کی گلیاں ان سے تنگ ہونے لگیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا پھر بکریوں کی طرف چلا جاتا تھا ان میں اور افزائش ہوئی تو اس نے نماز جمعہ اور باجماعت نماز پڑھنا ترک کر دیا، اس کے پاس سے سوار گزرتے تو وہ ان سے حلات معلوم کرتا تھا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳)

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصول یابی پر دو شخص مقرر کیے، ایک شخص انصاری سے تھا اور ایک شخص بنو سلیم سے، اور ان کے لیے زکوٰۃ کی مقدار اور جانوروں کی عمریں لکھ دیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ

وصول کریں۔ اور ثعلبہ کے پاس جائیں اور اس سے بھی اس کے مال کی زکوٰۃ لیں۔ سو انہوں نے ایسا کیا جب وہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھوایا، تب اس نے کہا پہلے اور لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر لو پھر میرے پاس آنا جب وہ لوگوں سے فارغ ہو کر اس کے پاس گئے تو اس نے کہا خدا کی قسم! یہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن ہے، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ واقعہ عرض کیا تب اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر یہ آیات نازل فرمائیں اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور یہ ضرور صدقہ کریں گے۔ (التوبہ: ۷۵-۷۷) پھر انصار کا ایک شخص جو ثعلبہ کے قریب رہتا تھا وہ ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا تجھ پر افسوس ہے اے ثعلبہ! تو ہلاک ہو گیا تیرے متعلق قرآن مجید میں اس طرح آیات نازل ہوئی ہیں، تب ثعلبہ گیا، اس نے اپنے بالوں میں خاک ڈالی اور رونے لگا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوٰۃ کو قبول نہیں فرمایا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: اے ابو بکر! آپ کو معلوم ہے کہ اپنی قوم میں میرا کیا مقام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نزدیک میرا کیا مقام تھا، آپ مجھ سے زکوٰۃ قبول کر لیجئے۔ حضرت ابو بکر نے اس سے زکوٰۃ قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر حضرت عمر کے زمانہ میں ان کے پاس گیا انہوں نے بھی انکار کر دیا، پھر حضرت عثمان کے دور میں ان کے پاس گیا انہوں نے بھی انکار کر دیا، پھر ثعلبہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں مر گیا۔

۱) المعجم الکبیر ج ۸، ص ۲۱۸-۲۱۹، رقم المصحف: ۷۸۷۳، دلائل النبوة للسیوطی ج ۵، ص ۲۸۹-۲۹۰، معرفۃ الصحابہ ج ۶، ص ۳۹۳، رقم: ۳۱۵، مطبوعہ دار الوطن بیروت، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۱-۳۲، احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۲۳۲-۲۳۳، جامع البیان ج ۱۰، ص ۲۳۲-۲۳۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲، ص ۱۸۳-۱۸۴، معالم التنزیل ج ۲، ص ۲۶۳-۲۶۴، اسباب نزول القرآن ج ۲، ص ۲۵۹-۲۶۰، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الفکر، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۲۰۶-۲۰۷، تفسیر بیضاوی و خفاجی ج ۳، ص ۶۰۶-۶۰۷، الدر المنثور ج ۳، ص ۲۳۶-۲۳۷، روح المعانی ج ۴۰، ص ۳۳-۳۴، خزائن العرفان، معارف القرآن، تفسیر عثمانی وغیرہ ان کے علاوہ اور بھی بہت کتب تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ اس منافق کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا۔

یہ منافق حضرت ثعلبہ بن حاطب تھے یا کوئی اور شخص؟

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

سب نے یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۷، ص ۳۶۳، ۳۶۴) ابن الکلبی نے کہا کہ ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے، اگر ثعلبہ بن حاطب وہی ہیں جن کے متعلق سورہ توبہ کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں تو یا تو ابن الکلبی کو ان کے جنگ احد میں شہید ہونے کے متعلق وہم ہوا ہے یا پھر ثعلبہ بن حاطب کے متعلق یہ قصہ صحیح نہیں ہے اور یا پھر اس قصہ میں ثعلبہ بن حاطب کے علاوہ کوئی اور شخص ہے۔

(اسد الغابہ ج ۱، ص ۲۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے ثعلبہ بن حاطب انصاری کا بدری صحابہ میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس قصہ کا خلاصہ ذکر کیا ہے، پھر لکھتے ہیں: ثعلبہ بن حاطب کے متعلق یہ قصہ ہو میرے گمان میں یہ صحیح نہیں ہے، حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ بدری

صحابی تھے اور وہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرا تھا اور اس کی تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پھر پورا قصہ بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا اور جو بدری صحابی ہیں، ان سے متعلق اتفاق ہے کہ وہ ثعلبہ بن حاطب تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غزوہ بدر یا احد میں حاضر ہوا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا نیز آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق فرمایا: تم جو چاہو، عمل کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۳) پس جس بدری صحابی کی یہ شان ہو، وہ ان آیات کا کیسے مصداق ہو سکتا ہے جن میں مذکور ہے کہ قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا پس ظاہر ہے کہ اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا غیر تھا اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق وہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا۔ (الاصابہ ج ۹ ص ۵۱-۵۲، رقم: ۳۱-۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن یوسف الصائمی الشافعی المتوفی ۲۴۲ھ اور علامہ السید محمد بن محمد الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔

(سبل البدنی والرشاد ج ۳ ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، احوال السادة المستقرین ج ۸ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۳ھ)

پس بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق پر اعتماد ہے۔

حضرت ثعلبہ بن حاطب کے بدری صحابی ہونے پر تصریحات

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں: غزوہ بدر میں بنو امیہ سے جو صحابہ شریک ہوئے ان میں حضرت ثعلبہ بن حاطب بھی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن عمرو واقد المتوفی ۲۰۷ھ لکھتے ہیں: بنو امیہ میں سے غزوہ بدر میں جو صحابہ شریک ہوئے، ان میں حضرت ثعلبہ بن حاطب بھی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مقام روحاء سے واپس کر دیا تھا اور ان کو عینہ پر عامل مقرر کیا تھا اور مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا۔ (کتب المغازی ج ۱ ص ۵۹، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۳ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثعلبہ بن حاطب اور حضرت معتب بن الحمراء خزاعی کے درمیان مواخات کرائی تھی اور حضرت ثعلبہ بن حاطب غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۳۶۰، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثعلبہ بن حاطب اور حضرت معتب بن الحمراء کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم کی تھی اور حضرت ثعلبہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔

(الاستیعاب ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ معتمد اور مستند تصریحات ہیں جن سے واضح ہو گیا کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بدریوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ سب نجات یافتہ اور جنتی ہیں تو ان کو ایک منافق کے متعلق نازل

شدہ آیات کا مصداق قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

حضرت ثعلبہ بن حاطب کو منافق قرار دینے والی روایت کا شدید ضعف

حضرت ابو امامہ ہاشمی کی طرف منسوب جس روایت میں حضرت ثعلبہ کو منافق قرار دیا ہے اس کو ائمہ حدیث نے بلا تعلق ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں: امام ابن عبد البر نے کہا ایک قول یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (منہم من عاہد اللہ - التوبہ: ۷۷) کیونکہ اس نے زکوٰۃ دینے سے منع کیا تھا اور ان کے متعلق یہ وارد ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور وہ اس آیت کے معارض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حشر تک نفق ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور ان صحابہ میں سے ہیں جن کے ایمان کی اللہ اور اس کے رسول نے شہادت دی ہے، جیسا کہ المستخرج کے شروع میں آئے گا پس ان کے متعلق حضرت ابو امامہ ہاشمی اور حضرت ابن عباس کی طرف جو روایت منسوب ہے، وہ صحیح نہیں ہے اور امام ابن عبد البر نے کہا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب نے زکوٰۃ ادا کرنے سے منع کیا تھا اور ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ضحاک نے کہا کہ یہ آیت چند منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہیں بسمل بن الحارث اور جہد بن قیس اور عتبہ بن قیس۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸، ص ۱۳۲-۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ روایت طبرانی نے اور بیہقی نے دلائل النبوة اور شعب الایمان میں اور ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے اور ان سب نے اس سند سے روایت کی ہے۔ علی بن یزید از قاسم بن عبد الرحمن از ابو امامہ اور یہ بہت زیادہ ضعیف سند ہے۔ سہلی نے ابن اخطی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہیں اور ابن اخطی ہی سے یہ منقول ہے کہ یہ آیت ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، پس یہ ثعلبہ بن حاطب کے ہم کے دو الگ الگ شخص ہیں۔

(الکافی والثانی فی تخریج احادیث الکشاف علی تفسیر کشاف ج ۲، ص ۲۹۲، مطبوعہ من منشورات ابلاغ ایران)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن اثیر متوفی ۷۳۰ھ نے کہا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب کے متعلق جو زکوٰۃ نہ دینے کی طویل حدیث مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ بھری میں فرض ہوئی ہے لیکن وہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

(فتح الباری ج ۳، ص ۲۹۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

واحدی نے نقل کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (منہم من عاہد اللہ - التوبہ: ۷۷) اور انہوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی یہ ذکر کیا کہ وہ بدری صحابی ہیں، پس امام ابن اخطی نے ان کا بدر میں ذکر کیا ہے اور میرے نزدیک حضرت ثعلبہ بن حاطب اس شخص کے غیر ہیں جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوا تھا اور حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، نیز واحدی اور اس کے شیخ علی بن ابی حمزہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن اس پر بھی اعتراض ہے کیونکہ حضرت حاطب بھی بدری صحابی ہیں اور صحابہ میں سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسن بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مفسرین کے درمیان مشہور ہے اور وہ اس کو متعدد اسانید موصولہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور وہ سب ضعیف اسانید ہیں۔ (دلائل النبوة ج ۵، ص ۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام عبد الرحیم بن الحسن العراقی المتوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار مع احياء العلوم ج ۳، ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حافظ نور الدین البیہقی متوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں علی بن یزید المالکی ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

(مجمع الرواۃ ج ۷، ص ۱۳۲ مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی، امام ابن مردودہ، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اس حدیث کو سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اسہاب النزول ص ۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حافظ عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں اور وہ احد میں شہید ہوئے تھے اور اس قصہ میں جس ثعلبہ کا ذکر ہے وہ حضرت عثمان کی خلافت میں مراۃہ پس ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔ (مطبوعہ الاصابہ کی مفصل عبارت نقل کر چکے ہیں)

(الحادی للکنادی ج ۲، ص ۹۷-۹۶ مطبوعہ المکتبۃ النوریہ الرضویہ، لاہل پور پاکستان)

علامہ شمس الدین عبد الرؤف منطوی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے، اور یہ مفسرین کے درمیان مشہور ہے اور الاصابہ میں اشارہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس قصہ کا مصداق حضرت ثعلبہ کو بتا دیتا ہے۔

(فیض القدر ج ۸، ص ۴۳۸۲ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس روایت کے راویوں پر جرح

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ طبرانی، بیہقی، ابن ابی حاتم اور طبری نے یہ حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے: علی بن یزید المالکی از قاسم بن عبد الرحمن از ابو امامہ باطنی، اب ہم اسماء رجل کی کتب سے علی بن یزید المالکی اور قاسم بن عبد الرحمن کے احوال نقل کرتے ہیں جس سے اس امر پر بصیرت حاصل ہو جائے گی کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے والے کس درجہ ساقط الاعتبار ہیں۔

حافظ جمال الدین ابوالخیر یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ابو زرہ نے کہا یہ قوی نہیں ہے، عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا میں نے اپنے والد سے علی بن یزید کے متعلق

پوچھا انہوں نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی احادیث منکر ہیں، اور جب علی بن یزید قاسم سے روایت کرے تو وہ قاتل غور ہیں، محمد بن ابراہیم الکلتی نے کہا میں نے ابو حاتم سے پوچھا آپ اس سند کے متعلق کیا کہتے ہیں: علی بن یزید از قاسم از

ابو امامہ انہوں نے کہا یہ سند قوی نہیں ہے، ضعیف ہے، امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث، ضعیف ہے، امام ترمذی نے کہا حسن بن علی بن نصر اللہی اس کو حدیث میں ضعیف کہتے تھے۔ ایک اور جگہ پر کہا بعض اہل علم نے علی بن یزید میں کلام کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے، ایک اور جگہ کہا یہ متروک الحدیث ہے، ابوالحسن الدار قطنی نے اس کو متروک کہا۔ حاکم ابواحمد نے کہا یہ ذاہب الحدیث ہے۔

(تذیب الکمال فی السیارات ج ۱۳، ص ۳۲۶-۳۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھا السلی نے کہا کہ تمام اہل علم کا اس کے ضعف پر اتفاق

ہے۔

(تذیب التذیب ج ۷، ص ۳۳۳، رقم: ۳۹۹۳، التعریب رقم: ۳۸۳۳، تاریخ الکبیر رقم: ۷۳۷۰، الجرح رقم: ۱۳۲، المیزان

رقم: ۵۹۶۶)

اور قاسم بن عبدالرحمن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا یہ جعفر، بشیر بن نمیر اور مطرغ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، نیز کہا یہ ثقات سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، ابراہیم بن حنید نے کہا یہ مشائخ ضعفاء سے ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو ضعیف ہیں، النجلی نے کہا یہ قوی نہیں ہے، ابوحاتم نے کہا کہ اگر یہ ثقات سے روایت کرے تو اس کی احادیث میں کوئی حرج نہیں، اس کی ان روایات پر انکار کیا جائے گا جو یہ ضعفاء سے روایت کرتا ہے، غلابی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے، یعقوب بن شیبہ نے ایک بار کہا یہ ثقہ ہے، دوسری بار کہا اس میں اختلاف ہے۔

(تذیب التذیب ج ۸، ص ۲۸۱، رقم: ۵۶۸۶، تذیب الکمال رقم: ۳۸۰۰، تاریخ الکبیر رقم: ۷۱۳، الجرح رقم: ۶۳۹)

اس روایت پر درایتاً جرح

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اللاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت (التوبہ: ۷۵) حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ روایت باطل ہے کیونکہ حضرت ثعلبہ معروف بدری صحابی ہیں، نیز از علی بن یزید از قاسم بن عبدالرحمن از ابوالامہ روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب اپنا صدقہ لے کر حضرت عمر کے پاس گئے تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ اس صدقہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور نہ حضرت ابوبکر نے اور نہ ہی میں اس کو قبول کروں گا۔ یہ روایت بلا شک باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی زکوٰۃ قبول کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ حکم دیا کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں، پس ثعلبہ مسلمان ہوں گے یا کافر، اگر وہ مسلمان ہیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ان سے زکوٰۃ قبول نہ کرتے اور اگر وہ کافر تھے تو اس مفروض کے خلاف ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں، پس بلا شک یہ روایت ساقط ہو گئی اور اس روایت کی سند میں معان بن رافع، قاسم بن عبدالرحمن اور علی بن یزید ہیں اور یہ سب

ضعیف ہیں۔ (الحلی ج ۱، ص ۲۰۸-۲۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

شیخ محمد عبد اللہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کئی اشکالات ہیں جو ان آیات کے نزول سے متعلق ہیں:

(۱) قرآن مجید کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے سفر کے موقع کا ہے، اور اس حدیث کے ظاہر سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بعد پیش آیا اور مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ دو ہجری کو فرض ہوئی تھی اور غزوہ تبوک رجب نو ہجری میں ہوا تھا اور یہ واضح تعارض ہے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ ثعلبہ نے پہلی بار جو زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کی بہن کما تھا وہ اس پر ٹام ہوئے اور روئے اور توبہ صلوتہ کی پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول نہیں کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کے خلاف ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر حال کے اعتبار سے معاملہ فرماتے تھے۔ (۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ثعلبہ نے توبہ صلوتہ کر لی تھی جب کہ ان آیات کے ظاہر کا یہ معنی ہے کہ ان کی موت غلاق پر ہوگی اور وہ اپنے بخل اور زکوٰۃ سے اعراض سے توبہ نہیں کریں گے حالانکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ وہ بخل سے توبہ کر چکے تھے اور بار بار زکوٰۃ پیش کرتے تھے۔ (۴) نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے ان کی زکوٰۃ کو قبول نہیں کیا اور ظاہر شریعت پر عمل نہیں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کفر، غلاق اور معصیت سے توبہ قبول فرمالتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور اسلام میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ (۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتل کروں حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ (صحیح البخاری: ۲۵) اس حدیث کا مقنا یہ ہے کہ جب ثعلبہ نے زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کما تو آپ اس سے قتل کرتے نہ یہ کہ بعد میں جب وہ ٹام ہو کر زکوٰۃ دینے آئے تو آپ اس کی زکوٰۃ کو رد کر دیے، سو اس حدیث میں صرف حضرت ثعلبہ پر افتراء نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء ہے، اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر پر بھی افتراء ہے کیونکہ اس روایت کے مطابق انہوں نے بھی اس سے زکوٰۃ قبول نہیں کی۔

(النار ج ۱۰ ص ۵۶۱، مؤرخا و مزید، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس روایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے خلاف ہونا

یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ ابو سفیان نے متعدد بار عینہ پر حملہ کیا لیکن جب وہ اسلام لائے تو آپ نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔ وحشی نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا لیکن جب وہ اسلام لانے کے لیے آیا تو آپ نے اس کا اسلام قبول کر لیا۔ ہند نے آپ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا اس کا اسلام قبول کر لیا، عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے عینہ آئے تھے آپ نے ان کا اسلام قبول کر لیا، صفوان بن امیہ عمیر کو بھیجنے والے تھے آپ نے ان کا اسلام قبول کر لیا اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں تو اگر ثعلبہ بن حاطب نے ایک بار زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، پھر بعد میں اس پر توبہ کر لی اور سخت ٹام ہوا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ اس کی توبہ قبول نہ کرتے اور اس سے زکوٰۃ نہ لیتے۔ اس مسئلہ پر قیاس کرنے کے لیے ہم ایک اور حدیث پیش کر رہے ہیں:

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار شخصوں اور دو عورتوں کے سوا سب کے لیے امن کا اعلان کر دیا، اور فرمایا ان کو قتل کر دو خواہ تم ان کو کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا پاؤ، وہ چار شخص یہ تھے: عکرمہ بن ابی جہل، عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صلبہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح، رہا عبد اللہ بن خطل۔ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا پایا گیا۔ حضرت سعید بن حبش اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعید نے حضرت عمار پر سبقت کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور رہا مقیس بن صلبہ تو مسلمانوں نے اس کو بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا اور رہا عکرمہ تو وہ سمندر میں کشتی میں سوار ہوا اور تند و تیز آندھیوں کی وجہ سے وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی، پھر

کشتی والوں نے کہا اب اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو، تمہارے خود ساختہ معبود یہی تمہارے کسی کام نہیں آسکتے، تب عکرمہ نے دل سے کہا اللہ کی قسم! اگر سمندر میں اخلاص کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی، اے اللہ! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس طوفان سے مجھے عاقبت میں رکھا تو میں سیدھا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا اور میں ان کو ضرور مخالف کرنے والا اور کریم پاؤں گا پس وہ حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اور رہے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عام بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبد اللہ کو بیعت کر لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سراٹھا کر دیکھا اور ہر بار انکار کیا پھر تین مرتبہ کے بعد اس کو بیعت کر لیا، پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار شخص نہیں تھا جو اس کو قتل کر دیتا جب اس نے یہ دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں! صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا آپ کے دل میں کیا ہے! آپ ہمیں آنکھ سے اشارہ کر دیتے! آپ نے فرمایا: نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی خیانت کرنے والی آنکھ ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳)

غور فرمائیے، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا اس کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹا ہوا ہو لیکن وہ بھی جب آپ کے سامنے اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔ اب اگر بالفرض ثعلبہ بن حاطب نے پہلی بار زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کی بمن کہا تو وہ زیادہ سے زیادہ اس جرم کی بنا پر قتل کا مستحق تھا لیکن جب وہ اس پر بلوم ہوا اور توبہ کر کے روتا ہوا زکوٰۃ دینے کے لیے حاضر ہوا تو آپ کے مزاج اور آپ کی سیرت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ اس کی توبہ قبول کر لیتے اور اس سے زکوٰۃ لے لیتے۔ آپ نے اس سے کہیں زیادہ جرائم کے مرتکب اور معاصی میں ملوث لوگوں کو معاف فرمادیا تھا۔ کیا آپ نے عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپ اس کے متعلق ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو میں نہیں بخشوں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہو تا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اللہ اس کو بخش دے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے استغفار کرتا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۶۶) اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب ہامز نے زنا کر لیا تو ان کے دوست ہزال نے ان کو مشورہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر یہ بتائیں، اور جب ہامز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے ان سے چار مرتبہ (زنا کا) اقرار کرایا پھر ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ہزال سے فرمایا: اگر تم اس پر پردہ رکھ لیتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۸، ۴۳۷۹) اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ ثعلبہ نے اپنے ہاتھوں میں خاک ڈال اور روتا ہوا یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! کہتا ہوا زکوٰۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے اس سے زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی، ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج نہ تھا!

سورۃ التوبہ کی ان آیات کا صحیح مصداق

صحیح بات یہ ہے کہ کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مل دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مل دیا تو انہوں نے کھل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردودہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ ثعلبہ بن ابی

حاطب تھے جیسا کہ حافظ عسقلانی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا اس کا شام میں مال تھا ایک بار اس مال کے بچے میں دیر ہو گئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے گا پھر جب اس کے پاس اس کا مال آگیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے، امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ بسنل بن الحارث، جد بن قیس، ثعلب بن حاطب اور معتب بن قیس نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلب بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلب بن ابی حاطب ہو)

(ازاد المسیر ج ۳، ص ۴۷، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس روایت کی تحقیق میں حرف آخر

ہمارے زمانہ میں اردو کی عام دستیاب تفسیروں میں بھی حضرت ثعلب بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے اور جو خطباء اور واعظین ان اردو کی تفسیر پر غلط کرتے ہیں، وہ ایک عظیم بدری صحابی پر افتراء باتہ متے ہیں، سو میں نے یہ چاہا کہ اس عظیم بدری صحابی سے اس افتراء کو دور کروں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور ہم کو تحقیق کرنے کی توفیق دے اور سنی سنائی اور بے سند باتوں سے ہم کو اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، میں نے ان آیات کی تفسیر میں حضرت ثعلب رضی اللہ عنہ کی غفلت اور بخل سے براءت میں بہت مفصل گفتگو کی ہے تاکہ حضرت ثعلب کی براءت ہر اعتبار سے کھل ہو جائے اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں، اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لیے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے، سو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبہ: ۷۹)

صحابہ کرام کے صدقات پر منافقین کے طعنے

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہم کو صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو ہم مشقت کر کے صدقہ لاتے تھے، ابو عقیل نصف صاع (دو کلو گرام) لے کر آئے اور کوئی انسان اس سے زیادہ لے کر آتا تو منافقین نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے مستغنی ہے اور جو شخص زیادہ لے کر آیا ہے، وہ محض دکھلاوے کے لیے لے کر آیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۸)

حمز بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو کیونکہ میں ایک لشکر بھیجتا چاہتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس چار ہزار درہم ہیں، میں دو ہزار اللہ کو قرض دیتا ہوں اور دو ہزار اپنے عیال کے لیے رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے اللہ کے لیے دیئے، اللہ اس میں بھی برکت دے اور جو تم نے اپنے عیال کے لیے رکھ لیے، اللہ اس میں بھی برکت دے، تب ایک انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس دو صاع کھجوریں ہیں، ایک صاع میں اپنے رب کے لیے دیتا ہوں اور ایک صاع میں

اپنے لیے رکھ لیتا ہوں، تب منافقین نے طعنہ دیتے ہوئے کہا ابن عوف نے محض ریاکاری کے لیے صدقہ دیا ہے اور کہا اس شخص کے ایک صلہ سے اللہ تعالیٰ مستغنی ہے۔

(جامع البیان ج ۹ ص ۹۳۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۹۸۵۰ سبب النزول للواحدی ص ۹۶۰ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۲۱)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (التوبہ: ۸۰)

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا شان نزول

شیخی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاپ کی نماز جنازہ کے لیے بلایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اور میں اس کے لیے ستر، ستر اور ستر مرتبہ استغفار کروں گا دو سری روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں ان کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان کے حق میں برابر ہے آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (المنافقین: ۶۰) ... (جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۵۵-۲۵۴ ملاحظہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس کو اپنی قمیص دی اور فرمایا: اس میں اس کو کفن دینا پھر آپ اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن الخطاب نے آپ کے دامن کو پکڑا اور عرض کیا: آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا آپ نے فرمایا: میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان میں سے جو شخص مر جائے آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۹، ۳۶۷۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۳)
عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے قمیص عطا فرمانے کی وجوہ

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا پھر اس کی کیا وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی قمیص عطا فرمائی، علماء کرام نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(۱) عبداللہ بن ابی نے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کی چٹکشی کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کی جزا میں آپ نے قمیص عطا فرمائی۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کی دلجوئی کی خاطر قمیص عطا فرمائی تھی کیونکہ وہ خالص مومن اور صحابی تھے۔

(۳) کفن کے لیے قمیص کا نہ دینا مکارم اخلاق کے خلاف تھا اس لیے آپ نے قمیص عطا فرمائی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی چیز کا سوال کیا جائے اور وہ چیز آپ کے پاس ہو تو آپ منع نہیں فرماتے تھے۔
 (۵) قرآن مجید میں ہے: "وَمَا السَّائِلُ فَلَا تَسْهَرُ" (یعنی: ۱۰) اور سائل کو نہ جھڑکیں، آپ نے اس آیت پر عمل کیا۔
 (۶) اکثر علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس دراز قامت تھے اور بدر کے دن ابن ابی کی قیص کے سوا اور کسی کی قیص ان کو پوری نہیں آئی، ابن ابی نے اپنی قیص ان کے لیے دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ اتارنے کے لیے اپنی قیص اس کو دی، اس وجہ کا ثبوت حسب ذیل حدیث میں ہے:
 امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: بدر کے دن قیدیوں کو اور عباس کو لایا گیا، عباس کے اوپر کوئی کپڑا نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قیص کو دیکھا تو صرف عبد اللہ بن ابی کی قیص ان کے ٹپ کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قیص ان کو پسادی، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قیص اتار کر عبد اللہ بن ابی کو پسائی تھی۔ ابن عیینہ نے کہا: عبد اللہ بن ابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان تھا آپ نے اس احسان کا بدلہ اتارنا پسند کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۸)

(۷) علامہ بدر الدین عینی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قیص اس سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتی، مجھے امید ہے کہ اس سبب سے اللہ تعالیٰ (لوگوں کو) اسلام میں داخل کر دے گا۔ روایت ہے کہ خزوج کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ابن ابی آپ کی قیص کو طلب کر رہا ہے اور آپ سے نماز کی درخواست کر رہا ہے تو ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو گئے۔ (عمدة القاری ج ۸، ص ۵۳)

اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود عبد اللہ بن ابی کے لیے استغفار کی توجیہات

اکثر روایات صحیحہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ استغفر لہ او لا تسئعہ لہ (التوبہ: ۸۰) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کرنے یا استغفار نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اکابر علماء کی ایک جماعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر اشکال پیدا ہوا، کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت سے آپ کو استغفار کا اختیار دینا واضح نہیں ہوتا، اس لیے بعض اکابر علماء نے اس حدیث پر جرح کی، حالانکہ یہ حدیث بکثرت طرق صحیحہ سے مروی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم، اور صحیحین کے مخیرین کا اس کی صحت پر اتفاق ہے، اس لیے اس حدیث کا انکار علم حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ علامہ ابن منیر نے کہا: اس آیت کا مفسوم سمجھنے میں لوگوں کو لغزش ہوئی، حتیٰ کہ قاضی ابو بکر نے اس حدیث کا انکار کیا اور کہا اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، اور امام الحرمین نے کہا یہ حدیث "صحیح" نہیں ہے، علامہ داؤدی نے کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے، اس انکار کی وجہ وہی ہے جو حضرت عمر نے سمجھی تھی کہ "آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔" اس آیت سے منافقین کی مغفرت کی نفی میں مبالغہ مراد ہے، ستر کے عدد کی خصوصیت اور اختیار دینا مراد نہیں ہے، جیسا کہ اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر اشکال ہے کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ بعض متاخرین نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی قوم کی تالیف کے لیے یہ فرمایا تھا اور آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ اگر آپ نے ستر بار سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ "اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا۔" (صحیح بخاری ج ۶، ص ۶۶) لیکن ثابت وہ روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں: "میں عنقریب ستر

بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد استغاب حائل پر مبنی ہے، کیونکہ اس آیت کے نزول سے پہلے ان کے لیے استغفار کرنا جائز تھا اس لیے وہ اپنی اصل کے مطابق اب بھی جائز ہے، اور یہ اچھا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے نفی مغفرت کے مبالغہ کو سمجھنے کے باوجود اصل کے حکم کو باقی قرار دے کر اس پر عمل کرنے میں کوئی تلافی نہیں ہے گویا کہ آپ نے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے پر حصول مغفرت کو جائز قرار دیا لیکن اس پر یقین نہیں کیا۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا نفی عبادت ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصد عبادت ستر بار سے زیادہ استغفار کیا اور اس سے آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ عبد اللہ بن ابی کی مغفرت ہو جائے، اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اس اعتبار سے پھر جس کی مغفرت محال ہو، اس کے لیے بھی مغفرت طلب کرنا جائز ہو گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸، ص ۱۷۳۳۸ اور ۱۷۳۳۹)

ہمارے نزدیک اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کی مغفرت نہیں کرے گا اور آپ کو اس وقت تک ان کے لیے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: میں ان کے لیے استغفار کروں گا اور استغفار کرنے سے آپ کی غرض ان کے لیے مغفرت حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ ابن ابی کے بیٹے اور اس کی قوم کی دلجوئی اور اس حسن خلق کی وجہ سے اس کی قوم کو مسلمان کرنا آپ کا مطلوب تھا۔ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق امام رازی کا تسامح امام رازی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم تھا کہ عبد اللہ بن ابی کافر ہے اور کفر پر مراعہ تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں کیوں رغبت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس کے اعزاز و اکرام کے مترادف ہے اور کافر کی تکریم جائز نہیں ہے، نیز اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے دعائے مغفرت کو مستلزم ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو خبر دے چکا ہے کہ وہ کفار کی بالکل مغفرت نہیں کرے گا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ اس کو اپنی وہ قیص عطا فرمائیں جو آپ کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہو تاکہ اس قیص میں اس کو دفن کیا جائے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ظن غالب ہوا کہ وہ اس وقت میں ایمان کی طرف منتقل ہو گیا ہے کیونکہ یہ وہ وقت ہے جس میں فاسق توبہ کر لیتا ہے اور کافر ایمان لے آتا ہے، سو جب آپ نے اس سے اظہار اسلام دیکھا اور اس کی ان علامات کا مشاہدہ کیا جو دخول اسلام پر دلالت کرتی ہیں تو آپ کا یہ ظن غالب ہو گیا کہ اب وہ مسلمان ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے ظن غالب کے مطابق اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں رغبت کی، اور جب جبرائیل علیہ السلام نے نازل ہو کر یہ خبر دی کہ وہ کفر اور نفاق پر مراعہ تو پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے باز رہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۶۶، مطبوعہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث صحیحہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ ابن ابی کفر اور نفاق پر مراعہ ہے۔۔۔ ہاں یہ سوال کہ ابن ابی کا خلق مشہور تھا پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیوں رغبت کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مقرر ہے کہ جب منافق ایمان کا اظہار کرے تو اس میں کفر کے باوجود اس پر اسلام کے احکام جاری کیے جاتے ہیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ احکام شرعیہ ظاہر حائل پر مبنی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کی طرف معوض ہے، اور ابن ابی کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

لیں اور میری نماز اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو اسلام میں داخل کر دے گا اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول مغفرت کے لیے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، آپ پر اعتراض تب ہو تا جب آپ حصول مغفرت کے لیے اس کی نماز جنازہ پڑھاتے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ

جن کو (جنگ میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کی راہ میں لپٹنے بیٹھے وہ شخص سے خوش ہوئے اور انہوں

يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا

نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مال اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ

فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝۸۱

○ نہ نکلو، آپ کہیے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھتے

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸۲

پس ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے ○

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ

سو اے رسول موم! اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں

فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُفَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۝۸۳

تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے۔

إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ۝۸۴

○ تم پہل بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے سو اب بیٹھے رہ جاؤ گے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ○

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۝۸۵

اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کبھی بھی کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں ○

إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوَّاهُمْ فَاسِقُونَ ۝۸۶ وَلَا تُعْجِبْكَ

بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے ○ آپ ان کے

أَمْوَالَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ أَسَاءِ رِئَايَا اللَّهِ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا

اموال اور اولاد پر تعجب نہ کریں، اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے

وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۹﴾ وَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ أَنْ

اور حالت کفر میں ان کی جانیں نکلیں ○ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ

أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذِنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ

تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ کی اجازت

مِنْهُمْ وَقَالُوا اذْهَبْ نَاكُنْ مَعَ الْقُعْدِيِّينَ ﴿۹۰﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا

بائٹے گئے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ○ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ بیٹھے رہ جائیں

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۹۱﴾ لَكِن

والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے ○ لیکن

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

رسول اور ان کے ساتھ ایمان لائے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا،

وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۹۲﴾ أَعَدَّ اللَّهُ

اور ان ہی کے لیے سب اچائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے

لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ط

ان جنتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کے پیچھے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۹۳﴾

اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کو (جنگ میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی، وہ اللہ کی راہ میں اپنے پیشے رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کو پسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا گری میں نہ نگو، آپ کہئے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے، اگر وہ سمجھتے ○ (التوبہ: ۸۱)

ربط آیات

یہ آیت ان منافقین کی مذمت میں نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے بیٹھے رہ گئے تھے، اور ان کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ناگوار ہوا تھا اور بعض منافقین نے بعض سے کہا اس گرمی میں نہ نکلو، کیونکہ غزوہ تبوک کی طرف روانگی سخت گرمی میں ہوئی تھی اس وقت پھل پک چکے تھے اور درختوں کا سایہ اور پھل اچھے لگتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ ان سے کہئے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے تم جس جہنم میں جانے والے ہو، وہ اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔

دوزخ کی گرمی

جہنم کی گرمی اور تپش کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو آدم جس آگ کو جلاتے ہیں، وہ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، الحدیث۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۳۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۸۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی، پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی، پس وہ سیاہ تاریک ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کو چاہیے کہ انہیں کم اور روئیں زیادہ، یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے۔

(التوبہ: ۸۲)

امام رازی نے فرمایا اس آیت میں اگرچہ امر کے محطے ہیں لیکن ان کا معنی خبر ہے یعنی عنقریب ان منافقین کو یہ حالت حاصل ہوگی یعنی دنیا کی عمر کم ہے اس لیے ان کے ہنسنے کے مواقع کم ہوں گے اور آخرت غیر متیقن ہے اور اس میں ان کو درد اور عذاب کی وجہ سے رونا پڑے گا سو یہ غیر متیقن زمانہ تک روئے رہیں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ان کاموں کی یعنی ان کے کفر اور نفاق کی سزا ہے جو یہ دنیا میں کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۳) حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ دنیا قلیل ہے، یہ منافق اس میں جتنا چاہیں، ہنس لیں اور جب یہ دنیا منقطع ہو جائے گی اور یہ اللہ عزوجل کی طرف جائیں گے تو پھر یہ روئیں گے اور یہ رونا کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۴۲۳، مطبوعہ ۱۴۱۸ھ)

کم ہنسنے اور زیادہ روئے کی تلقین

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور میں ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے، آسمان چر رہا ہے اور اس کو چر جانے کا حق ہے، اس میں ہر چار انگشت پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی کو اللہ کے لیے سجدہ میں رکھے ہوئے ہے، اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت لینا چھوڑ دو، اور تم اللہ سے فریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ۔ حضرت ابو ذر نے کہا: کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۴ مسند احمد ج ۵ ص ۹۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۰ طبع الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶ ج ۶)

ص ۳۶۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۱۷۳

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اسے لوگوں کو روکا کر تم کو روٹانہ آئے تو رونے کی کوشش کر کے روؤ، کیونکہ دو زخمی دونوں میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح بہیں گے گویا کہ وہ نہریں ہیں، حتیٰ کہ ان کے آنسو ختم ہو جائیں گے، پھر ان کا خون بہنے لگے گا اور وہ خون اتنا زیادہ بہہ رہا ہو گا کہ اگر اس میں کشتی چلائی جائے تو وہ چل پڑے گی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۷۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۹۸ المطالب العلیہ رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

سالم بن ابی الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس شخص کے لیے خوشی ہو جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اور اپنے گھر میں وسعت رکھی اور اپنے گناہ پر روایا۔ (کتب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۳۳) عبد اللہ تمیمی نے کہا جس کو ایسا علم دیا گیا جس کی وجہ سے وہ رویا نہیں، وہ اس لائق ہے کہ اس کو نفع اور علم دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رونے والے علماء کی تعریف کی ہے، وہ فرماتا ہے: بے شک اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، جب ان پر اس قرآن کی تلاوت کی جاتی تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے اور کہتے ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہوتا تھا اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے۔ (بنو اسرائیل: ۲۹-۳۰) (کتب الزہد رقم الحدیث: ۳۵ ملت الاولیاء ج ۵ ص ۸۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ رسول مکرّم) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے، اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم بھی میرے ساتھ نہ جاسکو گے، اور بھی میرے ہمراہ دشمن سے قتل نہیں کرو گے، تم پہلی بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے، سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ (التوبہ: ۸۳)

غزوہ تبوک کے بعد منافقوں کو کسی غزوہ میں شرکت سے ممانعت کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے برے کاموں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا بیان فرمایا تھا اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ منافق ان کے ساتھ کسی غزوہ میں نہ جائیں کیونکہ ان کا کسی غزوہ میں شریک ہونا انواع و اقسام کے شر اور فساد کا موجب ہوتا ہے، اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپ کو اللہ تعالیٰ منافقین کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے، منافقین کے ایک گروہ کی قید اس لیے لگائی کہ مدینہ میں قلعہ مسلمان بھی موجود تھے، جو معذور تھے اور عذر کی وجہ سے غزوہ تبوک میں نہیں جاسکے تھے، سو جب آپ مدینہ میں واپس آئیں اور یہ منافقین آپ سے پھر کسی غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیں کہ تم اب بھی کسی غزوہ میں میرے ساتھ نہیں جاسکو گے، یہ ارشاد ان کے خلق کے اظہار، ان کی اہانت اور مذمت اور ان پر لعنت کرنے کے قائم مقام ہے، کیونکہ جب انہوں نے جھوٹے حیلے بہانے کر کے آپ سے جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو ان کا چہرہ ہوا کفر ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ دین اسلام میں مسلمانوں کی جہاد کی طرف رغبت تو سب کو بڑا ہوتا معلوم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے منع فرماتا اس لیے تھا کہ مسلمان ان کے شر اور فساد اور ان کے مکر و فریب اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہیں اور چونکہ یہ پہلی بار یعنی غزوہ تبوک میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مدینہ میں معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہیں سو وہ آئندہ بھی

اسی کو پسند کریں، گویا جب ایک بار انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جانا پسند نہیں کیا تو اس کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ اب اگر آئندہ یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں گے پھر بھی ان کو اجازت نہیں ملے گی، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص اس کے خلاف سازشیں کرتا ہے تو وہ آئندہ اس کو اپنا رفیق اور مصاحب بنانے سے گریز کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کبھی بھی کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے۔ (التوبہ: ۸۴)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اہانت اور ان کی مذمت کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کی مزید اہانت کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمادیا اور اس سے بڑی اور کیا مذمت ہوگی!

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کا شلن نزول

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی قحط ہو گیا تو اس کے فرزند حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے انہیں اپنی قمیص دے کر یہ فرمایا کہ اس میں اس کو کفن دیا جائے، پھر آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا: آپ اس کی نماز پڑھا رہے ہیں، حالانکہ وہ منافق تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے: استغفرلہم اولاً تستغفرلہم سبعین مرۃ فليس بعصر اللہ لہم۔ (التوبہ: ۸۰) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر بار استغفار کریں تب بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ آپ نے فرمایا: ”میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَدَّأُوْنَ لَهُمْ نَعْمَ
عَلَىٰ قَبْرِہِمْ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِہِ وَمَا تَدَّوْنَ
وَهُمْ قَايِسُوْنَ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور آپ ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ (کبھی) ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہوئے کی حالت میں مر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷۳)

عبد اللہ بن ابی کے نفاق کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات

حافظ شلب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یقین سے کہا کہ ابن ابی منافق ہے، اس کا یہ یقین ابن ابی کے ظاہر احوال پر مبنی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس یقین پر عمل نہیں کیا کیونکہ وہ ظاہر مسلمانوں کے حکم میں تھا اور آپ نے بطور استصحاب اسی ظاہری حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، نیز آپ کو اس کے بیٹے کی عزت افزائی منظور تھی، جو نہایت مصلحت اور صالح مومن تھے، اور اس کی قوم کی تالیف قلوب میں مصلحت تھی، اور ایک شرک و دور کرنا مقصود تھا اور ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتے تھے اور ان کو محاف اور درگزر کرتے تھے، پھر آپ کو مشرکین سے قتال کا

حکم دیا گیا اور جو لوگ اسلام کو ظاہر کرتے تھے، خواہ باطن میں اسلام کے مخالف ہوں، ان کے ساتھ آپ کے درگزر کرنے کا معاملہ بدستور جاری رہا اور ان کو متغیر نہ کرنے اور ان کی تالیف قلوب کرنے میں مصلحت تھی، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا ”کیس لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں۔“ اور جب مکہ فتح ہو گیا اور مشرکین اسلام میں داخل ہو گئے اور کفار بہت کم اور پست ہو گئے تب آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ منافقین کو ظاہر کر دیں اور خاص طور پر ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی صراحتاً ممانعت نہیں کی گئی تھی، اس تقریر سے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اشکال ہے، وہ دور ہو جاتا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس شخص کا دین کے ساتھ معمولی سا بھی تعلق ہو، آپ اس پر نہایت شفقت فرماتے تھے، نیز آپ اس کے بیٹے کی دل جوئی کرنا چاہتے تھے جو نیک صحابی تھے اور اس کی قوم خزرج کی تالیف قلوب کرنا چاہتے تھے جن کا وہ رئیس تھا اگر آپ اس کے بیٹے کی درخواست قبول نہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے صراحتاً منع فرمانے سے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرما دیتے تو اس کے بیٹے کی دل شکنی ہوتی اور اس کی قوم کے لیے باعث عار ہوتا اس لیے آپ نے صراحتاً ممانعت کے وارد ہونے سے پہلے انتہائی مستحسن امر کو اختیار فرمایا۔

بعض محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں دلیل ہے کہ اس کا ایمان صحیح تھا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ان آیات اور احادیث کے خلاف ہے جن میں اس کے ایمان نہ ہونے کی صراحت ہے۔

امام ابن جریر طبری نے اس قصہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قیاس اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۶، مطبوعہ لاہور، عمدة القاری ج ۹ ص ۴۷۳، مطبوعہ مصر، ارشاد الساری ج ۷ ص ۶۳۸، مطبوعہ مصر، فیض الباری ج ۴ ص ۴۵۲، مطبوعہ لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن جریر طبری کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اس کو امام ابن جریر کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی روایت کیا ہے اور متعدد مفسرین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے:

امام ابن جریر نے دو سندوں کے ساتھ اس کو قتادہ سے روایت کیا ہے: جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۳۸۸، ۱۳۳۸۹، ۱۳۳۹۰، سبب النزول للواحدی ص ۳۳۳ امام ابن جوزی نے اس کو قتادہ اور زجاج کے حوالے سے ذکر کیا ہے، زاد المسیر ج ۳ ص ۳۸۰، معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۶۷، تفسیر خازن ج ۲ ص ۴۶۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۴۵۹، روح المعانی ج ۴ ص ۹۵۳، حاشیہ الشیخ زادہ علی البیضاوی ج ۳ ص ۴۹۷، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۹ھ۔

مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت کے باوجود عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور یہ فرمایا کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا حالانکہ عبد اللہ بن ابی کی وفات ۹ھ میں ہوئی ہے

اور ہجرت سے پہلے جب ابوطالب کی وفات ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے، میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا اس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّاتِ امْتُوَانٌ يَسْتَعْفِفُوْنَ
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوا اُولٰٓئِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا
نَسَبَ لَهُمْ اللّٰهُمَّ اَصْحٰبُ الْحَرٰمِیْمِ
نبی اور نبیات والوں کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ جنسی ہیں۔

(التوبہ: ۸۳)

تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر آپ نے ہجرت کے نو سال بعد عبد اللہ بن ابی کے لیے استغفار کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اس استغفار سے منع کیا گیا ہے جس میں حصول مغفرت اور قبولیت دعا کی توقع کی جائے جیسا کہ ابوطالب کے لیے استغفار کے معاملہ میں تھا اس کے برخلاف آپ نے عبد اللہ بن ابی کے لیے جو استغفار کیا تھا اس سے غرض اس کی مغفرت کا حصول نہیں تھا بلکہ اس سے غرض یہ تھی کہ اس کے بیٹے کی دلجوئی کی جائے اور اس کی قوم کی تالیف قلوب کی جائے۔

علامہ زعفری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ ”اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔“ زبان و بیان کے اسلوب کے مطابق ستر بار کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے بکثرت استغفار کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں معاف کرے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہیں۔ آپ سے یہ معنی کیسے غلط رہا حتیٰ کہ آپ نے اس کو عدد کی خصوصیت پر محمول کیا اور فرمایا میں اکثر مرتبہ استغفار کروں گا اسی طرح دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ”آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ استغفار سے ان کو نفع نہیں ہو گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو اس پر محمول کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ استغفار کریں یا نہ کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معنی غلطی نہیں تھی، ان آیتوں کے قریب اور قریب معنی یہی تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور توریہ کے بعید معنی مراد لیے تاکہ امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت شفقت اور نہایت رحمت کا اظہار ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے کہا:

وَمِنْ عَصٰیئِیْ قِیَاسِکَ عَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
اور جس نے میری معصیت کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا ہے حد

(ابراہیم: ۳۶) اسے رحم فرماتے والا ہے

کیونکہ حضرت ابراہیم نے اس آیت میں معصیت سے مراد اللہ کی معصیت یعنی بت پرستی کو مراد نہیں لیا بلکہ اپنی معصیت مراد لی جبکہ سیاق و سباق سے یہاں اللہ تعالیٰ کی معصیت مراد ہے اور یہ اپنی امت پر رحمت اور شفقت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر رحمت اور شفقت کے غلبہ کی وجہ سے بعید معنی مراد لیا۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا ہے جس کا خاتمہ شرک پر ہوا ہو، اور یہ ممانعت اس کے لیے استغفار کرنے سے ممانعت کو مستلزم نہیں ہے جو دین اسلام کا اظہار کرتے ہوئے مرا ہو، اور یہ بہت اچھا جواب ہے۔ (فتح الباری ج ۸، ص ۲۳۹-۲۳۸ مطبوعہ لاہور)

ہمارے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس استغفار سے منع کیا ہے جس سے مقصود مغفرت کا حصول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کے لیے جو استغفار کیا تھا اس سے مراد اس کے بیٹے کی دلجوئی اور اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کا اسلام تھا جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قیص اور میری نماز اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ اس وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس روایت کو امام جریر طبری نے روایت کیا ہے۔

کیا ابن ابی کے حق میں مغفرت کی دعا کا قبول نہ ہونا آپ کی محبوبیت کے منافی ہے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی مغفرت کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول نہیں فرمایا، اور یہ آپ کی شان محبوبیت کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی لفظ سے اس کا صریح معنی مراد ہوتا ہے اور کبھی اس لفظ سے محکم کا خاص منشاء مراد ہوتا ہے۔ آپ نے جو ابن ابی کے لیے مغفرت کی تھی اس سے مراد اس کے لیے مغفرت کا حصول نہیں تھا بلکہ اس سے آپ کا منشاء اس کی قوم کے لیے ایمان کا حصول تھا اور جو اس دعا سے آپ کا منشاء تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَقِيلَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَكُفُّوا عَنْ شَاءِ قُلُوبِكُمْ
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ لَنَا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَاءَ
أَحْضَارِهِمْ سَرًّا وَقَهًّا۔ (کہف: ۲۹)

اور فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ہم نے کافروں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی چار دیواری ان کو (ہر طرف سے) گھیر لے گی۔

اس آیت کا منطوق صریح یہ ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، یعنی انسان کو کفر کرنے کا بھی اختیار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے لیکن اس آیت کا منشاء تہدید ہے اور کفر کرنے پر آگ کے عذاب کی وعید ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں:

یہ آیت پچھلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ ہل دار مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ فقراء کو اپنے پاس سے بھگا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے یہ فرمایا کہ آپ ان کی طرف التفات نہ کریں اور ان لوگوں سے یہ کہیں کہ دین حق اللہ کی طرف سے ہے، اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تم کو نفع ہو گا اور اگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا تو تم کو نقصان ہو گا اور یہ جو فرمایا ہے ”جو چاہے کفر کرے۔“ تو قرآن مجید میں بہت جگہ امر کا لفظ فعل کی طلب کے لیے نہیں آیا، حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: یہاں امر کا لفظ تہدید اور وعید کے لیے ہے، تخییر کے لیے نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ آلوسی، علامہ خلیلی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یعنی اس آیت میں امر اور تخییر اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ یہاں مجازاً یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان مائدہ کافروں کی کوئی پروا نہیں ہے اور کفر کا حکم دینا مراد نہیں ہے، بلکہ یہ ان کو رسوا کرنے سے کنہیہ ہے۔ (روح المعانی ۹۵ ص ۲۶۷)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ
عَبْدِنَا فَاتَّبِعِ سُورَةَ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ نَزَّلَ
بِمَنْزِلٍ كَمَا نَزَّلَ الْقُرْآنَ۔ (البقرہ: ۲۳)

اگر تم کو اس کلام کے متعلق شک ہو، جس کو ہم نے اپنے
بندے پر نازل کیا ہے تو اس کلام کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

اس آیت کا منطوق صریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شک کرنے والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کی مثل ایک سورت بنا کر لائیں لیکن اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اس کی مثل سورت نہیں بنا سکتے اور اس سے مکمل عاجز ہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ خفاجی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد عرب کے بلغاء کو چیلنج دینا ہے اور ان کو قرآن مجید کی مثل سورت لانے سے عاجز کرنا ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۹۳)

ہم نے دو مثالیں ذکر کی ہیں، ورنہ قرآن مجید میں بکثرت ایسی مثالیں ہیں، جہاں کسی لفظ سے اس کا منطوق اور مدلول صریح مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے کوئی خاص منشاء مراد ہوتا ہے، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر ابن ابی کی مغفرت کے لیے دعا کی تو اس دعا سے اس کا منطوق اور مدلول صریح مراد نہیں تھا بلکہ اس لفظ سے آپ کا خاص منشاء مراد تھا اور وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار لوگوں کو مسلمان کر دے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ولله الحمد علی دالک۔

دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرنا اور اس سے قبر پر اذان کا استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ منافقین میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔ (التوبہ: ۸۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ میت کے دفن کیے جانے کے بعد اس کی قبر پر کھڑے رہتے اور اس کے لیے دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۲۲۱) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، اس دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کو قبر میں اتارا، جب ان کی قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ کہا اور ہم نے بہت دیر تک سبحان اللہ کہا پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے بھی اللہ اکبر کہا آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے سبحان اللہ اور اللہ اکبر کس وجہ سے کہا آپ نے فرمایا: اس نیک بندے پر قبر تک ہو گئی تھی، حتیٰ کہ اللہ نے اس پر کشادگی کر دی۔

(مسند احمد ج ۹ ص ۳۶۰) احمد شاکر نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۴ رقم الحديث: ۷۳۸۰۹ مطبوعہ

دار الحديث القاهرة ۱۳۲۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے:

(الاعلیٰ المصنوع ج ۲، ص ۳۶۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد عراق الکلبی المتوفی ۳۹۳ھ نے بھی اس حدیث کو دار قطنی، ابن شاپین، نسائی، حاکم، بیہقی اور

طبرانی کے حوالوں سے درج کیا ہے۔ (تذویر الشریعہ ج ۴ ص ۳۷۷-۳۷۸)

تاہم تسبیح اور تکبیر کا ذکر صرف مسند احمد کی روایت میں ہے اور وہ روایت صحیح ہے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے

یہ استدلال کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر اذان و نثار جائز ہے کیونکہ اذان میں بھی اللہ کا ذکر ہے اور اس سے میت سے عذاب ساقط ہوتا ہے اور توحید اور رسالت کے ذکر سے میت کو سوالات کے جوابات کی تلقین ہوتی ہے، تاہم اس عمل کو کبھی کبھی کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر استدلال

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت دے دی گئی اور اس اجازت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا موحدين میں سے تھیں، نہ کہ مشرکین میں سے اور یہی میرا مختار ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ کو کافروں کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے اور آپ کو آپ کی والدہ کی قبر پر قیام کی اجازت دی گئی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کی والدہ کافروں میں سے نہیں تھیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی جاتی، اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کی والدہ توحید پر تھیں اور آپ کو وحی کے ذریعہ اس کی صحت پر اطلاع دی گئی، اس لیے اب یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آپ کا اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی والدہ مشرکین میں سے تھیں ورنہ آپ بغیر اجازت کے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر لیتے، کیونکہ آپ کا اجازت طلب کرنا اپنے علم کو مقبرہ اور ثابت کرنے کے لیے تھا۔

(روح المعانی ج ۱۰، ص ۱۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے اسوا اور اولاد پر تعجب نہ کریں، اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور حالت کفر میں ان کی جانیں نکلیں ○ (التوبہ: ۸۵)

التوبہ: ۵۵ میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جملہ کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ کے اجازت مانگنے لگتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے، ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ○ (التوبہ: ۸۶)

اس آیت کا مضمون التوبہ: ۸۳ میں گزر چکا ہے اور اللہ پر ایمان لاؤ کا معنی ہے اللہ پر ایمان کو برقرار رکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے ○ (التوبہ: ۸۷)

ان کے دلوں پر مہر لگانے کا معنی یہ ہے کہ ان کا دل کفر کی طرف رغبت کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے بعد ایمان لانے کا امکان باقی نہیں رہا یا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سخت نافرمانی اور گستاخی کی ہے کہ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اب وہ ایمان لانا بھی چاہیں تو ایمان نہیں لاسکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جملہ کیا اور ان ہی کے لیے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے ان جنتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (التوبہ: ۸۸-۸۹)

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کی صفات بیان کرنے کے بعد

مومنوں کی صفات کا ذکر فرماتا ہے اور کافروں اور منافقوں کی سزا کے بعد مومنوں کی جزا کا ذکر فرماتا ہے، پہلے بیان فرمایا تھا کہ منافق خیلے بہانے کر کے جہاد سے بھاگتے ہیں اور ان کی سزا دو نغ ہے، اب بیان فرمایا کہ مومن اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور ان کی جزا جنت ہے۔

وَجَلَّةَ الْمَعَادِرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ

اور بہانہ بناتے ہوئے دیہاتی آئے تاکہ ان کو دبی جہاد سے، رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے شہاد

كَذَّبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اس کے رسول کی تکذیب کی تھی وہ (کفر والوں میں) بیٹھ گئے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب عذاب

الِيمٌ ۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى

ہوگا ۹۰ کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ طبعاً کمزور یا بیمار ہوں

الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْبًا إِذْ انْصَحُوا لِلَّهِ وَ

رکھتے، ان پر اجماع میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول

رَسُولِهِ ط مَاعَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۹۱

کے لیے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر سزا طعن کرنے کی (کوئی راہ نہیں ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے) ہر دم فرماتے والا ہے

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا

اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں جہاد کے لیے سواری متیا کریں تو آپ نے فرمایا تمہاری

أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَاعْيَنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّامَةِ حَزَنًا

میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس مال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس دم میں آنسو بہہ رہے تھے

الَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ ۹۲ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

کہ ان کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے ۹۲ مذمت کے مستحق تو صرف وہ لوگ ہیں جو

يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ

مال دار ہونے کے باوجود آپ جہاد میں رخصت کو طلب کرتے ہیں، وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جائے والی خدمتوں کے ساتھ

وَكُتِبَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۳﴾

(گھروں میں) رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بہانہ بناتے ہوئے رہا کرتے تھے تاکہ ان کو (بھی جہاد سے) رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی وہ (گھروں میں) بیٹھ گئے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب دردناک عذاب ہو گا ○ (التوبہ: ۹۰)

اس سے پہلے آنجوں میں مدینہ میں رہنے والے منافقوں کے احوال بیان فرمائے تھے، اب مدینہ کے ارد گرد رہنے والے رہائشیوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ المعتذر (ذال پر تشدید کے بغیر) وہ شخص ہے جو کسی کام کی کوشش کرنا چاہے مگر اس کو عذر درپیش ہو، اور المعتذر (ذال پر تشدید کے ساتھ) وہ شخص ہے جو فی الواقع معذور نہ ہو اور مجھوٹے عذر پیش کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

المعتذرون: یہ وہ لوگ ہیں جو بدو جہد نہیں کرتے، یہ ان چیزوں کو پیش کرتے ہیں جن کو کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، جب کوئی شخص کسی کام میں تقصیر کرے تو کہا جاتا ہے عذرت (ذال پر زہا) اور جب کسی کام میں احتیاط کرے تو کہا جاتا ہے اعتدوت۔ (تفسیر فریب القرآن ص ۶۶۶ دار مکتبہ البطل بیروت ۱۳۱۱ھ)

امام ابن احنظف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ بنو غفار کی ایک جماعت تھی، انہوں نے اگر عذر پیش کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معذور قرار نہیں دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۹۸۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۹۱)

معذورین کی اقسام

قرآن مجید کا اسلوب ہے ایک چیز بیان کر کے پھر اس کی ضد کو بیان کرے اس اسلوب پر پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو مجھوٹے عذر پیش کرتے تھے اور اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن کو حقیقی اعذار لاحق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: ان سے جہاد کے احکام سنا رہے ہیں۔

ان معذورین کی اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں بیان فرمائیں: (۱) اقل وہ ہیں جو بدن کے اعتبار سے تو سندرست ہوں لیکن بوڑھے ہونے کی وجہ سے کمزور ہوں، یا وہ لوگ جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے کمزور اور نحیف ہوں۔ (۲) ثانی وہ ہیں جو بیمار ہوں، ان میں اندھے، لنگڑے، لولے اور اپاہج بھی داخل ہیں۔ (۳) ثالث وہ ہیں جو طاقتور اور سندرست ہوں لیکن ان کے پاس سواری اور زاورا نہ ہو جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ جہاد کے سفر پر نہ جاسکیں۔

جہاد اور نماز میں معذورین کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (جہوک) کے دوران فرمایا: ہم مدینہ

میں کچھ لوگوں کو چھوڑ آئے ہیں، ہم جس وادی اور گھاٹی میں بھی گئے وہ ہمارے ساتھ رہے، وہ بخیر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۸، مطبوعہ دارالرقم بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مدینہ میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو کہ تم نے جو سفر بھی کیا یا جو خرچ بھی کیا یا تم جس وادی میں بھی گئے وہ تمہارے ساتھ تھے۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وہ ہمارے ساتھ کیسے ہوں گے حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ بخیر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۷۶۳)

ابن ابی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرو بن الملوح رضی اللہ عنہ انصار میں سے آخر میں اسلام لائے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غزوہ بدر میں شرکت کے لیے بلایا اور انہوں نے دیگر صحابہ کے ساتھ غزوہ بدر کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو ان کے بیٹوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے ان کو منع کیا کیونکہ ان کی نانگ میں شدید لنگ تھا، پھر جب جنگ احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم لوگوں نے مجھے غزوہ بدر کی طرف نکلنے نہیں دیا تھا، سو اب تم مجھے غزوہ احد کی طرف نکلنے سے منع نہیں کرنا۔ انہوں نے کہا اللہ نے آپ کو جہاد میں شرکت سے معذور رکھا ہے، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بیٹے مجھے اس لنگ کی وجہ سے آپ کے ساتھ جہاد میں جانے سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس لنگری نانگ کے ساتھ جنت میں چلوں گا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو اللہ نے جہاد سے معذور قرار دیا ہے اور تم پر جہاد فرض نہیں ہے اور ان کے بیٹوں سے کہا تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان کو منع نہ کرو، شاید کہ اللہ انہیں شہادت عطا فرمائے۔ پھر حضرت عمرو بن الملوح نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور احد کے لیے روانہ ہو گئے اور دعا کی: اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما! اور مجھے اپنے اہل کی طرف نامراد واپس نہ کر! اور جب یہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ان کی بیوی ہند بنت عمرو جو حضرت جابر کی چھوٹی بیوی تھیں وہ آئیں اور انہوں نے ان کو اور اپنے بھائی عبد اللہ بن عمرو بن حرام (حضرت جابر کے والد) کی لاشوں کو اٹھایا اور ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے بیشک میں نے اس کو دیکھا وہ اپنی لنگری نانگ کے ساتھ جنت میں چل رہا تھا۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۱-۱۶۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۴، دلائل النبوة للبیہقی ج ۳ ص ۱۶۶، تحف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۳۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے مسجد میں کوئی لے جانے والا نہیں ہے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اس کو گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی جائے۔ آپ نے اس کو رخصت دے دی۔ جب وہ واپس چلا گیا تو آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا کیا تم اذان سنتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا: پھر تم اذان پر لبیک کہو۔ (یعنی مسجد میں جا کر نماز پڑھو)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۵۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہ جانتے تھے کہ نماز کو صرف منافق ہی ترک کرتا تھا جس کا نفاق معلوم ہو، یا وہ بیمار ہو اور بے شک ایک بیمار شخص دو آدمیوں کے درمیان سارے سے چلتا ہوا نماز پڑھنے کے لیے آتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن الہدیٰ کی تعلیم دی اور جس مسجد میں اذان دی گئی ہو اس میں نماز پڑھنا سنن الہدیٰ میں سے ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۵، مطبوعہ مکتبہ نزار، ممبئی، مکہ مکرمہ، ۱۴۳۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے نصیحت کریں۔

نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ (اساس ابلاغ لا قشری ج ۲ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت حمید دہلوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نصیحت ہے۔ ہم نے پوچھا: کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۸)

اللہ کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ پر ایمان لائے، اس سے شریک کی نفی کرے، اس کی صفات میں الجھو نہ کرے (اس کی طرف ایسی صفت منسوب نہ کرے جو اس کی شان کے لائق نہ ہو) اور تمام میوب اور نقائص سے اللہ تعالیٰ کی براءت بیان کرے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے محال مانے، اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت اور اس کی وجہ سے بغض رکھے، اس کی اطاعت کرنے والوں سے دوستی اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے دشمنی رکھے، اس کے منکروں سے جہاد کرے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کا شکر بجالائے، اور تمام امور میں اس کے ساتھ اخلاص رکھے۔

کتاب اللہ کے لیے نصیحت کا معنی

اللہ کی کتاب کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ بندہ اس پر ایمان رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور مخلوق کا کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں، اور مخلوق میں سے کوئی شخص اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں ہے، اس کی آیتوں میں زیادتی یا کمی محال ہے، اس کی تعظیم کرے اور اس کی اس طرح تلاوت کرے جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے، مخالفین اسلام اس پر جو اعتراض کرتے ہیں ان کے جواب دے اور متقدمین جو اس کی آیات کی باطل تہویل کرتے ہیں ان کا رد کرے۔ اس کے علوم اور اس کی مثالوں کو سمجھے، اس کے مواظف (نصیحتوں) میں غور و فکر کرے، اس کے عجائب میں تدبر کرے، عقائد اسلام پر اس سے وثاقل تلاش کرے، اس کی آیات سے احکام شرعیہ مستنبط کرے، اس کے عموم، خصوص اور ملغ و منسوخ سے بحث کرے، اس کے ادا امر پر عمل کرے اور نواہی سے اجتناب کرے، اس کے علوم کی نشر و اشاعت کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت کا معنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت کا معنی ہے، آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا، آپ اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو ماننا اور امر اور نہی میں آپ کی اطاعت کرنا، آپ کے دوستوں سے دوستی اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا، آپ کی تعظیم و توقیر کرنا، آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کو زندہ کرنا، آپ کی شریعت کی نشر و اشاعت کرنا اور اس سے اعتراضات کو دور کرنا، آپ کی احادیث سے فقہی احکام نکالنا اور ان کی طرف عمل کی دعوت دینا، آپ کی احادیث کی محبت بیان کرنا اور ان کی نشر و اشاعت کرنا، حدیث پڑھتے وقت آداب کا لحاظ رکھنا، آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق اور آداب کو اپنانا، آپ کے اہل بیت، آپ کے اصحاب اور آپ کی ازواج سے عقیدت رکھنا، متقدمین نے آپ کی احادیث کی جو باطل تہویلات کی ہیں ان کا رد کرنا، احادیث صحیحہ، حسنہ، ضعیفہ اور موضوعہ کو الگ الگ پہچاننا اور ان کے مراتب اور درجات کی رعایت کرنا۔

ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی

ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے: حق بات پر ان کی معاونت کرنا اور اس میں ان کی اطاعت کرنا، ان کی خطا پر

نری سے ان کو متوجہ کرے جن سے وہ غافل ہوں اس کی ان کو خبر دے جن مسلمانوں کے حقوق ان کو مستحضر نہ ہوں وہ ان کو یاد دلاتے ان کی بیعت پر قائم رہتا اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرے ان کی اطاعت پر لوگوں کو باطل کرے ان کی اقتداء میں نماز پڑھتا اور ان کے ساتھ جملہ کے لیے روانہ ہوے ان کو زکوٰۃ اور عشر لا کر دے اگر ان سے ظلم یا کوئی بڑائی ظاہر ہو تو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنے سے گریز کرنا الا یہ کہ العیاذ باللہ ان سے علی الاعلان کفر صلوہ ہو ان کے سامنے ان کی جھوٹی تعریف نہ کرے ان کو نیکی کی تلقین کرے یہ تمام امور اس وقت ہیں جب ائمہ مسلمین سے خلفاء اور حکام مراد ہوں اور اگر ائمہ مسلمین سے علماء اور مجتہدین مراد ہوں تو ان کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ ان کی روایت کردہ احادیث کو ماننا اور ان کے احکام اور فتویٰ کی تقلید کرنا اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔

عام مسلمانوں کے لیے نصیحت کا معنی

عام المسلمین کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے: دنیا اور آخرت میں ان کی سعادت اور فلاح پر رہنمائی کرنا ایذا دینے والی چیزوں کو ان سے دور کرنا جن شرعی احکام سے وہ لاعلم ہوں وہ ان کو بتانا اور ان میں ان کی قول اور فعل سے مدد کرنا ان کے میوہ کو چھپانا اور معطر چیزوں کو ان سے دور کرنا اور منفی چیزوں کو ان کے لیے مینا کرنا نری اور اخلاص کے ساتھ ان کو نیکی کا حکم دینا اور ان کو بڑائی سے روکنا ان کے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کرنا ان سے حسد نہ کرنا نہ دھوکا دینا ان کے لیے اسی اچھی چیز کو پسند کرنا جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہو اور اس بڑی چیز کو ان کے لیے پسند کرنا جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو ان کی جان مال اور عزت سے ضرر اور بڑائی کو دور کرنا اور ان امور کی طرف ان کو بھی متوجہ کرنا۔

ہر شخص پر اس کی طاقت کے مطابق نصیحت کرنا لازم ہے جب کہ اس کو یہ علم ہو کہ اس کی نصیحت قبول کی جائے گی اور اس کے حکم کی اطاعت کی جائے گی اور اس کو یہ اطمینان ہو کہ نصیحت کرنے کی وجہ سے اس کو کوئی ناگوار صورت حال پیش نہیں آئے گی اور اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ نصیحت کرنے کی وجہ سے وہ کسی مصیبت میں پڑ جائے گا تو پھر نصیحت کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۲۵)

بڑے سے بڑا نیک بھی اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے مستغنی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بخشش اور رحمت کا تعلق تو بڑائی کرنے والوں اور گنہ گاروں کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ اس کے دو جواب ہیں: اول یہ کہ بخشش اور رحمت کا تعلق بڑائی کرنے والوں اور گنہ گاروں کے ساتھ ہے بشرطیکہ وہ توبہ کر لیں اور یہ محذوف ہے اور اس کا تعلق محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اپنی نیکیوں کی وجہ سے اپنے اوپر دنیا میں مذمت کا اور آخرت میں عذاب کا دروازہ بند کر دیا ہے لہذا ان کی مذمت کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیکی کرنے والے خواہ نیکیوں کی انتہا کو پہنچ جائیں وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی گناہ سے اور اپنے اور بندوں کے درمیان کسی بڑائی سے خلل نہیں ہوتے لیکن اگر وہ گنہ گار بن کر رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے صغیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچ بنو گے تم کو منع

تھی، اور اللہ کی قسم! جس کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھاؤں پھر اس کام کے کرنے میں خیر دیکھوں تو میں اس کام کو کروں گا اور اس قسم کا کفارہ دوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۹)

اس آیت میں اور اس کے شان نزول میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں مذکور ہے کہ جملہ میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے صحابہ شدت غم سے رو رہے تھے، ہم لوگ جان، مال اور اولاد کے نقصان کے غم میں روتے ہیں، کبھی ایسا ہوا ہے کہ نماز قضا ہونے پر ہم روئے ہوں یا حج سے یا جملہ سے محروم ہونے پر ہم روئے ہوں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خدمت کے مستحق تو صرف وہ لوگ ہیں جو مال دار ہونے کے باوجود آپ سے جملہ میں رخصت کو طلب کرتے ہیں، وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جائے دلی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مرگادی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے (التوبہ: ۳۳)

اس آیت کی تفسیر التوبہ: ۸۷-۸۶ میں گزر چکی ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ

اے مسلمانو! جب تم ان (مناجین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے جلتے بنائیں گے، (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ تم جانتے تہ

لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ

بناد ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول

عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تَرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمہارے (طرز) عمل کو دیکھنے کا بھترم اس ذات کی طرف لوٹے جاؤ گے جو غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔

فَيَنْبِتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا

پس وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے رہے تھے ﴿۹۳﴾ جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ

انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ

تمہارے سامنے مغرب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بیانیوں سے) ان سے صحت نظر کروا لیں تم ان کی طرف توجہ

رَجَسٌ وَمَا دُلُّهُمْ جَهَنَّمَ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۴﴾

ذکر واپس نہک وہ ناپاک ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے رہے تھے ﴿۹۴﴾

يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے پس اگر تم ان سے راضی ہو (جی) گئے تو اللہ راضی

لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۹﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَ

لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ○ مدینہ کے گرد رہنے والے (دیہاتی کفر و نفاق میں

نفاقاً و اجْدَارًا لَا يَعْلَمُونَ أَحَدٌ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ

بہت سخت ہیں وہ اسی لائق ہیں کہ ان احکام شریعہ سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور اللہ بہت علم والا ہے مددِ حکمت والا ہے ○ اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو (راہ حق میں) اپنے خرچ

مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدَّاءِ يُرِيدُ عَلَيْهِمْ دَآيِرَةً السُّوءِ ۚ

کرنے کو جرمانہ قرار دیتے ہیں اور وہ تم پر گردشِ المم کے منتظر ہیں مالاخرہ بری گردش ان ہی پر مسلط ہے اور

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ

اللہ خوب سنتے والا بہت جانتے والا ہے ○ اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر

الْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَاتِ

ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں (نوع کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب کا اور رسول کی نیک دعاؤں کے حصول

الرَّسُولِ إِلَّا أَنهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ

کا ذریعہ قرار دیتے ہیں بسننا یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہے اللہ غفریب ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰۲﴾

بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے مددِ رحمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) جب تم ان (منافقین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بھانے
بتائیں گے، (اے رسولِ کرم!) آپ کہیے کہ تم بھانے نہ بٹاؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے
حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے (طرزِ عمل کو دیکھے گا پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے
جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، پس وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے رہے تھے ○ (التوبہ: ۹۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے بہانوں کو اس لیے قبول نہیں فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا تھا کہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ مستقبل میں

منافقوں کی کیا روش ہوگی۔ آیا جس صدق اور اخلاص کا وہ اظہار کر رہے ہیں وہ اس پر قائم رہیں گے یا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے اعمال کا جائزہ لے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا

اس کے بعد فرمایا: وہ (اللہ تعالیٰ) ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، اور ہر غیب اور ہر ظاہر کو جانتا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ الغیب میں لام استغراق کا ہے اس لیے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ فرماتے ہیں:

علم غیب بلاذات اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے، کفار اپنے معبودان باطل و غیرہم کے لیے مانتے تھے لہذا مخلوق کا عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والاعطی ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ نور یہ رضویہ سکھر)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عالم الغیب کو اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ ان کے باطن میں چھپی ہوئی خیانتوں کو اور ان کے دلوں میں جو مکر و فریب اور سازشیں ہیں ان سب کو جانتے والا ہے، اس آیت میں ان کو ڈرایا گیا ہے اور ان کو ڈانٹ ڈھٹ کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے مغرب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) ان سے صرف نظر کرو پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو بے شک وہ ٹپاک ہیں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے (التوبہ: ۹۵)

منافقین سے ترک تعلق کا حکم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ منافقین غزوہ تبوک میں نہ جانے کے متعلق جھوٹے بہانے بتاتے تھے، اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے ان بہانوں کو جھوٹی قسموں کے ساتھ موکد کرتے ہیں۔

منافقین نے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں جانے پر قادر نہ تھے، اور انہوں نے یہ قسمیں اس لیے کھائی تھیں تاکہ مسلمان ان سے درگزر کریں اور ان کی مذمت نہ کریں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے لوٹے تو لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھ گئے، پھر آپ سے ملنے وہ لوگ آئے جو آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، وہ آکر قسمیں کھا کھا کر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے، وہ اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر کے انہیں بیعت کر لیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دینے کے بعد مجھ پر جو سب سے بڑا احسان کیا وہ یہ تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش نہیں کیا۔

(جامع البیان ج ۷ ص ۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے اعراض کرو یعنی ان کی طرف توجہ نہ کرو۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد

خلیفہ بنایا اور ان کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ منافقین نے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضگی کی بناء پر اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ راستے میں آپ سے جا ملے اور منافقین کی باتوں سے آپ کو مطلع کیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا ہے، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسا کہ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے، ہاں مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھلایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ منافقین اور مخالفین پر لعنت فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین سے فرمایا: ان کے ساتھ بات کرو نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الہاز مکہ مکرمہ ۱۴۱۱ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ ٹپاک ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کا باطن خبیث اور نجس ہے اور ان کی رُوح ٹپاک ہے، اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے احتراز کرنا واجب ہے اسی طرح رُوحانی نجاستوں سے بھی احتراز کرنا واجب ہے تاکہ ان کی نجاستیں انسان میں سرایت نہ کر جائیں اور تاکہ ان کے بڑے کاموں کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا (التوبہ: ۹۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے منافقین! جو نے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور اگر تم ان سے راضی ہو گئے اور تم نے ان کی معذرت کو قبول کر لیا، کیونکہ تم کو ان کے بیچ اور جموٹ کے درمیان اختیار نہیں ہے، سو تمہارا راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنوں کو اور ان کے خفیہ امور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، یہ اللہ کے ساتھ کفر قائم ہیں اور ایمان سے کفر کی طرف اور اطاعت سے معصیت کی طرف جانے والے ہیں، پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مرنے کے (گرد رہنے والے) رسالتی کفر اور فتنہ میں بہت سخت ہیں وہ اسی لائق ہیں کہ ان احکام شرعیہ سے جائز رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے (التوبہ: ۹۷)

العرب اور الاعراب کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الاعراب کفر اور فتنہ میں بہت سخت ہیں۔ الاعراب، الاعرابی کی جمع ہے، العرب اور الاعراب کے معنی حسب ذیل ہیں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

العرب، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور الاعراب اصل میں اس کی جمع ہے۔ پھر یہ گاؤں اور دیہات میں رہنے والوں کے لیے اسم بن گیا عرف میں جنگلوں اور صحراء میں رہنے والوں کو الاعرابی کہا جاتا ہے، اور الاعراب کا معنی ہے بیان۔ حدیث میں ہے:

الشيب تعرب عن نفسها۔
بے نکلح عورت اپنے متعلق خود بیان کرے گی۔

(صحیح مسلم، النکاح: ۶۸)

(الفردات ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد النعمیٰ نیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اہل لغت نے کہا ہے کہ جب کسی شخص کا نسب عرب کی طرف ثابت ہو تو اس کو عربی کہتے ہیں، اور جب کوئی شخص جنگل یا صحرا کا رہنے والا ہو تو اس کو اعرابی کہتے ہیں، خواہ وہ عرب سے ہو یا عرب کے آزاد شدہ غلاموں میں سے ہو اور اس کی جمع اعراب ہے، جیسے مجوسی اور مجوس اور یہودی اور یہود، لہذا جب اعرابی سے کہا جائے یا اعرابی تو وہ خوش ہوتا ہے اور جب عربی سے کہا جائے یا اعرابی تو وہ غضب ناک ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے عرب کے شہروں کو وطن بنالیا وہ عربی ہے، اور جس نے جنگلوں اور صحرا میں رہنے کو اختیار کیا وہ اعرابی ہے، اسی وجہ سے مہاجرین اور انصار کو اعراب کہنا جائز نہیں ہے، وہ عرب ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو کوئی عورت مرد کی امام نہ بنے اور نہ کوئی اعرابی مہاجر کا امام بنے اور نہ کوئی فاجر مومن کا امام بنے سو اس کے کہ اس کو سلطان مجبور کرے، وہ اس کی تلوار اور کوڑوں سے ڈرتا ہو۔ الحدیث: (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۸۵) ایک قول یہ ہے کہ عرب کو عرب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جن کی العربیہ میں نشوونما ہوئی۔ العربیہ، تمامہ کا ایک حصہ ہے، ان کی اپنے شہر کی طرف نسبت کی گئی ہے، اور ہر وہ شخص جو جزیرہ عرب میں رہتا ہو اور ان کی زبان بولتا ہو وہ ان میں سے ہے، دو سرا قول یہ ہے کہ ان کی زبان ان کے بنی الضمیر کا بیان کرنے والی ہو کیونکہ ان کی زبان میں فصاحت اور بلاغت بہت زیادہ تھی (اور الاعراب کا معنی ہے بیان کرنا) اور بعض حکماء سے منقول ہے کہ روم کی حکمت ان کے دماغوں میں ہے اور ہند کی حکمت ان کے اوہام میں ہے اور یونان کی حکمت ان کے دلوں میں ہے، اور عرب کی حکمت ان کی زبانوں میں ہے اور یہ ان کے الفاظ اور ان کی عبارات کی مطاس کی وجہ سے ہے، اور الاعراب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وحشیوں کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان پر گرم ہوا کا غلبہ ہوتا ہے جو کثرت طیش اور اعتدال سے خروج کا موجب ہوتی ہے اور جن لوگوں پر صبح و شام انوار نبوت کا فیضان ہوتا ہو اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سنتے رہتے ہوں اور دن رات آپ کی تربیت سے بہرہ مند ہوتے ہوں ان کے برابر جنگل میں رہنے والے وہ لوگ کب ہو سکتے ہیں جن کی کوئی تربیت نہ ہو نہ ادب سکھاتا ہو اور اگر تم چاہو تو جنگلی اور پہاڑی پھلوں کا باغات کے پھلوں سے مقابلہ کر لو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! شقاوت اور دلوں کی سختی فدائیں (چرواہوں) میں ہے جو اونٹوں کی دوسوں کے پاس چلے و پھار کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاعراب کو شقی اور سخت دل قرار دیا ہے۔

(غرائب القرآن ج ۳ ص ۵۲۱-۵۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابو حفص عمر بن علی الدمشقی الخلیل المتوفی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں:

عرب اور اعراب میں یہ فرق ہے کہ اعراب کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذمت فرمائی ہے، اور عرب کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرہ فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین وجوہ سے عرب سے محبت رکھو: کیونکہ میں عربی ہوں، اور قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۳۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۵۷۷، اس کی سند میں العلاء بن عمرو الخنسی ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۲) علامہ غیشا پوری نے عرب کی وجہ تسمیہ میں جو اقوال ذکر کیے ہیں علامہ ابو حصص ضحلی نے ان کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ جبرہم کے پاس رہیں اور حضرت اسماعیل نے ان کے پاس نشوونما پائی۔ وہ سب حضرت اسماعیل سے پہلے عرب تھے، اور حضرت اسماعیل نے جبرہم سے عربی سیکھی تھی، اور صحیح یہ ہے کہ عرب حضرت اسماعیل سے پہلے تھے، اور علو، ثمود، قس، جدیس، جبرہم، غمایتیق یہ سب عرب تھے اور نسائین نے کہا ہے کہ سام بن نوح ابو العرب تھے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عربی اور دو سری زبانوں میں کلام کیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں میں فصیح اور بلیغ زبان ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱ ص ۱۸۰-۱۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

الاعراب سے مراد مدینہ کے گرد رہنے والے دیہاتی ہیں
امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب جمع کامیثہ معروف بلام ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ اس سے مراد معبود سابق ہو، اور اگر معبود سابق موجود نہ ہو تو اس کو ضرور نا استغراق پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جمع کامیثہ تین یا تین سے زیادہ افراد کے لیے ہوتا ہے اور الف لام، تریف کے لیے ہوتا ہے پس اگر جمع کے معنی میں کوئی معبود سابق ہو تو اس کو مراد لینا واجب ہے اور اگر معبود موجود نہ ہو تو اس کو استغراق پر محمول کیا جائے گا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں الاعراب سے مراد متاقین اعراب کی ایک جماعت معینہ ہے جو مدینہ کے متاقین سے دوستی رکھتی تھی لہذا اس نقطہ سے مدینہ کے گرد رہنے والے متاق دیہاتی مراد ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو (راہ حق میں) اپنے خرچ کرنے کو جرمانہ قرار دیتے ہیں اور وہ تم پر گردش ایام کے بظہر ہیں حالانکہ بڑی گردش ان ہی پر مسلط ہے اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے (التوبہ: ۹۸)
اعراب کی سنگ دلی اور شقاوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگوں میں رہتا ہے وہ سخت دل ہوتا ہے اور جو شخص شکار کے پیچھے جاتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے اور جو شخص سلطان کے دروازوں پر جاتا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۹، سنن ابوالسائی رقم الحدیث: ۳۳۲۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۷، تحف السلاۃ المستعین ج ۱ ص ۳۸۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۵۸۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے پوچھا: کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو ان کو بوسہ نہیں دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو کیا میں اس کا مالک ہوں؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۵، مسند احمد ج ۶ ص ۷۰)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ چنانکہ پلویہ نشینوں اور اعراب میں شعلات اور سخت دلی غالب ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پلویہ نشینوں میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا بلکہ جو رسول بھیجے وہ شمر کے رہنے والوں میں سے بھیجے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْهِ
لَا يَسْمَعُونَ اَهْلَ الْبُيُوتِ - (یوسف: ۱۳۹)

ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے جو بیویوں کے رہنے والے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

الدوائر اور دائرة السوء کے معنی

الدوائر: دائرہ کی جمع ہے، نعمت سے مصیبت کی طرف پلٹنے والی حالت کو دائرہ کہتے ہیں۔ اصل میں دائرہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کا احاطہ کرے، اور دوائر الزمان: زمانہ کی گردش کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال صرف پابندیدہ چیزوں اور مصائب میں ہوتا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین تم پر زمانہ کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں، زمانہ کی گردش سے کبھی راحت آتی ہے اور کبھی مصیبت، وہ اس انتظار میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں اور مشرکین کا غلبہ ہو جائے۔

عليهم دائرة السوء: سوء (سین پر زبر کے ساتھ) کا معنی فساد اور ردی ہونا ہے اور سوء (سین پر پیش کے ساتھ) کا معنی بلاء اور ضرر ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں اسم ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں مصدر ہوں، اور بعض نے کہا کہ سوء (زبر کے ساتھ) کا معنی مذمت ہے اور سوء (پیش کے ساتھ) کا معنی عذاب اور ضرر ہے اور سوء (زبر کے ساتھ) اسم ہے اور سوء (پیش کے ساتھ) مصدر ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین، مسلمانوں پر بڑی گردش کے منتظر تھے، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بڑی گردش صرف ان ہی پر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دہاتی وہ ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب کا اور رسول کی نیک دعائوں کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، سنو! یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہے اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے (التوبہ: ۹۹)

شان نزول اور ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا بعض اعراب وہ ہیں جو راہ حق میں اپنے خرچ کرنے کو (مغرّم) جرمانہ قرار دیتے ہیں، امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ زید بن اسلم سے روایت کیا ہے: یہ اعراب میں سے منافقین تھے جو دکھلوے کے لیے راہ حق میں خرچ کرتے تھے اور اس ڈر سے خرچ کرتے تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اپنے خرچ کرنے کو جرمانہ قرار دیتے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۹۸۶ جامع البیان جز ۱ ص ۷) اور اب اس آیت میں اعراب کی دوسری قسم بیان فرمائی ہے جو اپنے خرچ کرنے کو اللہ سے قرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا: یہ مزینہ سے بنو مقرن تھے، اور امام ابن جریر نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مفضل نے فرمایا: یہ مقرن کے دس بیٹے تھے اور یہ آیت ہم میں نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان جز ۱ ص ۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم جز ۶ ص ۱۸۶)

قربات اور صلوات کے معنی

قربات: قربہ کی جمع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کیا جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ

وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف قُرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے حصول کا سبب قرار دیتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے والوں کے لیے دعا فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ

آپ ان کے لیے دعا کیجئے، آپ کی دعا ان کے لیے طمانیت

(التوبہ: ۳۳)

حضرت ابن ابی ابی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص صدقہ لے کر آتا تو آپ فرماتے: اے اللہ! آل فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما یعنی اس پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما اور جب میرے باپ آئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! آل ابی ابی پر صلوٰۃ بھیج۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹ ص ۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ صلوات الرسول کا معنی ہے آپ کا استغفار کرنا اور دعا کرنا اور صلوٰۃ کی کئی قسمیں ہیں۔ اللہ عزوجل کی صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت، خیر اور برکت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَىٰكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ

وہی ہے جو تم پر صلوٰۃ نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے۔

(الاحزاب: ۳۳)

اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے دعا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وَالشَّابِقُونَ الْأَذَلُّونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْانْصَارِ

اور مهاجرین اور انصار میں سے (نیکو میں) سبقت کر لے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا

وہ جسے اور جن مسلمانوں نے نیکو میں ان کی اتباع کی۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے

عَنْهُ وَاعْتَدَ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں

فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنْ

ہمیشہ ہمیشہ وہیں کے یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور تمہارے گرد بعض اعرابی

الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا

(دھیاتی، ہدوی) منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ (بھی منافق ہیں) وہ نفاق پر

میں

عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ

ٹٹ چکے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں۔ غفریب ہم ان کو دو مرتبہ

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرُدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝۱۰۶ وَأَخْرُوجُوا

عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف واپس جائیں گے ۝ اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں

يَذُنُّوهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ

نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔ انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں کے ساتھ ملا دیا۔ غفریب اللہ ان کی

أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۰۷ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ

توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے ۝ آپ ان کے مالوں سے

صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ ۝۱۰۸ إِنَّ

زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے بے شک

صَلَوَاتُكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۝۱۰۹ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۱۰ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا ہے اور جاننے والا ہے ۝ کیا یہ نہیں جانتے کہ

اللَّهُ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَاخُذُ الصَّدَقَاتِ

بیشک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے

وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝۱۱۱ وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسَيَرَى

اور بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور اللہ ہے ۝ اور آپ کہیے کہ تم عمل کرو پھر غفریب اللہ

اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ

تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (سب) اور غفریب تم اس کی طرف واپس جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۱۲ وَأَخْرُوجُوا

ظاہر کو جانتے والا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم کرتے رہے تھے ۝ اور بعض دوسرے وہ ہیں

مَرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يَعْدُبُهُمْ وَإِمَّا يَنْتَوِبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ

جن کو اللہ کا حکم آئے تک سزا دیا گیا ہے۔ یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۶﴾

بہت علم والا ہے حد حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نکلی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نکلی میں ان کی ابتلا کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

(التوبہ: ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اذلیلین کے مصداق میں اقوال اس آیت میں مہاجرین اور انصار میں سے جو سابقین اذلیلین ہیں اس کا مصداق کون سے صحابہ ہیں، اس میں متعدد اقوال ہیں:

امام ابن جریر نے متعدد اساتید کے ساتھ عامر اور شعبی سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جو بیعت رضوان کے موقع پر حاضر تھے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی سو وہ مہاجرین اذلیلین میں سے ہیں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۵۰-۴۹ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۸)

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی منیل حنفیؒ لکھتے ہیں: اس آیت کے مصداق میں چھ قول ہیں:

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

(۲) شعبی نے کہا: یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی اور یہ بیعت حدیبیہ ہے۔

(۳) عطاء بن ابی رباح نے کہا: ان سے مراد ابی بدر ہیں۔

(۴) محمد بن کعب القرظی نے کہا: ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب ہیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں سبقت حاصل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کی مغفرت کر دی ہے اور ان کے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے خواہ وہ نیکو کار ہوں یا خطاکار۔

(۵) علامہ باوردی نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے موت اور شہادت میں سبقت کی اور اللہ کے ثواب کی طرف سبقت کی۔

(۶) قاضی ابویعلیٰ نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو ہجرت سے پہلے اسلام لائے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۳۹۱-۳۹۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ)

تاہم اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ ان تمام اقسام کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے۔ ابو منصور بغدادی نے کہا کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ تمام اصحاب میں افضل خلفاء اربعہ ہیں، پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ، (حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم) (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۷۳) پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب احد، پھر حدیبیہ میں اہل بیعت رضوان۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶۳، مطبوعہ دارالوقائع بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام غزالی محمد بن عمر رازی متوفی ۵۰۶ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا مصداق وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت اور آپ کی نصرت میں سب سے سابق اور سب سے اول ہو، اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ہر مقام اور ہر جگہ میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر کا مقام دوسرے صحابہ سے بہت زیادہ بلند ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابہ کرام میں سے ہیں لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصداق کو انجام دینے کے لیے مکہ میں رہے لیکن ہجرت میں سبقت کرنے کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں بھی سبقت کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں سبقت کرنے والوں کی تفصیل

امام ابو محمد الحسین بن مسعود القراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون اسلام لایا، جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔ بعض علماء نے کہا سب سے پہلے جو ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت جابر کا قول ہے اور امام ابن احنق نے کہا حضرت علی دس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے، اور بعض نے کہا حضرت خدیجہ کے بعد جو سب سے پہلے اسلام لائے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ حضرت ابن عباس، امیر ایم نجفی اور شجعی کا قول ہے، اور بعض نے کہا سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور یہ زہری اور عروہ بن الزبیر کا قول ہے اور احنق بن ابراہیم حنظلی نے ان اقوال کو جمع کیا ہے، انہوں نے کہا مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ امام ابن احنق نے کہا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دی، اور حضرت ابوبکر قریش میں عہدہ نسب کے تھے، نرم مزاج تھے، تاجر تھے اور ان کی خوش اخلاقی بہت مشہور تھی، لوگ ان کے پاس آتے تھے اور متعدد معاملات میں ان سے الفت رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے حسن معاملہ کو جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر کو جس شخص پر اعتماد ہو تا وہ اس کو اسلام کی دعوت دیتے، لہذا حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکر ان کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے۔ یہ وہ آٹھ شخص تھے جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، پھر لوگ بے درپے اسلام میں داخل ہونے لگے، اور رہے انصار میں سے سبقت کرنے والے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبہ میں بیعت کی تھی، العقبۃ الاولیٰ (مکہ کے قریب ایک گھاٹی تھی، مدینہ سے لوگ حج کے لیے آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی میں تبلیغ فرماتے۔ پہلی بار چھ شخص مسلمان ہوئے تھے، ان کو اصحاب العقبۃ الاولیٰ کہا جاتا ہے) میں چھ شخص مسلمان ہوئے تھے اور دوسرے سال چھ اور آکر مسلمان ہوئے، یہ بھی اصحاب العقبۃ الاولیٰ ہیں، ان کے بعد ستر (۷۰) شخص مسلمان ہوئے تھے، یہ اصحاب العقبۃ الثانیہ ہیں۔ حضرت معتب بن عمیر ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، پھر ان کے ساتھ انصار کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد اسلام لے آئی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۳۳۳ الباب فی علوم الکتاب ج ۲ ص ۱۸۷-۱۸۶ مطبوعہ بیروت) مہاجرین سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی قوم، اپنے قبیلہ اور اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور انصار سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دشمنان اسلام کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں پناہ دی۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو مدینہ سے آئے ہوئے چھ شخص ملے۔ آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی، سودہ مسلمان ہو گئے اور یہ بنو النجار میں سے اسد بن زرارہ اور عوف بن الحارث اور بنو زریق میں سے رافع بن مالک اور بنو سلمہ سے ثعلبہ بن عامر بن حدیدہ اور بنو حرام میں سے عقبہ بن عامر بن ثابی اور بنو عبیدہ بن عدی بن سلمہ سے جابر بن عبد اللہ بن رطب تھے اور ان سے پہلے مدینہ سے آکر کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا، ان پر سب کا اجماع ہے۔ پھر یہ چھ صحابہ مدینہ گئے اور انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، پس جس نے اسلام لانا تھا وہ اسلام لے آیا۔ ان دنوں انصار کے ہر گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا۔

اس کے دوسرے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس گھاٹی میں ان چھ کے ساتھ چھ اور نظر آئے، ان میں بنی عوف بن الحارث میں سے عبادہ بن الصامت، اور یزید بن ثعلبہ اور بنو عامر سے عباس بن عبادہ بن عجلہ تھے اور بنو زریق میں سے دکان بن عبد قیس تھے۔ یہ دس افراد خزرج میں سے تھے اور اوس میں سے دو شخص تھے۔ ابوالہیثم بن ایتھن، یہ بنو عبدالاشہل کے حلیف تھے اور بنو عمرو بن عوف میں سے عویم بن سلہہ تھے، یہ سب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، اور نہ چوری کریں گے نہ زنا کریں گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے اور نیک کام میں کسی کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور جس نے ان ممنوع کاموں میں سے کوئی کام کر لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو ان کو معاف کر دے اور چاہے تو ان کو عذاب دے۔ اس وقت تک جملہ فرض نہیں ہوا تھا وہ مدینہ چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور حضرت اسد بن زرارہ مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے، اور یہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز تھی۔ یہ بارہ صحابہ اصحاب عقبہ اولیٰ ہیں اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے بعد ستر نفر مدینہ سے مکہ کی

گھائیوں میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کیا یہ اصحاب عقبہ ثانیہ ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۱-۱۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۳۱۸ھ)

مہاجرین اور انصار کے فضائل

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کی حیات ظاہری میں آپ کی صحبت اختیار کی باقی طور کہ آپ کو دکھایا آپ کی گفتگو سنی یا آپ کے ساتھ سفر یا حضر کی کسی مجلس میں رہا خواہ یہ صحبت ایک لحظہ کی ہو اور وہ شخص ایمان پر ہی آدم مرگ قائم رہا حتیٰ کہ حالت ایمان میں اس کو موت آئی ہو وہ شخص صحابی ہے۔ ان میں سے مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی اور انصار وہ ہیں جنہوں نے مدینہ میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو پناہ دی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو بڑا اند کہو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کرے تو وہ ان کے دیئے ہوئے ایک مدیا نصف (ایک کلو گرام یا نصف) کے برابر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:

۳۸۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۹۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۵۳)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو اپنے طعن کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی عنقریب وہ اس کو پکڑ لے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۵۶، مسند احمد ج ۳ ص ۸۷، ملیت الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو بڑا کہتے ہیں تو کہو تمہارے شر اللہ کی لعنت ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۶، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۷۳، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۵، تہذیب الکمال ج ۳ ص ۱۳۷)

حضرت کعب بن جبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم میں ایک جماعت انصار کی تھی، ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت بوہاشم کی۔ ہم میں یہ بحث ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون زیادہ قریب ہے اور کون آپ کو زیادہ محبوب ہے۔ ہم نے کہا: ہمارا انصار کا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور ہم نے آپ کی اتباع کی اور ہم نے آپ کے ساتھ جماد کیا اور آپ کے دشمنوں سے لڑے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔ اور ہمارے برادر مہاجرین نے کہا: ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی اور ہم نے اپنے خاندان، اہل و عیال اور اموال کو چھوڑ دیا اور جن معرکوں میں تم حاضر رہے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم اور لوگوں کی یہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔ اور ہمارے برادر بوہاشم نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں، اور جن مواقع پر تم حاضر تھے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں اور آپ کے زیادہ محبوب ہیں۔ تب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم کیا کہہ رہے تھے؟ ہم (گروہ انصار) نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، تمہاری بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر ہمارے برادر مساجرین نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا، ان کی بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر ہمارے برادر بنو ہاشم نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا، ان کی بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہارے درمیان فیصلہ نہ کروں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ پر ہمارے ماں باپ خدا ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اے انصار کے گروہ! میں صرف تمہارا بھائی ہوں، تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! ہم بازی لے گئے۔ اور رہے تم اے گروہ مساجرین! تو میں صرف تم میں سے ہوں، تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! ہم جیت گئے۔ اور رہے تم اے بنو ہاشم! تو تم مجھ سے ہو اور میری طرف ہو، تو ہم سب کھڑے ہو گئے اور ہم سب راضی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کرتے تھے۔

(۱) المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۳۳ حافظ البیہقی نے کہا: میں اس حدیث کے ایک راوی کو نہیں پہچانتا، باقی راوی ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۷۲۳۷ طبع حدیث دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ

حضرت مسلمہ بن حذافہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مساجرین عام لوگوں سے چالیس سال پہلے (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور لوگ حساب میں گرفتار ہوں گے، الحدیث۔

(۱) المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۳۸ حافظ البیہقی نے کہا: اس کا ایک راوی عبدالرحمن بن مالک ہے، اس کو میں نہیں پہچانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۷۲۳۷

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا ہے اور غلبہ کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

(۱) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۱۹
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار سے صرف مومن محبت رکھتا ہے اور ان سے صرف منافق بغض رکھتا ہے، پس جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔

(۱) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۶۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۷۲، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۳۹، شرح السنن رقم الحدیث: ۳۹۱۷، مسند ابن الجعد رقم الحدیث: ۳۷۷۹

اللہ کی رضا اس پر موقوف ہے کہ مساجرین اور انصار کی نیکیوں میں ان کی اتباع کی جائے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جو مسلمان مساجرین اور انصار کے لیے جنت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے محاسن بیان کرتے ہیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت تک کے جو مسلمان مساجرین اور انصار کے دین اور ان کی نیکیوں میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو ان کی اتباع کرے وہ اللہ کے راضی کرنے کے مرتبہ اور ثواب اور جنت کا اس وقت مستحق ہو گا جب وہ نیکی میں مساجرین اور انصار صحابہ کی اتباع کرے گا اور احسان سے مراد یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کے حق میں نیک کلمات کہے اور ان کے محاسن بیان کرے اس لیے جو شخص صحابہ کرام کے متعلق نیک

کلمات نہیں کہے گا وہ اللہ کی رضا کے مرتبہ اور جنت کا مستحق نہیں ہو گا کیونکہ ایمان والے صحابہ کرام کی تقظیم میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اور اپنی زبانوں پر کوئی ایسا کلمہ نہیں لاتے جو ان کی شان اور ان کے مقام کے ہمناسب ہو۔
حافظ ابن کثیر و مشقی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

ان لوگوں پر افسوس ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو بڑا کتے ہیں خاص طور پر اس صحابی کو جو سیدہ الصحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں اور سب سے برتر اور خلیفہ اعظم ہیں یعنی حضرت ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کیونکہ رافضی افضل الصحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو بڑا کتے ہیں، اور جب یہ لوگ ان ذوات قدسیہ کو بڑا کتیں گے جن سے اللہ راضی ہو گیا تو ان کا قرآن پر ایمان کیسے رہے گا اور رہے اہلسنت تو وہ ان سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور اس کو بڑا کتے ہیں جس کو اللہ اور اس کا رسول بڑا کتے ہیں، اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ قبیح باہست ہیں مبتدع نہیں ہیں اور وہی حزب اللہ ہیں اور فلاح پانے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۰-۴۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور اس سے راضی ہو گا جو مہاجرین اور انصار کی اتباع بلا حسان کرے گا اور ان کے متعلق ایک کلمات کے گھسوسو جس کو جنت اور اللہ کی رضا چاہیے وہ مہاجرین اور انصار صحابہ کی نیکی میں اتباع کرے اور ان کے محاسن بیان کرے، نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مہاجرین اور انصار صحابہ سے اللہ راضی ہے اور جن سے اللہ راضی ہے انہیں اس کی کیا پروا ہو گی کہ کوئی ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے گرد بعض اعرابی (دہاتی، بدوی) منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ (بھی منافق ہیں) وہ نفاق پر ڈٹ چکے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں، غنہیب ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے (التوبہ ۱۰۴)

مدینہ سے باہر کے منافقین اور ان سے متعلق اعتراضات کے جوابات

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے احوال بیان فرمائے اس کے بعد اعرابیوں اور بدویوں میں سے منافقین کا حال بیان فرمایا، پھر اعرابیوں میں سے خالص مومنوں کا ذکر فرمایا، پھر بیان کیا کہ اکابر مومنین وہ ہیں جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں، اور اس آیت میں بیان فرمایا کہ مدینہ کے اندر اور باہر دونوں جگہ منافقین ہیں۔

مردو اعلى السفاق کا معنی ہے انہیں نفاق کی خوب مشق ہو چکی ہے، وہ نفاق میں خوگر اور نفاق کے ماہر ہیں۔

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: ان میں سے بعض عبد اللہ بن ابی، جد بن قیس، الجلاس، معتب، دوح اور ابو عامر راہب ہیں۔ (ازار المسیر ج ۳ ص ۴۹-۴۷) اور مدینہ کے گرد جو منافقین تھے ان کے متعلق امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ جہینہ، سلم، اشیع اور غفار تھے، یہ لوگ مدینہ کے گرد رہتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰) امام بغوی، امام واحدی، امام ابن الجوزی، نسفی، خازن اور سیوطی وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں۔ امام رازی نے فرمایا: یہ نفاق میں اس قدر ماہر اور مشاق ہو چکے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپ بہت ذہین ہیں اور آپ کی عقل اور فراست بہت کامل اور روشن ہے پھر بھی آپ انہیں نہیں جانتے، انہیں ہم جانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق اس آیت میں جہینہ، سلم، اشیع اور غفار کو ماہر

منافق فرمایا ہے اور احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش، انصار، حبشہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار میرے دوست ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: غفار کی اللہ مغفرت فرمائے، اور اسلم کو اللہ سلامت رکھے، اور حبشہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث حبشہ، اسلم اور غفار وغیرہ کے غالب اور اکثر افراد پر محمول ہیں، اور ان قبیلوں کے بعض افراد منافق تھے جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اس جگہ دو سرائع اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَسَوْفَ نَسْأَلُ أَتَىٰ نِكَاحِهِمْ فَتَرَكَهُمْ
يَسْأَلُهُمْ وَيَسْأَلُهُمْ رُؤْيَا نَفْسِهِمْ
اور اگر ہم چاہے تو ہم ضرور آپ کو منافقین دکھا دیں، اور ان کی صورت سے تو آپ ان کو پہچان چکے ہیں اور ان کی باتوں کے بعد سے بھی آپ ان کو ضرور پہچان لیں گے۔ (محمد: ۳۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ توبہ میں منافقین کے جس علم کی نفی ہے وہ قطعی ہے یعنی آپ قطعیت کے ساتھ منافقوں کو نہیں جانتے اور سورہ محمد میں جس علم کا ثبوت ہے وہ ظنی ہے یعنی آپ علامتوں اور قرینوں سے منافقوں کو پہچان لیتے ہیں۔ واضح رہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطعیت کے ساتھ منافقین کی شناخت کرا دی تھی اور ان کا علم دے دیا تھا۔

دو مرتبہ عذاب دینے کی تفصیل

(۱) امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو بھوک کا عذاب دیا جائے گا اور دوسری مرتبہ ان کو قتل کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔

(۲) امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو عذاب قبر دیا جائے گا اور دوسری بار عذاب بار دیا جائے گا۔ قتادہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

(۳) امام ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ربیع سے منقول ہے: ایک بار ان کو دنیا میں آزمائش میں ڈالا جائے گا اور ایک بار عذاب قبر دیا جائے گا۔

(۴) امام ابوالشیخ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ایک بار ان کو مل اور اولاد کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا اور دوسری بار ان کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۵) امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی اور امام ابوالشیخ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو دنیا میں رسوائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور دوسری مرتبہ عذاب قبر میں مبتلا کیا جائے گا۔

(الدر المستور ج ۵ ص ۲۷۳-۲۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

منافقین کی رسوائی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منافق کا نام لے کر اس کو مسجد سے نکال دیا، اس کو ہم بکثرت حوالہ جلت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بنام منافقین کو مسجد سے نکالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (التوبہ: ۱۰۶) کی تفسیر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا: اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے، اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو ڈسوا کر دیا، اس دن کسی کام کی وجہ سے اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے، جس وقت حضرت عمر آئے تو وہ مسجد سے نکل رہے تھے، وہ حضرت عمر سے پھپھ رہے تھے، ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت عمر کو حقیقت واقعہ کا پتا چل گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا: آپ کو خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو ڈسوا کر دیا، یہ ان پر عذاب ازل تھا اور عذاب ثانی عذاب قبر ہے۔

(۱) المعجم الاوسط ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحديث: ۷۹۹، حافظ البیہقی نے کہا کہ اس حدیث کا ایک راوی الحسن بن عمرو بن محمد العنقری ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، الکافی الشافعی فی تخریج احادیث الکشاف ج ۲ ص ۳۰۹

حسب ذیل مفسرین نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

- (۱) امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۵)
- (۲) امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ (تفسیر القرآن ج ۶ ص ۱۸۷)
- (۳) امام ابواللیث سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ (تفسیر سمرقندی ج ۲ ص ۷۱)
- (۴) علامہ ابوالحسن النوادی المتوفی ۴۸۸ھ (الوسیط ج ۲ ص ۱۵۴)
- (۵) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۲)
- (۶) علامہ محمود بن عمر زعزعی متوفی ۵۳۸ھ (الکشاف ج ۲ ص ۱۲۹)
- (۷) قاضی ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ (المحرر الوجیز ج ۸ ص ۱۲۳)
- (۸) امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۵۹ھ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۳۴۳)
- (۹) امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۶)
- (۱۰) علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ (اللباب التلوین ج ۲ ص ۲۹۹)
- (۱۱) علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ (غرائب القرآن ج ۳ ص ۵۲۳)
- (۱۲) علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۷۵۳ھ (البحر المحیط ج ۵ ص ۱۳۹)
- (۱۳) حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۳ھ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۹۷)
- (۱۴) علامہ ابو حفص عمر دمشقی متوفی ۸۸۰ھ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۱ ص ۱۸۰)
- (۱۵) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ (الدر المستور ج ۳ ص ۲۷۳)
- (۱۶) قاضی ابوالسعود متوفی ۹۸۴ھ (تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۱۸۶)
- (۱۷) قاضی محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶۷)
- (۱۸) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۳۷۰ھ (روح البیان ج ۱ ص ۱۱)
- (۱۹) نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ (فتح البیان ج ۵ ص ۲۸۶)

(۲۰) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ (خزانة العرفان ص ۳۲۵)

(۲۱) شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ (تفسیر عثمانی بر حاشیہ قرآن ص ۲۳۲)

بعض علماء دیوبند اس حدیث کا انکار کرتے ہیں اس لیے ہم نے متعدد حوالہ جات ذکر کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی منافقین کے علم کے متعلق دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

امام احمد کی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ گمراہ گمان کرتے ہیں کہ ہمیں مکہ کی عبادت کا کوئی اجر نہیں ملے گا! آپ نے فرمایا: تم کو تمہاری عبادتوں کے اجر و ملیں گے خواہ تم نو مزی کے سوراخ میں ہو۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اپنا سر کر کے کلن لگا کر سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب میں منافقین بھی ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ پر بعض منافقین منکشف ہو گئے تھے اور وہ لوگ جو بے پر کی افواہیں اڑاتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ پندرہ معین منافقوں کا علم عطا فرمایا تھا اور یہ تخصیص اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ تمام منافقوں کے اسماء پر شخص طور پر مطلع نہ ہوں، اور امام ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص جس کا نام حرمہ تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: ایلیم یہاں ہے اور اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا، اور نفاق یہاں ہے، یہ کہہ کر اس نے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اللہ کا ذکر بہت کم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کی زبان کو ذکر کرنے والا بنادے، اور دل کو شکر کرنے والا بنادے اور اس کو میری محبت عطا فرما اور جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت عطا فرما، اور اس کا معاملہ خیر کی طرف کر دے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں منافقوں کا سردار تھا کیا میں ان کو آپ کے پاس لاؤں؟ آپ نے فرمایا: جو ہمارے پاس آئے گا ہم اس کے حق میں استغفار کریں گے اور جو اصرار کرے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور تم کسی کا پردہ فاش نہ کرنا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے بڑے کاموں کے ساتھ ملا دیا، عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۴)

حضرت ابولبابہ کی توبہ

ابن سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر فرمایا تھا جو جھوٹے بہانے تراش کر غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ بعض مسلمان بھی بغیر کسی سبب اور عذر کے غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش نہیں کیے اور انہوں نے یہ امید رکھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ دس مسلمان تھے جو غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا، اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تھے، جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: یہ کون لوگ

ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ ابولہبابہ اور ان کے اصحاب ہیں جو آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ یہ اس وقت تک بندھے رہیں گے جب تک آپ ان کا بخیر قبول کر کے ان کو نہیں کھولیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس وقت تک ان کو نہیں کھولوں گا اور ان کا بخیر قبول نہیں کروں گا جب تک کہ اللہ ہی ان کو کھولنے کا حکم نہ دے، ان لوگوں نے مجھ سے اعراض کیا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے۔ جب ان مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: ہم خود اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے حتیٰ کہ اللہ ہی ہمیں کھولے گا تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے بڑے کاموں کے ساتھ ملا دیا، عذیب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ چھ افراد تھے اور ان میں سے ایک حضرت ابولہبابہ تھے۔ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ جن مسلمانوں نے خود کو ستونوں سے باندھا تھا وہ آٹھ افراد تھے، ان میں کرم، مرداس اور ابولہبابہ تھے۔

قائد سے روایت ہے کہ یہ سات افراد تھے، ان میں ابولہبابہ بھی تھے لیکن وہ تین صحابہ (ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک) ان میں نہیں تھے۔

ضحاک نے روایت کیا ہے کہ یہ ابولہبابہ اور ان کے اصحاب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی اور ان کو کھول دیا تھا۔ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ابولہبابہ کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے بنو قریظہ کو اشارہ سے یہ بتایا تھا کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کئے سے قلعہ سے نکل آئے تو وہ تم کو ذبح کر دیں گے، انہوں نے اپنے ہاتھ کو حلقوم پر رکھ کر اشارہ کیا تھا۔ امام ابو جعفر نے کہا: ان روایات میں اولیٰ یہ ہے کہ حضرت ابولہبابہ نے غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا تھا۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۲۲-۱۹، طحا، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۷۳-۱۸۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طہانیت ہے، اور اللہ بہت سننے والا ہے حد جاننے والا ہے (التوبہ: ۱۰۳)

حضرت ابولہبابہ کی توبہ اور شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولہبابہ اور ان کے اصحاب کو کھول دیا، تو حضرت ابولہبابہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اموال لے کر آئے اور کہا: آپ ہمارے اموال لیجئے اور ان کو ہماری طرف سے صدقہ کر دیجئے۔ وہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے اور ہم کو پاک کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت تک ان میں سے کوئی چیز نہیں دوں گا جب تک کہ مجھے اس کا حکم نہ دیا جائے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں بے شک آپ کی دعائے رحمت ان کے لیے طہانیت ہے۔ یعنی ان سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں آپ ان کے لیے استغفار فرمائیں۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۲۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۷۵)

انبیاء علیہم السلام کے غیر استقلالاً اور انفراداً صلوٰۃ بھیجنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: آپ ان پر صلوٰۃ پڑھئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔ (النوبہ: ۱۰۳)
اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر امت کے عام افراد پر بھی مستقل طور پر صلوٰۃ پڑھنا جائز ہے۔ ہم پہلے صلوٰۃ کا معنی بیان کریں گے، پھر اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کریں گے اور فریقین کے دلائل ذکر کریں گے اور آخر میں اپنا موقف بیان کریں گے۔ مقبول وباللہ الموفیق۔

صلوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۴ھ نے لکھا ہے کہ اہل لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دُعا، ترمیم اور تجدید ہے اور اللہ اور رسول کے بندوں اور امت پر صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ان کا تزکیہ کرنا اور ان کی تعریف اور توصیف کرنا ہے اور فرشتوں اور مسلمانوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی دُعا اور استغفار کرنا ہے اور نماز کو بھی صلوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل دُعا ہے۔ (الفردات ج ۲ ص ۷۳ ۷۴)
علامہ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۰ھ کی تحقیق یہ ہے کہ صلوٰۃ کا معنی ثناء (تعریف اور توصیف) کرنا ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو العالیہ سے روایت کیا ہے: اللہ عزوجل کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا ان کی ثناء اور ستائش کرنا اور ان کو سراہنا ہے اور فرشتوں کا آپ پر صلوٰۃ پڑھنا آپ کی ثناء اور ستائش کی دُعا کرنا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب التسمیۃ الاحزاب: ۱۵۶) اور الاحزاب: ۵۶ میں صلوٰۃ کا معنی رحمت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا معنی ہے: اللہ اور اس کے فرشتے آپ کی ثناء اور تعریف کرتے ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۷۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تحقیق کی بناء پر سیدنا محمد کا معنی ہو گا: اے اللہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف فرما۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر افراد صلوٰۃ بھیجنے میں مذاہب فقہاء

علماء شیعہ کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ بعض متعصبین اہلسنت نے لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے اے اللہ! میرا مومنین علی پر صلوٰۃ بھیج یا فاطمہ الزہرا پر صلوٰۃ بھیج تو یہ ممنوع ہے حالانکہ قرآن مجید کی اس آیت سے عام مسلمانوں پر بھی صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے چہ جائیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور آپ کے ولی پر صلوٰۃ بھیجنا جائز ہو۔ (تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طبرستان ۱۳۷۵ھ)

علامہ موسیٰ بن احمد صالحی حنبلی متوفی ۹۱۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر بھی انفراداً صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے۔

(الاتقان مع کشاف القناع ج ۱ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(اکمال المعتمد بغرر مسلم ج ۲ ص ۳۰۵، مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۳۹۰ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور جمہور کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۲، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد یعنی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام احمد کے نزدیک غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ ان کے اصحاب، امام مالک، امام شافعی اور اکثرین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر افراد صلوٰۃ نہ بھیجی جائے لیکن ان پر جبکا صلوٰۃ بھیجی جاسکتی ہے۔

(عمدة القاری ج ۷ ص ۹۵، مطبوعہ ادارۃ المطابع المشرقیہ ۱۳۳۸ھ)

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ اور سلام بھیجنے میں جمہور کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی حنفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر افراد صلوٰۃ بھیجنے پر اجماع ہے، اسی طرح تمام انبیاء اور ملائکہ پر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنے کے جواز اور استحباب پر لائق شمار علماء کا اجماع ہے اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے متعلق جمہور کا موقف یہ ہے کہ ان پر ابتداء صلوٰۃ نہ بھیجی جائے، مثلاً ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا اور ممانعت میں اختلاف ہے، ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ یہ حرام ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا کہ یہ مکروہ تخریجی ہے، اور بہت سے علماء نے یہ کہا کہ یہ مکروہ تخریجی بھی نہیں خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ یہ الہی بدعت کا شعار ہے اور ہم کو الہی بدعت کے شعار سے منع کیا گیا ہے اور مکروہ وہ ہے جس میں قصداً ممانعت وارد ہو، ہمارے اصحاب نے کہا کہ اس کے مکروہ تخریجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سلف کی زبانوں میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسے اللہ عزوجل کا لفظ اللہ سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہے، پس جس طرح محمد عزوجل نہیں کہا جائے گا ہر چند کہ آپ عزیز اور جلیل ہیں، اسی طرح ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم یا علی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا، اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ غیر انبیاء پر جبکا صلوٰۃ بھیجی جاسکتی ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اللہ صلی علی محمد وعلی آل محمد واصحابہ واربواہ ودریئہ واتباعہ، کیونکہ اس کے متعلق احادیث صحیحہ وارد ہیں اور ہم کو تشدد میں اس کا حکم دیا گیا ہے اور خارج از نماز بھی اس پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے اور جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد جوینی نے یہ کہا ہے کہ غائب کے حق میں یہ بھی صلوٰۃ کی طرح ہے، اور غیر انبیاء پر افراد سلام نہیں بھیجا جائے گا، پس علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا اور اس میں زندہ اور مردہ برابر ہیں اور حاضر کو سلام کے ساتھ مخاطب کیا جائے گا مثلاً السلام علیک یا السلام علیکم کہا جائے گا۔

(اللاذکار ج ۱ ص ۱۳۶-۱۳۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

عبد شمس الدین ابن قیم جوہری ضلی متوفی ۷۵۰ھ نے سلام بھیجنے کے مسئلہ میں علامہ جوینی سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے

ہیں:

دوسرے علماء نے صلوٰۃ اور سلام میں فرق کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سلام کا لفظ ہر مومن کے حق میں مشروع ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، حاضر ہو یا غائب، کیونکہ یہ کہنا معروف اور معمول ہے کہ فلاں شخص کو میرا سلام پہنچا دو، اور یہ الہی اسلام کی تحیت (تعظیم) ہے، بخلاف صلوٰۃ کے کیونکہ وہ رسول کا حق ہے اس لیے نماز کے تشدد میں پڑھتے ہیں السلام علیہ وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اور یوں نہیں پڑھا جاتا الصلوٰۃ علیہ وعلیٰ عباد اللہ الصالحین، اور اس سے ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔ (جلاء الافہام ص ۲۶۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

مجازین کی ایک دلیل سورہ توبہ کی زمر بحث آیت ۱۰۳ ہے:

صَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ۔
آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔

اور دیگر آیتیں یہ ہیں:
وَأَنشَأْتَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٍ مِن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٍ۔
(البقرہ: ۱۵۷)
(یہ) وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات ہیں اور رحمت۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ۔ (الحزاب: ۵۶)
وہی ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔
ان آیتوں کے علاوہ حسبِ ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں:
حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب لوگ صدقہ لے کر آتے تو آپ ان کے لیے دعا کرتے: اے اللہ! ان پر رحمت بھیج۔ سو میرے باپ ابواوفی صدقہ لے کر آئے تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ابواوفی کی آل پر رحمت بھیج۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۹۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۶)

امام دارمی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے: ایک خاتون نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجئے تو آپ نے ان پر صلوٰۃ بھیجی۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۶۰۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۵۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۹) قیس بن سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی صلوات اور رحمت بھیج۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵ عمل الیوم والایک للسنن رقم الحدیث: ۱۳۲۵)

ان آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حکم اور کسی قاعدہ کا پابند نہیں ہے، وہ جس کو چاہے صلوٰۃ بھیجے اور جو چاہے کرے اور صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے، وہ اپنا حق جس کو چاہیں عطا کر دیں، سو یہ آیات اور احادیث ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہمارا موضوع یہ ہے کہ امت کسی غیر نبی پر صلوٰۃ بھیجے اور یہ چیز ان آیات اور احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر انفراداً صلوٰۃ نہ بھیجنے کے دلائل

امام ابن عبد البر متوفی ۵۶۳ھ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور: ۶۳)
تم آپس میں رسول کی دعا کو ایسا نہ قرار دو جیسا کہ تم ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے ہو۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دُعائیں صلوٰۃ کا ذکر ہو اور مسلمان ایک دوسرے کے لیے دُعائیں بھی صلوٰۃ کا ذکر کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے لیے دُعائیں کوئی امتیاز نہیں رہے گا حالانکہ اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ ان میں امتیاز ہونا چاہیے۔

(الاستاذ کارج ص ۶۶۲، طبع بیروت ۱۴۱۴ھ، التمهید ج ۷ ص ۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کا کسی شخص پر صلوٰۃ بھیجنا میرے علم

میں جائز نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۸۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۳۳۳ سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۵۳ الاستاذ کار ج ۶ ص ۳۶۳ التبیان ج ۷ ص ۹۹)

امام عبدالرزاق نے یہ اثر اس طرح روایت کیا ہے:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء کے سوا کسی شخص پر صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے۔ سفیان نے کلمہ نبی کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(المصنف رقم الحدیث: ۱۳۱۱۹ لمصنف الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۸۸۱۳)

امام مالک وغیرہ نے عبد اللہ بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر (مبارک) پر کھڑے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرتے۔ (الاستاذ کار ج ۶ ص ۳۶۳ التبیان ج ۷ ص ۹۹)

موطا امام مالک کے موجودہ نسخوں میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر پر صلوٰۃ بھیجتے۔ (رقم الحدیث: ۱۳۱۱۹) امام ابن عبد البر نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ کو اس روایت کے درج کرنے میں مغالطہ ہوا ہے، صحیح روایت اس طرح ہے جس طرح مذکور الصدر عبارت میں ذکر ہے۔ (الاستاذ کار ج ۶ ص ۳۶۳ التبیان ج ۷ ص ۹۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص کسی شخص پر صلوٰۃ نہ بھیجے، باقی لوگوں کے لیے دعا کی جائے اور ان پر رحمت بھیجی جائے۔ (الاستاذ کار ج ۶ ص ۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے غیر ربنا صلوٰۃ و سلام بھیجنا جائز ہے اور افراد اور استقلان صلوٰۃ بھیجنا مکروہ تزیی ہے اور صرف سلام بھیجنا بلا کراہت جائز ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے اور یہی ہمارا موقف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، اور بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۳)

صدقہ کی ترغیب

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: جن بندوں نے اپنے گناہوں پر توبہ کی اور اس کے کفارہ میں صدقہ کیا غفر اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس آیت میں توبہ کو قبول کرنے کی امید دلائی تھی، توبہ قبول کرنے کی خبر نہیں دی تھی، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، تاکہ بندے زیادہ ذوق و شوق اور رغبت سے صدقہ و خیرات کریں۔

نیز پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ ان سے صدقات لیں، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ صدقات لیتا ہے اور یہ بظاہر تضاد ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقات لینا اللہ ہی کا صدقات لینا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ کے ساتھ کیے جانے والے معاملات کو اپنے افعال اور اپنے ساتھ کیے جانے والے معاملات قرار دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَبِّكَ الْكَافِرِينَ يُسَاطِفُونَكَ لِمَا يُسَاطِفُونَ اللَّهَ - بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ (التغیہ: ۱۰)

رَبِّكَ الْكَافِرِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ - (الاحزاب: ۵۷) بے شک جو لوگ اللہ کو ایذا دیتے ہیں۔

اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا تو محال ہے۔
يُسَاطِفُونَ اللَّهَ - (البقرہ: ۱۹) وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اس سے مراد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں اللہ کو دھوکا نہیں دیتے تھے۔

صدقہ کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی پاک چیز کو صدقہ کرتا ہے، اور اللہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا تو رخصت اس کو اپنے ہاتھ سے لیتا ہے، خواہ وہ ایک کھجور ہے، پھر وہ کھجور رخصت کے ہاتھ میں بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کو یا اس کے بچھیرے کو بڑھاتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۳۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۸، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۳۲۱)

ترمذی کی دوسری روایت میں ہے: حتیٰ کہ ایک لقمہ پہاڑ بنتا ہو جاتا ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے: وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۳) اور اللہ شوق کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا رہتا ہے۔ (البقرہ: ۲۷۶)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہ اضافہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تنگ دست کی کٹائی، اور فرمایا: اپنے عیال سے ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۵۵)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا: آپ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو، (اصل) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، (آسمانی) کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے، اور مال سے محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مال دے۔ (البقرہ: ۱۷۷)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۳۷)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُوپر والا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اپنے عیال سے ابتداء کرو، بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان خوشحالی کے وقت دے، جو شخص سوال سے رُکے گا اللہ اس کو سوال سے باز رکھے گا اور جو مستغنی رہے اللہ اس کو مستغنی رکھے گا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۲۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۷۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۷۵۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی خاتون اپنے گھر کے طعام سے خرچ کرے در آنحالیکہ وہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو طعام خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے، اور اس کے خلوئے کو اپنے کمانے کا اجر ملتا ہے اور خازن کو بھی اتنی ہی اجر ملتا ہے اور ان میں سے کسی کا اجر دوسرے کے اجر میں کمی نہیں کرتا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۲۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۱۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۸۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۲۹۳

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہ مال ہے جو مجھے (حضرت) زبیر نے دیا ہے، کیا میں صدقہ کروں؟ آپ نے فرمایا: صدقہ کرو اور ہاتھ نہ روکو ورنہ تم سے بھی روک لیا جائے گا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۲۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۱۶۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۴۹۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک سائل آیا، اس وقت میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، میں نے اس سائل کو کچھ چیز دینے کے لیے کہا، پھر میں نے اس سائل کو بلایا اور اس چیز کو دیکھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تمہارے گھر میں جو کچھ آئے اور تمہارے گھر سے جو کچھ جائے اس کا تم کو علم ہو؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: بھروسہ عائشہ! تم گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ اللہ عزوجل بھی تم کو گن گن کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۷۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۲۹)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان ہر صدقہ عمر میں زیادتی کرتا ہے، بڑی موت کو دور کرتا ہے اور اللہ اس کی وجہ سے تکبر اور فخر کو دور کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۲، حافظ البیہقی نے کہا اس میں ایب، راوی ضعیف ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۴۶۰۹)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ دینے والوں کی قبروں سے گری کو دور کرتا ہے اور مسلمان قیامت کے دن صرف اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸۶ اس کی سند میں ابن ابیہ ہے اس میں کلام ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۴۶۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھروالوں نے ایک بکری کو ذبح کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: اس کا صرف ایک شانہ بقی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس شانہ کے علاوہ باقی سب باقی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۰ مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۳)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت معلویہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں نے جہاد کیا، ایک مسلمان نے اہل غنیمت میں سے سو روپیہ دینار بخش کر لیے۔ جب لشکر واپس چلا گیا اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو وہ مسلمان بہت غلام ہوا، اس نے امیر لشکر کے پاس یہ دینار پہنچائے۔ اس نے ان کو لینے سے انکار کر دیا کہ جن اہل لشکر میں یہ دینار تقسیم کیے جاسکتے تھے وہ سب تو اپنے اپنے گھر چلے گئے، اب میں ان کو نہیں

لے سکتے تھے قیامت کے دن یہ دینار خدا کو پیش کر دیتا۔ اس شخص نے محض سے محاسبہ سے یہ مسئلہ معلوم کیا سب نے یہی جواب دیا۔ وہ دمشق گیا اور حضرت معلویہ سے ان کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی انکار کیا وہ روتا ہوا عبد اللہ بن الشاعر الکسی کے پاس سے گزرا انہوں نے اس سے روتے کا سبب پوچھا۔ اس نے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا: تم حضرت معلویہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو اس میں سے پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے وہ لے لیں اور میں دینار ان کے حوالے کر دو اور باقی اتنی (۸۰) دینار ان اہل لشکر کی طرف سے صدقہ کر دو جو ان کے مستحق ہو سکتے تھے، کیونکہ اللہ ان کے ناموں اور ان کے پیوں سے واقف ہے، وہ ان کو ان دینار کا ثواب پہنچا دے گا اور اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے، سو اس مسلمان نے ایسا ہی کیا۔ حضرت معلویہ نے کہا: اگر یہ فتویٰ میں نے دیا ہوتا تو مجھے یہ فتویٰ اپنی ساری مملکت سے زیادہ محبوب تھا۔

(مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار الکتب

العلمیہ بیروت ۱۳۹۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ تم عمل کرو پس عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (مومنین) اور عنقریب تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم کرتے رہے تھے ○ (التوبہ: ۱۰۵)

نیک اعمال کا حکم دینے اور بُرے اعمال سے روکنے کی وجہ

آیات سابقہ سے اس آیت کے ارتباط کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس آیت کا تعلق ان مسلمانوں سے ہے جنہوں نے توبہ کی تھی یعنی کیا یہ مسلمان نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ توبہ صحیحہ کو قبول کرتا ہے، اور غلو میں نیت سے جو صداقت دیئے جاتے ہیں ان کو قبول فرماتا ہے۔

(۲) اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی تاکہ ان کو توبہ کی ترغیب دی جائے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ معبود برحق کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں زیادتی اور کمی محال ہو، مخلوق کی عہدیت سے اس میں کسی چیز کا زیادہ ہونا اور مخلوق کی نافرمانی سے اس میں کسی چیز کا کم ہونا محال ہو، عہدیت کی طرف اس کی رغبت اور معصیت سے اس کی نفرت محال ہو حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ اس کی نفرت اور اس کا غضب اس کو انجام پر پرانگیز کرتا ہے، بلکہ اس کا معصیت سے منع کرنا اور عہدیت کی طرف راغب کرنا اس لیے ہے تاکہ مخلوق کو نیک لوگوں کے مقالات حاصل ہوں اور وہ بُرے لوگوں کے انجام سے بچیں۔ پس نافرمانی کرنے والا صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور اطاعت کرنے والا صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم نیک کام کرو گے تو وہ نیک کام تمہارے نفع کے لیے ہیں، اور اگر تم بُرے کام کرو گے تو ان کا نقصان تمہیں پہنچے گا۔ (الاسراء: ۷) پس اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: تم عمل کرو اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اس میں نیک کام کرنے والوں کے لیے ترغیب ہے، اور نافرمانی کرنے والوں کو ڈرایا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مستقبل کے لیے جدوجہد کرو کیونکہ تمہارے اعمال کا ایک ثمرہ دنیا میں ہے اور ایک ثمرہ آخرت میں ہے۔ دنیا میں ثمرہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو دنیا میں تمہاری بہت تعریف ہوگی اور دنیا اور آخرت میں تمہیں اجر عظیم ملے گا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرو گے تو دنیا میں تمہاری مذمت ہوگی اور آخرت میں تمہیں شدید عذاب ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

انسان کے اعمال کو زندہ اور مردہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کسی بندہ پریشان کے اندر عبادت کرو جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی تب بھی لوگوں کے لیے عمل ظاہر ہو جائیں گے خواہ وہ جو عمل بھی ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۵، موارد الصالحات رقم الحديث: ۹۳۲ شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحديث: ۹۷۳ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ ۱۳۹۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اعمال تمہارے مرے ہوئے قربت داروں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ نیک اعمال ہوں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ نیک اعمال نہ ہوں تو وہ دُعا کرتے ہیں: اے اللہ! تو ان پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا جب تک تو ان کو اس طرح ہدایت نہ دے جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، البیہقی رقم الحديث: ۹۵۶ حنفی اور شیخ احمد شاکر نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، مسند احمد رقم الحديث: ۹۷۱۹ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم کسی شخص پر اس وقت تک تعجب نہ کرو جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ ہو جائے، کیونکہ ایک عمل کرنے والا ایک زمانہ تک ایسے عمل کرتا رہتا ہے کہ اگر وہ ان اعمال پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا پھر وہ پلتا ہے اور بڑے عمل کرتا ہے، اور ایک بندہ ایک زمانہ تک بڑے عمل کرتا ہے اگر وہ ان اعمال پر مر جائے تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا پھر وہ پلتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور جب اللہ کسی بندہ کے ساتھ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو موت سے پہلے اس سے (نیک) عمل کرا لیتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اس سے کیسے عمل کراتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کو نیک عمل کی توفیق دیتا ہے پھر اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰، صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۲۰۸، صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۶۳۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۷۸۱، امام ترمذی اور شیخ شاکر نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحديث: ۹۷۱۳، مطبوعہ دار الحديث قاہرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب تمہیں کسی شخص کا عمل اچھا لگے تو یہ آیت پڑھو: تم عمل کرو غفریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی۔ (التوبہ: ۱۰۵) (صحیح البخاری کتاب التوحید، باب: ۳۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے، یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا ہے حد حکمت والا ہے O (التوبہ: ۳۶)

غزوہ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں کی چار قسمیں

جو بوگ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے ان کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ منافق تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۱۰۱ میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) وہ مسلمان تھے جو سستی اور غفلت کی بناء پر غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، وہ بعد میں تادم ہوئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کر لی۔ ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۱۰۳ میں فرمایا ہے۔

(۳) وہ مسلمان تھے جو سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں نہیں گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی حاضری نہیں دی اور توبہ کرنے میں اول الذکر مسلمانوں کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے

بھی ان کا معاملہ موخر کر دیا۔ یہ کعب بن مالک، مراد بن الریح اور ہلال بن امیہ تھے۔

(۴) وہ مسلمان جو بہت بُرے تھے، کمزور، تارنایا اپناج تھے، ان کو ان کے شرعی عذر کی وجہ سے رخصت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی حذ من اموالہم صدقۃ تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب سے صدقہ لے لیا، اور تین اصحاب باقی رہ گئے جنہوں نے حضرت ابولبابہ کی طرح اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ نہیں باندھا تھا انہوں نے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا کہ ان کا عذر نازل نہیں ہوا اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے، یا ان کو اللہ عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا تب لوگوں نے کہا: یہ لوگ ہلاک ہو گئے کیونکہ ان کے متعلق کوئی عذر نازل نہیں ہوا اور دوسروں نے کہا: ہو سکتا ہے اللہ ان کی مغفرت فرمادے کیونکہ ان کا معاملہ موخر کیا گیا ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۲۹)

حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کی توبہ کی تفصیل التوبہ: ۱۱۸-۱۱۷ میں بیان کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ

اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کے لیے مسجد بنائی اور کفر کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان

الْمُؤْمِنِينَ وَارْتِذَا آلَ لَیْمٍ حَامِبِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ مِنْ

پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اس شخص کی کہیں گاہ بنانے کے لیے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ

قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ یَشْهَدُ

کر رہا ہے اور وہ ضرور یہ نہیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے

اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ۚ لِمَسْجِدٍ اُسِّسَ

کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ۝ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُومَ فِیْهِ ۚ فِیْهِ

پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق و درست ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں

رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَّطَعُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَهَّرِیْنَ ۝۱۱۸

ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝ تو کیا جس

اُسِّسَ بُنْیَانُهُ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرًا مِّنْ

نے اللہ سے اللہ نے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے

اَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ

اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ

جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمْ

میں گر پڑا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ جس عمارت کو انہوں نے بنایا ہے گرنے کے

الذِي بَنَوْنَاهُ فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

خطرہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھینچتی رہے گی سو اس کے کران کے دل ٹڑے ٹڑے ہو جائیں اور اللہ بے حد جاننے والا

حَكِيمٌ ۝

بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کے لیے مسجد بٹائی اور کفر کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اس شخص کی کہیں گاہ بٹانے کے لیے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہا ہے اور وہ ضرور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ (التوبہ: ۱۰۷)

مسجد ضرار کا پس منظر و پیش منظر

حافظ محمد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے، مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک شخص رہتا تھا جس کا نام ابو عامر رہا تھا یہ شخص ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اہل کتاب کا علم حاصل کر چکا تھا۔ ایام جاہلیت میں یہ ایک عہدوت گزار شخص تھا اور اس کو اپنے قبیلہ میں بہت فضیلت حاصل تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور اسلام کی مقبولیت ہونے لگی اور غزوہ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا تو ابو عامر پر یہ تمام امور بہت شاق گزرے اور وہ بر ملا مسلمانوں سے بدادت ظاہر کرنے لگا اور مدینہ سے بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین سے جا ملا یہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر مائل کرتا تھا سو عرب کے سارے قبیلے اکٹھے ہو گئے اور جنگ احد کے لیے پیش قدمی کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور مسلمانوں کو اس جنگ میں نقصان ہوا۔ اس فاسق نے دونوں طرف کی صفوں کے درمیان کئی گڑھے کھود رکھے تھے، ان میں سے ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے اور آپ کو چوٹ لگی، آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا نیچے کی طرف سے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کا ایک دانت شہید ہو گیا (اس کا ایک کنارہ جھڑ گیا تھا) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر بھی زخمی ہو گیا تھا۔ ابو عامر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی قوم انصار کی طرف بڑھ کر انہیں مخاطب کیا اور ان کو اپنی موافقت کی دعوت دی، جب انصار نے ابو عامر کی یہ حرکت دیکھی تو انہوں نے کہا: اے فاسق! اے دشمن خدا! اللہ تجھ کو برباد کرے اور اس کو بہت برا کہا اور اس

کی خدمت کی۔ ابو عامر یہ کہتا ہوا واپس گیا کہ میرے بعد میری قوم بہت بگڑ گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھاگنے سے پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اس کو قرآن پڑھ کر سنایا تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور انکار کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعاء ضرر فرمائی کہ وہ جلا وطنی کی حالت میں مرے۔ اس دعاء ضرر کا اثر اس طرح ہوا کہ جب ابو عامر نے دیکھا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کے نقصان اٹھانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی تو وہ روم کے ہلاشاہ ہرقل کے پاس گیا اور اپنی قوم میں سے منافقین کو مکہ بھیجا کہ میں شکریے کر رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب جنگ ہوگی اور میں ان پر غالب آ جاؤں گا اور منافقین کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس کے لیے ایک پناہ کی جگہ بنائیں اور جو لوگ میرا پیغام اور احکام لے کر آئیں ان کے لیے امن کی ایک پناہ گاہ بناؤ تاکہ جب وہ خود مدینہ آئے تو وہ جگہ اس کے لیے کمین گاہ کا کام دے، چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک اور مسجد بنا ڈالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبرک روانگی سے پہلے وہ اس کام سے فارغ بھی ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ ہمارے پاس آئیے اور ہماری مسجد میں نماز پڑھئے تاکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ مسجد مستحب ہو جائے۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے کمزوروں اور بیماروں کی خاطر یہ مسجد بنائی ہے اور جو ضعیف لوگ سردیوں کی راتوں میں دور کی مساجد میں نہیں جاسکتے ان کے لیے آسانی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بچانا چاہتا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: ہمیں تو اس وقت غزوہ تبوک کا سفر درپیش ہے، جب ہم واپس ہوں گے تو ان شاء اللہ دیکھا جائے گا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے، اور ایک دن یا اس سے کچھ کم مدینہ کی مسافت رہ گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور بتایا کہ منافقوں نے یہ مسجد ضرار بنائی ہے اور مسجد قبا کے قریب ایک اور مسجد بنانے سے ان کا مقصد مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے اور اس سے ان کا مقصد ابو عامر راہب کی کمین گاہ بنانا ہے۔ اس وحی کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ منہجے سے پہلے ہی چند مسلمانوں کو اس مسجد ضرار کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ اس کو منہدم کر دیں اور اس کو جلا ڈالیں۔ آپ نے بنو سالم کے بھائی مالک بن دھشم اور معن بن عدی یا اس کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں ان غلطوں کی مسجد کی طرف جاؤ اور اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ ان دونوں نے اس مسجد کو گرایا اور جلا ڈالا۔ اس وقت اس مسجد میں یہ کفار موجود تھے اور مسجد کے چلنے سے یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسجد ضرار کو بنانے والے یہ بارہ افراد تھے: خدام بن خالد، ثعلبہ بن حاطب (یہ وہ نہیں جو بدری صحابی ہیں) معتب بن قیس، ابو حبیہ بن الازعر، عباد بن ضیف، حارثہ بن عامر اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، بسنل الحارث، مخزج، بھلو بن عمران اور دویحہ بن ثابت۔۔۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو نیک ارادے سے یہ مسجد بنائی تھی، ہمارے پیش نظر صرف مسلمانوں کی خیر خواہی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۶، مشکا، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۹ھ، الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۱۸-۶۱۹، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (التوبہ: ۳۸)

مسجد ضرار میں کھڑے ہونے کی ممانعت

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار میں کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ابن جریج

نے کہا ہے کہ منافقین جمعہ کے دن اس مسجد کو بنا کر فارغ ہو گئے تھے، انہوں نے جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو اس مسجد میں نمازیں پڑھیں، اور پھر کے دن یہ مسجد گرا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی پہلے یہ وجہ بیان فرمائی تھی کہ یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے، کفر کرنے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا تھا اس کی سکین گاہ بنانے کے لیے بنائی گئی ہے اور اس آیت میں دو سری وجہ بیان فرمائی ہے کہ دو مسجدوں میں سے ایک مسجد پہلے روز سے ہی تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی ہو اور دوسری مسجد میں نماز پڑھنا مسجد تقویٰ میں نماز پڑھنے سے ملے ہو تو اس دوسری مسجد میں نماز پڑھنا بدیہا منہم ہو گا۔

اس مسجد کا مصداق جس کی بنیاد اول یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن مسیب اور خارجہ بن زید کا موقف یہ ہے کہ المسجد المنسوب علی التقویٰ کا مصداق مسجد نبوی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی بعض ازواج کے حجرہ میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ آپ نے اپنی منگی میں نکلیاں لیں اور ان کو زمین پر مارا، پھر فرمایا: وہ تمہاری یہ مسجد ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن بکرہ اور ابن زید کا موقف یہ ہے کہ وہ مسجد قبا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے کہا ان مختلف روایتوں میں رائج قول یہ ہے کہ مسجد تقویٰ، مسجد نبوی ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ وارد ہیں:

حضرت سل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو شخصوں کا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی؟ ایک شخص نے کہا وہ مسجد نبوی ہے، دوسرے شخص نے کہا وہ مسجد قبا ہے، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ مسجد میری مسجد ہے۔ (مسند احمد رقم الحديث: ۲۵۱۳-۲۵۱۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد کے متعلق سوال کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: وہ میری مسجد ہے۔ (مسند احمد رقم الحديث: ۲۲۸۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۷۳)

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۹-۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا اور بنو عمرو بن عوف کے ایک شخص کا اس میں اختلاف ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ کون سی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ مسجد رسول اللہ ہے اور بنو عمرو بن عوف کے شخص نے کہا وہ مسجد قبا ہے، پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ یہ مسجد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور فرمایا: اس میں (مسجد قبا میں) خیر کثیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحديث: ۳۷۸ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۲۳۳ سنن النسائی رقم الحديث: ۶۶۱ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۶۶۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۷۳ مطبوعہ کراچی، مسند احمد ج ۳ ص ۶۳۹ مسند ابو یعلیٰ رقم الحديث: ۹۸۵ دلائل النبوة للسیوطی ج ۲ ص ۵۴۳ المسند رکب ج ۱ ص ۴۸ ج ۲ ص ۲۳۲ شرح السنہ رقم الحديث: ۴۵۵)

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمادیا ہے کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ میری مسجد ہے یعنی

مسجد نبویؐ اس سلسلہ میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی منقول رائے ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے، اور تابعین میں سے ابن بریدہ، ابن زید اور ضحاک کا بھی یہی موقف ہے، اس کے برخلاف کثیر صحابہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف تصریح یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد نبویؐ ہے جیسا کہ ہم احادیث صحیحہ سے بیان کر چکے ہیں، اور اب ہم مسجد نبویؐ اور مسجد قبا کے فضائل میں احادیث کا ذکر کریں گے۔

مسجد نبویؐ اور روضہ رسولؐ کی زیارت کے فضائل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کا ثواب ہے، اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کا ثواب ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے، اور اس کا مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور اس کا میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور اس کا مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور ان میں سے کوئی نماز قضاء نہ ہوئی ہو اس کے لیے آگ سے نجات لکھ دی جائے گی اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور غفلت سے برأت لکھ دی جائے گی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۵۵ شیخ احمد شاذلی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۲۲ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۴۳۰ ص ۵۱۶ منذری نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں، الترفیہ والترغیب ج ۲ ص ۲۱۵ حلفہ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بیت اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۹۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۹۱ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۲۳ الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۹ کراچی، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۷۵۰ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۰۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۳۶ التبیان ج ۱ ص ۱۵۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اس منبر کے پائے جنت میں نصب ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۳۲ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۳۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۹۶ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۳۸ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۹ المستدرک ج ۳ ص ۵۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۸۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(سنن در تلمیذ ج ۲ ص ۷۷ رقم الحدیث: ۱۲۲۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۸۳۰ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰ تنقیص المیر ج ۳ ص ۱۹۰۲ تحف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۸۳ کمال ابن عدی ج ۶ ص ۱۳۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد حج کر کے میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۶۶، سنن بکری طبعی ج ۵ ص ۴۳۶، المطالب العلیہ رقم الحدیث: ۱۲۵۳، ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(تخصیص الخیر ج ۳ ص ۹۰۳، کتاب الجرواحین لابن حبان ج ۳ ص ۱۷۳)

مسجد قبا کے فضائل

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل قبا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اس کے لیے مسجد بنائی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو اور اونٹنی پر سوار ہو، حضرت ابو بکر نے اس پر سوار ہو کر اس کو اٹھانا چاہا وہ نہیں اٹھی، پھر وہ آکر بیٹھ گئے، پھر حضرت عمر نے اس پر سوار ہو کر اس کو چلانا چاہا وہ نہیں چلی، وہ بھی واپس آکر بیٹھ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے بعض لوگ کھڑے ہوں اور اس اونٹنی پر سوار ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی رکاب میں چیر رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اس کی مہار ڈھیلی چھو، زود! اور اس کے گھوٹنے کے گرد مسجد بناؤ کیونکہ یہ اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۰۳۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا جاتے تھے خواہ پیدل یا سوار اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۰، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس (قبا) میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی فضیلت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے فرمایا: میں نے اللہ سے سنا کہ وہ تمہاری پاکیزگی حاصل کرنے کی تعریف فرماتا ہے، تم کس طرح پاکیزگی حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں اور کسی چیز کا پتا نہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ ہمارے پڑوسی براز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی سرینوں کو پانی سے دھوتے ہیں، پس ہم بھی اس طرح دھوتے ہیں جس طرح وہ دھوتے ہیں۔

(جامع البیہا ج ۱ ص ۳۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۲۸۵، المستدرک ج ۱ ص ۱۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت: (التوبہ: ۱۰۸) اہل قبا کے

متعلق نازل ہوئی ہے، وہ پانی کے ساتھ استنجا کرتے تھے، تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۰۵)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بستر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑا اور اللہ قلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ: ۱۰۹)

مشکل الفاظ کے معانی

شعاع کے معنی ہیں طرف یا کنارہ۔ حرف کے معنی ہیں وہ جگہ جس کو سیلاب بہا کر لے جاتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱) شہ عبدالقادر اور شہار فیح الدین نے اس کا ترجمہ کھائی کیا ہے اور اعلیٰ حضرت اور ہمارے شیخ علامہ کاظمی نے اس کا ترجمہ گڑھا کیا ہے۔ ہمارے اصل میں حاشیہ تھا جو چیز گرنے والی ہو۔ ہمارے اپنے بنانے والے کے ساتھ گر گیا۔ ربتہ: شک۔ تنقطع: کٹے کٹے ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو مسجدوں کے بنانے والوں میں سے ایک نے اپنی مسجد بنانے سے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا کا ارادہ کیا اور دوسرے نے اپنی مسجد بنانے سے نافرمانی اور کفر کا ارادہ کیا پس پہلی بنائیک ہے اور اس کا باقی رکھنا واجب ہے اور دوسری بنا غیث ہے اور اس کا گرا نا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس عمارت کو انہوں نے بنایا ہے گرنے کے خطرہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل کھڑے کھڑے ہو جائیں اور اللہ بے حد جلنے والا پڑی حکمت والا ہے (التوبہ: ۱۱۰)
منافقین کے شک میں پڑنے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین نے جو مسجد ضرار بنائی تو اس کے بنانے کے بعد ان کے دلوں میں یہ خوف رہا کہ اس مسجد کا راز کھل جائے گا اور اس کو منہدم کر دیا جائے گا اور اس کو بنانے کا سبب یہ تھا کہ ان کو دین اسلام کے متعلق شک تھا اور وہ شک ان کے دلوں سے نکل نہیں سکتا تھا تو لہذا ان کو موت نہ آجائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مسجد ضرار دین میں شکوک اور شبہات کا مصدر تھی اور کفر اور فتنہ کا منہدم تھی، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرنے کا حکم دیا تو یہ ان پر بہت شاق گزرا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا بغض اور زیادہ ہو گیا اور آپ کی نبوت میں ان کے شکوک اور شبہات اور بڑھ گئے اور ان کو اپنے متعلق یہ پریشانی رہتی تھی کہ آیا ان کو اسی فتنہ کی حالت میں پر قرار رکھا جائے گا یا ان کو قتل کر دیا جائے گا تو گویا اس مسجد ضرار کو بنانا بجائے خود ایک شک تھا کیونکہ وہ شک کا سبب تھا۔ اس شک کے پیدا ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

- (۱) منافقین مسجد ضرار کو بنا کر بہت خوش ہوئے تھے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا تو ان کو یہ حکم بہت ناگوار گزرا اور آپ کی نبوت اور رسالت کے متعلق ان کے شکوک اور شبہات اور زیادہ ہو گئے۔
- (۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو منہدم کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ ہنے ان سے حسد کی وجہ سے یہ حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو امان دی ہوئی تھی وہ ان کے خیال میں مرتفع ہو گئی اور ان کو ہر وقت یہ خوف اور خطرہ رہا کہ آیا ان کو ان کے حل پر چھوڑ دیا جائے گا یا ان کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اس سوال سلب کر لیے جائیں گے۔

(۳) ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس مسجد کو بیٹا ایک نیک کام ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گرائے کا حکم دیا تو یہ اس ملک میں پڑ گئے کہ کس وجہ سے اس مسجد کو گرائے کا حکم دیا گیا ہے۔
(۴) وہ مسلسل اس ملک میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس جرم کو معاف کر دے گا یا نہیں، لیکن صحیح پہلی وجہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت

بِأَن لَّهُمُ الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ

کے بدلہ میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پس قتل کرتے ہیں اور

يُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ

قتل کیے جاتے ہیں، اس پر اللہ کا سچا وعدہ ہے، تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبِشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے، پس تم اپنی اس بیعت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جو

بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ

تم نے بیعت کی ہے، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (یہی لوگ ہیں) توبہ کرنے والے عبادت کرنے

الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِنُونَ

دل سے حمد کرنے والے روزے رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا

بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ

حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے

اللَّهُ ۖ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنادیں ○ نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے

أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ

کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) بددعویٰ ہیں ○ اور ابراہیم کا اپنے (عربی) باپ کے لیے

إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ

استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ابراہیم سے کیا تھا اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ

أَنَّهُ عَادُ وَكَانَ اللَّهُ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے سزا ہو گئے بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر اللہ کا سچا وعدہ ہے تو رات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے، پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ جو تم نے بیع کی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (التوبة: ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ کا مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ خریدنا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ان برائیوں اور خرابیوں اور سازشوں کا ذکر فرمایا تھا جو غزوہٴ تبوک میں شامل نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے کی تھیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فضیلت اور اس کی ترغیب کو بیان فرمایا تاکہ ظاہر ہو کہ منافقین نے جہاد کو ترک کر کے کتنے بڑے نفع کو ضائع کر دیا۔

مجاہدین اپنی جانوں اور مالوں کو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کے اجر میں اللہ تعالیٰ نے جو ان کو جنت عطا فرمائی اس کو اللہ تعالیٰ نے شراء (خریدنے) سے تشبیہ دی ہے۔ عرف میں خریدنے کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص ایک چیز کو اپنی ملک سے نکال کر دوسرے کو کسی اور چیز کے عوض دیتا ہے جو نفع میں اس چیز کے برابر ہوتی ہے یا کم یا زیادہ، پس مجاہدین نے اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ کے ہاتھ اس جنت کے بدلے میں فروخت کر دیا جو اللہ نے مومنین کے لیے تیار کی ہے، پس طور کہ وہ اہل جنت میں سے ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس کو اپنے گھر سے نکالنے کا محرک صرف اس کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اور اس کے کلام کی تصدیق کرنا ہوتا ہے، اللہ اس شخص کے لیے اس بات کا مہمان ہو گیا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے یا اس کو اس کے گھر اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۷۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۰۴۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳، مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۵۷، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۳۸۸)

یہ آیت آخری بیعت عقبہ کے موقع پر بعثت نبوی کے تیرہویں سال میں نازل ہوئی تھی، اس موقع پر مدینہ سے آئے ہوئے ستر آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے جو چاہیں شرط لگائیں۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کے لیے شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنو، اور میں اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا جب ہم یہ کر لیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت! انہوں نے کہا یہ نفع دالی بیع ہے، ہم اس کو خود بیع کریں گے نہ اس کے بیع کرنے کو پسند کریں گے۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حسن بھری نے کہا روئے زمین پر جو مومن بھی ہے وہ اس بیع میں داخل ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۸۸۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

تورات اور انجیل میں اللہ کے عہد کا ذکر

اس آیت میں مذکور ہے کہ یہ وعدہ برحق ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔

موجودہ تورات اور انجیل میں اس وعدہ کی تصریح نہیں ہے، مفتی محمد عبدہ نے لکھا ہے اس وعدہ کی صحت موجودہ تورات اور انجیل پر نہیں ہے، کیونکہ تورات اور انجیل کا کل حصہ ضائع ہو چکا ہے اور اس میں تحريفات بھی ہو چکی ہیں، بلکہ اس کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی تصریح کافی ہے۔ (النار ج ۸ ص ۳۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

تاہم تورات کی بعض آیات میں اس عہد کی طرف اشارے ملتے ہیں:

اس لیے جو فرمان اور آئین اور احکام میں آج کے دن تجھ کو بتاتا ہوں تو ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اور تمہارے ان حکموں کو سننے اور ماننے اور ان پر عمل کرنے کے سبب سے خداوند تیرا خدا بھی تیرے ساتھ اس عہد اور رحمت کو قائم رکھے گا، جن کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی اور تجھ سے محبت رکھے گا اور تجھ کو برکت دے گا اور بڑھائے گا الخ۔

(تورات: اشعیا باب: ۷: آیت ۱۳-۱۱ ص ۱۷۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اسی طرح انجیل کی بعض آیات میں بھی اس عہد کی طرف اشارے ملتے ہیں:

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو من ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا (متی کی انجیل: باب: ۱۹ آیت: ۲۹ ص ۲۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے کیونکہ آسمان کی بلا شہادت ان ہی کی ہے

(متی کی انجیل: باب: ۵: آیت: ۱۰ ص ۷، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

قرآن مجید کی اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جملہ کا حکم تمام شریعتوں میں موجود ہے اور ہر امت سے اس پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

جنت کے بدلہ میں جان و مال کی بیع کی تاکیدات

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے! آیت کے اس جز میں مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ خوشی سے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کریں، پہلے اس نے یہ خبر دی کہ اس نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے، اور جنت ان کی ملکیت ہو چکی ہے، پھر فرمایا: اس کا یہ وعدہ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے، پھر تیسری بار فرمایا: اس سے بڑھ کر کون سچا وعدہ کرنے والا ہے، کیونکہ کریم کے اخلاق سے یہ ہے کہ وہ وعدہ کر

کے اس کو ضرور پورا کرتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی کرم نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید خوش کرنے کے لیے فرمایا: پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ کیونکہ تم نے اس بیع سے ایسا نفع حاصل کیا ہے جو کسی شخص کے ساتھ بیع کر کے نہیں حاصل کر سکتے، پھر فرمایا: یہی بہت بڑی کامیابی ہے یعنی اللہ کا تمہارے ساتھ یہ بیع کرنا تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے یا یہ جنت بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس بیع کے بعد معصیت کا بہت سنگین ہونا

اس بیع کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اللہ تعالیٰ کا اس کو بیع اور شراء قرار دینا بھی مجاز ہے اور اس کا بہت کرم اور احسان ہے کیونکہ ہماری جانوں اور ہمارے مالوں کا تو وہی مالک ہے اور جنت کا بھی وہی مالک ہے تو پھر حقیقت میں وہی مشتری ہے اور وہی بیع ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہماری جانوں اور ہمارے مالوں کو ہماری ملکیت قرار دیا پھر اس جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔ پس طور کہ ہم اس جان و مال کو اللہ کے احکام کے مطابق اور اس کی راہ میں خرچ کریں، اگر وہ ہماری جان و مال کو نہ خرید تا پھر بھی ہم بیکتا اس کے مملوک تھے اور ہم پر لازم تھا کہ ہم اس کی اطاعت کرتے، اس کی راہ میں قتل اور جلاو کرتے اور نہ صرف جلاو بلکہ ہم زندگی میں ہر کام اس کے حکم کے مطابق کرتے اور پھر جب اس نے امتحانی کرم یہ کیا کہ اس نے ہماری جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا تو اب کسی طور پر بھی یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے حکم کے خلاف کوئی عمل کریں، اور اگر اس بیع کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کریں اور اس کی کھلی کھلی نافرمانی کریں تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے اس بیع کو قبول نہیں کیا بلکہ ہم نے اس بیع کو عملاً مسترد کر دیا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہی لوگ ہیں) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، تہہ کرنے والے، روزے رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں ○ (التوبہ: ۳)

التائبون کا معنی

توبہ کا معنی ہے: رجوع، اور تائب کا معنی ہے: جو معصیت کی حالت مذمومہ سے اطاعت کی حالت محمودہ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ کے چار ارکان ہیں:

- (۱) معصیت کے صدور سے غلام ہو اور معصیت کے صدور سے اس کا دل جل رہا ہو اور وہ اپنے آپ سے منظر ہو۔
 - (۲) آنکھ وہ اس معصیت کو نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔
 - (۳) اس معصیت کی ظانی اور تدارک کرے مثلاً جو نماز رہ گئی تھی اس کی قضا کرے، جس کی رقم دہانی تھی اس کو واپس کرے، جس کی غیبت کی تھی اس کے حق میں دعا کرے۔
 - (۴) ان تین کاموں کا محرک محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہو اور اگر اس کی غرض لوگوں کی مذمت کرنا ہو یا لوگوں کی تعریف اور تحسین حاصل کرنا ہو یا اور کوئی غرض ہو تو وہ التائبین میں سے نہیں ہے۔
- حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطاکار ہے، اور خطاکاروں میں اچھے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۳۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۲۵۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۹۸ مسند احمد ج ۳ ص ۹۸ سنن دارمی رقم الحدیث ۴۷۳۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۴۵۴۳ المستدرک ج ۳ ص ۱۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک غرغرة موت کا وقت نہ آئے اللہ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(سنن ابوترکیبی رقم الحدیث: ۳۵۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۹۵۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۹۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۸۸ طبع الاولیاء ج ۵ ص ۴۴۱ المستدرک ج ۲ ص ۲۵۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۳۳ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۰۰۴ اکمال الدین ج ۲ ص ۱۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۹۵۳ طبع الاولیاء ج ۲ ص ۴۴۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰۳۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۴۰۰ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۷۰ اختلاف ج ۸ ص ۵۰۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۳۳)

العابدون کا معنی

عبادت کا معنی ہے غایت سزا ل کا اظہار کرنا جو لوگ اللہ کے سامنے انتہائی عجز اور ذلت کا اظہار کریں وہ عابدین ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۱۵) جو لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ کے احکام پر عمل کریں اور اس عمل پر حریص ہوں وہ عابدین ہیں۔ (کشاف ج ۲ ص ۲۹۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی عبادت کو اپنے اوپر واجب سمجھتے ہوں وہ عابدین ہیں۔ متکلمین نے کہا عبادت کا معنی ہے ایسا کام کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار ہو اور وہ انتہائی تعظیم ہو، سو ایسے کام کرنے والے عابدین ہیں۔ حسن بصری نے کہا عابدین وہ ہیں جو راحت اور تکلیف میں اللہ کی عبادت کریں۔ قتادہ نے کہا جو دن رات اللہ کی عبادت کریں وہ عابدین ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۵۳)

قرآن مجید میں ہے:

وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۔
اپنے رب کی عبادت کرتے رہنے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے۔ (الحجر: ۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی بہترین زندگی کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کی راہ میں نکل جائے، وہ اس کی پشت پر اڑا جا رہا ہو، جس طرف دشمن کی آہٹ یا خوف محسوس کرے اسی طرف گھوڑے کا رخ کر دے اور قتل یا موت کی تلاش میں نکل جائے، یا اس آدمی کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی کسی چوٹی یا کسی وادی میں نکل جائے، وہیں نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ کی عبادت کرتا رہے حتیٰ کہ اس کو موت آجائے اور لوگوں کے کسی معاملہ میں بھٹائی کے سوا دخل نہ دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۷)

قرآن مجید اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عابدین وہ ہیں جو تمام مرگ عبادت کرتے رہیں۔

الحاصلون کا معنی

حمد کے معنی ہیں صفات کمالیہ کا اظہار اور حسن و خوبی کا بیان کرنا اور اگر حمد نعت کے مقابلہ میں کی جائے تو وہ شکر ہے اور شکر کا معنی ہے نعت کی بنا پر منعم کی تعظیم کرنا اور منعم نے جس مقصد کے لیے نعت دی ہے اس مقصد میں اس نعت کو صرف کرنا پس حسادوں وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قضا پر راضی نہ رہتے ہیں اور اس کی نعت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں

اور ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ہر ذی شان کلم جس کی ابتداء الحمد للہ سے نہیں کی گئی وہ ناقص رہتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الذکر

ہے، اور افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں ان

لوگوں کو بلایا جائے گا جو راحت اور تکلیف میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! تو نے مجھے جو

علم عطا کیا ہے اس سے مجھے نفع عطا فرما، اور مجھے نفع اور علم عطا فرما، اور میرے علم کو زیادہ فرما، ہر حال میں اللہ کی حمد ہے، اور

اے میرے رب! میں دوزخ کے حال سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۵)

السانحون کا معنی

السانحہ کا معنی ہے وسیع جگہ، ساحۃ الدار کا معنی ہے مکان کا صحن، السانح: مسلسل جاری رہنے والے پانی کو

کہتے ہیں، سانح اور سباح کا معنی ہے زمین میں سفر کرنے والا، السانحون (التوبہ: ۱۱۳) کا معنی ہے روزہ رکھنے والے۔

روزہ کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی روزہ یہ ہے کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل ازدواج کو

ترک کر دیا جائے، اور حکمی روزہ یہ ہے کہ تمام اعضاء اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اور اس آیت میں السانحون سے

یہی معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۲۳)

عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے السانحون کے متعلق دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ روزہ دار

ہیں۔

امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر،

مجاہد، حسن بصری، ضحاک اور عطاء سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے بلکہ حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت آیا ہے کہ قرآن

مجید میں جہاں بھی السانحون کا ذکر آیا ہے اس سے مراد روزہ دار ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۵۳-۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے، آپ نے

فرمایا: میری امت کی سیاحت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۳۸۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۶۰، مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۵۴۲، المستدرک ج ۲ ص ۷۳

الراکعون الساجدون کا معنی

رکوع اور سجدہ سے مراد نمازوں کا قائم کرنا ہے، نماز کی اشکال میں قیام، قعود، رکوع اور سجود ہیں، یہاں پہلی شکلوں میں

سے صرف رکوع اور سجود کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ کھڑے ہونا اور بیٹھنا یہ وہ حالتیں ہیں جو نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں،

انسان علوان اپنے معمولات میں کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے، اس کے برخلاف رکوع اور سجود کی حالت نماز کے ساتھ مخصوص ہے،

لہذا جب رکوع اور سجدہ کا ذکر کیا جائے گا تو ذہن صرف نماز کی طرف منتقل ہو گا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے

ہو نا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تواضع اور تذلل کا پہلا مرتبہ ہے اور تواضع اور تذلل کا متوسط درجہ رکوع میں ہے اور غایت تواضع اور تذلل سجدہ میں ہے، پس رکوع اور سجدہ کا بالخصوص اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ غایت عبودیت پر دلالت کرتے ہیں تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ نماز سے مقصود امتثالِ خضوع اور تعظیم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وقت پر نماز پڑھی، پورا وضو کیا اور مکمل رکوع، سجدہ اور خشوع کیا تو وہ نماز سفید روشن صورت میں پیش ہوتی ہے اور کہتی ہے اللہ تیری حفاظت کرے، جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے۔

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۳۱۱۵، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۵۸، المغنی عن حمل الاسفار علی الاحیاء ج ۱ ص ۱۳۲)
معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مجھے ایسا عمل بتلائیے جس کو کرنے کے بعد میں جنت میں داخل ہو جاؤں، وہ خاموش رہے، جب دو تین بار یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: تم بکثرت اللہ کے لیے سجدے کیا کرو کیونکہ جب تم اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک کلمہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۵۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، سو تم (سجدہ میں) بکثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳)
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عید نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(تلفیض الخیر ج ۱ ص ۷۱۹، تحف السادات المتقین ج ۳ ص ۱۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۰۰۸، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۸۲)
یہ حدیث اس پر محمول ہے جب کوئی شخص نماز کے ترک کو جائز سمجھے یا معمول سمجھے یا اس کی فرضیت کا انکار کرے۔

الأمرون بالمعروف والنہا عن المنکر کا معنی

ابوالعالیہ نے کہا کہ قرآن مجید میں جہاں بھی امر بالمعروف کا ذکر ہے، اس سے مراد اسلام کی طرف دعوت دینا ہے اور جہاں بھی نہی عن المنکر کا ذکر ہے اس سے مراد بتوں کی عبادت سے منع کرنا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا: امر بالمعروف سے مراد ہر اس نیک کام کا حکم دینا ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور نہی عن المنکر سے مراد ہر اس برائی سے روکنا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ (اجمع البیان ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: خالم حاکم کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۹۴، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶)
شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۸۲۔ اس حدیث کی تمام سندیں صحیح ہیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کا خوف تمہیں اس حق

بات کو کہنے سے منع نہ کرے۔ جس کا ہمیں علم ہو۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ چونکہ کوئی شخص تمہاری موت کو مقدم کر سکتا ہے نہ تمہیں رزق سے محروم کر سکتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۸۰)
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا ورنہ عنقریب تم پر عذاب بھیجا جائے گا پھر تم دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۵۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۰۳)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نیکی کا اس وقت تک حکم نہ دیں جب تک اس پر عمل نہ کر لیں! اور کسی برائی سے نہ روکیں حتیٰ کہ تمام برائیوں سے اجتناب نہ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ نیکی کا حکم دیتے رہو، خواہ تم اس نیکی پر عمل نہ کرو اور برائی سے منع کرتے رہو خواہ تم تمام برائیوں سے اجتناب نہ کرو۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۸۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۳۳، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۷۰، حافظ ابیسی نے کہا اس حدیث کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۷۷)

الحافظون لحدود اللہ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جن احکام کا حکم کیا ہے وہ بہت زیادہ ہیں، ان کو وہ قسموں میں منضبط کیا جاسکتا ہے: مہلوات اور معاملات۔ مہلوات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور معاملات جیسے خرید و فروخت، نکاح، طلاق وغیرہ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے: قتل، زنا، چوری، ڈاکہ، شراب نوشی اور جھوٹ وغیرہ، یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو مکمل طریقہ سے ہوا کرنا اور جن سے منع کیا ہے ان سے باز رہنا یہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے آٹھ امور کو تفصیلاً بیان فرمایا اور انوں اور آخری امر یعنی حدود اللہ کی حفاظت ان سب امور کو جامع ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں جو شخص مشبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جو شخص مشبہات کا مرتکب ہو گیا اس کی مثل اس چر واء ہے کی طرح ہے جو شقی چر اگھ کے گرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور اس چر اگھ میں بھی منہ مارے، سنو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چر اگھ ہوتی ہے، اللہ کی مخصوص چر اگھ زمین پر اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں، سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہوتا ہے۔ سنو وہ دل ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۹، سنن داری رقم الحدیث: ۳۵۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۷۷۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۲۸۵، طہ الحدیث ج ۳ ص ۷۷۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (شرکین) روزِ نخی ہیں (التوبہ: ۳۳)

ابوطالب کا مرتے وقت کلمہ نہ پڑھنا

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمرہ کافروں اور منافقوں سے ترک تعلق اور محبت نہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردہ کافروں سے بھی انکار براءت کرنے کا حکم دیا ہے، اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے:

سعید بن مسیب اپنے والد مسیب بن حزن سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی اسیمہ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے چچا لا الہ الا اللہ کہئے، میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی سفارش کروں گا تو ابو جہل اور عبد اللہ بن اسیمہ نے کہا اے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرتے ہو؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی ماکان للسی والذین امنوا ان يستعصروا للشرکین۔ الآیہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۰۳ مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳ اسباب النزول للواحدي رقم الحدیث: ۵۳ سیرت ابن اسحاق ج ۱ ص ۳۳۸-۳۳۷)

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے اور سورۃ التوبہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں آخر میں نازل ہوئیں، امام واحدی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سے استغفار کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدینہ میں اس سورت کے نازل ہونے تک استغفار کرتے رہے ہوں، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے استغفار ترک کر دیا۔ اس جواب کو اکثر اجلہ علماء نے پسند کیا ہے، امام رازی اور علامہ آلوسی اور علامہ ابو حفص دمشقی وغیرہم ان میں شامل ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور جواب یہ ذکر کیا ہے کہ سورہ توبہ کے معنی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی اکثر اور غالب آیات معنی ہیں، اس لیے اگر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہو تو وہ سورہ توبہ کے معنی ہونے کے متعلق نہیں ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ابوطالب نے توم مرگ کلمہ نہیں پڑھا اور اسلام کو قبول نہیں کیا۔

ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک روایت کا جواب

امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حسب ذیل روایت بیان کی ہے، اس سے شیعہ ابوطالب کا ایمان ثابت کرتے ہیں:

از عباس بن عبد اللہ بن معبد از بعض اہل خود از ابن اسحاق، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی بیماری کے ایام میں اس کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: اے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھئے، میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کروں گا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہو ماکہ میرے بعد تمہیں اور تمہارے اہل بیت کو یہ طعنہ دیا جائے گا کہ میں نے موت کی تکلیف سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشنودی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا۔ جب ابوطالب کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اس کے ہونٹ ہلنے ہوئے دیکھے گئے، عباس نے ان کا کلام سننے کے لیے اپنے کان ان کے ہونٹوں سے لگائے، پھر عباس نے اپنا سراو پر اٹھا کر کہا یا رسول اللہ! بے شک اللہ کی قسم! اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے ان سے سوال کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔

(سیرت ابن اسحاق ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر)

یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، نیز یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امام ابن اسحق نے اس کو ایک مجہول شخص سے روایت کیا ہے، ثانیاً جس وقت کی یہ روایت ہے اس وقت حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے، پھر ان کا یا رسول اللہ کما کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ثالثاً یہ کہ اس روایت میں خود تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا رابعاً یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ امام بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت کی سند منقطع ہے اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا، وہ آپ کی موافقت کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا، اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳-۳۸۰۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۹) اور یہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۴۶)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر اعتراض کا جواب

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں امام واحدی متوفی ۳۶۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ آپ نے ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا، ہم بیٹھ گئے۔ پھر آپ چند قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس گئے اور بڑی دیر تک مناجات کرتے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے، پھر آپ ہماری طرف آئے، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے رلایا تھا، ہم بھی گھبرا کر رونے لگے تھے۔ پھر آپ ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے اور فرمایا: میرے رونے کی وجہ سے تم گھبرا گئے تھے؟ ہم نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم نے جس قبر کے پاس مجھے مناجات کرتے دیکھا تھا وہ (حضرت) آمنہ بنت وہب کی قبر تھی، میں نے اپنے رب سے ان کی (قبر کی) زیارت کی اجازت طلب کی تھی سو مجھے اس کی اجازت دی گئی، پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں (آیہ: ۱۱۳) پس بیٹے کے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے جو رقت ہوتی ہے وہ میرے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے طاری ہوئی اس وجہ سے میں رونے لگا۔

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۳۳۶)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ معلوۃ اللہ مشرکہ تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحیح حدیث وہی ہے جس کو ہم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے ذکر کیا ہے اور یہی یہ روایت تو اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں ابن جریج مدلس ہے اور ایوب بن ہانی ضعیف۔ امام ذہبی نے بھی اس پر تعقب کیا ہے اور کہا ہے کہ ایوب بن ہانی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(تذیب التذیب ج ۱ ص ۷۷۷)

حضرت سیدتا آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کرنے کے متعلق صحیح حدیث یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، پھر آپ روئے اور جو لوگ آپ کے گرد تھے وہ بھی روئے، پھر آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے مجھے اجازت دے دی، پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۵۷۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۹۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ کراچی، المستدرک ج ۱ ص ۳۷۵)

اس صحیح حدیث میں آپ کو حضرت سیدہ آمنہ کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے، اگر حضرت آمنہ مشرکہ ہوتیں تو یہ اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَقْبِضُوا عَلَىٰ قَبْرِهَا (التوبہ: ۸۴) آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، رہا یہ کہ آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا موبہم معصیت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی والدہ کے لیے استغفار کیا جائے جس کی وجہ سے لوگوں کو یہ وہم ہو کہ آپ کی والدہ نے غلط اور ناجائز کلام کیے تھے جس کی وجہ سے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی توجیہات

ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کافر زندہ ہوں یا مردہ، ان سے محبت اور دوستی نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے، مگر حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے کانچلا دانت شہید ہو گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے خون کو پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۷، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۸۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے دن جب مشرکین چلے گئے تو خواتین مردوں کی معلوت کے لیے گئیں، ان میں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، انہوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ سے لپٹ گئیں اور پانی سے آپ کے زخم دھونے لگیں، لیکن خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھی تو خون رک گیا، اس حدیث کے آخر میں ہے اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قوم پر اللہ کا بہت زیادہ غضب ہو گا جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۳)

حضرت سل بن سعد السعدي رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۶۴۳، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۹۷، مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۳، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ دعائیں کی، بلکہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی (حضرت نوح علیہ السلام) کی دعا کی حکایت کی ہے، اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا آپ انبیاء سابقین میں سے اس نبی کی حکایت کر رہے تھے جس کو اس کی قوم نے ضرب لگائی تھی، آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے میرے رب! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵ مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۱۰ مطبوعہ قاہرہ)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مردہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا ممنوع ہے اور زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کا ایمان لانا متوقع ہے، اس لیے ان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور ان کی تالیف قلب کے لیے ان سے اچھے اور نیک کلمات اور دعائیں الفاظ کہنا جائز ہے۔

زندہ کافروں کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کا جواز

علامہ قرطبی ماکھی نے لکھا ہے کہ اگر انسان اپنے کافر میں باپ کے لیے دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جب تک وہ زندہ ہوں ان کے لیے استغفار کرتا رہے، البتہ جو شخص مر گیا تو اس کے اسلام لانے کی امید نہیں رہی سو اس کے لیے دعا نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اپنے مردوں کے لیے استغفار کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے مردوں کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور ان کو زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے نہیں منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ مرجائیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۴۴۷۷)

(الجامع لا حکام القرآن ج ۸ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

زندہ مشرکین کے لیے دعا کرنے کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل اور ان کے اصحاب نے آکر کہا: یا رسول اللہ! دوس نے کفر کیا اور اسلام لانے سے انکار کیا، ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے۔ پس کہا گیا اب دوس ہلاک ہو گئے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے، اور ان کو (بھلا) لے آ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳ دلائل النبوة ج ۱ ص ۷۹ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۰ تنزیہ تاریخ دمشق ج ۷ ص ۶۵ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلازالا سے، ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ الکامل لابن ہدی ج ۱ ص ۳۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۸۶ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اسلام و عزت دے ابو جہل بن ہشام سے یا عمر بن الخطاب سے، پھر اگلی صبح کو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۸۳ مسند احمد ج ۲ ص ۹۵ اکمال لابن عدى ج ۷ ص ۲۲۸ شرح السنہ رقم الحديث: ۳۸۸۵ مشکوٰۃ رقم الحديث: ۶۶۳۵ المستدرک ج ۳ ص ۵۰۲ طبع الاولیاء ج ۵ ص ۳۹۹ البیہقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱) ان دلائل کی بناء پر اگر کسی غیر مسلم کو کسی موقع پر سلام کرنا پڑے یا اس کے سلام کا جواب دینا پڑے تو اس کے لیے طلب ہدایت کی نیت سے سلام کیا جاسکتا ہے یا سلام کا جواب دیا جاسکتا ہے، اس غیر مسلم کے دائیں بائیں جو فرشتے ہوتے ہیں ان فرشتوں کی نیت کر کے بھی اس کو سلام کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ابراہیم سے کیا تھا اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے (التوبہ: ۱۱۳)

آزر کے لیے حضرت ابراہیم کے استغفار کی توجیہ

جب مسلمانوں کو مشرک رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کیا تھا اللہ سبحانہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ آزر کے لیے استغفار کرنا محض اس کے اسلام لانے کے وعدہ کی وجہ سے تھا اور جب ان پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ ایمان لائے والا نہیں ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے اور ان پر یہ انکشاف اللہ تعالیٰ کے وحی فرماتے کی وجہ سے ہوا تھا یا آزر کی کفر پر موت کی وجہ سے ہوا تھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا، جب وہ مر گیا تو پھر آپ نے اس کے لیے دعائیں کی۔
الواہ کا معنی

حضرت عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: واہ کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنے والا اور گزرا کر دعا کرنے والا، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: واہ کا معنی ہے بہت زیادہ توبہ کرنے والا، اور مجاہد نے کہا جو شخص تمہاری میں گنہ کرے اور پھر تمہاری میں اس گنہ سے توبہ کرے وہ واہ ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۹-۱۸۶ مطبوعہ مکرہ، جامع البیان ج ۱۱ ص ۷۰ بیروت)

قیامت کے دن آزر کی شفاعت کی توجیہ

اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عرفی باپ آزر سے بیزار ہو گئے تھے، حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کے لیے شفاعت کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن اپنے (عرفی) باپ آزر سے اس حال میں ملاقات ہوگی کہ آزر کا چہرہ سیلہ اور غبار آلود ہو گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرو، ان کے (عرفی) باپ کہیں گے میں آج تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا، پھر حضرت ابراہیم عرض کریں گے اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو حشر کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی کون سی شرمندگی ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ (جنت سے) دور ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! دیکھیں آپ کے پیروں کے نیچے کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے تو آزر، مسخ

کرا گندگی میں لتھڑا ہوا بچہ ہو گا پھر اس کو پیروں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۹۳۵۰ سنن کبریٰ للسلک رقم الحديث: ۳۷۷۵ المستدرک ج ۲ ص ۹۳۸ کنز العمال رقم الحديث: ۹۳۳۴ مشکوٰۃ رقم الحديث: ۵۵۳۸)

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مغفرت نہیں فرمائے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس اصول سے لاعلم نہیں تھے پھر انہوں نے آذر کی شفاعت کیوں کی، نیز اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر سے بیزار ہو گئے تھے پھر قیامت کے دن انہوں نے آذر کی شفاعت کیوں کی۔ اس کے جواب میں علامہ نے بحث کی ہے لیکن کوئی شافی جواب نہیں بن سکا اس اشکل کو دور کرنے کے لیے جو قریب ترین بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی، اور ان کے لیے شفاعت کرا جائے نہیں ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو کہا تھا اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اس سے آذر کی شفاعت کرا مقصود نہیں تھا بلکہ اس سے آذر کے سامنے عذر پیش کرنا مقصود تھا ان کا اللہ تعالیٰ سے یہ کلام محض صورتِ شفاعت تھا حقیقتاً شفاعت نہیں تھا حقیقت میں آذر کے سامنے یہ عذر پیش کرنا تھا کہ میں نے تو جہنم جنت میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور فرمایا: اللہ نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور اس حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے وہ نجات کے لیے نہیں تھی بلکہ تخفیف عذاب کے لیے تھی لیکن اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کے لیے حصولِ جنت کی دعا کی تھی۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا

اللہ الشکر کہ یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ کر دے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کر دے کہ

يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ

انہیں کس چیز سے بچنا چاہیئے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جانتے والا ہے ○ بے شک آسمانوں اور زمینوں کی

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ

سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے وہی زندہ کرتا ہے اللہ وہی مرنے والا ہے اللہ اللہ کے سوا تمہارا

مِنْ دُونِي وَلَا نُصِيرُ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ

کوئی مالک اور مددگار نہیں ہے ○ بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مساجد پر اور

وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا

انصار پر جنہوں نے نئی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب

كَادِيزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ

تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی بے شک ان پر

رَعَوْفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۸﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا

نہایت مہربان بہت رحم والا ہے ○ اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جس کا معاملہ مقرر کر دیا گیا تھا،

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ

حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں

وَكُتُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی

لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۹﴾

تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرماتا ہے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیے، بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۲۵)

اشیاء میں اصل اباحت ہے

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فوت شدہ مشرک قراہت داروں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرما دیا تو انہوں نے یہ سوچا کہ اس ممانعت سے پہلے جو وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے تھے کیا اس پر ان سے مواخذہ ہو گا اور جو مسلمان اس ممانعت سے پہلے فوت ہو گئے اور وہ اس طرح کی دعائیں کرتے رہے تھے آیا ان پر بھی گرفت ہو گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم نازل کر دے اور پھر اس کے بعد اس کی خلاف ورزی کی جائے تو اللہ اس پر مواخذہ فرماتا ہے اور اس کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اس حکم کے نازل کرنے سے پہلے کیے ہوئے کاموں پر مواخذہ فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت سے پہلے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت جائز تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے، اس کی کئی تفسیریں ہیں: (۱) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو جنت کا راستہ دکھانے کے بعد اس کو اس راستہ سے گمراہ کر دے۔ (۲) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس پر گمراہی کا حکم لگا دے۔ (۳) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد ان کے دلوں میں گمراہی پیدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا

ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور مددگار نہیں ہے (التوبہ: ۱۱۶)

آیات سابقہ سے ارتباط کی وجہ

سابقہ آیات سے اس آیت کے ربط کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ کافروں سے برأت ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے، ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے یہ خوف ہو کہ کافرا نہیں کوئی نقصان پہنچائیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہے اور جب وہ تمہارا حامی اور ناصر ہے تو پھر تمہیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔

(۲) جب مسلمان اپنے مشرک قربت داروں سے لا تعلق ہو گئے تو ان کو احساس محرومی ہوا کہ اب وہ کس سے تعلق رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان سے محروم ہو گئے ہو تو کیا ہوا اللہ جو تمہارا مالک اور مددگار ہے، تم اس سے محبت اور تعلق رکھو۔

(۳) اللہ تعالیٰ جب تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے تو اے مسلمانو! وہ تمہارا بھی مالک ہے اور تم اس کے مملوک اور بندے ہو، سو اس کے تمام احکام پر عمل کرنا اس کی بندگی کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے نعلی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جبکہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی بے شک نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے (التوبہ: ۱۱۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول فرمانے کی توجیہات

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب منافقین نے جھوٹے بدلے پیش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ان کو اجازت دے دی، اس کے متعلق اس سے پہلے یہ آیت آچکی ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ إِذْ ذُكِّرْتُ بِهِ لَا تَعْلَمُ (التوبہ: ۱۱۸)

دی؟ (التوبہ: ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ ان کے ظاہر حال کا اعتبار نہ کریں اور ان کے پیش کردہ بہانوں کو مسترد کر دیں، اگر آپ کو پہلے منع فرمایا ہوتا اور پھر آپ اجازت دے دیتے تو پھر آپ کا یہ اجازت دینا مکروہ تنزیہی یا ترک ادبی یا ترک افضل ہوتا بلکہ صحیح ہی ہے کہ آپ کو ظاہر حال پر عمل کرنے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا حکم ہے۔

امام شافعی نے کتاب الامام میں حضرت ام سلمہ کی روایت بیان کر کے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور باطن کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور حافظ ابو ظاہر نے ادارۃ الکلام میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنہی اور حقیری کے درمیان فیصلہ فرمایا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا آپ نے میرے خلاف فیصلہ کیا ہے حالانکہ حق میرا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور باطن اللہ کے سپرد ہے۔ (تحفۃ الطالب یہ صرف احادیث مختصر ہیں الحاشیہ ص ۵۵ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۱ھ)

سو یہی کہا جائے گا کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے ان کو اجازت دی تھی بالفرض اگر یہ اجتہادی خطا بھی ہو تب بھی آپ اس پر ایک اجر کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اس نے نبی کی توبہ قبول فرمائی اس کا معنی آپ کے درجات کی بلندی

ہے، آپ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہر روز توبہ اور استغفار کرتے تھے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۱، کمال لابن عدی ج ۳ ص ۷۰۴، طبع الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵)
حضرت انور مزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر عین (غفلت) طاری ہو جاتی ہے اور میں اللہ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ امام نسائی کی روایت میں ہے: میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم اللہ عوالت: ۴۱ (۲۷۰۲) ۶۳۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۵۵، عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں ایک دن میں اس کی طرف سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ امام نسائی کی روایت میں ہے: میں ایک دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم اللہ عوالت: ۴۱ (۲۷۰۲) ۶۳۰، عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۱۰۸، ۸۱۰۹)
قاضی عیاض نے کہا: عیب سے مراد غفلت ہے، (یعنی لوگوں کو تبلیغ کرنے، کھانے پینے اور دیگر عوارض بشریہ لاحق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی توجہ نہ رہتی) اور آپ اس پر استغفار کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دل پر طمانیت طاری ہو جاتی اور آپ اظہار عبودیت کے لیے استغفار کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دل پر غیبت الہی کی کیفیت طاری ہوتی اور آپ استغفار کر کے اس کا شکر ادا کرتے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ استغفار معصیت کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ابن بطلان نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ کما حقہ عبادت نہیں کر سکتے اور اس تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔

(۲) وہ کھانے پینے، وظیفہ زوجیت، خند، راحت، لوگوں سے گفتگو، ان کی مصلحتوں میں غور و فکر، دشمنوں سے جنگ اور دیگر مباح کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذرا اس کی طرف رجوع اور مشاہدہ اور مراقبہ سے محجوب ہو جاتے ہیں اور اپنے بند مقام کی وجہ سے اس کو ذنب خیال فرماتے ہیں اور اس پر استغفار فرماتے ہیں۔

(۳) وہ امت کی تعلیم کے لیے استغفار فرماتے ہیں یا امت کے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔

یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ اور استغفار کرنے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی توبہ قبول فرمائی اس کا معنی ہے اس نے آپ پر فضل و کرم فرمایا اور آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی فرمائی، ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کرنے کا محمل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انسان اپنی طویل زندگی میں سو، تسلیح اور لغزشوں سے خالی نہیں ہوتا اور یہ امور صفائے باب سے ہوتے ہیں یا ترک افضل اور خلاف اولیٰ ہے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس سفر میں بہت تکلیفیں، مشقتیں اور سختیاں اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی یہ تکلیفیں اور سختیاں ان کی اس طویل زندگی کی تمام لغزشوں اور خلاف اولیٰ کاموں کے لیے کفارہ بن گئیں اور یہ تکلیفیں ان کی اخلاص کے ساتھ توبہ کے قائم مقام ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مساجرین اور انصار کی جنہوں نے جنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سفر میں ان پر بہت سختیاں اور صعوبتیں آئیں تھیں اور مسلمانوں کے دلوں میں دوسے آتے رہتے تھے اور جب بھی کسی کے دل میں کوئی دوسرے آتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا اور اس دوسرے کے ازالہ کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرتا تو ان کی کثرت توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ اس سفر میں مسلمانوں سے کچھ گناہ ہو گئے ہوں، لیکن اس سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ گناہ معاف فرمادیے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مساجرین اور انصار کی جنہوں نے جنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی، ہر چند کہ ان مساجرین اور انصار کے گناہ معاف کیے تھے لیکن ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دین میں ان کے عظیم مرتبہ پر متنبہ کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ اتنے عظیم درجہ پر فائز ہیں کہ قبولیت توبہ میں ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

غزوہ تبوک کی جنگی اور سختی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مساجرین اور انصار نے جنگی کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، اس جنگی کے وقت سے مراد غزوہ تبوک ہے، کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں پر بہت سختیاں اور صعوبتیں آئی تھیں۔ حضرت جابر نے کہا: اس سفر میں سواری کے لیے بھی مشکلات تھیں، پانی کے لیے بھی اور زادِ راہ کے لیے بھی۔ سواری کی مشکلات یہ تھیں کہ حسن نے کہا: دس مسلمان ایک اونٹ پر باری باری سواری کرتے تھے، اور زادِ راہ کی یہ مشکلات تھیں کہ بعض اوقات مسلمانوں کی ایک جماعت باری باری کھجور کی ایک گھٹلی چوستی تھی، ان کے پاس سڑے ہوئے بخرے تھے، وہ ٹاک پکڑ کر اس کا لقمہ کھاتے تھے اور پانی کی مشکلات یہ تھیں کہ حضرت عمر نے کہا: شدتِ پیاس کی وجہ سے ہم میں سے ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوچھڑی کو نچوڑ کر پیتا۔ (جامع البیان ج ۱۱ ص ۷۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۹-۱۸۸، ملنا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں تھے، قوم کا زادِ راہ ختم ہو گیا حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ قوم کے بقی ماندہ زادِ راہ کو جمع کر لیں، پھر اللہ سے اس پر (برکت کی) دعا کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا پھر کوئی گندم والا گندم لے کر آیا، اور کھجور والا کھجور لے کر آیا۔ مجاہد نے کہا: وہ گھٹلی والا گھٹلی لے کر آیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے مجاہد سے پوچھا: وہ گھٹلیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ گھٹلی چوس کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ آپ نے دعا کی حتیٰ کہ قوم کے تمام زادِ راہ پر ہو گئے، اس وقت آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، جو شخص بھی بغیر کسی شک کے ان شہادتوں کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم، الامان: ۲۲ (۲۷) ۳۳ دلائل النبوة للسیوطی ج ۵ ص ۶۲۹ مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۸۰ ابوداؤد والنسائی ج ۳

ص ۶۰۳ طبع جدید دار الفکر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہمیں تنگی کے وقت کے لشکر کے متعلق کچھ بتائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے، ہم ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ہمیں سخت پیاس لگی، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی، یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پانی طلب کرنے جاتا تو اس حل میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھکی ہوئی ہوتی، حتیٰ کہ ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اونچھڑی کو نچوڑ کر پیتا، اور بقی ماندہ کو اپنے جگر پر ڈال لیتا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے پوچھا: کیا تم یہ چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! پس آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، حتیٰ کہ تمام اہل لشکر نے اپنے برتن بھر لیے۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۹۵، ۱۹۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۶۸۳۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۵، ۱۹۳، البیہقی ج ۲ ص ۷۷-۱۲۶)

مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرماتا

اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور مہاجرین اور انصار کی، اور اس آیت کے آخر میں پھر فرمایا..... پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، اور یہ بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گناہ کا ذکر کیے بغیر ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا، تاکہ ان کے دس خوش ہوں، پھر فرمایا: انہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی ابتلاء کی، اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، یعنی غزوہ تبوک کی سختیوں اور صعوبتوں کو دیکھ کر بعض مسلمان گھبرا گئے تھے اور ان کے دلوں میں دوسے آنے لگے تھے، اور یہ دوسرے گناہ کے قائم مقام تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا، گویا پہلے گناہ کا ذکر کیے بغیر توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور دوبارہ گناہ کا ذکر کر کے توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور اس سے محض ان کی عظمت اور شان بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار توبہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت کرتا ہے، وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت کرتا ہے، وہ بندہ پھر تیسری بار گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے، تو جو چاہے کر میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵۸، مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۲، تحف ج ۵ ص ۱۵۹)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک بندہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا رہے گا لیکن یہ واضح رہے کہ اس کی توبہ صحیح ہو یا نہیں طور کہ وہ اپنے گناہ پر غلام ہو اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور اس گناہ کی تلافی

اور تدارک بھی کرے اور اگر توبہ کرتے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ میں دوبارہ پھر یہ گناہ کروں گا تو یہ ایسی توبہ ہے کہ یہ توبہ بھی گناہ ہے اور اس توبہ سے بھی اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثال ہے جس سے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص گناہ سے استغفار کرے وہ آج ایک وہ گناہ پر برقرار ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے رب سے مذاق کر رہا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۷۷، الفردوس برثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۳۳۳) ذوالنون نے کہا: گناہ کو جڑ سے اکھاڑتے بغیر توبہ کرنا کذاہین کی توبہ ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جگہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ (سورہ محمد رقم الحدیث: ۱۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، توبہ کے غازیوں اور تین تحفین کی توبہ کا باہمی فرق

اس آیت کا عطف تعمیلی آیت پر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: اللہ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی اور ان مساجرین اور انصار کی جنہوں نے جنگی سے وقت میں نبی کی ایماں کی اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی توبہ کو نبی کی توبہ کے ساتھ ملا لیا جائے تاکہ یہ ان کی تقسیم اور اجلال پر دلالت رہے اور اس عطف کا فائدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول ہونے اور مساجرین اور انصار کی توبہ اور ان تین کی توبہ قبول ہونے کا ایک حکم ہو اور معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے اور وہ یہاں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بغیر کسی گناہ کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہے اور غزوہ تبوک میں جاسنے والے مساجرین اور انصار کی توبہ راستہ کی صعوبتوں کی وجہ سے دوسو سو کی بناء پر ہے اور ان تین کی توبہ بغیر غزوہ تبوک میں نہ جانے کی وجہ سے ہے۔ وہ تین صحابہ یہ ہیں: حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع۔ ان کے غزوہ تبوک میں نہ جانے اور توبہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول ہونے کی تفصیل

حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا، حضرت کعب بن مالک نے کہا: میں غزوہ تبوک کے علاوہ کبھی کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا البتہ میں غزوہ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا اور غزوہ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر بھی آپ نے عتاب نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان، قریش کے قافلہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان اچانک مقابلہ کرادیا، اور جب ہم نے اسلام کا عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عقبہ کی شب میں بھی حاضر ہوا تھا، ہر چند کہ مسلمانوں میں شرکاء بدر کی وقعت بہت زیادہ ہے لیکن میں شب عقبہ کی حاضری کے بدلہ میں اور کوئی فضیلت پسند نہیں کرتا۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ جب میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تھا اس وقت میں جس قدر قوی اور خوش حال تھا اس سے پہلے کبھی اس قدر قوی اور خوشحال نہیں تھا اس وقت جہاں کے لیے میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں جو اس سے پہلے کبھی کسی جملہ کے وقت میرے پاس نہیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

دس لم سخت گرمی میں جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ دُور دراز سفر کے لیے صحرا میں کثیر دشمنوں سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں پر پورا معاملہ واضح کر دیا تھا تاکہ وہ دشمنوں سے جہاد کے لیے پوری تیاری کر لیں۔ آپ نے مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کسی رجسٹر میں مسلمانوں کی تعداد کا اندراج نہیں تھا۔ حضرت کعب نے کہا: بہت کم کوئی ایسا شخص ہو گا جو اس غزوہ سے غائب ہونے کا ارادہ کرے اور اس کا یہ گمان ہو کہ بغیر اللہ کی وحی نازل کرنے کے آپ سے اس کا معاملہ چھل رہے گا۔ جب درختوں پر پھل آگئے تھے اور ان کے سائے کھٹے ہو گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کا ارادہ کیا۔ میں اس وقت پھلوں اور درختوں میں مشغول تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کی تیاری میں تھے، میں ہر صبح جہاد کی تیاری کا سوچتا اور واپس آ جاتا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور سوچتا کہ میں جس وقت جانے کا ارادہ کروں گا بسکوں گا میں یہی سوچتا رہا حتیٰ کہ مسلمانوں نے سلمان سفر باندھ لیا اور ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ میں نے ابھی تیاری نہیں کی تھی، میں صبح کو پھر گیا اور لوٹ آیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا میں یونہی سوچ بچار میں رہا حتیٰ کہ مجاہدین آئے بڑھ گئے اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں روانہ ہو کر ان کے ساتھ جاؤں گا کاش میں ایسا کر لیتا، لیکن یہ چیز میرے مقدر میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ میں جن لوگوں کے درمیان چلتا تھا یہ صرف وہی لوگ تھے جو غفلت سے متمتع تھے یا وہ ضعیف لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور رکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچنے سے پہلے میرا ذکر نہیں کیا جس وقت آپ تبوک میں صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کعب بن مالک کو کیا ہوا؟ بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کو دیکھنے نے روک دیا۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: تم نے بڑی بات کہی ہے! بخدا! یا رسول اللہ! ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو ابوخیثمہ ہو جا“ تو وہ ابوخیثمہ انصاری ہو گیا۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک صاع (چار کلوگرام) چھوٹے صدقہ کیے تھے تو منافقین نے انہیں طعن دیا تھا۔

حضرت کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے ہیں تو میری پریشانی پھر تازہ ہو گئی، میں جموٹی باتیں ملنے کے لیے سوچنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ میں کل حضور کی ناراضگی سے کیسے بچوں گا اور اپنے گھر کے اصحاب رائے سے اس سلسلہ میں مشورہ لینے لگا پھر جب مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لارہے ہیں تو میرے ذہن سے وہ سب جموٹے بھانے نکل گئے اور میں نے یہ جان لیا کہ میں کسی (جموٹی) بات سے کبھی نجات نہیں پاسکوں گا پھر میں نے حج بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ جب سفر سے آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاتے تھے اور وہیں دو رکعت نماز پڑھتے تھے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جب حضور معمول کے مطابق فارغ ہو گئے تو جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ آکر غڈر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اتنی سے زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اعتبار سے ان کے غڈر کو قبول کر لیا تھا آپ نے ان سے بیعت لی اور ان کے لیے استغفار کیا اور ان کے باطنی معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ میں آیا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپ مسکرائے جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے۔ آپ نے فرمایا: آؤ! میں آکر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! بخدا!

اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیاوار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے، لیکن بخدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ اس سے راضی ہو بھی گئے تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات کہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھ کو بچ میں اللہ تعالیٰ سے شین عاقبت کی امید ہے، بخدا میرا کوئی عذر نہیں تھا، اور جس وقت میں آپ کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر حال اس شخص نے بچ بولا ہے، تم یہاں سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔ میں وہاں سے اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے کہا بخدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کا عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے، تمہارے گناہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لیے استغفار کرنا کافی تھا۔ بخدا وہ مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں، پھر میں نے ان سے پوچھا کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے؟ انہوں نے کہا: دو اور شخصوں نے بھی تمہاری مثل کہا ہے، ان سے بھی حضور نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقعی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے، وہ میرے لیے نمونہ (آئیڈیل) تھے، جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرمادیا، جو آپ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر مسلمانوں نے ہم سے اہتمام کر لیا اور ہمارے لیے اجنبی ہو گئے، حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے پہچانتا تھا، ہم لوگوں کو اسی محل پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے، وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے روئے رہتے تھے، لیکن ان کی یہ نسبت میں جو ان اور طاقتور تھا میں باہر نکلتا تھا نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور نماز کے بعد جب آپ اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ کو سلام عرض کرتا۔ میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کو دیکھتا، سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے زنجی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے عم زاد حضرت ابو قتادہ کے بلخ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا، بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے ان سے کہا: ابو قتادہ! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو قسم دے کر سوال کیا کہ وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر ان کو قسم دی تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا۔ ایک دن میں عینہ کے بازار میں جا رہا تھا تو اہل شام کا ایک شخص عینہ میں غلہ بیچنے کے لیے آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک سے ملادے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے پلاشلہ کا ایک خط دیا، میں چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لیے میں نے اس کو پڑھا، اس میں لکھا تھا: ”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر

ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی کی جگہ میں رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا، تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔ میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے، میں نے اس خط کو خور میں پھینک کر جلا دیا حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا، اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا: آیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ حضرت کعب نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے۔

حضرت کعب نے کہا: پھر حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے، کیا آپ اس کو ٹاپند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے۔ ان کی بیوی نے کہا: بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے، اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بخدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں۔ مجھ سے میرے بعض گھروالوں نے کہا: تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اجازت لے لو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا: میں اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے، اور میں ایک جوان شخص ہوں، پھر میں اسی حال پر دس راتیں گھمرا رہا۔ پھر جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی، اس کو پچاس دن گزر چکے تھے۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ پچاس روز کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی بھست پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا، پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا، جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی، اچانک میں نے سلح پھاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی، جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! بشارت ہو (مبارک ہو) حضرت کعب نے کہا: میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور میں نے جان لیا کہ اب کشادگی ہو گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلری توبہ قبول کر لی ہے، پھر لوگ آکر ہم کو مبارک باد دیتے تھے، پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارک باد دینے کے لیے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی، اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پیچھے سے پہلے مجھ تک پہنچی۔ جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پسنا دیئے، بخدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی، اور میں نے کسی سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، اور میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارک باد دینے کے لیے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ارد گرد صحابہ بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت کعب طلحہ کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعب نے کہا: جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و سلم کو سلام کیا تو خوشی سے آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے مبارک ہو، جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے، اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ (قبولیت توبہ) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ حضرت کعب نے کہا: ہم اس علامت کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے کہا: جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے ماں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا: میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیر میں ہے اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ انہوں نے کہا: بخیر! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے ملے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور آئندہ کے لیے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

(ترجمہ:) بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مساجد اور انصار کی جنہوں نے سختی کے وقت نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان ہے حد رحم فرمانے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی بھی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئی تھیں اور ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تمہارے ساتھ رہو۔ (التوبہ: ۱۱۸-۱۱۷)

حضرت کعب نے کہا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت اسلام کی نعمت دی ہے اس وقت سے ملے کر اللہ تعالیٰ نے میرے نزدیک مجھے اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا کیونکہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی تو جتنی ان جھوٹوں کی مذمت فرمائی ہے کسی کی اتنی مذمت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کی بد اعمالیوں سے اپنی توجہ ہٹائے رکھو، تو تم ان کی طرف التفات نہ کرو، بے شک وہ ہلاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ ان کے کاموں کی سزا ہے، وہ تم کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے، سو اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو بے شک اللہ تا فرمانی کرنے والوں سے راضی نہیں ہو گا۔

حضرت کعب نے کہا: ہم لوگوں کا معاملہ ان لوگوں سے موخر کیا گیا تھا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پتہ قبول کر لیا تھا ان سے بیعت کر لی تھی اور ان کے لیے استغفار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاملہ کو موخر کر دیا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کا فیصلہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ بھی قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غزوہ تبوک میں جو پیچھے رہ گئے تھے اس کا ذکر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والوں کی یہ نسبت ہمارے

مسئلہ کو موخر کیا گیا تھا جنہوں نے قسمیں کھائیں اور آپ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا تھا۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۵۳، (۲۷۶) ۶۸۸۳ صحیح البخاری رقم الحديث: ۴۷۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۲۰۴ سنن الترمذی رقم الحديث: ۴۱۰۲ سنن النسائی رقم الحديث: ۴۳۲۲ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحديث: ۸۸۰ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۰ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۳۳۷۰ ولائکل التوبة للیثقی ج ۵ ص ۲۷۹-۲۷۳ مصنف عبدالرزاق رقم الحديث: ۱۹۷۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۳۵-۵۳۰ صحیح ابن خزیمہ رقم الحديث: ۴۲۳۲ سنن کبریٰ للیثقی ج ۴ ص ۱۸۸ شرح السنہ رقم الحديث: ۱۶۱۷۶ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۵۶-۵۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو ○

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ

اہل مدینہ اور اس کے گرد رہنے والے بدوؤں (اعراب) کے لیے یہ جائز نہ تھا

أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ

کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نہ ہاتے اور نہ ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے زیادہ اپنی جانوں کی

نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنْهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَهْمٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْصَصَةٌ

فکر کرتے، یہ حکم اس لیے ہے کہ انہیں جب بھی اللہ کی راہ میں کبھی پیاس بجھے گی یا کوئی تھکاوٹ ہوگی یا

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطُؤْنَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا

جھوک لگے گی، اور وہ جب بھی کسی ایسی جگہ جائیں گے جس سے کفار غضب ناک ہوں، اور وہ

يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيلاً إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ط

جب بھی دشمن سے مال غنیمت حاصل کریں گے تو ان کے لیے اس کے سبب نیک عمل لکھا جائے گا،

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يَنْفِقُونَ نَفَقَةً

بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ○ اور وہ جب بھی اللہ کی راہ میں، کوئی چھوٹا یا

صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

بڑا خرچ کرتے ہیں یا کسی مسافت کو طے کرتے ہیں تو ان کا وہ عمل لکھ دیا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ

تاکر اللہ ان کو ان کے عمل کی بہترین سزا عطا فرمائے ○ اور یہ تو نہیں ہو سکتا

الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَأَفْئَةٍ فَتَلَوْنَ أَصْحَابُكُمْ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام مسلمان روانہ ہو جائیں، تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت

طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا

روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو

إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

(اللہ کے ملائے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے ○)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور (بیشک) تمہارے ساتھ رہو ○ (التوبہ: ۵۹)
اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی، اور ان کی توبہ ان کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی اس لیے اس آیت میں تمہارے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا، نیز ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے اس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو۔
تمہارے ساتھ رہنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں، شماک نے کہا حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور ان کے اصحاب مراد ہیں، حسن بھری نے کہا اگر تم دنیا میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبتی رکھو اور دوسرے ادیان سے بچو۔

صدق کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدق کو لازم رکھو، کیونکہ صدق نیکی کی ہدایت دیتا ہے، اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے، ایک انسان بیشک سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے، اور تم جھوٹ سے بچو اور جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں، ایک بندہ بیشک جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۹۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۳۷۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۹۹ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۷۳ المستدرک ج ۲ ص ۱۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ جھوٹ

بولتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۹۳، طبع الاولیاء ج ۸ ص ۷۹، الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۵)
حضرت سمروہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور انہوں نے کہا آپ نے جس شخص کو دیکھا تھا کہ اس کا جہز اجیرا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا جو جھوٹ بولتا تھا پھر وہ جھوٹ اس سے نقل ہو کر دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کے ساتھ قیامت تک یہی کیا جاتا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۹۶، مطبوعہ دارالرقم بیروت)

حضرت نو اس بن سمن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم کو جھوٹ پر اس طرح کرتے ہوئے دیکھتا ہوں جس طرح پروانے آگ پر گرتے ہیں۔ ہر جھوٹ لاکھ لکھا جاتا ہے سو اس کے کہ کوئی شخص جنگ میں جھوٹ بولے، کیونکہ جنگ ایک دھوکا ہے، یا کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے، یا کوئی شخص اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۷۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخیر کی سے جھوٹ بولنا جائز ہے نہ مذاق سے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۰۰)

علامہ شاہی نے امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی جان یا اس کی امانت کو بچانا جھوٹ بولنے پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہے، نیز اگر اس نے تمائی میں کوئی بے حیائی کا کام کیا ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے کیونکہ بے حیائی کا اعمار کرنا بھی بے حیائی ہے اور مہلکہ میں جھوٹ جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا رہا ابو جہم وہ تو اپنے کندھے سے لاشی اتارتا ہی نہیں اور تو یہ کہنے میں جھوٹ سے بچنے کی وسیع گنجائش ہے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ پر ایمان لانا چاہتا ہوں مگر میں شراب نوشی، زنا کرنے، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے سے محبت رکھتا ہوں، اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں اور مجھ میں ان تمام چیزوں کے ترک کرنے کی طاقت نہیں ہے، اگر آپ اس پر قناعت کر لیں کہ میں ان میں سے کسی ایک چیز کو ترک کر دوں تو میں آپ پر ایمان لے آتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو، اس نے اس کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو اس کو شراب پیش کی گئی، اس نے سوچا اگر میں نے شراب پی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شراب پینے کے حلق سوال کیا اور میں نے جھوٹ بولا تو عہد شکنی ہوگی اور اگر میں نے سچ بولا تو آپ مجھ پر عہد قائم کر دیں گے، پھر اس نے شراب کو ترک کر دیا، پھر اس کو زنا کرنے کی پیشکش ہوئی، اس کے دل میں پھر بھی خیال آیا، اس نے پھر اس کو بھی ترک کر دیا، اسی طرح چوری کا مسئلہ ہو، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے جھوٹ بولنے سے روک دیا اور اس نے مجھ پر تمام گناہوں کے دروازے بند کر دیئے اور پھر وہ تمام گناہوں سے تائب ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۱۸، الباب ج ۵ ص ۱۳۵)

صدق کی عقلی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے شیطان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

فَيَعِزُّنَكَ لَأَعْيُوْبَتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ اَلَا
عَسَا كُنتُمْ مِّنَ الْمُخَلَّصِينَ۔ (ص: ۸۳-۸۴)

تمہری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو بھلا دوں گا ماسوا
تمہرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں۔

اگر شیطان صرف اتنا کہتا کہ میں تمہرے سب بندوں کو گمراہ کر دوں گا تو یہ جھوٹ ہوتا اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے
کہا ماسوا تمہرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں تو غور کرنا چاہیے کہ جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ شیطان بھی اس سے احتراز کرتا ہے
تو مسلمانوں کو اس سے کتنا زیادہ بچنا چاہیے۔ صدق کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایمان قول صادق ہے اور ایمان سب
سے بڑی عبادت ہے اور جھوٹ کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ کفر (یعنی خدا کے شریک ہیں) قول کاذب ہے اور کفر اور
شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل مدینہ اور اس کے ساتھ رہنے والے بدوؤں (اعراب) کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ رسول
اللہ کے ساتھ نہ جاتے اور نہ ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان سے زیادہ اپنی جانوں کی فکر
کرتے، یہ حکم اس لیے ہے کہ انہیں جب بھی اللہ کی راہ میں کبھی پیاس لگے گی یا کوئی تھکاوٹ ہوگی یا بھوک لگے گی اور وہ
جب بھی کسی ایسی جگہ جائیں گے جس سے کفار غضب ناک ہوں اور وہ جب بھی دشمن سے مال غنیمت حاصل کریں گے تو ان
کے لیے اس سبب سے نیک عمل لکھا جائے گا بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا (التوبہ: ۱۲۰)

لشکر اسلام کے ساتھ تمام مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وجوب کی تحقیق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بچوں کے ساتھ رہو، اس کا تقاضا یہ تھا کہ تمام غزوات اور مشاہد میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا واجب ہے، اسی حکم کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے سے منع فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں جن اعراب کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: مزینہ، حبشہ، اشجع، اسلم
اور غفار۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں مدینہ کے گرد رہنے والے تمام اعراب مراد ہیں کیونکہ لفظ مَن عام ہے۔
بہر حال اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانے کی ممانعت کر دی ہے، اور اب کسی کے لیے یہ
جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوپ، گرمی، بھوک اور پیاس، سفر کی مشقت اور دشمن کے حملوں سے محفوظ اور مامون
رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سخت گرمی کے سفر میں
بھوک، پیاس اور دشمن کے حملوں کی زد میں جانا ہوا دیکھتا رہے گویا اس کی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ
قیمتی اور حفاظت کے قابل ہے۔

اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص پر امیر لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے جانا واجب ہو لیکن دیگر شرعی دلائل سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر جہاد کے لیے روانہ ہونا واجب نہیں ہے کیونکہ بیماروں، کمزوروں اور عاجزوں پر جہاد کے لیے
جاننا واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ الْمُتَمَسِّحُ الْاَوْسَعَهَا۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ محنت نہیں

(البقرہ: ۲۸۶) کرتا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ۔ (فتح: ۱۷)

اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گرفت
ہے اور نہ بیمار سے کوئی مواخذہ ہوگا۔

نیز جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو ہر شخص پر واجب تھا کہ وہ جماد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائے لیکن جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُعْذِرُواكَ
اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام مسلمان (اللہ کی راہ میں) روانہ ہو جائیں۔ (التوبة: ۱۲۲)

فقہاء نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں پر جماد کے لیے نکلنے کا وجوب اس وقت تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ جماد کے لیے روانہ ہوں اور اس وقت بغیر عذر کے کسی کے لیے آپ کا ساتھ چھوڑنا جائز نہ تھا اور ابن عطیہ نے یہ کہا کہ تمام مسلمانوں پر جماد کے لیے روانہ ہونا اس وقت واجب تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو روانہ ہونے کا حکم دیں اور یہی قویٰ صحیح ہے، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اور بلائیں تو آپ کے حکم کی اطاعت کرنا اور آپ کے بلاسنے پر جانا واجب ہے اسی طرح بعد میں مسلمانوں کے حکمران جب مسلمانوں کو لشکر اسلام میں شامل ہونے کے لیے بلائیں تو ان کے حکم کی اطاعت کرنا اور ان کے بلاسنے پر جماد کے لیے جانا واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الباب ج ۱۰ ص ۲۳۶-۲۳۷، بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب بھی (اللہ کی راہ میں) کوئی چھوٹا یا بڑا خرچ کرتے ہیں یا کسی مسافت کو طے کرتے ہیں تو ان کا وہ عمل لکھ دیا جاتا ہے، تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کی بہترین جزا عطا فرمائے (التوبة: ۴۱)

اللہ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول ہے

یعنی اللہ کی راہ میں کوئی چھوٹی سی چیز بھی صدقہ کی جائے یا اللہ کی راہ میں تھوڑی سی مسافت بھی طے کی جائے تو اللہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پاک کھانسی سے ایک بھور کے برابر بھی صدقہ کیا اور اللہ صرف پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے، تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اس کی پرورش کرتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے چمچے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۸۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑے کے اوپر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، انسان کسی شخص کو سواری میں سوار ہونے پر مدد کرے یا اس کا سامان سواری پر لاد دے تو یہ صدقہ ہے اور نیک بات کہنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف ہر قدم چلنا صدقہ ہے، اور راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۲۸۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۸۹۷)

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی بہترین جزا عطا فرماتا ہے، نیک اعمال میں فرائض، واجبات، سفن، مستحبات سب شامل ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ ان میں مباح کلام (مثلاً لہذا کھانے کھانا، عمدہ لباس پہننا، بہترین مکان میں رہنا) شامل نہیں ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ مباح کلام بھی اچھی نیت کے ساتھ کیے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا یہ بھی اچھی نیت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ نیک کاموں پر بہترین جزا عطا فرماتا ہے، بہترین جزا کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت خرم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں

کوئی چیز خرچ کرتا ہے اس کے لیے وہ چیز سات سو گنا نکلی جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۳۵ سنن التسلی رقم الحدیث: ۳۱۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۱۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۶۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۱۵۳ المستدرک ج ۲ ص ۱۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ (اللہ کی راہ میں) تمام مسلمان روانہ ہو جائیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے ○ (التوبہ: ۳۲)

تبلیغ اسلام کے لیے جملہ کافر فرض کفایہ ہونا

اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، پہلی روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کی طرف جاتے تھے تو آپ کے ساتھ نہ جانے والوں میں منافق ہوتے تھے یا معذور لوگ، اور جب اللہ سبحانہ نے غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے منافقین کی سخت مذمت فرمائی تو مسلمانوں نے کہا اللہ کی قسم! آئندہ ہم کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہیں گے نہ کسی سر سے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور آپ نے کفار کی طرف لشکر بھیجے تو تمام مسلمان لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیار رہ گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جملہ کے لیے روانہ ہو جائیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہو جائیں: ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور جو احکام نازل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشادات فرمائیں ان کو محفوظ اور منضبط کرتے رہیں اور جب پہلی جماعت جملہ سے واپس آئے تو ان کو احکام سکھائیں اور دوسری جماعت جملہ کے لیے روانہ ہو جائے، احکام شرعیہ تدبیراً نازل ہو رہے تھے، اس لیے ان احکام کو حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں آپ کے پاس رہنا بھی ضروری تھا اور اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کے لیے جملہ کرنا بھی ضروری تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۰، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ، جامع البیان ج ۱۱ ص ۹۰، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حصول علم دین کافر فرض کفایہ ہونا

اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو سری روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دین اور احکام شرعیہ سیکھتی تھی، اور ان کو اپنے پیش آمدہ مسائل میں جس شرعی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تھی آپ سے وہ رہنمائی حاصل کرتی تھی، پھر جب وہ قوم اپنے قبیلہ میں واپس جاتی تو وہ ان کو نماز، زکوٰۃ اور اسلام کے دیگر احکام کی تعلیم دیتی اور اسلام کی تبلیغ کرتی اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی اور یہ کہتی کہ جو اسلام لے آیا وہ ہم میں سے ہے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے ماں باپ سے جدا ہو جاتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۴۹۱ رقم الحدیث: ۹۰۱۲۲، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

یہ آیت طلب علم کے وجوب میں اصل ہے، اور یہ کہ کتاب اور سنت کا علم اور اس کی فقہ (سمجھ) حاصل کرنا فرض ہے اور یہ فرض عین نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ علم دین کے حصول کے لیے سفر کریں بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر یہ فرض کیا ہے، اس لیے یہ فرض کفایہ ہے۔ طلب علم پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

(تحریر: ۳۳)

حصول علم دین کے فرض عین ہونے کا محمل

طلب علم کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم فرض عین ہے، اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، مثلاً نماز ہر شخص پر فرض ہے تو نماز کے احکام اور مسائل کا سیکھنا ہر شخص پر فرض ہے، اسی طرح روزہ بھی ہر مسلمان پر فرض ہے تو اس کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر شخص پر فرض ہے اور جو شخص ملہ اور اس پر زکوٰۃ کے مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور جو حج کے لیے روانہ ہو اس پر حج کے ارکان، فرائض، واجبات اور موانع کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور جو شخص نکاح کرے اس پر لازم ہے کہ وہ نکاح، طلاق اور حقوق زوجین کے جملہ مسائل کا پہلے علم حاصل کرے اور اس کی فرضیت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے خزیروں کو جو ہر موتی اور سونے کے ہار ڈال دیئے جائیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۲۳۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۳۹، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۷۸، ملت الاولیاء ج ۸ ص ۳۲۳، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۷۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۱۸، المطالب العلیہ رقم الحدیث: ۳۰۶۷، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۵۴)

حصول علم دین کے فرض کفایہ ہونے کا محمل

طلب علم کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے یعنی تمام احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کا ان کے دلائل کے ساتھ علم حاصل کرنا حتیٰ کہ جس کسی عام شخص کو زندگی میں جو بھی عملی یا اعتقادی مسئلہ درپیش ہو تو وہ عالم دین اس مسئلہ کا حل پیش کر سکے، اس میں عبادات، معاملات، حدود و تعزیرات، قصاص اور حدیث اور تفسیر کا علم شامل ہے۔ اس علم کا حامل رتبہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اور اس اجتہاد سے مراد مسائل عصریہ میں اجتہاد ہے جیسے اس زمانہ میں ٹیلی فون پر نکاح، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر رمضان اور عید، اور سحر اور افطار کا اعلان، خاندانی منصوبہ بندی، اسقاط حمل، ٹیسٹ ٹوب بے بی، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، الکوہل آمیز دوائیاں، انتقال خون اور ایسے دیگر مسائل میں شرعی حکم بیان کرنا۔

اس آیت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو علم دین کے حصول کے لیے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے یہی علم مراد ہے اور جب یہ لوگ اس علم کو حاصل کر کے آئیں اور اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتائیں تو ان پر ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی تقلید ہے کیونکہ ہر شخص اتنا وسیع علم حاصل نہیں کر سکتا جو تمام احکام شرعیہ اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے متکفل ہو اس لیے وہ ان مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرے گا اور ان کی تقلید کرے گا۔

علم دین کے فضائل

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص کسی راستہ پر علم کی تلاش میں نکلا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پر جھکاتے ہیں اور بے شک جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور جو پھیلیاں پانی کی گہرائی میں ہیں، یہ سب عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء و مراد و ربہم کے وارث نہیں بناتے، وہ صرف علم کے وارث بناتے ہیں، سو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۸۳ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۷۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۳۳ سنن الدارمی رقم الحديث: ۳۳۲۲ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۸۸۰۰ مسند احمد ج ۵ ص ۹۹۱ مسند الشافعی رقم الحديث: ۳۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عبادوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۳۳ المعجم الکبیر رقم الحديث: ۹۰۰۹۹ مسند الشافعی رقم الحديث: ۹۰۰۹۹ الکامل لابن عری ج ۳ ص ۴۰۰۳ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۲۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دیں کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے، میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے، اور یہ امت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۷۲۳۳ صحیح مسلم رقم الحديث: ۹۰۳ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۸۹۰۰ مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱۱ المعجم الکبیر ج ۴ ص ۳۲۹ رقم الحديث: ۷۷۷۷ شرح السنہ ج ۴ ص ۳۸۳ رقم الحديث: ۱۳۳۳)

فقہ کالغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں ایک لفظ ہے لیسفہا ای الیس فیہ اور اس کا لغوی معنی ہے، فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی حسب ذیل ہیں: علامہ راجب اصفہانی متوفی ۵۵۴ھ نے لکھا ہے فقہ کالغوی معنی ہے علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنا اور اس کا اصطلاحی معنی ہے احکام شرعیہ کا علم، (المفردات ج ۲ ص ۴۹۹) میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۸۶ھ نے لکھا ہے، فقہ کالغوی معنی ہے متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنا اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: احکام شرعیہ عمید کا علم جو ان کے دلائل تخصیص سے حاصل ہو، ایک قول یہ ہے کہ فقہ اس محلی معنی پر واقف ہونے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حکم متعلق ہے اور یہ وہ علم ہے جو رائے اور اجتہاد سے مستبعد ہوتا ہے، اس میں غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو فقیہ نہیں کہا جاتا کیونکہ اس سے کوئی چیز محلی نہیں ہے۔ (التعریفات ص ۹۹ مطبوعہ بیروت) اور امام اعظم ابو حنیفہ سے یہ تعریف منقول ہے الصنفہ معروفة السفس مالها وما عذبها (التوضیح مع التلویح ص ۲۲ مطبوعہ کراچی) "نفس کا اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں کو جان لینا۔"

تقلید شخصی پر دلائل

سورہ توبہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ (اللہ کی راہ میں) تمام لوگ روانہ ہو جائیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) اذرا تے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے۔ (التوبہ: ۳۲)

اس آیت کی رو سے جب یہ لوگ واپس آکر اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتائیں تو ان کے علاقہ والے لوگوں پر ان کے بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی تقلید ہے کہ عام آدمی جو دلائل شرعیہ کو نہیں جانتا اور قرآن اور حدیث سے براہ راست احکام حاصل نہیں کر سکتا وہ عالم دین کے بتائے ہوئے حکم شرعی پر عمل کرے اور اس کے لیے دلائل شرعیہ کو جاننا ضروری نہیں ہے۔

تقلید پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔ (التحل: ۴۳)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت صفیہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حیض آگیا انہوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو (واپسی سے) روک لیں گی (انہوں نے طواف وداع نہیں کیا تھا) صحابہ نے بتایا کہ وہ طواف زیارت کر چکی ہیں آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۷، مطبوعہ بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف زیارت کر چکی تھی پھر اس کو حیض آگیا۔ (آیا وہ طواف وداع کیے بغیر اپنے وطن واپس جاسکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہاں وہ جاسکتی ہے۔ (حضرت زید بن ثابت یہ کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جاسکتی) انہوں نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل کر کے حضرت زید کے قول کو نہیں چھوڑیں گے، حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کو معلوم کر لیتا، انہوں نے مدینہ پہنچ کر اس مسئلہ کو معلوم کیا انہوں نے حضرت ام سلیم سے پوچھا حضرت ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث (مذکورہ بالا بیان کی)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷۵۸، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے سنن ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انصار نے کہا اے ابن عباس! جب آپ زید کی مخالفت کریں گے تو ہم آپ کی اتباع نہیں کریں گے، اور سنن نسائی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت کو حضرت صفیہ کی حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۸۸، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اہل مدینہ پیش آمدہ مسائل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے، اور حضرت زید بن ثابت کے قول کے خلاف جب حضرت ابن عباس نے فتویٰ دیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس کے قول پر عمل نہیں کیا اور یہی تقلید منضی ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ مسئلہ تقلید پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عام آدمی کے لیے عالم دین کی تقلید پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ عام آدمی احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اگر ہر آدمی درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا مکلف ہو تو زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لیے دن رات علم کے حصول میں لگا رہے گا اور نہ کسی کے لیے کچھ کھانے کو ہو گا نہ پہننے کو اور دنیا کا نظام برباد ہو جائے گا اور حرج عظیم واقع ہو گا اور یہ بدانتہا باطل ہے، اور یہ بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف ہے لہذا حجت ہو کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے۔ (المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۸۹، مطبوعہ مصر)

امام غزالی کی اس تقریر سے یہ اور واضح ہو گیا کہ سورہ توبہ: ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے نفعہ فی الدین صرف ایک جماعت پر لازم کیا ہے اور تمام مسلمانوں پر نفعہ فی الدین حاصل کرنا لازم نہیں کیا اور نہ ہی حرج لازم آتا جس کا امام غزالی نے ذکر کیا ہے اور وہ جماعت مجتہدین کی جماعت ہے۔ نفعہ فی الدین میں وسعت اور گہرائی اور گیرائی حاصل کرنا ان کی ذمہ داری ہے، باقی تمام عام لوگوں پر صرف ان کی تقلید لازم ہے۔

شیخ احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اور یہ چیز تمام ائمہ

مسلمین کے درمیان اتفاق ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے حلال کردہ کو حلال قرار دیتا اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ کو حرام قرار دیتا اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا ہے اس کو واجب ماننا تمام جن و انس پر واجب ہے، اور یہ ہر شخص پر ہر حال میں واجب ہے، ظاہر ہو یا باطن، لیکن چونکہ امت سے احکام ایسے ہیں جن کو عام لوگ نہیں جانتے اس وجہ سے عام لوگ ان احکام میں ان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان کو یہ احکام بتلا سکیں، کیونکہ علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا زیادہ علم رکھتے ہیں، پس مسلمان جن ائمہ کی اتباع کرتے ہیں وہ عام لوگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وسیلہ، راستہ اور رہ نما ہیں۔ وہ عام لوگوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پہنچاتے ہیں اور اپنے اجتہاد سے بقدر استطاعت احادیث کا مفہوم اور مراد بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان علماء کو ایسا علم اور ایسا فہم عطا فرماتا ہے جو دوسروں کو نہیں دیتا اور بسا اوقات یہ علماء کسی مسئلہ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح دوسرے اس مسئلہ کو نہیں جانتے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ سعودی عرب)

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا اور پھر بغیر کسی شرعی عذر یا بغیر کسی دلیل مرجع کے کسی اور عالم کے فتویٰ پر عمل کیا تو وہ شخص اپنی خواہش کا پیرو کار ہے۔ وہ مجتہد ہے نہ مقلد اور وہ بغیر عذر شرعی کے حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے، اور یہ چیز لائق مذمت ہے۔ شیخ عجم الدین کے کلام کا یہی خلاصہ ہے۔ نیز امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ پہلے کوئی شخص کسی چیز کو حرام یا واجب اعتقاد کرے اور پھر اس کو غیر حرام یا غیر واجب اعتقاد کرے تو یہ اصلاً جائز نہیں ہے، مثلاً پہلے کوئی شخص پڑوس کی بناء پر شفعہ کا مطالبہ کرے (جیسا کہ حنبلی مذہب میں ہے) اور جب اس پر پڑوس کی وجہ سے شفعہ ہو تو کہے یہ ثابت نہیں ہے (جیسا کہ شافعی مذہب میں ہے) اسی طرح نیز پینے، شہر بچھلنے، یا بھلائی کے ساتھ دادا کی میراث کے تقسیم کرنے کے اختلافی مسائل میں کبھی ایک پہلو اختیار کرے اور کبھی شخص اپنی خواہش سے دوسرا پہلو اختیار کرے، یہ شخص شخص اپنی خواہش کا پیرو کار ہے اور امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (اور یہی تقلید شخص ہے)

(مجموع الفتاویٰ ج ۲۰ ص ۲۲۱-۲۲۰، مطبوعہ سعودی عرب)

مسائل فقہیہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب

علامہ عبد الوہاب الشیرازی التوئی ۱۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

تمام ائمہ مجتہدین اپنے اصحاب کو اس پر براہ گنجہ کرتے تھے کہ وہ کتب اور سنت کے ظاہر پر عمل کریں اور وہ یہ کہتے تھے کہ جب تم ہمارے کلام کو ظاہر کتاب اور سنت کے خلاف دیکھو تو تم ظاہر کتاب اور سنت پر عمل کرو اور ہمارے کلام کو دیوار پر مار دو، ان کا یہ کمال احتیاط پر مبنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شریعت میں کسی چیز کا اضافہ کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو اور جس سے آپ راضی نہ ہوں۔

(میزان الشرحہ الکبریٰ ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

بعض فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا باہم اختلاف ہوتا ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اصول اجتہاد میں اختلاف ہوتا ہے اور اس اختلاف کے اور بھی اسباب ہیں، ہم ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) بعض اوقات مجتہد کو وہ حدیث نہیں ملتی اور جس کو ایک حدیث نہیں پہنچی وہ اس کا حکم نہیں ہے کہ وہ اس کے مقتضی پر عمل کرے اور ایسی صورت میں وہ کسی ظاہر آیت پر عمل کرنا ہے یا کسی اور حدیث پر یا استحباب حل کے موافق اجتہاد

کرتا ہے اور بعض اوقات اس کا یہ اجتہاد اس حدیث کے موافق ہوتا ہے یا مخالف اور یہی سبب غالب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا احاطہ امت کے کسی شخص نے نہیں کیا حتیٰ کہ خلفاء راشدین نے بھی اس کا احاطہ نہیں کیا تھا جو امت میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی سنن کو جاننے والے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ہمارے پاس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خوف زدہ حالت میں آئے، ہم نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے بلوایا تھا میں ان کے دروازے پر گیا میں نے ان کو تین مرتبہ سلام کیا انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا میں آیا تھا اور میں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا کسی نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ سلام کرے پھر اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا اس حدیث کی گواہی قوم کا سب سے کم عمر ہے کہ حضرت ابوسعید نے کہا میں سب سے کم سن ہوں۔ انہوں نے کہا تم ان کے ساتھ جاؤ۔ دوسری روایت (مسلم: ۵۵۲۳) میں ہے حضرت ابوسعید نے کہا پھر میں گیا اور میں نے حضرت عمرؓ کے سامنے گواہی دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۳۵، صحیح مسلم، الادب: ۳۳ (۲۱۵۳)، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۰) مکرر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند ذمہ داریوں کو لایا گیا۔ حضرت علی نے ان کو جلاؤالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے جب حضرت علی تک حضرت ابن عباس کی حدیث پہنچی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کی تعریف فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۸۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۰۳، مسند احمد ج ۱ ص ۶۸۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

اور بہت احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد کبار صحابہ کو بعض احادیث کا علم نہیں تھا اور جب ان پر وہ احادیث پیش کی گئیں تو انہوں نے اس حدیث کی موافقت کی۔ اس کی ایک مثال اس مسئلہ میں گزر چکی ہے کہ طواف زیارت کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ طواف و دلوع کے بغیر اپنے گھر کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہوتی ہیں: ایک سند صحیح ہوتی ہے اور دوسری غیر صحیح۔ ایک مجتہد کے علم میں وہ حدیث سند غیر صحیح کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے وہ اس کو ترک کر دیتا ہے اور دوسرے مجتہد کے علم میں وہ حدیث سند صحیح کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اس حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس کی مثال علف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث علی سے منقول حدیث ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۵۳۲) امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے اس پر عمل کیا ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳) حدیث کی ایک ہی سند ہوتی ہے لیکن ایک مجتہد کے نزدیک اس حدیث کے متن یا اس کی سند میں کلام ہوتا ہے اس

لیے وہ اس کو ترک کر دیتا ہے اور دوسرے مجتہد کے نزدیک اس میں کوئی کلام نہیں ہوتا اس لیے وہ اس حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس کی مثل حدیث مصراۃ (جس جانور کے تھنوں میں دودھ روک لیا جائے اس کو ایک صلیح کھجور دے کر واپس کرنا) ہے، ائمہ ثلاثہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث مضطرب اور مغل ہے اور صریح قرآن کے خلاف ہے اس لیے وہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۳) ایک مجتہد کے نزدیک خبر واحد عموم قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں کر سکتی، مثلاً حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۳) ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے موافق یہ کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے عموم کے خلاف ہے: قَافِرَةٌ وَآمَنَ تَسْتَرِيحُ الْقُرْآنُ (الزل: ۲۰) سو قرآن سے جس قدر آسان لگے اتنا پڑھو۔

اس لیے امام ابو حنیفہ نے نماز میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو اس آیت کے بموجب فرض نہیں کہا اور اس حدیث کے مقتضی سے واجب کہا ہے۔

(۵) ایک مجتہد کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے اور دوسرے کے نزدیک معمول ہے۔ اس کی مثل رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کی حدیث ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حدیث معمول ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو تکبیر اقلح کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳، طبع کراچی، الحادی فی بیان آثار الحادی ج ۱ ص ۵۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ) ہم نے یہ چند مثالیں اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے ذکر کی ہیں، ورنہ ائمہ مجتہدین کے اصول ہائے اجتہاد کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس کی بقدر کفایت مثالیں ہم نے تذکرۃ المحدثین میں ذکر کی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ

لے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں،

وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غُلْظَةً وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور چاہیے کہ وہ تمہارے دلوں میں سختی محسوس کریں، اور اچھی طرح یقین رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ○

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے

هَذِهِ آيَةٌ فَآمَنَ الَّذِينَ آمَنُوا فَرَادَتْهُمْ أَيْمَانًا وَهُمْ

کس کے ایمان کو زیادہ کیا؟ سو جو ایمان والے میں ان کے ایمان کو تو اس سورت نے (درحقیقت) زیادہ ہی کیا ہے

يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۳﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

اور وہ خوش ہو گئے ہیں ○ اور جسے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی

رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَا تُوَاوَهُمْ كُفْرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَلَا يَذَرُونَ

(سابق) نجاست پیر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گئے ○ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے

أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ

کہ ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائشیں میں ڈالا جاتا ہے پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے

وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

اور نہ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ○ اور جب کوئی سورت نازل ہوئی ہے تو وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں

إِلَىٰ بَعْضِ هَلْ يَرِيكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهِ

ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہ پلٹ کر جاک جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو

قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۶﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ

پلٹ دلیبے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے ○ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے

مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

ایک عظیم رسول آگئے ہیں تمہارا مشقت میں پرانا ان پر بہت مشاق ہے، تمہاری نگرانی پر وہ بہت حریص ہیں

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۷﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ

مؤمنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں ○ اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیں مجھے اللہ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۸﴾

کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ

تمہارے دلوں میں سختی محسوس کریں اور اچھی طرح یقین رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ○

(التوبہ : ۱۲۳)

قریب کے کافروں سے جملہ کی ابتدا کرنے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین سے یہ فرما رہا ہے کہ جملہ کی ابتدا ان کافروں سے کرو جو تمہارے درجہ بدرجہ قریب ہیں نہ کہ ان سے جو تم سے درجہ بدرجہ بعید ہوں، اس آیت کے زمانہ نزول میں قریب سے مراد روم کے کافر ہیں کیونکہ وہ شام میں رہتے تھے اور شام عراق کی بہ نسبت قریب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کئی شریعتیں وضع کر دیئے تو ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی کافر ملکوں سے جملہ کی ابتدا کریں، اور اس کی متعدد وجوہ ہیں:

(۱) بیک وقت تمام دنیا کے کافروں سے جملہ کرنا تو علوانا ممکن نہیں اور جب قریب اور بعید دونوں کافر ہوں تو پھر قریب مرنے

ہے۔

(۲) قریب اس لیے رائج ہے کہ اس میں جملہ کے لیے ساریوں، سفر خرچ اور آلات اور اسلحہ کی کم ضرورت پڑے گی۔

(۳) جب مسلمان قریبی کافروں کو چھوڑ کر بعید کے کافروں سے جملہ کے لیے جائیں گے تو عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں چھوڑ جائیں گے۔

(۴) بعید کی بہ نسبت انسان قریب کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے، سو مسلمانوں کو اپنے قریبی ممالک کی فوج کی تعداد، ان کے اسلحہ کی مقدار اور ان کے دیگر احوال کی بہ نسبت بعید ممالک سے زیادہ واقفیت ہوگی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ بھی ابتداء اقریبین پر فرض کی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْزِلْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ - (الشعراء: ۲۱۳) اور آپ اپنے زیادہ قریب رشتہ داروں کو ڈرا لیں۔

اور غزوات اسی ترتیب سے واقع ہوئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی قوم سے جملہ کیا پھر آپ شام کے غزوہ کی طرف تھل ہوئے اور صحابہ جب شام کے جملہ سے فارغ ہوئے تو پھر عراق میں داخل ہوئے۔

(۶) جب کوئی کام زیادہ آسانی سے ہو سکتا ہو تو اس سے ابتدا کرنا واجب ہے اور بعید ملک کی بہ نسبت قریب ملک سے جملہ کرنا زیادہ آسان ہے، سو اس سے جملہ کی ابتدا کرنا واجب ہے۔

(۷) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھارہا تھا اور میں پیالہ کی ہر طرف سے گوشت کو لے رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے قریب کی جانب سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶، مسند احمد ج ۴ ص ۷۶۴، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۳، تنزیل تاریخ دمشق ج ۶ ص ۴۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۸۸)

سو جس طرح دسترخوان میں اپنے قریب سے کھانا چاہیے اسی طرح جملہ بھی اپنے قریب کے کافروں سے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو تو اس سورت نے (در حقیقت) زیادہ ہی کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی (سابق) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گئے ○ (التوبہ: ۳۵-۳۳)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ منافقین کے برے کام بیان فرما رہا ہے اور ان برائیوں میں سے ایک برائی یہ ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا اور اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ایمان سے متنفر کریں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے

استہزاء اس طرح کہتے ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی سورت کے نازل ہونے سے مسلمانوں کو دو امر حاصل ہوتے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو مسلمان اس سورت پر ایمان لاتے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور یہ امر ان کے ایمان میں اضافہ اور تقویت کا موجب ہوتا ہے اور ان کو اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں ان پر عمل کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی مزید خوشنودی اور اجر آخرت کے مستحق ہوں گے اور ان احکام پر عمل کرنے سے وہ دنیا میں بھی نصرت اور کامرانی حاصل کریں گے۔ پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کسی نئی سورت کے نازل ہونے سے منافقوں کو بھی دو امر حاصل ہوتے ہیں: ایک امر یہ ہے کہ ان کی سابق نجات میں اضافہ ہوتا ہے، نجات سے مراد ان کے عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ ہیں، وہ پہلے بھی قرآن مجید کے وحی الہی ہونے کے منکر تھے اور جب یہ ایک اور سورت نازل ہوئی تو انہوں نے اس کا مزید انکار کیا اور یوں ان کے کفر میں اضافہ ہوا اور ان کے اخلاق مذمومہ میں سے حسد کرنے کا مرض تھا، اور جب نئی سورت نازل ہوئی تو ان کے حسد میں اور اضافہ ہوتا ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ ان کی موت کفر واقع ہوگی اور یہ حالت پہلی حالت سے زیادہ قبیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے، اور نہ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ○ (التوبہ: ۳۶)

دنیا اور آخرت میں منافقین کے عذاب کی تفصیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ منافقین کفر پر مرس گئے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کو آخرت میں عذاب ہو گا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ان کو دنیا میں بھی ایک یا دو بار عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

دنیا میں ان کو جو عذاب دیا جاتا ہے اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ بیماری میں مبتلا ہوتے تھے اور پھر بھی اپنے خلق سے توبہ نہیں کرتے تھے اور نہ اس مرض سے کوئی نصیحت حاصل کرتے تھے، جس طرح جب مومن بیمار پڑتا ہے تو وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور اس کو یہ خیال آتا ہے کہ اس نے ایک دن اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اور اس کے دل میں اللہ کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خوشنودی کا زیادہ امیدوار ہوتا ہے۔ مجاہد نے یہ کہا کہ ان کو ہر سال قحط اور بھوک میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ان کو ہر سال ایک یا دو بار جملہ کی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے کیونکہ اگر وہ جملہ میں نہ شریک ہوتے تو لوگ ان کو لعن طعن کرتے اور اگر وہ جملہ میں شریک ہوتے تو ان کو جملہ میں اپنے مارے جانے کا خوف ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دو سرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہ پلٹ کر ہاگ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے ○ (التوبہ: ۳۷)

قرآن مجید سے منافقین کی نفرت اور بیزاری

اس سے پہلی آیتوں میں منافقین کے قبیح افعال بیان فرمائے تھے، اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے، اس میں یہ فرمایا ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی کوئی سورت سننے ہیں تو ان کو اس کے سننے سے کوفت اور اذیت ہوتی ہے اور ان کے چہروں پر نفرت اور کدورت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، پھر وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دو سرے کی طرف دیکھ کر اشاروں سے یہ کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا یعنی ان کے چہروں پر قرآن مجید سننے سے نفرت اور بیزاری کے جو آثار ظاہر ہو رہے ہیں ان کو کسی

نے جانچ تو نہیں لیا، یا قرآن مجید سننے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر قرآن مجید کا مذاق اڑانے کے لیے جو اشارے کیے اور استہزائیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اس کو کسی نے دیکھ تو نہیں لیا یا قرآن مجید سننے سے ان کو جو اذیت اور تکلیف ہوتی تھی اس کی وجہ سے وہ چپکے سے مجلس سے نکل بھاگنے کا ارادہ کرتے تھے تو پھر یہ کہتے تھے کہ ان کو نکلتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا یعنی اگر ان کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو وہ چپکے سے نکل جائیں تاکہ قرآن مجید سننے سے ان کو جو کوفت اور اذیت پہنچی ہے وہ دور ہو جائے، اور جب ان کو یہ اطمینان ہو جاتا تو وہ مجلس سے نکل جاتے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مجلس ہی میں موجود رہتے تھے اور قرآن مجید پر اعتراض کرنے اور زبان طعن دراز کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹا دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے تو ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو ایمان لانے کے بہت مواقع دیئے گئے، معجزات دکھائے گئے اور دلائل پیش کیے گئے، لیکن انہوں نے ان تمام دلائل اور معجزات کا مذاق اڑایا اور ایسا بھاری کفر کیا کہ اس کی سزا میں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مرگادی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں ○ (التوبہ: ۱۲۸)

سابقہ آیات سے ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سخت اور مشکل احکام کی تبلیغ کرئیں جن کا برداشت کرنا بہت دشوار تھا ماسوا ان مسلمانوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی توفیق اور کرامت سے نوازا تھا، اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیت نازل فرمائی جس سے ان مشکل احکام کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ رسول تمہاری جنس سے ہیں اور اس رسول کو دنیا میں جو عزت اور شرف حاصل ہو گا وہ تمہارے لیے باعث فضیلت ہے، نیز اس رسول کی یہ صفت ہے کہ جو چیز تمہارے لیے باعث ضرر ہو وہ ان پر سخت دشوار ہوتی ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں اور وہ تمہارے لیے ایک مشفق طیب اور رحم دل باپ کے مرتبہ میں ہیں کیونکہ حازق طیب اور شفیق باپ کبھی اولاد کی بہتری کے لیے ان پر سختی کرتا ہے، سو اسی طرح یہ مشکل اور سخت احکام بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) من انفسکم (۲) عربیہ (۳) حریص علیکم (۴) رءوف (۵) رحیم۔

من انفسکم کی دو قراءتیں ہیں: من انفسکم "ف" پر پیش کے ساتھ، اس کا معنی ہے تمہارے نفسوں میں سے یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع میں سے اور من انفسکم "ف" پر زیر کے ساتھ، اس کا معنی ہے وہ تم میں سب سے زیادہ نہیں ہیں۔

من انفسکم کا معنی :

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل بشر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَكْبَارَ الْمَلَائِكَةِ عَجَبًا أَوْ وَحْيًا إِلَى رَجُلٍ
يَسْتَهْمُ - (نفس: ۲)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحِي إِلَيَّ الْمَلَكُ
إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ - (لکھنؤ: ۱۸۰)

اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی جنس سے ہوتے تو لوگوں پر آپ کی اتباع کرنا بہت دشوار ہو جاتا جیسا کہ سورۃ الانعام میں اس کی تقریر گزر چکی ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا
وَلَلْبَشَرُ غَائِبٌ عَنْ بَابِ سُورَةِ (الانعام: ۹)

اور اگر ہم اس رسول کو فرشتہ بناتے تو اس کو مردی کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب مبتلا ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱۷۸، البحر المحیط ج ۵ ص ۵۳۲، حاشیہ ج ۳ ص ۶۱۵، اہلباب فی علوم الکتاب ج ۱ ص ۷۲۳) من انفسکم (تمہاری جنس سے رسول آیا) کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسا رسول آیا جو تمہاری قوم سے تھا تمہاری زبان بولتا تھا اور تم اس کے حسب اور نسب کو پہچانتے تھے:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کہا: اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتے منقطع کرتے تھے، پڑوسیوں سے بد سلوکی کرتے تھے، ہمارا قوی، ضعیف کامل کھا جاتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا جس کے نسب، اس کے صدق، اس کی امانت اور اس کی پاک دامنی کو ہم پہچانتے تھے، اس نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ وحدہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ان کو ترک کر دیں اور ہم کو سچ بولنے، امانت داری اور پاکیزگی اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے، پڑوسیوں سے حسن معاملہ کرنے، حرام کاموں اور خوں ریزی کرنے کو ترک کرنے کا حکم دیا اور ہم کو بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، جہیم کامل کھانے اور پاک دامن عورت پر بد چلنی کی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا پھر ہم نے ان کی تعمید حق کی اور ان پر ایمان لے آئے، الحدیث۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۹۷۳۰ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، الروضۃ الانف ج ۲ ص ۱۹۸، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۳)

من انفسکم کا معنی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفیس ترین ہونا)

امام رازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت قاطبہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی قرأت من انفسکم ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئے در آنحالیکہ وہ تم میں سب سے اشرف اور افضل ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰) (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۷۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں نفیس ترین، افضل اور اشرف ہیں اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر قرن میں بنو آدم کے

بہترین لوگوں میں سے مبعوث کیا گیا ہوں حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۳۹)

حضرت واہد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو فضیلت دی، اور اسماعیل کی اولاد سے یونس کو فضیلت دی اور یونس کو فضیلت دی، اور یونس کو فضیلت دی، اور یونس کو فضیلت دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۳)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا پھر جب ان کو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا پھر جب قبائل پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا اور جب جانیں پیدا کیں تو مجھے سب سے بہتر جان میں رکھا پھر جب گھر پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا پس میرا گھر بھی سب سے بہتر ہے اور میری جان بھی سب سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۰، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۱۶، دلائل النبوة للابن قیم رقم الحدیث: ۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی ماں سے پیدا ہوا، زنا سے پیدا نہیں ہوا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۷۲۵، دلائل النبوة للابن قیم رقم الحدیث: ۳۳، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۱۶، مجمع الزوائد ج ۸

ص ۳۷، جامع البیان ج ۲ ص ۹۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۵۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ کبھی زنا سے نہیں ملے، اللہ عزوجل مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا اور آں حایکہ وہ صاف اور منہذب تھے، اور جب بھی دو شاخص نکلیں میں ان میں سے سب سے بہتر شغل میں تھا۔

(دلائل النبوة للابن قیم رقم الحدیث: ۱۵، تہذیب تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۴۹، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ہمارے پاس دو سر کو آرام فرمایا۔ آپ کو ہمیدہ آ رہا تھا میری والدہ ایک فیشی لے کر آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ہاتھ پھیر کر ہمیدہ کو ایک فیشی میں جمع کر رہی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا یہ آپ کا ہمیدہ ہے ہم اس کو اپنی خوشبو کے لیے جمع کر رہے ہیں اور یہ ہماری سب سے اچھی خوشبو ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳۲، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گندمی رنگ کے تھے اور جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو تھی ایسی خوشبو کسی مشک اور غیر میں نہیں تھی۔

(اللبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۹، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے پر جاتے، پھر آپ کے بعد کوئی اس راستے پر جاتا تو وہ اس راستے میں آپ کی پھیلی ہوئی خوشبو سے یہ پہچان لیتا تھا کہ آپ اس راستے سے گزر کر گئے ہیں۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۶۶، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے گزرتے تو وہیں مشک کی خوشبو پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ آج اس راستے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸۲، المحافل الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کسی چیز سے میری مدد کریں، آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم کل آنا اور ایک کھلے منہ کی شیشی اور ایک لکڑی لے کر آنا، پھر آپ نے اس شیشی میں اپنا پینہ ڈال دیا حتیٰ کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اپنی بیٹی سے کہنا کہ وہ اس لکڑی کو اس شیشی میں ڈبو کر اس سے خوشبو لگائے، پھر جب وہ لڑکی خوشبو لگاتی تو تمام مدینہ میں اس کی خوشبو پھیل جاتی اور ان کے مکان کا نام خوشبودالوں کا گھر پڑ گیا۔

(الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۸۶۳-۸۶۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۹۵، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۵۶، طبع جدید)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے مشارق اور مغارب پلٹ ڈالے میں نے کسی شخص کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کوئی گھر دیکھا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۸۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۱۷، طبع قدیم)

امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے اور تمہاری فلاح پر وہ بہت حرص ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمہاری مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا تو یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا اور وہ اس پر غالب آکر اس آگ میں گر رہے تھے، پس میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں گر رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۱۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا یا فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۰)

حضرت زید بن خالد جونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۴ ص ۶۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، پھر دوسری رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی تو بہت زیادہ لوگوں نے آپ کی اقتداء کی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو بھی لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، پھر صبح کو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم نے جو کچھ کیا تھا لیکن میں صرف اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے

گی، پھر تم اس کو پڑھ نہیں سکو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۹۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۷۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی کچھ تخفیف فرمائیے حتیٰ کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہو گئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں اور اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (مطبوع)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱۳، السنن الکبریٰ للترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصال کے روزے نہ رکھو (یعنی بغیر محروم افطار کے روزے پر روزے نہ رکھو) مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں، بے شک مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۹۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۷۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۷۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لوگوں میں سے جو شخص حج کو جانے کی استطاعت رکھے، اس پر حج کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۳۳، المستدرک ج ۲ ص ۲۳)

دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے سخت اور مشکل احکام دشوار تھے اور آپ ان کی آسانی پر بہت حریص تھے، اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں مگر ہم نے جو احادیث ذکر کر دی ہیں وہ کافی ہیں، اسی طرح امت کی دنیاوی اور اخروی فلاح پر جو آپ حریص تھے اس سلسلہ میں ہم چند احادیث پیش کر رہے ہیں: حضرت خیاب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے جتنی آپ عام طور پر نہیں پڑھا کرتے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اللہ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور اس سے ڈرتے ہوئے نماز پڑھی تھی، میں نے اس نماز میں اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا اللہ نے دو چیزیں مجھے عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو (عام) قحط سے ہلاک نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری (پوری) امت پر کسی ایسے دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان کا غیر ہو، تو اللہ نے مجھے یہ چیز بھی عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۱۳، السنن الکبریٰ للترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۳)

الحديث: ۷۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۸، المعجم الكبير رقم الحديث: ۳۳۱۷۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک (خصوصی) مقبول دعا ہوتی ہے، سو ہر نبی نے دنیا میں وہ دعا کر لی، اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جس نے شرک نہ کیا ہو۔

اصحیح مسلم رقم الحديث: ۶۹۷، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۳۶، المعجم الاوسط رقم الحديث: ۷۳۸، شعب الایمان رقم الحديث: ۱۳۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷۷

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (یہ حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے)

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۶۳۳۵-۶، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۳۰، سنن ابو داؤد رقم الحديث: ۴۷۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۶۳۶۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۳، المعجم الاوسط رقم الحديث: ۸۵۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحديث: ۳۲۸۴، المستدرک ج ۱ ص ۶۹، الشریعہ لاجبری ص ۳۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت میں دوئے سخن مشرکین اور منافقین کی طرف ہے، یعنی اگر یہ مشرکین اور منافقین آپ سے اعراض کریں یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اعراض کریں یا یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے اعراض کریں یا یہ لوگ مشکل اور سخت احکام کو قبول کرنے سے اعراض کریں یا یہ منافق نوک نما میں آپ کے ساتھ جانے اور آپ کی نصرت سے انکار کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے۔

اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے اگر یہ مشرکین اور منافقین آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت اور دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

عرش کا معنی

عرش کا لغوی معنی ہے: کسی شے کا رکن، گھڑی چھت، خیمہ، وہ گھر جس سے سایہ طلب کیا جائے، اور بادشاہ کا تخت، اللہ تعالیٰ کے عرش کی تعریف نہیں کی جاسکتی، وہ سرخ یا قوت ہے جو اللہ کے نور سے چمک رہا ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۴۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عزت، سلطان اور مملکت کا کنایہ عرش سے کیا جاتا ہے، نال عرشہ کا معنی ہے اس کی عزت جاتی رہی، روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، تو آپ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت میرا تدارک نہ کرتی تو نسل عیشی (میری عزت جاتی رہتی) اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا، ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کو عرش کہتے ہیں، اور عرش اس طرح نہیں ہے جس طرح عام لوگوں کا وہم ہے، ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ عرش فلک اعلیٰ ہے اور کرسی فلک الکوکب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! سلت آسمان کرسی کے مقابلہ

میں ایسے ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا ایک چھلا پڑا ہوا ہو اور عرش کی فضیلت کری پر ایسے ہے جیسے جنگل کی فضیلت چھلے پر ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات للسیفی ص ۳۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(المفردات ج ۲ ص ۳۲۹-۳۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

عرش کے متعلق احادیث اور آثار

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عرش کو اپنے نور سے پیدا کیا اور کرسی عرش سے ملی ہوئی ہے، اور پانی کرسی کے نیچے اور ہوا کے اوپر ہے اور فرشتوں نے اپنے کندھوں کے اوپر عرش کو اٹھایا ہوا ہے اور عرش کے گرد چار دریا ہیں، اور ان دریاؤں میں فرشتے کھڑے ہوئے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، اور عرش بھی اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔

(کتاب المعظمہ رقم الحدیث: ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کرسی جو آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے قدموں کی جگہ ہے اور عرش کی مقدار کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا سوا اس کے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور تمام آسمان گنبد کی طرح ہیں۔

(کتاب المعظمہ رقم الحدیث: ۱۹۸، المستدرک ج ۲ ص ۲۸۲، یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت جبریل مطلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عربی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! لوگ مشکل میں پڑ گئے، ہل بچے ضائع ہو گئے، اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش کی دعا کیجئے، ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفعہ پہناتے ہیں اور اللہ کو آپ کی بارگاہ میں شفعہ پہناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار سبحان اللہ فرمایا، پھر فرمایا: تم پر افسوس ہے اللہ کو کسی کے حضور سفارشی نہیں پہنایا جاتا اللہ سبحانہ کی شان اس سے بلند ہے، تم پر افسوس ہے تم اللہ کو نہیں جانتے، اس کا عرش تمام آسمانوں اور زمینوں کو گنبد کی طرح محیط ہے اور وہ اس طرح چڑھتا ہے جس طرح پالان سواری کی وجہ سے چڑھتا ہے۔

(کتاب المعظمہ رقم الحدیث: ۲۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۶، کتاب السنن رقم الحدیث: ۵۷۵۵، الشریعہ ص ۲۹۳)

عرش کی تفسیر میں اقلویں علماء

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے کہا ہے کہ عرش ایک تخت ہے اور وہ جسم جسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا اور اس کو اٹھانے کا حکم دیا اور اس کی تعظیم کے لیے طواف کرنے کا حکم دیا جیسے زمین میں ایک بیت پیدا کیا اور بنو آدم کو اس کا طواف کرنے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اکثر آیات احادیث اور آثار میں اس نظریہ کی محنت پر دلائل ہیں۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابوالحسن علی بن محمد الطبری نے کہا کہ رخن کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر بلند ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ سورج ہمارے سر پر بلند ہے، اللہ سبحانہ عرش پر بلند ہے نہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے نہ وہ اس پر کھڑا ہوا ہے، نہ وہ عرش کے ساتھ محاس ہے نہ وہ اس سے مبائن یعنی متباعد ہے کیونکہ جس کرنا اور بعید ہونا اور کھڑا ہونا اور بیٹھنا اجسام کی صفات ہیں اور اللہ عزوجل احد اور صمد ہے، وہ نہ مولود ہے نہ ولد اور نہ اس کا کوئی مماثل ہے اور جسم کے عوارض اور احوال اس کے لیے ممکن نہیں ہیں۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۱، مطبوعہ بیروت)

علامہ عبد الوہاب احمد بن علی الشحرانی المتوفی ۷۹۷ھ لکھتے ہیں:

رضی کے عرش پر استواء کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا خلق کرنا عرش پر مکمل ہو گیا اور اس نے عرش کے بلوراء کسی چیز کو پیدا نہیں کیا اور اس نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ دائرہ عرش سے خارج نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کائنات کو حاوی ہے استوی کا معنی ہم نے تمام ہونا اور مکمل ہونا کیا ہے اور یہ اس آیت سے مستفاد ہے:

وَلَقَدْ بَلَّغَ آسَافُكَو استَوٰی۔ (القصر: ۱۳)

اللہ نے قرآن مجید میں چھ جگہ عرش پر استواء کا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بعد عرش پر استواء کا ذکر کیا ہے مثلاً پہلی بار سورۃ الاعراف میں ذکر فرمایا ہے:

إِن رَّزَقَكُمُ اللّٰهُ الْكُدٰی حَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا یَسْتَوِی اَنْتُمْ اَسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ۔

(الاعراف: ۵۴) ہو گیا۔

یعنی اس کے پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر تمام ہو گیا اور اس نے عرش کے بعد کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ یعنی عرش تمام ممالک میں سب سے اعظم ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بہ اعتبار رتبہ کے بلند ہے، مثلاً جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمارے اوپر ہوا ہے، پھر اس کے اوپر آسمان ہے اور جب ہمارا دہم سات آسمانوں سے ترقی کرتا ہے تو اس کے اوپر کرسی ہے اور جب ہم کرسی سے ترقی کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے اوپر عرش ہے جو مخلوقات کی انتہا ہے، اس کے آگے ہماری فکر کی کوئی سیڑھی نہیں ہوتی اور عرش پر جا کر ہماری فکر کی پرواز ٹھہر جاتی ہے اور عرش کے اوپر اور اس سے بہ اعتبار رتبہ کے بلند اللہ تعالیٰ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر جا کر ٹھہر گیا اور یہی عرش پر استواء کا معنی ہے۔

(المواقیت والجزایر ج ۱ ص ۱۸۵-۱۸۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ شعرانی کی مراد یہ ہے کہ کائنات کے عناصر اور اجسام اور اس کی وضع کو پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر جا کر ٹھہر گیا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مطلقاً خلق اور پیدائش کا سلسلہ عرش کو پیدا کرنے کے بعد موقوف ہو گیا۔

آیا سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے یا نہیں

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیتیں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں: لقد جاءكم رسول من انفسكم۔ (التوبہ: ۳۹-۴۸)

(جامع البیان ج ۱ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ البراء (التوبہ) ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُفُوْا لِلّٰهِ یُفْتَبِحْ بِکُمْ فِی الْکَلٰلٰتِ۔ (البقرہ: ۱۷۶) ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۸)

نیز امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ۔ (البقرہ: ۲۸۱) (جامع البیان ج ۳ ص ۹۵۶ رقم الحدیث: ۳۹۳۴)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوراتیں

لے وہ چھ جگہیں یہ ہیں: (۱) الاعراف: ۵۴ (۲) یونس: ۳ (۳) طہ: ۵ (۴) الفرقان: ۵۹ (۵) النجم: ۳ (۶) الحديد: ۳

زندہ رہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۵۵۲، رقم الحديث: ۲۹۳۴)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الریو ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحديث: ۳۵۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

واضح رہے کہ البقرہ: ۲۸۰-۲۷۸ تک آیات الریو ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ البقرہ: ۲۸۱ کا بھی پہلی آیتوں پر عطف ہے، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، طبع لاہور)

ابن جریر نے کہا یہ آیت (البقرہ: ۲۸۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نو گھنٹے پہلے نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، اور ابن جریر نے کہا یہ آیت آپ کی وفات سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی، سورہ توبہ کی آخری آیت کو بھی قرآن مجید کی نازل ہونے والی آخری آیت کہا گیا ہے لیکن البقرہ کی آیت: ۲۸۱ کا آخری آیت ہونا زیادہ صحیح، زیادہ معروف اور زیادہ علماء کا مختار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متونی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ نساء کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ *وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ*۔ (البقرہ: ۲۸۱) قرآن مجید کی آخری آیت ہے، اور اس کی تائید صحیح بخاری میں بھی ہے کہ آخری آیت آیت الریو ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں قرآن مجید کی آخری آیتیں ہوں اور دونوں قرآن مجید کے آخر میں ایک ساتھ نازل ہوئی ہوں اور ہر آیت دو سری آیت کے اعتبار سے آخری آیت ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ *وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ* حقیقی آخری آیت ہو اور *يَسْتَعْتِبُوكَ قُلُوبُ اللَّهِ بِعَيْنِكَ* ہی الکلامہ کے آخری آیت ہونے کا یہ معنی ہو کہ وراثت کے احکام کی آخری آیت ہے اور اس کے برعکس ہونا اس لیے رائج نہیں ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے جو نزول قرآن مجید کے خاتمہ کو مستلزم ہے، پوری آیت اس طرح ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔
اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری جزا دی جائے گی اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (البقرہ: ۲۸۱)

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

سورۃ النساء کے آخر میں ہم نے قرآن مجید کی آخری آیت کے سلسلے میں مختلف روایتوں میں باہم تطبیق بیان کی ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ**۔ الایہ کا سورہ توبہ میں درج ہونا

جب صحابہ کرام قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے تو ان کو سورہ توبہ کی یہ آخری دو آیتیں نہیں ملیں پھر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ آیتیں ملیں اور ان کی شہادت پر انہوں نے اس کو قرآن مجید میں شامل کیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورہ توبہ کے آخر پر پہنچا تو لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ مجھے صرف حضرت

خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، مطبوعہ دار لہ قم بیروت)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید تو تواتر سے ثابت ہے، صرف ایک صحابی کے کہنے سے یہ آیت قرآن مجید کا جز کیسے بن گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو تواتر سے معلوم تھا کہ یہ آیت سورہ توبہ کی آخری آیت ہے، لیکن مصحف میں ہر آیت کو درج کرنے کے لیے انہوں نے یہ ضابطہ بنایا تھا کہ دو صحابی اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا یا دو صحابی اس پر گواہی دیں کہ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سال آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تھی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کسی صحابی کے پاس اس کی شہادت نہیں تھی لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے اس آیت کو سورہ توبہ میں درج کر لیا گیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے کہا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت کتاب اللہ کی ہے تو اس کو لکھ لیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے صرف اپنے پاس لکھے ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں اور یہ چیز ان کی غایت احتیاط پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ سخوی نے کہا مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی یا دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی، اور لیث بن سعد نے کہا کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے قرآن جمع کیا اور اس کو حضرت زید بن ثابت نے لکھا اور جب تک دو عادل (نیک) گواہ گواہی نہ دیتے حضرت زید اس آیت کو مصحف میں درج نہیں کرتے تھے اور سورہ توبہ کی آخری آیت صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پائی گئی تو مسلمانوں نے کہا اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔ (اللائعین ج ۵ ص ۵۸، مطبوعہ مطبعہ سبیل الایذی لاہور، ۱۳۰۰ھ)

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کا دو گواہوں کے برابر ہونا

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی تاکہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھوڑے کی قیمت لینے گئے، اس اعرابی نے اس کو ناخبر سمجھا پھر دو سرے لوگ اس اعرابی سے اس گھوڑے کی قیمت لگانے گئے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں، پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں۔ آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ نہیں فروخت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اس اعرابی نے کہا اچھا پھر آپ گواہ لائیں۔ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تم کس وجہ سے گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۶۰ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۶۳ المصنفات الکبریٰ رقم الحديث: ۵۸۳، المعجم الکبیر رقم الحديث: ۴۷۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰ المستدرک ج ۲ ص ۹۸ سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۶ تنقیح تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۶ کتر العمل رقم الحديث: ۳۷۳۸ الاصلیہ رقم: ۶۲۵۶۱ سند الظاہ رقم: ۱۳۳۶) صحیح بخاری میں بھی اس کی تائید ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مصحف میں آیات درج کر رہا تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الاحزاب کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا تھا وہ مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: **مَنْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقَ مَا عَاهَدَ اللَّهُ عَلَيْهِ**۔ (الاحزاب: ۲۳) صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۸۰ اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا اس وقت نگاہ نبوت میں یہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب جمع قرآن کے وقت سورہ توبہ کی آخری آیت اور الاحزاب کی آیت: ۲۳ پر حضرت خزیمہ کے سوا کوئی گواہ نہیں ہو گا اور اگر ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورہ توبہ اور سورہ احزاب میں یہ آیتیں درج ہونے سے رو جائیں گی۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ الایہ کے وظیفہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ المتونی ۷۵۱ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ابو بکر محمد بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں ابو بکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شبلی آگئے، ابو بکر بن مجاہد ان کے لیے کھڑے ہوئے اور ان سے محافضہ کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا اے سیدی! آپ شبلی کی اس قدر تعظیم کر رہے ہیں حالانکہ آپ کا اور تمام اہل بغداد کا یہ خیال ہے کہ یہ دیوانہ ہے! انہوں نے کہا: میں نے اس کے ساتھ اسی طرح کیا ہے جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیونکہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، پھر دیکھا کہ شبلی آ رہا تھا۔ آپ اس کے لیے کھڑے ہوئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ شبلی کی اس قدر تعظیم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نماز کے بعد یہ پڑھتا ہے: **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ**۔ الایہ۔ (التوبہ: ۳۹-۴۸) اور اس کے بعد مجھ پر درود (شریف) پڑھتا ہے اور ایک روایت میں ہے یہ ہر فرض کے بعد یہ دو آیتیں پڑھتا ہے اس کے بعد مجھ پر درود پڑھتا ہے اور تین مرتبہ اس طرح پڑھتا ہے **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّد**، انہوں نے کہا پھر جب شبلی آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہیں تو انہوں نے اسی طرح ذکر کیا۔ (جلاء الافہام ص ۲۵۸ مکتبہ نوریہ رضویہ، لاکل پور، پاکستان)

حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن الطولوی متونی ۹۰۲ھ نے القول البدیع ص ۲۵۲-۲۵۱ میں اور علامہ احمد بن محمد بن حجر متینی متونی ۹۷۳ھ نے الدر المنثور ص ۱۵۲-۱۵۱ میں اور شیخ محمد زکریا نے فضائل درود ص ۱۶۱ میں اس روایت کا ذکر کیا ہے اور شیخ زکریا نے علامہ سخاوی کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبلی کا تہی (۸۰) سال سے یہ معمول ہے۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہر صبح اور ہر شام کو

سات مرتبہ یہ پڑھا جسبی اللہ لایہ الاھو علیہ توکلت وهو رب العرش العظیم، اس کے دنیا اور آخرت کے اہم کاموں میں اللہ کافی ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۸۱، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی رقم الحدیث: ۷۱، الاذکار للثوادی رقم الحدیث: ۲۱۹)

سنن ابوداؤد میں یہ حدیث موقوف ہے اور باقی کتابوں میں مرفوع ہے۔

اور یہاں پہنچ کر سورہ توبہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔

کلمات تشکر

الحمد لله على احسانه آج بروز جمعہ ۱۲ ربيع الثانی ۱۴۲۰ھ / ۳۰ جولائی ۱۹۹۹ء کو سورہ توبہ کی تفسیر مکمل ہو گئی،
اللہ العالمین! جس طرح آپ نے کرم فرمایا اور سورہ توبہ تک یہ تفسیر کرا دی ہے باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ میں
ذیابیطس اور بلند فشار دم کا عرصہ ۱۳ سال سے مریض ہوں اور سولہ سال سے لمبا گو (کمر کے درد) کا مریض ہوں اور اب تین سال
سے سیدھے ہاتھ کے جوڑ میں بازو کے درد میں مبتلا ہوں اور شوگر کی وجہ سے دیگر امراض لاحق ہیں اس کے باوجود چار مہینوں
میں سورہ توبہ کی یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں یہ انسانی طاقت کی کوشش نہیں ہے، یہ محض اللہ کا کرم اور اس کا
فضل ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ گندی اور بدبودار کھلو سے مہکتے ہوئے خوشبودار اور پاکیزہ پھول پیدا کرتا ہے اسی طرح اللہ
تعالیٰ نے اس گندہ گار اور سیاہ کار بندے کے ہاتھوں یہ پاکیزہ اور نورانی تفسیر نکلوا دی۔ سورہ توبہ کی تفسیر ختم کرتے ہوئے میں
اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ اور نیک عاقبت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ العالمین! مجھے تمام
امراض سے شفا عطا فرما اور اس تفسیر کو مکمل کرا دے، اس کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم کی بارگاہ میں قبول فرما اور قیامت تک
تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرما اور اس میں نہ کوئی عقائد اور اعمال کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق
پیدا فرما موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دے۔ شرح صحیح مسلم اور اس
تفسیر کو مخالفین کے بغض اور عناد سے محفوظ رکھ، اس تفسیر کے مصنف، اس کے والدین اور اقرباء، اس کے کمپوزر، اس کے
صحیح اور اس کے ناشر اور قارئین کی مغفرت فرما ان کو دنیا اور آخرت کی ہر آزمائش اور مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور
دنیا اور آخرت کی نعمتیں، راحتیں اور سعادتیں ان کے لیے مقدر فرما دے۔ امیں یا رب العالمین بحاء حبیبک
سیدنا محمد افصل الاسباء والمرسلین خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ
وارواحہ وامنتہ اجمعین۔





سُورَةُ يُوسُفَ

(۱۰)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ یونس

سورت کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ یونس ہے، کیونکہ یونس علیہ السلام کی قوم بقی انبیاء علیہم السلام کی اقوام سے اس صفت میں منفرد تھی کہ یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انہوں نے عذاب الہی کے آثار دیکھ لیے تو وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ان کا ایمان لانا نفع آور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے عذاب اٹھالیا جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

فَلَوْلَا كُنَّا تَفَرِّتًا مِّنْكَ قَدْ فَتَعَهَا اِيْمَانُهَا
رَافِقُومُ يُونُسَ سَلَامًا مِّنْكَ كَفَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ
الْحَيْرِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ
الْحَيْرِ (یونس: ۹۸)

یونس کی قوم کے سوا اور کسی بہتی کے لوگ ان کی طرح
کیوں نہ ہوئے کہ وہ لوگ (بھی) ایمان لے آئے اور انہیں
(بھی) ان کا ایمان نفع دے (جس طرح) وہ (قوم یونس) ایمان لے
آئے تو ہم نے ان سے ان کی دنیا کی زندگی میں عذاب اٹھالیا اور
ایک مخصوص وقت تک انہیں قائمہ پہنچایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ سورۃ الصافات میں سورۃ یونس سے بہت زیادہ ہے تو اس کا
نام سورۃ یونس کیوں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وجہ تسمیہ میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کا نام رکھا جائے اس میں اس چیز
کی مناسبت ہونی چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ جملہ وہ مناسبت پائی جائے وہیں وہ نام بھی ہو کیونکہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی،
اس کی مثال یہ ہے کہ خمر (انگور کی شراب) کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ خمر کا معنی ہے ڈھانپنا اور خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے،
اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بھنگ بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے سو اس کو بھی خمر کہا جاسکتا ہے، اردو میں اس کی یہ مثال ہے کہ پاجامہ کو
پاجامہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پیروں کا لباس ہے، اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شلوار، تہبند، غرارہ، ساڑھی اور چٹون وغیرہ یہ بھی
پیروں کا لباس ہے تو ان کو پاجامہ کیوں نہیں کہتے۔

سورہ یونس کا نام یونس رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورہ یونس، سورہ یوسف اور سورہ ابراہیم یہ چاروں

سورتیں الٹ سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں باہم امتیاز کے لیے ہر سورت کا وہ نام رکھا گیا جس سورت میں ایک نئی کایا اس کی قوم کا تذکرہ آیا ہو بجائے اسی کے کہ ان میں اس طرح امتیاز ہو تا لڑا لڑی، الزناشیہ، الزناشہ اور الزرابعہ۔

سورہ یونس کا زمانہ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ لکھتے ہیں:

امام النحاس، امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی، اور امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورہ یونس مکہ میں نازل کی گئی۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۳ھ)

نیز لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ امام ابن مردویہ نے مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ مکی ہے اور عطا کی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ مدنی ہے۔

(الافتاح ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بعض علماء نے سورہ یونس کے مکی ہونے سے تین آیتوں کا استثناء کیا ہے، اور ابن افرس اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورہ یونس کے شروع سے لے کر چالیس آیتوں تک مکی آیتیں ہیں اور باقی آیتیں مدنی ہیں، اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور شاہی کے نزدیک اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سورہ التوبہ اور سورہ یونس کی مناسبت

سورہ توبہ کا اختتام رسالت کے ذکر پر ہوا تھا لہذا جاء کم رسول من انفسکم۔ (التوبہ: ۳۸) اور سورہ یونس کی ابتدا بھی رسالت کے ذکر سے ہوئی ہے: اکان للناس عجمان او حبشانی رجل مسہم۔ (یونس: ۲) ”کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا ہے کہ ہم نے اس ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر وحی نازل کی ہے“۔ نیز سورہ توبہ میں مصیبت نازل ہونے کے باوجود اس سے مہرت اور نصیحت حاصل نہ کرنے اور توبہ نہ کرنے پر منافقین کی مذمت کی گئی:

أُولَٰئِكَ يَرْوُونَ آثِمَهُمْ يُفْتَنُونَ فِي ذٰلِكَ عَابَهُمُ صُورَةُ ۙ
مَثَرَتَيْنِ لَّئِنْ لَا يَنْتَوُونَ وَلَا هُمْ يَدْخُلُونَ۔
کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں
ڈالے جاتے ہیں پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت قبول
کرتے ہیں۔ (التوبہ: ۳۶)

اور اس سورت میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو کسی مصیبت کے موقع پر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر وہ اس طرح ہو جاتے ہیں جیسے انہوں نے کبھی اللہ کو پکارا ہی نہیں تھا۔

وَإِذَا مَثَلَ ۙ لَّاسْتَأْذَنُوا مِنَّا لِحَبِيبِهِ ۖ
وَلَعَدَا ۖ وَمَا مِنَّا مَلَكًا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَةَ مَثَرٍ
تَكَانَ مَعَهُ يَدْعُنَا إِلَىٰ صُورَةٍ مَّثَلَةٍ۔ (یونس: ۱۴)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ہم سے فریاد
کرتا ہے خواہ پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے اور جب
ہم اس سے مصیبت دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے
گویا اس نے کسی مصیبت کے پہنچنے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

اس طرح سورہ توبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کے اعلان سے کی اور اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین کو جہل پائیں قتل کر دیں۔ (التوبہ: ۵) اور اس سورت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ وہ مشرکین سے بیزاری کا اظہار کریں:

وَلَنْ نَّكَفِّرَنَّ عَنْكَ فَعْلَ لِيَّ عَمَلِيَّ وَلَكَفِّرَنَّ
عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بِيَوْمِ الْحِسَابِ وَمَا أَعْمَلُ إِلَّا بَرَاءَةً لِّى
يَوْمَ تَعْمَلُونَ - (یونس: ۴۱)

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے
میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم ان کاموں
سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بیزار
ہوں جن کو تم کرتے ہو۔

سورہ یونس کے مسائل اور مقاصد

- ★ اس سورت کی ابتداء اللہ سے کی گئی ہے جو حروفِ حقیقی ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ قرآن مجید جس کو ہمارے نبی نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے ان ہی حروف سے بنا ہے جن سے تم اپنا کلام بناتے ہو اگر یہ تمہارے دعویٰ کے مطابق کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی ایسا ہی کلام بنا کر لے آؤ، سو یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل ہے۔
- ★ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت کو مستلزم ہے۔
- ★ قلوقات کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور جزا اور سزا کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔
- ★ مشرکین کے لیے وعید بیان کی ہے اور مومنوں کو بشارت دی ہے۔
- ★ کافروں پر جلد عذاب نہ بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی ہے۔
- ★ پچھلی امتوں کو رسولوں کے جھٹلانے کی سزائیں یاد دلوائی ہیں۔
- ★ خشکی اور سمندر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کا ذکر فرمایا ہے۔
- ★ دنیا کے زیب و زینت کے زوال اور اخروی نعمتوں کی بقا کو بیان فرمایا ہے۔
- ★ آخرت میں مومنوں اور کافروں کے احوال کھٹولت اور باطل خداؤں کی اپنے عبادت گزاروں سے بیزاری کا ذکر فرمایا ہے۔
- ★ اللہ عزوجل کے غیر کی الوہیت کا اس دلیل سے رد فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کسی کے کسی کام نہیں آسکتے۔
- ★ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں اور مشرکین کے اس قول کو باطل کیا ہے کہ قرآن میں من گھڑت باتیں ہیں۔
- ★ مشرکین کو چیلنج دیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل لا کر دکھادیں۔
- ★ مشرکین کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ پچھلی جن امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی ان پر خوفناک عذاب آیا، اور عذاب آنے کے بعد پھر کسی قوم کے ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر یہ عذاب اس لیے نہیں آیا تھا کہ وہ عذاب آنے سے پہلے فوراً ایمان لے آئے تھے۔
- ★ مشرکین کی اس پرندہ مت کی ہے کہ انہوں نے اللہ کے حلال رزق کو حرام کر لیا تھا۔
- ★ اولیاء اللہ کو دنیا اور آخرت کی بشارت دینے کا ذکر فرمایا ہے۔
- ★ کفار کی دل آزار باتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔
- ★ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔
- ★ انبیاء سابقین میں سے حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے احوال پر غور کی دعوت ہے۔
- ★ اہل کتاب کی شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صدق کو بیان فرمایا ہے۔
- ★ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین کی ہے کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم میرے دین میں شک

کرتے ہو تو میں تو اللہ ہی کی عبادت کروں گا اور اگر (باغرض) اللہ آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو آپ کو اللہ سے کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا جس نے ہدایت پائی تو اپنے فائدہ کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو اس کا وہیل صرف اسی پر ہے۔

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ وَمِنْ آيَاتِهَا تِسْعٌ آيَاتٌ ۚ وَاحِدٌ عَشْرٌ كُورَةٌ ۚ

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ ہے اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الشرعی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے ۝

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ ۱ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا

اَلَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ ۱ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے

أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر وحی نازل کی ہے کہ آپ (غافل، لوگوں کو ڈراؤں اور ایمان والوں کو

آمَنُوا أَنْ لَهُمْ قَدْ مَرَّ صَدِّقٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ

یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے "اس پر کافروں نے کہا

إِنَّ هَذَا السَّاحِرُ مُبِينٌ ۝ ۲ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ

بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے ۝ ۲ بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَايِرُ

زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر جلوہ گر ہوا وہ کائنات کو چلانے کا انتظام

الْأُمُورَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ

کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے

فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ ۳ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعْدًا

سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ۝ ۳ اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا

المیزان

کَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ

برحق وعدہ ہے، بے شک وہ مخلوق کو ابتداً پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرتے گا، ان لوگوں کو انعام کے ساتھ جزا دے گا۔

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ

جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٥﴾

کے لیے کھون جو اپانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے ○

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ

وہی ہے جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشنی، اور اس کی منزلیں مقرر

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ

میں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ سب برحق

اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

ہی پیدا کیا ہے وہ علم والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں واضح کرتا ہے ○

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ

بے شک رات اور دن کے بدلنے میں اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

زمینوں میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (میں) طاعت سے بچتے ہیں ○ درحقیقت جبریلؑ سے ملاقات

لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ

کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہیں اور جو لوگ

هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَفُلُونَ ﴿٨﴾ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا

ہماری آیتوں سے غافل ہیں ○ یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ان کاموں کی وجہ سے

يَكْسِبُونَ ۝۵۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ

جو وہ کہتے رہتے تھے ۵۱ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا رب ان کو

رَبُّهُمْ بِاَيُّ مَآرِجٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِىْ جَنّٰتٍ

ان کے ایمان کی وجہ سے دائمی جنتوں کی طرف ہدایت ملے گا جن کے پہنچنے سے دریا

التَّعْوِيْهِ ۝۵۲ دَعُوْهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا

ہوتے ہیں ۵۲ اور جنتوں میں ان کا بے ساختہ پکار ہو گا: "پاک ہے تو اے اللہ" اور جنتوں میں ان کی ایک دوسری پیدل

سَلٰمٌ وَّاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۳

پر دعا ہو گی: "سلام رحیمیک" اور ہر بات کے آخر میں اسی کا یہ کہنا ہو گا: "الحمد للہ رب العالمین" ۵۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را، یہ اس کتب کی آیات ہیں جو حکمت سے معمور ہے ۵ (بولس: ۱)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الر کی تفسیر میں فرمایا: انا اللہ اری "میں اللہ دیکھتا ہوں" حضرت ابن عباس سے دو سری روایت یہ ہے کہ الر، تم اور نون نل کہ اللہ تعالیٰ کا نام "ارمن" بنتا ہے، اور قلود سے یہ روایت ہے کہ یہ حروف قرآن مجید کے اسماء ہیں، ان کی مکمل تفسیر البقرة ۹ میں گزر چکی ہے۔

(جامع البیان ۷: ۸۷ ص ۱۰۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۲)

کتب حکیم کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد تورات اور انجیل ہے اور اس کا معنی یہ ہے: اس سورت میں جو قصص بیان کیے گئے ہیں وہ تورات اور انجیل کے موافق ہیں، حالانکہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتبوں کو پڑھا تھا نہ کسی عالم سے ان کو سنا تھا تو پھر اس موافقت کا حصول اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی تھی اور یہ آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے۔

(۲) الر میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتب حروف حقیقی سے مرکب ہے، اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی ان حروف حقیقی سے اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ، اور یہ بھی آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے۔

(۳) اس آیت میں حکیم بہ معنی حاکم ہے، یعنی یہ کتب اس بات کا حکم دیتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں، کیونکہ آپ کی نبوت کی دلیل قرآن مجید ہے جس کی مثل لانے سے پوری دنیا عاجز ہے۔

(۴) حکیم بہ معنی محکم ہے، یعنی یہ کتب منسوخ نہیں ہے، اس میں کذب، تاقض اور تضاد نہیں ہے اور حادثات زمانہ سے یہ کتب مٹ نہیں سکتی اور یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ قیامت تک کے نبی ہیں اس لیے آپ کی کتب بھی بلا کسی تغیر کے قیامت تک باقی رہے گی، اس کے برخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کیونکہ ایک مخصوص

زمانہ کے لیے نئی تھی اس لیے ان کی کتابیں بھی ان کے بعد تغیرات سے محفوظ نہیں رہیں حتیٰ کہ اب وہ زبان بھی موجود نہیں جس زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

(۵) حکیم کا معنی ہے یہ کتاب حکمت پر مشتمل ہے، حکمت کا معنی ہے علم اور عقل سے حق تک پہنچنا، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا علم ہے اور اس نے ان اشیاء کو انتہائی خوبی اور بہتری کے ساتھ پیدا کیا ہے اور انسان کی حکمت یہ ہے کہ اس کو موجودات کی معرفت پوچھ اور وہ نیک کام کرے اور قرآن مجید کی حکمت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور برحق باتیں بیان کی ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر یہ وحی نازل کی ہے کہ آپ (عادل) لوگوں کو ذرائع اور ایمان والوں کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے (اس پر) کافروں نے کہا بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے (یونس: ۲)

آپ کی نبوت پر مشرکین کا تعجب اور اس کا ازالہ
مشرکین مکہ حسب ذیل وجوہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر تعجب کرتے تھے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے۔ (جامع البیہ ج ۱ ص ۷۰) تفسیر نام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۳۲

قَالُوا اتَّبَعْنَا لِمُسْهِرٍ مَسْهُورٍ (نہی اسرائیل: ۷۴) کفار نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تعجب کو حسب ذیل آیتوں میں زائل فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّحَمَّعْنَاهُ رَجُلًا
وَلَلَّسْنَا عَلَيْهِمْ مَائِدَاتٍ يُزْجَرُونَ (الانعام: ۱۹)
اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شہ زائل دیتے جو شہ وہ اب کر رہے ہیں۔
قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَتَمَشَّوْنَ
مُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَنَابَهُمْ فِي السَّمَاءِ
مَلَائِكَةً مُنْزِلِينَ (مکہ: ۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اسی قوم کی جنس سے ہوتا ہے تاکہ اس رسول کا عمل اس قوم کے لیے نمونہ اور حجت ہو، نیز اگر رسول کسی اور جنس سے ہو تو قوم اس سے استفادہ نہیں کر سکتی جیسا کہ عام انسان فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں نہ ان کا کلام سن سکتے ہیں نہ ان کو مس کر سکتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اور بشر کی طرف انسان اور بشری کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا مُنْجِيًّا
إِلَيْهِمْ (یوسف: ۱۰۹) اور ہم نے آپ سے پہلے (بھی) صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

نیز ان کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا تھا کہ ایک غریب اور یتیم شخص کو کیوں رسول بنایا، کسی امیر کبیر شخص کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ چنانچہ وہ کہتے تھے:

لَوْ لَا نَرَىٰ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ
الْفَرِثِيِّينَ عَظِيمٍ (الزخرف: ۳۱) مشرکین نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرینک صفات کے متعلق نہیں ہے اور غنائیک صفات کا موجب نہیں ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے باوجود اپنی نیکی، خیر، تقویٰ، امانت، دیانت، صلہ رحم اور ایثار وغیرہ کے ساتھ معروف اور مشہور تھے اور آپ کا جیم ہوتا کسی نقصان کا موجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جیم اس لیے رکھا کہ آپ پر والدین کی پرورش کا احسان نہ ہو، کیونکہ آپ کو تمام دنیا پر فضل اور احسان کرنے کے لیے بھیجا تھا کسی کا احسان اٹھانے کے لیے نہیں بھیجا تھا اور مالدار اور غنی ہونا کسی خوبی اور نیکی کو مستلزم نہیں ہے، مکہ میں کتنے مال دار اور غنی تھے لیکن اللہ کی نیکی اور پرہیزگاری کی شہرت نہیں تھی اور نہ مال اور دولت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِي نَقَرْتُكُمْ
عِندَ تَارُوتَی - (سہلہ: ۳۷)

اور نہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو
ہمارے قریب کر دیں۔

قدم صدق کے متعدد محامل

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ ایمان والوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس قدم صدق ہے، قدم صدق کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قدم صدق سے مراد منزل صدق ہے، یعنی بہترین مقام اور یہ تفسیر اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ
مُخْرَجَ صِدْقٍ - (بنی اسرائیل: ۸۰)

آپ کہئے کہ اے میرے رب مجھے بہترین مقام میں داخل
فرما اور مجھے بہترین مقام سے باہر لا۔

زجاج نے کہا قدم صدق سے مراد بلند مرتبہ ہے۔ (معنی القرآن للزجاج، ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت)
ماوردی نے کہا اس سے مراد نیک بیٹا ہے جو بچپن میں فوت ہو گیا کیونکہ قدم کا معنی ہے مقدم اور پیش رو، اور تبلیغ بچے قیامت کے دن ماں باپ کے لیے مقدم اور پیش رو ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ وہ اپنے تبلیغ بیٹے کی نماز جنازہ میں یہ دعا مانگیں: اے اللہ! اس کو ہمارے لیے مقدم اور پیش رو بنادے اور اس کو (نیکیوں کا) ذخیرہ اور اجر بنادے۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب: ۶۵)

حسن اور قلدہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ مسلمانوں کی شفاعت کرنے والے اور ان پر مقدم ہیں: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیشرو اور مقدم ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۹)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ میدان محشر میں سب پر مقدم ہوں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہیں، (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں: میں محمد اور احمد ہوں، اور ماحی (مٹانے والا) ہوں، اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہو گا اور میں عاقب (سب نبیوں کے بعد آنے والا خاتم النبیین) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۹۱)

جلد نے کہا: قدم صدق سے مراد نیک اعمال ہیں۔ ضحاک نے کہا اس سے مراد نیک اعمال کا اجر ہے۔

یہ تمام محال امام ابن ابی حاتم نے بیان کیے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۴۲-۱۴۳)
آپ کو ساحر کہنے کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اس پر) کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ کافروں کی مراد یہ تھی کہ قرآن مجید اپنی فصاحت اور بلاغت میں اتنے عظیم مرتبہ پر ہے کہ اس جیسا کلام ہیئتاً غیر ممکن ہے اور اسی وجہ سے یہ جادو ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں، ان کے اس کلام کا فاسد اور باطل ہونا بالکل بدیہی اور ظاہر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب نہیں دیا، کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما ان کے درمیان ہوئی، اور آپ کا کبھی جادوگروں سے واسطہ نہیں پڑا اور نہ ہی مکہ میں جادو سکھانے والے تھے حتیٰ کہ یہ کہا جاتا کہ آپ نے ان سے جادو سیکھ لیا، پھر آپ کا ایسا کلام پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے سب عاجز تھے معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ گر ہوا وہ کائنات کو چلانے کا انتظام کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو تم اس کی عبادت کرو کی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ (یونس: ۳)
مشرکین کے تعجب کو زائل کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وحی، بعثت اور رسالت پر کفار کے تعجب کو بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کے تعجب کو زائل فرمایا ہے بایں طور کہ جس ذات نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اس کا اس مخلوق کی طرف ایک رسول کو بھیجنا کوئی بعید نہیں ہے جو اس کی مخلوق کو نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دے اور برے اعمال پر عذاب سے ڈرائے کیونکہ اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے احکام نافذ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہی اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے، نیز وہی ثواب اور عذاب دینے والا ہے کیونکہ اس دنیا کی زندگی کے بعد سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس لیے تمام مخلوق کو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے اور عرش پر جلوہ گر ہونے کی تفسیر ہم الاعراف: ۵۴ میں بیان کر چکے ہیں، نیز عرش کی مزید تفسیر ہم نے التوبہ: ۱۲۹ میں بیان کی ہے اور شفاعت کی تفسیر البقرہ: ۲۸ میں اور عبادت کی تفسیر الفاتحہ: ۴ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے، بے شک وہ مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے ○ (یونس: ۴)
حشر اجساد پر دلائل

کفار اور مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، حشر اور جزاء اور سزا کا انکار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حشر اجساد پر بہت زور دیا ہے اور دوبارہ زندہ کرنے پر بہت دلائل قائم کیے ہیں، ان میں سے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ زمین ایک موسم (خزاں) میں مردہ ہوتی ہے اس پر خشکی غالب ہوتی ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے موسم (بهار) میں اس پر بارش ہوتی ہے اور وہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، اس میں کھیتیں لہلہانے لگتی ہیں اور بکھرت پھل، پھول اور غلہ پیدا ہوتا ہے، پھر سلا موسم لوٹ آتا ہے اور وہ زمین مردہ ہو جاتی ہے اور دوسرے موسم میں پھر بارشیں ہوتی ہیں اور پھر

تَمَّتْ رَحْمَتِي مَنَامَهَا قَبْلُ مَيْسِكُ الْيَسِي قَطْعِي
عَلَيْهَا السَّمُوتُ وَبُرْئِي الْأُخْرَى رَلِّي أَحْيِي
مُسْتَهْطِي رَلِّي ذَاكَ لَا يَتْلُوهُ يَنْفَعُ رَلِّي

(الزمر: ۳۳)

موت نہیں آئی ان کی نیند میں روح قبض کرتا ہے، پھر جس کی
موت کا حکم فرمادیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور دوسرے کی
روح کو ایک مہل مقرر تک چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں غور
و فکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

(۶) حیات موت کی ضد ہے، اور اللہ تعالیٰ ایک چیز کے بعد اس کی ضد کو پیدا کرنے پر قادر ہے جس طرح نور کے بعد ظلمت
اور ظلمت کے بعد نور اور دن کے بعد رات، اور رات کے بعد دن، سو اسی طرح وہ موت کے بعد حیات پیدا کرنے پر قادر ہے۔
عدل کے ساتھ جزا دینے کی توجیہ

حشر: سدا قائم کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان اور کافر اور نیک اور بد کے درمیان فرق کو ظاہر کیا جائے، نیک شخص
کو اس کی نیکی پر اجر دیا جائے اور بد کار کو اس کی بدی پر سزا دی جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ مخلوق کو ابتداء
پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو عدل و انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے
نیک عمل کیے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھوتا ہوا پنی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ اس آیت
میں فرمایا ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر عطا فرمائے اللہ تعالیٰ کا عدل ہے یعنی ان کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا اجر ملے گا اور ان کے اجر
میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اسی طرح قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ہے:

وَرَبُّكَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ يُؤْتِي مَنَاسِكَ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ○ (الزخرف: ۷۲)

اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم ان (نیک) کاموں کے سبب
سے وارث کیے گئے ہو جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

أُولَئِكَ سَوْفَ يُعْطِيهِمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ بِلَا حِسَابٍ
سَبَّحْتَ عَنْ يَمِينِهِ دَحْشُ حَكِيمٌ مَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ○ (النحل: ۳۲)

وہ (نیک مسلمان) جن کی فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں
اور آپ صابک وہ خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم ان (نیک)
کاموں کے سبب سے جنت میں داخل ہو جاؤ جن کو تم کرتے
تھے۔

رَبِّ السَّعْيِ رَحْمَتِي صَلَافٌ عُبُودٌ ○ قَوْمِي
يَسْتَنْهَدُونَ ○ كُنْتُ رَسُولًا فَسَيَّرْتُمَا
كُنْتُ تَعْمَلُونَ ○ رَأَى كَذِبَكَ سَعْرِي
سُخْرِي ○ (المرسلات: ۳۳-۳۱)

بے شک نیک مسلمان سائے اور چشموں میں ہوں گے ○
اور اپنی خواہش سے پہلوں میں ○ مزے سے کھاؤ پیو ان (نیک)
کاموں کے سبب سے جو تم کرتے تھے ○ بے شک ہم نیک کام
کرتے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ایک حدیث ان آیات کے معارض ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں
سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ دوزخ سے بہاؤ میں رکھے گا اور نہ مجھ کو، سو اس کے کہ اللہ
رحم فرمائے، ایک اور روایت میں ہے سو اس کے کہ اللہ فضل فرمائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۷، مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۸۳)

اور متکلمین السنۃ نے کہا ہے کہ نیکیوں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے،
اس کا جواب یہ ہے کہ نیکیوں پر اجر و ثواب عطا کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور حدیث اسی معنی پر محمول ہے، اور ان

آیات میں نیک کاموں کو اجر و ثواب کا سبب قرار دیا ہے یہ اسلوب اعتبار ظاہر کے ہے اور بندے کی نیکیوں کو اجر و ثواب کا سبب قرار دینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کا فضل ہے تاکہ بندہ خوش رہے اور نیک کاموں کے لیے اس کا جذبہ برقرار رہے اور اس کا حوصلہ بڑھتا رہے کہ وہ جو نیک کام کر رہا ہے وہ بے ثمر اور بے مقصد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں سے خوش ہوتا ہے اور ان پر انواع و اقسام کی جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشن، اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ سب برحق ہی پیدا کیا ہے، وہ علم والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں واضح کرتا ہے۔ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (فکر میں غلطی سے) سمجھتے ہیں۔ (بونس: ۵-۶)

سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے الوہیت اور توحید پر استدلال کیا تھا، اور اس آیت میں سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے توحید پر استدلال کیا ہے، اس استدلال کی تقریر یہ ہے کہ سورج، چاند اور ہوائی تمام سیرے بحیثیت جسم سب مساوی ہیں، اب سورج کو اس وضع مخصوص اور صفات مخصوصہ عطا کرنے کے لیے کوئی مرجع ہونا چاہیے اور وہ مرجع واجب الوجود اور قدیم بالذات ہونا چاہیے کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے وجود میں پھر کسی مرجع کا محتاج ہوگا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر دو واجب الوجود ہوں تو ان میں ایک امر مشترک ہوگا اور ایک امر مخصوص اور تمیز ہوگا اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور مرکب اور محتاج حادث اور ممکن ہوتا ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتا پس ثابت ہوا کہ سورج کی وضع مخصوص اور اس کی صفات مخصوصہ ذاتی نہیں ہیں کیونکہ سورج جسم ہونے میں تمام اجسام کے مساوی ہے سو اگر یہ اس کی جسمیت کا تقاضا ہوں تو تمام اجسام سورج کی طرح ہونے چاہئیں، اس لیے اس وضع اور ان صفات کے لیے کوئی مرجع ہونا چاہیے اور ہم بتا چکے ہیں کہ وہ مرجع واجب الوجود، قدیم اور واحد ہونا چاہیے اور واجب الوجود، قدیم اور واحد اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے اور جب وہ سورج کا خالق ہے تو تمام کائنات کا وہی خالق ہے کیونکہ جو دلیل سورج میں جاری ہوئی ہے وہی ساری کائنات میں جاری ہوگی پس ثابت ہو گیا کہ تمام کائنات کا خالق اللہ ہے اور وہ واحد لا شریک ہے۔

تاریخ کا تعین قمری حساب سے کرنا چاہیے

سورج اور چاند کی روشنیوں میں خلوق کے بہت فائدے ہیں، سورج کی روشنی سے دن میں کاروبار ہوتا ہے اور اس کی حرکت سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں جس سے اس دنیا کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں اور چاند کی حرکت سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور حساب کا حصول ہوتا ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقویم اور تاریخ کا تعین قمری حساب سے کرنا چاہیے نہ کہ شمسی حساب سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دن اور رات کے اختلاف میں اور آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں اور ان میں اس کی الوہیت اور توحید پر دلیلیں ہیں، اس پر مفصل گفتگو ہم البقرہ ۱۶۳ میں کر چکے ہیں، اس کی تفسیر کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: درحقیقت جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے

اور اس پر مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں ○ یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کی وجہ سے جن کو وہ کرتے رہے تھے ○ (یونس: ۷۸-۷۹)

منکرین حشر کے احوال

ان آیتوں سے اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کے احوال شروع کیے ہیں جو حشر (مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) پر ایمان نہیں لاتے اور جو حشر پر ایمان لاتے ہیں، اور ان لوگوں کا پہلے ذکر کیا جو حشر پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ اس سورت میں ان لوگوں کے ساتھ خطاب ہے، جو ان باتوں پر تعجب کرتے ہیں جن پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے جن میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ مذکورہ صدر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان شقی القلوب لوگوں کا حل بیان کیا ہے جو قیامت کے دن اللہ سبحانہ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، وہ اس دنیا کی زندگی پر راضی تھے اور ان کے دل اس سے مطمئن تھے۔ حسن بھری نے کہا یہ لوگ کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر نہیں کرتے تھے اور اللہ عزوجل کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے، سو حشر کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا کیونکہ انہوں نے دنیا میں جرائم اور گناہ کیے اور اس کے علاوہ وہ اللہ رسول اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا یرجون لقاءنا رجاء کے معنی یہاں خوف ہیں یعنی وہ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ رجاء کے معنی یہاں طمع ہیں یعنی وہ اللہ سبحانہ کے اجر و ثواب کی طمع نہیں رکھتے تھے یا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طمع نہیں رکھتے تھے تاہم مناسب یہ ہے کہ یہاں رجاء کا معنی توقع لیا جائے جو حقیقت کے قریب ہے یعنی وہ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے لہذا وہ عذاب سے ڈرتے تھے نہ ثواب کی طمع رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں ○ (یونس: ۹)

حشر پر ایمان لانے والوں کے احوال

اس رکوع کی آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے ہیں جو اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مانا اور نیک عمل کیے، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کے سبب انہیں قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دے گا یہاں طور کہ ان کو سلامتی کے ساتھ پہل صراط سے گزار دے گا اور وہ جنت تک پہنچ جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باایمانانہم میں ہوا استعانت کے لیے ہو، کیونکہ لہذا نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مومن کے اعمال کو حسین صورتوں میں متحمل کر دیا جائے گا جن سے خوشبو آ رہی ہوگی، جب وہ قبر سے اٹھے گا تو وہ حسین صورت اس سے ملاقات کر کے اس کو جنت کی بشارت دے گی۔ مومن پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ صورت کے گی میں تمہارا عمل ہوں، پھر اس کے سامنے نور بچھا دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ ان کا رب ان کو دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا اور کافر کے اعمال کو بھیانک اور ڈراؤنی شکل میں متحمل کر دیا جائے گا جس سے بدبو آ رہی ہوگی۔ وہ ڈراؤنی شکل کافر سے چٹ جائے گی اور اس کو دوزخ میں ڈال کر آئے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۶۱۶، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۲۳)

جنت میں دخول کا سبب کیا چیز ہے، اس میں اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کے نزدیک ایمان اور اعمال صالحہ

دونوں مل کر جنت میں دخول کا سبب ہیں اور اہلسنت کے نزدیک صرف ایمان دخول جنت کا سبب ہے، اگر کوئی شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل نہیں کیے یا برے عمل کیے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں چلا جائے گا اور یہ آیت اہلسنت کی مؤید ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ان کو ان کے ایمان کے سبب سے دائمی جنتوں کی ہدایت دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: ”پاک ہے تو اے اللہ!“ اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی: ”سلام (علیکم)“ اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: ”الحمد لله رب العلمین“ (یونس: ۱۰)

اہل جنت کی گفتگو کا معمول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ نیک عمل کرنے والے مومنین جنت میں ہوں گے اور اس آیت میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے جنت میں کیا معمولات ہوں گے اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جس طرح مومنین دنیا میں سبحان اللہ کہتے تھے اور ہر قسم کے عیب سے اللہ تعالیٰ کی براءت اور تنزیہ بیان کرتے تھے سو اسی طرح جنت میں بھی وہ ہر وقت تسبیح اور تقدیس کرتے رہیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دعویٰ سہم کا معنی ہے ان کی تمنا یعنی ان کی تمنا اور آرزو یہ ہوگی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہیں۔ اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا تھا (تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے) یونس: ۳۴ پس جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی ان عظیم نعمتوں کو دیکھیں گے تو ان کو تصدیق ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ان نعمتوں کے دینے کا وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا تو وہ اس وقت بے ساختہ کہہ اٹھیں گے سبحانک اللہم یعنی اے اللہ! تو اس بات سے پاک ہے کہ تو وعدہ کر کے پورا نہ فرمائے یا تیرا قول صادق نہ ہو۔

اس کے بعد فرمایا: جب وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو وہی دعائیں گے جو فرشتے ان کو دعائیں گے اور فرشتوں کی دعا یہ ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ (الرعد: ۲۵-۲۴)

پھر فرمایا: اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: ”الحمد لله رب العلمین“ یعنی ان کی گفتگو کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ہو گا اور ان کی گفتگو کا اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد پر ہو گا۔

وَلَوْ يَعْلَمُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعَجَلَتْهُمْ بِالْخَيْرِ لَفِضَىٰ

اور اگر اللہ لوگوں کی بد اعمالیوں کی سزائیں ان کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرنا چاہتی جلدی وہ دنیا کے (نفع کی طلب میں

إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَتَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي

کہتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آپہنچی ہوئی (لیکن) جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۱ وَإِذَا امْسَأَ الْإِنْسَانُ الضُّرْدَعَانَا

اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ○ اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ

لِجَنَّتِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَةَ مَرِّ

پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے دعا کرتا ہے پس جب ہم اس سے اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ

كَانَ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ صُورَتِهِ طَغْيَانُكَ نَرَيْنَا لِلْمُسْرِفِينَ

اس طرح گذر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے تجاوز کرتے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۲ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونُ مِن قَبْلِكَ

والوں کے کرتوت ان کے لیے خوش نمائند سیٹھے گئے ہیں ○ (لکھو!) ہم نے پہلے کی ان قوموں کو ہلاک کر دیا تھا

لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا

جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے اور انہوں نے

لِيَوْمِنَا كَذَلِك نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ

ایمان لا کر نہ دیا، اور ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ پھر ہم نے ان کے بعد

خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝۱۴

تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم یہ ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ○

وَإِذَا اتَّخَلَّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

اور جب ان پر ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو جن لوگوں کو ہمارے سامنے حاضر ہونے کی

لِقَاءَنَا أَنتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ أَتْلُ مَا يَكُونُ

توقع نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو تبدیل کر دو، آپ کیسے کہ اس کو

لِيَ أَنُ أَبَدِّلَهُ مِن تِلْقَائِي نَفْسِي إِنِ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

تبدیل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے

إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ

اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم مصیبت کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○ آپ کہیے

لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ

اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع دیتا، پھر بیشک اس (نزول قرآن) سے پہلے

فِيكُمْ عُمَرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن

میں تم میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، کیا تم نہیں سمجھتے ○ پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو سکا جو

افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

جو ٹھٹھ بول کر اللہ پر بتانے لگے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم فلاح

الْمُجْرِمُونَ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ

نہیں پاتے ○ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ

نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں،

قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي

آپ کہئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ

الْأَرْضِ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَمَا كَانَ

زمینوں میں، وہ ان تمام چیزوں سے بری اور بلند ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو ○ اور پہلے تمام

النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْ لَا كَلِمَةُ

لوگ صرف ایک امت تھے، پھر مختلف ہو گئے ○ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے

سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

ایک امر پہلے ہی مقدور ہو چکا ہوتا تو زمین چیزوں میں یہ اختلاف نہ رہتا ○

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا

اور کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ کیسے کہ

الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَبِهُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۲۰﴾

غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو اور میں انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ لوگوں (کی بد اعمالیوں کی سزا میں ان) کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ (دنیا کے) نفع کی طلب میں کرتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آچکی ہوتی (لیکن) جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (یونس: ۱۹)

اپنے آپ کو اپنی اولاد کو اور اپنے اموال کو بد دعا دینے کی ممانعت

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنانے کی کیا خصوصیت تھی؟ اس کے بعد درمیان میں مومنوں کا ذکر فرمایا اور اب اس آیت میں پھر مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے، وہ یہ کہتے تھے کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہارے مطالبہ کی وجہ سے تم پر جلد عذاب بھیج دیا جاتا تو اب تک تمہارا کلام تمام ہو چکا ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے ڈھیل دیتا ہے کہ تم اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہو۔ (البلبل ج ۱۰ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۸ھ)

مطلب یہ کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد پر لعنتناک ہو تو ان کے خلاف یہ دعائے کرے کہ اے اللہ! ان کو برکت نہ دے اور اے اللہ! ان پر لعنت فرما ورنہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی تو وہ ان کو ہلاک کر دے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۹۲ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۲۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بواہ کی جنگ میں گئے۔ آپ مہدی بن عمرو جہنی کو ڈھونڈ رہے تھے، ایک اونٹ پر ہم پہنچے، چھ اور سات آدمی باری باری بیٹھتے تھے، ایک انصاری اونٹ پر بیٹھنے لگا، اس نے اونٹ کو بٹھایا پھر اس پر سوار ہوا پھر اس کو چلانے لگا۔ اونٹ نے اس کے ساتھ کچھ سرکشی کی، اس نے اونٹ کو کہا شاہ اللہ تجھ پر لعنت کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹ پر لعنت کرنے والا کون شخص ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ میں ہوں! آپ نے فرمایا: اس اونٹ سے اتر جاؤ، ہمارے ساتھ کسی ملعون جانور کو نہ رکھو، اپنے آپ کو بد دعا دو، نہ اپنی اولاد کو بد دعا دو اور نہ اپنے اموال کو بد دعا دو کیسے ایسا نہ ہو کہ یہ وہ ساعت ہو جس میں اللہ سے کسی عطا کا سوال کیا جائے تو وہ دعا مستجاب ہوتی ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحديث: ۳۰۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ پلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے ہم سے دعا کرتا ہے، پس جب ہم اس سے اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا اسی طرح مدد سے تجاوز کرنے والوں کے کروتات ان کے لیے خوش نمایا دیئے گئے ہیں۔ (یونس: ۱۲)

کافر کے مشرف ہونے کی وجوہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اگر کفار کے مطالبہ پر دنیا میں جلد عذاب نازل کر دیا جاتا تو اب تک وہ سب مر چکے ہوتے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ بہت کمزور اور نہایت عاجز ہیں، ان پر اگر تھوڑی سی مصیبت بھی آئے تو وہ گھبرا کر اس مصیبت کو دور کرنے کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔

یہ آیت مومن اور کافروں کے احوال کو عام ہے، کیونکہ اکثر مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے گمراہی کر دیتے ہیں اور جب اللہ اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو وہ اس کو اس طرح بھول جاتے ہیں جیسے کسی مصیبت کے وقت میں انہوں نے اللہ کو پکارا ہی نہ تھا!

نزل مصیبت کے وقت مسلمانوں کی فکر اور عمل کیا ہونا چاہیے

مسلمانوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہو تو ان پر حسب ذیل امور کی رعایت کرنا لازم ہے۔

(۱) مسلمانوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ ان کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی اور ان سے ٹل نہیں سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ مِّنَ الْأَمْثِلِ وَلَا رِجْعٍ
مِّنْهَا لَئِنْ أَتَاكَ نَصْرٌ مِّنِّي أَوْ نَفْثٌ مِّنْهُ
يَعْلَمِ السَّامِيُّ مَا تُفْعَلُونَ

(الحج: ۲۲-۲۳)

ہر مصیبت جو زمین میں اور آسمان میں پہنچتی ہے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے۔ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں، بے شک یہ اللہ پر ہمت ہی آسان ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہے تم اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس پر تم اترا یا نہ کرو۔

سو مسلمان کو اللہ کی تقدیر پر راضی اور مطمئن رہنا چاہیے، وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے نہ دل میں اللہ عزوجل سے کوئی شکایت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور وہ اپنے ملک میں جو چاہے کرے کسی کو اس پر اعتراض یا شکایت کا کوئی حق نہیں ہے، اور وہ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خلل نہیں اور اس کا کوئی فعل عبث اور باطل نہیں۔ اگر وہ اس کو اس مصیبت، تکلیف یا مرض پر بلی رکھے تو یہ اس کا بدلہ ہے اور اگر وہ اس سے اس مصیبت یا آفت کو زائل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے اور بندے پر لازم ہے کہ وہ اس مصیبت پر صبر کرے اور رنج اور قلق کے اظہار کو ترک کر دے۔

(۲) بندہ کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بہت اجر عطا فرماتا ہے:

وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ
وَلَسَنُؤْتِكُمْ إِنشَاءً مِّنْ سَحَابٍ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ

(البقرة: ۱۵۵-۱۵۶)

اور ہم تم کو ضرور کچھ ذرہ اور بھوک اور مال اور جان کے نقصان اور پھلوں کی کمی سے آنا دیں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات (خیر اور رحمت) ہے اور یہی وہ بہترین یقین ہے۔

رَبِّمَا يُؤْفَى الصَّيْرُونَ أَخْرَجَهُمْ بِعَفْوٍ

جسبب (المر: ۱۰)

اس کے ساتھ۔ لکھ نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر ہے سلب دیا جائے گا۔

(۳) نیز بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں یہ سوچے کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس کے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ سو اسے اس گناہ پر توبہ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (الشوری: ۳۰)

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھ کی کمائی کی وجہ سے پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ مِنْ سَيِّئَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ (النساء: ۷۹)

(اے مخاطب!) تم کو جو بھلائی پہنچی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تم کو جو برائی پہنچی ہے وہ تیرے نفس کی شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

(۴) جب کسی مسلمان بندے پر مصیبت آئے تو اس کو اس مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ یہ سوچ کر خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت یا مصیبت کو اسی کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کوئی کائنات چھو یا اس سے زیادہ تکلیف ہو تو اللہ اس تکلیف کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۹۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۹۹۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے خواہ وہ تھکاوٹ ہو، غم ہو یا قرض یا بیماری ہو حتیٰ کہ کوئی فکر ہو جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو رہا ہو، تو اللہ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۷۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵، سنن ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۵۶) (۵) جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ اس سے دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الاعراف: ۱۵۵)

اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ عزوجل اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے، اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵، سنن ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۵۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۸، الاکل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی وہ دعا پوری کر دیتا ہے، یا اس دعا کی مقدار کے برابر اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ سے کسی گناہ کا سوال نہ کرے یا قطعاً تم کا سوال نہ کرے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: پھر تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ بہت زیادہ عافوں فرمانے والا ہے۔

کو اور اپنے دین کو ضائع کرنے والا ہے۔

مصرف وہ شخص ہے جو اپنے کثیر مال کو کسی خیس اور گھٹیا مقصد کے حصول میں خرچ کرے، اور یہ معلوم ہے کہ دنیا کی رنگیں اور دنیا کی لذتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں خیس اور گھٹیا ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس، عقل اور تصرف کی قوتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان سے اخروی نعمتوں کے حصول میں کوشش کرے، سو جس شخص نے اپنی ان قوتوں کو ان گھٹیا چیزوں کے حصول کی جدوجہد میں خرچ کیا تو اس نے اپنی ان قوتوں کو ضائع کر دیا اور ایسے شخص کے مصرف ہونے میں کیا شک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (لوگو!) ہم نے تم سے پہلے کی ان قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے اور انہوں نے ایمان لا کر نہ دیا، اور ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ پھر ہم نے ان کے بعد تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم یہ ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ○ یونس: ۱۳-۱۴

اللہ تعالیٰ کے آزمائے پر اعتراض کا جواب

کفار اور مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر دین اسلام برحق ہے اور ہم اس کے منکر ہیں تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا کوئی دردناک عذاب لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ اپنے اس مطالبہ میں جھوٹے ہیں کیونکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور پہلو کے بل بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کے احوال یاد دلانے کہ ان کے پاس ان کے رسول دلائل اور معجزات لے کر آئے اور انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا اور یہ اس لیے فرمایا تاکہ مشرکین کہ نزول عذاب کے مطالبہ سے باز آجائیں۔

اللہ کے علم پر ایک اشکال کا جواب

دوسری آیت میں فرمایا: پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو، اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہیں تھا اور جب مشرکین عمل کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا معاملہ معلومات حاصل کرنے والا اور امتحان لینے والا لوگوں کے ساتھ کرتا ہے تاکہ ان کو ان کے عمل کے مطابق جزا دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بہت نظائر ہیں: لیسلو کہ ایکم احسن عملاً۔ (مائدہ: ۷۷) تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت طویل خطبہ روایت کیا اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تمہیں اس میں جانشین بنانے والا ہے پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کس طرح عمل کرتے ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰ ۴۸۷۳ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۵۲ مسند احمد، ج ۳ ص ۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰۱ سنن کبریٰ ج ۷ ص ۹، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۱۷)

اس حدیث کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا معاملہ امتحان لینے والا اور آزمائے والا لوگوں کے ساتھ کرتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے۔

لِنَنْظُرَ كَيْفَ يَفْعَلُ مَا يُؤْمَرُ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

باز جانشین ساقیہ شمار اور زمین پس از ایشان تابیہ بنیم چگونہ کاری کنند ○

شیخ محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو ○

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ لکھتے ہیں:

پھر ان کے بعد دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔

حضرت ابوالحاجہ سید محمد محدث اعظم کچھوچھوی لکھتے ہیں:

پھر بنادیا ہم نے تم کو جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ نظر کے سامنے کر دیں کہ کس طرح کام کرتے ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اب ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے، تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۳۰۶ھ لکھتے ہیں:

پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں تم کو (ان کا) جانشین بنایا تاکہ ہم ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

ان تمام تراجم میں صرف ہمارے حضرت صاحب نے ایسا ترجمہ کیا ہے جس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، دیگر مترجمین کا

ترجمہ بھی غلط نہیں ہے لیکن انہوں نے لفظ کا لفظی ترجمہ کیا ہے جس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مشرکین کے عمل کرنے

کے بعد اللہ تعالیٰ کو علم ہو گا کہ وہ کیا کرتے ہیں، اور ہمارے حضرت صاحب نے لفظ کا معنی علم ظہور کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ

مشرکین کی کارروائی کو ظاہر فرمائے گا اصطلاح میں اس کو علم تفصیلی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو جن لوگوں کو ہمارے سامنے حاضر

ہونے کی توقع نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو تبدیل کر دو، آپ کہتے کہ اس کو تبدیل کرنا

میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، اگر میں اپنے رب کی

نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○ یونس: ۱۵

مشرکین کا یہ مطالبہ کہ آپ قرآن مجید کو بدل ڈالیں

جس طرح سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کا طعن ذکر کیا ہے ان کے جوابات ذکر

فرمائے تھے، اس آیت میں بھی ان کا ایک طعن ذکر کر کے اس کا جواب ذکر فرمایا ہے۔

امام ابو محمد حسین بن مسعود القراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

قنادہ نے کہا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے مشرکین مکہ تھے، اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ پانچ شخص تھے: عبد اللہ بن اسیر

الخرزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبید اللہ بن ابی قیس العامری اور العاص بن عامر بن ہشام، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی

اور قرآن لے آئیں جس میں لات، عزری اور منہ کی عبادت سے ممانعت نہ ہو، اور نہ ان کی خدمت کی گنی ہو اور اگر اللہ ایسی آیتیں نازل نہ کرے تو آپ ایسی آیتیں بتالیں، یا اس قرآن کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں بنادیں، حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! آپ کہئے کہ اس قرآن کو بدلنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے، اس کے مطابق میں حکم دیتا ہوں یا کسی چیز سے منع کرتا ہوں۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۶۹۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۳ھ)

قرآن مجید میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات

کفار جو آپ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اسی قرآن کو بدل ڈالیں تو ان کا یہ مطالبہ بطور استہزاء تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تنبیہ کی کے ساتھ آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہوں اور اس سے ان کی غرض یہ ہو کہ اگر آپ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا تو آپ کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا نازل کیا ہوا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی کوئی اور کتاب چاہتے ہوں کیونکہ یہ قرآن ان کے معبودوں کی خدمت پر مشتمل ہے اور ان کے معمولات کو باطل قرار دیتا ہے، اس لیے وہ کوئی اور کتاب چاہتے تھے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: آپ کہئے میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے ورنہ قیاس سے کام لیتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید کے پہنچانے اور اس کی تلاوت کرنے میں وحی کی اتباع کرتا ہوں، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی اور تغیر تبدل نہیں کرتا اور نہ مجھ کو اس کا اختیار ہے۔

باقی اجتہاد اور قیاس پر مکمل بحث ان کی تعریف، ارکان، شرائط، ان کے دلائل اور ان کے نظائر ہم نے الانعام: ۵۵ میں بیان کر دیئے۔ جو حضرات ان مباحث پر مطلع ہونا چاہیں، وہ ان کو وہاں دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع دیتا پھر بے شک اس (نزل قرآن) سے پہلے میں تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں، کیا تم (یہ) نہیں سمجھتے؟ (یونس: ۱۰۱)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر نہ بھیجتا اور میں تم پر قرآن کی تلاوت نہ کرتا، اور نہ میں تمہیں اللہ کے متعلق کوئی خبر دیتا، اس آیت میں کفار اور مشرکین کے اس خیال کا رد ہے کہ یہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے کیونکہ مشرکین مکہ نے اول سے آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کیا تھا اور ان کو آپ کے تمام احوال معلوم تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ کسی استاد سے علم حاصل کیا پھر آپ پر اسی طرح چالیس سال کا عرصہ گزر گیا، پھر چالیس سال بعد آپ اچانک اس عظیم کتاب کو لے آئے جس میں اولین اور آخرین کی خبریں ہیں اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور ملکی سیاست کے متعلق مفصل احکام اور پیش گوئیاں ہیں اور بہت دقیق علوم ہیں اور تمام علماء، فہماء اور بلغاء اس کی نظیر لانے میں عاجز اور ناکام رہے تو ہر وہ شخص جس کے پاس عقل سلیم ہو وہ بدابھٹا یہ جان لے گا کہ ایسا معجز کلام اللہ کی وحی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے فرمایا کہ میں بے شک اس (نزل قرآن) سے پہلے تم میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے!

اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اس نزول قرآن سے پہلے میں نے تم میں چالیس سال زندگی گزار دی اور تم میرے

صدق اور امانت اور میری پاکیزگی کو جان چکے ہو، میں بڑھتا تھا نہ لکھتا تھا پھر میں تمہارے پاس اس معجز کلام کو لے کر آیا تو اب کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کلام میرا نہیں ہو سکتا اور یہ صرف اور صرف وحی الہی ہے، پھر میں نے تم میں اپنے شباب کی پوری عمر گزاری ہے جس میں میں نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کی تو اب تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا اور اس کے کلام کو بدل ڈالوں گا کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم ظالم نہیں پاتے ○ (یونس ۱۷)

قرآن مجید کا وحی الہی ہونا

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ کلام ہے اور آپ نے اس کو اللہ کی طرف منسوب کر کے اللہ پر افتراء باندھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ پر افتراء باندھے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا، یعنی اگر بفرض محال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہو تو آپ (العیاذ باللہ) سب سے بڑے ظالم ہوتے، اور جبکہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی وحی ہے تو جو مشرکین اس قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے وہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، آپ کہئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ زمینوں میں، وہ ان تمام سے بری اور بلند ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو ○ (یونس ۱۸)

غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے پر دلائل

مشرکین یہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو اس لیے بدل دیں کہ اس میں اس کے باطل معبودوں کی مذمت کی گئی ہے اور وہ اپنے بتوں کی مدح اور تعظیم و تکریم چاہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتوں کی عبادت کی مذمت کی اور ان کی عبادت کے باطل ہونے کو واضح فرمایا ہے۔ مشرکین بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بھی مانتے تھے، پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کرنے کا رد فرمایا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ ان کے تراشیدہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں، عبادت کرنے کی بنا پر وہ ان کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور عبادت نہ کرنے کی وجہ سے وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معبود کو عابد سے اعلیٰ اور افضل ہونا چاہیے اور کفار جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ خود ان کی بہ نسبت زیادہ طاقت اور قدرت رکھتے ہیں، اونا اس لیے کہ ان بتوں کو بنانے والے وہ خود ہیں، وہ چاہیں تو ان بتوں کو بتائیں اور چاہیں تو ان بتوں کو توڑ ڈالیں، تو یہاں معبود کے نفع اور نقصان پر عابد کو قدرت ہے اور چاہیے یہ تھا کہ عابد کے نفع اور نقصان پر معبود کو قدرت ہوتی، اور تیسری دلیل یہ ہے کہ عبادت تعظیم کی سب سے بڑی نوع ہے، اس لیے عبادت اسی کی کرنی چاہیے جس کا سب سے بڑا انعام ہو، اور جس ذات نے انسان کو حیات، علم اور قدرت کی نعمتیں عطا فرمائیں اور زندگی بسر کرنے کے لیے دنیا میں ذرائع اور وسائل پیدا کیے اس سے بڑھ کر انعام دینے والا اور کون ہے تو اس کے علاوہ عبادت کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے!

بتوں کو اللہ کے ہاں سفارشی قرار دینے میں مشرکین کے نظریات

امام محمد بن عبد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کی یہ نسبت، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس میں زیادہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جائے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم میں یہ اہلیت نہیں ہے یا ہم اس قائل نہیں ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں، بلکہ ہم بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری شفاعت کریں گے۔ پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ بت کس کیفیت سے اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، اور اس میں ان کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ان کا عقیدہ تھا کہ عالم افلاک میں ہر عالم کے لیے ایک معین روح ہے پھر انہوں نے ہر روح کے مقابلہ میں ایک بت معین کر لیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ روح سب سے بڑے خدا کی عبادت ہے، پھر انہوں نے اس بت کی پرستش شروع کر دی۔

(۲) وہ ستارہ پرست تھے اور انہوں نے ستاروں کے مقابلہ میں بت تراش لیے اور ان کی پرستش شروع کر دی۔

(۳) انہوں نے غیوں اور بزرگوں کی صورتوں کے مطابق بت تراش لیے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ اس زمانہ میں بت لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (غالباً امام رازی کی مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبروں کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔ مثلاً قبروں کا طواف کرتے ہیں، حد رکوع تک قبروں کے آگے جھکتے ہیں، قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور صاحب قبر کی نذر مانگتے ہیں، لیکن جو مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ تمام امور دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں۔)

(۴) ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نور عظیم ہے اور فرشتے انوار ہیں تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں منہم اکبر بتایا اور فرشتوں کے مقابلہ میں اور بت تراش لیے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۲۷ مہجورہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۵ھ) جس چیز کے وجود کا اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہو اس کا وجود محال ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ زمینوں میں۔ اللہ تعالیٰ کی علم کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس چیز کا فی نفسہ وجود نہیں ہے، کیونکہ وہ چیز اگر کسی زمانہ میں بھی موجود ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ کو اس چیز کے موجود ہونے کا علم نہیں ہے تو واجب ہے کہ وہ چیز موجود نہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا شریک فی نفسہ محال ہے، اسی طرح اجتماع ضدین وغیرہ کا حکم ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۲۷ روح المعانی ج ۷ ص ۱۲۹ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پہلے تمام لوگ صرف ایک امت تھے، پھر مختلف ہو گئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک امر پہلے ہی مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا (یونس: ۱۹) ابتداء میں تمام لوگوں کے مسلمان ہونے پر احوال و آثار

تمام لوگ پہلے صرف ایک امت تھے، صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ پہلے صرف مسلمان تھے، امام عبد الرحمن ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قلاوہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ یہ سب ہدایت پر نہ تھے اور برحق شریعت پر تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے بعد ان کے درمیان اختلاف ہوا اور وہ پہلے رسول تھے جن کو

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا ان کو اس وقت بھیجا گیا جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور انہوں نے حق کو ترک کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی جس سے حق پر استدلال کیا گیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۷۲، رقم الحدیث: ۱۹۸۹، مطبوعہ مکرر ۱۳۱۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کبھی ایسے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہی جو ظلیل الرحمن کی مثل ہیں، ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ ان میں سے جو شخص مرتا ہے، اللہ اس کے بدلہ میں دوسرا پیدا فرماتا ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۱۱۳)

امام احمد نے کتاب الزمرد میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی ایسے سات آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ عذاب دور فرماتا ہے۔

امام ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کبھی ایسے تیس آدمیوں سے خالی نہیں رہی جو ابراہیم ظلیل اللہ کی مثل تھے، ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے، ان ہی کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے۔

امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ روئے زمین پر سات یا اس سے زیادہ مسلمان رہے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام احمد نے کتاب الزمرد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ زمین والوں سے عذاب دور فرماتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۹۶-۷۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

پھر فرمایا: اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ عذاب اور ثواب کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔ اس آیت کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ: ۲۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ کہئے کہ غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے، سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ○

(یونس: ۲۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

ابن آبت میں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کے ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے، وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ پیش کریں، مثلاً ان پہاڑوں کو سونے کا بنادیں یا آپ کا گھر سونے کا ہو جائے یا ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید خود بہت عظیم معجزہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشوونما پائی اور ان کے سامنے آپ نے چالیس سال تک زندگی گزاری اور ان کو معلوم تھا کہ آپ نے کسی استاد سے پڑھا ہے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے، پھر آپ نے یکایک اس قرآن کو پیش کر دیا جس کی فصاحت اور بلاغت بے

تفیر تھی اور جس میں اولین اور آخرین کی خبریں تھیں اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور نکل اور بین الاقوامی معاملات کے احکام تھے اور جس شخص کو تعلیم کے اسباب مہیا نہ ہوئے ہوں اس سے اس قسم کے کلام کا صدور ہونا بغیر وحی الہی کے محال ہے، سو یہ قرآن مجید آپ کی نبوت پر قاطع معجزہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس کے بعد کوئی اور معجزہ نازل کرنا یا نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہے تو کوئی معجزہ ظاہر کرے اور چاہے تو نہ کرے، سو یہ اب باب غیب سے ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اور آپ کے دعویٰ رسالت کا صدق ظاہر ہو چکا ہے۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَّسَتْهُمْ إِذَا لَمْ

اور جب ہم لوگوں کو مصیبت پہنچنے کے بعد رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت)

مَكْرُفِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُوبُونَ

میں سازشیں کرتے گئے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے، بے شک ہمارے فرستے تمہاری

مَا تَمْكُرُونَ ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا

سازشوں کو کھد رہے ہیں ○ وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم

كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا

کشتیوں میں (محمّد سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ دوڑیں گے کہ جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے

جَاءَ تَهَارِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

ہوں تو (راہبانک) ان کشتیوں پر تیز آمدی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو کھیر لیں اور

وَقَالُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴿۳۲﴾

لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں، اس وقت وہ دین میں اللہ کے ساتھ مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے

لَئِن أَنجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۳﴾ فَلَمَّا

ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب

أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَأْتِيهَا

اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں، اے لوگو!

النَّاسُ إِنَّمَا بَغِيكُمُ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ

تمہاری بناؤ صرف تمہارے لیے ہی (مضر ہے دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (امثالہ) پھر تم

إِنَّمَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّمَا مِثْلُ

کے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے ﴿۳۳﴾ دنیا کی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ

دنیا کی مثال بعض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار

الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ

خوب کھتی ہو گئی جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں حتیٰ کہ میں اس وقت جب کیتیاں اپنی تروتازگی

الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَاتَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ

اور شادابی کے ساتھ لہلہاتے گئیں اور ان کے ماکھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ ان پر

عَلَيْهَا أَتَتْهَا أَمْرٌ نَّالِيلاً أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَهَا حَصِيدًا كَانُ

قادر ہیں تو اچانک رات یا دن کو ان پر ہمارا عذاب آگیا پس ہم نے ان کھیتوں کو کٹ ہوا (دھیر) بنا دیا جیسے

لَمْ تَعْنِ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣٤﴾

کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں، خود فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں ﴿۳۴﴾

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف

مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٥﴾ الَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ

ہدایت دیتا ہے ﴿۳۵﴾ جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور اس کے علاوہ زیادہ (چراغ) کے چرول پر

وَجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا

نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ

خُلِدُوا ۚ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۚ

رہیں گے ○ اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان ہی کی مثل بری سزا ملے گی

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ مَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَانُوا

افرادان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، گویا ان کے

أَغْشِيَتْ وَجُوهَهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

پہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے، وہی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ

دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم

لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

مشرکوں سے کہیں گے تم اور تمہارے شریک سب اپنی اپنی جگہ پھیری، پھر ہم ان کے درمیان بھٹ ڈال دیں گے

وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ۚ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ

اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ پس ہمارے اور

شَهِيدًا ۖ آيِنَّا وَيُنْكُكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ۚ

تمہارے درمیان اشراکانی گواہ ہے کہ بے شک ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ○

هَٰذَا لَكَ تَلَوَّا كُلَّ نَفْسٍ مَّا اسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَى اللَّهِ

اس وقت ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال (کے ثبوت) میں مبتلا ہوگا، وہ سب اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے

مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۚ

جو ان کا مالک حقیقی ہے اور وہ جو کچھ بتانے لگے تھے وہ ان سے کم ہو جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم لوگوں کو مصیبت پہنچنے کے بعد رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری

آیتوں (کی مخالفت) میں سازشیں کرنے لگتے ہیں، آپ کہئے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے، بے شک ہمارے فرشتے

تمہاری سازشوں کو لکھ رہے ہیں ○ (ہولس: ۱۶)

مصائب کے بعد کفار پر رحم فرمانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ مشرکین آپ سے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ طلب کرتے ہیں اور ان کی یہ طلب محض غلو اور کثرت جہتی کے لیے تھی اور اس سے ان کا مقصد ہدایت کو طلب کرنا نہیں تھا اب اسی معنی کو مؤکد کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ جب اللہ مصیبت کے بعد ان پر رحمت فرماتا ہے تو یہ اللہ کی آیتوں کی مخالفت میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔

مصیبت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر پر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ان سے بارشیں روک لیں اور ان کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیا، پھر اللہ عزوجل نے ان پر رحم فرمایا اور ان پر بارشیں نازل فرمائیں جس سے قحط دور ہو گیا اور ان کے کھیت ہرے بھرے ہو گئے، پھر چاہیے تھا کہ یہ ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، لیکن انہوں نے اس کے بجائے ان رحمتوں کی نسبت اپنے ان جہتوں کی طرف کر دی جو کسی نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر کر دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا فرمائی تو ان کو قحط نے بکڑ لیا، حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہونے لگے۔ انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھائیں، پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور اس نے کہا اے محمد! آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔ (الذخاں: ۱۰) پھر وہ دوبارہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ منصور کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ان پر بارش ہوئی، اور پورا آسمان ہلوں سے ڈھک گیا پھر لوگوں نے بارش کی کثرت کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش نازل فرما ہم پر بارش نہ نازل فرما تو بادل آپ کے سر سے چھٹ گئے۔ پھر لوگوں کے ارد گرد بارش ہوئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۰ مطبوعہ دارالرقم بیروت)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت آسمان پر رات کی بارش کا اثر تھا نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا میرے بندوں نے صبح کی، بعض مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور بعض میرا کفر کرنے والے تھے، جنہوں نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستارے کا کفر کرنے والے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا کفر کرنے والے ہیں اور ستارے پر ایمان لانے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: نزول رحمت کے بعد وہ ہماری آیتوں کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا وہ اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور تکذیب کرتے ہیں اور مقاتل نے کہا وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ کا رزق ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یعنی وہ ان کو بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ ان کی سازشوں کی گرفت پر بہت زیادہ قادر ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے

ہوئے ہم سے دعا کرتا ہے پس جب ہم اس سے مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ (یونس: ۳۰) اس آیت میں تو انسان کے صرف شکر نہ کرنے کا بیان فرمایا تھا اور زیر تفسیر آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ صرف اعراض اور شکر نہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ کی نعمتوں کو اور اس کے احسان کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی کی ہوئی رحمت کو اپنے باطل معبودوں، یعنی بتوں اور ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی سازشوں سے اللہ تعالیٰ کی آیات میں شر اور فساد کو طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آمد ہی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں۔ اس وقت وہ دین میں اللہ کے ساتھ مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر ایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے، دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (انھوں) پھر تم نے ہماری ہی طرف بٹھا ہے، پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے۔ (یونس: ۲۲-۲۳)

مصائب اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا: اور جب ہم مصیبت پہنچنے کے بعد لوگوں کو رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔ اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مکر کی مثال بیان فرما رہا ہے کہ جب انسان سمندر میں کسی کشتی میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے ہوائیں اس کے موافق ہوتی ہیں پھر اچانک تیز آمد ہواں آتی ہیں، ہر طرف سے طوفانی لہریں اٹھتی ہیں اور وہ گرداب میں پھنس جاتا ہے اس وقت اس کو اپنے ڈوبنے کا یقین ہو جاتا ہے اور نجات کی بالکل امید نہیں ہوتی، اس پر سخت خوف اور شدید مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جن باطل معبودوں کی وہ اب تک پرستش کرتا آیا تھا ان کی بے چارگی اس پر عیاں ہو جاتی ہے اور کفر سے کفر مشرک بھی اس وقت اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتا اور اس کے علاوہ اور کسی سے دعا نہیں کرتا اور جب تمام مخلوق سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں تو وہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف اسی سے فریاد کرتا ہے۔

ام حکیم بنت الحارث عکرمہ بن ابی جہل کے عقد میں تھیں، فتح مکہ کے دن وہ اسلام لے آئیں اور ان کے خاوند عکرمہ مکہ سے بھاگ گئے۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھے، وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ عکرمہ نے رات اور غزنی کی دہائی دی، کشتی والوں نے کہا اس طوفان میں جب تک اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو نہیں پکارو گے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اللہ کے سوا اس طوفان سے کوئی نجات نہیں دے سکتا تب عکرمہ کی آنکھیں کھل گئیں، انہوں نے دل میں سوچا اگر سمندر میں صرف اللہ فریاد کو سنتا ہے تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی کام نہیں آسکتا انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے مجھے اس طوفان سے بچا لیا تو میں پھر سیدھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کر لوں گا پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔

(دلائل النبوة ج ۵ ص ۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری

اسی کو پکارتا ہے لیکن تم جانتے ہو گے کہ آج کل بعض مسلمان جب خشکی یا سمندر میں کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو ان کو پکارتے ہیں جو کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں، وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ ان میں سے بعض خضر اور الیاس کو پکارتے ہیں اور بعض ابوالخیس اور عباس کو پکارتے ہیں اور بعض مثل امت میں سے کسی شیخ کو پکارتے ہیں اور تم نہیں دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی صرف اللہ عزوجل کو پکارتا ہو اور کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ اس پریشانی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی نجات دے سکتا ہے، سوچو کہ جس حالت کا اللہ تعالیٰ نے نقشہ کھینچا ہے، اس حال میں ان مشرکین کا عمل ہدایت کے زیادہ قریب تھا یا ان مسلمانوں کا عمل ہدایت کے زیادہ قریب ہے، اب جو گمراہی کی موجیں شریعت کی کشتی سے ٹکرائی ہیں اور غیر اللہ سے استدعا کو جو نجات کا ذریعہ بنالیا گیا ہے اس کی صرف اللہ سے ہی شکایت ہے اور عارفین پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۴۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مخلوق کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ مشکلات اور شدائد میں صرف اللہ کی طرف رجوع کریں اور جو شخص مصیبت کے گرداب میں پھنسا ہوا ہو اور وہ اس وقت صرف اللہ کو پکارے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو سن لیتا ہے خواہ وہ مشرک اور کافر ہو اور یہ کہ ایسی صورت حال میں مشرکین بھی اپنے بتوں کو نہیں پکارتے تھے صرف اللہ سے دعا کرتے تھے۔ تو اس پر کس قدر تعجب ہوتا ہے کہ اب اسلام میں ایسی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں کہ لوگ ایسی حالت میں خدا کے بجائے وفات یافتہ بزرگوں کو پکارتے ہیں اور جس طرح مشرکین نے انطاخ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی وہ ایسا نہیں کرتے، غور کرو کہ ان شیطانی معتقدات نے لوگوں کو کہاں پہنچا دیا ہے اور ان کے دل و دماغ پر کس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ وہ ایسا عمل کر رہے ہیں جس کی مشرکین سے بھی توقع نہیں تھی، **اسألہ ونا الیہ راجعون** ○

(فتح اللہ ج ۲ ص ۶۱۱ مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۸ھ، فتح البیان ج ۶ ص ۳۹-۴۰، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ آلوسی وغیرہ کی عبارات پر تبصرہ

علامہ آلوسی کا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استدعا کو بالکل ناجائز قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، اور اسی طرح علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن بھوپالی کا مشکلات میں فوت شدہ بزرگوں سے استدعا کو شیطانی معتقدات قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے بشمول صحابہ کرام بکثرت صالحین امت کے عقائد کو شیطانی قرار دینا لازم آئے گا۔

امام محمد بن اثیر جزیری متوفی ۷۴۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید نے دشمن کو لاکرا پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق پکارا یا محمدؐ پھر وہ جس شخص کو بھی ملکا کرتے اس کو قتل کر دیتے۔ (الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۲۳۶ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۳)

امام ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کرنا کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے بتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے ”اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔“

(المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

خود علامہ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی شخص کی سواری دیران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے ”اے اللہ کے بندو! اس کو روک لو“ کیونکہ زمین میں اللہ کے لیے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۳ ص ۳۴) اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ موصلی (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۶۴) امام طبرانی (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۱۸) اور امام ابن السنی (عمل الیوم وایامہ ص ۶۱۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن) نے روایت کیا ہے۔ علامہ البیہقی نے کہا اس میں ایک راوی معروف بن حسان ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲) علامہ نووی نے اس حدیث کو امام ابن السنی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد کہا مجھ سے بعض بہت بڑے علماء نے یہ کہا ہے کہ ایک ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی۔ ان کو اس حدیث کا علم تھا، انہوں نے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس سواری کو روک دیا، اور ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ تھا، ہمارے ساتھ جو سواری تھی وہ بھاگ گئی، سب اس کو روکنے سے عاجز آ گئے، میں نے یہ کلمات کہے تو اسی وقت وہ سواری بغیر کسی سبب کے رک گئی۔

(الاذکار ص ۲۰۱)

امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے اور وہ کسی اچھی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہیے ”اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“ کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۸-۱۸۷) حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ یہ امر مجرب ہے، اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے بلکہ جو اس کے کہ بعض میں ضعیف ہے البتہ زید بن علی نے عقبہ کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲) اور امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک کرنا کاتبین کے سوا زمین میں اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب تم میں سے کسی کو جنگل کی زمین میں کوئی مصیبت پیش آئے تو اس کو چاہیے وہ بلند آواز سے کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث: ۳۳۸) شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۱۷) حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲) اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد طلب کرنے پر دلیل ہے جن کو انسان نہیں دیکھتے جو اللہ کے بندوں میں سے فرشتے اور نیک جن ہیں، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اس کی سواری گر جائے یا پھسل جائے یا گم ہو جائے تو وہ بنو آدم سے مدد طلب کرے۔

(تحفة انداکرین ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ مطبع مہمفی البانی مصر، ۱۳۵۰ھ و ص ۲۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی متوفی ۱۲۵۲ھ اپنے منیبہ میں لکھتے ہیں:

علامہ زبیدی نے مقرر رکھا ہے کہ انسان کی جب کوئی چیز ضائع ہو جائے اور وہ یہ ارادہ کرے کہ اللہ سبحانہ اس کی چیز واپس کر دے تو اس کو چاہیے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کسی بلند جگہ کھڑا ہو اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان کو پہنچائے اور یہ کہے: اے سیدی! اے احمد بن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کا نام دیوان اولیاء سے نکال دوں گا تو جو شخص یہ کہے گا اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس کی گم شدہ چیز واپس کر دے گا، اجوری مع زیادۃ، اسی طرح داؤدی رحمہ اللہ کی شرح المنہج میں ہے۔

(رد المحتار، دار الکتب العربیہ مصر، ج ۳ ص ۳۵۵، مصر ۱۳۲۷ھ، ج ۳ ص ۳۲۳، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام اپنی مہمت

میں یا محمدؐ پکارتے تھے، علامہ شوکلنی نے متعدد احادیث کے حوالوں سے لکھا ہے کہ فرشتوں اور نیک جنوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور علامہ شامی نے متعدد علماء کے حوالوں سے لکھا ہے کہ سیدی احمد علوان کی وفات کے بعد ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، اب اگر علامہ آلوسی، علامہ شوکلنی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریحات کے مطابق انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے مدد طلب کرنے کو ناجائز اور شیطانی عقیدہ قرار دیا جائے تو بشمول صحابہ تمام صالحین امت کو شیطانی عقیدہ کا حامل قرار دینا لازم آئے گا۔

وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے معاملہ میں راہ اعتدال

ہر چند کہ قرآن مجید میں وفات شدہ بزرگوں کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے کی کہیں تصریح نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں احادیث اور آثار موجود ہیں جو ہم الفاظ: ۳ میں بیان کر چکے ہیں اس کے علاوہ علماء اسلام کی بکثرت نقول ہیں اور ان سب کو شرک اور گمراہی پر مجتمع قرار دینا درست نہیں ہے، اب حل یہ ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی قید اور بغیر کسی اشتیاء کے وفات شدہ بزرگوں سے استمداد کو شرک کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ جہلاء ہیں جو مصائب اور شدائد میں اور اپنی حاجت میں اللہ عزوجل کو چھوڑ کر وفات شدہ بزرگوں کو پکارتے ہیں اور ان ہی کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اور ان کے نزدیک افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وفات شدہ بزرگوں سے مدد طلب کی جائے اور اللہ کو پکارنے اور اس سے مدد طلب کرنے کو وہ وہابیت اور نجدیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ بعض احادیث اور آثار اور بعض صوفیاء کرام اور بعض علماء کی نقول سے اگر کچھ ثابت بھی ہوتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وفات شدہ بزرگوں کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، شرک نہیں ہے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر صرف ان کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا افضل اور اولیٰ ہے، اور یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے اور اس کو پکارنا اس کی عبادت اور کارِ ثواب ہے اور وفات شدہ بزرگوں کا مدد کرنا قطعی اور یقینی نہیں ہے اور مشکلات اور مصائب میں ان کو پکارنا بہر حال اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کارِ ثواب نہیں ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم، غوث اعظم اور دیگر اولیاء کرام سے کوئی مدد طلب کرے تو وہ اس کے رد میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر وہ آیات چسپاں کرتے ہیں جو بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

یہ درست ہے کہ اگر انبیاء عظیم اسلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر مانا جائے اور یہ اعتقاد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے حاجت روائی کرتے ہیں اور اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا لہذا یہ شرک اور کفر نہیں ہے، لیکن ایسی صورت حال میں جس کا اللہ نے نقشہ کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا اور اس سے حاجت طلب کرنا مستحسن بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ بہر حال ایک ظنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری پکار پر ان فوت شدہ بزرگوں کو مطلع کر دے اور ہماری مدد کرنے کی ان کو اجازت دے دے اور طاقت عطا فرمائے لیکن جو چیز قطعی اور یقینی ہے اور جس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ سے اور ہر حال میں سننے والا ہے اور ہر قسم کی بلا اور معیبت کو دور کرنے والا ہے، اسے سننے کے لیے کسی کے اذن کی ضرورت نہیں ہے اور مدد کرنے کے لیے کسی کی قوت آفرینی کی حاجت نہیں ہے تو پھر کیوں نہ صرف اسی کو پکارا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے جبکہ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی دعوت دی ہے کہ اسی کو پکارو، اسی سے دعا کرو اور اسی سے مدد طلب کرو، اور جگہ جگہ بیان فرمایا ہے کہ انبیاء عظیم السلام بھی شدائد، مشکلات اور اپنی حاجت میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے، اسی کو پکارتے تھے اور اسی سے دعا کرتے تھے تو کیوں نہ ہم بھی اپنی مشکلات اور حاجت میں اس کار ساز حقیقی کی طرف رجوع کریں اور انبیاء عظیم السلام اور صالحین کی اتباع کریں!

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ انبیاء و اولیاء کو مستقل سمجھ کر ان سے مدد مانگنا شرک ہے، لیکن انہیں ایک وسیلہ سبب اور مظہر امداد الہی جان کر ان کی طرف رجوع کرنا کسی طرح ایمان و اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

بغاوت کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

فساد میں حد سے تجاوز کرنے کو بغاوت کہتے ہیں، عورت کی فحاشی اور بدکاری کو بھی بغاوت کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی فساد میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيَانَكُمْ عَلَىٰ ذِي الْقَرْبَىٰ
تَحْقُقْنَا۔ (النور: ۳۳)

تکبر کو بھی بغاوت کہتے ہیں کیونکہ اس میں حد سے تجاوز ہے، اور جس چیز میں بھی حد سے تجاوز ہو اس کو بغاوت کہتے ہیں۔ امام کی اطاعت سے خروج کرنے کو بھی بغاوت کہتے ہیں۔ خواہش نفس کے مقابلہ میں اللہ عزوجل کے احکام کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی کرنا یہ بھی بغاوت ہے، ان آیات میں بغاوت اسی معنی میں ہے:

يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ يَغْتَابِ الْمَنَافِقِ۔ (یونس: ۲۳)
يَسْلُبْكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ۔ (یونس: ۲۳)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدعت اور رشتہ توڑنے سے زیادہ اور کوئی گناہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس گناہ کے مرتکب پر اللہ جلد عذاب نازل فرمائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۶۳)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک پہاڑ بھی دوسرے پہاڑ کے خلاف بغاوت کرے تو بغاوت کرنے والا ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۶۳)

امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دعا کرنے سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے، تقدیر کو صرف دعا ملتی ہے، نیکی کا ثواب بہت جلد ملتا ہے، اور بغاوت کی سزا بہت جلد ملتی ہے، کسی شخص کے عیب کے لیے یہ کافی ہے کہ اسے دوسرے لوگوں میں وہ چیزیں نظر آئیں جو اسے اپنے اندر نظر نہیں آتیں، اور وہ لوگوں کو ایسی چیزوں کا حکم دے جن کو وہ خود نہیں چھوڑ سکتا، اور وہ بے فائدہ باتوں سے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو ایذا پہنچائے۔

(الدر المشرق ج ۴ ص ۳۵۳-۳۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ سازش کرو اور نہ سازش کرنے والے کی مدد کرو، نہ بغاوت کرو اور نہ بغاوت کرنے والے کی مدد کرو، نہ عہد شکنی کرو اور نہ عہد شکنی کرنے والے کی مدد کرو۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دنیا کی زندگی کی مثال محض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھنی ہو گئی جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں حتیٰ کہ عین اس وقت جب کھیتیں اپنی تروتازگی اور شادابی کے ساتھ لہلہنے لگیں اور ان کے مالکوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ ان پر قادر ہیں تو اچانک رات یادن کو ان پر ہمارا عذاب آگیا پس ہم نے ان کھیتوں کو کٹا ہوا (ذہیرا) بنا دیا جیسے کل یہاں کچھ تھالی نہیں، غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے (بونس: ۲۵-۳۳)

زمین کی پیداوار کی دنیا کے ساتھ مثال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی مضر ہے، اب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے متعلق ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو دنیا کی لذتوں اور مرغوبات میں منہمک ہو کر آخرت سے اعراض کر لیتا ہے۔ آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے اس کی وجہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہو جاتی ہے اور بارش کی وجہ سے رنگ برنگ کے پھول، خوشنما بلیں، خوشذائقہ پھل اور طرح طرح کے غلوں کی اجناس پیدا ہوتی ہیں، حتیٰ کہ باغوں اور کھیتوں کا مالک جب ان ہری بھری لہلہاتی ہوئی فصلوں اور پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کو دیکھتا ہے تو خوشی سے پھولا نہیں سنا، پھر وہ خوش نما منصوبہ بناتا ہے کہ ان باغوں اور کھیتوں سے اتنے منافع اور فوائد حاصل کرے کہ پھر اچانک مڈی دل کے بادل اٹھ آتے ہیں اور تمام کھیتوں اور باغوں کو چٹ کر چلے جاتے ہیں، یا آسمان سے زبردست ڈالہ باری ہوتی ہے، اور سب کچھ اجڑ جاتا ہے یا دریاؤں میں سیلاب آتا ہے اور تمام فصلوں کو بہا کر لے جاتا ہے، اور وہ غم اور افسوس میں ہاتھ ملتا ہوا رہ جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی آخرت سے اعراض کر کے دنیا کمانے کی دھن میں لگا رہتا ہے، جب وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم اور عذاب میں گرفتار ہو گا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔

جنت کے داعی کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

سلامتی کے گھر سے مراد ہے جنت، جس میں ہر قسم کے رنج، بلا اور نقصان سے سلامتی ہے۔ جنت کی طرف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور آپ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت ابوظہبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: آپ کی آنکھوں کو سونا چاہیے اور آپ کے قلب کو بیدار رہنا چاہیے اور آپ کے کانوں کو سنتے رہنا چاہیے، سو میری آنکھیں سو گئیں اور دل ہوشیار رہا اور کان سنتے رہے، پھر کہا گیا کہ ایک سردار نے گھربٹایا پھر دسترخوان سجایا، پھر ایک بلانے والے کو بھیجا پس جس نے اس بلانے والے کو لبیک کہا اور گھر میں داخل ہو گیا اور دسترخوان سے کھلیا اس سے سردار راضی ہو گیا اور جس شخص نے اس داعی کو لبیک نہیں کہا، گھر میں داخل نہیں ہوا اور دسترخوان سے نہیں کھلیا اس سے سردار راضی نہیں ہوا، پس اللہ سردار ہے اور گھر اسلام ہے

اور دسترخوانِ جنت ہے اور داعی (بلائے والے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۹۷، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۵۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں جانب دو فرشتے خدا کر رہے ہوتے ہیں: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ! بے شک جو چیز تھوڑی اور کلفت ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کرنے والی ہو اور اس خدا کو جن اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے، اور اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ آیت نازل فرمائی: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۴۱۷۸، جامع البیان رقم الحدیث: ۳۶۵۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۵)

شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۳۳۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جبرئیل میرے سر کی جانب ہیں اور میکائیل میرے پیروں کی جانب ہیں، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کی کوئی مثل بیان کر، پس اس نے (مجھ سے) کہا تمہارے کفن سنتے رہیں اور تمہارا دل سمجھتا رہے، تمہاری اور تمہاری امت کی مثل اس طرح ہے جیسے ایک بادشاہ نے ایک حویلی بنائی ہو، اور اس حویلی میں ایک گھر بنایا ہو، پھر اس میں ایک دسترخوان سجایا ہو، پھر ایک داعی بھیجا ہو جو لوگوں کو اس دسترخوان کی طرف دعوت دے، پس بعض لوگوں نے اس داعی کی دعوت قبول کی، اور بعض نے اس کی دعوت کو ترک کر دیا، پس اللہ وہ بادشاہ ہے، اور وہ حویلی اسلام ہے، اور وہ گھر جنت ہے اور آپ اے محمد! وہ داعی ہیں، جس شخص نے آپ کی دعوت قبول کی وہ اسلام میں داخل ہو گیا اور جو اسلام میں داخل ہو گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو جنت میں داخل ہو گیا، اس نے اس جنت کی نعمتوں سے کھایا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۸، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۵۳، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۱۳۷۰)

جنت کو دارالسلام کہنے کی وجوہات

جنت کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جنت کے سات نام ہیں اور ان میں سے ایک نام دارالسلام ہے، وہ سات نام یہ ہیں: (۱) دارالسلام، (۲) دارالجلال، (۳) جنت عدن، (۴) جنت الملوئی، (۵) جنت الخلد، (۶) جنت الفردوس، (۷) جنت النعیم۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنتی ایک دوسرے کو دعا دیتے ہوئے کہیں گے سلام (تحینہ فیہا سلم، ابراہیم: ۲۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اہل جنت ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامت اور محفوظ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس کے علاوہ زائد اجر ہے، اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ زلت، وہی جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یونس: ۲۶)

محشر میں مومنین کی عزت اور سرفرازی

نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احکام فرض اور واجب مقرر کیے ہیں ان کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور سنن اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں، اور جن کاموں کو حرام اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے ان سے دائماً بچتے رہتے ہیں اور مکروہات اور خلاف اولیٰ کاموں سے بھی بچتے رہتے ہیں اور اگر کوئی فرد گزاشت ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور حسنی (اچھی جزاء) سے مراد جنت ہے۔

اور زیادہ (زائد اجر) سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو زائد اجر عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
لِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (قاطر: ۳۰) انہیں اور زیادہ دے۔ تاکہ اللہ انہیں ان کا پورا اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل سے

اور دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ اجر سے مراد ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطا فرماتا ہے اور بعض اوقات سات سو گنا اجر عطا فرماتا ہے اور کبھی اس کو بھی دگنا کر دیتا ہے اور کبھی بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضا زائد اجر ہے اور چوتھا قول یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیا میں بے حساب نعمتیں عطا فرماتا ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار کرنا ہے:

حضرت سید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے للہدیس احسنو احسنو اور زیادہ (یونس: ۲۶) کی تفسیر میں فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے، تو ایک منادی ندا کرے گا تمہارے لیے اللہ کے پاس ایک وعدہ ہے، اہل جنت کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا، کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی، کیا اس نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ فرشتے کہیں گے: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر حجاب کھول دیا جائے گا، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ نے اپنی طرف دیکھنے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی محبوب چیز ان کو نہیں دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۸۳ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۶۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:

۱۷۴۳۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲)

اللہ تعالیٰ کا دیدار

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب کو دیکھیں گے، اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور قرآن مجید اور احادیث مجیدہ سے آخرت میں مومنین کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہے، اس پر امت کے تمام متقدمین کا اجماع ہے اور دس سے زیادہ صحابہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ معتزلہ، خوارج اور بعض مرجیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی عقلاً نفی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والا دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہونا چاہیے اور دیکھنے والے کی بصری شعاعیں اس سے متصل ہونی چاہئیں اور اہل حق کہتے ہیں کہ یہ شرائط ممکنات کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان شرائط سے بری ہے، آخر وہ دیکھتا بھی تو ہے اور جب وہ بغیر سمت اور جانب کے دیکھتا ہے تو اس کے دکھائی دینے سے کیا چیز مانع ہے۔ (اکمل المعظم بہ فوائد مسلم ج ۱ ص ۵۴۱، ۵۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے حجاب سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں ہے پھر حجاب کھول دیا جائے گا اس حجاب سے مراد نور کا حجاب ہے کیونکہ حدیث میں ہے اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار مٹتے بغیر تک تمام مخلوق کو جلا ڈالیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸۵ مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۶) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب دنیا کے معروف حجاب کی طرح نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی عزت اور جلال کے انوار کی وجہ سے مخلوق سے محجوب ہے اور اس کی عظمت اور کبریا کی شعاعیں ہی وہ حجاب ہیں جن کے سامنے عقلیں مدہوش ہو جاتی ہیں اور نظریں مبسوت ہو جاتی ہیں اور بعیرتیں حیران ہو جاتی ہیں، اگر وہ حقائق صفات اور عظمت ذات کے ساتھ تجلی فرمائے تو ہر چیز خاکستر ہو جائے گی۔

ہاں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

بِالسَّوِصِيِّ وَالْأَقْدَامِ۔ (الحزن: ۴۱)

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اس کے سر اور سر کو اکٹھا کر کے رسی سے باندھ دیا جائے گا۔

(الہدور السافرة رقم الحدیث: ۱۳۲۸)

ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا: اس کی پیشانی اور اس کے پیروں کو پکڑ کر اس کی پشت کے پیچھے سے زنجیر کے ساتھ باندھ

دیا جائے گا۔ (الہدور السافرة رقم الحدیث: ۱۳۲۹)

(۳) ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے، ہاں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے حضور شفاعت کی اجازت دے گا اس کی شفاعت سے گنہگار عذاب سے نجات پائیں گے اور سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے، ان کی عذاب سے نجات ہوگی یا عذاب میں تخفیف ہوگی اور بعض کفار مثلاً ابوطالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کی وجہ سے ابولسب کے عذاب میں بھی تخفیف ہوگی اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ فائدہ پہنچایا وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ بہ مقدار نگوں کے آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۳۸۸۴، ۳۸۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۹)

عروہ نے کہا: ثویبہ ابولسب کی باندی تھی، ابولسب نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولسب مر گیا تو اس کے بعض اہل نے اس کو برے حال میں (خواب میں) دیکھا، اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ ابولسب نے کہا تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی البتہ ثویبہ کو میرے آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس (انگلی) سے پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۹۵۵)

محدث رزین کی روایت میں ہے کہ ابولسب کو خواب میں حضرت عباس نے اسلام لانے کے بعد دیکھا تھا، اس کی بری حالت تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا تمہارے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی البتہ ہر پیر کی رات کو اس (یعنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی) سے پلایا جاتا ہے، کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

(جمع الفوائد رقم الحدیث: ۳۱۹۸، مطبوعہ دار ابن حزم کویت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت عباس نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ابولسب کو خواب میں دیکھا تھا اور کفار کے عذاب میں بطریق عدل تخفیف نہیں ہوتی لیکن چونکہ ابولسب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیکی کی تھی اس لیے بطریق فضل اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۶-۱۳۵، مطبوعہ مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۹ھ)

(۳) گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے، اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں کفار کا حال مسلمانوں کے برعکس ہوگا کیونکہ اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے:

بِئْسَ مَا يَكُونُ لِمَنْ يَكْفُرُ ۖ يَكُونُ لَمْ يَكْفُرْ ۖ يَكُونُ لَمْ يَكْفُرْ ۖ

وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ مُّسَوِّدَةٌ ۖ صَاحِبُكُمْ

ہوئے ٹلاواں و فرماں اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود

مُسْتَبْشِرَةٌ ۖ وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيَّهَا غَبَرَةٌ ۖ

ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی ۖ یہی لوگ ہیں جو کافر

تَرَهَّقُهَا قَتَرُهُ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُ ۖ

الْفَجْرَةِ (میس: ۳۲-۳۸)

بدکار ہیں

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيَاتِنَا كُفَّكُمْ-

الابہ: (آل عمران: ۱۰۶)

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ سَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ (المر: ۶۰)

جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے، وہ چہرے جو سیاہ ہوں گے (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ دیکھیں گے قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تم اور تمہارے شریک سب اپنی اپنی جگہ ٹھہریں، پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کئی گواہ ہے کہ بے شک ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ○ (یونس: ۲۸-۲۹) قیامت کے دن شرکاء کی مشرکین سے بیزاری اور شرکاء کا مصداق

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کو جمع فرمائے گا اور اس دن وہ معبود اپنے عابدوں سے براءت کا اظہار کریں گے اور اس دن یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان مشرکوں نے ان معبودوں کے علم، ارادہ اور ان کی رضا اور رغبت سے ان کی عبادت نہیں کی، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ ظاہر فرمائے گا کہ قیامت کے دن ان کے خود ساختہ معبود اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

رَدَّ سِتْرَ الْكَافِرِينَ تَتَّبِعُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

جن لوگوں کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، جب وہ ان لوگوں

(البقرہ: ۲۵۶)

سے بیزار ہوں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

اس آیت میں شرکاء سے مراد کون ہیں، اس میں تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ يٰمَعْشَرُكُمْ أَهْلَ الْكِتَابِ إِنَّا كُنَّا بَعُودُونَ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَرَبُّكَ مِنَ الْمُتَكَبِّرِينَ كُنَّا بَعُودُونَ الْحَقُّ أَكْثَرُُهُمْ بِهِمْ مَلَكُوتُهُمْ (سہ: ۴۱-۴۰)

اور جس دن وہ ان سب کو جمع فرمائے گا اور فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے ○ وہ عرض کریں گے تو (شرکاء سے) اچک ہے، ان کے بغیر تو ہمارا مالک ہے، بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ہی ایمان رکھتے تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان شرکاء سے مراد فرشتے نہیں ہیں کیونکہ اس آیت میں جو خطاب ہے وہ تمہید اور وعید پر مشتمل ہے اور وہ ملائکہ مقربین کے مناسب نہیں ہے اور اس آیت میں شرکاء سے مراد بت ہیں، اب رہا یہ سوال کہ وہ بت کیسے کلام کریں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں حیات، عقل اور نطق پیدا کر دے گا یا ان میں صرف نطق پیدا کر دے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شرکاء سے مراد ہر وہ ذات ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی گئی، خواہ وہ بت ہوں، سورج ہو، چاند ہو، انسان ہو، جن ہو یا فرشتہ ہو۔

شرکاء کے کلام پر کذب کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے وہ یہ کہیں گے ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے“ حالانکہ فی الواقع ان مشرکین نے ان کی عبادت تو کی تھی تو پھر ان کا یہ کلام خلاف واقع اور جھوٹ ہوا۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) میدان محشر میں سب حیرت اور دہشت میں مبتلا ہوں گے سو یہ کلام ان سے دہشت کی صورت میں صادر ہو گا جیسے مجنون اگر کوئی بات خلاف واقع کے تو اس پر کذب کا علم نہیں لگایا جائے گا۔

(۲) ان کے نزدیک کفار کے اقوال اور افعال ساقط الاعتبار تھے، وہ ان کو لائق شمار نہیں سمجھتے تھے، سو ہر چند کہ مشرکین نے ان کی عبادت کی تھی لیکن ان کے نزدیک کفار کا یہ فعل کسی گنتی اور شمار میں نہیں تھا۔

(۳) کفار نے اپنے اہل ایمان اور تحفیلات میں ان معبودوں کے لیے ایسی صفات فرض کی ہوئی تھیں جو درحقیقت ان معبودوں کو حاصل نہیں تھیں مثلاً یہ کہ وہ نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہیں اور اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، تو گویا مشرکین ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان چیزوں کی عبادت کرتے تھے جو ان فرضی چیزوں کے ساتھ موصوف تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس وقت ہر شخص اپنے پیچھے ہوئے اعمال (کے نتیجہ) میں مبتلا ہو گا وہ سب اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور وہ جو کچھ بہتان باندھتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے (ہونس: ۳۰) اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے نتیجہ کی پیروی کرے گا اگر اس کے نیک اعمال تھے تو وہ جنت کی طرف جائے گا اور اگر اس کے برے اعمال تھے تو دوزخ کی طرف جائے گا اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس کے مطابق اپنی جزایا سزا کو جان لے گا۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ہر وہ قوم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پرستش کرتی تھی ان کے لیے ان کے معبودوں کو متمثل کر دیا جائے گا، وہ ان کے پیچھے جائیں گے حتیٰ کہ وہ ان کو دوزخ میں داخل کر دیں گے۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اور تمام مشرکین اس دن اللہ عزوجل کی طرف رجوع کریں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور دنیا میں وہ اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے ان کا جھوٹ اور بطلان ان پر منکشف ہو جائے گا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمَاءَ وَ

آپ! ان سے کہیے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کون اور آنکھوں کا

الْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ

کون مالک ہے؟ اور مردے سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردے کو کون

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

نکالت ہے؟ اور نظام کائنات کو کون چلاتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ! پھر آپ کہیں

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ قَدْ لَكُمْ اللَّهُ رَٰبِكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ

کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں! ○ یہی اللہ ہے جو تمہارا برحق رب ہے، تو حق کو بھڑک کر گمراہی کے سوا

إِلَّا الضَّلَالُ فَإِنِّي تُصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

اللہ کیا ہے! سو تم کہاں پھرائے جا رہے ہو! ○ لہذا یہ اسی طرح آپ کے رب کے

رَٰبِكَ عَلَى الدِّينِ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ

دلائل قائم ہو چکے ہیں، وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے ○ آپ کہیے کہ

مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَّبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلْ اللَّهُ

تمہارے (خود ساختہ) شرکاؤں میں سے کوئی ہے جو مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کرے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کرے؟ آپ

يَّبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَإِنِّي تَوَفَّكُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ

کہیے کہ اللہ ہی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا! سو تم کہاں اندھے پھر رہے ہو ○ آپ کہیے کہ تمہارے

شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلْ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ

(خود ساختہ) شرکاؤں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دے سکے؟ آپ کہیے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے،

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي

تو کیا جو حق کی ہدایت دے وہ فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو بغیر ہدایت دے خود

إِلَّا أَنْ يَهْدِيٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ

یہی ہدایت نہ پاسکے، تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کہیے فیصلے کر رہے ہو! ○ ان میں سے اکثر لوگ صرف

إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

گمان کی پیروی کرتے ہیں، بے شک گمان بھی یقین سے مستغنی نہیں کرتا، بے شک اللہ خوب جانتے والا ہے

بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ

جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ اور قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑا جاسکے

اللَّهُ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا

لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے، اور کتاب کی تفصیل ہے اور

رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۳۷ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی جانب سے ہے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس کتاب کو خود گمراہی سے؟ آپ

بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ

کہیے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک صحت رنکار لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو (میں) بلا دو اگر

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا

تم سچے ہو ○ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا، اور ابھی

يَأْتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

تک اس کے جھٹلانے کا انجام نہیں آیا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝۳۹ وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَ

ظالموں کا کیسا انجام ہوا ○ اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور

مِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ۝۴۰

ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہئے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کون اور آنکھوں کا

کون مالک ہے؟ اور مردے سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردے کو کون نکالتا ہے؟ اور نظام کائنات کو کون چلاتا ہے؟

تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، پھر آپ کہیں کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں! ○ میں اللہ ہے جو تمہارا رب حق رب ہے، تو حق کو

چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے! سو تم کہیں پھر اے جارہے ہو! ○ فاستوں پر اسی طرح آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے

ہیں، وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے ○ (یونس: ۳۳-۳۱)

توحید کے اثبات پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کے مذہب کا بطلان

اور اسلام کی حقانیت کو واضح فرما رہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق، حواس اور موت اور حیات کے احوال سے استدلال

فرمایا ہے۔

رزق سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نشوونما خدا سے ہوتی ہے اور غذا سبزیوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے یا گوشت سے اور گوشت کا مال بھی نباتات ہیں کیونکہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی غذا بھی زمین کی پیداوار ہے اور زمین کی پیداوار آسمان سے برسنے والے پانی اور زمین کی روئیدگی پر موقوف ہے اور زمین اور آسمان کے نظام کو چلانے والا صرف اللہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے اور حواس میں سب سے اشرف کان اور آنکھیں ہیں کیونکہ یہی علم اور ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں اور حضرت علی نے فرمایا: سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی سے دکھایا اور ہڈی سے سنایا اور گوشت کے ایک پارچہ کو گویائی بخشی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے جس طرح اس نے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے نکال جو بظاہر بے جان ہیں یا جس طرح اس نے مومن کو کافر سے پیدا کیا اور اس نے فرمایا وہ زندہ سے مردے کو نکالتا ہے جس طرح اس نے نطفہ اور انڈے کو انسان اور پرندے سے نکالایا جس طرح اس نے کافر کو مومن سے پیدا فرمایا۔

اور اسے مشرکوں! جب تمہیں یہ اعتراف اور اقرار ہے کہ زمین اور آسمان سے رزق دینے والا اور انسان کو حواس دینے والا اور موت اور حیات کو پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کائنات کو چلانے والا صرف اللہ ہے تو پھر تم اللہ کے لیے شریک کیوں بناتے ہو اور شریک بنانے پر اللہ کی گرفت اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے!

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی اللہ ہے جو تمہارا برحق رب ہے یعنی جس کی ایسی عظیم الشان قدرت ہے جس سے اس نے اس ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جس کی ایسی وسیع رحمت ہے جس سے وہ اس ساری مخلوق کی پرورش کر رہا ہے یہی تو درحقیقت تمہارا رب ہے تم اس کو چھوڑ کر کہل مارے مارے پھر رہے ہو ان گنت دروازوں پر گدا کرنے کی کیا ضرورت ہے اسی ایک در کے ہو رہو۔

پھر فرمایا: فاسقوں پر اسی طرح آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے ہیں وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔
اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو مومن ہو اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو لیکن اس آیت میں فاسقین سے مراد ایسے کافر ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے کفر پر قائم تھے اور معجزات اور دلائل پیش کیے جانے کے باوجود اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید سے توبہ نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے کفر اور عناد سے اس حد پر پہنچ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو حکم تھا کہ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کا ایمان لانا محال ہے حالانکہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محال کا مکلف کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ایمان لانے کے مکلف ہیں اس کی مفصل تفسیر البقرہ ۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تمہارے (خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کر سکے؟ پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کر سکے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا سو تم کہل مارے پھر رہے ہو؟ آپ کہئے کہ تمہارے (خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دے سکے؟ آپ کہئے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے تو کیا جو حق کی ہدایت دے وہ فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو بغیر ہدایت دینے خود ہی ہدایت نہ پاسکے، تمہیں کیا ہوا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی

کرتے ہیں، بے شک گمان بھی یقین سے مستغنی نہیں کرتا بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○
(یونس: ۳۳-۳۶)

شرک کا بطلان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات پر دلائل قائم کیے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دلائل قائم فرما رہا ہے کہ جو ذات ابتدائے مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔
ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: اے محمد! ان مشرکین سے کہئے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو کیا وہ بغیر مادے کے کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں اور یہ کہنے کے بعد کیا اس کو فنا کر سکتے ہیں اور پھر دوبارہ اس کو اسی شکل و صورت پر پیدا کر سکتے ہیں اور کیا ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے اور اس میں یہ واضح اور قطعی دلیل ہے کہ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بت اللہ کے سوا رب ہیں اور یہ استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اے محمد! ان مشرکین سے یہ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو کیا یہ کسی ایسے شخص کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں جو سیدھا راستہ گم کر چکا ہو، یہ خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے خود ساختہ معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ دکھا سکتے ہیں کیونکہ بالفرض اگر یہ ایسا دعویٰ کریں بھی تو مشاہدہ اور واقعہ ان کی تکذیب کر دے گا، اور جب یہ اقرار کر لیں کہ ان کے اختراعی معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ نہیں دکھا سکتے تو پھر ان سے کہئے کہ اللہ تو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے، تو جو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہی جائے یا وہ جو بغیر ہدایت دیئے خود بھی ہدایت نہ پاسکے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جو حق کی ہدایت دیتا ہے وہ اس کی بہ نسبت اطاعت اور فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے جو بغیر کسی کی ہدایت دینے کے از خود ہدایت نہ پاسکتا ہو لہذا تم ان بتوں کی عبادت کو ترک کر کے اس کی اطاعت اور عبادت کرو جو فطری اور سمندر و روں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے اور اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کرو نہ کہ ان بتوں کی جن کو تم نے بغیر کسی دلیل کے اللہ کا شریک بنایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان مشرکین میں سے اکثر صرف ظن اور تخمین کی پیروی کرتے اور انکل پچو سے بتوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں اور اس کی صحت اور واقعیت کے متعلق ان کو خود شکوک اور شبہات لاحق رہتے ہیں اور ظن بھی یقین سے مستغنی نہیں کر سکتا۔

قیاس اور خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے اور قیاس اور خبر واحد بھی ظنی ہیں لہذا قیاس اور خبر واحد بھی حجت نہ رہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً ظنی دلیل کی اتباع سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس ظنی دلیل کی اتباع سے منع کیا گیا ہے جو ظن یقین اور قطعیت کے خلاف اور اس کے معارض ہو جیسے مشرکین کا اپنے بتوں کی پرستش کرنا محض اپنے ظن کی بناء پر تھا اور ان کا یہ ظن ان دلائل بدیہہ اور براہین قطعیہ کے خلاف تھا جو شرک کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں، سو قیاس اور خبر واحد درجہ ظن میں حجت ہوتے ہیں اور اس سے مراد وہی قیاس ہے جو کسی دلیل قطعی کے خلاف نہ ہو، جیسے ابلیس نے قیاس کر کے خود کو حضرت آدم سے افضل کہا تھا سو یہ قیاس دلیل قطعی کے خلاف تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ سب آدم کو سجدہ کریں، اسی طرح جو خبر واحد قرآن مجید یا کسی خبر متواتر کے خلاف ہو وہ بھی حجت

نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے، اور الکتاب کی تفصیل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی جانب سے ہے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہتے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو (بھی) بلا لو اگر تم سچ ہو ○ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا اور ابھی تک اس کے جھٹکانے کا انجام نہیں آیا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھ لو خالموں کا کیسا انجام ہوا ○ اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○ (یونس: ۳۴-۳۵)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور شرک کا بطلان ظاہر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں اور آپ کی نبوت پر جو ان کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ اس قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود تصنیف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا اس طرح ازالہ فرمایا کہ یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے، لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے، اور اس کی حسب ذیل غاریر ہیں:

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ای شخص تھے، آپ نے حصول تعلیم کے لیے کسی شہر کا سفر نہیں کیا تھا اور مکہ علماء کا شہر نہیں تھا اور نہ اس میں علم کی کتابیں تھیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن پیش کیا جس میں پہلی امتوں اور ان کے نبیوں کی خبریں ہیں، لوگ آپ کے شدید دشمن تھے، اگر قرآن مجید کی دی ہوئی خبریں تورات اور انجیل کے موافق نہ ہوتیں تو وہ قرآن مجید پر زبردست اعتراض کرتے اور کہتے کہ آپ نے گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ سابقہ آسمانی کتابوں کے مطابق نہیں ہیں اور جب کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ قرآن کریم کے بہت بڑے مخالف تھے اور اس کو باطل ثابت کرنے کے درپے تھے تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی دی ہوئی خبریں تورات اور انجیل کے مطابق ہیں جب کہ آپ نے تورات اور انجیل کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ ان کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی کی شاگردی اختیار کی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات کی جو خبریں دی تھیں وہ اللہ عزوجل کی وحی سے دی تھیں لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ کا بتایا ہوا نہیں ہے۔

تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری

(۲) سابقہ کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی گئی تھی، آپ کی شریعت اور آپ کے اصحاب کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا تھا تورات میں ہے:

اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قد سیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس، اشعیا، باب: ۴۳، آیت: ۲، ص ۱۹۲، مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، لندن، ۱۹۲۷ء)

اور تورات کے عربی ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی ہے:

اتنی من رومات القدس۔

دس ہزار قدسیوں سے آیا۔

(مطبوعہ دارالکتاب المقدس فی العالم العربی، ص ۳۳۳، ۱۹۸۰ء)

تورات کی یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح منطبق ہوتی ہے کہ آپ دس ہزار اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ شریف لے گئے تھے، یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ آیت آپ کی نبوت پر دلیل ہے تو انہوں نے اس آیت کو بدل دیا چنانچہ تورات کے موجودہ ایڈیشنوں میں انہوں نے دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔

قرآن مجید کی پیش گوئیاں جو مستقبل میں پوری ہوئیں

(۳) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں بہت سی ایسی غیب کی خبریں دیں جو مستقبل میں پوری ہونے والی تھیں اور پھر آپ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق ایسا ہی ہو گیا اور آپ کی پیش گوئیوں کا ملاق ہونا آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہے، اس نوع کی چند آیتیں حسب ذیل ہیں:

الْمِمْ غُوسِبَتِ الرُّومِ ۝ وَبِئْسَ الْأَرْضِ ۝ وَهُمْ قَدْ تَبَعُوا عَصِيَّةَ سَقِيطُونَ ۝ وَبِئْسَ صَاحِبُ الْمِمْ غُوسِبَتِ الرُّومِ ۝ (الروم: ۱-۳)

ہلف، لام، میم، اہل روم (اہل فارس سے) قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے، اور وہ چند سالوں میں اپنے مغلوب ہونے کے بعد غالب ہو جائیں گے۔

اس زمانہ کی دو بڑی سلطنتیں فارس (ایران) اور روم میں عرصہ دراز سے کشاکش اور جنگ چلی آرہی تھی، مکہ والوں میں بھی ان کی جنگ کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اہل فارس بجوسی اور آتش پرست تھے، اور اہل روم نصاریٰ اور اہل کتاب تھے۔ مشرکین مکہ بہت پرست ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر اہل فارس کے قریب تھے اور مسلمان ذہنی طور پر اہل روم کے زیادہ قریب تھے۔ ایرانیوں کی فتح کی خبر سے مشرکین خوش ہوتے تھے اور رومیوں کی فتح کی خبر سے مسلمان خوش ہوتے تھے۔ اعلان نبوت کے پانچ سال بعد ایرانیوں نے رومیوں کو ایک ملک اور فیصلہ کن شکست دی اور بہت سے علاقے روم کے قبضہ سے نکل گئے حتیٰ کہ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے مقدس صلیب بھی ایرانی لے گئے۔ اس خبر سے مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمان مغموم ہوئے، اس وقت قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور قرآن کریم نے ایرانیوں کے خلاف رومیوں کی فتح کی پیش گوئی کی جب کہ عام اسباب ظاہری ایرانیوں کے حق میں اور رومیوں کے خلاف تھے اور پھر چھ سال کے بعد یہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ قرآن مجید کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیش گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳، مطبوعہ)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْبَرَاءَ بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ۖ فَيُخْرِجَكُنَّ مِنْهُ أَوْ يُقَاتِلَكُمْ فِيهِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْكُمْ فَيَمْوِتْ أَوْ يُسَلِّمْ فَهُوَ كَافِرٌ ۚ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ سچا کر دکھایا کہ (اے مسلمانو!) تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اس حال میں کہ تم بے خوف ہو گے، سروں کے بل منڈاتے ہوئے اور کھڑکھڑاتے ہوئے بغیر کسی ڈر کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کترا کر حلال ہو رہے ہیں، اتفاق سے آپ نے اسی سال عمرو کا قصد کر لیا۔ صحابہ نے عموماً یہ سمجھ لیا کہ ہم اسی سال مکہ پہنچیں گے اور عمرو ادا کریں گے۔ مشرکین نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور بلاخران سے اس شرط پر صلح ہو گئی کہ

اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کر لیں۔ حضرت عمر کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ہم اس سال عمرہ کریں گے، تم ان شاء اللہ امن کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ کرو گے سوائے سال ایسا ہی ہوا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الْيُونُسَ مِن قَبْلِهِ وَلِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الَّتِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الَّتِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الَّتِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (سورہ: ۵۵)

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور واضح کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اس کے بعد ان کے خوف کو ضرور امن سے بدل دے گا۔

نیک مسلمانوں کے حق میں قرآن مجید کی یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کو حکومت عطا فرمائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زمین کے مشارق اور مغارب سے خراج اکٹھا کر کے عینہ منورہ لایا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا صدق ظاہر ہو گیا: بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور جتنی زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی۔ (ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶)

فرعون کے متعلق فرمایا:

قَالِ يَوْمَ تَوَدُّكَ بَسْبَرُكَ لِيَكُونَ لِيَمَنُ خَلْقَكَ آيَةً (یوسف: ۴۳)

پس ہم آج تمہارے بدن کو نجات دے رہے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانی بن جائے۔

صدیاں گزر گئیں اور قرآن مجید کی یہ پیش گوئی آج تک صادق ہے اور فرعون کا جسم اسی طرح محفوظ ہے۔

قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ الکتاب کی تفصیل ہے، قرآن مجید بنیادی طور پر ہدایت کی کتاب ہے، اس میں عقائد اور شرائع کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا عقیدہ ہے اور اس کے واحد ہونے کا عقیدہ اور اس کی صفات کا عقیدہ ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی حیات، علم، قدرت، کلام، صبح، بصر، ارادہ اور حکم کی صفات ہیں۔ قرآن مجید میں ان تمام صفات اور ان کے دلائل کا ذکر ہے، اسی طرح فرشتوں کے متعلق عقائد کا ذکر ہے، اور نبیوں اور رسولوں کا تفصیل سے ذکر ہے، اور یہ کہ اللہ کے حکم سے فرشتے نبیوں پر وحی نازل کرتے ہیں، قیامت کا حشر و نشر کا حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، اور شرائع میں عبادت کے تمام طریقوں کا بیان ہے اور اخلاق اور آداب سے متعلق احکام کا بھی ذکر ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی احادیث کے حجت ہونے سے متعلق بھی آیات ہیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور اجمال اور قیاس کے حجت ہونے کے دلائل بھی قرآن مجید میں ہیں، گویا تمام عقائد اور شرائع کی اصل اور اساس قرآن مجید میں ہے اور ان میں سے بعض قرآن مجید میں تفصیل مذکور ہیں اور بعض اجمالاً مذکور ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جزی، جزی حکم کی تفصیل قرآن مجید میں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمام جزئیات کے اصول اور قواعد اور ان کے دلائل کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تمام دنیا کے علوم قرآن مجید میں ہیں، قرآن مجید اصلاً ہدایت کی کتاب ہے، فلغہ اور سائنس اور تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے، اس کتاب

کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے نازل فرمایا اور اس کی تشریح اور تعبیر کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے، آپ نے اس کی آیات کی تعلیم دی ہے اور ان کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور قرآن مجید کے احکام کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے اور ان تمام چیزوں کا خلاصہ اللہ، اس کے نبی، فرشتوں، کتابوں، تقدیر، قیامت، حشر اور جزا اور سزا پر ایمان لانا ہے، نیک اعمال کرنا اور برے اعمال سے اجتناب کرنا ہے تاکہ انسان کی عاقبت اچھی ہو جائے اور قرآن مجید میں صرف ان ہی چیزوں کی تفصیل ہے اور اس سے یہ مراد لینا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم عقلیہ اور تقلید اور تمام حوادث اور کوائف کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ کہتے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ۔ الایہ: اس کی مفصل تفسیر البقرہ: ۲۳ میں گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا: بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا، اور ابھی تک اس کو جھٹلانے کا انجام سامنے نہیں آیا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھ لو ظالموں کا کیا انجام ہوا ○ یعنی ان لوگوں نے قرآن مجید کی تکذیب کی نہ اس کو سمجھنا نہ جاننا اور اس قرآن میں عقائد اور شرائع کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اور دین حق کی جو رہنمائی کی گئی ہے نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی، اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی تکذیب کا نتیجہ ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا۔ امام ابن جریر نے فرمایا: اس قرآن میں ان کی تکذیب پر جو وعید سنائی گئی ہے ابھی تک اس کا مصداق ان کے پاس نہیں پہنچا اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح ان لوگوں نے اللہ کی وعید کی تکذیب کی ہے اس طرح ان سے پہلے امتوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی وعید کی تکذیب کی تھی اور اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ان پر ایمان نہیں لائے تھے، پس آپ غور کیجئے کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ کیا ہم نے بعض کافروں کو زلزلہ سے ہلاک نہیں کر دیا اور بعض کو زمین میں دھنسا نہیں دیا اور بعض کو فرق نہیں کر دیا، کیا یہ لوگ پہلے کافروں کا انجام دیکھ کر ہمت نہیں پکڑتے اور شرک اور کفر سے توبہ نہیں کرتے؟

اس کے بعد فرمایا: اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ امام ابن جریر نے فرمایا: یعنی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش میں سے بعض وہ ہیں جو اس قرآن پر عنقریب ایمان لے آئیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس قرآن پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور کبھی اس کا اقرار نہیں کریں گے، اور آپ کا رب ان مکذبین کو خوب جاننے والا ہے اور ان کو عنقریب اس کے عذاب کا سامنا ہو گا۔

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کیسے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم ان کاموں سے بری الذمہ ہو

مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٣١﴾ وَفِيهِمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ

جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو ○ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان

إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٣٢﴾ وَفِيهِمْ

لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں ○ اور ان میں سے

مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ ﴿٣٢﴾

بعض آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں ○

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ

بے شک اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم

يُظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَانُكُمْ يُكَلِّمُونَ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ

کرتے ہیں ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ دنیا میں (دن کی

النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ

صورت ایک گمراہی سمجھ رہے ہیں وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے مانگنے

اللَّهُ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّمَا تَرِيَّتْكَ بَعْضَ الَّذِي

کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ○ اور اگر ہم آپ کو اس مذاب کا بعض حصہ دکھادیں جس

نَعَدُهُمْ أَوْ تَتَوَفَّيْتِكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى

سے ہم نے ان کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دی تو ان کو تو (ہر حال) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ ان کے

مَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٥﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ

افعال پر گواہ ہے ○ اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہے تو جب ان کا رسول آ جائے گا تو ان

فُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى

کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ

هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٧﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي

کب (پورا ہو گا) اگر تم سچے ہو ○ آپ کہیں میں اپنی جان کے لیے نہ کسی ضرر کا

ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ

مالک ہوں نہ نفع کا مگر اس کا جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا

فَلَا يَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ أَسْأَلُكُمْ

تو وہ نہ ایک گھڑی موخر ہو سکیں گے اور نہ (ایک گھڑی) مقدم ہو سکیں گے ○ آپ کہیے کہ بھلا بتاؤ تو یہی

إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَآتًا أَوْ نَهَارًا مَّا ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

اگر اس کا عذاب (آپ) کو آجائے یا دن کو تو ہر دم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بھاؤ کے لیے)

الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۲﴾ أَتُمْرَأًا مَّا وَقَعَ امْتُرْ بِهِ الْاُنْ وَقَدْ كُنْتُمْ

کریں گے ○ کیا پھر جب یہ عذاب آجائے گا تو پھر تم اس کا یقین کرو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب (تم نے)

بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ

بے شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھے ○ پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو

الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۴﴾ وَيَسْتَبِشِرُونَكَ

تھیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○ اور وہ آپ سے مسخرہ کرتے ہیں کیا

أَحَقُّ هُوَ قُلْ اِيَّيَّيْ وَرَبِّي اِنَّهُ لَحَقُّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۵﴾

واقعی وہ عذاب برحق ہے! آپ کہیے کہ ہاں! میرے رب کی قسم وہ عذاب برحق ہے اور تم میرے رب کی عاجز نہ ہو سکتے ہو

اللَّهُ تَعَالَىٰ كَلَّامٌ شَلَوٌ: اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا

عمل ہے، تم ان کاموں سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو ○ (یونس: ۳۱)

ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے

یعنی میں نے جو دین اسلام کی تبلیغ کی ہے اور تم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے اور اس کی عبادت اور اطاعت کرنے کی

دعوت دی ہے مجھے اس کا ثواب ملے گا اور تم کو تمہارے شرک کرنے کی سزا ملے گی اور کسی شخص سے دوسرے شخص کے

اعمال کا مواخذہ نہیں ہو گا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے:

أَمْ يَسْأَلُونَ أَفْتَرًا قُلْ اِلَّا افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّْ

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو از خود گھڑ لیا ہے! آپ کہئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے

اِحْرَامِيٍّ وَكَتَابَرْتِي قِيَّتَانِ خَيْرٌ مِّنْ ﴿۳۵﴾ اور میں تمہارے گناہوں سے بری الذمہ ہوں۔

آپ کہئے (اگر بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو تم نے اس

کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور تمہارے کاموں کے متعلق

ہم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا اَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُكُمْ عَمَّا

تَفْعَلُونَ ﴿۳۵﴾

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الانعام: ۲۷۳)
 اور ہر شخص جو برائی کرتا ہے وہ اسی پر ہے، اور کوئی بوجھ
 اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

مقال نے کہا کہ زیر تفسیر آیت، جملہ کی آیات سے منسوخ ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۵) لیکن یہ درست نہیں ہے
 کیونکہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے اعمال کا جواب دہ نہیں ہے اور یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں
 ہے، دراصل اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کی پیغم تبلیغ کے باوجود
 مسلمان نہیں ہوتے تو آپ غم اور فکر نہ کریں، آپ کو اپنی تبلیغ پر ثواب ملے گا اور ان کو اسلام نہ قبول کرنے کی سزا ملے گی،
 کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کلن لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے خواہ وہ
 کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ
 دیکھتے ہوں۔ بے شک اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (یونس: ۳۲-۳۳)
 کفار کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

یونس: ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو قسمیں کی تھیں: بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض آپ پر ایمان نہیں
 لائیں گے اور ان آیتوں میں ایمان نہ لانے والوں کی دو قسمیں کی ہیں: بعض وہ ہیں جو بغض و عداوت کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں
 اور بعض وہ ہیں جو اس طرح نہیں ہیں، جو بغض و عداوت کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں ان کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک وہ
 ہیں جو بہروں کی مانند ہیں کیونکہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے حد سے زیادہ بغض اور عداوت رکھے تو وہ ہر اعتبار سے اس کی
 برائی کا طالب ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اس کی اچھائی سے اعراض کرتا ہے اور ہر شخص کسی کی ہمت سن نہیں سکتا، اسی طرح سے
 یہ مشرکین بھی آپ کے کلام کے محاسن اور فضائل کا ادراک نہیں کرتے گویا کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا ہی نہیں، اور دوسری
 مثال یہ دی کہ یہ اندھوں کی مانند ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کمالات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں یہ ان کا ادراک نہیں کرتے گویا
 کہ یہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں اور جو لوگ بغض اور عداوت میں اس حد کو پہنچ چکے ہوں ان سے یہ توقع کیے کی جاسکتی ہے کہ وہ
 آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی ابتلاء کریں گے، سو اس آیت سے بھی مقصود یہی ہے کہ آپ کو تسلی دی جائے کہ اگر آپ
 کی تبلیغ سے یہ مشرکین اسلام قبول نہیں کرتے تو آپ غم اور فکر نہ کریں، آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے، کی تو ان کے
 کانوں اور ان کی آنکھوں میں ہے، بغض اور عداوت نے ان کو بہرا اور اندھا کر دیا ہے، یہ توجہ سے آپ کی ہمت سنتے نہیں،
 بصیرت سے آپ کو دیکھتے نہیں پھر اگر یہ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے تو اس میں کیا تعجب ہے!

اس کے بعد فرمایا: اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو کفر، شرک اور بدکاریوں پر مجبور نہیں کیا، لوگ خود اپنے اختیار سے برے کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) دن کی صرف
 ایک گھنٹی بھر رہے ہیں، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر
 ہونے کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھادیں جس سے ہم نے ان
 کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو تو (بہر حال) اللہ ہی کی طرف لوٹا ہے، پھر اللہ ان کے افعال پر گواہ ہے۔
 (یونس: ۴۶-۴۷)

قیام دنیا کو کم سمجھنے کی وجوہات

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کفار دنیا میں قیام کو بہت کم خیال کریں گے، اسی طرح ایک اور آیت میں بھی فرمایا ہے:

قُلْ كُمْ لَيْسَتْ مِنِّي الْأَرْضِ عِنْدَ سَيِّئِينَ ۝
فَالْتَوُوا لَيْسًا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ
الْعَاقِبِينَ ۝ (المومنون: ۳۳-۳۴)

اللہ فرمائے گا (معاذ) تم کتنے سال زمین میں ٹھہرے؟ ۝ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے سو پوچھنے والوں سے پوچھ لیجئے۔

وہ دنیا میں قیام کو کم کیوں گمان کرتے تھے، اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) چونکہ کفار نے اپنی عمروں کو دنیا کی طلب اور لذتوں کی حرص میں ضائع کر دیا اور دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کا انہیں آخرت میں نفع ہو تا تو ان کا دنیا میں زندگی گزارنا اور نہ گزارنا دونوں برابر تھے اس لیے انہوں نے دنیا کی زندگی کو کم سمجھا۔

(۲) جب وہ آخرت کے دہشت ناک امور دیکھیں گے تو انہیں دنیا کی گزاری ہوئی زندگی بھول جائے گی۔

(۳) آخرت کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں انہیں دنیا کا قیام کم معلوم ہو گا۔

(۴) محشر کے طویل دن کے مقابلہ میں (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا) انہیں دنیا میں قیام کم معلوم ہو گا۔

(۵) ہر چند کہ انسان کو دنیا میں لذتیں بھی حاصل ہوتی ہیں مگر وہ لذتیں آلام اور مصائب کے ساتھ مقرون ہوتی ہیں اور

آخرت کا عذاب خالص عذاب ہوتا ہے اس لیے دنیا کی لذتیں بہت بھی ہوں تو تھوڑی معلوم ہوں گی۔

اس کے بعد فرمایا: وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا۔ مشرکین جو ایک دوسرے کو پہچانیں گے اس میں ان کے لیے زبرد تو بخ ہے، ایک دوسرے سے کہے گا تو نے مجھے گمراہ کر دیا اور مجھے دوزخ کا مستحق بنا دیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶) جب وہ قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، جیسا کہ دنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، پھر قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک مناظر کو دیکھ کر وہ ایک دوسرے کو شناخت نہیں کر سکیں گے، بعض روایات میں ہے کہ انسان اس شخص کو پہچانتا ہو گا جو اس کے پہلو میں کھڑا ہو گا لیکن خوف اور دہشت کی وجہ سے اس سے بات نہیں کر سکے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھادیں جس سے ہم نے ان کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو تو (بہر حال) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دنیا میں کفار کی ذلت اور رسوائی کی کچھ انواع دکھائے گا اور آپ کے وصال کے بعد ان کو مزید ذلت اور رسوائی میں مبتلا فرمائے گا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی وہ ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوئے جیسا کہ جنگ بدر اور احزاب وغیرہ میں اور آپ کے بعد بھی ذلیل ہوئے جیسا کہ متعدد جنگوں میں ہوا اور قیامت تک رسوا ہوتے رہیں گے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نیک لوگوں کا انجام محمود اور مستحسن ہو گا اور رسوائی بدکاروں کا مقدر ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہے تو جب ان کا رسول آجائے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا ہو گا؟) اگر تم سچے ہو ۝ (یونس: ۳۸-۴۷)

ہر امت کے پاس اس کے رسول آنے کے دو محمل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین مکہ کی مخالفت کا حال بیان فرمایا تھا اب فرما رہا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم کا ایسا ہی معاملہ تھا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہر ایک امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آجائے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اس کے دو محمل ہیں: (۱) تو جب ان کا رسول دنیا میں آجائے گا (۲) تو جب ان کا رسول ان کے پاس میدانِ حشر میں آجائے گا۔

معنی اول مراد ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب دنیا میں ہر قوم کے پاس ایک رسول بھیجا جائے گا تو وہ تبلیغ کر کے اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلائل قائم کر کے ہر قسم کے شک اور شبہ کا ازالہ کر دے گا پھر کفار کے پاس دین حق کی مخالفت کرنے اور اس کی تکذیب کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہے گا اور وہ قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمارے پاس تو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دینے کے لیے کوئی آیا ہی نہیں تھا اور نہ کوئی عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا اس معنی کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَنْتَحِلَ رَسُولًا

(نہ اسرا نکل: ۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں۔

رُسُلًا مُّسْتَبِيرِينَ وَمُسْتَبِيرِينَ لِقَالِهِمْ لَقَدْ كُنَّا يَلْتَمِسُونَ عَلَى الْوَحْيَةِ نَعْتَدُ الرُّسُلَ

(النساء: ۶۵)

(ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے عذر پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔

وَلَوْ أَنَّا هَمَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَوْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِمَّنْ قَبْلَ أَنْ نُولَىٰ وَنَخْشَىٰ - (طہ: ۳۳)

اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اسے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم (عذاب میں) ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔

اور معنی ثانی کی توجیہ یہ ہے کہ جب میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ حساب کے وقت رسولوں کو اور ان کی امتوں کو جمع فرمائے گا تاکہ رسول ان امتوں پر گواہی دیں اور امتوں کو یہ اعتراف کرنا پڑے کہ بے شک ان کے پاس رسول آئے تھے اور یہ ان کی بد اعمالیوں پر من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل ہے جیسا کہ ان کے اعضاء خود ان کی بد اعمالیوں پر گواہی دیں گے اور میدانِ حشر میں ان کے اعمال کا وزن ہو گا اور کرنا کاجین ان کی بد اعمالیوں کے رجسٹر کھولیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ خود ان کے اعمال پر گواہ ہے ان ہی دلائل میں سے ایک دلیل ہے کہ قیامت کے دن ہر رسول اپنی امت پر گواہ ہو گا اور اس معنی کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول) ہم ان تمام پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں

شَهِيدًا عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (البقرہ: ۲۸۳)

پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ جب بھی رسول منکرین نبوت کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور ایک عرصہ تک عذاب نازل نہ ہو تا تو وہ کہتے کہ نزول عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا ان کا منشاء اس سے آخرت کے عذاب کے متعلق پوچھنا نہیں تھا کیونکہ آخرت پر تو ان کو یقین ہی نہ تھا وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب اور آپ کا مذاق اڑانے کے لیے یہ کہتے تھے کہ آپ نے جو کہا ہے کہ اللہ کے دشمنوں پر عذاب نازل ہو گا اور اللہ کے دوستوں کی مدد کی جائے گی آخر آپ کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں دیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے ہیں میں اپنی جان کے لیے نہ کسی ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا مگر اسی کا جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی موخر ہو سکیں گے اور نہ (ایک گھڑی) مقدم ہو سکیں گے ○ آپ کہتے کہ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اس کا عذاب (اچانک) رات کو آ جائے یا دن کو تو مجرم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بچاؤ کے لیے) کریں گے ○ کیا پھر جب یہ عذاب آ جائے گا تو پھر تم اس کا یقین کر دو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب مانا تم نے! بے شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھے ○ پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○ (یونس: ۵۲-۵۴)

اس سوال کا جواب کہ مشرکین پر عذاب جلدی کیوں نہیں آتا

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب کا نازل کرنا اور دوستوں کے لیے مدد کو ظاہر کرنا صرف اللہ عزوجل کی قدرت اور اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ اور وعید کو پورا کرنے کے لیے ایک وقت معین کر دیا ہے اور اس وقت کا تعین اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو وہ وعدہ لا محالہ پورا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہتے ہیں میں اپنی جان کے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں نہ کسی ضرر کا مالک ہوں مگر اسی کا جو اللہ چاہے۔ اس استثناء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا چاہے مجھے مالک اور قادر بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاسم ہیں۔ آپ دنیا اور آخرت کی نعمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ آپ نے دنیا میں لوگوں کو فنی کیا اور آپ کی شفاعت سے مسلمانوں کو جنت ملے گی، جو شخص آپ کا انکار کرے وہ نقصان اٹھائے گا اور دوزخ میں جائے گا اور جو شخص آپ پر ایمان لائے گا وہ نفع پائے گا اور جنت میں جائے گا۔ سو یہ وہ نفع اور ضرر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدرت اور اختیار میں دیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے قادر کیے بغیر آپ کو اپنی جان پر بھی کسی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے کہ اے کافرو! تم مجھ سے یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو کہ میں جلد دوستوں کے لیے مدد ظاہر کروں اور دشمنوں پر عذاب لاؤں کیونکہ یہ چیز صرف اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کے چاہے بغیر تو مجھے اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے۔

نزول عذاب کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہتے ہیں کہ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اس کا عذاب اچانک رات کو آ جائے یا دن کو تو مجرم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بچاؤ کے لیے) کریں گے ○ یعنی آپ ان مشرکین سے کہتے ہیں کہ اگر رات یا دن کے کسی وقت میں تمہارے پاس عذاب آ جائے اور قیامت قائم ہو جائے تو کیا تم قیامت کو اپنے اوپر سے دور کرنے پر قادر ہو، اور اگر تمہارے مطالبہ کی بناء پر بالفرض

عذاب آجائے تو تم کو اس سے کیا فائدہ ہو گا اس وقت ایمان لانا تو کلام آدھ ہے نہیں تو پھر کس لیے تم اس عذاب کے جلد آجانے کا مطالبہ کر رہے ہو؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا پھر یہ عذاب آجائے گا تو پھر تم اس کا یقین کرو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب مانتے ہو! اب شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھے ○

یعنی جب ان پر اللہ کا عذاب واقع ہو جائے گا تو ان سے کہا جائے گا اب تم ایمان لے آئے اور اب تم نے اس کی تصدیق کر دی حالانکہ اس وقت تمہاری تصدیق کوئی فائدہ نہیں دے گی اور تم اس سے پہلے اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے تھے اور اس کے نزول کی تکذیب کرتے تھے، سو اب تم اس چیز کو چکھو جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○ دوزخ کے فرشتے کافروں سے کہیں گے: اب اللہ کے دائمی عذاب کو گھونٹ بھر بھر کر پیو، یہ وہ عذاب ہے جو نہ کبھی ذاکل ہو گا نہ فنا ہو گا اور یہ تمہارے ان کاموں کا نتیجہ ہے جو تم اپنی زندگی میں اللہ کی معصیت میں کرتے تھے۔

وہابی علماء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ضرر اور نفع پہنچانے کی مطلقاً نفی کرنا

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکلانی متوفی ۱۲۵۵ھ قال لا املك لفسی صرا ولا نفعاً (یونس: ۳۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان لوگوں کے لیے سخت زبرد تو بیخ ہے جو ان مصائب کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں جن مصائب کو اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کو طلب کرتے ہیں جن کو دینے پر اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، کیونکہ یہ رب العالمین کا مقام ہے جس نے انبیاء، صالحین اور تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسی نے ان کو رزق دیا، اسی نے ان کو زندہ کیا وہی ان کو وفات دے گا پس انبیاء میں سے کسی نبی سے یا فرشتوں میں سے کسی فرشتے سے یا ولیوں میں سے کسی ولی سے اس چیز کو کیسے طلب کیا جائے گا جس کے دینے پر وہ قادر نہیں ہیں اور رب الارباب سے جو ہر چیز پر قادر ہے، خالق، رازق، معطی اور مانع ہے اس سے طلب کو ترک کر دیا جائے گا اور تمہارے لیے اس آیت میں کافی نصیحت ہے کیونکہ یہ سید ولد آدم اور خاتم المرسلین ہیں۔ جب ان سے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں تو آپ کا غیر کیسے نفع اور نقصان کا مالک ہو گا جس کا مرتبہ آپ سے بہت کم ہے اور جس کا درجہ آپ سے بہت نیچے ہے، چہ جائیکہ وہ شخص اپنے علاوہ کسی اور کے نفع اور نقصان پر قادر ہو، پس ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں پر بیٹھتے ہیں اور ان سے ایسی حاجتیں طلب کرتے ہیں جن کے پورا کرنے پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، وہ اس شرک سے آگاہ کیوں نہیں ہوتے جس میں وہ واقع ہو چکے ہیں اور لا الہ الا اللہ کے معنی کی مخالفت میں اتر چکے ہیں، اور زیادہ تعجب خیر بات یہ ہے کہ اہل علم ان کو منع نہیں کرتے اور ان کے اور جاہلیت اولیٰ کے درمیان حائل نہیں ہوتے، بلکہ ان کی حالت جاہلیت اولیٰ سے زیادہ شدید ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے بتوں کو اللہ کے نزدیک شفاعت کرنے والے مانتے تھے اور ان کو اللہ کے تقرب کا سبب سمجھتے تھے، اور یہ لوگ ان وفات یافتہ بزرگوں کے لیے نفع اور ضرر پر قدرت مانتے ہیں اور کبھی ان کو بلا استقلال پکارتے ہیں اور کبھی اللہ کے ساتھ پکارتے ہیں، اللہ شیطان کو رسوا کرے اس کی اس ذریعہ سے آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں اور اس امت مبارکہ کے اکثر لوگوں کو کافر بنا کر اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ (فتح القدر ج ۲ ص ۲۳۱ مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۳۸۸ھ)

نواب صدیق بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے قاضی شوکانی کا حوالہ دیئے بغیر مینہ بھی لکھا ہے۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۷۵-۷۴، مطبوعہ المطبعہ العصریہ ۱۳۱۵ھ)

آپ سے ضرر اور نفع بالذات پہنچانے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ مطلقاً

قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے انکار کی اتباع کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے، پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی مطلقاً نفی کرنا صحیح نہیں ہے، اس آیت میں آپ سے بالذات نفع اور ضرر کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی آپ بالذات کسی کو نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن اللہ کی دی ہوئی قدرت سے نفع اور ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ مفسرین نے اس معنی کی تقریر اس طرح کی ہے:

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اشتاء متصل بھی ہو سکتا ہے اور منقطع بھی، اگر اشتاء متصل ہو تو اس آیت کا معنی اس طرح ہو گا: میں کسی کو نقصان یا نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ جس کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہے میں اس پر قادر ہوں اور اس کا مالک ہوں اور اگر یہ اشتاء منقطع ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا: میں کسی کو نقصان یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوں لیکن اللہ جو نفع یا نقصان چاہے وہ ہو جاتا ہے یعنی وہ اس کی مشیت سے ہو گا۔

(حاشیہ الشیخ زادہ علی البیضاوی ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ)

علامہ قرطبی نے اس اشتاء کا صرف بطور اشتاء متصل معنی کیا ہے، قاضی بیضاوی، علامہ خفاجی اور علامہ ابو سعید نے لکھا ہے کہ یہ اشتاء متصل اور منقطع دونوں ہو سکتے ہیں اور قاضی شوکانی اور نواب بھوپالی نے لکھا ہے کہ یہ اشتاء صرف منقطع ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفع اور نقصان پہنچانے کی مطلقاً نفی کر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ بندہ کے لیے قدرت ہوتی ہے جو اللہ کے اذن سے موثر ہوتی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں کسی ضرر یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوں مگر جس کو اللہ چاہے تو میں اس کی مشیت سے نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہوتا ہوں۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ھ)

اشثناء متصل میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے اور اشتاء منقطع میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے مخافہ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: آپ کئے میں ضرر یا نفع پہنچانے پر بالذات قدرت نہیں رکھتا مگر جس کو اللہ چاہے میں اس کو ضرر یا نفع پہنچانے پر بظاہر قدرت رکھتا ہوں اور میرا یہ نفع اور ضرر پہنچانا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔

اور بالذات کی قید اس لیے لگائی ہے کہ بکثرت آیات، احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے دشمنان اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کے حامیوں اور بااصروں کو نفع پہنچایا، اگر اس آیت میں بالذات کی قید نہ لگائی جائے تو ان تمام آیات، احادیث اور آثار کا انکار لازم آئے گا اب ہم ایک ایسی نظیر پیش کر رہے ہیں جس سے نقصان اور نفع پہنچانے میں بالذات کی قید لگانے کا برحق ہونا بالکل واضح ہو جائے گا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرماتے: میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ

دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا اس حدیث کو صحاح ستہ کی جماعت نے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۸۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۶۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۳)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ حجر اسود اس محل میں آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھ رہا ہو گا اور اس کی ایک زبان ہوگی جس سے یہ کلام کرے گا اور یہ ان لوگوں کے حق میں گواہی دے گا جو اس کی حق کے ساتھ تعظیم کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۳۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۴۳۴ مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۷ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۸۳۶ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۴۷۳۵ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۷۷۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۷۷ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۳۲ الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۹۷ المستدرک ج ۱ ص ۳۵۷ طبع الاولیاء ج ۶ ص ۴۴۳ سنن کبریٰ للیستقی ج ۵ ص ۷۵)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ (تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے) اس لیے فرمایا تھا کہ لوگوں نے تازہ تازہ بتوں کی عبادت کو چھوڑا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ حجر اسود کی تعظیم کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب بتوں کی تعظیم کرتے تھے پس انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو یہ بتلائیں کہ ان کا حجر اسود کی تعظیم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع کی وجہ سے تھا نہ اس لیے کہ حجر اسود ضرر اور نفع بلذات دیتا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ (مثل الاوطار ج ۶ ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ الکلیات الازہریہ مصر ۱۳۹۸ھ)

دیکھئے حضرت عمرؓ نے فرمایا حجر اسود ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتا تو قاضی شوکانی نے ایک پتھر کی نفع رسانی ثابت کرنے کے لیے اس قول میں بلذات کی قید لگائی اور کہا کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ حجر اسود بذاتہ ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتا اور یہی قاضی شوکانی ہیں جنہوں نے بغیر کسی قید کے زیر تفسیر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرر اور نفع پہنچانے کی مطلقاً نفی کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ غَنِمْتُمْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قُضَايَاهُ۔ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ مانگاوار ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ۔ (التوبہ: ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا کی اور وہ یہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب ہم کو اللہ اپنے فضل سے عطا کرے گا اور اس کا رسول۔

وَلَا تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت سل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھوں میں دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیر کو فتح کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہو گا پھر مسلمانوں نے رات اس طرح گزاری کہ وہ ساری رات مضطرب رہے کہ کس کو آپ صبح جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ صبح کو سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، ان میں سے ہر شخص کو یہ امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو بلاؤ۔ ان کو لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی، وہ تندرست ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد ہی نہ تھا۔ آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ! میں ان سے قتل کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنی مہم پر روانہ ہو حتیٰ کہ تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر تم ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ ان پر اللہ کے کیا حقوق واجب ہیں، اللہ کی قسم! اگر اللہ تمہاری وجہ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۰۳)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کمان ہدیہ کی گئی، جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کمان مجھے عطا فرمادی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے سامنے اس کمان سے تیر مارتا رہا حتیٰ کہ وہ کمان ٹوٹ گئی، پھر بھی میں آپ کے سامنے کھڑا رہا اور آپ کے چہرہ کی طرف آنے والے تیروں کے سامنے اپنا چہرہ کرتا رہا حتیٰ کہ ایک تیر میری آنکھ کے ڈھیلے پر لگا۔ وہ ڈھیلہ میرے چہرے پر لٹک گیا۔ میں اس ڈھیلے کو اپنی ہتھیلی میں رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! قتادہ نے اپنے چہرے سے تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت کی ہے، پس اس کی اس آنکھ کو اس کی دونوں آنکھوں میں سے سب سے حسین اور سب سے تیز نظر والی بنادے تو حضرت قتادہ کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر والی تھی۔ (امام ابویعلیٰ کی روایت میں یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے، حافظ بیہقی کی دلائل النبوة میں یہ واقعہ جنگ احد کا ہے اور یہی قرین قیاس ہے)

(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۸، سند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۵۳، دلائل النبوة لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۱۷، المستدرک ج ۳ ص ۱۶۵، البیرو

النبویہ لابن کثیر ج ۳ ص ۶۶، الاصابہ رقم: ۷۹۹، اسد الغابہ رقم: ۱۳۷، الاستیعاب رقم: ۲۳۳)

حارث بن عبید اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا دیا تو وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ صحیح تھی۔

(سند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۵۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ (میری آنکھوں کو) ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر دوں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو موخر کر دوں وہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ اس نے کہا نہیں، آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت (سیدنا) محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ پوری کی جائے، آپ اس حاجت میں میری شفاعت کیجئے، (اے اللہ) آپ کی میری حاجت میں شفاعت کو قبول فرما۔ وہ شخص شفاعت کے یہ کلمات بار بار کہتا رہا حتیٰ کہ اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۸ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحديث: ۱۹۷۱۷۱ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۵۷۸، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، صحیح ابن خزیمہ رقم الحديث: ۳۱۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۸۵، عمل ایوم والیلہ للسنائی رقم الحديث: ۶۵۸، مسند عبد بن حمید رقم الحديث: ۳۷۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۳۳، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۲۶۶، مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۴، تحفۃ الذاکرین ص ۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الذکار للتودی رقم الحديث: ۳۸۳، مکتبہ زوار مصطفیٰ، ریاض)

وصال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسمد ادا اور استغاثہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط پڑ گیا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کو اور یہ خوشخبری دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ بشارت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، المصنف ج ۱ ص ۳۵۹ رقم الحديث: ۳۳۸۳، شیطیب ج ۳ ص ۲۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۳۷، الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹، فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۱-۳۹۵، حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کی سند کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۱، طبع جدید، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں (۱۸ھ میں) جب عام قحط پڑا تو حضرت بلال بن حارث کے گھر والوں نے ان سے کہا کہ وہ بکری ذبح کریں، انہوں نے کہا اس میں کچھ نہیں ہے۔ گھر والوں کے اصرار پر جب بکری کو ذبح کیا تو اس کی ہڈیاں سرخ تھیں۔ انہوں نے پکارا یا محمد! خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا: عمر کو میرا سلام کو اور اس سے کہنا میرا عہد تمہارے ساتھ پورا ہونے والا ہے، اس کی گرہ سخت ہے اے عمر! تم سمجھ داری سے کام لو، اے عمر! تم سمجھ داری سے کام لو۔ پھر حضرت عمر نے نماز استسقاء پڑھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۱، طبع جدید، دار الفکر، ۱۴۱۸ھ، الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۱۸۹، بیروت، ۱۳۳۰ھ، المستنعم لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۵۷، دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

حضرت بلال بن حارث مزی کی اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قحط کے ایام میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر آپ کو پکارا اور آپ نے ان کو بارش کی خوش خبری دی۔ حضرت بلال بن حارث مزی نے محضر صحابہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا اور تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد اور آپ سے استخاضہ پر تمام صحابہ کا اجماع تھا اور اس حدیث میں مصائب میں وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے جواز کی قوی اصل ہے اور اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کے کام کی طرف دھیماں دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور وہیں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آتا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا درہن نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا بخدا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آن حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۱) المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۳-۱۸۴ مطبوعہ مکتبہ سفیہ مدینہ منورہ ۱۴۸۸ھ، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ، المعجم الکبیر ج ۹ ص ۳۰ رقم الحدیث: ۸۳۵، دلائل النبوة للسیوطی ج ۶ ص ۲۱۸-۲۱۹ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۶۸ قاعدہ جلیہ فی التوسل والوسیلہ لابن تیمیہ ص ۹۸، مصر ۱۳۷۳ھ، حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۷۶-۳۷۷ اور حافظ البیہقی نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹، شیخ مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ نے بھی امام طبرانی اور امام منذری سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ سے استمداد اور استخاضہ جائز ہے اور یہ

حدیث بھی وقت یافتہ بزرگوں سے استمداد اور استغاثہ کے جواز کی اصل ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

عنسی سے منقول ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (النساء: ۶۳) پس میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوا اور آپ سے شفاعت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔ پھر اس نے آپ کی طرح سرائی میں دو شعر پڑھے: پھر وہ شخص چلا گیا۔ (عنسی کہتے ہیں) میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پھر میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے فرمایا: جا کر اس اعرابی سے ملو اور اس کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(الاذکار ص ۶۸۵ بیروت، شفاء السقام ص ۶۳ تفسیر الشافعی ج ۲ ص ۲۵۷ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۹ علامہ ابوالمہدی اندلسی متوفی ۵۴۷ھ نے ابو عبد اللہ راوی سے نقل کیا ہے کہ آپ کی قبر سے آواز آئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی ہے، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۳ علامہ نسفی متوفی ۷۷۱ھ اور مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے، دارک الشریعہ علی ہامش الحازن ج ۱ ص ۳۹۹ معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۰)

الشیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی متوفی ۱۳۹۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھا تو کسی نے اس پر انکار کیا۔ انہوں نے کہا میں کسی اینٹ یا پتھر کے پاس نہیں آیا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں جیسا کہ عنقریب آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت (النساء: ۶۳) کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے، لہذا جس شخص نے کوئی گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرے اور آپ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لیے استغفار فرمائیں گے۔ (اعلاء السنن ج ۵ ص ۵۴۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عنسی کی اس نقل صحیح سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد انبیاء عظیم السلام اور اسی طرح اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ جائز ہے اور جہاں تک دور سے پکارنے کا تعلق ہے تو الشیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ یہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا پھر نہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو چلوے گا یا پھر نہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیوں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوق کتنا ہو محبت میں یا عرض حال محل محض و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسلئے ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت ارتکاب۔ (فتاویٰ رشیدیہ کال مہوب ص ۶۸ مطبوعہ کراچی)

وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کی تکفیر کا بطلان

قاضی شوکانی اور نواب بھوپالی نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی اتباع میں وفات شدہ بزرگوں سے استمداد اور استغاثہ کو کفر اور شرک قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ ان نقول صحیحہ کے ہوتے ہوئے ان کی یہ تکفیر باطل ہے تاہم اس کے بطلان کو واضح

کرنے کے لیے ہم شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ کی عبادت پیش کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں، حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہادت کی بناء پر حدود ساقط کر دو اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابو عوانہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحرا میں گم ہو جائے تو وہ تین بار کہے اے عباد اللہ! (اے اللہ کے بندو!) مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو، تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں، اور طہرانی نے روایت کیا ہے کہ اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اس حدیث کو فقہاء اسلام نے اپنی کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعت عام کی ہے اور معتد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، چنانچہ امام نووی نے ”کتاب الاذکار“ میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن القیم نے اپنی کتاب ”المکمل الملیب“ میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے ”کتاب الآداب“ میں اور ابن عساکر نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل) سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ! مجھے راستہ دکھاؤ، میں یونہی کھتا رہا، حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آگیا۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی عاتب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اس کی تکفیر کرتے ہو، بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو خود بر میں عبادت کی غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی علی الاعلان تکذیب کرتے تھے۔ کیا تم اس حدیث اور اس کے متفقین پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک اکبر قرار دیتے ہو، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جبکہ شہادت سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، تو اس مضبوط اصل کی بناء پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط ہوگی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے: جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہو، اس کو کسی بدعت کی بنا پر کافر نہیں کہا جائے گا اور ابن تیمیہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ جو شخص فوت شدہ بزرگوں کو پکارتا ہے، وہ کسی بدعت کا مرتکب بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ فعل ایک مضبوط اصل یعنی حدیث صحیح (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور سلف کے عمل پر مبنی ہے۔ (الصواعق المبرقعة ص ۳۹۴، مطبوعہ مکتبۃ الرشیدیہ، استنبول)

ہر چند کہ وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد اور استعاضہ جائز ہے لیکن یہ مستحسن اور افضل نہیں ہے، افضل اور اوٹی یہی ہے کہ ہر بلا اور ہر مصیبت کو ٹالنے کے لیے اور ہر رنج اور ہر تکلیف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، کیونکہ اس کی امداد اور اعانت مسلم ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور ظنی سہاروں کے بجائے قطعی آسراء سے تمسک کرنا مستحسن ہے، باقی وفات یافتہ بزرگ اس کے اذن کے تابع ہیں وہ کسی کا تابع نہیں ہے، اس سے مدد طلب کرنا مصائب سے نجات کا ذریعہ بھی ہے، عبادت بھی ہے، کار ثواب بھی ہے، اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی سنت اور ان کا اسوہ اور طریقہ بھی ہے۔ قل لا املک السمسرة صرا ولا سمعا (الاعراف: ۱۸۸) میں بھی ہے، وہاں ہم نے ایک اور پہلو سے اس آیت پر مفصل گفتگو کی ہے، نیز یونس: ۲۳-۲۲ پر جو ہم نے گفتگو کی ہے اس کو بھی بغور پڑھ لیا جائے

اور ان تینوں آیتوں کی تفسیر میں ہم نے جو بحث کی ہے اس کو ایک ساتھ پڑھنے سے ان شاء اللہ اس موضوع پر کافی بصیرت افروز معلومات حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ سے مظلوم کرتے ہیں کیا واقعی وہ عذاب برحق ہے؟ آپ کہتے کہ ہاں! میرے رب کی قسم وہ عذاب برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو (یونس: ۵۳) عذاب کی وعید کا برحق ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو نقل فرمایا تھا اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا ہو گا) اگر تم سچے ہو؟ (یونس: ۳۸) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے، پھر انہوں نے دوبارہ سوال کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے یہاں حکایت فرمائی ہے، اس سوال کا جواب بھی ان آیات کے سبقت مضمون میں گزر چکا ہے جن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے اور قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر براہین قائم کیے گئے تھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ثابت ہو گئی، تو ہر جس چیز کے وقوع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اس کا قطعی اور یقینی ہونا ثابت ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی جس نے تم کو عذاب سے ڈرایا ہے تم اس کو عذاب نازل کرنے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہے تو نہ کوئی اس کام کو روک سکتا ہے نہ اس میں مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے اذن اور اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کافر اور مشرک کو دائمی عذاب سے بچا سکتا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۖ وَ

اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں جو تھیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو فروز

أَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بِهِمْ بِالْقِسْطِ

دے ڈالتا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ہشیمانی کو چھپائیں گے اور ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۵۳ **الْآرَاتِ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**

اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ سنو! بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ (سب) اللہ کی ملکیت

الْآرَاتِ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا ۖ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۵۴ **هُوَ يُحْيِي**

ہے، سنو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝ وہی زندہ کرتا ہے

وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۵۵ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تِلْكَ**

اور وہی زندہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے ۝ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے

مَوْعِظَةً مِّن تَرَاتِبِكُمْ وَشِفَاءً لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةً

ایک عظیم نصیحت آگئی اور دلائل کی بیماریوں کی شفا آگئی اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

رحمت ہے ۝ آپ کہیے (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب ہے اس کی وجہ سے مسلمان خوشی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝۵۸ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّن

منائش پر اس (مال) سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں ۝ آپ کہیے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق

رَزَقَ فَبَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۝۵۹ قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ

نازل کیا، پس تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا، آپ کہیے کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا یا

عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝۶۰ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ

تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو ۝ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ

الْكُذِّبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝۶۱ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝۶۲

لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو ضرور دے ڈالتا اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پیشانی کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ (یونس: ۵۳)

ظالموں سے فدیہ نہ قبول کیا جائے گا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قیامت کے دن کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) ظالم کے اگر بس میں ہو تا تو وہ دنیا کی پوری دولت دے کر بھی اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لیتا۔ (۲) ظالم عذاب کو دیکھ کر اپنی پیشانی چھپائیں گے۔ (۳) ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا۔

ظالم تمام دنیا کی دولت دے کر بھی اپنے آپ کو عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اس کی وجہ اولا تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تہمت آئے گا اور کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلُّهُمْ آتِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعْرُودًا (مریم: ۸۵) اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اکیلا حاضر ہو گا۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن ان سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَمَلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (البقرہ: ۲۸) اور نہ کسی نفس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی

جائے گی۔

ظالموں کے پشیمانی چھپانے کی توجیہ

قیامت کے دن کی دو سری صفت یہ بیان کی ہے: اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی اور پچھتاوے کو چھپائیں گے۔ اپنی پشیمانی کو چھپانے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں اس عذاب کا انکار کرتے رہے تھے اور جب ان پر اچانک سخت عذاب آ جائے گا تو وہ حیران اور ششدر رہ جائیں گے، دو سری وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے متبعین سے حیاء آئے گی اور ان کو ان کی لعنت ملامت کا خوف ہو گا اس وجہ سے وہ ان کے سامنے اپنی پشیمانی کا اظہار نہیں کریں گے، تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بہت اخلاص کے ساتھ ندامت کا اظہار کریں گے اور جو شخص اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے وہ اس کو غفلت رکھتا ہے، اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے کی جگہ دنیا تھی، اب یہ اخلاص بے محل ہے۔

ظالموں کے درمیان عدل سے فیصلہ کی توجیہ

قیامت کے دن کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس دن ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا دو سرا قول یہ ہے کہ منادی کفار اور ان کے متبعین کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ کفار اور ان کے عذاب کے درمیان عدل سے معاملہ کیا جائے گا۔

ہر چند کہ تمام کفار و دوزخ کے عذاب میں مشترک ہوں گے لیکن عذاب کی کیفیات میں ان کے درمیان فرق ہو گا، کیونکہ دنیا میں بعض کافروں نے بعض کافروں پر ظلم کیا ہو گا اور بعض کافروں نے بعض کافروں سے خیانت کی ہوگی، اس لیے بعض کافر ظالم اور بعض کافر مظلوم ہوں گے اور عدل اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوم کا عذاب ظالم سے کم ہو اور ظالم کا عذاب مظلوم کے عذاب سے زیادہ ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَنُوبِئُكَ آسَمٰنٍ اَوْ اَرْضٍ اَوْ جِبَلٍ اَوْ شَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ (سب) اللہ کی ملکیت ہے، سنبے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے وہی زندگی رہتا ہے اور وہی زندگی لیتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے (یونس: ۵۱-۵۵)

وعید عذاب کے برحق ہونے پر دلائل

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو ضرور دے ڈالتا، اور اس آیت میں یہ بتا رہا ہے کہ ظالم کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور اس سے پہلے دلائل سے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس جہان میں جو مخلوقات، نباتات، حیوانات، انسان، ملائکہ اور جنات ہیں اور نور اور ظلمت اور دن اور رات کا جو سلسلہ ہے، ان سب کا اللہ تعالیٰ مالک ہے اور وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ تمام حاجات سے مستغنی ہے اور

تمام آفت اور نقائص سے منزہ ہے اور جب وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ تمام حاجات سے مستغنی ہے اور تمام آفت اور نقائص سے منزہ ہے اور جب وہ تمام ممکنات پر قادر ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے نیک بندوں اور اولیاء اللہ پر دنیا اور آخرت میں انعام اور اکرام فرمائے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قطعی دلائل اور قوی معجزات سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تقویت فرمائے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت ظاہر فرمائے اور ان کے دین اور ان کی شریعت کو استحکام عطا فرمائے اور جب وہ ان تمام امور پر قادر ہے تو مشرکین، مستہزاء کرتے آپ کے دین کا مذاق اڑانا اور نزول عذاب کی وعید پر تعجب کا اظہار کرنا باطل ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقائص سے پاک ہے تو وہ اپنی وعید کو پورا نہ کرنے سے بھی پاک ہے اور بری ہے۔ سو اس نے مشرکین کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے۔

ظاہری ملکیت پر نازاں ہونے والوں کو متنبہ فرمانا

نیز یہ جو فرمایا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، اس میں یہ بھی متلانا مقصود ہے کہ اس دنیا میں لوگ اسباب ظاہرہ کی طرف نظر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں کی بلڈنگ ہے، یہ فلاں کی فیکٹری ہے، یہ فلاں کی زمین ہے، یہ فلاں کا باغ ہے، سو وہ ہر چیز کی کسی اور مالک کی طرف نسبت کرتے ہیں کیونکہ وہ جبل اور غفلت کی وجہ سے امور ظاہرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مجازات میں منہمک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس غفلت پر متنبہ کیا ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں، وہ زندگی دینے والا ہے وہی زندگی لینے والا ہے۔ جب وہ تمہاری یہ زندگی واپس لے لے گا تو تمہاری ملکیت میں کیا رہ جائے گا؟ تم نہ اپنے مالک ہو نہ اپنی چیزوں کے مالک ہو، سب کا وہی مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم نصیحت آگئی اور دوس کی بیماریوں کی شفا آگئی، اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ آپ کہئے (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب سے ہے، سو اس کی وجہ سے مسلمان خوشی منائیں یہ اس دین سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں ○

(یونس: ۵۸-۵۷)

روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا

اس سے پہلے یونس: ۳۸-۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل قرآن مجید ہے، اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) قرآن مجید اللہ کی جانب سے نصیحت ہے، (۲) قرآن مجید دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے، (۳) قرآن مجید ہدایت ہے، (۴) قرآن مجید مومنوں کے لیے رحمت ہے۔ اور قرآن مجید کی ان چاروں صفات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے ساتھ بہت قوی ربط ہے، اس کی تفصیل اور تمہید یہ ہے کہ چٹورا انسان جس طرح زبان کی لذت اور چٹکارے حاصل کرنے کے لیے لذیذ، چٹ پٹی اور مسالے دار اشیاء اور مرغن اور میٹھی چیزیں بکھرتا کھاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ہلکی بلڈ پریشر، شوگر اور معدہ کے اسر کا مریض بن جاتا ہے اور شوائی لذتوں کے ناجائز حصول کی کثرت کی وجہ سے آتشک، سوزاک اور ایندھن کا مریض بن جاتا ہے پھر جسمانی صحت کے حصول کے لیے اسے کھانے پینے کی ان مرغوب اشیاء اور تحلیل شہوت سے پرہیز کرایا جاتا ہے اور ایسی دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں جن سے اس کی زائلی شدہ جسمانی صحت بحال ہو سکے، اسی طرح انسان کی نفسانی اور روحانی بیماریوں کا معاملہ ہے، جب انسان کا اللہ کے نبی سے رابطہ نہ ہو اور وہ صرف اپنی عقل سے اپنے عقائد وضع کرے اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے خود مضابطہ حیات

مقرر کرے تو اس کے دل و دماغ پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور اس کے عقائد گمراہ کن اور لٹھرائہ ہوتے ہیں اور اس کے اعمال کفر، شرک اور زندقہ پر مبنی ہوتے ہیں اور اس کو حلال اور حرام کی بالکل تمیز نہیں ہوتی، سو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نفسانی، روحانی اور قلبی امراض کے علاج اور اصلاح کے لیے نبی مبعوث فرماتا ہے اور ان کو بطور نسخہ شفاء کتاب عطا فرماتا ہے لہذا اسی سنت الہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور روحانی بیماریوں کے علاج اور ان کی اصلاح کے لیے قرآن مجید آپ پر نازل فرمایا۔

قرآن مجید سے قلبی اور روحانی امراض کے علاج کے چار مدارج جو ہر محتاج ہو اس کے علاج کے حسب ذیل طریقے ہیں:

(۱) وہ مریض کو معر اور مخرب اشیاء کے استعمال سے منع کرتا ہے جن سے اصل حیات خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اس طرح قرآن مجید انسان کو شرک اور کفر سے روکتا ہے کیونکہ شرک اور کفر کے ارتکاب سے انسان سرمدی عذاب اور دائمی دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ انسان کو کفر اور شرک سے منع کیا ہے تاکہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اخروی عذاب کا مستحق نہ ہو جائے اور اس کے عقائد کی اصلاح کی ہے۔

(۲) مریض کو ایسی روئائیں دی جائیں جن کی وجہ سے اس کے خون میں اعتدال پیدا ہو اور وہ خرابی دور ہو جائے جس کی وجہ سے مرض پیدا ہوا ہے مثلاً مریض کے جسم میں جگہ جگہ زخم ہیں جو ٹھیک نہیں ہو رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خون میں اس کی شکر کالیول بڑھا ہوا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ خون میں اس کی شکر کو کنٹرول کیا جائے اور جب شکر اعتدال پر آجائے گی تو زخم ٹھیک ہو جائیں گے، اسی طرح انبیاء عظیم السلام جب لوگوں کو ممنوع کاموں کے ارتکاب سے منع کرتے ہیں تو ان کا ظاہر گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، پھر وہ ان کو باطن کی طہارت کا حکم دیتے ہیں جس کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کو ترک کرنے سے بچنا اور چوری، ڈاکہ، نشہ کرنے، قتل اور زنا سے بچنا اسی طرح مبعوث، چٹلی اور غیبت سے بچنا ان کاموں سے ظاہر بدن پاک ہوتا ہے اور کینہ، حسد، بغل، حرص اور بغض سے بچنے سے بدن کا باطن اور قلب پاک ہوتا ہے اور جب تک ظاہر پاک نہ ہو باطن صاف نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ظاہر بدن پاک ہوتا ہے اور ایسے احکام بھی ہیں جن سے باطن صاف ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَیْسَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

(آل عمران: ۱۷۳)

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ (باطن صاف) کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

ان کے سوال سے زکوٰۃ لیجئے جس سے ان کو پاک کیجئے اور اس سے ان کا تزکیہ (صاف باطن) کیجئے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ عقائد قاسدہ، اعمال خبیثہ اور اخلاق مذمومہ امراض کے قائم مقام ہیں اور جب یہ چیزیں زائل ہو جاتی ہیں تو قلب کو شفا حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح ان تمام آلودگیوں سے پاک ہو جاتی ہے جو اس کو انوار الہیہ کے مطالعہ سے مانع ہوتی ہیں اور ان ہی دو مرتبوں کی طرف قرآن مجید کی بن صفت میں اشارہ ہے: مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكَم

وَشَاءَ لِمَا فِي الصُّلُورِ: یہ تمہارے رب کی جانب سے صحت ہے اور دل کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

(۳) جب انسان عقائدِ فاسدہ، ائملِ خبیثہ اور اخلاقِ رذیلہ سے منزہ، پاک اور صاف ہو جاتا ہے تو اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس میں انوارِ اچھے منعکس ہونے لگتے ہیں اور اس کی روح تجلیاتِ قدسیہ سے فیضِ یاب ہونے کے قائل ہو جاتی ہے اور اسی مرتبہ کو اس آیت میں ہدایت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے: اس ہدایت کا پہلا مرتبہ یہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ ۖ (النجم: ۲۸-۲۷)

اور ہدایت کا توسط مرتبہ یہ ہے:

فَوَرِّدِي إِلَىٰ رَبِّكِ (الذاریات: ۵۰)

سو اللہ کی طرف بھاگو۔

اور آخری مرتبہ یہ ہے:

قُلِ اللَّهُ ثُمَّ قَرْعَهُمْ فَيُتَخَوِّضُهُمْ بِلُحَبُّونَ۔ (الانعام: ۹)

(۳) اور جب انسان درجاتِ روحانیہ اور معارفِ ربانیہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اس کے انوار سے دوسرے قلوب بھی روشن ہونے لگیں جس طرح چاند سورج کے انوار سے مستفیض ہو کر ایک جہان کو منور کرتا ہے، وہ بھی انوارِ رسالت سے مستیر ہو کر عام مسلمانوں کے دلوں کو منور کرنے لگے اور اس کے انوار سے بھی دوسرے ناقص مسلمان کامل ہونے لگیں تو یہی وہ مرتبہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآنِ مومنین کے لیے رحمت ہے، اور مومنین کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ فیضِ فیوضِ توحیدِ نامہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور مسلمان کا ختمِ کمال یہ ہے کہ وہ انوارِ رسالت میں جذب ہو جائے بھی وہ معارفِ ربانیہ سے واصل ہو جائے، اور کفار تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں آتے اور آپ سے دور بھاگتے ہیں اور آپ کا انکار کرتے ہیں اور جس کو معرفتِ محمدی حاصل نہ ہو وہ معارفِ ربانیہ کا کب اہل ہو سکتا ہے سو یہ مرتبہ مومنین ہی کے ساتھ مختص ہے، اس لیے فرمایا: وَرَحْمَةُ اللَّهِ لِلْمُؤْمِنِينَ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید سے اپنے نفس کے کمالات حاصل کرنا چاہے اس کے لیے چند مراتب ہیں، اس کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ وہ نامناسب کاموں کو چھوڑ کر اپنے ظاہر کو درست کرے اور اس کی طرف موعظت سے اشارہ فرمایا کہ نہ موعظت کا معنی ہے گناہوں سے منع کرنا اور نہ سزا مرتبہ ہے عقائدِ فاسدہ اور صفاتِ ردیہ سے اپنے باطن کو صاف کرنا اور اس کی طرف شفاءِ لِمَا فِي الصُّلُورِ سے اشارہ فرمایا اور تیسرا مرتبہ ہے نفس کو برحق عقائد اور عمدہ اخلاق سے مزین کرنا اور اس کی طرف ہدی سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ ہے اللہ کی رحمتوں کے انوار سے قلب کا روشن ہونا اور اس کی طرف وَرَحْمَةُ اللَّهِ لِلْمُؤْمِنِينَ سے اشارہ فرمایا۔

قرآن مجید سے جسمانی شفا حاصل کرنے کی تحقیق

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس آیت میں شفاءِ لِمَا فِي الصُّلُورِ کو عام قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو روحانی امراض کے علاوہ جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے جن کو ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے، اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ بعض دل کی بیماریاں، جسمانی بیماریوں کا سبب ہو جاتی ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسد اور

کہنے دل کی بیماری ہے اور اس سے بعض جسمانی بیماریاں بھی ہو جاتی ہیں، اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید پڑھنے کی برکت سے جسمانی امراض دور فرما دیتا ہے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۴۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۱ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

در حقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی (الی قولہ) علماء امت نے کچھ روایات و آثار سے اور کچھ اپنے تجربوں سے آیات قرآنی کے خواص و فوائد مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیئے ہیں، امام غزالی کی کتاب خواص قرآنی اس کے بیان میں مشہور و معروف ہے، جس کی تکمیل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے اعمال قرآنی کے نام سے فرمائی ہے اور مشاہدات و تجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم کی مختلف آیتیں مختلف امراض جسمانی کے لیے بھی شفاء کلی ثابت ہوتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصلی مقصد قلب و روح کی بیماریوں کو ہی دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

(۱۰۰۰۰ قرآن ج ۲ ص ۵۴۳، مطبوعہ ادارۃ المعارف القرآن ۱۳۱۳ھ)

ہم اس بحث میں پہلے نمبر اور نسب کا معنی بیان کریں گے پھر قرآن مجید سے جسمانی شفا کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار کا ذکر کریں گے، پھر دم اور تعویذات کی مماثلت کے متعلق بعض آثار کی توجیہ کریں گے، پھر تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت مع حوالہ جات کے پیش کریں گے، اس کے بعد اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی تحقیق کریں گے اور اس کے راویوں میں سے امام محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب کی تعدیل پر اعتراضات کا جائزہ لیں گے اور تعویذات لٹکانے کے متعلق فتاویٰ تابعین کا ذکر کریں گے اور تعویذات کے جواز میں فقہاء احناف اور علماء دیوبند اور علماء غیر مقلدین کی تصریحات پیش کریں گے، اور آخر میں حفظ ابن قیم جوزی کے ذکر کردہ چند تعویذات کو پیش کریں گے۔

نمیمہ اور یونہی وغیرہ کے معنی اور ان کا شرعی حکم

علامہ مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجندی المتوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نمائمہ کا معنی ہے تعویذ اور خروز (ڈوری میں پروئی ہوئی سیپیاں اور کوڑیاں) اور ان کے عقد کا معنی ہے ان کو گلے میں لٹکانا۔ (جامع الاصول ج ۳ ص ۷۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۸۸ھ)

علامہ محمد طاہر نجفی متوفی ۱۲۸۶ھ لکھتے ہیں:

عقد نمائمہ کا معنی ہے ڈوری میں پروئی ہوئی سیپیاں اور کوڑیوں کو اور تعویذوں کو گلے میں لٹکانا۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۸۶ھ لکھتے ہیں:

نمائمہ ان سیپیاں یا کوڑیوں کو کہتے ہیں جن کو عرب اپنے بچوں کے گلوں میں لٹکاتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے نظر نہیں لگتی، شریعت نے اس کو باطل کر دیا۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کے گلے سے نمیمہ کو کٹ دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۳۷۷) حضرت عائشہ نے فرمایا: مصیبت نازل ہونے کے بعد جو تعویذ گلے میں لٹکایا جائے وہ نمیمہ نہیں ہے، لیکن نمیمہ وہ ہے جو مصیبت نازل ہونے سے پہلے لٹکایا جائے، تاکہ اس سے اللہ کی تقدیر کو رد کیا جائے۔ (اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تقدیر رد کرنے کا اعتقاد نہ ہو تو مصیبت نازل ہونے سے پہلے بھی تعویذ لٹکانا جائز ہے۔) عطاء نے کہا جو تعویذ قرآن مجید سے لکھے جائیں ان کو نمائمہ میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔ سعید بن مسیب سے سوال کیا گیا کہ

عورتوں اور چھوٹے بچوں کے گلوں میں ایسے تعویذ لٹکائے جاتے ہیں جن میں قرآن مجید لکھا ہوا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا جب وہ تعویذ چڑے میں منڈھا ہوا ہو یا لوہے کی ڈبیہ میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور زیورۃ جاو کی ایک قسم ہے، احمی نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خلوند کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی جاتی ہے، اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ بشرہ شیطان کا عمل ہے، (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۸) بشرہ ایک قسم کا دم ہے، جس شخص کے متعلق یہ گمان ہو کہ اس کو جن کا آسیب ہے اس سے اس کا علاج کیا جاتا ہے، متعدد فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ حسن نے کہا یہ جاو ہے، سعید بن مسیب نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح السنہ ج ۱۳ ص ۱۵۹-۱۵۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

نسیمہ ان سیموں اور کوڑیوں کو کہتے ہیں جن کو (زمانہ جاہلیت میں عرب) گلوں میں لٹکاتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے مصائب دور ہوتے ہیں اور جو تعویذ لٹکائے جاتے ہیں ان کو بھی نسیمہ کہتے ہیں (الی قولہ) ان کو لٹکانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ مصائب دور ہونے کی علت ہیں اور ان سے عمل عافیت حاصل ہوتی ہے، اور اگر ان کو اللہ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے لٹکایا جائے اور اعتقاد یہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو ٹالنے والا نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں جس نسیمہ کو شرک فرمایا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳) یہ وہ تعویذ ہے جس کو بچے کے گلے میں ڈالا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء، قرآنی آیات اور ماثرہ (منقولہ) دعائیں نہ ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ سیمیاں یا کوڑیاں ہیں جن کو عرب بچوں کے گلوں میں اس لیے ڈالتے تھے کہ ان کو نظر نہ لگے، اور یہ باطل ہے، اس کو شرک اس لیے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ سب قوی ہیں یا ان کی (خود بہ خود) تاثیر ہے، یا ان میں ایسے کلمات ہوتے تھے جو شرک خفی یا شرک جلی کو قفس میں ہوتے تھے۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۵۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۴۳۰ھ)

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں: جو تعویذات آیات قرآنیہ، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور منقولہ دعاؤں پر مشتمل ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ وہ تعویذ ہوں، دم ہو یا بشرہ ہو، البتہ غیر عربی میں جائز نہیں ہیں کیونکہ ان میں شرک کا احتمال ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۶۰-۳۶۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۴۳۰ھ)

علامہ سید احمد غلامی متوفی ۱۴۳۱ھ لکھتے ہیں: ہندو میں مذکور ہے کہ تعویذ لٹکانا جائز ہے لیکن بیت الخلاء جاتے وقت یا عمل زوجیت کے وقت تعویذ اتار لینا چاہیے۔ (حاشیہ الغلامی علی الدر المختار ج ۳ ص ۹۸۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۵ھ)

یہ اس صورت پر محمول ہے جب تعویذ کپڑے یا چڑے میں سلا ہوا نہ ہو یا کسی دھلت کی ڈبیہ میں بند نہ ہو۔

قرآن مجید سے جسمانی شفا کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو اپنے اوپر قل اعوذ برب الملق اور قل اعوذ برب الساس پڑھ کر دم فرماتے اور اپنا ہاتھ اپنے جسم پر پھیلتے، پھر جب آپ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی وفات ہو گئی تو میں قل اعوذ برب الملق اور قل اعوذ برب الساس پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ دم فرماتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ آپ کے جسم پر پھیلتی تھی۔

اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا میرے سینہ میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا: قرآن پڑھو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شفاء لحسانی الصدور۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واہد بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: تم قرآن پڑھنے کو لازم رکھو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن میں دل کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے اور شد میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۱۸)

امام بیہقی نے طلحہ بن مصرف سے روایت کیا ہے کہ مریض کے پاس جب قرآن پڑھا جائے تو وہ آرام محسوس کرتا ہے، حضرت خثعمہ جب بیمار ہوئے تو میں ان کے پاس گیا میں نے کہا آج آپ تندرست لگ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا آج میرے پاس قرآن مجید پڑھا گیا تھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۷۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ تھوڑے کلمات پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے پھر اس کے ساتھ مریض کا علاج کیا جائے۔ مجاہد نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات لکھ کر ان کو دھویا جائے اور اس کا غسل (دھوون) مریض کو پلایا جائے، اسی کی شکل ابو ظاہر سے مروی ہے اور غلی اور ابن سیرین نے اس کو نکرہ قرار دیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت کو وضع حمل میں مشکل پیش آ رہی تھی تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کچھ آیتیں اور کچھ کلمات طہارت لکھ کر انہیں دھو کر اس کا غسل (دھوون) اس عورت کو پلایا جائے۔ ایوب نے کہا میں نے ابو ظاہر کو دیکھا انہوں نے قرآن مجید کی کچھ آیتیں لکھیں پھر ان کو پانی سے دھویا اور اس شخص کو پلایا جس کو جنون تھا۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۶۶۶، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو اس پر کچھونے ڈنک مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی سے اس کچھو کو مار دیا، پھر آپ نے واپس مڑتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کچھو پر لعنت فرمائے یہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو، نبی کو نہ غیر نبی کو مگر اس کو ڈنک مار دیتا ہے، پھر آپ نے پانی اور نمک منگا کر اس کو ایک برتن میں ڈالا پھر جس انگلی پر کچھو نے ڈنک مارا تھا اس کو پانی میں ڈھویا اور اس پر پانی لگایا اور قل اعوذ برب المعلق اور قل اعوذ برب الساس پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴۲، بیروت، شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۷۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دوا قرآن ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بات معلوم ہے کہ بعض کلام کے خواص ہوتے ہیں اور اس کی تاثیرات ہوتی ہیں تو تمہارا رب العالمین کے کلام کے متعلق کیا ممکن ہے جس کی ہر کلام پر فضیلت اس طرح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے، اس کا کلام مکمل شفاء ہے،

عصمت، نافذ، نور، ہادی اور رحمت عامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَنُفِثَ مِنَّا الْقُرْآنَ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (نور اسرائیل: ۸۲)

ہم قرآن مجید کی ان آیات کو نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہیں۔

اور قرآن مجید کی تمام آیات شفا ہیں اور سورہ فاتحہ کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جس کی شکل قرآن میں ہے نہ تورات میں نہ انجیل میں اور نہ زبور میں۔ ایک مرتبہ میں مکہ میں بیمار ہو گیا مجھے دوا اور طبیب میرے نہ آ سکے تو میں سورہ فاتحہ سے اپنا علاج کرتا تھا میں ایک گھونٹ زمزم کا پانی پیتا اور اس پر کئی بار سورہ فاتحہ پڑھتا پھر ایک گھونٹ زمزم کا پانی پیتا میں نے کئی بار یہ عمل کیا حتیٰ کہ میرے تمام درد اور تکلیفیں دور ہو گئیں اور مجھے مکمل فائدہ ہو گیا۔

(زاد المعاد ج ۳ ص ۱۳۹-۱۴۰، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

کلمات طیبہ سے دم کرنے کے جواز کے متعلق احادیث

الشفاء بنت عبد اللہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم اس کو پھوڑے گا دم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۷۱۶۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دم صرف نظر بد یا سانپ یا بچھو کے ڈسنے میں (زیادہ موثر) ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۷)

سکمل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دم صرف بیمار شخص یا سانپ یا بچھو کے ڈسنے میں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸، مختصراً)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۳۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۵، المستدرک ج ۳ ص ۳۱۸-۳۱۷ ج ۳ ص ۳۱۷-۳۱۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۵۰)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۱ھ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس قسم کی جھاڑ پھونک اور دم کرنے کی ممانعت ہے جس میں کلمات شرک ہوں یا اس میں سرکش شیاطین کا ذکر ہو یا اس میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے کلمات ہوں، یا ان کلمات کا کچھ پتا نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس میں جادو کے کلمات ہوں یا کفریہ کلمات ہوں، لیکن جس میں قرآن مجید کے کلمات ہوں یا اس میں اللہ عزوجل کا ذکر ہو تو ان کلمات کے ساتھ دم کرنا جائز اور مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳)

اور جن صحابہ نے بکریوں کے عوض سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ (زمانہ جاہلیت کا) دم ہے، اس کو تقسیم کرو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو اور فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۷۶، ۲۲۷۵، ۲۲۷۴)

صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین پر یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے تھے: اعوذ بکلمات اللہ السامیۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عیس لامۃ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱) "میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔" اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت جبرئیل نے یہ پڑھ کر آپ پر دم کیا:

بسم اللہ ارقیک من کل شیء یغذیک
 من شر کل نفس او عین حاسد اللہ
 یشمیک بسم اللہ ارقیک۔
 اللہ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، اللہ آپ کو شفا دے ہر
 اس چیز سے جو آپ کو ایذا دے اور ہر نفس کے شر سے اور ہر
 حاسد نظر سے، اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸۵-۴۱۸۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۵۲۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم
 الحدیث: ۱۰۸۴۳) اور عوف بن مالک انجلی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے، یا رسول اللہ!
 آپ کی اس کے حلق کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے دم کے کلمات مجھے پڑھ کر سناؤ، اس وقت تک دم کرنے میں کوئی
 حرج نہیں ہے جب تک کہ ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

(شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۶۰-۱۵۹، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

دم اور تعویذ کی ممانعت کے متعلق حضرت ابن مسعود کا ارشاد اور امام بغوی سے اس کی توجیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
 ہے کہ دم کرنا تمنا ہے (تعویذ نکاتا) اور نیو لہ (بیوی سے خاوند کی محبت کا جادو) شرک ہیں، حضرت عبداللہ کی بیوی نے کہا آپ
 اس طرح کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم! میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا میں فلاں یہودی کے پاس جہا کرتی تھی وہ میری آنکھ پر دم کرتا
 تھا اور جب وہ مجھ پر دم کرتا تھا تو مجھے آرام آ جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا یہ شیطان کا عمل تھا وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ میں
 چھوٹا تھا اور جب وہ یہودی دم کرتا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کو ہٹا لیتا تھا تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم اس طرح پڑھو جس طرح رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے:

ادھب الباس رب الباس اشف انت الشافی
 لا شفاء الا شفاء کلا بعدا و سقما۔
 اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے، شفا دے تو ہی
 شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کسی کی شفا نہیں ہے جو بیماری کو ہلکی
 رہنے نہیں دیتی۔

تعویذ اور دم کی ممانعت کے متعلق ابن مکیم اور حضرت عقبہ بن عامر کا ارشاد
 اور امام بیہقی، امام ابن الاثیر اور دیگر علماء سلف کی توجیہ

عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مکیم ابو سعید الجہنی کی عیادت کرنے کے لیے گیا ان پر
 دم تھا۔ ہم نے کہا آپ کوئی چیز کیوں نہیں نکالتے؟ (ایک روایت میں ہے آپ تعویذ کیوں نہیں نکالتے، مشکوٰۃ رقم
 الحدیث: ۳۵۵۶) انہوں نے کہا موت اس سے زیادہ قریب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو نکالا وہ
 اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔

امام ترمذی نے کہا عبداللہ بن مکیم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
 میں تھا اور اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر سے بھی روایت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۰، المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۵، شرح السنہ ج ۲ ص ۲۶۰)

امام ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
 جس شخص نے سمیمہ (تعویذ) کو نکالا، اللہ اس کے مقصد کو پورا نہ کرے اور جس شخص نے کوڑی (پسلی) کو نکالا اللہ اس کی

خفاقت نہ کرے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۷۵۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۹۷، ج ۲ ص ۴۱۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۳)
امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اس قسم کی احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس قسم کی احادیث میں ان نساتم (تعویذات) کو شرک فرمایا، جن تعویذات کو لٹکانے والوں کا یہ اعتقاد ہو کہ مکمل عافیت اور بیماری کا مکمل زوال ان تعویذات کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا عقیدہ تھا، لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے تعویذ کو لٹکایا اور اس کا یہ اعتقاد ہو کہ مصیبت کو ٹالنے والا اور مرض کو دور کرنے والا صرف اللہ عزوجل ہے تو پھر تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۰ مطبوعہ مکتب) نیز امام بیہقی فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود سے مروی روایت ہے کہ دم، تولد، اور تمام شرک ہیں، اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ وہ دم اور تعویذ وغیرہ شرک ہیں جو عربی زبان میں نہ ہوں اور ان کے معنی غیر معلوم ہوں۔

(سنن صغیر ج ۲ ص ۴۲۳، مطبوعہ دار الیوم بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد الدین ابوالسلاوات السبارک بن محمد ابن الاثیر الجذری المتوفی ۶۲۹ھ لکھتے ہیں:
نساتم (تعویذات) کو شرک اس لیے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ نساتم کے متعلق مکمل دوا اور شفا کا اعتقاد رکھتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ نساتم اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کو عمل دیتے ہیں اور وہ اللہ کے غیر سے مصائب کو دور کرنا چاہتے تھے۔ (التمیذ ج ۱ ص ۶۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد اللیسی متوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:
تعویذ اور کوڑی لٹکانے پر آپ نے شرک کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے لٹکانے کا جو طریقہ معروف اور مروج تھا وہ شرک کو شخص تھا کیونکہ ان کے متعلق ان کا اعتقاد شرک کی طرف لے جاتا تھا میں کہتا ہوں کہ شرک سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ یہ تعویذات قوی سبب ہیں اور ان کی اصل تاثیر ہے اور یہ توکل کے متعلق ہے۔

(شرح التلمیذ ج ۸ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد طاہر ثنی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الایمان بیروت ۱۴۱۵ھ)

تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت اور اس کے حوالہ جلت

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حجر، اسماعیل بن عیاش، از محمد بن اسحاق از عمرو بن شعیب از والدہ خود از جد خود سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دعا کرے: اعوذ بكلمات اللہ التامۃ من عصبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن همزات الشیطان وار بحصروں، تو پھر شیاطین اس کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے ہلنگ بچوں کو اس دعا کی تلقین کرتے تھے اور جو ہلنگ بچے تھے ان کے گلے میں ایک کٹنڈ پر یہ دعا لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۹۸، طبع قدیم، مسند احمد رقم

الحديث: ۲۳۲۲ طبع دار الحديث قاہرہ، اس کے حاشیہ میں شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ۱ ص ۵۲۸، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور وہی نے اس پر جرح نہیں کی، بلکہ حافظ ذہبی نے خود اس حدیث سے استدلال کیا ہے، الطب النبوی ص ۲۸۱، کتاب الآداب للبیہقی رقم الحديث: ۹۳۳ شیخ البیہقی نے اس حدیث کو اپنی صحیح ترمذی میں درج کیا ہے، رقم الحديث: ۲۷۳۳، صلیح السنہ ج ۲ ص ۲۲۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحديث: ۶۳۷۷ المعتمد لابن ابی شیبہ رقم الحديث: ۲۳۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الترغیب والترہیب رقم الحديث: ۶۳۸۴ دار ابن کثیر بیروت، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۵۵-۳۵۶، مطبوعہ دار الحديث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، حافظ منذری نے اس حدیث کو امام نسائی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے، عمل الیوم واللیلہ رقم الحديث: ۶۷۵، مختصر سنن ابوداؤد للذہبی رقم الحديث: ۱۳۷۴۳

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کے صحیح اور حسن نہ ہونے اور مدرج ہونے کے جوابات

کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے ”تعویذ گنڈا شرک ہے“ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور انہوں نے سگے میں تعویذ لٹکانے کو شرک کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی مذکورہ حدیث کے اوپر انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ”تعویذ کے یو پار یوں کو اکلوتا سارا“ پھر انہوں نے اس حدیث کو رد کرنے کے لیے پانچ مکتبے ذکر کی ہیں، ہم نمبر وار ان پانچوں مکتبوں کا ذکر کر کے ان پر مفصل بحث کریں گے، معقول وباللہ الشافی۔

کیپٹن عثمانی لکھتے ہیں:

اس ایک روایت کے اندر متعدد مکتبے ہیں: (۱) یہ پورے سرکاریہ روایت میں اپنے طرز کی ایک منفرد روایت ہے اور صحیح ہونا تو دور رہا یہ حسن روایت بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی جو صحیح روایات کے بارے میں بہت ہی فراخ دل واقع ہوئے ہیں اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بلکہ حسن غریب کہتے ہیں۔ (تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۵، مطبوعہ کراچی) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اس کے باوجود کیپٹن مسعود کا یہ کہنا کہ امام ترمذی اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بہت عجیب ہے۔ شاید انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ غریب ہونا اس حدیث کے حسن ہونے کے مترادف ہے تو اس کی وجہ اصطلاح محمد ثنین سے ملنا قبیح ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی نے یہ تصریح کی ہے کہ حدیث حسن کی شرط یہ ہے کہ وہ متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہو، پھر وہ اپنی بعض احادیث کے حعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے مطلقاً حدیث حسن کے لیے یہ شرط نہیں بیان کی، بلکہ یہ حدیث حسن کی ایک خاص قسم کی شرط ہے اور یہ وہ قسم ہے جس حدیث کے حعلق وہ اپنی کتب میں صرف حسن لکھتے ہیں اور اس کے ساتھ صحیح یا غریب کی صفت نہیں لاتے، کیونکہ وہ بعض حدیث کے حعلق صرف حسن لکھتے ہیں اور بعض کے حعلق صرف صحیح لکھتے ہیں اور بعض کے حعلق صرف غریب لکھتے ہیں، اور بعض کے حعلق صحیح لکھتے ہیں اور بعض کے حعلق حسن غریب لکھتے ہیں اور بعض کے حعلق صحیح غریب لکھتے ہیں اور انہوں نے جو متعدد اسانید کی شرط عائد کی ہے وہ اس حدیث کے حعلق ہے جس کو وہ صرف حسن لکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتب کے آخر میں خود اس کی تصریح کی ہے اور جس حدیث کے حعلق وہ حسن غریب کہتے ہیں اس میں انہوں نے بصورت کی تعریف سے عدول نہیں کیا۔

(شرح نکتہ المنکر ص ۳۸-۳۹، مطبوعہ قرآن محل کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے اگرچہ ایک سند سے مروی ہے۔ نیز یہ حدیث امام ابو داؤد کے نزدیک بھی حسن ہے کیونکہ جس حدیث پر وہ کوئی حکم نہ لگائیں وہ ان کے نزدیک حسن اور عمل کی صلاحیت رکھتی ہے۔ امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن الشریزوری متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے میں نے اپنی اس کتاب میں جس حدیث کو درج کیا اس حدیث میں جو شدید ضعف ہے اس کو میں نے بیان کر دیا ہے اور جس حدیث کے متعلق میں نے کوئی چیز ذکر نہیں کی، وہ صالح ہے اور بعض ایسی احادیث بعض دوسری احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔

(علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۳، مطبوعہ المکتبہ الطیبیہ، المدینۃ المنورۃ ۱۳۸۶ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ امام ابو داؤد کی اس عبارت کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد کی اس تحریر کی بناء پر ہم نے امام ابو داؤد کی سنن میں جس حدیث کو مطلقاً پایا اور معتمدین میں کسی ایک نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا نہ ضعیف کہا تو وہ امام ابو داؤد کے نزدیک حسن ہے۔

(تقریب النوادی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ المکتبہ الطیبیہ، المدینۃ المنورۃ ۱۳۹۲ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابو داؤد کی ایسی حدیث استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے اور معتمدین میں سے کسی کی تصریح کے بغیر اس حدیث کو صحیح نہیں کہا جائے گا اس لیے اس حدیث کو حسن کہنے میں زیادہ احتیاط ہے اور اس سے بھی زیادہ احتیاط اس کو صالح کہنے میں ہے۔

(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ المکتبہ الطیبیہ، المدینۃ المنورۃ ۱۳۹۲ھ)

واضح رہے کہ امام ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کر لے کے بعد اس پر کسی قسم کے ضعف کا حکم نہیں لگایا، پس مذکور الصدر تصریحات کے مطابق یہ حدیث امام ابو داؤد کے نزدیک بھی حسن ہے۔

کیپٹن مسعود نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: ”اس حدیث کا صحیح ہونا تو درکنار رہا“ گزارش یہ ہے کہ اس سند کے ساتھ امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور شیخ احمد شاکر جو متاخرین میں کافی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ خود اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور شیخ البانی جو مخالفین کے نزدیک مسلم ہیں انہوں نے بھی امام ترمذی کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ان سب کے حوالے ہم نے شروع میں ذکر کر دیئے ہیں۔

کیپٹن مسعود نے اس حدیث کی دوسری علت یہ بیان کی ہے:

(۲) دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ: عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق یہ جملہ کہ وہ اس دعا کو ناپلغ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکایا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے ایک ”درج“ جملہ ہے۔

(توضیح کذا شرک ص ۵، مطبوعہ کراچی)

کیپٹن مسعود صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ جملہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ راوی کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث درج ہے اس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اور بلادلیل حدیث کے کسی جملہ کو راوی کا کلام قرار دینا غیر مسوع اور غیر مقبول ہے۔ اگر وہ اس سلسلہ میں ناقدین اور ناقلین حدیث میں سے کسی کی شہادت پیش کرتے تو اس کی طرف التفات کیا جاتا۔ محض ان کی ذہنی اختراع تو لائق جواب نہیں ہے۔

تعویذ کے جواز کی روایت کا ایک حدیث سے معارضہ اور اس کا جواب
کیپٹن مسعود صاحب نے اس حدیث کی تیسری علت یہ بیان کی ہے:

(۳) تیسری علت: عبد اللہ بن عمرو بن العاص جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کمن بچوں کے گلے میں دعا کا تعویذ لٹکاتے تھے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعویذ لٹکانے کی برائی میں صحیح حدیث روایت کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کی برائی کی حدیث بھی روایت کرے اور دوسری طرف اس چیز میں جلا بھی ہو۔ روایت یوں ہے: (رواہ ابوداؤد ص ۵۴۰ و مشکوٰۃ ص ۳۸۹) ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو بن العاص (علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ روایت عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے نہیں بلکہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے اور اسی طرح ابوداؤد کے نسخوں میں ہے۔ مشکوٰۃ میں غلطی سے عبد اللہ بن عمر چھپ گیا ہے) روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں کہیں یہ تین باتیں کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں: (۱) تریاق استعمال کروں (۲) اس میں شراب اور سناپوں کا گوشت ہو تا ہے (۳) تعویذ لٹکاؤں (۴) شاعری کروں۔

(تعویذ مکتبہ اشرف ہے ص ۶-۵، مطبوعہ کراچی)

اس اعتراض کے جواب میں اولاً گزارش یہ ہے کہ جس حدیث پر امام ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ اس وقت حسن ہوتی ہے جب معتدین میں سے کسی نے اس کو ضعیف نہ قرار دیا ہو اور اس حدیث کو حافظ منذری اور امام بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ معتدین میں سے ہیں چنانچہ حافظ کی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن رافع التوفی ہے جو افریقیہ کا قاضی تھا امام بخاری نے کہا اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں۔ (مختصر سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ثانیاً اس حدیث کی شرح میں ابو سلیمان محمد بن محمد الخطابی الحنفی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قسم (کوڑیاں یا تعویذ لٹکانے کی ممانعت ہے، قرآن مجید سے تبرک حاصل کرنے یا شفا طلب کرنے کے لیے جو تعویذ لٹکائے جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے اور اس سے استعاذہ کرنا (پناہ طلب کرنا) اللہ سے استعاذہ کرنے کے قائم مقام ہے اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ وہ تعویذ مکروہ ہیں جو غیر عربی میں ہوں اور ان کا معنی معلوم نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ جادو ہو یا اس میں اور کوئی چیز ممنوع ہو۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ثالثاً علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو نصیحہ سے ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد زنانہ جاہلیت کا نصیحہ ہے، کیونکہ نصیحہ (تعویذ) کی جو قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلمات کے ساتھ مختص ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ تعویذ مستحب ہے اور اس میں برکت کی امید ہے اور اس کی اصل سنت سے معروف ہے۔

(مرقاۃ ج ۸ ص ۳۶۱، مطبوعہ مکتبہ اداویہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

روایت حدیث میں امام محمد بن اسحاق کا مقام

کیپٹن مسعود صاحب نے اس حدیث کی چوتھی علت یہ بیان کی ہے:

(۴) چوتھی علت اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے دو راوی محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب ایسے راوی ہیں جن پر ائمہ

حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار۔ امام مالک فرماتے ہیں ”دجال من الدجاجلة“ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۳۶، میزان جلد ۳ ص ۲۱) سلیمان تھی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب (بست بڑا جھوٹا) ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱) وہیب بن خالد اس کو کذاب کہتے ہیں۔ (تہذیب ج ۴ ص ۳۵) جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جب لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث کی سماعت کریں گے۔ (تہذیب جلد ۲ ص ۳۰۶) اب ذرا ایسے کذاب راوی کے بارے میں ائمہ حدیث کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ واذا قالوا متروک الحدیث او واہبا او کذاب فهو سافط لا یکنب حدیثہ (تقریب النوادی ص ۲۳۳) جب محمد بن اسحاق کسی راوی کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ متروک ہے یا دہی ہے یا کذاب ہے تو وہ راوی سافط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ (تقریب النوادی ص ۲۳۳) اس جرح کے جواب میں گزارش ہے کہ پہلے ہم امام محمد بن اسحاق کا ترجمہ (تعارف) پیش کریں گے اور روایت حدیث میں ماہرین اور محققین کے نزدیک جو ان کا مقام ہے وہ بیان کریں گے اور اس کے بعد کیشن مسعود کی نقل کردہ جرح کا جواب ذکر کریں گے۔

امام محمد بن اسحاق بن یسار کے حلق حلف جمل الدین یوسف الہزی المتونی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور تابعین میں سے سالم بن عبد اللہ بن عمر اور سعید بن المسیب کی زیارت کی، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے تعلق روایت کی ہے اور امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان سے اصلاً روایت کی ہے۔

زہری کہتے تھے کہ جب تک مدینہ میں محمد بن اسحاق موجود ہیں ان کے علم کا خزانہ قائم رہے گا۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تہجر حاصل کرنے کا ارادہ کرے گا وہ محمد بن اسحاق کا پروردہ ہو گا۔ ابو حلیہ کہتے تھے کہ محمد بن اسحاق کا حافظہ لوگوں میں سب سے زیادہ ہے۔ امام بخاری نے کہا علی بن عبد اللہ، محمد بن اسحاق کی احادیث سے استدلال کرتے تھے اور ابن عیینہ نے کہا میں نے کسی شخص کو محمد بن اسحاق پر تہمت لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابو زرہ دمشقی نے کہا کہ محمد بن اسحاق وہ شخص تھے کہ بڑے بڑے علماء ان سے علم حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے، ان میں سفیان، شعبہ، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک، ابراہیم بن سعد تھے اور اکابر محدثین ان سے روایت کرتے تھے۔ محمد بن عبد اللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق پر قدری ہونے کی تہمت لگائی جاتی تھی حالانکہ وہ قدریہ کے عقائد سے بہت دور تھے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی سے سوال کیا کیا آپ کے نزدیک محمد بن اسحاق کی حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے نزدیک محمد بن اسحاق کی حدیث صحیح ہے۔ میں نے کہا پھر امام مالک نے جو ان پر اعتراض کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا امام مالک ان کے پاس بیٹھے نہ انہوں نے ان کو پہچانا۔ میں نے کہا کہ ہشام بن عروہ نے ان پر اعتراض کیا ہے (کہ محمد بن اسحاق ہشام کی بیوی سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کو نہیں دیکھا) علی بن مدینی نے کہا کہ ہشام حجت نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ محمد بن اسحاق نے بچپن میں ان کی بیوی سے حدیث کا سماع کیا ہو۔ ابو بکر موزی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن اسحاق میں سے کون پسندیدہ ہے؟ انہوں نے کہا محمد بن اسحاق۔ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ علی بن مدینی نے کہا کہ محمد بن اسحاق صلح وسط ہیں۔ یعقوب بن شیبہ المدوسی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کیا آپ کو محمد بن اسحاق کے صدق کے حلق کوئی تردد ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، وہ صدوق (بہت زیادہ سچے) ہیں۔ مجلی نے

کما وہ ثقہ ہیں۔ شعبہ کہتے تھے کہ محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ محمد بن سعد نے کہا کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے، ایک اور مقام پر کہا جس شخص نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کو جمع کیا وہ محمد بن اسحاق ہیں (واضح رہے کہ سیرت اور مغازی کی تمام روایات کی اصل محمد بن اسحاق ہیں) ابو احمد بن عدی نے کہا کہ محمد بن اسحاق کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ انہوں نے سلاطین کو فضول کتابوں کے مطالعہ سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی طرف متوجہ کر دیا اور بعد کے تمام ہر ت نگاروں نے ان ہی سے استفادہ کیا ہے۔ احمد بن خالد نے کہا کہ ۱۵۱ ہجری میں محمد بن اسحاق کی وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمل رقم: ۵۳۴ ج ۲ ص ۸۳-۷۰، مطبوعہ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ، تہذیب التہذیب رقم: ۵۳۱۰ ج ۲ ص ۳۸-۳۳ مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب المطبعہ بیروت، ۱۳۳۵ھ)

امام محمد بن اسحاق کو کذب کہنے کا جواب

امام محمد بن اسحاق کو جس وجہ سے کذاب اور مدلس کہا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا کہ مجھ سے دہیب بن خالد نے کہا کہ وہ کذاب ہے۔ انہوں نے کہا میں نے دہیب سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا مجھ سے مالک بن انس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا مجھ سے ہشام بن عروہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے ہشام سے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے ایک حدیث روایت کرتا ہے، حالانکہ وہ نو سال کی عمر میں میرے پاس رخصتی کے بعد آئی تھی، اور اس کو تاحیات کسی مرد نے نہیں دیکھا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۸۷، الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۲۵، المستمصر ج ۵ ص ۲۰۹، تہذیب الکمل ج ۲ ص ۷۵، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳، میزان الاعتدال ج ۶ ص ۵۸-۵۷، کتب الجرح والتعديل ج ۷ ص ۱۳۳-۱۳۲)

ان ہی کتابوں میں اس اعتراض کا جواب بھی مذکور ہے، امام ابن عدی لکھتے ہیں:

امام احمد نے فرمایا: امام محمد بن اسحاق کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس وقت ہشام کی بیوی فاطمہ مسجد میں جاری ہو، اس وقت انہوں نے اس سے اس حدیث کو سن لیا ہو یا کسی وقت وہ گھر سے جاری ہو تو ان سے سن لیا ہو۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۸۷) علامہ ذہبی نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق نے ان سے مسجد میں یہ حدیث سنی ہو، یا انہوں نے بچپن میں ان سے یہ حدیث سنی ہو یا انہوں نے پردہ کی لوث سے یہ حدیث بیان کی ہو، اور اس میں کیا چیز مانع ہے حالانکہ وہ بوڑھی اور عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۵۸) علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ امام محمد بن اسحاق ہشام کی بیوی کے پاس گئے ہوں اور ہشام کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو۔ (المستمصر ج ۵ ص ۲۰۹) حافظ مزی لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد نے کہا میں نے اپنے والد کے سامنے ابن اسحاق کی ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا ہشام نے اس کا انکار نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ محمد بن اسحاق ہشام کی بیوی سے اجازت لے کر گئے ہوں اور انہوں نے اجازت دے دی ہو اور ہشام کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ (تہذیب الکمل ج ۲ ص ۷۵، ہیئتہ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۵) نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق کو سلیمان اتقی، یحییٰ قطان اور دہیب بن خالد نے کذب کہا ہے، رہے دہیب اور قطان تو انہوں نے اس تکذیب میں ہشام بن

عروہ اور مالک کی تقلید کی ہے اور رہے سلیمان اتھی تو مجھے نہیں معلوم انہوں نے کسی وجہ سے محمد بن اسحاق پر اعتراض کیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ اس کا کوئی اور سبب ہے، کیونکہ سلیمان جرح اور تعدیل کے اہل نہیں ہیں، امام ابن حبان نے محمد بن اسحاق کا ثقات میں ذکر کیا ہے، ہشام اور مالک نے ان پر جرح کی ہے، رہے ہشام تو ان کا قول مائق جرح نہیں ہے، کیونکہ تابعین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھے بغیر ان سے حدیث روایت کرتے تھے، اسی طرح محمد بن اسحاق نے فاطمہ کو دیکھے بغیر ان سے حدیث روایت کی اور ان کے درمیان پردہ لٹکا ہوا تھا اور رہے مالک تو انہوں نے ایک مرتبہ یہ کہا اور پھر وہ ان کی طرف پلٹ گئے۔ وہ روایت حدیث کی وجہ سے ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کی جو اولاد مسلمان ہو گئی تھی اور ان کو غزوہ خیبر وغیرہ کے واقعات یاد تھے، محمد بن اسحاق ان کو بھی تلاش کرتے تھے ہر جہہ کہ ان سے وہ استدلال نہیں کرتے تھے اور امام مالک کے نزدیک ان ہی سے روایت حدیث جائز تھی جو بہت ثقہ ہوں، اور جب امام ابن السبارک سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے تین مرتبہ کہا وہ بہت سچے ہیں اور امام ابن حبان نے کہا میں نے محمد بن اسحاق کے پائے کا کوئی عالم نہیں تھا اور نہ روایات کو جمع کرنے میں کوئی شخص ان کی فکر کا تھا (ابن قولہ) امام ذہبی نے ہشام کی تکذیب کا رد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ہشام کا یہ کہنا بڑا غلط ہے کہ فاطمہ لو سال کی عمر میں اس کے نکاح میں آئی کیونکہ فاطمہ، ہشام سے تیرہ سال بڑی تھی، اور امام ابن اسحاق نے فاطمہ سے اس وقت حدیث کی روایت کی ہے جب ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور فاطمہ سے امام محمد بن اسحاق کے علاوہ دوسروں نے بھی حدیث روایت کی ہے، ان میں سے محمد بن سوہب ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸-۳۷)

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ پر جرح کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کے ایک اور راوی پر جرح کرتے ہوئے کیچن مسعود لکھتے ہیں: دوسرے راوی عمرو بن شعیب بن محمد بن اسحاق کے استاد ہیں ان کا معاملہ بھی آپے شام درست مختلف نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ صحیحہ مروی بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور ان کی اپنے دادا سے حجت نہیں ہے اور اس روایت میں ایسا ہی ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ آدمی حجت بھی نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب ہمارے نزدیک واثق ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت حجت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۰-۴۹) ابو زرہ کہتے ہیں کہ عمرو نے اپنے باپ سے صرف چند روایتیں سنی ہیں لیکن وہ باپ اور دادا سے منسوب کر کے تمام غیر مسموع روایتیں بے تمایز بیان کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۸۹) ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے کچھ بھی نہیں سنا وہ کتب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں۔

(طبقات المدلسین ص ۱۱)

یہ درست ہے کہ بعض لوگوں نے عمرو بن شعیب پر جرح کی ہے، لیکن ماہرین حدیث نے عمرو بن شعیب کی تعدیل کی

ہے۔

حافظ جمال الدین ابی الجراح یوسف المزنی المتوفی ۷۷۲ھ لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص القرشی، ان سے امام بخاری نے قراءت خلف الامام میں احادیث روایت کی ہیں، اور امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے کہا امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور ہمارے عام اصحاب کو میں نے عمرو بن شعیب عن

ابن جریر سے احادیث روایت کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مسلمانوں میں سے کسی شخص نے بھی ان سے روایت حدیث کو ترک نہیں کیا۔ امام بخاری سے فرمایا ان کے بعد اور کون رہ جاتا ہے؟ اعلیٰ بن منصور نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا کہ ان کی احادیث لکھی جاتی ہیں، عبدالرحمن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد سے سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک کون بہتر ہے، عمرو بن شعیب عن ابنہ عن جده یا ابوہریر بن عیینہ عن ابنہ عن جده؟ تو انہوں نے کہا میرے نزدیک عمرو زیادہ بہتر ہیں، احمد بن عبد اللہ الفحل اور امام نسائی نے کہا وہ ثقہ ہیں، امام ازہری سے کہا میں نے عمرو بن شعیب سے افضل اور کامل کوئی شخص نہیں دیکھا، امام دارقطنی نے کہا میں نے ابو بکر السخاوی سے یہ سنا ہے کہ عمرو بن شعیب تابعین میں سے نہیں ہیں، اور وہ ہیں تابعین سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی سے کہا جب میں نے تحقیق کی تو ان کی تعداد میں سے زیادہ ہے۔ (حافظ مزی کہتے ہیں کہ:) امام دارقطنی کا یہی یہ گمان ہے کہ عمرو بن شعیب تابعین میں ہیں، لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے زینب بنت ابی سلمہ اور الربیع بنت معوذ بن عمرو سے حدیث کا سماع کیا ہے اور وہ صحابیہ ہیں۔ ان کی وفات ۸۸ھ میں ہوئی تھی۔

(تذکرہ الکمال رقم: ۱۹۹، ج ۲، ص ۲۲۱، ۲۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ شمس الدین بن احمد بن علی بن جریر فسطانی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

ابن شامہ سے کہا عمرو بن شعیب ثقات میں سے ہیں۔ احمد بن صالح سے کہا عمرو بن شعیب عن ابنہ عن جده کی سند ثابت ہے۔ یعقوب بن ابی شیبہ سے کہا ہمارے اصحاب میں سے کوئی شخص عمرو بن شعیب کی احادیث پر تنقید نہیں کرتا، ان کے نزدیک عمرو بن شعیب ثقہ ہیں اور ان کی احادیث ثابت ہیں، اور عمرو بن شعیب کی جن احادیث کا لوگوں نے انکار کیا ہے اس کی وجہ ان کی احادیث کی اسانید میں بعد کے ضعیف راوی ہیں اور جس ثقہ راویوں نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے وہ احادیث صحیح ہیں۔ علی بن مدینی نے کہا شعیب کے والد سے ان کے دادا عبد اللہ بن عمرو سے سماع کیا ہے اور علی بن مدینی نے کہا ہمارے نزدیک عمرو بن شعیب ثقہ ہیں اور ان کی کتاب صحیح ہے۔

(تذکرہ اصحاب بیت ج ۸ ص ۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن جریر فسطانی متوفی ۸۸۸ھ عمرو بن شعیب کے متعلق اپنی رائے لکھتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں یعنی بہت زیادہ سچے ہیں۔ (تقریب التذکرہ ج ۸ ص ۲۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، کاتبیہ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن علی بن جریر فسطانی ۸۸۸ھ سے عمرو بن شعیب کی تصدیق کے متعلق بحث احوال لکھے ہیں، ہم ان میں سے چند نقل کر رہے ہیں۔

ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن یحییٰ سے عمرو بن شعیب کے متعلق سوال کیا تو وہ بہت عارض ہوئے اور کہا میں ان کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہوں جن سے ائمہ نے حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے امام بخاری کی تاریخ کبیر (ج ۱ ص ۳۳۲) سے نقل کیا ہے کہ امام احمد، علی بن مدینی، یحییٰ بن یحییٰ، اور حیدری، میں سے ان سب کو عمرو بن شعیب سے احادیث روایت کرتے ہوئے دیکھا، پھر ان کے بعد کے لوگوں کی کیا حیثیت ہے۔ امام ابو زرہ نے کہا ان کی روایات میں وہ احادیث منکر ہیں جو علی بن الصبلہ اور ابن لیث سے مروی ہیں اور وہ ثقہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتم بن حبان سے کہا کہ عمرو بن شعیب کے متعلق صحیح یہ ہے کہ ان کو تاریخ ثقات کی طرف راجع کیا جائے، کیونکہ ان کی عدالت (یعنی اور پرہیز گاری) کا بیان ہو چکا ہے، اور ان کی احادیث میں جو منکر روایات ہیں تو ان میں جو روایات عن ابنہ عن جده ہیں ان کا حکم طویل کا ہے، حسب ذہن مناقب اور مراسیل روایات کریں تو ان کی احادیث میں سے متفرغ اور مرسل کو چھوڑ دیا جائے اور حدیث صحیح سے استدلال کیا جائے، (حافظ ذہبی)

فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ عمرو بن شعیب کی اپنے باپ اور دادا سے جو روایات ہیں ان میں کوئی روایت مرسل ہے نہ منقطع، رہا یہ کہ وہ بعض احادیث کتب سے بیان کرتے ہیں اور بعض سن کر تو یہ محل نظر ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کی احادیث، حدیث صحیح کی اعلیٰ اقسام میں سے ہیں بلکہ ان کی حدیث حسن کے قبیل سے ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۵ ص ۳۲۳-۳۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

عمرو بن شعیب کی اس روایت سے استدلال کرنے والے علماء

عمرو بن شعیب کی اس روایت سے حسب ذیل علماء نے استدلال کیا ہے:

حافظ ابن قیم جوڑی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس بیماری (خواب میں ڈرنے) کے لیے اس تعویذ کے علاج کی مناسبت عقلی نہیں ہے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۶۸-۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۷۸، بیروت ۱۴۰۵ھ، مصر) حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی اس حدیث سے تعویذ لٹکانے پر استدلال کیا ہے۔

(الطب النبوی ص ۲۸۱، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، شیخ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اس حدیث سے شیطان سے پناہ مانگنے پر استدلال کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۶۷-۶۶، مطبوعہ دار الوفاق بیروت ۱۴۱۸ھ، فتح ابیان ج ۹ ص ۹۳۸، الکتب المصریہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان کے علاوہ اور بھی مفسرین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جن کو ہم نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔

محمد شین میں سے ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن تعویذات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں ان کو لٹکانے کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور کلمات کو ایک کانڈ پر لکھ کر گردن میں لٹکالیا جائے، اس حدیث سے گردن میں تعویذات لٹکانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ سیہوں اور اس کی مثل چیزوں کا لٹکانا حرام یا مکروہ ہے، لیکن اگر تعویذات میں قرآن مجید یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اشحاح المسائل ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مطبع نجف کمار گھنٹہ)

شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ عبدالحق دہلوی نے لمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں بچوں کے گلوں میں تعویذات لٹکانے کی دلیل ہے، لیکن رسوم جاہلیت کے مطابق حرز اور کوڑیوں کو لٹکانا بظاہر حرام ہے۔

(تحفۃ الاحوال ج ۴ ص ۷۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ان تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ از محمد بن اسحاق از عمرو بن شعیب از والد از جد یہ روایت صحیح یا حسن ہے اور اس سے اہل علم نے استدلال کیا ہے تاہم اس سند سے اس روایت کو پھر بھی کوئی تسلیم نہ کرے تو ہم اس روایت کو ایک اور سند سے

پیش کر رہے ہیں، جس میں امام محمد بن اسحاق نہیں ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احمد بن خالد از محمد بن اسماعیل از عمرو بن شعیب از والدہ از جد خود کہتے ہیں کہ ولید بن ولید ایسے شخص تھے جو خواب میں ڈر جاتے تھے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو یہ پڑھو: **بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ السامیۃ من عضہ وعقابه ومن شر عباده ومن ہمرات الشیطان وان یحضرہ** جب انہوں نے یہ کلمات پڑھے تو ان کا ڈر جاتا رہا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے بلیغ بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور نابالغ بچوں کے گلوں میں یہ تعویذ لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔ (علق افعال العباد ص ۸۹، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۱ھ)

بعض تابعین کے اقوال کی توجیہ

نیز کیپٹن مسعود لکھتے ہیں: پانچویں علت یہ ہے کہ کسی صحابی، کسی تابعی نے تمیذ کو جائز قرار نہیں دیا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض صحابہ بھی ان تعویذوں کو جائز سمجھتے تھے جن میں قرآن یا اسماء اللہ تعالیٰ یا اللہ کی صفات لکھی ہوئی ہوتی تھیں صحیح نہیں ہے۔ (الی قول) و کعب، سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی انسان کی گردن سے تمیذ کو کاٹ دیا اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا (تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۷)

سعید بن جبیر کے اس قول میں تمیذ سے مراد رسم جاہلیت کے مطابق کوڑیاں ہیں یا وہ تعویذات جن میں قرآن مجید اور اسماء الہیہ کے علاوہ کچھ لکھا ہو یا غیر عربی میں لکھا ہو، ہاں اسی صفحہ پر ابراہیم نخعی کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر قسم کے تمام مکروہ ہیں خواہ قرآن سے لکھے جائیں یا غیر قرآن سے، یہ بلا حوالہ لکھا ہے، سو یہ ہم پر حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ یہ احادیث صحیحہ اور بکثرت آثار تابعین اور متعدد مفسرین کی عبارات اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔

تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق فقہاء تابعین کے فتاویٰ

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے تعویذ کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا جب اس کو گردن میں لٹکایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۳)

عطا سے اس حائض عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس پر تعویذ ہو، انہوں نے کہا اگر وہ چڑے میں ہو تو وہ اس کو اتار لے اور اگر وہ چاندی کی نکل (یا ڈبیا) میں ہو تو اگر چاہے تو وہ اس کو رکھ دے اور اگر چاہے تو نہ رکھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۴)

یونس بن خباب بیان کرتے ہیں کہ بچوں کے گلوں میں جو تعویذ لٹکائے جاتے ہیں ان کے متعلق میں نے ابو جعفر سے پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کی رخصت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۵)

جوہر بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کتب اللہ سے لکھ کر تعویذ لٹکائے اور غسل کے وقت اور بیت الخلاء کے وقت اس کو اتار دے تو تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۳) (اگر تعویذ چڑے میں منڈھا ہوا ہو یا چاندی کی ڈبیا میں ہو تو پھر ان احوال اور اوقات میں اتارنا ضروری نہیں ہے۔)

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۳-۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق علامہ شاہی حنفی کی تصریح

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شاہی حنفی متوفی ۱۱۷۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر مصیبت نازل ہونے کے بعد تعویذ لکھا جائے تو وہ تمیز نہیں ہے اور اگر بلا اور مصیبت نازل ہونے سے پہلے تعویذ لکھا جائے تو وہ تمیز ہے تاکہ اس تعویذ سے اللہ کی تقدیر کو دفع اور مسترد کیا جائے۔ (شرح السنہ ج ۲ ص ۶۸) ابن کثیر ج ۱ ص ۱۳۵ اور عیسیٰ علیہ وسلم نے نزول بلا سے پہلے دم فرمایا ہے اور آپ کا یہ دم فرمایا اللہ کی تقدیر کو حاصل کرنے کے لیے تھا نہ کہ اللہ کی تقدیر کو دفع کرنے کے لیے، اس لیے یہ احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے خلاف نہیں ہیں۔

دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور فقیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریح مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد عبدالرحمن بہارک پوری جونی ۵۳ ص ۱۴۷ لکھتے ہیں:

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اپنی کتاب ”الدرن الثانی“ میں لکھا ہے کہ جن تعویذات میں قرآن مجید کی آیات یا اللہ تعالیٰ کے اسما لکھے ہوں ان کو لٹکانے کے جواز میں مجاہد کرام، تابعین اور بعد کے علماء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ظاہر روایت میں اس کا جواز ہے، امام ابو جعفر باقر اور امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی اس روایت میں توجیہ کی ہے کہ جھاڑ پھونک، تمام (تعویذات) اور تولد (خلوند کے دل میں بیوی کی محبت کا عمل) شرک ہیں، انہوں نے کہا یہ ان تعویذات پر محمول ہے جس میں شرک کلمات ہوں، اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حذیفہ، حضرت عقیق بن یامر اور ابن کثیر کے ظاہر اقوال میں یہ دم جواز ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ ان اقوال میں بھی حسب سابق توجیہ کی جائے گی اور مباحثت کو ان تعویذات پر محمول کیا جائے گا جن میں شرک کلمات ہوں، سعیدی غفرلہ) بعض علماء نے مباحثت کو تین وجوہ سے ترجیح دی ہے اول اس لیے کہ مباحثت میں جہنم ہے اور مباحثت کا کوئی مشخص نہیں ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں جواز کی تصریح ہے وہ مشخص ہیں، سعیدی غفرلہ) ثانیاً شرک کے ذرائع کا سد باب کرنے کے لیے۔ (میں کہتا ہوں کہ شرک کلمات کا تمام میں لکھا صرف زمانہ جاہلیت میں تھا کیا شرک کے ذرائع کا سد باب کرنے کے لیے دم کرنے اور دوا دارو کرنے کی بھی مباحثت کی جائے گی کیونکہ حضرت ابن مسعود کی روایت میں دم کرنے کو بھی شرک فرمایا ہے، سعیدی غفرلہ) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص تعویذ لکھتا ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تعویذ کو قضاء حاجت اور انتقام کرتے وقت نہ اٹارے، نواب بھوپالی نے اس وجہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وجہ بہت کمزور ہے کیونکہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے وقت تعویذ اٹارے اور فارغ ہو کر پھر بس لے۔ پھر نواب بھوپالی نے لکھا ہے کہ اس باب میں رائج یہ ہے کہ تعویذ لکھنا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ جس طرح تھوڑی کے کئی مراتب ہیں اسی طرح اخلاص کے بھی کئی مراتب ہیں۔ (یوں کہنا چاہیے کہ توکل کے بھی کئی مراتب ہیں، سعیدی غفرلہ) حدیث میں ہے: ستر ہزار مسلمان جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، یہ وہ ہیں جو نہ خود دم کرتے ہوں گے، نہ دم طلب کرتے ہوں گے۔ حالانکہ دم کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں بہت احادیث اور آثار ہیں (لیکن یہ توکل کا اعلیٰ مرتبہ ہے، اسی طرح تعویذ نہ لکھنا بھی توکل کا اعلیٰ مرتبہ ہے، سعیدی غفرلہ) واللہ اعلم بالصواب، یہاں پر نواب بھوپالی کی مباحثت ختم ہو گئی۔

(تخلیۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۳۲-۲۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس بحث کے اخیر میں ہم حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم کے ذکر کیے ہوئے چند تعویذات کا بیان کر رہے ہیں۔

تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق علامہ ذہبی کی تصریح اور خواب میں ڈرنے کا تعویذ

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی البیرونی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

تمام (تعویذات) لٹکانے کے متعلق امام احمد نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور کہا جس نے کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ عرب نے کہا میں نے امام احمد سے پوچھا جن تعویذ میں قرآن مجید لکھا ہوا ہو یا اس کا غیر لکھا ہوا ہو آیا وہ مکروہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن مسعود اس کو مکروہ کہتے تھے، امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر سے روایت کیا ہے کہ وہ اس میں نرمی کرتے تھے اور شدت نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص خواب میں ڈر جائے تو وہ یہ پڑھے:

اعود بکلمات اللہ الشامة من عصبه
وعفابه وشر عبادہ ومن همزات الشیطن
میں اللہ کے غضب سے اس کے عقاب سے اس کے بندوں
کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں اور ان کے حاضر ہونے سے
اللہ کے کلمات تمہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

تو پھر شیاطین اس کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو ان کلمات کی تعلیم دیتے تھے اور بالغ بچوں کے گلے میں ایک کانڈ پر یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے، اس حدیث کو امام ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور امام النسائی نے اس حدیث کو عمل الیوم واللیلہ میں روایت کیا ہے، اور اس کے مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم اس وقت ہے جب کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ بنفسہ نفع یا ضرر پہنچاتا ہے، یا اس میں ایسے کلمات ہوں جن کا معنی معلوم نہ ہو۔ (الطب النبوی ص ۲۸۱ دار احیاء العلوم، بیروت ۱۳۰۶ھ)

تعویذ لٹکانے کے متعلق علامہ ابن قیم جوزی کی تصریح کلت اور بخار کا تعویذ

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم جوزی المتوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

ابو عبداللہ کو یہ خبر پہنچی کہ مجھے بخار چڑھ گیا تو انہوں نے مجھے بخار کے لیے ایک کانڈ لکھ کر بھیجا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:
بسم اللہ الرحمن الرحیم، بسم اللہ وبالله، محمد رسول اللہ فلما یانار کوئی مرد، و سلاما علی
'برہمیب' و ارادوا بہ کیدا فجعلنا ہم الاحمریس (الانبیاء: ۷۰-۷۹) اللہم رب جبرائیل ومیکائیل
واسرافیل اشفع صاحب هذا الكتاب بحولک وفوتک وجسرونک الہ الحق وامیں۔

مروزی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ یونس بن حیان نے ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ آیا میں تعویذ لٹکادوں؟ انہوں نے کہا اگر وہ تعویذ اللہ کی کتاب سے ہو یا اللہ کے نبی کے کلام سے ہو تو اس کو لٹکالو، اور حسب استطاعت اس سے شفا طلب کرو، میں نے کہا میں بخار کا تعویذ اس طرح لکھتا ہوں بسم اللہ وبالله، محمد رسول اللہ الخ، انہوں نے کہا درست ہے۔ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، دیگر روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں نرمی کی ہے۔

عرب نے کہا امام احمد بن حنبل نے اس معاملہ میں سختی نہیں کی، امام احمد نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بہت سختی کرتے تھے، اور ان سے ان تعویذات کے متعلق سوال کیا گیا جو مصائب نازل ہونے کے بعد لٹکائے جاتے ہیں تو انہوں نے کہا مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔

خلال نے کہا ہم سے عبداللہ بن (امام) احمد نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد) کو مصائب نازل ہونے کے بعد ان لوگوں کے لیے تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے جو ڈر جاتے تھے اور جن کو بخار چڑھ جاتا تھا۔ (زاد الطولج ص ۳۹ دار الفکر بیروت)

وضع حمل میں تنگی اور مشکل کے متعلق تعویذ

شیخ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

کے متعلق تعویذ

صِفِّصْهَا لَا يَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا - (النعام: ١٣) (تأليف: الطبرج ٢٧٣-٢٧٤ مطبوع دار الفكر بيروت ١٣٩٩هـ)

تعبیذات اور دم کے جواز کے متعلق ہم نے سولہ پر مفسرین کی تصریحات اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا۔ ان کو ہم ان شاء اللہ بنو اسرائیل: ۴۲ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا بیحدائق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے کہ یہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے سب سے بڑا ہے جو اسی کی وجہ سے مسلمان خوش بنائیں۔ ہلال بن یساف، حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے کہا: اللہ کے فضل سے مراد اسلام ہے اور اس کی رحمت سے مراد قرآن ہے۔ (جامع البیان ج ۲: ۱۱۳-۱۱۴)

اس آیت میں مسئلہ کھڑے ہے دوبارہ اشارہ کیا ہے کہ خوشی منانے کا محرک اور باعث صرف اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہونا چاہیے یعنی انبیاء صرف اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے مسرور ہونے لگے اور کسی بلائی سبب کی وجہ سے، کیونکہ بلائی لذتیں غلی ہیں ان کے زوال کا خطرہ انبیاء کو لاحق رہتا ہے اور روحانی لذتیں جب انبیاء کو حاصل ہوں تو وہ ان پر اس حیثیت سے خوش نہ ہو کہ یہ روحانی لذتیں ہیں بلکہ اسی حیثیت سے خوش ہو کہ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اسی حیثیت سے اس کا خوش ہونا مست ہذا کیل اور بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی کے بعد فرمایا: اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے اسی لیے خوش ہونا کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت سے اسی دنیاوی مل و دولت سے بہت بہتر ہے جس کو کفار جمع کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی: آپ کی آید اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار

اس آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خطیب اور ابن عباس جسا کہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبل بفصل اللہ میں بفصل اللہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (الدر المنثور ج ۲ میں ۳۶۹ دار الفکر بیروت) روح البیانی ج ۷ میں ۲۰۵ دار الفکر بیروت اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ویرحمنہ میں رحمت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما ارسلک الا رحمة للعالمین۔ (الانعام: ۱۰) (الدر المنثور ج ۲ میں ۳۶۷ روح البیانی ج ۷ میں ۲۰۵) علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رحمت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(ازاد) مسبرج ۴۴: ۴۰، مکتب ۱۱: ۱۱، سبای بیروت، ۱۳۵۴ هـ)

اس تفسیر کے مطابق اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی ولادت اور بعثت پر مسلمانوں کو خوشی منانا چاہیے اور اس کی اصل اس آیت میں ہے:

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان گروہوں میں بعض وہ ہیں جو اس کے بعض کا انکار کرتے ہیں۔

ابام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی تعظیم کی

کی اور یہود اور نصاریٰ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ قلم کا قول ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہنا یہ وہ نفل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اس پر خوش ہوتے تھے، اور الاحزاب سے مراد یہود، نصاریٰ اور مجوس کے گروہ ہیں، ان میں سے بعض آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۲۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی ولادت اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار کرنا مطلوب اور محمود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رِيسَةَ الْكُفْرِ (ابراہیم: ۲۸) جن لوگوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے تبدیل کر دیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ لوگ کفار قریش ہیں اور عمرو نے کہا وہ قریش ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس صحیح حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی نعمت ہیں اور اللہ کی نعمت پر خوش ہونا اور فرحت اور مسرت کا اظہار کرنا مطلوب ہے۔

يَسْتَبْشِرُونَ رِيسَةَ الْكُفْرِ وَقَطْلُ - وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوشیاں مناتے ہیں۔

(آل عمران: ۱۷۱)

ان آیات، احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل اور رحمت ہیں اور اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مومنین اہل کتاب آپ کی وجہ سے فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے تھے، اور آپ اللہ کی نعمت ہیں اور مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمت پر خوشی مناتے ہیں، سو جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اس دن آپ کی ولادت پر خوشی کرنا اور عید میلاد منانا اور جشن آمد رسول کا اظہار کرنا یہ ان آیات، احادیث اور آثار کے مطابق ہے، اس کی مزید تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۹۰-۱۹۱ میں کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہنے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل کیا پس تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا، آپ کہتے کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا یا تم اللہ پر جسوٹا بہتان باندھ رہے ہو؟ اور جو لوگ اللہ پر جسوٹا بہتان باندھ رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا ممکن ہے؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (یونس: ۵۹-۶۰)

مشرکین کی خود ساختہ شریعت کی مذمت

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہ کثرت دلائل قائم فرمائے تھے، ان کے سوالات کے جوابات دیئے اور ان کے شبہات کو زائل فرمایا، اس کے بعد ان کے خود ساختہ مذہب کا رد فرمایا کہ انہوں نے بعض چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور بعض چیزوں کو حرام کہا ہے، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی اس حلت اور حرمت پر عقل شاہد ہے نہ نقل۔

انہوں نے جن چیزوں کو حلال اور حرام کیا ہوا تھا اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

وَقَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَهَٰؤُلَاءِ حُرْمٌ كَمَا يَطْعَمُهَا
اِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِرَغِيْبِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرْمَتٌ
طُهُورُهَا وَاَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُوْنَ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا
فَيُزَادُ عَلَيْهِمْ سَجِيْرَتُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ
وَقَالُوا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ
لِّدُكُوْرِنَا وَمَحْرَمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكْسُرْ مِيْنَتَهُ
فَهُمْ رِئُوْسٌ شُرَكَاءُ سَجِيْرَتُهُمْ وَخَصْمَهُمْ هٰذَا
حَكِيْمٌ عَلَيْهِمْ (الانعام: ۳۸-۳۹)

اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، اس کو وہی کھا
سکتا ہے جس کو ان کے زعم کے مطابق ہم چاہیں، اور کچھ مویشی
ایسے ہیں جن کی بیٹیوں کو (سواری اور بوجھ کے لیے) حرام کیا گیا
اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں
لیتے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے، عنقریب اللہ ان کو ان کے افتراء کی
سزا دے گا اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو (بچہ)
ہے وہ ہمارے مردوں کے ساتھ خاص ہے اور ہماری بیویوں پر وہ
حرام ہے، اور اگر وہ (بچہ) مرد ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس
میں شریک ہیں، عنقریب اللہ ان کو ان احکام گھڑنے کی سزا دے گا
بے شک وہ بڑی حکمت والا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ سَجِيْرَةٍ وَّلَا سَائِغٍ وَّلَا
وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلَٰكِنَّ الْاٰدِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ
عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ وَكُنْتُمْ لَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ
(المائدہ: ۱۰۳)

اللہ نے کوئی بھیرہ مقرر نہیں کیا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور
نہ حامی لیکن کفار جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھتے ہیں اور ان
کے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔

ابن المسیب نے کہا: سحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہا بتوں کی وجہ سے روک دیا جائے اور کوئی شخص اس کا
دودھ نہیں دوہتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں عمرو بن عامر الخزاعی
کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں تھمٹ رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے سائبہ کو بتوں کے لیے چھوڑا، اور
وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو مسلسل اونٹنیاں بنے اور درمیان میں زہ پیدائے ہوئے اور حامی وہ اونٹ ہے جو معین مرتبہ جعتی
کرے، اس کو بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۱۳۷۳)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ حلال اور حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا منصب ہے، اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے، اور جب کسی عالم یا
مفتی سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لے، اور بغیر کسی شرعی دلیل کے از خود کسی چیز کو
حلال یا حرام قرار نہ دے، ہمارے زمانہ میں یہ وبا بہت عام ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کے مدعی علماء سنن اور مستحبات کو اپنی
طرف سے فرض اور واجب کہتے ہیں، اور مکروہات کو حرام کہتے ہیں۔ وہ اپنی رائے سے شریعت سازی کرتے ہیں اور انہیں کوئی
خدا کا خوف نہیں ہوتا!

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر بہتان باندھ رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے؟

یعنی یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کیا قیامت کے دن ان کو بغیر سزا کے چھوڑ دیا جائے گا اور یہ لوگ جو دنیا میں اللہ پر بہتان
باندھتے رہے ہیں ان کو، کوئی سزا نہیں دی جائے گی!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے تشریف لائے، آپ نے دیکھا ایک شخص کے بالں بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر لے اور ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو لے!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۲۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳، مسند احمد ج ۳، ص ۴۵۷، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۳۵۱) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اس بات سے محبت کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دکھائی دے:

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹، مسند احمد ج ۲، ص ۲۱۳، المستدرک ج ۳، ص ۱۳۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۵۰۰) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے، کھانے پینے، لباس، مکان اور دیگر سامان آرائش اور زینت کو حسب حیثیت استعمال کرنا چاہیے، بے جا خرچ سے بچنا چاہیے اور اپنے مال میں ناداروں کے حق کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور آرام اور آسائش کے دنوں میں اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور ہر وقت ذکر و فکر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ

دے رسول اکرم! آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور دے

مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا

سلازا! تم جو کام بھی کرتے ہو (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے

يَعْزِبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ

دب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں

وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝۶۱

اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ مدین کتاب میں درج ہے ○ منوالشہ کے

أُولِيَاءِ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۶۲

ولیعوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ جر۔ ایمان لائے

وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝۶۳

اور (ہمیشہ) متق رہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اللہ آخرت میں بھی،

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ وَلَا يَحْزَنُكَ

اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ ان کی باتوں سے آپ

قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٤﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ

درجیدہ نہ ہوں، بے شک ہر قسم کا غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے، وہ خوب سننے والا ہے ○ سنا جو لوگ

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں سب اللہ ہی کے مملوک ہیں، یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر (خود ساختہ) شریکوں کو

مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٥﴾

پکارتے ہیں یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اللہ پر صرف غلط اندازے لگا رہے ہیں ○

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنْ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دکھانے والا دن بنایا، بے شک

فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٦﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا

اس میں (خوشے) سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ انہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے

سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ

وہ (اس سے) پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمینوں میں سب اس کے مملوک ہیں، تمہارے

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٧﴾

غاس اس (باطل قول) پر کوئی دلیل نہیں ہے، کلام اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کو تم خود بھی نہیں جانتے ○

قُلْ إِنْ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٨﴾

آپ کہیے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان اٹھاتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے ○

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنَازِلُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ

(یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹنا ہے پھر ہم ان کے کفریہ کاموں کی بنا پر ان کو

وَقَدْ لَاحِظٌ

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

سخت عذاب پہنچائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول اکرم!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور (اے مسلمانو!) تم جو کام بھی کرتے ہو تو ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتب میں درج ہے ○ (یونس: ۷۱)

مشکل الفاظ کے معنی اور آیات سابقہ سے مناسبت

وما نكسبون في شأن: شغل کے معنی ہیں کام، حال، کسی امر میں کو بھی شغل کہتے ہیں۔ (التعلیق ج ۲ ص ۳۴۳)

ادفع بصور فیه: جب تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو، کہا جاتا ہے "ادفع صافی الحديث: ہم باتوں میں لگ گئے۔

وما يعرب: نہیں دور ہوتا یا نہیں غائب ہوتا۔

مس مشغل ذرۃ: چھوٹی چیز کی برابر۔ (تفسیر غرائب القرآن للامام ابن قیثم ص ۱۷۹ مکتبہ البیروت ۱۳۹۹ھ)

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا کہ ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے اب اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام اعمال کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹا کام کریں یا بڑا کام کریں، یا وہ کسی کام کا ارادہ کریں اور اس کام کو نہ کریں، وہ ان کے دلوں کے احوال اور ظاہری افعال سب کو ہر حال میں اور ہر وقت میں جاننے والا ہے، اسے معلوم ہے کون اس کی اطاعت کرنے والا ہے اور کون اس کا شکر ادا کرنے والا ہے، کون گناہوں سے بچنے والا ہے اور کون گناہوں میں ڈوبنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، خواہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو یا بڑی سے بڑی چیز ہو وہ سب لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نوید ہے اور کفار کے لیے وعید ہے۔

زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ

اس آیت میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا اور اس کے بعد تمام مکلفین سے خطاب فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دو چیزوں کا ذکر فرمایا: آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: آپ جو بھی نیکی کا کام کرتے ہیں، حسن بھری نے کہا: آپ دنیا کا جو بھی کام کرتے ہیں یا اپنی حوائج اور ضروریات میں سے جس چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں یا آپ اللہ کی طرف سے قرآن مجید کی جس قدر بھی تلاوت کرتے ہیں، پھر تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو ہم اس پر گواہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شہد ہے اور ہر چیز کا عالم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا خالق ہے اور جو چیز بھی موجود ہے وہ اس کی ابتلا سے موجود ہے اور جو کسی چیز کا موجد ہوتا ہے وہ اس چیز کا عالم بھی ہوتا ہے، پس جب وہ تمام جہانوں کا موجد ہے تو پھر تمام جہانوں کا عالم بھی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کے رب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ اس روشن کتب میں درج ہے۔ اس آیت میں زمین کو آسمان پر مقدم کیا ہے اور اس مضمون کی ایک اور آیت میں آسمانوں کو زمینوں پر مقدم فرمایا ہے، ارشاد ہے:

عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ وَتَقَالِ دَرَجَتِي

عالم الغیب کی قسم! اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز غائب

میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔
میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔

میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔
میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔

میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔
میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔

ولی کا غوی معنی

عالمہ حسین بیگم محمد علی صاحبہ کی تصانیف میں
ایک خاص کتاب ہے جس کا نام ہے "ولی کا غوی معنی"
اس کتاب میں مولانا صاحب نے ولی کا غوی معنی
کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ ولی کا غوی معنی
ہے کہ وہ اپنے ولی کے ساتھ جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ
ملاقات کی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں
نے لکھا ہے کہ ولی کا غوی معنی ہے کہ وہ اپنے ولی
کی جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ ملاقات کی ہے۔

اس کتاب میں مولانا صاحب نے ولی کا غوی معنی
کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ ولی کا غوی معنی

ہے کہ وہ اپنے ولی کے ساتھ جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ
ملاقات کی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں

نے لکھا ہے کہ ولی کا غوی معنی ہے کہ وہ اپنے ولی
کی جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ ملاقات کی ہے۔

ولی کا غوی معنی

عالمہ حسین بیگم محمد علی صاحبہ کی تصانیف میں
ایک خاص کتاب ہے جس کا نام ہے "ولی کا غوی معنی"
اس کتاب میں مولانا صاحب نے ولی کا غوی معنی
کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ ولی کا غوی معنی
ہے کہ وہ اپنے ولی کے ساتھ جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ
ملاقات کی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں
نے لکھا ہے کہ ولی کا غوی معنی ہے کہ وہ اپنے ولی
کی جیسا کہ اپنے آپ کے ساتھ ملاقات کی ہے۔

اس کتاب میں مولانا صاحب نے ولی کا غوی معنی
کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ ولی کا غوی معنی

۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۳۳ھ لکھتے ہیں:

ولی کا لفظ فاعل کے وزن پر ہے معنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کی اللہ حفاظت کرتا ہو اور ایک لحظہ کے لیے بھی اسے اس کے نفس کے سپرد نہ کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (الاعراف: ۱۴۶)

اللہ نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے ولی کو مراد (مطلوب) اور مجذوب سالک کہتے ہیں، اور یا یہ لفظ فاعل کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی مسلسل حفاظت کرتا ہو اور اس کی زندگی میں کبھی گناہ شامل نہ ہو، اس معنی کے اعتبار سے ولی مرید (طالب) اور سالک مجذوب ہے، اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے اور حقیقت میں ہر مرید مرید ہے، اور ہر مرید مراد ہے اور ان میں فرق ابتداء اور انتهاء کے اعتبار سے ہے۔

(مرقاۃ ج ۵ ص ۵۳، مطبوعہ مکتبہ ادبیہ طہان، ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد المالوری المتوفی ۸۵۰ھ نے ولی کی تعریف میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے کام ہمیشہ حق کی موافقت میں ہوتے ہیں۔

(۳) یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کے لیے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔

(اللمت والعیون ج ۲ ص ۲۴۱-۲۴۰، مطبوعہ مکتبہ الشافعیہ بیروت)

ولی کے مصداق اور ان کے فضائل کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ دکھائی دیں تو اللہ یاد آ جائے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۷۳۷۲ ج ۱ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بعض بندوں میں سے ایسے انسان ہیں جو نبی نہیں نہ شہید (لیکن) اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں خبر دیں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں نہ ان کو ان سے کوئی ملتی فائدہ حاصل ہوتا ہے، اللہ کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے اور بے شک وہ نور پر فائز ہوں گے (بعض روایات میں ہے وہ نور کے منبر پر ہوں گے) اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم زدہ ہوں گے تو انہیں غم نہیں ہوگا پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا: لا اُولیاءَ اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون۔

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸ طبع الاولیاء ج ۱ ص ۳۶ طبع جدید ج ۵ ص ۵ طبع قدیم، شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۹۹۸ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۱ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳-۵۰۳۳ تحف السالکین ج ۶ ص ۹۷۵ سنن الترمذی مختصر رقم الحدیث: ۲۳۹۰

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی، میں اس سے اعلان جنگ کروں گا ہوں، جس چیز سے بھی بندہ میرا تقرب

حاصل کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ محبوب مجھے وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کلن ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے ہتھ طلب کرے تو میں اس کو ضرور ہتھ دیتا ہوں، اور میں جس کلام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کلام میں اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (یعنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ وہ موت کو پسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو پسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۵ طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۷۷ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۳۶ ج ۱ ص ۲۸ کتب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۹، صفۃ الصفۃ ج ۱ ص ۵۵ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۶۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۳۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ اور حافظ محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ عبدالواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۳، مطبوعہ لاہور، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ مصر)

اللہ اپنے محبوب بندے کے کلن اور آنکھیں ہو جاتا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟ عام طور پر شارحین اور علماء نے یہ کہا ہے کہ بندہ اپنے کالوں سے وہی سنتا ہے جس کے سننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنی آنکھوں سے وہی دیکھتا ہے جس کے دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو بندہ کا سنتا اللہ کا سنتا اور بندہ کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہوتا ہے، اس لیے فرمایا: میں اس کے کلن ہو جاتا ہوں اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں بنے گا جب تک کہ اس کا سنتا اس کا دیکھنا اس کا تصرف کرنا اور اس کا چمٹنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق نہ ہو اور جب اللہ اس کو اپنا محبوب بنا لے گا تو پھر اللہ اس کے کلن ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے کا معنی یہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کی بہترین توجیہ امام رازی نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

بندہ جب عبادت پر دوام کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور اس کے کلن ہو جاتا ہوں پس جب اللہ کا نور جلال اس کے کلن ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور سے سن لیتا ہے اور جب اس کا نور جلال اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب اس کا نور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں پر اور قریب اور بعید کی چیزوں کے تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا دل فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا منظر ہو جاتا ہے، لیکن بندہ بندہ ہی رہتا ہے خدا نہیں ہو جاتا جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا، اس کی صورت کا منظر ہو جاتا ہے بلاشبہ تمثیل جب بندہ کامل کی اپنی صفات فراہم جاتی ہیں تو وہ اللہ کی صفات کا منظر ہو جاتا ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ
مِىَ الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ
يُخَوِّسَنِي رَبِّي إِنَّمَا اتَّخَذُ رَبِّيَ الْغُلُوبِينَ۔
پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے واسطے
کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے نما کی گئی
کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا
(التقصی: ۳۰) پروردگار۔

دکھائی یہ دے رہا تھا کہ درخت کلام کر رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی، کیونکہ اللہ جل مجدہ
نے اس درخت میں تجلی فرمائی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے وہ درخت واسطہ بن گیا تھا تو جس میں تجلی کی گئی تھی اس نے
تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا، اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تجلی میں صرف صورت نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی ضرورت کی وجہ سے آگ میں (یا درخت میں!) تجلی فرمائی تھی، اور جب تم نے تجلی کا معنی سمجھ لیا تو سبب درخت
کیلئے یہ جائز ہے کہ اس میں یہ نما کی جائے کہ بے شک میں اللہ ہوں، تو جو نوافل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے وہ اللہ
کی سمح اور بھرکیوں نہیں ہو سکتا! وہ ابن آدم جو صورت رخص پر پیدا کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو
نہیں ہے (یعنی جب شجر موسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا مظہر ہو سکتا ہے تو سیدنا محمد ﷺ کی امت کا ولی جو اللہ کا محبوب ہو جائے
وہ اللہ کی صفت سمح اور بھر کا مظہر کیوں نہیں ہو سکتا!) (فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۹ مطبوعہ مجلس علمی ہند، ۱۳۵۷ھ)
اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے کی توجیہ

اس حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں جس کلام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کلام میں اتنا تردد (یعنی تاخیر) نہیں
کرنا جتنا تردد (یعنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ وہ موت کو پسند کرتا ہے اور میں اس کے رنجیدہ ہونے
کو پسند کرتا ہوں۔
اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنی موت پر راضی نہ ہو
جائے۔

امام ابو بکر احمد بن حنبل بیہقی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفت میں تردد جائز نہیں ہے اور نہ ہی بداء جائز ہے۔ (بداء کا معنی ہے اللہ کوئی کلام کرے پھر اس کو اس کلام
میں کسی خرابی کا علم ہو تو وہ اس کلام کو تبدیل کر دے، اس لیے ہم نے یہاں تردد کا معنی تاخیر کیا ہے) لہذا اس کی دو تالیفیں ہیں:
(۱) انسان اپنی زندگی میں کسی بیماری یا کسی آفت کی وجہ سے کئی مرتبہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے شفا کی اور
اس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرتا ہے، تو اللہ عزوجل اس کو اس بیماری سے شفا عطا فرماتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور
اس کا یہ فعل اس طرح ہوتا ہے جیسے ایک آدمی کو تردد ہوتا ہے، وہ پہلے ایک کلام کرتا ہے پھر اسے اس کلام میں کوئی خرابی نظر آتی ہے
اور وہ اس کلام کو ترک کر دیتا ہے لیکن ہر حال بندہ کے لیے موت سے چھٹکارا نہیں ہے، جب اس کی مدت حیات پوری ہو جاتی ہے تو
اس پر لانا موت آتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: دعا مصیبت کو مٹا دیتی ہے، اس کا بھی یہی معنی ہے۔^۱

۱۔ حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو صرف دعا بدلتی ہے، اور عمر صرف نیکی سے زیادہ
ہوتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۸۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر صرف خیر سے زیادہ
ہوتی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۹)

(۲) اس کی دوسری تویل یہ ہے کہ میں جس کام کو کرنے والا ہوں میں اس کام کے متعلق اپنے رسولوں (فرشتوں) کو کسی صورت میں واپس نہیں کرتا جیسا کہ میں بندہ مومن کی روح قبض کرنے کے معاملہ میں اپنے رسولوں (فرشتوں) کو واپس کر لیتا ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ملک الموت علیہما السلام کے واقعہ میں ہے اور حضرت موسیٰ نے تھمڑا کر ملک الموت کی آنکھ نکال دی تھی اور ملک الموت ایک بار واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ ان کے پاس گیا تھا اور ان دونوں تویلوں میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ پر لطف و کرم اور اس پر اس کی شفقت کا اظہار ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ملک الموت کے واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف بھیجا گیا جب ان کے پاس ملک الموت آیا تو حضرت موسیٰ نے ان کے تھمڑا کر (مسلم کی روایت میں ہے: پس ان کی آنکھ نکال دی) ملک الموت اپنے رب کے پاس لوٹ گئے اور کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں، آپ کے ہاتھ کے نیچے جتنے بیل آئیں گے ہریل کے بدلہ میں آپ کی عمر میں ایک سال بڑھا دیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! پھر کیا ہو گا؟ فرمایا: پھر موت ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: پھر اب ہی موت آجائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدسہ کے آستانے قریب کر دے جتنے قریب ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا جو کثیب (سرخ ریت کے ٹیلہ) کے پاس راستہ کے ایک جانب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۹ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵ کتاب

الاسماء والصفات ص ۳۳۳، ۳۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ولی کے فضائل کے متعلق مزید احادیث

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں گئے، وہاں دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ حضرت معاذ نے کہا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارا سارا بھی شرک ہے اور بے شک جس شخص نے بھی میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے اعلان جنگ کر دیا، بے شک اللہ ان نیک متقی بندوں سے محبت کرتا ہے جو چھپے رہتے ہیں، اگر وہ عائب ہوں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو بلایا نہیں جاتا نہ پہچانا جاتا ہے، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ظہار آلود اندھیروں سے نکل آتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۹ التلمیذ ج ۲۰ رقم الحدیث: ۳۲۲۰ ص ۹۵۳ طبع جدید، اتحاد

السلوۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۳۳-۳۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے ولی کو ایذا پہنچایا،

اس سے میری جنگ حلال ہو گئی۔ (طبیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۳۵ ص ۱۳۵ تحفۃ السلوۃ المستقیمین ج ۸ ص ۷۷)

حضرت عمرو بن الملوخ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

میرے اولیاء میرے بندے اور میرے محبوب ہیں، یہ میری مخلوق میں سے وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر

کرتا ہوں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۰ طبع الاولیاء رقم الحدیث: ۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جن کے ہاں بکھرے ہوئے غبار آلود ہوتے ہیں، وہ دو بوسیدہ چادریں پہنے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ وہ اگر اللہ پر (کسی کام کے کرنے کی) قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم سچی کر دے گا ان میں سے براء بن مالک ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۳ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵ مسند رک ج ۳ ص ۳۹ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳ طبع الاولیاء رقم الحدیث: ۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۵۵ اکمل للین حدی ج ۳ ص ۷۵، مطبوعہ ۱۳۱۸ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم اس سے محبت کرو، پس اس سے جبرئیل محبت کرتا ہے، پھر وہ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، اور جب وہ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں تم اس سے بغض رکھو۔ پھر جبرئیل اس سے بغض رکھتا ہے، پھر آسمان والوں میں ندا کرتا ہے اللہ فلاں سے بغض رکھتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو، تو آسمان والے اس سے بغض رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۵۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۴۳۲۳ دار الحدیث قاہرہ، رقم الحدیث: ۷۳۳ عالم الکتب بیروت، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰۷۰ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۰۵)

ابدال کے متعلق احادیث اور آثار اور ان کی فنی حیثیت

شریح بن عبید بیان کرتے ہیں کہ عراق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! ان پر لعنت کیجئے، آپ نے کہا نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں، جب بھی ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کی وجہ سے بارش ہوتی ہے، ان کی وجہ سے دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے، ان کی وجہ سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۹۳ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۷ طبع دار الحدیث قاہرہ، اس کے حاشیہ میں شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ شرح بن عبید کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں اور شرح بھی ثقہ ہیں انہوں نے مقدار سے سب سے کیا ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۔ حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی کی حدیث میں بھی ابدال کا ذکر وارد ہے، اس حدیث کو امام احمد نے اپنی سند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس حدیث کی اور بھی متعدد اسناد ہیں۔ ملائی المصنوع ج ۲ ص ۲۸۰ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، علامہ علی بن محمد الکتانی المتوفی ۹۲۳ھ نے لکھا ہے: حضرت علی کی حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور حاکم نے دس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض سندیں صحیح کی شرط پر ہیں، تخریج الشریعہ المرفوعہ ج ۲ ص ۳۰ شیخ شوکل متوفی ۱۲۵۰ھ نے بھی حافظ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے، الفوائد المجموعہ ص ۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، امام شمس الدین سخاوی متوفی ۹۹۲ھ نے لکھا ہے: حضرت علی کی حدیث

کے رجال حدیث صحیح کے راوی ہیں سوا شریح کے اور وہ ثقہ ہے، امام اضیاء المقدسی نے کہا حضرت علی کی حدیث کو بغیر رفع کے روایت کیا ہے، حضرت علی نے فرمایا: اہل شام کے جم غفیر کو لعنت نہ کرو، کیونکہ اس میں ابدال ہیں، کیونکہ اس میں ابدال ہیں، کیونکہ اس میں ابدال ہیں، مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۳۹ رقم الحدیث ۵۵۵۵۵۵ اسی سند کے ساتھ امام بیہقی نے اس کو دلائل التبیۃ میں روایت کیا ہے، اور ان کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے، بلکہ حاکم نے مسند رک میں حضرت علی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اس حدیث کی تفویض اور ائمہ کے درمیان اس کے مشہور ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے امام شافعی نے ایک شخص کے متعلق فرمایا: ہم اس کو ابدال میں سے شمار کرتے ہیں، اور امام بخاری نے ایک اور شخص کے متعلق فرمایا: اس کے ابدال میں سے ہونے کے متعلق کوئی شک نہیں کرتا، ان کے علاوہ فقہ، حفاظ اور ائمہ نے متعدد لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہیں، المقاصد الحسنہ ص ۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۳۰۷، حدیث کی تفویض کے متعلق یہ تقریر علامہ سخاوی کے حوالے سے علامہ کنانی نے بھی نقل کی ہے، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۳۰۷ علامہ الجبلونی حنفی ۳۰۷ نے بھی حضرت علی کی اس حدیث کی صحت کے متعلق وہی تقریر کی ہے جو علامہ سخاوی نے لکھی ہے، کشف الخفاء و منزل الطالبین ج ۱ ص ۴۷ مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق، علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ شریح بن عبید کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں اور شریح بھی ثقہ ہے، اور لکھا ہے کہ امام طبرانی اور حاکم نے اس حدیث کو دس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۶ مطبوعہ مصر، ۱۳۳۵ھ۔ شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، علامہ حمزہ احمد الزین نے مسند احمد رقم ۱۵۷۳۳ مطبوعہ قاہرہ کے حاشیہ پر لکھا ہے یہ حدیث حسن ہے اور احمد شاکر کا اس کو ضعیف کہنا اس کے تعصب پر مبنی ہے)

شریح بھی ثقہ ہیں انہوں نے مقدمہ سے ملع کیا ہے، (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۳ مسند احمد رقم ۱۵۷۳۳ کے حاشیہ پر حمزہ احمد الزین نے لکھا ہے کہ حافظ عراقی، البیہقی اور زبیدی نے لکھا ہے کہ تمام احادیث ابدال حسن ہیں، احمد شاکر کا اس کو ضعیف کہنا تعصب کی بنا پر ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں تمیں ابدال ایسے ہیں جو غلیل الرضن کی مثل ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو بدل دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲ مسند احمد رقم الحدیث ۴۲۵۲۰ اس کے حاشیہ میں الزین نے کہا اس کی سند البیہقی کے قول پر صحیح ہے، حافظ البیہقی نے کہا عبد الواحد بن قیس کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، الحملی اور ابو زرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور دیگر نے اس کی ضعیفیت کی ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۳)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبادہ بن الصامت سے حدیث روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (الماآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۲۸۰) علامہ کنانی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۳۰۷) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۶)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ہمیشہ تمیں ایسے شخص رہیں گے جن کی وجہ سے زمین قائم رہے گی، ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ قتادہ نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حسن ان میں سے ہیں۔

(۱) اتحاف السوۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۶ حنفی البیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے عمرو البزار از عنبر الخواص سے روایت کیا ہے اور ان دونوں کو میں پہچانتا ہوں اور اس کے جیسے راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۴۳ یہ حدیث الجامع الصغیر رقم: ۳۴۳ میں بھی ہے اور لاہرال (بیہقی) کی جگہ الایضال کا قلم ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین ہرگز چالیس ایسے آدمیوں سے خلل نہیں رہے گی جو غلیل الرحمن کی محل ہیں، ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری عدد کی جاتی ہے، جب ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دو سرا بدل پیدا فرماتا ہے۔

(۱) التعلیم الاوسط رقم الحدیث: ۴۳۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۳ اتحاف السوۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۳۶۰۳ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع ج ۱۰ ص ۶۳ علامہ زبیدی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، اتحاف السوۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۵)

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاسلمانی المتوفی ۳۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کی مخلوق میں تین سو شخص ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں چالیس ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سات ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پانچ ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت جبرئیل علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک ایسا شخص ہے جس کا دل حضرت اسرائیل علیہ السلام کے موافق ہے۔ جب ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب تین میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب پانچ میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب سات میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب چالیس میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام لوگوں میں سے اس کا کوئی بدل لے آتا ہے، ان ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، بارش برساتا ہے اور فصل اگاتا ہے اور مصائب کو دور کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ان کی وجہ سے کیسے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ امتوں میں کثرت ہو تو بہت لوگ پیدا ہوتے ہیں اور وہ ظالم اور جابر لوگوں کے خلاف دعا کرتے ہیں تو وہ ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، وہ بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے، وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں تو زمین فصل اگاتی ہے، وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بلاؤں اور مصائب کو مٹا دیتا ہے۔

(طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۶، ج ۱ ص ۴۰، طبع جدید، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۱)

احادیث ابدال کا معنی متواتر ہونا

حدیث ابن جوزی نے حضرت ابن مسعود کی اس حدیث کے حعلق کہا ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔

(الموضوعات ج ۳ ص ۱۵۱)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ ابدال کی احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابدال کی حدیث صحیح ہے چہ جائیکہ اس سے کم ہو اور اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ میں نے حدیث ابدال کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس میں میں نے اس حدیث کو تمام سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے جس کو امام ابن عساکر نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت علی کی حدیث ہے جس کو امام احمد، امام طبرانی اور حاکم وغیرہم نے اس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ہم اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں) اس حدیث کی بعض سندیں حدیث صحیح کی شرط پر ہیں اور حضرت انس کی حدیث ہے جو چھ سندوں سے مروی ہے ان میں سے امام طبرانی کی معجم اوسط میں ہے اور اس کو حافظ البیہقی نے حسن قرار دیا ہے (اس حدیث کو بھی ہم ذکر کر چکے ہیں) اور حضرت عباد بن الصامت کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے (اس حدیث کو بھی ہم بیان کر چکے ہیں) اور حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے کتب اربعہ میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر صدی میں میری امت کے بہترین افراد پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے پانچ سو میں کی ہوگی نہ چالیس میں جب ان میں سے کوئی شخص فوت ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پانچ سو میں سے بدل دے گا اور اس کی جگہ چالیس میں سے داخل کر دے گا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں ان کے افعال پر رہنمائی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جو ان پر قلم کرے گا وہ اس کو معاف کر دیں گے اور بدی کا جواب نیکی سے دیں گے اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔ (مجتبى الاولیاء ج ۱ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۱۵۰۰ اختلاف السلفۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۶) یہ حدیث طبرانی میں بھی ہے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے المعجم الکبیر میں دو سندوں کے ساتھ ہے اور طبرانی میں ہے (اس حدیث کو ہم بیان کر چکے ہیں) اور حضرت عوف بن مالک کی حدیث اس کو امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: ابدال اہل شام میں ہیں ان ہی کی وجہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ اختلاف السلفۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۶) اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث اس کو دہلی نے روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ان ابدال میں سے ہے جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے۔ وہ تقدیر پر راضی رہتے ہیں، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کی وجہ سے غضب ناک ہوتے ہیں۔ (انفردوس برثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۳۵ اختلاف السلفۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۷) اور حضرت ابو سعید خدری کی حدیث جس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے: (وہ حدیث یہ ہے: میری امت کے ابدال جنت میں نماز اور روزے کی وجہ سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ جنت میں ملاوت، دلوں کی صفائی اور مسلمانوں کی غیر خواہی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اختلاف السلفۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۵) اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (زمین ایسے تئیں آدمیوں سے ہرگز خالی نہیں ہوگی جو حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی مثل ہیں، ان ہی کی وجہ سے لوگ عافیت میں رہتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش ہوتی ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے، اختلاف السلفۃ المستقیمین ج ۸ ص ۳۸۷) اور حضرت ام سلمہ کی حدیث جس کو امام احمد اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف ہو گا پھر ایک شخص (مسجدی) اہل مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف بھاگتا ہوا جائے گا پھر اہل مکہ اس کو زبردستی امام بنائیں گے اور رکن اور مقام کے درمیان اس سے بیعت کریں گے، اس کی طرف شام سے ایک

لشکر بھیجا جائے گا اس لشکر کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ واقعہ دیکھ لیں گے تو اس شخص کے پاس شام کے ابدال آئیں گے اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور وہ سب اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ الحدیث، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۶ نیز ابدال کے متعلق حسن بصری، قتادہ، خالد بن معدان، ابن الزہریہ، ابن شوزب اور عطاء وغیرہم تابعین اور تبع تابعین سے حد و شمار سے باہر آثار مروی ہیں اور اس کی مثل لامحالہ تواتر معنوی کو پہنچتی ہے جس سے ابدال کا وجود بدیہاً ثابت ہوتا ہے۔ (الحقیقات علی الموضوعات، ج ۳، مطبوعہ المطبع الطولی کستونہ، ۱۳۰۳ھ)

احادیث ابدال کی مزید توثیق

علامہ محمد بن محمد حسینی زبیدی متوفی ۳۰۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ابدال کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں ہیں (یعنی حسن یا ضعیف ہیں) اور رہا قطب تو اس کے متعلق بعض آثار وارد ہیں اور رہا غوث تو صوفیاء کے نزدیک غوث کا جو وصف مشہور ہے وہ ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی، اس سے ظاہر ہو گیا کہ ابن تیمیہ کا یہ زعم باطل ہے کہ ابدال کے متعلق کوئی حدیث صحیح ہے نہ ضعیف، اور یہ احادیث اگر بالفرض سب ضعیف بھی ہوں، تب بھی اگر حدیث ضعیف متعدد طرق اور متعدد صحابہ سے مروی ہو تو حدیث قوی ہو جاتی ہے، حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ زمین نے اپنے رب سے نبوت منقطع ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں عنقریب تمہاری پشت پر چالیس صدیق رکھوں گا جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہو گا تو اس کی جگہ ایک شخص بدل دیا جائے گا اسی وجہ سے اس کا نام ابدال ہے پس وہ زمین کی بیخ ہیں ان ہی کی وجہ سے زمین قائم ہے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۷، مطبوعہ مصر)

نہاء اور نقیاء وغیرہ کی تعداد

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن الطولی المتوفی ۴۰۲ھ لکھتے ہیں:

تاریخ بغداد میں الکلتانی سے روایت ہے کہ نقیاء تین سو ہیں، نہاء ستر ہیں، ابدال چالیس ہیں، اختیار سات ہیں اور محمد چار ہیں اور غوث ایک ہے، اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو فساد نہ غوث دعا کرتا ہے اور وہ اس وقت تک سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ الاحیاء میں ہے کہ ہر روز غروب آفتاب سے پہلے ابدال میں سے ایک شخص بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اور ہر رات اوتار میں سے ایک بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، میں نے ابدال سے متعلق احادیث کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے اور اس کا نام نظم الدلائل فی الکلام علی الابدال رکھا ہے۔

(القاصد المحدث ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ولی کی صفات

قرآن مجید نے ولی کی تعریف میں فرمایا ہے: ”جو ایمان لائے“ اور (بیش) متقی رہے“ ایمان سے یہاں مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کی تصدیق کرے اس کا اقرار کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرے اور ہمیشہ متقی رہنے سے مراد ہے کہ وہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے ہمیشہ مجتنب رہے اور مکروہ تنزیہی، خلاف سنت اور خلاف ادنیٰ سے بچتا رہے، تمام فرائض اور واجبات پر دوام کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں پر پابندی سے عمل کرے، تمام سنتوں اور آداب پر عامل ہو اور نقلی عبادات کو دوام اور استمرار کے ساتھ ادا

کرے اور جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات جمل اور جلال میں ڈوبا ہوا ہو، کبھی خوف سے لرزہ برانداز ہو اور گرد و پیش سے بیگانہ ہو اور کبھی شوق کی وارفتگی میں خود اپنا بھی ہوش نہ رہے، انہیں عام مسلمانوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ اللہ عزوجل کی معرفت ہو اور ان کا دل نور معرفت سے اس طرح مستغرق ہو کہ جب وہ دیکھیں تو اللہ کی قدرت کے دلائل دیکھیں، اور جب وہ سنیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنیں اور ان کی حمد و ثناء سنیں اور جب وہ گفتگو کریں تو وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گفتگو کریں، ان کا عمل اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہو اور ان کا ہدف اور نصب العین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہو۔

وہ رات کے پچھلے پرانٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہوں، قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب کو سامنے تصور کر کے ان کے روئے کھڑے ہو جاتے ہوں اور آنسوؤں کے وضو سے خوف خدا میں ڈوب کر راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھتے ہوں اور گزرتے ہوئے نالہ نیم شب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوں، یہ مضمون قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا
وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ (الفرقان: ۲۶-۲۷)

اور جو لوگ اپنے رب کے مجھ سے اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ۝ اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب بھیر دے، بے شک اس کا عذاب چٹنے والی مصیبت ہے ۝ بے شک وہ قیام اور سکونت کی بہت بری جگہ ہے۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَفَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الضَّالِّينَ
وَالضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ
وَالضَّالِّينَ ۝ وَالضَّالِّينَ ۝ وَالضَّالِّينَ ۝

وہ متقی لوگ جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچاؤ ۝ وہ مبر کرنے والے، گم ہونے والے، اطاعت کرنے والے، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور رات کے آخری حصوں میں بخشش طلب کرنے والے ۝

لَا الضَّالِّينَ فِي جَحِيمٍ ۝ وَالضَّالِّينَ
مَّا أَنَّهُمْ رَبُّهُمْ رَغْبًا ۝ قُلْ ذَلِكُمْ
مُحْسِنِينَ ۝ كَذَّبُوا قَبْلَ ذَلِكَ
بِمُحْسِنِينَ ۝ وَيَا لَأَسْحَارَ هُمْ يَسْتَعْمِلُونَ ۝
(آل عمران: ۷۵-۷۶)

بے شک متقی لوگ جہنم اور چشموں میں ہوں گے! اپنے رب کی عطا فرمائی ہوئی نعمتیں لے رہے ہوں گے، بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نیک عمل کرنے والے تھے ۝ وہ رات کو کم سوتے تھے اور رات کے آخری حصوں میں بخشش طلب کرتے تھے۔

اللَّهُ مَنَّ عَلَى الْغَالِبِينَ ۝ وَكَشَفْنَا عَنْهَا غُمُوزَ
نَفْسِهِمْ ۝ جُلُودَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ثُمَّ نَدِمُوا جُلُودَهُمْ وَقُلُوبُهُمْ الَّتِي ذَكَرُوا
الَّذِينَ ۝ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جس کی سب باتیں آپس میں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی ہوئی جس سے ان لوگوں کے جسموں پر روئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کو سننے اور اس کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز رہنے میں ان کی یہ صفات ہیں:

الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ
أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ

(الزمر: ۱۸)

وَأَتَمَّتْ خِفَافٌ مَّقَامٌ رَبِّهِ وَتَهَيَّ السَّعْسَعُ عَيْنٌ
الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْحَنَّةَ هِيَ الْعَاوَىٰ ۝

(الطرح: ۳۱-۳۰)

وَالَّذِينَ يَخْتَفُونَ كَثِيرًا مِنَ الْأَثَمِ وَالْعَوَاجِشِ
وَأَذًا مَاعَصُوا هُمْ يَعْصُونَ ۝ وَالَّذِينَ
سَتَحَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ
شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُوقُونَ ۝

(الشوری: ۳۸-۳۷)

جو بات کو خود سے سنتے ہیں پھر اس کی عمدہ طریقہ سے پیروی
کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا
اور نفس (مادہ) کو اس کی خواہش سے روکا ۝ تو بے شک جنت
ی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز
کرتے ہیں اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے
ہیں ۝ اور جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم پر ایک کسی اور نماز
قائم رکھی اور ان کے معاملات ہمیشہ مشوروں سے ہوتے ہیں،
اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ
میں) خرچ کرتے ہیں ۝

ہم نے دلی کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ ان کو بہت زیادہ خوف خدا ہوتا ہے اور وہ بہت زاہد اور متقی ہوتے ہیں، اب ہم
خلفاء راشدین اور امام اعظم سے اس کی چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور خوف خدا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کے لیے
کھا کر لاتا تھا۔ ایک رات وہ آپ کے لیے طعام لے کر آیا، آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا۔ غلام نے کھا کیا وجہ ہے کہ آپ ہر
رات مجھ سے سوال کرتے تھے کہ یہ کہاں سے لائے ہو، آج آپ نے سوال نہیں کیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: میں بھوک کی
شدت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور میں
نے منتر پڑھ کر ان کا علاج کیا تھا انہوں نے مجھ سے مٹوڑہ دینے کا وعدہ کیا تھا آج جب میرا دلہن سے گزر ہوا تو وہیں شادی
تھی تو انہوں نے اس میں سے مجھے یہ طعام دیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: افسوس! تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر اپنے
حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے لگے، اور چونکہ خلل بیٹ میں وہ لقمہ کھلایا گیا تھا وہ نکل نہیں رہا تھا ان سے کھا گیا کہ بغیر پانی پینے
یہ لقمہ نہیں نکلے گا پھر پانی کا پالہ منگوا گیا حضرت ابو بکر پانی پیتے رہے اور اس لقمہ کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان سے کہا
گیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے اس ایک لقمہ کی وجہ سے اتنی مشقت اٹھائی۔ حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسم کا جو حصہ مال حرام سے بنا ہے وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہے، پس مجھے یہ خوف
ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس لقمہ سے بن جائے گا۔

(صفوة الصفوة ج ۱ ص ۹۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض، طبعة الاولیاء ج ۱ ص ۹۵ بیروت ۱۴۱۸ھ، اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۴۲۶)

اجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۲۹۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۵۵۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی قیس اپنی، وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور میں
اس کو دیکھ رہی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا دیکھ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نظر و رحمت نہیں فرما رہا! پھر فرمایا:

یہ تم کو معلوم نہیں کہ جب بندہ دنیا کی زیب و زینت پر خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس زینت کو چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ نے کہا پھر میں نے اس قمیص کو اتار کر صدقہ کر دیا، تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ اب یہ صدقہ تمہارا کفارہ ہو جائے۔

(طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عیادت، زہد اور خوفِ خدا

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ سے (ان کی وفات کے بعد) شادی کی اور ان سے کما میں نے بل اور اولاد کی رغبت کی وجہ سے تم سے شادی نہیں کی، میں نے تم سے صرف اس وجہ سے شادی کی ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز کس طرح پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا حضرت عمر عشاء کی نماز پڑھتے، پھر ہم سے فرماتے کہ میرے سرہانے پانی کا ایک برتن بھر کر رکھ دو، پھر رات کو بیدار ہوتے اور اس پانی سے وضو کرتے، پھر اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے حتیٰ کہ آپ کو اونگھ آجاتی پھر بیدار ہوتے حتیٰ کہ رات کی وہ ساعت آجاتی جس میں آپ قیام کرتے تھے۔ (کتب الترغیب لاہور ص ۳۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

عبد اللہ بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مسلسل رونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ (کتب الترغیب لاہور ص ۳۵ صفحہ الصفحۃ ۱۸ ص ۳۸)

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا میں نے حضرت عمر کو دیکھا وہ رمی بھار (شیطان کو کنکریاں مارنا) کر رہے تھے اور انہوں نے جو چادر پہنی ہوئی تھی اس میں چڑے کے پوند لگے ہوئے تھے۔ (کتب الترغیب لاہور ص ۱۵۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر خلیفہ تھے وہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے اور ان کے تہبند میں بارہ پوند لگے ہوئے تھے۔ (امام ابن جوزی نے جو وہ پوند کی روایت ذکر کی ہے) (کتب الترغیب لاہور ص ۱۵۳ صفحہ الصفحۃ ۱۸ ص ۳۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا اگر میں چاہوں تو سب سے زیادہ ملائم لباس پہنوں اور سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے اچھی زندگی گزاروں لیکن میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ان کے کاموں پر ملامت کی اور فرمایا:

ادھنہ صیبتکم فی حیاتکم السبیا
و سنمعنہا۔
تم اپنی عمدہ لذت چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں لے چکے اور تم نے ان سے (خوب) فائدہ اٹھالیا۔

(طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱، طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین صفوں تک ان کے رونے کی آواز پہنچتی تھی۔ (طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۳۳، طبع جدید)

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۳۳ صفحہ الصفحۃ ۱۸ ص ۳۸)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ، سوا ایک شخص کے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ، سوا ایک شخص کے، تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک

فصل میں ہوں گا۔ (طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تاحیات لگاتار روزے رکھتے رہے۔
سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر آدمی رات کے وقت نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۹)

عمر بن مہمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا اے عبد اللہ بن عمر! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے، اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے ساتھ دفن کر دیا جاؤں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی، لیکن آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب حضرت ابن عمر واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میرے نزدیک اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی، جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المومنین کے پاس لے جائے، ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن الخطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کرونا اور نہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ پھر فرمایا میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے، پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنادیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا پھر حضرت عمر نے یہ ہم لیے: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو، آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسلام لانے میں مقدم ہیں، پھر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے بدل کیا پھر ان تمام (خوہوں) کے بعد آپ کو شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاش کہ یہ سب برابر برابر ہو جائے، مجھے عذاب ہو نہ ثواب ہو، الحدیث۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۳)

حضرت عبد اللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کاش میں پیدا نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میں بھولا بھرا ہوتا۔
(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوف خدا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن دنوں خلیفہ تھے وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور ان کی پشت پر کنگریوں کے نشان تھے، اور یہ کہا جاتا تھا یہ امیر المومنین ہیں، یہ امیر المومنین ہیں۔

(کتاب الترغد لاحمد ص ۱۵۸، طیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۷۹، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۷)

عبد اللہ بن الروی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رات کو اٹھتے اور وضو کے لیے پانی لیتے۔ ان کی اہلیہ نے کہا آپ خادموں کو کیوں نہیں کہتے وہ آپ کے لیے پانی لے آئیں گے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: نہیں ان کو نیند میں آرام کرنے دو۔

(کتاب الترغد لاحمد ص ۱۵۸)

زبیرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے اور رات کے اول حصہ میں صرف تھوڑی دیر سوتے تھے۔ (کتاب الترغد لاحمد ص ۱۷۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۶)

شرعیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیروں والا کھانا کھلاتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو سرکہ اور زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔ (کتاب الترمذی لاہور، ص ۹۲۰ صفحہ ۱۵۷ ج ۱ ص ۱۳)

حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں، تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل سے نجات پا گیا اس کے لیے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔ (کتاب الترمذی لاہور، ص ۹۲۰ طبع الاولیاء رقم الحدیث: ۱۸۷۲)

بلاغ بیان کرتے ہیں جس دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اس دن صبح کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے وہ خواب بیان کیا جو اس رات انہوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا میں نے کزشتہ رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عثمان! آج روزہ ہمارے پاس انتظار کر، پھر حضرت عثمان نے اس دن روزہ رکھ لیا اور اس دن وہ شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۵)

کثیر بن الصلت الکندی بیان کرتے ہیں جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس دن وہ سو گئے اور وہ جمعہ کا دن تھا جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ عثمان تمنا میں اور آرزو میں کر رہے ہیں تو میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، ان کے اصحاب نے کہا: اے آپ کی حفاظت کرے ہم لوگوں کی طرح باتیں مٹانے والے نہیں ہیں۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے فرمایا: تم اس جمعہ کو ہمارے پاس حاضر ہونے والے ہو۔ (الطبقات ج ۳ ص ۵۵)

حضرت عثمان کی زوجہ بنت الغرہ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اونگھ آگئی، جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا: یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں! اے امیر المؤمنین۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی زیارت کی ہے، انہوں نے فرمایا: آج رات ہمارے پاس روزہ انتظار کرنا۔ (الطبقات ج ۳ ص ۵۵)

ذہیر بن عبد اللہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چھریوں سے وار کیے گئے تو انہوں نے کہا: بسم اللہ نوکل علی اللہ، خون ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہا تھا قرآن مجید ان کے سامنے رکھا تھا، وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور خون قرآن مجید پر بہہ رہا تھا حتیٰ کہ خون اس آیت پر ٹھہر گیا: فسبکھم اللہ وهو السميع العليم (البقرہ ۷۷) (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۵-۵۴، کتاب الترمذی لاہور، ص ۱۵۸-۱۵۹)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو ان کی اہلیہ نے کہا: تم نے ان کو شہید کر دیا، وہ ہر رات نماز میں قیام کرتے تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۶، طبع الاولیاء رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا

جمیع بن عمر النخعی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ انہوں نے فرمایا: (سیدنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) پوچھا

گیا اور مردوں میں؟ فرمایا: ان کے خلوئے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بے شک جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ راتوں کو قیام کرتے والے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۳۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۵۷، المستدرک ج ۳ ص ۱۵۳)
مجمع بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دیتے، پھر اس میں بھانڈو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال کو اپنی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے روکا نہیں۔ (کتب الزہد للاحمد ص ۹۳، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۲)

حبیب بن جوین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قلوہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا: تیری بہت اچھی خوشبو ہے اور بہت اچھا رنگ ہے اور بہت اچھا ذائقہ ہے لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ مجھے تجھے کھانے کی عادت پڑ جائے۔ (کتب الزہد للاحمد ص ۹۵)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی شلوت کے بعد خطبہ دیا کہ تمہارے پاس سے ایک امین شخص چلا گیا پہلوں میں اس جیسا کوئی امین تھا اور نہ بعد میں کوئی ان جیسا ہو گا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جملہ کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو جمعہ عطا فرماتے اور وہ ہمیشہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتے تھے۔ انہوں نے اپنے ترکہ میں کوئی سونا، چاندی نہیں چھوڑا سوا سات سو درہم کے جو انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اہل کے لیے کوئی خادم نہیں تھا۔ (کتب الزہد للاحمد ص ۱۲۶)

یزید بن مہجن بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، آپ نے اپنی نکوار منگا کر اس کو میان سے نکالا پھر فرمایا: اس نکوار کو کون خریدے گا بخد۱۱ اگر میرے پاس ہاں کو خریدنے کے لیے پیسے ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔ (کتب الزہد للاحمد ص ۹۳، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۶۵۸، ریاض الصفوۃ ج ۳ ص ۱۲۰)

ہارون بن عزنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ ایک چادر میں کپکپ رہے تھے۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے، اور آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے دل میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا، میرے پاس صرف میری یہ چادر ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک روایت پر علامہ قرطبی کا تبصرہ
ابو جعفر احمد الشہور بالحب الطبری المتوفی ۲۶۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَبَطْنُ مِثْرَاقٍ عَلَى حَيْثُ مِثْرَاقٍ
وَبِئْسَ مَا وَاسَّيْرًا۔ (الدھر: ۸)
اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر (قیدی) کو کھانا کھاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ مقدار کے عوض ایک رات صبح تک ایک بلغ میں پانی دیا۔ صبح کو انہوں نے جو وصول کیے اور گھر جا کر ان میں سے تہائی جو کو چوسا تاکہ اس سے کھانا کھائیں، جب حریرہ پک گیا تو ایک مسکین نے آکر سوال کیا انہوں نے وہ کھانا اس کو کھلادیا۔ پھر دوسرے تہائی جو کا کھانا تیار کیا تو ایک یتیم نے آکر سوال کیا تو انہوں نے وہ کھانا اس کو کھلادیا، پھر آخری تہائی حصہ کے جو سے کھانا تیار کیا تو ایک قیدی نے آکر سوال کیا اور خود تمام اہل و عیال سمیت بھوکے رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (بعض روایات میں ہے یہ معاملہ تین

دن تک ہو تا رہا اور حضرت علی اور ان کے اہل و عیال تین دن تک بھوکے رہے، علامہ قرطبی نے اسی طرح یہ روایت بیان کی ہے۔ (ریاض المفرد ج ۳ ص ۲۰۹-۲۰۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اس روایت کو بالعموم بیان کیا جاتا ہے لیکن علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۳۶۸ھ نے اس روایت کو رد کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی نے کہا ہے کہ کسی جہل نے اس روایت کو گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ روایت احادیث متواترہ کے خلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان اپنی خوش حالی اور توغمری کے وقت دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۶) نیز آپ نے فرمایا: پہلے اپنے نفس سے ابتدا کرو، (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۶۶) اور آپ نے فرمایا: اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۶) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۴) اور اللہ تعالیٰ نے شوہروں پر ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کو کھانا کھانا فرض کر دیا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
یا الْمَعْرُوف۔ (البقرہ: ۲۳۳)
اور جس کا بچہ ہے اس پر ان (دودھ پلانے والی ماؤں) کا کھانا
اور کپڑا دستور کے بمطابق دینا فرض ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اس کو ضائع کر دے جس کو وہ روزی دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۰۵ دارالحدیث، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۳۹۵ دارالحدیث، جامع عالم الکتاب، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۳۰ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۹۹۰ المستدرک ج ۱ ص ۳۱۵ اس حدیث کی سند صحیح ہے، احمد شاہ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کی روزی اس پر لازم ہے وہ اس کی روزی ضائع کر دے۔ کیا کوئی عاقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حکم سے عاقل تھے، حتیٰ کہ وہ اور ان کے اہل و عیال تین دن تک بھوکے رہے، اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے اپنے نفس پر یہ ایثار کیا تو تین دن تک اپنی اہلیہ کو بھوکا رکھنے کا کیا جواز تھا اور اگر اہلیہ کا بھی ایثار مان لیا جائے تو تین دن تک پانچ اور چھ سال کے کمسن بچوں کو بھوکا رکھنے کا کیا جواز تھا اور اگر ایک دن کی روایت مان لی جائے تو جن کی روزی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھی ان کو بھی ایک دن بھوکا رکھنا حضرت علی ایسے کامل متقی سے کب متصور ہو سکتا ہے۔ (الجامع باحکام القرآن ج ۱۷ ص ۳۰-۳۱ مطبوعہ دارالحدیث بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام اعظم کے اخلاق، زہد و تقویٰ، عبادت اور خوفِ خدا
امام ابن بزاز کردری متوفی ۸۷۷ھ لکھتے ہیں:

امام زعفرانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا: امام اعظم محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے۔ بلا علم، دین میں کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے، اہل دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور مسائلِ دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اتنے عظیم علم کے باوجود بے حد سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ جب ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو کتب و سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر اس کی نظیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو پھر قیاس کرتے۔ نہ کسی شخص سے طمع کرتے اور نہ بھلائی کے سوا کبھی کسی کا تذکرہ کرتے۔ ہارون الرشید یہ سنتے ہی کہنے لگے: صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں، پھر اس نے

کاتب کو ان اوصاف کے لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا: ان اوصاف کو یاد کر لو۔ (مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی کی موتی سے لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ اس پر ان کا ممنون ہوتا تو آپ کو بے حد افسوس ہوتا۔ فرماتے: شکر کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا دیا ہوا مال میں نے تم تک پہنچایا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام اعظم میں سال تک میری اور میرے اہل و عیال کی کفالت فرماتے رہے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ جیسے فیاض کوئی شخص نہیں دیکھا۔ فرمایا: تم نے حماد کو نہیں دیکھا اور نہ ایسا کبھی نہ کہتے۔

شفیق بیان کرتے ہیں کہ میں امام اعظم کے ساتھ بازار جارہا تھا راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا۔ آپ نے اس کو بلا کر چھپنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے دس ہزار درہم دینے ہیں، کافی عرصہ گزر چکا لیکن میں تنگ دستی کی وجہ سے نہیں دے سکا اس لیے شرم کی وجہ سے آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ اس کی اس گفتگو کو سن کر آپ پر بڑا گہرا اثر ہوا اور فرمایا: جاؤ میں خدا کو گواہ کر کے تمہارا سارا قرض معاف کرنا ہوں۔ (الخیرات المہین ص ۹۵)

امام رازی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں کچھ تھی۔ ایک جگہ آپ کے پیر کی ٹھوکر سے کچھ اڑ کر کسی شخص کے مکان کی دیوار سے جا لگی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر کچھ اٹھاڑ کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک شخص کی دیوار خراب ہوتی ہے۔ اس پریشانی میں تھے کہ صاحب خانہ باہر آیا، اتفاق سے وہ شخص یہودی تھا اور آپ کا مقروض تھا۔ آپ کو دیکھ کر سمجھا کہ قرض مانگنے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر غدر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: قرض کو چھوڑ دو میں تو اس غلبہ میں ہوں کہ تمہاری دیوار کو صاف کیسے کروں۔ کچھ کھرجوں تو خطرہ ہے دیوار سے کچھ مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی رہے دوں تو تمہاری دیوار گندی ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر یہودی بے ساختہ کہنے لگا: حضور دیوار کو بعد میں صاف کیجئے گا پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل پاک کر دیں۔

امام اعظم عبادت و ریاضت میں قدم رائج رکھتے تھے۔ ان کی عبادت و ریاضت کا جو حال غیر حنفی علماء نے بیان کیا ہے وہ عادت سے اس قدر بعید اور اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی پیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ حنفی شافعی بلکہ ملت اسلامیہ کے علماء کے درمیان یہ بات بے حد استغناء سے زیادہ معروف ہے کہ امام ابو حنیفہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے لیکن زمانہ قریب کے مشہور مورخ جناب ثعلبی صاحب نے اس واقعہ سے سراسر انکار اور اس کو عقل کے خلاف قرار دیا ہے۔ دراصل گمراہی کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل و فراست اور اپنے اخلاق و کردار کے میزان سے صالحین امت کے کارناموں کو تو لٹا شروع کر دیں۔ غور کیجئے امام بخاری کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ کیا آج کی دنیا کے لوگوں کی قوت حافظہ کو سامنے رکھ کر یہ بلور کرنا ممکن ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ امام شمس الدین سرخسی نے تیس ضخیم جلدات پر مشتمل ”مبسوط“ جیسی عظیم کتاب بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے زبانی اٹھا کرائی اور صرف ”مبسوط“ ہی نہیں، امام سرخسی نے ”مبسوط“ جیسی کئی ضخیم کتابیں قید خانہ میں بغیر مطالعہ کے زبانی اٹھا کرائیں۔ کیا آج کے لوگوں کی قوت طبع کو سامنے رکھ کر یہ بلور کرنا ممکن ہے کہ کوئی شخص محض حافظہ کی بنیاد پر اتنا عظیم کلم کر سکتا ہے، جس طرح سلف صالحین کا یہ کردہ اپنی قوت طبع کے اعتبار سے ہم سے آگے تھا اس طرح یہ نفوس قدسیہ اپنی قوت طبع کے لحاظ سے بھی ہمارے وہم و گمان سے بہت بلند تھیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کی موتی سے لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا: یہ وہ شخص ہیں جو عبادت میں پوری رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے یہ سنا تو فرماتے گئے: ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ اس وقت سے آپ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کی یہاں تک کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے اور چالیس سال تک لگاتار اس معمول پر قائم رہے۔ (الخیرات الحسان ص ۸۲)

فضل بن وکیل کہتے ہیں کہ میں نے تابعین میں امام ابو حنیفہ کی طرح کسی شخص کو شدت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دعا مانگتے وقت خوف خداوندی سے آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا بدن کسی سال خوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ نے رات کو نماز میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ بل الساعة موعدهم والساعة ادهی وامر کی تلاوت کی پھر اس کی قرأت سے آپ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ موزن نے صبح کی اذان کہہ دی۔ (الخیرات الحسان ص ۸۳)

افعال خارقہ (خلاف عادت کاموں) کی اقسام اور کرامت کی تعریف

در اصل اللہ کا وہی وہی شخص ہوتا ہے جو کامل مسلمان ہو۔ وہ خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہو اور ہر قسم کے گناہوں کی آلودگی سے اس کا دامن پاک ہو خواہ اس سے کسی کرامت کا ظہور ہوا ہو یا نہیں، تاہم بعض اوقات اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہم کرامت کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، پہلے ہم خرق عادت کاموں کی اقسام بیان کریں گے جس کے ضمن میں کرامت کی تعریف آجائے گی پھر ہم کرامت کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث مجیدہ سے دلائل پیش کریں گے، فنقول وبالله التوفیق۔

خلاف عادت کاموں کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) ابراہیم: اعلان نبوت سے پہلے نبی سے جو خلاف عادت امور صادر ہوں، جیسے یہ حدیث ہے: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۲۷)

(۲) معجزہ: اعلان نبوت کے بعد نبی سے جو خلاف عادت امور صادر ہوں اور وہ اس کے دعویٰ نبوت کے موید ہوں جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے کلام کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کرنا کہ کوئی شخص اس کلام کی نظیر نہیں لاسکتا اور اس کے علاوہ آپ کے بکثرت معجزات ہیں۔

(۳) کرامت: وہ کامل مسلمان جو کسی نبی کی شریعت کا قیام اور مسلخ ہو اس سے ایسے خلاف عادت امور ظاہر ہوں جن سے اس کے مرتبہ اور مقام کا علم ہو اور وہ امور اس کے نبی کے موید ہوں وہ از خود مدعی نبوت نہ ہو۔

(۴) معونت: کسی عام مسلمان سے کسی خلاف عادت کام کا ظہور ہو۔

(۵) استدراج: کافر سے کسی خلاف عادت کام کا ظہور ہو۔

(۶) ابانت: جھوٹے نبی سے خلاف عادت کام کا ظہور ہو اور وہ اس کے دعویٰ کا کذب ہو جیسے مسیلہ کذاب سے کسی کالے نے کہا: آپ نبی ہیں تو دعا کریں میری کلنی آگہ ٹھیک ہو جائے۔ اس نے دعا کی تو اس کی دو سری آنکھ کی چیتائی بھی جاتی رہی۔ اسی طرح اس نے ایک کونہ میں تمہو کا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا پانی بیٹھا ہو جائے گا تو اس کا پانی کڑوا ہو گیا یا جیسے غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ محمدی بیگم سے اس کا نکاح ہو جائے گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا پھر اس نے دوبارہ

دعویٰ کیا کہ شادی کے اڑھائی سال بعد مرزا سلطان محمد مرچائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن خود مرزا غلام احمد مرگیا اور اس کی موت کے بعد دیر تک مرزا سلطان محمد زندہ رہا اسی طرح مرزا قادیانی نے پیش گوئی کی کہ عیسائی پادری آتھم ۵ ستمبر ۱۸۹۳ء کو مرچائے گا لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا، مرزا قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کر کے لکھا: اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، بیضہ وغیرہ مسلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہو سکیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ لیکن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں مرزا غلام احمد قادیانی بیضہ میں مبتلا ہو کر مرگیا اور وہ اس کے بعد دیر تک زندہ رہا اور مرزا قادیانی کی تمام پیش گوئیاں الٹ گئیں اور اس کے دعویٰ کی کذب ہو گئی اور اسی کو اہانت کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامت کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ - (الحجرات: ۳۳)

بے شک تم میں سب سے زیادہ صاحب کرامت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صاحب کرامت کا اطلاق اس شخص پر ہو گا جو متقی ہو، اور اصطلاح میں جو کرامت کا معنی ہے یعنی جس متقی شخص سے کسی خلاف علت فعل کا ظہور ہو اس کے ثبوت میں حسب ذیل آیات ہیں:

قَالَ الْكَلْبِيُّ عِنْدَ عَلِيٍّ تَمَّ الْكِتَابُ تَآيِيْنُكَ
بِهِ قَبْلَ أَنْ تَمُوتَ بِالْبَيْتِ طَرَفُكَ فَلَمَّا رَأَاهُ
مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي۔
جس کے پاس کتب کا علم تھا اس نے کہا: میں اس تخت کو
آپ کے پاس ہلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں تو جب سلیمان
نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا
فضل ہے۔ (تسل: ۳۹)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ تخت دولہ کی مسافت پر واقع تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی نے اسے ہلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کر دیا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جمہور کے نزدیک اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا۔

حافظ السخیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن اسحق، زہیر بن محمد وغیرہم نے کہا ہے کہ وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان شام میں تھے۔ جب آصف بن برخیا نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ بقیس کے تخت کو لے آئے تو وہ تخت زمین کے اندر سے گھسا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۸ھ)

نیز علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے کہ آصف نے عین عرش (تخت) میں تصرف کیا اس نے عرش کو اس کی جگہ پر معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کر دیا اور آصف کا قول ہی ان کا فعل تھا کیونکہ کمال کا قول اللہ تعالیٰ کے کس فرمانے کے حکم میں ہے۔ شیخ اکبر نے جو ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک جائز ہے البتہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے اور اس آیت

سے اولیاء اللہ کی کرامت کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۱ھ)
 شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ لکھتے ہیں:

سوال سلیمان کا بطور امتحان اور اعجاز معجزات کے ہو گا (الی قولہ) کہ آپ کو معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت صادر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سنا اور دکھانا ہو کہ جو قوت میرے مستغیدین میں ہے وہ تم میں بھی نہیں۔

(بیان القرآن ج ۲ ص ۷۴، مطبوعہ تاج کمپنی لیسٹن لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

رائع یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سلویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھیے قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہو گا۔ (حضرت سلیمان نے فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامت ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکرگزاری عائد ہوئی۔

(حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود حسن ص ۵۰۶، مطبوعہ باہتمام مکتبہ السعودیہ)

اولیاء اللہ کی کرامت کے ثبوت میں دوسری آیت یہ ہے:

كُلَّمَا دَعَا عِبَادٌ مُّسْتَكِرًّا رَبَّهُمْ خَبَرَتْ سُبُحَاتُ الْوُجُوهِ وَجَدَتْ
 عِنْدَهُ رِزْقًا قَالَتْ يَنْعَزِزُكُمْ أَنْتُمْ لَكُمْ هَذَا قَالَتْ
 هُوَ مِنْ عِنْدِ الْوَلَدِ اللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ
 حِسَابٍ (آل عمران: ۳۷)

جب بھی ذکر کیا اس کے پاس اس کی عبادت کے اجر سے میں داخل ہونے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے، انہوں نے کہا: اے مریم! تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

جلید، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوالشعواء، ابراہیم طحی، ضحاک، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہم نے کہا ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں دیکھتے تھے اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں دیکھتے تھے اور اس میں اولیاء اللہ کی کرامت پر دلیل ہے اور سنت میں اس کی بہت نظائر ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۹ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز پر دلیل ہے۔ (فتح البیان ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ، ۱۳۸۵ھ)

اس سلسلہ میں یہ آیات ہیں:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرُّؤُوسِ
 كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۚ إِذْ أَوَى الْغَسْبِقَةُ إِلَى
 الْكَهْفِ فَقَالُوا رَتِّنَا نَبْتَهِمُ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
 فَوَهَبْنَا لَكُمْ مِنْ أَمْرِنَا رِشْدًا ۚ فَنَضْرِبُكَ رَحْمَةً

کیا آپ نے سمجھا کہ اصحاب کف (غار والے) اور کتبے والے، ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ۚ جب ان لوگوں نے غار میں پناہ لی تو کہہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہماری کامیابی کے

أَذْرِبْهُمْ فِي الْكُهْفِ سِتْرًا عَنَّا ثُمَّ
بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا
بِشْرُونَا مَدَّ— (۱) لکنت: ۹-۱۲

اسباب میا فرمادے O پھر ہم نے انہیں غار میں کئی سال تک
گہری نیند سلا دیا O پھر ہم نے انہیں (نیند سے) اٹھایا تاکہ ہم یہ
ظاہر کر دیں کہ غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں
سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے O

ظاہر قرآن اور حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق اصحاب کف سات نوجوان تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
سے پہلے دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ دقیانوس لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا ان نوجوانوں کی فطرت سلیمہ تھی، ان کا
عقیدہ تھا کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ یہ بادشاہ کے ظلم سے ڈر کر ایک غار میں چلے گئے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند
مسلط کر دی اور یہ تین سو، یا تین سو نو سال تک سوئے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نیند سے اٹھا دیا۔ یہ صبح کے وقت سوئے تھے
اٹھے تو دن ڈھل رہا تھا یہ سمجھے کہ یہ دن کا کچھ وقت سوئے ہیں۔ ان میں کا ایک جوان شرم میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا۔
وہاں جا کر پتا چلا کہ ان کو تو کئی صدیاں گزر چکی ہیں، ان کا سکہ دیکھ کر لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ کس بادشاہ کا سکہ ہے، بالآخر
معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان ہیں جو کسی زمانہ میں عائب ہو گئے تھے، اس زمانہ میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں بہت اختلاف ہوتا
تھا ان کے واقعات سے حیات بعد الموت پر دلیل قائم ہو گئی۔

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب صوفیہ نے اس آیت سے کرامات کے قول کی صحت پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال بالکل ظاہر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت میں احادیث صحیحہ اور
کرامت کے اختیاری ہونے پر علماء کی تصریحات

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شخص سفر پر جا رہے
تھے۔ راستہ میں انہیں بارش نے آیا، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ اس غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک بہت بڑا پتھر ٹوٹ
کر گر پڑا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ تب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا سوچو تم نے اللہ کے لیے کوئی نیک عمل کیا ہو تو اس کے
وسیہ سے دعا کرو، شاید اللہ تمہاری نجات کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے دو
بڑے ماں باپ تھے اور میری بیوی تھی اور ایک چھوٹی بچی تھی، میں ان سب کی خور و نوش کا انتظام کرتا تھا۔ جب میں شام کو
گھر آتا تو اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا ایک دن مجھے دیر ہو گئی، میں شام سے پہلے نہ پہنچ سکا، میرے ماں باپ
سو چکے تھے، میں حسب معمول دودھ لے کر ان کے سر پہنے کھڑا رہا اور میں نے ان کو نیند سے بیدار کرنا ناپسند کیا اور میں نے
یہ بھی ناپسند کیا کہ میں اپنی بچی کو ان سے پہلے دودھ پلا دوں، بچی میرے قدموں میں بھوک سے روتی رہی اور میں صبح تک اسی
طرح کھڑا رہا۔ اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرا یہ عمل محض تیری رضا کے لیے تھا، سو تو ہمارے لیے کچھ کشادگی کر دے
تاکہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ تب اللہ نے کشادگی کر دی وہ پتھر پتھر سرک گیا اور انہوں نے اس کشادگی سے آسمان کو دیکھ لیا اور
دوسرے نے دعا کی: اے اللہ! میری ایک عم زاد بہن تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا جیسا کہ مرد عورتوں سے محبت کر سکتے
ہیں، میں اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا سوال کرتا تھا اس نے کہا پہلے سوئے مار لاؤ، میں نے محنت مشقت کر کے سوئے مار جمع
کیے اور وہ دینار اس کو دے دیئے، جب میں اس سے اپنی خواہش پوری کرنے لگا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے

ڈر، اور ناحق مر کو نہ توڑ، پس میں اس سے الگ ہو گیا (اے اللہ!) تجھے خوب علم ہے کہ میرا یہ عمل تیری رضا جوئی کے لیے تھا تو ہمارے لیے کچھ کشادگی کر دے! تو ان کے لیے کشادگی کر دی، اور تیسرے نے دعا کی: اے اللہ! میں نے چلو لوں کے ایک نوکرے کے عوض ایک مزدور طلب کیا جب اس نے اپنا کلام پورا کر لیا تو اس نے کہا مجھے میرا حق دو، میں نے اس کو وہ نوکر دیا، اس نے اس سے اعراض کیا میں نے ان چلو لوں سے کاشت کرنی شروع کر دی اور اس کی آمدنی سے میں نے بہت سی گائیں اور چرواہے جمع کر لیے۔ ایک دن وہ آیا اور اس نے کہا اللہ سے ڈر اور مجھے میرا حق دے، میں نے کہا یہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ، اس نے کہا اللہ سے ڈر و اور مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کر رہا یہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ، وہ ان کو لے گیا۔ (اے اللہ!) تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا سو تو یہ باقی رکاوٹ بھی دور کر دے تو اللہ تعالیٰ نے بقیہ کشادگی بھی کر دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۳)

اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی دعا قبول فرمائی اور بغیر کسی ظاہری سبب کے غار کے منہ سے پتھر ہٹا دیا اور ان کے لیے خرق عیلت کا تصور ہوا، نیز اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی دعا قبول فرماتا ہے، اور یہ کہ نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنی چاہیے اور جب نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے تو نیک ذوات کے وسیلہ سے بھی دعا قبول ہوگی اور سب سے زیادہ نیک ذات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے تو آپ کے وسیلہ سے بھی دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے، اس حدیث میں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے، ان کی خدمت کرنے اور ان کو اپنے بچوں پر ترجیح دینے کی فضیلت ہے اور محض اللہ کے لیے قدرت کے باوجود گناہ کو ترک کرونا اور پاک دامنی کو اختیار کرنے کی فضیلت ہے اور مزدور کی اجرت کو اچھی طرح سے ادا کرنا اور امانت کی حفاظت کرنے پر ترغیب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف تین (نوزائیدہ بچوں) نے پائے میں کلام کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم، جرجہ کا صاحب (اور ایک اور بچہ) جرجہ ایک عیلت گزار شخص تھا اس نے ایک عیلت گاہ بنائی، وہ اس میں عیلت کرتا تھا۔ اس کی ماں اس کے پاس اس وقت آئی جس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا: اے جرجہ! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے اور (ایک طرف) میری نماز ہے! پھر وہ نماز پڑھتا رہا، اس کی ماں لوٹ گئی۔ دوسرے دن وہ پھر اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا اے جرجہ! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے اور (ایک طرف) میری نماز ہے اور پھر وہ نماز پڑھتا رہا اس کی ماں لوٹ گئی۔ تیسرے دن وہ پھر اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے آواز دی اے جرجہ! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے اور (ایک طرف) میری نماز ہے، اور وہ نماز پڑھتا رہا۔ اس کی ماں لوٹ گئی اور اس نے یہ بد دعا دی: اے اللہ اس کو اس وقت تک موت نہ دے تا جب تک اس کا سابقہ بدکار عورتوں سے نہ پڑ جائے اور بنو اسرائیل میں جرجہ اور اس کی عیلت کا بہت چرچا تھا اور ایک بدکار عورت تھی اس کے حسن و جمال کا بھی بہت ذکر کیا جاتا تھا اس نے کہا اگر تم چاہو تو میں اس کو گناہ میں ملوث کر دوں، وہ اس کے پاس گئی اور اس کو بدکاری پر اکسلیا۔ جرجہ نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کی، ایک چرواہا اس عیلت گاہ میں رہتا تھا اس عورت نے اس سے خواہش پوری کر لی اور وہ اس سے حلقہ ہو گئی۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس نے کہا یہ جرجہ سے ہوا ہے۔ لوگ جرجہ کے پاس گئے، اس کو عیلت گاہ سے نکالا اور مارنا شروع کر دیا اور اس کی عیلت گاہ کو منہدم کر دیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟ انہوں نے کہا تم نے اس بدکار عورت سے زنا کیا

ہے اور اس سے تمہارا بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ جرج نے کہا وہ بچہ کہاں ہے؟ وہ اس بچہ کو لے کر آئے، اس نے کہا: اچھا مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ اس نے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس بچہ کے پاس گیا اور اس کے پیٹ میں انگلی چھوئی اور کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے کہا: ظاں چرواہا! تب لوگ جرج کی طرف بڑھے، اس کو تعظیم سے چوم رہے تھے اور اس کو مس کر رہے تھے اور کہنے لگے: ہم آپ کے لیے سونے کی عہدیت لگھ بنا دیتے ہیں۔ جرج نے کہا: نہیں، اس کو اسی طرح مٹی کی بنا دو جس طرح وہ تھی۔ سوانسوں نے دیکھی بنا دی۔

اور پھیلی امتوں میں ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا وہاں سے ایک قوی سواری پر خوب صورت پوشاک پہنے ایک سوار گزرا۔ اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل بنا دے! اس بچے نے دودھ چھوڑ کر اس آدمی کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بناؤ اور پھر دودھ پینا شروع کر دیا۔ پھر ان کا گزر ایک باندی کے پاس سے ہوا جس کو لوگ مار رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے اور تو نے چوری کی ہے۔ اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل نہ بناؤ، اس بچے نے دودھ چھوڑ کر اس باندی کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل بناؤ۔ اس کی ماں نے کہا: تیرا سر موٹا جائے، ایک آدمی خوب صورت پوشاک پہنے اچھی سواری پر گزرا تو میں نے دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل بناؤ تو تو نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بناؤ اور جس باندی کو لوگ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، تو نے چوری کی ہے اور میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل نہ بناؤ تو تو نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل بناؤ۔ اس بچے نے کہا: وہ آدمی ایک ظالم شخص تھا تو میں نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بناؤ اور وہ باندی جس کے متعلق لوگ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، تو نے چوری کی ہے، اس نے زنا کیا تھا نہ چوری کی تھی اس لیے میں نے کہا: مجھے اس کی مثل نہ بناؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۲-۳۴۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۵۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷ دار الفکر طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۵، طبع جدید، دار الحدیث قاہرہ و عالم الکتب بیروت، جامع المسائد ج ۷ ص ۱۸۳)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب جرج نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماں کے بلانے پر نہیں جاسکا تو ماں نے اس کو بددعا کیوں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جرج پر لازم تھا وہ جلدی سے نماز ختم کر کے ماں کے بلانے پر ماں کے پاس چلا جاتا لیکن وہ نماز ختم کرنے کے بعد بھی ماں کے پاس نہیں گیا حتیٰ کہ وہ دوسرے دن پھر بلانے گئی اور وہ دوسرے دن بھی نہیں گیا حتیٰ کہ وہ تیسرے دن پھر بلانے گئی اور جب اس کی طرف سے کوئی مثبت رد عمل ظاہر نہیں ہوا تو پھر تنگ آکر ماں نے بددعا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور جرج ایک بدکار عورت کے قند میں جلا ہو گیا۔ یہ اس کی ماں کی کرامت ہے اور اس میں جرج کی بھی کرامت ہے کیونکہ اس کے کہنے سے ایک نوزائیدہ بچے نے باتیں کیں۔ جرج کی یہ نماز نفل تھی لیکن ان کی شریعت میں نفل نماز میں بھی ماں کے بلانے پر نماز توڑنا جائز نہ تھا ہماری شریعت میں ماں کے بلانے پر نفل نماز کو توڑنا جائز ہے اور باپ کے بلانے پر نفل نماز توڑنا جائز نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۷ ص ۲۸۳-۲۸۴) اور فرض نماز کو کسی کے بلانے پر توڑنا جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں۔

اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاض ماکی متوفی ۵۳۳ھ لکھتے ہیں:

حدیث جرج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی نشانی ظاہر فرما کر ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامت واقع ہوتی ہے۔

(اکمال المعظم بنو ائمہ مسلم ج ۸ ص ۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی اور علامہ بدر الدین عینی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامات واقع ہوتی ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ کراچی، عمدة القاری ج ۷ ص ۸۳ مطبوعہ مصر) علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۵ ص ۳۱۳، مصر)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جرج کا یقین بہت قوی تھا اور اس کی اُمید صحیح تھی، کیونکہ اس نے نوزائیدہ بچہ سے بولنے کے لیے کہا حالانکہ علوت یہ ہے کہ نوزائیدہ بچے کلام نہیں کرتے، اور اگر جرج کی اُمید صحیح نہ ہوتی تو وہ بچہ سے کلام کرنے کے لیے نہ کہتا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اولیاء اللہ مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہے اور بعض اوقات ان کی نجات کا معاملہ موخر کر دیا جاتا ہے، اس میں ان کی تہذیب کی جاتی ہے اور ان کے لیے زیادہ ثواب رکھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اولیاء کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ کرامت ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۳ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس بھیجے اور حضرت عامر بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ جس وقت وہ صفیان اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو ہڈیل کے ایک قبیلہ بنو لیثان میں ان کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے سو تیرا اندازوں کا ایک دستہ ان کے تعاقب میں روانہ کیا وہ ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے گئے، حتیٰ کہ جس منزل میں فھر کر انہوں نے کھجوریں کھائیں تھیں وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا: یہ شرب کی کھجوریں ہیں، پھر وہ ان نشانات پر چل پڑے حتیٰ کہ حضرت عامر اور ان کے اصحاب کو ان کے آنے کا پتا چل گیا، ان کافروں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں سے کہا: تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عامر بن ثابت نے کہا: میں کسی کافر کے وعدہ پر ہتھیار نہیں ڈالوں گا، پھر دعائی: اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی کو مطلع فرما دے۔ کافروں نے تیر مارنے شروع کیے اور حضرت عامر کو شہید کر دیا اور تین صحابہ ان کی امان کے وعدہ پر ان کے پاس آ گئے۔ ان میں حضرت خبیب، حضرت زید بن دثہ اور ایک اور صحابی تھے۔ جب کافروں نے ان کو باندھنا شروع کر دیا تو تیسرے صحابی نے کہا: یہ پہلی مدد فکنی ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میرے لیے ان شداء میں نمونہ ہے۔ (حضرت عامر کے ساتھ جو بقیہ سات شہید ہو گئے تھے) انہوں نے ان کو گھسیٹ کر بلے جانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثہ کو بلے گئے حتیٰ کہ ان کو جنگ بدر کے بعد بچ دیا۔ بنو الحارث بن عامر بن نوفل نے حضرت خبیب کو خرید لیا۔ حضرت خبیب نے حادث بن عامر کو جنگ بدر میں قتل کر دیا تھا، حضرت خبیب ان کے ہاں کئی دن قید رہے حتیٰ کہ ان لوگوں نے حضرت خبیب کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، حضرت خبیب نے حادث کی بعض بیٹیوں سے استرا مانا تاکہ اس سے مٹوئے زیر ناف صاف کریں، اس کا بچہ ان کے پاس چلا گیا۔ اور وہ اس سے غافل تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ بچہ حضرت خبیب کی ران پر بیٹھا ہے اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے، وہ بہت ڈری۔ حضرت خبیب اس کے ڈر کو جان گئے، انہوں نے کہا: کیا تم کو یہ ڈر ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا، میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا ان کے ہاتھ میں انگوڑوں کا ایک خوشہ تھا جس سے وہ کھا رہے تھے، اور وہ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ان دنوں مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا۔ وہ یہ کہتی

تھی کہ یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیث کو دیا تھا جب وہ لوگ حضرت خبیث کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو ان سے حضرت خبیث رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت خبیث نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم یہ ممکن نہ کرتے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو میں نماز میں زیادہ دیر لگاتا پھر دعا کی: اے اللہ! ان سب کو قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑ، پھر انہوں نے دو شعر پڑھے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

”جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کیا پروا ہو سکتی ہے، میں جس پہلو پر گروں میرا اگر نا اللہ ہی کے لیے ہو گا، اور یہ مرنا اللہ کی رضا کے لیے ہے اور مجھے اپنے اعضاء کے کٹنے کا غم نہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کٹے ہوئے اعضاء کو مبارک کر دے گا“ پھر ابو مردہ عقبہ بن الحارث نے کھڑے ہو کر ان کو قتل کر دیا اور حضرت خبیث وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ظلم قتل کیے جانے سے پہلے نماز پڑھنے کی سنت قائم کی۔ جب کافروں کو پتا چلا کہ حضرت عاصم بن ثابت کو بھی قتل کر دیا ہے تو جن کافروں کے کسی بڑے آدمی کو حضرت عاصم نے قتل کیا تھا تو انہوں نے لوگوں کو بھیجا کہ وہ ان کی لاش سے کچھ حقہ کاٹ کر لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی کھیموں کو بھیج دیا، شہد کی کھیاں ایک سائبان کی طرح ان کی لاش پر چھا گئیں، انہوں نے اس لاش کی حفاظت کی اور وہ کافراں سے کچھ حقہ کاٹ کر لے جانے میں ناکام رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۸۶، مطبوعہ دار ارقم، بیروت)

اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت خبیث ذنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور انگور کے خوشے سے انگور کھا رہے تھے حالانکہ اس وقت کہ میں کوئی پھل موجود نہیں تھا نیز اس حدیث میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کرامت کا بھی ثبوت ہے، شہد کی کھیاں ایک سائبان کی طرح ان کی لاش پر چھا گئیں اور کفار ان کی لاش کی بے حرمتی کرنے میں ناکام اور نامراد رہے۔

اس حدیث میں یہ ثبوت بھی ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے وعدہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور ان کی ایمان میں خود کو ان کے حوالے کرنے سے بہتر ہے کہ ان کے خلاف لڑ کر شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے کیا۔

نیز اگر مسلمان کفار کے ہاتھوں قید ہو جائے تو دورانِ قید اس کو ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ دشمن بھی اس کے اخلاق سے متاثر ہو، جیسا کہ حضرت خبیث کے اخلاق سے ان کے دشمن متاثر ہوئے۔

شہادت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا اور یہ سنت حضرت خبیث رضی اللہ عنہ نے قائم کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔

اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں غم اور خوف کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ان کو، کوئی خوف ہو گا نہ وہ فکین ہوں گے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہے، یعنی ان کو ماضی میں کسی نعمت کے زوال کا ملال ہو گا نہ مستقبل میں کسی نعمت کے زوال کا خطرہ ہو گا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اس سے مراد دنیا میں خوف اور غم کی نفی ہے تو یہ ثابت نہیں کیونکہ تمام اولیاء کے راس اور رئیس سیدنا محمد ﷺ ہیں اور آپ کو دنیا میں خوف بھی لاحق ہوا اور غم بھی، خوف کی مثال ان حدیثوں میں ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس دن سورج کو گھن لگا اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوف زدہ ہو گئے اور آپ نے گھبراہٹ میں کسی عورت کی قمیص لے لی پھر آپ کو چادر لا کر دی گئی، پھر آپ نے اس قدر طویل قیام کیا کہ اگر کوئی شخص آتا تو اس کو بالکل پتا نہ چلتا کہ آپ نے رکوع کیا ہے اور آپ کے طول قیام کی وجہ سے (معمول سے

(زیادہ) رکوع کی روایت کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز آندھی کو دیکھتے تو یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس کے ساتھ ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہے اور جو شر اس کے متعلق ہے تیری ہتھ طلب کرتا ہوں اور جب آسمان پر ابر چھا جاتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ (خوف اور گھبراہٹ سے) کبھی حجرہ کے اندر جاتے اور کبھی حجرہ سے باہر جاتے اور جب ہارش ہو جاتی تو آپ سے خوف دور ہو جاتا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے اس کیفیت کو بھانپ کر آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں یہ ابر قوم علو کے ابر کی طرح نہ ہو، انہوں نے جب اپنی بستیوں میں ابر کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ ہم پر برسنے والے بادل ہیں۔ (اور درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے سورۃ ہود، سورۃ الواقعة، سورۃ المرسلات، عم یتمسأ لول اور ادا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹)

اور غم کی مثل اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے اور وہ (آپ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی والد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اٹھایا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم ان کے پاس گئے، اس وقت حضرت ابراہیم اپنے نفس کی سختی کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (تعجب سے) کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی! (رو رہے ہیں) آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ (آنسو) رحمت ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھ رو رہی ہے اور دل غمزہ ہے اور ہم وہی ہلت کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو! اور ہم آپ کے فراق سے اے ابراہیم البتہ فطمین ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں خوف بھی ہوا اور غم بھی تو پھر اولیاء اللہ کے متعلق کیسے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ان کو، کوئی خوف ہو گا نہ غم!

اولیاء کے لیے دنیا کے غم اور خوف کی مصطفیٰ کی طرف سے توجیہ

اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو دنیا میں ایسا خوف نہیں ہو گا جو ان کے لیے باعث ضرر ہو (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا خوف علیہم اور علی ضرر کے لیے آتا ہے) اور جن احادیث میں آپ کے خوف کا ذکر ہے وہ خوف خدا ہے اور خوف خدا باعث ضرر نہیں ہے بلکہ باعث نفع ہے اور جو شخص جتنا زیادہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اس کو اللہ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقواکم واعلمواکم باللہ انما۔ بے شک تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰) سے زیادہ اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما والله اني لانفلكم الله وانفلكم له
(صحیح مسلم رقم الحديث: ۵۰۸)

ستو! اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے

نیز حدیث صحیح میں ہے: میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں،
(کشف الخفا رقم الحديث: ۲۰) اور آپ نے فرمایا: جس اللہ کی قسم میں ان سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سب سے
زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۴۰۰۰ صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۳۵۳) نیز آپ نے فرمایا: میں تم سب سے
زیادہ اللہ کی حدود کو جاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح الباری ج ۳ ص ۱۵۱)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَمْلِكُ شَيْءٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم

(فاطر: ۳۵) والے ہیں۔

اور اولیاء اللہ سے غم کی نفی جو فرمائی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو اپنے گناہوں کا غم نہیں ہو گا اور اللہ کا ولی وہی ہوتا
ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے باز رکھتا ہے اور اگر بالفرض بشری تقاضے سے اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو سید المصومین ہیں، آپ کے متعلق کسی مصیبت پر غم کرنے کا کیا سوال ہے اور اس آیت میں جو غم
کی نفی فرمائی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو دنیاوی تعلقات پر غم اور رنج نہیں ہو گا دنیاوی تعلقات پر ان کو رنج اور
غم ہو تا ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور اس میں ان کے لیے بہت اجر اور بڑے درجات ہوتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَلَسَلَوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْحُوجِ
وَتَقْوَى الْمَوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْثَمَرَاتِ وَنَسِيرِ
الضَّيْرِ ۖ إِنَّا صَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَلَنَآ إِلَهُ زُجُجُونَ ۖ أُولَٰئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ (البقرة: ۱۵۵-۱۵۶)

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، تمہارے سے ڈرنے اور
بھوک اور مل اور جان اور پہلوں کی کمی سے اور صبر کرنے
والوں کو خوش خبری سنا دیجئے ۝ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی
ہے تو وہ کہتے ہیں: ہمارا اللہ والا اللہ راہم جمع ہوں ۝ یہ وہ لوگ ہیں
جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بہت رحمت ہے اور
بہت رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جو مصیبت بھی
پہنچتی ہے، خواہ تھکاوٹ ہو یا (کسی چیز کا) غم ہو یا دائمی درد اور بیماری ہو یا کوئی سخت پریشانی تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے
گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بعض روایات میں ہے: اور اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے)

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۶۶۱ مسند احمد ج ۳ ص ۴۲ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحديث: ۴۴۰۰ عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم
الحديث: ۴۴۰۰ مطبوعہ دار الحديث قاہرہ، صحیح البخاری رقم الحديث: ۵۴۲۳، صحیح مسلم رقم الحديث: ۴۱۵۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳
ص ۲۲۲ مطبوعہ کراچی، مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۵۵۳۳)

اولیاء اللہ کے لیے آخرت کے غم اور خوف کی مصیبت کی طرف سے توجیہ

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا تو حشر کے دن
انبیاء علیہم السلام خوف زدہ ہوں گے اور سب نفسی نفسی فرما رہے ہوں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو گناہوں پر عذاب اور

گرفت کا خوف نہیں ہو گا ان کو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف ہو گا اور یہ خوف ان کے قرب الہی کی علامت ہے اور ان کے لیے باعث نفع ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

وَأَكْبَسَ يَوْمُؤْنَ مَا أَتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَهْلَهُ
الَّتِي رَتَبَهُ رَجَعُؤْنَ (المومنون: ۶۰)

اور وہ لوگ جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل خوف سے لرز رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

کیا اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شراب پیتے تھے اور چوری کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں! اے صدیق کی بیٹی! لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے اور صدقہ دیتے تھے اور ان کو یہ خوف ہوتا تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے یہ اعمال مقبول نہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں بہت جلدی کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار جنت کی بشارت دی تھی، اس کے باوجود وہ قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے تھے کہ ان کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو گناہ نہ کرنے اور نیکیوں کی بہتات کے باوجود اللہ کی جلال ذات سے ڈرتے تھے اور یہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں۔

اولیاء اللہ کے غم اور خوف کی امام رازی کی طرف سے توجیہ
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

بعض عارفین نے کہا ہے کہ ولایت کا معنی قرب ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا دلی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا دھیان غیر اللہ کی طرف نہیں جاتا اور اسی کیفیت کا نام کامل ولایت ہے اور جب ولی کو یہ کیفیت حاصل ہوگی تو اس کو کسی چیز کا خوف ہو گا نہ کسی چیز کا غم ہو گا کیونکہ اس کا دل و دماغ اللہ کے سوا کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو گا حتیٰ کہ اس کو کسی چیز کا خوف یا غم ہو اور یہ بہت بڑا درجہ ہے جو شخص اس درجہ تک نہیں پہنچا وہ اس کا تصور نہیں کر سکتا اور جو اس مرتبہ پر فائز ہوتا ہے کبھی اس سے معرفت الہی میں استغراق کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے پھر اس کو خوف اور غم لاحق ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے عام آدمیوں کا حال ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ابراہیم خواص ایک جنگل میں تھے اور ان کے ساتھ ان کا مرید بھی تھا، ایک رات کو جب ان پر معرفت الہی میں استغراق کی کامل کیفیت طاری تھی کچھ درندے آگئے اور ان کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ ان کا مرید تو ڈر کے مارے درخت پر چڑھ گیا اور وہ درندوں سے بے پروا اسی طرح بیٹھے رہے، صبح کو جب یہ کیفیت زائل ہو گئی تو ان کے ہاتھ پر ایک مچھر نے کانجا جس کی تکلیف سے وہ بے قرار ہو گئے۔ مرید نے کہا رات درندوں سے آپ کو کوئی خوف نہیں ہوا اور آج ایک مچھر سے آپ بے قرار ہو گئے۔ شیخ نے کہا رات مجھ پر غیبی واردات کی قوت طاری تھی، اور جب یہ قوت غائب ہو گئی تو میں اللہ کی مخلوق میں سب سے کمزور ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۷۷-۲۷۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اولیاء اللہ، معرفت الہی میں مستغرق ہوتے ہیں اور ان کا غالب حال یہی ہوتا ہے تو ان کو، کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا، اور جب یہ کیفیت نہیں ہوتی تو وہ عام لوگوں کی طرح ہیں، اور ان کو خوف اور غم ہوتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب جنگل کے کنوئیں میں تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ان کی طرف توجہ نہ ہوئی اور وہ ان کے فراق میں روتے رہے، اور ایک وہ وقت تھا کہ ان کے بیٹے مصر سے حضرت یوسف کی قیص لے کر روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے، اور اس کی دوسری نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن تک کھائے پئے بغیر وصال کے (سلسلہ) روئے رکھے اور آپ کی جسمانی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہی مجھے کھاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے اور صحابہ کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمادیا اور فرمایا: تم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۳) اور ایک وقت کی یہ کیفیت ہے کہ بھوک کی شدت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

امام رازی نے اس کی دوسری توجیہ اس طرح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو قیامت کے دن خوف نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَسَادُ الْأَكْثَرُ يَكْتُمُهُمُ السَّمَلِكَةُ مَعَهُدُ يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (الانبیاء: ۱۰۳)

سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غلگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان کے استہلال کے لیے آئیں گے اور کہیں گے، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نیز فرماتے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ ان کو غم اور خوف ہوگا، لیکن یہ سب اخبار احاد ہیں اور جب قرآن مجید نے فرمادیا ہے کہ ان کو خوف اور غم نہیں ہوگا تو ظاہر قرآن ان احادیث پر مقدم ہے۔

(تفسیر تیسرے جلد ۶ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

قارئین پر غفلت نہ رہے کہ ہم نے امام رازی کی تفسیر سے پہلے اس آیت کی جو توجیہ بیان کی ہے اس سے قرآن مجید اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اولیاء اللہ کے لیے دنیا اور آخرت میں بشارت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

اہل مصر میں سے ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: لیس المسیری فی الحبیبۃ الدساوی الاحمرۃ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے مجھ سے اس چیز کے متعلق سوال کیا کہ کسی اور شخص نے مجھ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا، جب سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: اس سے مراد نیک خواب ہیں جو مسلمان شخص دیکھتا ہے یا اس کے لیے وہ خواب دیکھے جاتے ہیں یہ اس کی دنیا کی زندگی میں بشارت ہیں اور آخرت میں اس کی بشارت جنت ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۱۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۲۷۳۸، مطبوعہ دار الحدیث: قاہرہ، مصنف

ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۰۵۰، مطبوعہ کراچی، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۷۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ نیک خواب ہیں جن کے ساتھ مومن کو بشارت دی جاتی ہے، یہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں، جو شخص یہ خواب دیکھے وہ

صرف غلط اندازے لگا رہے ہیں O وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بھٹی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دکھائے والا دن بنایا ہے شک اس میں (غور ہے) سننے والوں کے لیے نصیحتیں ہیں O (یونس: ۶۵-۶۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا

اس سے پہلے کفار مکہ کے مختلف شہادت کے جوابات دیئے تھے کفار مکہ جب دلائل سے عاجز آ گئے تو انہوں نے دھاندلی کا طریقہ اختیار کیا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکیاں اور خوف زدہ کیا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ملحد ہیں اور ان کا جہنم ہے اور وہ اپنی طاقت اور اپنے زور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام بنائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے پھر یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کی باتیں آپ کو غم زدہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور ہر قسم کا غلبہ اسی کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف ان کو قدرت نہیں دے گا بلکہ آپ کو ان کے خلاف قدرت عطا فرمائے گا لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کے ضرر سے محفوظ رکھا اور وہ آپ کو قتل کرنے کے منصوبہ کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یسوں کر دیا تھا تو پھر آپ خوف زدہ کیوں ہوئے اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کیوں گئے اور اس کے بعد بھی آپ دھمکیاں تو لگتا خوف زدہ رہے۔

امام محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کامیابی اور نصرت کا وعدہ مطلقاً کیا تھا کسی خاص وقت کو کامیابی اور نصرت کے لیے معین نہیں فرمایا تھا اس لیے آپ ہر وقت خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں اس وقت میں شکست کا سامنا نہ ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۷)

ہماری رائے میں یہ جواب درست نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی آپ ان سے خوف زدہ کیسے ہو سکتے تھے وہ برہنہ تلواریں لیے آپ کے حجرہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور آپ سورۃ یسین پڑھتے ہوئے درانہ ان کے درمیان سے نکل آئے تھے آپ کا ہجرت فرمانا اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق تھا کیونکہ ہر نبی ایک مرتبہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کرتا ہے اور پھر دوبارہ قحط کی حیثیت سے وہیں لوٹتا ہے۔ تین دن عار میں چھپنا بھی کفار کے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے تھا اسی عار میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی طرح جب بدر میں فتح کے لیے گزرا کہ اللہ سے دعا کرتا بھی اعلیٰ عیون صبر کے لیے تھا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا آپ کو کبھی بھی کفار کا خوف نہیں ہوا آپ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

شرک کے ابطال پر دلائل

اس سے پہلے فرمایا تھا: الا ان لله ما فی السموت والارض۔ (یونس: ۵۵) یعنی آسمانوں اور زمینوں کی تمام غیر ذوی العقول چیزیں اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اس آیت میں فرمایا: الا ان لله ما فی السموت والارض۔ (یونس: ۶۲) یعنی آسمانوں اور زمینوں کی تمام ذوی العقول چیزیں بھی اللہ کی ملکیت میں ہیں اور ذوی العقول سے مراد جن انس اور ملائکہ ہیں ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ عقل والے ہوں یا بے عقل تمام مخلوقات نباتات حیوانات جن انسان اور فرشتے سب اللہ کے مملوک ہیں۔ اس میں مشرکین کا رد ہے جو انہوں کو پوجتے تھے کیونکہ تمام پتھر اس کے مملوک ہیں سو پتھر بھی اس کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے اسی طرح اس میں یہود اور نصاریٰ کا بھی رد ہے جو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو معبود مانتے تھے کیونکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ معبود کیسے

ہو سکتا ہے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر (خود ساختہ) شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یعنی یہ جن شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو سب اللہ کے مملوک ہیں، وہ عبادت کے کیسے مستحق ہو گئے! یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا اندازہ غلط ہے۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بیتی تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دکھانے والا دن بتایا، اس سے پہلے فرمایا تھا: **العرۃ للہ جمیعاً**۔ (یونس: ۶۵) یعنی ہر قسم کا غلبہ اللہ ہی کیلئے ہے، اس آیت میں اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ اس نے رات اس لیے بیتی ہے کہ تمہاری تھکاوٹ دور ہو، اور دن اس لیے بتایا ہے کہ اس کی روشنی میں اپنی ضروریات زندگی کو فراہم کر سکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنالیا ہے، وہ (اس سے) پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمینوں میں سب اسی کے مملوک ہیں، تمہارے پاس اس (باطل قول) پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کو تم خود (بھی) نہیں جانتے؟ آپ کیسے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے ○ (یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹا ہے، پھر ہم ان کے کفریہ کاموں کی بناء پر ان کو سخت عذاب چکھائیں گے ○ (یونس: ۴۰-۶۸)

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا محال ہونا

اس آیت میں بھی مشرکین کا رد ہے، عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور یہودی یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولد بنانے سے مستغنی ہے، کیونکہ ولد تب ہوتا ہے جب والد کا ایک جز اس سے منفصل ہو پھر اس جز سے ولد بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ ذوا جزاء نہیں ہے کیونکہ جس کے اجزاء ہوں وہ اپنے قوام میں ان اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور وہ حادث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محتاج اور حادث ہونا محال ہے، اور دیگر دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ولد اس لیے ہوتا ہے کہ والد کے فوت ہونے کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ قدیم، ازل، باقی اور سرمدی ہے، اس لیے وہ فوت نہیں ہو سکتا، اس کو کسی قائم مقام کی حاجت نہیں اس لیے وہ ولد سے مستغنی ہے۔

(۲) ولد کے لیے زوجہ اور شہوت کا ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے مستغنی ہے۔

(۳) ولد کی حاجت اس شخص کو ہوتی ہے جس کو اپنے ضعف کے وقت ولد کی اعانت کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ ضعف اور کسی کی اعانت سے مستغنی ہے۔

(۴) ولد جنس میں والد کے مماثل ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا ولد فرض کیا جائے تو وہ ممکن ہو گا یا واجب۔ اگر ممکن ہو تو اس کا مماثل نہیں اور اگر واجب ہو تو تعدد و جہاں لازم آئے گا نیز ولد والد سے موخر اور حادث ہوتا ہے اور واجب کا موخر اور حادث ہونا محال ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اس لیے وہ والدین سے مستغنی ہے اور جب وہ والدین سے مستغنی ہے تو واجب ہوا کہ وہ اولاد سے بھی مستغنی ہو، سو اللہ تعالیٰ کا غنی مطلق ہونا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ اس کے لیے ولد ہونا محال ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو سری دلیل دی کہ ولد والد کا مملوک نہیں ہوتا، اگر کوئی شخص کسی غلام کو خریدے جو اس کا بیٹا ہو تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جاتا ہے اور جب کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی مملوک ہے تو پھر اس کا کوئی ولد کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ولد مملوک نہیں ہوتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور زجر و تنبیہ فرمایا: کیا تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل ہے؟ یا تم

بلادیل اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے دلائل سے واضح فرمادیا کہ اس کے لیے اولاد کا ہونا محال ہے تو اس پر متفرع فرمایا: جو لوگ اس پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں وہ قلعہ نہیں پائیں گے۔
کفار کے ناکام ہونے کی واضح دلیل

قلعہ کا معنی ہے مقصود اور مطلوب تک پہنچنا اور قلعہ نہ پانے کا مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو گا، بلکہ ناکام اور نامراد ہو گا۔ بعض لوگ گھٹیا مقاصد اور فوری نتائج کے طالب ہوتے ہیں تو جب انہیں اپنا ردی مطلوب جلد حاصل ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ یہ فحش اور گھٹیا مطلوب دنیاوی زندگی میں متاعِ قلیل ہے، پھر ہر مل انہوں نے مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور پھر انہوں نے اپنے کفر اور کھذیب کی وجہ سے دائمی عذاب بھگتنا ہے تو یہ کامیابی نہیں ہے بلکہ واضح ناکامیابی ہے۔

وَإِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم کو میرا

مَقَامِي وَتَذَكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلِيَ اللَّهُ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا

(تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا، تاگو کہ تم سے تو میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے

أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا

(خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازشیں کو بختم کر لو، پھر تمہاری وہ سازش (تمہارے گروہ پر غمی دہنے پر تم جو کچھ چاہو)

إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونَ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ

خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مصلحت نہ دو ○ پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں

أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

کیا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے اللہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں ○

فَكَذَّبُوهُ فَتَبَيَّنْهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ

سوا انہوں نے ان کی کھذیب کی، پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے سب کو (طوفان سے) نجات دی، اور ہم نے

وَأَعْرَضْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝

انہیں (ان کا) عاقبت بتا دیا، اور ہم نے لوگوں نے ہماری آیتوں کی کھذیب کی تھی ان کو ہم نے عرق کر دیا تو آپ دیکھیں کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو کڑوا لیا تھا ○

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَبَجَاءُوا وَهُمْ بِالْبَيْتِ

پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح دلائل سے کر آئے تو

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى

وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے، ہم اسی طرح سرکشی

قُلُوبِ الْبَعَثَانِ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ

کرنے والوں کے دلوں پر ہر گھاسیتے ہیں ○ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو

إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے جبر کیا وہ مجسم

فَجْرِمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا

لوگ تھے ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک یہ تو فرود

لِسِحْرٍ قَبِيلٍ ۝ قَالَ مُوسَى أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرُ هَذَا

کہا ہوا جادو ہے ○ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق یہ کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا! کیا یہ جادو ہے؟

وَلَا يَقْلِحُ السَّاحِرُونَ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتْنَاهُمْ وَحَدُّنَا عَلَيْهِ أَبَاءَنَا

جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ تم میں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے

وَتَكُونُ لَكُمْ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَنْعُكُمْ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝

اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑاں ہو جائے اور تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

وَقَالَ فِرْعَوْنُ أَتُؤْتُونِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ

فرعون نے حکم دیا کہ ہر ماہر جادوگر کو ہمارے پاس لے آؤ ○ پس جب وہ جادوگر آئے

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَ مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ فَلَمَّا الْقَوَا قَالَ مُوسَى

موسیٰ نے ان سے کہا تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ○ پھر جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا

مَا جِئْتُمْ بِهِ السَّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے، بے شک عنقریب اللہ اس کو نیست و نابود کر دے گا، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے کام

الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۱﴾ وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸۲﴾

کی اصلاح نہیں فرمائے گا ○ اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرمائے گا خواہ مجرموں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو ○

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم کو میرا (تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ پر توکل کیا ہے، تم اپنے (خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کر لو، پھر تمہاری وہ سازش (تمہارے گرد پر) غفلت نہ رہے، پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مسلت نہ دو ○ پھر اگر تم امراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں ○ (یونس: ۷۱-۷۲)

ربط آیات اور انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے شبہات کا ازالہ فرمایا تھا اور توحید اور رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے دو سرا عنوان شروع فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے قصص کا بیان شروع فرمایا اور خطاب کی ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف منتقل ہونے میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب خطاب کی ایک نوع میں کلام طویل ہو جائے تو بعض اوقات خطاب کو اس سے اکٹھاٹ محسوس ہونے لگتی ہے اور اس پر غفلت یا اونگھ طاری ہونے لگتی ہے اور جب خطاب کا انداز بدل جائے اور کلام کی دوسری قسم سے تقریر شروع کر دی جائے تو اس کا اونگھنا ہوا ذہن بیدار ہو جاتا ہے اور اس کو اس نئے موضوع سے دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اس کا ذوق و شوق تازہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے انبیاء علیہم السلام میں نمونہ ہو، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنیں گے کہ تمام کافر تمام رسولوں کے ساتھ اسی طرح انکار اور مخالفت کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں اور واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کو جھٹلاتے رہے ہیں تو کفار مکہ کی مخالفت اور ان کی شکوک کو برداشت کرنا آپ پر سہل اور آسان ہو جائے گا۔

(۳) کفار جب انبیاء سابقین علیہم السلام کے ان واقعات کو سنیں گے تو ان کو یہ علم ہو گا کہ انبیاء حقہ میں کو ان کے زمانہ کے کافروں نے ایذا پہنچانے میں اپنی استہلاکی طاقت صرف کر دی، لیکن بالآخر وہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی مدد فرمائی اور کافر ذلیل اور رسوا ہوئے، تو ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کو سن کر کفار کے دل خوف زدہ ہوں اور وہ اپنی ایذا رسانیوں سے باز آجائیں۔

(۴) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ای تھے۔ آپ نے کسی معلم سے پڑھا تھا نہ کسی عالم کی محبت میں بیٹھے تھے۔ پھر آپ نے انبیاء سابقین کے یہ واقعات اسی طرح بیان فرمائے جس طرح تورات، زبور اور انجیل میں لکھے ہوئے

تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان قصص کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے جانا تھا اور یہ آپ کی نبوت کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو مقدم کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں تین قصص بیان فرمائے ہیں: پہلے حضرت نوح کا قصہ بیان فرمایا پھر حضرت موسیٰ کا اور اس کے بعد حضرت یونس کا قصہ بیان فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام پر مقدم ہیں، نیز اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب کفر اور انکار پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان میں غرق کر دیا، سو اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان فرمایا تاکہ اس کو سن کر کفار مکہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجائیں اور حضرت نوح کی قوم کے عذاب سے عبرت حاصل کریں، نیز اس لیے کہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے انکار پر کوئی آسمانی عذاب لائیں اور کہتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا تو ان کو بتایا کہ حضرت نوح کی قوم بھی ایسا ہی کرتی تھی، پھر یاد خزان پر طوفان سے غرقابی کا عذاب آگیا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کی ناگواری کی وجہ

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ ناگوار تھا کہ حضرت نوح ان کے درمیان رہیں، ان کی ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک ان کے درمیان رہے اور ان کے پاس اتنے لمبے قیام کی وجہ سے وہ بیزار ہو گئے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ بت پرستی کے جس طریقہ پر کاربند تھے وہ طریقہ ان کو بہت مرغوب اور بہت محبوب تھا، وہ اس سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام ان سے یہ فرماتے تھے کہ وہ اس طریقہ کو ترک کر دیں، اور یہ قہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کو اس کے پسندیدہ طریقہ سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اس کو برا لگتا ہے، قیسری وجہ یہ ہے کہ انسان دنیوی لذات سے محبت کرتا ہے، فحش کاموں میں اس کو مزہ آتا ہے اور ان کو چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے اور عبادت کی مشقتوں سے وہ خطر ہوتا ہے، ایسے شخص کو وہ آدمی برا لگتا ہے جو اس کو برے کاموں سے منع کرے اور نیک کام کرنے کا حکم دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین میں کفار کا کوئی خوف تھا نہ ان سے کسی نفع کی توقع تھی

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم کو ان کا قیام اور ان کا نصیحت کرنا ناگوار ہے تو انہوں نے ابتداء سے یہ فرمایا: **مُصَلِّی اللہ نو کلت** ”میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے“ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کمال بھروسہ ہے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور تم اس وہم میں نہ رہنا کہ تم جو مجھے قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی دھمکیاں دیتے ہو تو میں اس سے ڈر کر اپنے مشن کو ترک کر دوں گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کو چھوڑ دوں گا پھر دوسری بار تاکید کی: **فاجتمعوا امرکم** گویا کہ یہ فرمایا کہ تم میری مخالفت میں اور مجھے ایذا پہنچانے کے لیے جس قدر اسباب جمع کر سکتے ہو وہ جمع کر لو، اور نہ صرف تم بلکہ تم اپنے ساتھ اپنے مزموم خداؤں کو بھی ملاؤ، پھر قیسری بار فرمایا: پھر وہ تمہاری سازش (تمہارے گردہ پر) قحطی نہ رہے، یعنی تم نے میرے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ کھلم کھلا کرو، پھر جو تھی بار فرمایا: **ثم اقصوا الی** ”پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو“ یعنی تم جو کچھ مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہو اور میرے خلاف جو بھی شر اور فساد کرنا چاہتے ہو وہ کر گزرو، اور پانچویں بار فرمایا: اور مجھے صلت نہ دو یعنی تم جس قدر جلد میرے خلاف کارروائی کر سکتے ہو وہ کرو، اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کفار کی دھمکیوں سے بالکل نہیں ڈرتے تھے، اور انہیں اللہ تعالیٰ پر کمال

توکل تھا۔

اس کے بعد فرمایا: پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا۔ اس قول میں بھی اس پر دلیل دی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار سے بالکل ڈر نہ تھا کیونکہ خوف یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دشمن کی طرف سے کوئی شر پہنچے گا تو حضرت نوح کے پہلے ارشادات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کے شر اور فساد کی کوئی پروا نہ تھی، یا خوف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ متوقع منافع اور فوائد منقطع ہو جائیں گے، تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا آپ نے ان سے کوئی چیز نہیں لی تھی کہ ان کی ناکواری کی بناء پر اس کے چمن جانے کا خوف ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا: میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم دین اسلام قبول کرو یا نہ کرو مجھے دین اسلام پر ہر قرار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ دین اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے مجھے خواہ کوئی ضرر پہنچے مجھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ہر قرار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے ان کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے سب کو (طوفان سے) نجات دی اور ہم نے انہیں (ان کا) جانشین بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی ان کو ہم نے غرق کر دیا تو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ○ پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے، جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے، ہم اسی طرح سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر سرنگا دیتے ہیں ○ (یونسی: ۷۳-۷۴)

حضرت نوح کی قوم کے کافروں کا انجام

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان کیا معاملہ ہوا اور اب یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ان کی قوم کے کفار کے درمیان انجام کار کیا معاملہ ہوا سو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب مومنین کے متعلق یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار سے نجات دی، اور یہ کہ ان کو کفار کا جانشین بنادیا پس طور کہ کفار کو غرق کر دیا اور کفار کے متعلق یہ فرمایا کہ ان کو ہلاک کر دیا اور غرق کر دیا۔ اس آیت میں کفار کے لیے ترہیب اور عبرت کا سامان ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی تکذیب کریں گے ان پر ایسا عذاب آسکتا ہے جیسا حضرت نوح علیہ السلام کے مکذبین پر آیا تھا اور اس آیت میں مومنوں کے لیے ترغیب ہے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی تحریص ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے اصحاب کو مخالفین کے شر اور فساد سے نجات عطا کی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو بھی مخالفین کے ضرر سے بچائے گا۔ قوم نوح کے غرق ہونے کی تفصیل باقی سورتوں میں مذکور ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے رسولوں کا نام ذکر نہیں فرمایا، ان رسولوں میں سے حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہم ہیں، ان انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم معجزات دے کر بھیجا، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان انبیاء کی قوم کے لوگوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کی طرح اپنے نبیوں کی

مکذیب کی اور ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

کافروں کے دلوں پر مرنگانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ہم اسی طرح سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مرنگا دیتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ نے خود ہی ان کے دلوں پر مرنگا دی ہے تو ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس قسم کا سخت کفر کیا جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مرنگا دی، دو سرا جواب یہ ہے کہ مرنگانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور یہ ایمان لانے کے متعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ طَعَّ اللَّهُ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ مَقَالِيذُ يَوْمِئِذٍ ۖ
لَّا قَبِيلًا ۝ (النساء: ۱۵۵)

اس آیت کی زیادہ تفصیل ہم نے البقرہ: ۷۷ میں بیان کر دی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا وہ مجرم لوگ تھے ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک یہ تو ضرور کھلا ہوا جادو ہے ○ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق یہ کہتے ہو، جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے؟ جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○ (یوسف: ۷۷-۷۸)

فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب اور حضرت موسیٰ کے معجزہ کا جادو نہ ہونا

ان آیتوں کا معنی بالکل واضح ہے، صرف یہ بات وضاحت طلب ہے کہ آیت ۷۶ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ بے شک یہ تو ضرور کھلا ہوا جادو ہے اور آیت ۷۷ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے حق (معجزہ) کو دیکھ کر یہ کہا کیا یہ جادو ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ جادو ہے؟ یہ فرعون اور اس کے درباریوں کا قول نہیں ہے بلکہ ان کا قول محذوف ہے اور وہ یہ ہے تم وہ کہتے ہو جو کہتے ہو اور پورا مفہوم یوں ہے موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق وہ کہتے ہو جو کہتے ہو؟ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور انکار فرمایا: کیا یہ جادو ہے؟ پھر اس معجزہ کو جادو قرار دینے کا بطلان فرمایا: یہ جادو کیسے ہو سکتا ہے، جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور اللہ نے مجھے کامیاب فرمایا ہے، جادو کرنے والے تو نظر بندی کرتے اور طمع کاری کرتے ہیں اور لامشی کو سانپ بتا دیتا اور بیضا نظر بندی یا طمع کاری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑائی ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ فرعون نے حکم دیا کہ ہر ماہر جادوگر کو ہمارے پاس لے آؤ ○ پس جب وہ جادوگر آ گئے موسیٰ نے ان سے کہا تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ○ پھر جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ ڈالے ہو وہ جادو ہے بے شک عنقریب اللہ اس کو نیست و نابود کر دے گا بے شک اللہ قیام کرنے والوں کے کام کی اصلاح نہیں فرماتا ○ اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دے گا خواہ مجرموں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو ○ (یوسف: ۸۲-۸۸)

قوم فرعون کے بیان کردہ وعذر

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو قبول نہ کرنے کے دو سبب بیان کیے: ایک یہ کہ ہم اس دین کو ترک نہیں کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو عمل کرتے ہوئے پایا، انہوں نے دلائل ظاہرہ کے مقابلہ میں اندھی تقلید کو ترجیح دی اور اس پر اصرار کیا اور دو سبب یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ملک مصر میں اپنی بڑائی، اپنا تسلط اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں کیونکہ جب مصر کے رہنے والے ان کے معجزات کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سب ان ہی کے مطیع اور فرماں بردار ہوں گے۔ انہوں نے پہلے اندھی تقلید سے استدلال کیا اور اس کے بعد اس سے کہ مصر کی حکومت کو وہ اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے اور پھر صراحتاً کہہ دیا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا جادو کے زور سے معارضہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کر دیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ پیش کیا تھا وہ دراصل جادو کی قسم سے ہے، پھر فرعون نے جادو گروں کو جمع کیا تو ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم پیش کرو جو کچھ تم پیش کرنا چاہتے ہو!

جادو کا حکم دینے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ معجزہ کا جادو سے مقابلہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر کا حکم کس طرح دیا؟ جبکہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاثعیاں اور رسیاں پھینکنے کا اس لیے حکم دیا تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے جو کچھ جادو گروں نے پیش کیا ہے وہ عمل فساد اور سعی باطل ہے اور جادو گروں کا یہ عمل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے اظہار کا ذریعہ بنا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی نفع جادو گروں کا عمل مطلوب نہیں تھا بلکہ ان کا عمل اس لیے مطلوب تھا کہ وہ ان کے عمل کی ناکامی اور نامرادی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے اظہار اور سرفرازی کا سبب بنے۔

جب جادو گروں نے اپنی لاثعیاں اور رسیاں ڈال دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم نے جو بھی عمل کیا وہ محض باطل جادو ہے، اور یہ اس لیے فرمایا کہ جادو گروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا آپ نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے، اس لیے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے اور وہ محض طمع کاری ہے جس کا بطلان ابھی ظاہر ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے گا، اللہ تعالیٰ نے باقی سورتوں میں یہ بیان کر دیا ہے کہ اس نے جادو کو کس طرح باطل فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اڑ دیا بن کر ان تمام لاثعیوں اور رسیوں کو کھا گیا تھا۔

فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ مِمَّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

سو (ابتداءً) موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے

وَمَلَأْ بِهِمُ أَنْ يَفْتِنَهُمْ طُورًا فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ

درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ وہ ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے اور بے شک فرعون زمین میں حکیم تھا اور وہ یقیناً

لَيْنَ السُّرَفِيِّينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ

مذہبے بڑھتے دلوں میں ہے تھا ○ اللہ موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر

تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

توکل کرو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو ○ انہوں نے کہا ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَحْنُ بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر ○ اور ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما ○ اور

أَوْحِنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبُولُوا لِقَوْمِكُمْ بِمِصْرَ يَمُوتُوا وَاجْعَلُوا

ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف یہ وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو

بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِمْوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ

قبلہ (مساجد) قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو ○ اور موسیٰ نے کہا

مَا بَنَا آتَاكَ أَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝

اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

اے ہمارے رب! تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکا دیں اے ہمارے رب! ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرُوا الْعَذَابَ الْآلِيمَ ۝ قَالَ قَدْ

ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ فرمایا

أَجِيبَتْ دَعْوُوكُمْ فَأَسْتَقِيمًا وَلَا تَتَّبِعَنِ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، تم دونوں ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے راستے کی ہرگز پیروی نہ کرنا ○

وَجَوْنُ نَابِئِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان

وَعَدُوا حَتَّىٰ إِذَا آدَرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي

کا دیکھا کیا حتی کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بتی اسرائیل ایمان

آمَنْتُ بِهِ يَتُوبُ إِسْرَءِيلُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ أَلَمْ يَكُنْ وَقَدْ

لائے ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○ (فرمایا) اب بلا ایمان لایا ہے

عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ

حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا ○ سو آج ہم تیرے دے جان (جسم کو

يَبْدَنِكَ لِيَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ

بکپا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے، اور بہتے شک بہت سے لوگ

عَنِ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿٩٢﴾

ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (ابتداءً) موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ وہ ان کو قتل میں مبتلا کر دیں گے اور بے شک فرعون دشمن میں منکبر تھا اور وہ یقیناً حد سے بوجھنے والوں میں سے تھا (یونس: ۸۳)

رابطہ آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عظیم معجزات پیش کیے اور ان کا عصا جادو گروں کی تمام لاشیوں اور رسیوں کو کھانیا یہ ایسا عظیم حسی معجزہ تھا جس کو تمام لوگوں نے اپنی جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اس کے باوجود حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا، اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کفار کہہ کے اعراض کرنے اور کفر پر اصرار کرنے پر غم نہ کریں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہی ہوتا آیا ہے کہ ان کی پیغم تبلیغ اور بکثرت معجزات دکھانے کے باوجود چند افراد ہی ایمان لاتے ہیں، سو اگر آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود چند افراد نے ہی اسلام قبول کیا ہے تو اس پر غم نہ کریں، آپ اس معاملہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ منسلک ہیں۔

حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کا مصداق

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم کی بعض اولاد ایمان لائی۔ اس بعض اولاد کے تعین میں اختلاف ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی تصنیف کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، لیے عرصہ کے بعد وہ لوگ مر گئے اور ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جن لوگوں کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی وہ بنی اسرائیل نہیں تھے بلکہ وہ فرعون کی قوم کے چند لوگ تھے۔ ان میں فرعون کی بیوی، آل فرعون کا مومن، فرعون کا خازن اور فرعون کے خازن کی بیوی تھی۔ حضرت ابن عباس کی دو سری روایت یہ ہے کہ وہ لوگ بنی اسرائیل کی اولاد تھے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں: میرے نزدیک راجح مجاہد کی روایت ہے کہ جن لوگوں کی ذریت ایمان لائی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا اور وہ بنو اسرائیل ہیں، لہذا عرصہ گزرنے کے بعد وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے مر گئے، پھر ان کی اولاد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

بنی اسرائیل کی اولاد میں سے جو بعض ایمان لائے تھے ان کو بھی یہ ڈر تھا کہ فرعون اور اس کے سردار ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے کیونکہ وہ فرعون سے بہت ڈرتے تھے اور فرعون کی گرفت بہت سخت تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور فتنہ کا معنی ہے آزمائش اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کر کے ان کو ان کے سابق دین کی طرف ہٹانے کی کوشش کرے گا اور فرعون زمین میں منکبر تھا کیونکہ وہ اپنے مخالفین کو سخت سزائیں دیتا تھا اور بہت قتل کرتا تھا اور وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ کا بندہ ہونے کے باوجود الوہیت کا دعویٰ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر توکل کرو اگر تم واقعی مسلمان ہو! انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا ہے! اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر! اور ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما! (یونس: ۸۶-۸۳)

اسلام اور ایمان کا معنی اور اس معنی پر توکل کا متفرع ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو، کیونکہ اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا اور ایمان کا معنی یہ ہے کہ بندہ یہ مان لے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور واجب الوجود ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے اور اس کی مخلوق ہے اور اس کے زیر تصرف اور اس کے زیر تدبیر ہے اور جب بندہ میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہو جائیں گی تو وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ پر توکل کا نور پیدا ہو جائے گا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور تمام احوال میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ انہوں نے کہا: *اللہ تبارک و تعالیٰ* "میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے" (یونس: ۸۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم صرف اللہ پر توکل کرو! (یونس: ۸۳) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی ذات میں کامل تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو کامل بنانے والے تھے اور ان دونوں مرتبوں میں بڑا فرق ہے۔

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کی دعا کے دو محل

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے دعا کی تھی: اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا

اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ ہے کہ قوم فرعون کو ہمارے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر، کیونکہ اگر تو نے قوم فرعون کو ہم پر مسلط کر دیا تو ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو وہ ہم پر مسلط نہ ہوتے اور یہ اس کے کفر پر اصرار کرنے کا قوی ثبوت ہو جائے گا اور اس طرح ہم پر ان کا تسلط ان کے لیے آزمائش بن جائے گا اگر تو نے ان کو ہم پر مسلط کر دیا تو وہ آخرت میں عذاب شدید کے مستحق ہوں گے اور یہ ان کے لیے آزمائش ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان ظالموں کے ذریعہ ہم کو آزمائش میں مبتلا نہ کر یعنی اس کو ہم پر قدرت نہ دے تاکہ وہ ہم پر ظلم اور قہر کریں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم اس (ین سے) پھر جائیں جس کو ہم نے قبول کیا ہے۔

اور پھر انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف یہ وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر

بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (مساجد) قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو (یونس: ۸۷)

بنی اسرائیل کے گھروں کو قبلہ بنانے کے محال

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (مساجد) قرار دو، اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

عکرمہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: بنو اسرائیل نماز پڑھنے میں فرعون اور اس کی قوم سے ڈرتے تھے تو ان کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو، یعنی اپنے گھروں کو مسجد بنا لو اور ان میں نماز پڑھو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۷۳۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ فرعونوں پر ظاہر رہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ رو بنائیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۷۳۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قبلہ سے مراد کعبہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ اور ان کے مشعین کو اپنے معابد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے فرعون کا خوف ہوا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں قبلہ رو مساجد بنائیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے خفیہ طریقہ سے نماز پڑھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۷۳۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن جریر نے کہا: اب کا غالب استعمال رہائشی گھروں کے لیے ہوتا ہے اور قبلہ کا غالب استعمال نماز کے قبلہ کے لیے ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ کو ان ہی معانی پر محمول کرنا چاہیے جن کے لیے غالب استعمال ہو، اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہو گا کہ اپنے گھروں میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو اور افسسہ الصلوة کا معنی ہے فرض نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ اس کے اوقات میں پڑھو اور سسر الحسب کا معنی ہے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو عظیم ثواب کی بشارت دیجئے۔ (اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو یہ بشارت دیجئے کہ غفریب اللہ

ان کو فرعون اور اس کے سرداروں پر غلبہ عطا فرمائے گا) (جامع البیان ج ۱۱ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں، اے ہمارے رب! ان

کے مل و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، تم دونوں ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے راستہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا (یونس: ۸۸-۸۹)۔

فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ کی دعاء ضرر کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے بڑے معجزات کو ظاہر کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور اس کے بلوجود یہ دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم نے کفر پر اصرار کیا اور ایمان لانے سے انکار کیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کی اور اس کے ساتھ ان کے وہ جرائم بھی بیان کیے جن کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کی تھی اور ان کے جرائم یہ تھے کہ انہوں نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دین کو ترک کر دیا، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائیں یہ ذکر کیا "تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں نہنت کا سامان اور مل دیا ہے" اور یہاں نہنت سے مراد ہے ان کی صحت اور ان کا حسن و جمال، عمدہ لباس، بکھرت سواریاں، گھر کا ساز و سامان اور سونے اور چاندی کا زیور و مل۔

اللہ کے راستہ سے گمراہ کرنے کی دعا کی توجیہات

اس دعائیں فرمایا: اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکادیں۔ اور فرمایا: اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ان کو مل و دولت اس لیے عطا کی تھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث فرماتا ہے کہ وہ بندوں کو گمراہ کریں اور اس مفروضہ سے تو دین اور شریعت کا مقصود فوت ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "لیصلوا میں لام" کے "نہیں ہے جس کا معنی ہے تاکہ وہ گمراہ کریں بلکہ یہ لام عاقبت ہے اور اس کا معنی ہے انجام کار وہ گمراہ کر دیں یا نتیجہ کار وہ گمراہ کر دیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

فَالنَّقْطَةُ الْفِرْعَوْنُ لِيَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ
وَّحَرَّتَا۔ (التقص: ۸)

ان کے دشمن اور ان کے لیے غم کا باعث ہو جائیں۔ اسی طرح جب کہ قوم فرعون کا انجام گمراہ ہونا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس کی خبر دے دی تھی اس لیے انہوں نے دعائیں کہا کہ تو نے ان کو دنیا کی زندگی میں نہنت کا سامان اور مل دیا ہے تاکہ انجام کار یہ لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کر دیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں "لا" محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے: رَسَالًا لِّیَصْلُوا عَسَیْیَلُکَ
"اے ہمارے رب تاکہ یہ تیرے راستہ سے گمراہ نہ کر سکیں" اس کی مثال قرآن مجید میں یہ ہے:

بَشِّرْ شُعْطًا أَنْ یَصْلُوا۔ (النساء: ۷۶)

اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو جاؤ۔

یہاں بھی عبارت میں لا محذوف ہے اور مراد ہے لا تصلوا تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اس کی ایک اور مثال یہ ہے:

قَالُوا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ نَقُولَ یَوْمَ الْقِیَمَةِ رَبَّنَا
کُنَّا عَنِ هٰذَا غٰفِلِیْنَ۔ (الاعراف: ۷۴)

سب نے کہا کیوں نہیں! (یقیناً تو ہمارا رب ہے) ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) قیامت کے دن تم کہنے لگو ہم تو اس سے بے

خیر تھے۔

اصل میں اسلاف تقویٰ رہا تھا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔
اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے اور لام، لام کے ہے اور اس کا معنی یوں ہے: کیا تو نے ان کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سماں اور مال اس لیے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو گمراہ کر دیں!
دعا کی قبولیت میں جلدی کی امید رکھنا جہالت ہے

حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں کہا: "ربنا اطعمس علی اموالہم" طعمس کا معنی ہے مسح کرنا۔ نوحاک نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے درابم اور دثانیہ منقوش پتھر بن گئے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۹۱)
اور انہوں نے اپنی دعا میں کہا: "اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں" اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ ایمان نہ لاسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں کی دعا قبول کر گئی ہے۔" اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور جو شخص کسی کی دعا پر آمین کہے وہ بھی دعا کرنے والا ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے دعا کی ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں ثابت قدم رہنا یعنی رسالت پر اور تبلیغ دین پر اور دلائل قائم کرنے پر ثابت قدم رہنا، ابن جریج نے کہا اس دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱۳)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں جاہلوں کے طلعتہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا۔" جاہل لوگ جب دعا کرتے ہیں تو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی دعا فوراً قبول ہو جائے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دعا کو فوراً قبول فرماتا ہے اور بعض اوقات اس کی دعا کا جو وقت مقدر ہوتا ہے اس وقت اس دعا کی قبول فرماتا ہے اور مقبولیت میں حلدی صرف جاہل لوگ کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا:

فَلَا تَسْتَلِي مَا لَكَ مِنْ آلِهِ يَعْصُونَكَ يَا عَلِيُّ (صود: ۴۶)
اب نوح! اب مجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جس کا آپ کو علم نہیں،
جس آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جاہلوں میں سے نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں (فرمایا: اب! ایمان لایا ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا (سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے) اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں (یونس: ۹۲-۹۰)

بنی اسرائیل کی قوم فرعون سے نجات اور فرعون کا غرق ہونا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعا قبول فرمائی تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ایک معین وقت میں مصر سے روانہ ہو جائیں اور اس کے لیے اپنا سامان تیار کر لیں۔ فرعون اس معاملہ سے غافل تھا اس کو جب معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل اس کے ملک سے نکل گئے تو وہ ان کے پیچھے روانہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے

ساتھ روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے اور لاہر فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سروں پر آ پہنچا تو بنو اسرائیل بہت خوف زدہ ہو گئے، ان کے ایک طرف دشمن تھا اور دوسری طرف سمندر تھا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

فَاَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ
الْحَارَةَ فَانْمَلُوكَ مِمَّا كَانُ يَفْرُقُ كَمَا
الْعُظْمُ ۖ وَأَرْفَعْنَا كَنَامُ الْآخِرِينَ ۖ وَأَنحَنَّا
مُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ ثُمَّ أَغْرَقْنَا
الْآخِرِينَ ۖ (الشعراء: ۶۲-۶۳)

تو ہم نے موسیٰ پر وحی فرمائی کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریں،
تو ایک سمندر بھٹ گیا پس اس کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح
ہو گیا اور اس جگہ ہم دو سروں (فرعون اور اس لشکر) کو قریب
لائے اور ہم نے موسیٰ اور ان کے سب ساتھیوں کو نجات
دی اور ہم دو سروں کو غرق کر دیا۔

فرعون نے جب دیکھا کہ سمندر میں جگہ راستے بن گئے اور بنی اسرائیل اس سے گزر گئے تو اس نے اپنے لشکر سے کہا
آگے بڑھو، بنی اسرائیل تم سے زیادہ اس راستے پر چلنے کے مستحق نہیں ہیں اور جب وہ راستے کے بیچ میں پہنچے تو وہ خشک راستے
غائب ہو گئے اور سمندر کے اجزاء ایک دوسرے سے مل گئے اور فرعون غرق ہونے لگا اور اس وقت اس نے کہا: میں اس پر
ایمان لیا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا
تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ (یونس: ۹۲) تو جبریل نے کہا اے محمد! کاش آپ اس
وقت مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی کچھڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس پر رحمت ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۲۹۳۲)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ جبریل فرعون کے منہ میں کچھڑ
ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ وہ کے کالالہ الا اللہ تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳۵، مسند ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۳۰ شعب
الایمان رقم الحدیث: ۴۳۱۵)

فرعون کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجوہ

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ جب فرعون نے یہ کہہ دیا کہ میں اس پر ایمان لے آیا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں
تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان کیوں قبول نہیں فرمایا اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) فرعون نزول عذاب کے وقت ایمان لایا تھا اور اس وقت ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ
وَكُفِّرْنَا بِمَا كُنَّا فِيهِ مُنْذِرِكُنَّ ۖ فَلَمْ يَكُنْ
يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سَاءَ الْاَلْوَانُ
الَّذِي قَدْ حَلَّتْ بِفِي عَذَابٍ وَخَسِرَ هُنَالِكَ
الْكَاۤفِرُونَ ۖ (المومن: ۸۵-۸۴)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہا ہم اللہ پر ایمان
لے آئے جو واحد ہے اور ہم نے ان کا انکار کیا جن کو ہم اس کا
شریک ٹھہراتے تھے۔ پس ان کے ایمان نے ان کو کوئی فائدہ
نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، یہ اللہ کا وہ
دستور ہے جو اس سے پہلے اس کے بندوں میں گزر چکا ہے اور
وہیں کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔

(۲) فرعون نے جب عذاب کو دیکھ لیا تو اس نے وقتی طور پر عذاب کو ٹالنے کے لیے ایمان کا اظہار کیا اس کا مقصود اللہ کی عظمت و جلال کو ماننے کا نہ تھا اور نہ ہی اس نے اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کیا تھا۔

(۳) ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب توحید کے ساتھ رسالت کا بھی اقرار کرے، فرعون نے اللہ پر ایمان لانے کا اظہار کیا تھا لیکن حضرت موسیٰ کی نبوت پر ایمان لانے کا اقرار نہیں تھا اس لیے اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا، اگر کوئی محض ہزار مرتبہ بھی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ پڑھے اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ نہ پڑھے تو وہ مومن نہیں ہوگا۔

فرعون کے منہ میں جبرئیل کا مٹی ڈالنا اور اس پر اشکال کا جواب

ہم نے متعدد حوالوں سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو حضرت جبرئیل نے اس کے منہ میں کچھ ڈال دی تاکہ وہ توبہ نہ کر سکے اس حدیث پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۱۰ھ نے حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

فرعون اللہ پر ایمان لانے کا مکلف تھا تو حضرت جبرئیل پر یہ لازم تھا کہ وہ توبہ کرنے میں فرعون کی معاونت کرتے، نہ کہ اس کی توبہ کو روکنے کی کوشش کرتے، نیز توبہ صرف زبان سے اعتراف اور ندامت کا نام نہیں ہے، بلکہ دل سے نادم ہونے کا نام ہے ورنہ گوئی کی توبہ مقصور نہیں ہوگی اور جب دل سے نادم ہونے کا نام توبہ ہے تو پھر اس کے منہ میں مٹی ڈالنا بے سود ہے، نیز جب جبرئیل اس کو توبہ کرنے سے روک رہے تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو کفر قائم رکھنا چاہتے تھے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

فَقُولَا لَهُ قَدْ اَلَيْسَ اَللّٰهُ بِذِكْرٍ لَّكَ خَلْقِي - تم دونوں فرعون سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت

حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔ (۳۳: ۵۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ فرعون ایمان لے آئے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت جبرئیل کو فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجے تاکہ وہ اللہ پر ایمان نہ لاسکے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۹۷ دار احیاء التراث العربی بیروت) امام رازی کے یہ اعتراضات بہت قوی ہیں لیکن ہم احادیث کا غلام ہونے کی حیثیت سے ان احادیث کا تحفظ کریں گے اور ان کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ فرعون اللہ کی آیاتوں کا انکار کر کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کر کے اس درجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اب اگر وہ ایمان لاتا پھر بھی اس کے ایمان کو قبول نہ کیا جاتا اس لیے جبرئیل کو اس وقت اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجے تاکہ اس پر یہ واضح کر دیا جائے کہ توبہ رائدہ اور گاہ ہو چکا ہے اور اب تیرا ایمان مانا مقبول نہیں ہے۔

قرآن مجید کی صداقت

سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تیری قوم تو سمندر کی گہرائی میں غرق ہو چکی ہے لیکن ہم تیرے بے جان جسم کو سمندر کی گہرائی سے نکال لیں گے تاکہ دیکھنے والے دیکھیں کہ جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا آج وہ بے جان مردہ پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جسم کو بچا لینے کا اعلان فرمایا اور اس کا جسم آج تک محفوظ ہے، مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی لیکن کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ اس کے جسم کو ضائع کر دے یہ قرآن مجید کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِیْلَ مَبْوَءَیْدِیْ وَرَمَّاهُمْ مِّنَ الطَّیْبَاتِ

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو دہسنے کے لیے عمدہ جگہ دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا

فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقُضِي بَيْنَهُمْ

یَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ

جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۚ وَلَا تَكُونَنَّ

مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

كَذَبُوا بَيِّنَاتٍ لَمْ يَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

مُؤْمِنِينَ ۹۲ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوَفِّيَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

ایمان لے آئی ۰ اور کس نفس کے لیے ۷ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے،

وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۹۳ قُلْ أَنْظِرُوا

اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر کی) نجات ڈال دیتا ہے ۰ آپ کہیے تم خود سے دیکھو

مَا ذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ

آسمانوں اور زمینوں میں (اس کی وحدت کی) کیسی نشانیاں ہیں! اور یہ نشانیاں اور ڈھلنے والے ان لوگوں کو کوئی

عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۹۴ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ

قائم نہیں پہنچا سکتے جو (ضابطہ خدا سے) ایمان نہیں لائے ۰ پس ۷ لوگ صرف اس طرح کے ایام کا انتظار کر رہے ہیں

الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَاَنْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ

جیسے (ضابطہ کے) ایام ان سے پہلے تو مہل پہل گزر چکے ہیں، آپ کہیے کہ تم (میں) انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے

الْمُنْتَظِرِينَ ۹۵ ثُمَّ نُنْزِلُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا

فالوں میں سے ہوں ۰ پس ہم (ضابطہ آتے پر) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (ضابطہ) بھیجتے رہے ہیں، اس طرح اللہ کی

عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ ۹۶ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ

سنت جا رہے ہو، مومنوں کو نجات دیتا جا رہے ہو اور کفر کر رہے ہو ۰ آپ کہیے کہ اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو

مِنْ دِينِي فَلَا أَعِيدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ

تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں اللہ کی عبادت

أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمُ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۹۷

کرتا ہوں جو تمہاری مدد میں بھیجتا ہے اور مجھے ۷ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے رہوں ۰

وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۹۸ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۹۹

اور آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں ۰

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ

اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے، اگر بالفرض آپ ایسا کیا

فَإِنَّكَ إِذَا قِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

تو آپ ظالمین میں سے ہر جاہل گمے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لیے مہمہ جگہ دی، اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، سو انہوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ ان کے پاس (بذریعہ تورات) علم آگیا، بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز میں فیصلہ فرمادے گا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں ○ پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتب کو پڑھتے ہیں، بے شک تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جاؤ ○ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○ (اے رسول مکرم!) بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ خواہ ان کے پاس تمام کتابیں آجائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو (بھی) دیکھ لیں ○ (یونس: ۹۷-۹۳)

بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف قرآن میں شک کرنے کی نسبت اور اس سے عام لوگوں کا مراد ہونا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں جن سے قرآن مجید کی صداقت اور آپ کی نبوت کی حقانیت کا علم ہوتا ہے:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس رکوع کی پہلی چار آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے یا عام انسانوں سے خطاب ہے، اگر اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے تو یہ بظاہر آپ سے خطاب ہے اور اس سے مراد آپ کا غیر ہے یعنی عام انسان اور اس کی تفسیر آیتیں ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ
وَالْمُنَافِقِينَ - (الاحزاب: ۱)
اے نبی اللہ سے ڈرے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے۔

اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا ملل ضائع ہو جائے گا۔
كَيْفَ أَشْرَكْتَ لِيَحْبَبَنَّ عَمَلُكَ -

(الزمر: ۲۵)

اس خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں بلکہ آپ کا غیر عام انسان مراد ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس رکوع کی آیت ۱۰۳ میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ نَبِيًّا شَكُوتًا تَسْتَكْبِرُونَ -

(یونس: ۱۰۳)

اس آیت میں صراحتاً فرمایا کہ شک کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے آپ کے ساتھ نہیں ہے، لہذا یہ آیت پہلی آیتوں کی تفسیر ہے کہ ان آیتوں میں شک کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے۔ پہلی آیتوں میں اشارہ عام لوگ مراد ہیں اور اس آیت میں

صراحت کے ساتھ عام لوگوں کا ذکر فرمایا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک ہو گا تو دوسرے لوگوں کو بطریق اولیٰ آپ کی نبوت میں شک ہو گا اور اس سے شریعت باطل ہو جائے گی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک ہو تو اہل کتاب کے خبر دینے سے یہ شک کس طرح زائل ہو گا کیونکہ اکثر اہل کتاب تو کفار ہیں، اور اگر اہل کتاب میں سے کوئی مومن بھی آپ کی نبوت کی خبر دے تب بھی اس کی خبر حجت نہیں ہوگی خصوصاً اس لیے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل کے جو نسخے ہیں وہ سب محرف ہیں، پس واضح ہو گیا کہ ان پہلی تین آیتوں میں ہر جہہ کہ بظاہر آپ سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد آپ کی امت ہے یا عام لوگ مراد ہیں۔

حسن بھری نے اس آیت کی تفسیر میں کہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں شک کیا تھا نہ اہل کتاب سے سوال کیا تھا۔

قلود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ذکر کیا میں شک کرتا ہوں نہ میں نے سوال کیا۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

شک کی نسبت کا عام لوگوں کی طرف ہونا

اور بعض مفسرین نے یہ کہا کہ ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین قسم کے لوگ تھے: ایک وہ جو آپ کی تصدیق کرتے تھے، دوسرے وہ جو آپ کی تکذیب کرتے تھے اور تیسرے وہ لوگ جن کو آپ کے نبی ہونے کے متعلق شک اور تردد تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تین قسم کے لوگوں سے خطاب فرمایا اور جن اہل کتاب سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن صوریہ، حضرت حمیم داری اور کعب احبار وغیرہ ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کے نزدیک تو اس وقت کی آسمانی کتابیں محرف ہیں تو پھر ان محرف کتابوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا ذریعہ کیسے بتایا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی تحریف یہ تھی کہ جو آیات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی تھیں وہ ان آیات کو چھپاتے تھے، تو اگر وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر دیتے تو یہ مسلمانوں کے لیے بہت قوی دلیل ہوتی۔

شک کی نسبت کے متعلق بعض تراجم

ہم نے شروع میں بیان کیا تھا کہ بعض مفسرین نے اس آیت میں شک کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور بعض مفسرین نے عام مخاطب کی طرف شک کی نسبت کی ہے، اسی اعتبار سے حرمین نے اس کے ترجمے بھی دو طرح کے کیے ہیں، پہلے ہم ان حرمین کا ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے شک کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۷۴۶ھ لکھتے ہیں:

پس یہ پرس آنا کہ سے خوانند کتاب از پیش تو بدستی کہ آمد تو بیان راست از پروردگار تو پس مباش ہرگز از شک آرنده گان۔

شہادہ علی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

پس بہ پرس آنا ترا کہ سے خوانند کتب از پیش تو ہر آئینہ آمد است پیش تو وحی درست از پروردگار تو پس مشوا از شک آرنہ گلن۔

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

پس سوال کر ان لوگوں سے کہ پڑھتے ہیں کتب پہلے تجھ سے، تحقیق آیا ہے تمہارے پاس حق پروردگار تمہارے سے، پس مت ہو شک لانے والوں سے۔

شاہ عبدالغفور محدث دہلوی متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتب تجھ سے آگے بے شک آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب سے سو تو مت ہو شبہ لانے والا سید محمد محدث کچھوچھوی لکھتے ہیں:

تو اگر تم شک میں ہوتے جسے اتارا ہم نے تمہاری طرف تو پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتب تم سے پہلے۔

اور جن خرمین نے شک کی نسبت عام لوگوں کی طرف کی ہے ان کے یہ تراجم ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قاضی دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتب پڑھنے والے ہیں۔

اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاشمی قدس سرہ، متوفی ۱۳۰۶ھ لکھتے ہیں:

تو (اے سننے والے) اگر تو شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے (اپنے رسول کی وسالت سے) تیری طرف نازل فرمائی تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتب پڑھتے ہیں۔

ہم نے بھی ان ہی تراجم کی اجہل کرتے ہوئے لکھا ہے:

پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتب کو پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آجوں کی تکذیب کی ورنہ تم

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (یونس: ۹۵) ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین

قسم کے لوگ تھے: ایک وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے، دوسرے وہ تھے جو آپ کی تکذیب کرتے

تھے اور تیسرے وہ تھے جن کو آپ کی نبوت میں شک تھا اور شک کرنے والوں کا معاملہ تکذیبین سے کم ہے اس لیے پہلے فرمایا:

تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور چونکہ تکذیب کرنے والوں کا معاملہ شک کرنے والوں سے زیادہ سخت ہے اس لیے

ان کے بعد تکذیب کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اور اس کے بعد فرمایا: بے شک جن

لوگوں کے متعلق آپ کے رب کے کلمات صبور ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ازل سے جن لوگوں کے

متعلق علم تھا کہ ان کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار دیا جائے گا لیکن وہ خدی اور ہٹ دھرم لوگ ہوں گے وہ کثیر معجزات اور

دلائل دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق شکوت کا فیصلہ کر دیا، سو جو لوگ اللہ کے علم

میں ازل میں شکی تھے اور ان کے لیے ازل میں شکوت لکھی جا چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت میں کلمات کا ذکر ہے اور کلمے سے مراد اللہ کا حکم اور اس کی خبر ہے اور بندہ میں قدرت اور داعیہ (فعل کا محرک اور باعث) کا مجموعہ پیدا کرتا ہے جو اس اثر کا موجب ہے، حکم، خبر اور علم تو ظاہر ہے اور قدرت اور داعی کا مجموعہ بھی ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ بندہ میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قدرت پیدا کرتا ہے اور خبر اور شر میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کی طاقت دیتا ہے پھر خبر اور شر میں سے جس چیز کو بندہ اختیار کرتا ہے اس میں وہی چیز پیدا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندہ نے خبر اور شر میں سے کس کو اختیار کرتا ہے، سو جن کے متعلق اللہ کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے متعلق فرمایا: بے شک جن لوگوں کے متعلق آپ کے رب کے کلمات صلور ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ امام رازی نے اس کی دوسری تقریر کی ہے کہ بندہ میں قدرت اور داعی (یعنی فعل کا محرک) دونوں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے پس اللہ نے جس کو ازل میں شقی بنا دیا وہ ایمان نہیں لائے گا لیکن یہ تقریر عام ذہنی سطح سے باہر ہے۔ امام رازی معتزلہ اور قدریہ کے رد میں شدت کرتے ہوئے جبر کی طرف چلے گئے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک جبر اور قدر کے درمیان ہے یعنی فعل کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اس کو اختیار بندہ کرتا ہے، اگر اختیار کی نفی کر دی جائے اور کہا جائے کہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو یہ جبریہ کا مذہب ہے اور اگر کہا جائے کہ فعل کو بندہ پیدا کرتا ہے تو پھر یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ (عذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئی تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سوا یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا، اور ہم نے ان کو ایک وقت مقرر تک فائدہ پہنچایا (یونس: ۹۸)

حضرت یونس علیہ السلام کا نام و نسب

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام لادی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم حلیم السلام کے نواسے ہیں، شام کے رہنے والے تھے اور حلب کے محل میں سے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ یحییٰ بن فوت ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، ان کے سوا ان کی والدہ کی اور کوئی اولاد نہیں تھی، چالیس سال کی عمر میں حضرت یونس علیہ السلام نے اعلان نبوت کیا، وہ بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے، وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے شام چلے گئے اور جبلہ کے کنارے پہنچ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل غنوا کی طرف بھیجا۔ (دریاد جبلہ کے مشرقی کنارے جہاں موصل نامی شہر ہے وہاں ایک قدم شرف تھا)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۸ ص ۱۰۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات

اور ذوالنون کو یاد کیجئے جب وہ غضب ناک ہو کر نکلے سو انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ہرگز ان پر غلی نہیں کریں گے پھر تاریکیوں میں انہوں نے پکارا: (اے اللہ!) تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں، تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا، تو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات

وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ عَنْهُ صُلْبُ ابْنِ رَبِّهِ
عَلَيْهِمْ فَكَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
سُبْحَانَكَ ۚ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ
نُجِّي الْمُؤْمِنِينَ (الانبياء: ۸۸-۸۷)

دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں ○

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب وہ
بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے ○ پھر قرعہ اندازی کرائی تو وہ
مظلومین میں سے ہو گئے ○ اور ان کو مچھلی نے نکل لیا اور آنحایکہ
وہ خود کو ملامت کرنے والوں میں سے تھے ○ پس اگر وہ تسبیح
کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی
کے پیٹ میں رہتے ○ تو ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا
اور آنحایکہ وہ بیمار تھے ○ اور ہم نے ان پر زمین پر پھینکے والا کدو
کا درخت اگا دیا ○ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ
لوگوں کی طرف بھیجا ○

تو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی
طرح نہ ہو جائیں جب انہوں نے غم کی کیفیت میں اپنے رب کو
پکارا ○ اگر ان کے رب کی نعمت ان کی مدد نہ فرمائی تو وہ ضرور
میدان میں ڈال دیئے جاتے اور آنحایکہ وہ ملامت زدہ ہوتے ○
پس ان کے رب نے انہیں عزت دی اور انہیں صالحین میں سے
کر لیا۔

وَلَدَّ يُونُسَ لِمِمَّا الْمُرْسَلِينَ ○ إِذْ أَنْتَ إِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ○ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُذْخِرِينَ ○ فَالتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ
مُيْتِمٌ ○ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ ○
لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَبْلَهُ
بِالْعُرَىٰ وَهُوَ مَيْتٌ ○ وَاتَّخَذْنَا عَلَيْهِ شِجْرَةً
فِي الْفُطُوحِ ○ وَرَسُولُهُ إِلَىٰ وَاتِّقَ الْيَوْمَ
يُرِيدُونَ ○ فَاسْتَوْفَعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ○

(الصفت: ۳۸-۳۹)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ
الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ○ لَوْلَا أَنَّا نَذَرْنَا
بِعَمَلِهِ يَوْمَ رَبِّهِ لَكُنَّا مِنَ الْخَارِجِينَ ○ وَهُوَ مَكْظُومٌ ○
فَاجْتَبَيْنَاهُ رَبَّنَا فَجَعَلْنَاهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ○

(الحکم: ۵۰-۴۸)

حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کو یہ کہنا
نہیں چاہیے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۳۷ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی بندہ کو یہ کہنا نہیں چاہیے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی
سے افضل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ لکھتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت یونس بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کے ساتھ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف
وحی کی کہ وہ حضرت یونس کو اہل غیوا کی طرف بھیجیں اور ان کو میرے عذاب سے ڈرائیں، ان لوگوں میں تورات کے احکام پر
عمل کرانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور حضرت
داؤد کی زبور کے بعد اور کسی کتاب کو نازل نہیں کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام بہت تیز مزاج اور سرعہ غضب تھے، وہ اہل
غیوا کے پاس گئے اور ان کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ انہوں نے حضرت یونس کی تکذیب کی اور ان کی نصیحت کو مسترد کر دیا،

ان پر پتھراؤ کیا اور ان کو اپنی بستی سے نکل دیا۔ حضرت یونس وہاں سے لوٹ آئے، ان سے بنی اسرائیل کے نبی نے کہا: آپ وہاں پر پھر جائیں، حضرت یونس علیہ السلام پھر چلے گئے۔ اہل غیوا نے پھر وہی سلوک کیا، تین بار اسی طرح ہوا، حضرت یونس علیہ السلام ان کو عذاب سے ڈراتے اور وہ ان کی تکذیب کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت یونس علیہ السلام ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے رب سے اپنی قوم کو ہلاک کرنے کی دعا کی، اور ان لوگوں کو خبر دی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آجائے گا اور اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچوں کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اہل غیوا کو دیکھنے لگے اور ان پر عذاب نازل ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عذاب نازل ہونے کا جو وقت مقرر کیا تھا ان کی قوم بھی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ جب انہیں عذاب کے نزول کا یقین ہو گیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا، پھر اس وقت جو بنی اسرائیل کے انبیاء تھے انہوں نے ان کی طرف رجوع کیا اور ان سے اس مصیبت کا حل دریافت کیا جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے، انہوں نے کہا حضرت یونس علیہ السلام کو بلاؤ، وہ تمہارے لیے دعا کریں گے کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف دعا کی تھی۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن وہ ناکام رہے، تب انہوں نے کہا آؤ ہم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کریں، پھر وہ اپنے تمام مردوں، عورتوں اور مویشیوں کو لے کر نکلے، انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، اپنے سروں پر راکھ ڈالی، اپنے پیروں میں کلنے بچھائے اور رو رو کر اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر ان کی توبہ قبول فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل غیوا نے کیم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر اب آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ اٹھارے اوپر نہیں آیا، پس حضرت یونس اپنی قوم پر ناراض ہو کر (وحی الہی کا انتظار کیے بغیر) جلد کے کنارے پہنچ گئے، ان کے ہمراہ ان کے بال بچے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی تو حضرت یونس نے کہا ہمیں لے چلو، کشتی والوں نے کہا کشتی میں جگہ کم ہے، آپ اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرادیں، پھر حضرت یونس اور ان کے دو بیٹے رہ گئے۔ پھر ایک اور کشتی آئی حضرت یونس اس کی طرف بڑھے، ان کا ایک بیٹا جلد کے کنارے آیا، اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا، اور بھیڑیا آیا وہ دوسرے بیٹے کو کھا گیا۔ تب حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے، وہ اس دوسری کشتی میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو اللہ کے حکم سے کشتی چکر کھلنے لگی، کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب ہے، لوگوں نے کہا ہمیں پتا نہیں۔ حضرت یونس نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، ایک بندہ اپنے رب سے بھاگ نکلا ہے، یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ حضرت یونس نے فرمایا: وہ میں ہوں۔ لوگوں نے کہا اگر وہ آپ ہیں تو ہم آپ کو ہرگز نہیں پھینکیں گے، بندہ اہم کو یقین ہے کہ آپ ہی کے وسیلے سے ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی، پھر انہوں نے قرعہ اندازی کی اور کہا جس کے نام کا قرعہ نکلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس کا نام نکل آیا، لیکن انہوں نے حضرت یونس کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا، پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر حضرت یونس کا نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: مجھ کو دریا میں ڈال دو، اور اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس کو نکل لے، مگر حضرت یونس کو خراش آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹنے، وہ میرے نبی اور میرے برگزیدہ بندے

ہیں۔ وہ چھلی چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی، اور حضرت یونس چھلی کے پیٹ میں جئات اور چھلیوں کی تسبیح سنتے رہے، حضرت یونس تسبیح اور تحلیل کرتے رہے اور کہتے تھے: اے میرے مالک! تو نے مجھے پہاڑوں سے اتار، شہروں میں پھرایا اور تین اندھروں میں مجھے مقید کر دیا، رات کا اندھیرا، پانی کا اندھیرا اور چھلی کے پیٹ کا اندھیرا، تو نے مجھے ایسی سزا دی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو ایسی سزا نہیں دی تھی!

جب چالیس دن پورے ہو گئے تو:

قَسَادَىٰ رِیِّ الطُّلُمُتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

پھر تاریکیوں میں انہوں نے پکارا: (اے اللہ!) تیرے سوا

سُحُكَاۤیْرِیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔

عبادت کا کوئی مستحق نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں زیادتی

(الانجیل: ۸۷) کرنے والوں میں سے تھا۔

پھر فرشتوں نے ان کے رونے کی آواز سنی اور ان کو آواز سے بچان لیا، اور ان کے گریہ و زاری کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! یہ ایک غمزدہ شخص کی کمزور آواز ہے جو کسی اجنبی جگہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے، اس سے ایک (اجتہادی) خطا ہو گئی تو میں نے اس کو دریا میں چھلی کے پیٹ میں قید کر لیا۔ فرشتوں نے کہا: اے رب! یہ نیک بندہ ہے، صبح اور شام اس کے بکھرت نیک اعمال آسمانوں کے اوپر جاتے ہیں۔ فرمایا: ہاں! حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب اللہ اپنے اولیاء پر اس طرح گرفت فرماتا ہے تو غور کرو وہ اپنے دشمنوں پر کیسی گرفت فرمائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس چھلی کے پاس بھیجا کہ جس جگہ سے اس نے حضرت یونس کو نکالا تھا وہیں ان کو اگل دے۔ وہ چھلی دریا کے کنارے آئی اور حضرت جبرئیل چھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا: السلام علیک یا یونس! رب العزت آپ پر سلام پڑھتا ہے! حضرت یونس نے فرمایا: اس آواز کے لیے مر جاؤ جس آواز کے متعلق میرا یہ گمان تھا کہ وہ اب مجھے کبھی سنائی نہیں دے گی۔ پھر چھلی سے کہا: تم اللہ کا نام لے کر حضرت یونس کو اگل دو، چھلی نے حضرت یونس کو اگلا اور حضرت جبرئیل نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کا جسم اس طرح طاعن تھا جیسے نوزائیدہ بچہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام چھلی کے پیٹ میں صرف تین دن اور تین راتیں رہے تھے۔ (حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت یونس کے چھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت میں اختلاف ہے، سبھی نے کہا ہے کہ چاشت کے وقت چھلی نے ان کو نکالا تھا اور شام کے وقت اگل دیا، قتادہ نے کہا وہ اس میں تین دن رہے تھے، امام جعفر صادق نے کہا وہ اس میں سات دن رہے تھے اور سعید بن ابوالحسن اور ابومالک نے کہا وہ اس میں چالیس دن رہے تھے، اور اللہ ہی کو علم ہے وہ اس میں کتنی مدت رہے تھے۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۲۸ دار الفکر طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب وہ چھلی کے پیٹ میں تھے تو انہوں نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں تیرے لیے ایسی جگہ مسجد بنائوں گا جہاں کسی نے تیرے لیے مسجد نہ بنائی ہوگی، اور وہ چھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ تسبیح کرنے والوں (نماز پڑھنے والوں) میں سے نہ ہوتے تو وہ ضرور یوم حشر تک چھلی کے پیٹ میں رہتے۔ حسن نے کہا انہوں نے پہلے جو نمازیں پڑھی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور ان کو چھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

میون بن مہران نے کہا تم اللہ تعالیٰ کو آسانی اور سہولت کے وقت یاد کیا کرو وہ تم کو شدت اور مصیبت کے وقت میں یاد

رکھے گا۔ فرعون نے اپنی ساری زندگی سرکشی اور نافرمانی میں گزاری اور جب سمندر میں ڈوبنے لگا تو کہا میں ایمان لے آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب ایمان لایا ہے اور پہلے نافرمانی کرتا رہا تھا۔ (یونس: ۹۰-۹۱) اور حضرت یونس علیہ السلام ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے اور جب مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے نجات دی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں جو دعا مانگی تھی (لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ الانبیاء: ۸۷) جو مسلمان بھی کسی مصیبت کے وقت یہ دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

مچھلی نے کہا: جب مچھلی نے دریا و جملہ کے کنارے حضرت یونس کو اٹکا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگادیا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (ایک قول ہے ایک لاکھ ستر ہزار) لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

حسن نے کہا کدو کی بیل کا بہت گھناسا یہ تھ حضرت یونس اس کی شاخوں کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ دودھ چوستا ہے۔ نیز حسن نے بیان کیا کہ ایک چرواہا نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے پاس جا کر یہ خبر دی کہ اس نے اللہ کے رسول حضرت یونس بن متی کو دیکھا ہے، لوگوں نے اس کو جھٹلایا تب اس نے کہا میرے پاس دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی کھری کو گویائی دی اور اس نے کہا ہاں انہوں نے میرا دودھ پیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے حق میں گواہی دوں، پھر ان کی قوم اس وادی میں گئی تو دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے، وہ لوگ روئے گئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے، اور پھر ان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے شہر میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمان سے برکتیں نازل کیں اور ان پر زمین کے خزانے کھول دیئے، حضرت یونس علیہ السلام وہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کے لیے سنتیں اور شریعتیں قائم کیں، پھر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی اور وہاں سے چلے گئے اور بلا شلہ نے اس چرواہا کو بلا شہادت دے دی جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تھا پھر بلا شلہ بھی وہاں سے چلا گیا اور اس کے بعد پھر کسی نے حضرت یونس کو دیکھا نہ بلا شلہ کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق پر تشریف لے گئے، آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلند آواز سے تکیہ کہتے ہوئے پہاڑی سے اتر رہے ہیں، پھر آپ تکیہ پر آئے اور فرمایا: گویا کہ میں حضرت یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں، وہ تکیہ کہہ رہے ہیں، ان پر دو سفید چادریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: بلیک یا یونس! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (کنز العمال: ۳۲۳۸۴)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۸ ص ۱۱۶-۱۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کوئی بہتی ایسی کیوں نہ ہوگی کہ وہ (غذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئی تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سو یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا غذاب دور کر دیا، اور ہم نے ان کو ایک وقت مقرر تک قائم پہنچایا۔ (یونس: ۹۸)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ خواہ ان کے پاس تمام نشانیاں آجائیں حتیٰ کہ وہ دردناک غذاب کو (بھی) دیکھ لیں ○ (یونس: ۹۷-۹۸) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کفر کے بعد ایمان لے آئی، اس طرح کافر قوموں کی اب دو

تسمیں ہو گئیں: ایک وہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا اور دوسری وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

آثار عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توبہ کرنا

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی المتوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

اصحاب یرو تفسیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل کے مقام فینوا میں رہتی تھی، اللہ عزوجل نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت یونس نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی، انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو خبر دی کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آ جائے گا جب ان پر آثار عذاب ظاہر ہوئے، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ حضرت یونس کی قوم اور عذاب کے درمیان صرف دو تہائی میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، مقاتل نے کہا کہ ایک میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، ابو صلح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے عذاب کی تپش اپنے کندھوں پر محسوس کی، بعض نے کہا کہ آسمان پر سیاہ رنگ کے بادل نمودار ہو گئے اور سخت دھواں ظاہر ہونے لگا جس نے ان کے شر کو ڈھانپ لیا، اور ان کے مکانوں کی چھتیں سیاہ پڑ گئیں، جب ان کو ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ثلث کے کپڑے پہنے اور اپنے سروں پر رکھ ڈال لی، اور تمام لوگ بڑے اور چھوٹے، والدین اور بچے، تمام جانوروں کو لے کر میدان میں جمع ہوئے اور سب نے با آواز بلند اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور صدق دل سے معافی مانگی اور یہ کہا کہ ہم حضرت یونس علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ان کی توبہ یہاں تک تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بھی عطا کر لی، حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا پتھر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وہ پتھر دیوار سے نکال کر اس کو واپس کر دیا، اور ابو الجبلہ نے کہا: جب ان پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو وہ اپنے بڑے بڑے عالم کے پاس گئے اور اس سے اس عذاب سے نجات کے متعلق سوال کیا اس نے کہا یہ کہو:

ياحییٰ حبس لا حی یا حی یا حیٰ محییٰ الموتی
اے زندہ! جب کوئی زندہ نہ ہو، اے زندہ! مردوں کو زندہ کرنے والے، اے زندہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

جب انہوں نے یہ کلمات کہے تو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ مقاتل نے کہا: وہ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ سے فرید کرتے رہے، پھر ان سے عذاب دور کر دیا گیا۔ دس محرم جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس سے جا چکے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔ حضرت یونس نے فرمایا: میں ان کے پاس کیسے جاؤں، وہ مجھ کو جھوٹا قرار دیں گے اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اور اس کے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراضگی کے باعث دریا کی طرف چلے گئے اور پھلی نے ان کو نگل لیا۔

(ازاد المسیر ج ۳ ص ۹۸-۹۹ جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۹۸۸-۹۸۹ تفسیر کبیر ج ۶

ص ۳۰۳ جامع البیان ج ۸ ص ۲۸۹-۲۹۰ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۱ روح المعانی ج ۷ ص ۲۸۳-۲۸۴)

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ طبری نے کہا ہے کہ تمام امتوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی یہ خصوصیت ہے کہ عذاب کے معاند نہ بنے، جب ان کی توبہ قبول کر لی گئی اور مفسرین کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے۔ زجاج نے یہ کہا ہے کہ ان پر عذاب

واقع نہیں ہوا تھا انہوں نے صرف وہ علامات دیکھی تھیں جو عذاب پر دلالت کرتی ہیں اور اگر وہ جینہ عذاب کو دیکھ لیتے تو ان کو ایمان نفع نہ دیتا۔ (علامہ قرطبی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ زجلج کا قول بہت عمدہ ہے، کیونکہ جس عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا وہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے، جیسا کہ فرعون کے قصہ سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت یونس کی قوم کے قصہ کو فرعون کی قوم کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے، کیونکہ وہ اس وقت ایمان لایا تھا جب وہ عذاب کو دیکھ چکا تھا اس وجہ سے اس کے ایمان نے اس کو نفع نہیں پہنچایا، اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے اس سے پہلے توبہ کر لی تھی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک عرصہ (موت) نہ ہو۔ (عرعرہ: موت کے وقت غرغر کی آواز نکالنا)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۰۴) صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۸۸ الکمال لابن عدی ج ۳ ص ۹۵۴ طبع الادبیاء ج ۵ ص ۹۹۰ المستدرک ج ۳ ص ۲۵۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۴۳)

ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب حضرت یونس نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا اور حضرت یونس ان کے درمیان سے چلے گئے اور اگلی صبح کو قوم نے حضرت یونس کو موجود نہ پایا تو انہوں نے توبہ کر لی، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب روک لیا، حضرت یونس عذاب کا انتظار کر رہے تھے، جب انہوں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور ان کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جھوٹا قرار دیا جائے اور اس کے پاس دلیل نہ ہو تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر غم و غصہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۵۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۵۹۷) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے عذاب کی علامت دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی تھی، اور کشفنا عہم عذاب السحری کا معنی یہ ہے کہ جس عذاب کا حضرت یونس نے ان سے وعدہ کیا تھا وہ ان پر نازل ہو گا وہ عذاب اللہ تعالیٰ نے ان سے دور کر دیا، یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تھا اور اس توجیہ کی بناء پر حضرت یونس کی قوم سے عذاب کو دور کرنے اور فرعون سے عذاب کو دور نہ کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ یہ حضرت یونس کی قوم کی خصوصیت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں اہل نینوا سعادت مند لوگوں میں سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احتیاط سے تقدیر نہیں بدلتی اور دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے، نیز حضرت علی نے فرمایا: ان سے عاشوراء کے دن عذاب دور ہوا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۵ھ)

ہر چند کہ علامہ قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یونس کی قوم نے عذاب کی علامات دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی تھی لیکن ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عذاب کی علامات اور نشانیوں کو دیکھ کر توبہ کی تھی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کی قوم کا بقی اقوام سے استثناء کیا ہے اور باقی تمام مفسرین کا بھی یہی مختار ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور نگاہ رسالت میں ان کا بلند مقام حضرت یونس علیہ السلام پر سخت غم و غصہ اور پریشانی کی کیفیت طاری تھی، جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ عذاب نہیں آیا تو ان کو خیال آیا کہ ان کی قوم اب ان کو جھوٹا کہے گی کہ جس وقت انہوں نے عذاب آنے کی پیش گوئی کی تھی اس وقت

عذاب نہیں آیا اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹ ثابت ہو اور اس کے جھوٹ پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا اس غم اور پریشانی کی کیفیت میں حضرت یونس نے اس علاقہ سے نکل جانا چاہا اور اس پریشانی میں وہ یہ بھول گئے کہ یہاں سے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت لینا ضروری ہے اور ہر چند کہ عام مسلمانوں سے بھول پر مواخذہ اور گرفت نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقام عام مسلمانوں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لیے ان سے بھول پر بھی مواخذہ ہوتا ہے، ہر چند کہ بھول کوئی گنہ نہیں ہے، لیکن حضرت آدم نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لیا تو ان کا لباس اتر گیا اور انہیں جنت سے باہر جانے کا حکم دیا پھر وہ اس بھول پر بھی عرصہ دراز تک توبہ کرتے رہے پھر انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام بھی بھولے سے کشتی میں جھنڈ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت فرمائی اور ان کو مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا پھر ان کی تسبیح کی وجہ سے ان کو نجات عطا فرمائی، پھر ان کی ناز برداری فرمائی، جبرئیل ان کو مچھلی کے منہ سے نکل کر ایک چٹیل میدان میں لے گئے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو سانسے میں رکھنے کے لیے کدو کی پھیلنے والی بتل پیدا فرمائی اور اس کی شاخوں میں دودھ اتارا جس سے حضرت یونس علیہ السلام کی نشوونما فرمائی، پھر حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں جو تسبیح کی تھی اس تسبیح کو یہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی کسی رنج اور غم میں مبتلا ہو جب وہ اس تسبیح کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے غم سے نجات عطا فرمائے گا، تسبیح اور استغفار کے کلمات تو بہت ہیں لیکن ان کلمات کو یہ مرتبہ اس لیے عطا فرمایا کہ یہ اس کے محبوب اور مکرم نبی کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر بلند تھا۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کی رفعت اور عظمت کو ظاہر کرتے ہوئے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی ایک شخص بھی حضرت یونس بن متی سے افضل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۵) آپ نے یونسی تو نہیں فرمایا: کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ مجھے حضرت یونس بن متی پر فضیلت دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۶) نگاہ رسالت سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا کہ کچھ لوگ حضرت یونس علیہ السلام کی اس آزمائش کے واقعہ کو دیکھ کر ان پر زبان طعن دراز کریں گے، اس لیے اس کے سدباب کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی فرما دیا کہ کوئی شخص بھی حضرت یونس سے افضل نہیں ہے، مجھے بھی ان پر فضیلت مت دو، ہر چند کہ آپ کے یہ کلمات بطور تواضع ہیں لیکن ان کلمات سے حضرت یونس کے بلند مقام اور ان کی رفعت شان کا پتا چلتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید مودودی کی تنقید

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۹۶۹ء سورۃ یونس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں خدائی دستور کے جو اصول و کلیات بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا پس جب نبی نے اس قوم کی مصلحت کے آخری لمحے تک نصیحت کا سلسلہ جاری نہ رکھا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خودی وہ ہجرت کر گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس کی قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر اتمام حجت کی قانونی شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۱۳، مطبوعہ لاہور، ۱۳۰۲ھ / ۱۹۸۲ء)

اور انصاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین کے ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تین قصور تھے جن کی وجہ سے حضرت یونس پر عتاب ہوا: ایک یہ

کہ انہوں نے عذاب کے دن کی خود ہی تعیین کر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ دن آنے سے پہلے ہجرت کر کے ملک سے نکل گئے حالانکہ نبی کو اس وقت تک اپنی جگہ نہ چھوڑنی چاہیے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے، تیسرے یہ کہ جب اس قوم پر سے عذاب نکل گیا تو واپس نہ گئے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۸-۳۱۰، مطبوعہ لاہور، مارچ ۱۹۸۳ء)

اس سے چند صفحات پہلے لکھتے ہیں:

اس ابتداء میں حضرت یونس اس لیے جلا ہوئے کہ وہ اپنے آقا (یعنی اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بغیر اپنے مقام ماموریت سے فرار ہو گئے تھے اس معنی پر لفظ سبق بھی دلالت کرتا ہے جس کی تشریح حاشیہ نمبر ۷۷ میں گزر چکی ہے۔ (حاشیہ نمبر ۷۸ میں لکھا ہے اصل میں لفظ سبق استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں صرف اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ غلام اپنے آقا کے ہاں سے بھاگ جائے) اور اسی معنی پر لفظ مسبب بھی دلالت کرتا ہے۔ ہم ایسے قصور وار آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے قصور کی وجہ سے آپ ہی ملامت کا مستحق ہو گیا ہو۔ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۷۰-۷۱، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ

یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ قرآن مجید میں جب کسی لفظ کا ضعیف معنی اللہ اور رسول کے شیان شان نہ ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ استہزاء استعمال کیا ہے اس کا معنی ہے مذاق اڑانا اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے شیان شان نہیں ہے اس لیے اس کا معنی مذاق اڑانے کی سزا کیا جاتا ہے اسی طرح جو الفاظ انبیاء علیہم السلام کی شیان شان نہ ہوں ان میں بھی تویل کی جائے گی۔ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ان سے صغیرہ یا کبیرہ کسی قسم کا بھی گناہ صادر نہیں ہوتا اور وہ قصور اور ارادے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے البتہ ان سے نسیان کے ساتھ کوئی ممنوع کام ہو جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بھولے سے شجر ممنوع سے کھانا یا حضرت یونس علیہ السلام کا بھولے سے بغیر اجازت لیے چلے جانا یہ کام گناہ نہیں ہیں ان کاموں پر جو ان سے مواخذہ ہوا وہ ان کے مقام کی بلندی کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کے بلند مقام کی وجہ سے ان سے بھول بھی قاتل مواخذہ ہے اور ان کا اپنے آپ کو ظالم کہنا ان کی تواضع اور انکسار ہے، لیکن یہ ان کا اور ان کے رب کے درمیان معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کا مالک اور مولیٰ ہے، وہ جو چاہے انہیں فرمائے اور وہ اس کے بندے ہیں، وہ اس کے سامنے جس طرح چاہیں تواضع اور انکسار کریں ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی طرف سے ان پر کوئی حکم لگائیں، ان کے کسی کام پر تنقید کریں یا تبصرہ کریں، ہم صرف ان سے متعلق آیات اور احادیث کا ترجمہ کر سکتے ہیں اور ان آیات اور احادیث کے علاوہ ان پر کوئی حکم لگانے کے یا ان پر کوئی تبصرہ کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق جس طرح لکھا ہے اس سے یہ لگتا ہے جیسے عدالت ملزم پر فرد جرم عائد کر رہی ہو، ہم اس قسم کی عبارات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی مائلی متونی ۷ ص ۷۷ لکھتے ہیں:

جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت یا حدیث کے علاوہ کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی یا مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا، ہم اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (المذخل ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خاص طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا مقام بہت عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بھی حضرت یونس سے افضل نہیں ہے اور فرمایا: مجھے بھی یونس بن مثنیٰ پر فضیلت مت دو۔ ایسے عظیم الشان نبی کے متعلق یہ لکھنا

”ان کے تین قصور تھے“ لائق صد افسوس ہے، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں؟ (یونس: ۹۹)

روئے زمین کے تمام لوگوں کو مومن بنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں اس سورت کی ابتداء سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کفار کے شبہات بیان کیے گئے ہیں، ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کی نبوت کو نہ مانا گیا تو اللہ تعالیٰ مگرین پر آسمان سے عذاب بھیجے گا اور اپنے نبی اور مومنوں کی مدد فرمائے گا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو ہم پر آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا! اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا: ان کی قومیں بھی جلد عذاب کے آنے کا مطالبہ کرتی تھیں، پھر ان پر عذاب آگیا اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے آثار عذاب دیکھتے ہی توبہ کر لی، اس لیے ان سے عذاب نکل گیا اور چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے اور اس کے لیے بہت جدوجہد کرتے تھے اور ان کے ایمان نہ لانے سے آپ سخت رنجیدہ ہوتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر طول خاطر نہ ہوں کیونکہ جس کے متعلق ازل میں اللہ عزوجل کو یہ علم تھا کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا اسی کے لیے اللہ تعالیٰ ایمان پیدا کرے گا اور جس کے متعلق ازل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کرے گا وہ اس کے لیے ایمان کو پیدا نہیں کرے گا بلکہ کفر کو پیدا کرے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار کے بجائے اضطراری طور پر ان کو ایمان دلا دے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ابتداء میں مومن اور مطیع پیدا فرمایا اور ان میں ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار نہیں رکھا اور نہ ان کے لیے ثواب اور عذاب کو مقدر فرمایا، سو اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ہوتا تو وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو مومن بنا دیتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے اس کی حکمت میں نہیں ہے اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کی پیروی کے بغیر ایمان نہیں لاتا تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان پر جبر کر کے ان کو کلمہ پڑھا دیں، اسی مفہوم میں قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِحَكَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَذِّبْ
(ن: ۳۵)

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
حُمُيًّا إِلَّا عَلَىٰ كَفْرٍ أَتَىٰ يَوْمَهُمُ- (الشوری: ۳۸)
إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنْ أَلَّاهُ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ
(القصص: ۵۶)

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ہم اس کو خوب جانتے ہیں، اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، سو آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

ہیں اگر وہ روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو (دین کو) صرف پہنچانا ہے۔
بے شک آپ (اسے) ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو لیکن اللہ ہدایت یافتہ بناتا ہے جسے چاہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر کی) نجاست ڈال دیتا ہے (یونس: ۱۰۰)

انسان مجبور محض ہے نہ مختار مطلق

یعنی کسی نفس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ، اس کی مشیت اور اس کی توفیق کے بغیر ایمان لے آئے، یا کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے بغیر ایمان لے آئے، انسان کو ایمان لانے کا اختیار دیا ہے اور وہ ایمان یا کفر میں سے جس کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ وہی پیدا کرتا ہے اور اس کو ازل میں اس کا علم تھا کہ وہ ایمان یا کفر میں سے کس چیز کو اختیار کرے گا اور اسی چیز کو اس نے اس کے لیے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے، سو نہ تو انسان مجبور محض ہے، کیونکہ اس کو اختیار دیا گیا ہے اور نہ وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ کفر کی نجات ڈال دیتا ہے، یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدت کے دلائل پر غور نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات پر جو نشانیاں رکھی ہیں اور خود انسان کے اندر جو اس کی ذات پر نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور وہ باپ دادا کی اندھی تقلید پر جے رہتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کفر کی نجات ڈال دیتا ہے یا ان کے لیے عذاب قلد کو مقدر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ تم غور سے دیکھو آسمانوں اور زمینوں میں (اس کی وحدت کی) کیسی نشانیاں ہیں! اور یہ نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو (خدا اور مخلوق سے) ایمان نہیں لاتے (یونس: ۱۰۶) اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی تقدیر اور مشیت کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا اور اس آیت میں زمین اور آسمانوں میں جو اس کی ذات اور اس کی قدرت پر نشانیاں ہیں ان میں تدبر اور فکر کا حکم دیا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انسان مجبور محض ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک گونہ مختار بنایا ہے سو اس پر لازم ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق پر غور کرے اور ان میں جو کواکب اور سیارے ہیں ان میں فکر کرے کہ وہ ایک مخصوص نظام کے تحت قائم ہیں اور گردش کر رہے ہیں، رات اور دن کے توار و دور ان کے اختلاف میں، بارشوں کے ہونے اور دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں کے طوفانوں میں اور کھیتوں اور پلغات میں غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں یہ نشانی ہے کہ یہ تمام چیزیں نظام واحد کے تحت رو بہ عمل ہیں۔ انسانوں، مویشیوں، چرندوں، درندوں اور پرندوں میں تولد اور تاسل کا نظام واحد ہے، موسموں کے بدلنے کا نظام واحد ہے، روئیدگی کا نظام واحد ہے، سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے، خود انسان کے اندر نشوونما کا نظام واحد ہے غذا کے انضمام کا نظام واحد ہے، فضیلت کے اخراج کا نظام واحد ہے، انسان خواہ اپنے باہر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں مربوط ہے اور اپنے اندر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں منسلک ہے اور نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَسِيرُهُمْ اِيْتِيَا فِي الْاَفَاقِ وَبَيِّنَاتٍ لِّنَفْسِهِمْ
حَتَّىٰ يَسْبَحَ لَهُمُ التَّوَالِدُ حَقٌّ (المجاد: ۵۳)
مقرب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، اس جہان کے
اطراف میں اور (خود) ان کے نفسوں میں، حتیٰ کہ ان پر منکشف
ہو جائے گا کہ یہی (قرآن) حق ہے۔

وَبَيِّنَاتٍ لِّلْمُوقِرِينَ ۝ وَبَيِّنَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَيِّنَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَيِّنَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝
اَنفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُونَ ۝ (الذاریت: ۲۱-۲۰)
اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں ۝ اور
خود ان کے نفسوں میں تو کیا تم (ان نشانوں کو) نہیں دیکھتے ۝
یہ جہان عالم کبیر ہے اور خود انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور عالم صغیر کے

نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا قائم بھی واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس یہ لوگ صرف اس طرح کے ایام کا انتظار کر رہے ہیں، جیسے (عذاب کے) ایام ان سے پہلی قوموں پر گزر چکے ہیں، آپ کہئے کہ تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (یونس: ۳۳)

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ گزشتہ امتوں کی طرح انتظار کر رہے ہیں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام اپنے زمانوں میں کفار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے، اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے یہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار تھے وہ بھی اسی طرح کہتے تھے اس لیے فرمایا: تم بھی اس وعید کا انتظار کرو اور میں بھی اس وعید کے پورا ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم (عذاب آنے پر) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچاتے رہے ہیں، اسی طرح اللہ کی سنت جاریہ ہے، مومنوں کو نجات دینا ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے (یونس: ۳۳)

مومنوں کو ثواب عطا فرمانے کا وجوب اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی وجہ سے ہے

جب کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کی طرح عذاب کا انتظار کریں تو اس آیت میں اس کی تفصیل فرمائی کہ عذاب صرف کفار پر نازل ہو گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل نجات میں سے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومنوں کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو نجات دینا اللہ پر واجب ہے، اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ مومنوں کے نیک اعمال کے استحقاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ ان کو ثواب عطا فرمائے، جب کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور کرم کی وجہ سے مومنوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کرم وعدہ کر کے اسے پورا کرتا ہے اس وجہ سے اس پر ثواب عطا فرمانا واجب ہے نہ اس وجہ سے کہ مومنوں کا اللہ پر کوئی حق ہے جیسے کام کرنے والے کا کام کرانے والے پر حق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے اوپر مومنوں کی نجات کو واجب کر لیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔
تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو

(الانعام: ۵۴) یہ لازم کر لیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتب میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے تو یہ اس کے پاس عرش پر لکھا ہوا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۵۳، ۳۱۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۱۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۰۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو میں ان کی عیادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عیادت کرتے ہو، لیکن میں اللہ کی عیادت کرتا ہوں جو تمہاری رو میں قبض کرتا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے رہوں اور آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں اور اللہ کے سوا کسی کی عیادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچائے نہ نقصان پہنچائے، اگر (بالغرض) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے (یونس: ۸۶-۸۷)

اسلام کا فطرت کے مطابق ہونا اور کفر کا خلاف فطرت ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صحت پر دلائل قائم کیے تھے اور اپنی وحدانیت پر براہین قائم کیے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صدق بیان فرمایا تھا اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دین کا اظہار کریں اور یہ اعلان کریں کہ وہ مشرکین سے الگ اور علیحدہ ہیں، کیونکہ وہ پتھروں سے تراشے ہوئے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی قسم کا نقصان اور نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں، اور دراصل نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر وہی ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اور میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اہل مکہ سے بیان فرمائیں کہ اگر تم میرے دین کو نہیں پہچانتے تو میں تم کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیونکہ تم پتھروں کے جن تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں بلکہ میں اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم پر موت طاری کرے گا جس طرح اس نے تم کو زندگی دی ہے اور اس موت کے بعد پھر تم کو زندہ کرے گا اور اس میں یہ تعزیر ہے کہ دین برحق وہ ہوتا ہے جس میں کوئی صاحب عقل شک نہ کر سکے اور جس کی فطرت سلیم ہو وہ اس کی حمین کرے اور مشرکین ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا سو جو بت اپنے وجود میں خود مشرکین کے محتاج تھے وہ ان کے خالق اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کی مشکلات کو کس طرح دور کر سکتے ہیں، یہ ایسا دین ہے جس کا ہر صاحب عقل انکار کرے گا۔

اس آیت میں پہلے غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی پھر اللہ کی عبادت کا اثبات کیا کہ پہلے برائی کو دور کیا جاتا ہے، پھر اچھائی سے آراستہ کیا جاتا ہے، اس کے بعد ایمان اور معرفت کا ذکر فرمایا جو تمام اعمال صالحہ کی اساس ہے۔
ریا کاری کا شرک خفی ہونا

اس کے بعد فرمایا: آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے، یعنی مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کے معاملہ میں مستقیم رہوں، جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کروں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے بچتا رہوں، اور اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں، یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبادت کرنے میں اور دعا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا واجب ہے اور جو شخص اپنی عبادت میں یا اپنی دعا میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا اس نے مشرکوں کا سا کام کیا۔ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اس آیت میں بھی شرک کی نفی کی گئی ہے اور دوسری آیت میں جب فرمایا: اور مشرکین میں سے نہ ہو جائیں، تو اس میں بھی شرک کی نفی ہے اور یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں شرک جلی کی نفی مراد ہے اور دوسری آیت میں شرک خفی کی نفی مراد ہے۔ اور شرک خفی سے مراد ریا کاری ہے یعنی کسی کو دکھانے یا سننے کے لیے کوئی نیک کام کرنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے منع کرنے میں امت کی طرف تعزیر ہے

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور اگر (بافترض) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے، کیونکہ ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے مقام اور محل کے غیر میں رکھنا، عبادت کا محل یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی، کی جائے پس جس شخص نے اللہ کے غیر کی عبادت کی اس نے عبادت کو غیر

عمل میں رکھا سو یہی علم ہے۔

ان تینوں آیتوں میں تعریف ہے 'ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے، پہلی آیت میں فرمایا ہے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں سے رہوں، آپ پیدا ہوئے اور دائمی مومن ہیں اس میں امت کو بتایا ہے کہ جب ہمارے نبی پر یہ حکم ہے تو تم پر بھی یہی حکم ہے، دوسری آیت میں فرمایا: آپ شرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں، ظاہر ہے کہ آپ معصوم ہیں آپ کا شرک ہونا کیسے تصور ہو سکتا ہے، سو اس حکم سے بھی آپ کی امت مراد ہے اور تیسری آیت میں فرمایا: اور اگر (بظن) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اس میں تعریف بالکل ظاہر ہے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ

اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو، کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ

فَلَا رَادَّ كِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ

کرسے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا

الرَّحِيمُ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ

بہت رحم فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اے لوگو! ابے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے جس شخص نے

اهْتَدَىٰ فَأَنْبَأَ يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ مَا

ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس شخص نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی ضرر کے لیے گمراہی کو اختیار

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَإِتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ

کیا اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں ○ اور آپ اسی کی اتباع کیجئے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجئے حتیٰ کہ

يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

اللہ فیصلہ فرمانے والا ہے سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس

کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے، اور وہی بے حد بخشنے والا ہے ○ (ہونس: ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود اپنے بندوں کو نفع پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر قسم کا نقصان اور ہر طرح کا نفع، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قضاء و قدر کے تحت

واقع ہوتا ہے، اس میں کفر اور ایمان، اطاعت اور معصیت، راحت اور مصیبت، آلام اور لذات سب داخل ہیں، اور جس

فخص کے لیے اللہ تعالیٰ کسی مصیبت کو مقدر کر دے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے، اور جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کسی راحت کو مقدر کر دے تو اس کو کوئی چھیننے والا نہیں ہے، آیت کے پہلے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہی تکلیفوں کو دور کرنے والا ہے اور دوسرے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہی خیر عطا کرنے والا اور فضل فرمانے والا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصود خیر پہنچانا ہے اور شر پہنچانا اس کا اصل مقصود نہیں ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتب میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۳)

ان چاروں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر اور شر، اور نفع اور ضرر بلاذات صرف اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے اور استحقاق عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوشبودار ہواؤں کے پیچھے پڑے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی خوشبودار ہواؤں میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے عیوب کو چھپائے اور تم کو تمہارے خوف کی چیزوں سے محفوظ رکھے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۹۵، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹، تہذیب ج ۲ ص ۶۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۸ھ، فتح الملک ج ۹ ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۸ھ، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۸) اپنے گناہوں کو چھپانا واجب ہے اور ظاہر کرنا حرام ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہی بے حد بخشش والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے وہ اس کو بخش دیتا ہے خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو حتیٰ کہ وہ توبہ کرنے سے شرک اور کفر کو بھی بخش دیتا ہے۔

انسان سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ کسی پر اس گناہ کو ظاہر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۳۳ھ لکھتے ہیں:

ہر مسلمان پر ستر کرنا (پردہ رکھنا) واجب ہے خصوصاً اپنے اوپر جب اس سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو جائے اور دوسرے پر بھی ستر کرے جب تک کہ حاکم نے اس پر حد جاری نہ کی ہو، اس سلسلہ میں کثرت احادیث وارد ہیں، جن میں سے ہم بعض احادیث کا میل ذکر کریں گے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی سے دنیا کی کوئی پریشانی دور کی اللہ اس کی آخرت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کر دے گا جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۰)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں: جب بندے کو دوسرے کی پردہ پوشی پر اجر ملتا ہے تو اپنی پردہ پوشی کرنے پر بھی اجر ملے گا، بلکہ اس میں زیادہ اجر ملے گا اور بندے پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور اللہ سے رجوع کرے اور اپنے پچھلے کاموں پر تادم ہو، اور اس سے ان شاء اللہ اس کے گناہ مٹ جائیں گے۔ العلاء بن بدر نے روایت کیا ہے کہ جو امت اپنے گناہوں سے استغفار کر رہی ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک نہیں کرتا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کے گناہ پر اس وقت تک پردہ رکھتا ہے جب تک وہ اس کو پھاڑتا نہیں ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ گناہ کو کیسے پھاڑے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگوں سے اپنا گناہ بیان کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہدین کے سوا میری امت کے ہر شخص کو معاف کر دیا جائے گا اور مجاہد یہ ہے کہ بندہ رات کو ایسا عمل کرے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو اور دن میں وہ عمل لوگوں کے سامنے بیان کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۹۰، تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چار ہی قسمیں کھاتا ہوں اور اگر میں پانچویں قسم کھاؤں تو وہ بھی خبیث ہے، بندہ خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ کرے جب وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھے گا اور جو بندہ جس قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندہ کو اسی قوم کے ساتھ رکھے گا اور اگر میں پانچویں قسم کھا کر کہوں تو میں اس میں سچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ کا دنیا میں پردہ رکھتا ہے قیامت کے دن بھی اس کا پردہ رکھے گا۔

(امام مسلم اور امام طبرانی نے اس حدیث کے آخری جملہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۲)

ابو ذر یس کہتے ہیں: جس بندہ کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی نیکی ہو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش نہیں کرتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۲۱۹)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں: سزا اور پردہ رکھنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ بندہ کا معاملہ قاضی تک نہیں پہنچتا اور جب بندہ کا معاملہ قاضی کے پاس پہنچ جائے تو پھر اس کی سفارش ہو سکتی ہے نہ اس کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔

(التبصیر ج ۲ ص ۶۵۱-۶۵۲، فتح المالک ج ۹ ص ۶۱-۵۹، الاستاذ کارج ج ۲۲ ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انجوی (سرگوشی) کے متعلق کیا سنا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن مومن اپنے رب عزوجل کے قریب ہو گا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی رحمت کا بازو رکھ دے گا پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا پھر فرمائے گا تو (ان گناہوں کو) پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا اے رب میں پہچانتا ہوں! فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں! پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا اور رہے کفار اور منافقین تو لوگوں کے سامنے ان کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۴۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳)

علامہ سید محمد امین ابن عبد بن شامی متوفی ۱۴۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے تہائی میں شراب پی ہو یا زنا کیا ہو اور حاکم اس سے اس کے متعلق باز پرس کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ ان کاموں کا اظہار بھی بے حیائی ہے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس

سے اس کے بھائی کے راز کے متعلق پوچھا جائے تو وہ انکار کر دے۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آپکا ہے تو جس شخص نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس شخص نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی ضرر کے لیے گمراہی کو اختیار کیا اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں (یونس: ۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تبلیغ کر دی ہے

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں توحید، رسالت اور قیامت پر دلائل قائم کیے اور منکرین کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور کافروں پر حجت پوری کرنے کے بعد فرمایا: جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا وہی ہدایت کو اختیار کرے گا اس لیے رسول اللہ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تم کو ہدایت پر مجبور کرنے والا نہیں ہوں تم تک ثواب عظیم کو پہنچانے کے لیے اور تم کو عذاب الیم سے چھڑانے کے لیے اس سے زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں جتنی کوشش میں کر چکا ہوں۔

لفظ ”وکیل“ کے چند تراجم

اس آیت میں ہے وما انا علیکم بکلیل، ان سطور میں ہم وکیل کے چند تراجم پیش کر رہے ہیں:

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں میں اوپر تمہارے داروغہ۔

شیخ محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

اور میں تم پر نہیں ہوں عتار۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور کچھ میں کڑوا نہیں۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۷۳ھ لکھتے ہیں:

اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اسی کی اتباع کیجئے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجئے حتیٰ کہ اللہ فیصلہ

فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے (یونس: ۱۰۹)

زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم

بظاہر اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صرف وحی کی اتباع کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے قیاس اور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، اور احکام کو مشروع کرنے کا بھی آپ کو اختیار نہیں ہے، اس پر تفصیلی

بحث ہم الانعام: ۵۰ اور الاعراف: ۲۰۳ میں کر چکے ہیں۔

اس آیت میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے یعنی عیلت کی مشقت پر آپ صبر کیجئے یہ مکی سورت ہے، اس وقت تک قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمنان اسلام کی اذیت و سانیوں پر آپ صبر کیجئے، آپ نے امت کو بھی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے:

حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا: آپ مجھے عامل نہیں بناتے جس طرح آپ نے ظالم شخص کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: عنقریب تم میرے بعد ترجیحات کو دیکھو گے سو تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم مجھ سے ملاقات کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۸۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۹ سنن التسلی رقم الحدیث:

۵۳۸۳ السنن الکبریٰ للعلی رقم الحدیث: ۸۳۴۴)

سورہ یونس کی اختتامی دعا

آج بروز بدھ بعد از نماز عصر سورہ ۲۳ رجب ۱۴۲۰ھ / ۳ نومبر ۱۹۹۹ء سورہ یونس کا ترجمہ اور تفسیر ختم ہو گئی۔
اللہ العالمین! جس طرح آپ نے سورہ یونس تک کی تفسیر اپنے فضل اور کرم سے مکمل کرادی ہے، قرآن مجید کی باقی سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر بھی مکمل کرادیں۔ اللہ العالمین! اس تفسیر کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا ذریعہ بنادے اور محض اپنے فضل اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور آپ کی شفاعت سے معصوم اس کے والدین، اساتذہ، طلاب، احباب اور اس کتب کے محلوین، ناشرین اور قارئین کی مغفرت فرما، ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر پریشانی اور بلا سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور کامرانی عطا فرما۔

واحرر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعلیٰ مائتہ واولیاء امتہ اجمعین۔



سُورَةُ هُودٍ

(۱۱)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة هود

سورة کا نام

اس سورت کا نام سورة هود ہے کیونکہ اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ (ہود: ۶۰-۵۰) ہر چند کہ اس سورت میں دیگر انبیاء عظیم الصلوٰۃ والسلام کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، وجہ تسمیہ کے لیے صرف اتنا کافی ہوتا ہے کہ اسم اور مسمیٰ میں مناسبت ہو، عداوہ ازیں اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا نام مبارک پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور کسی سورت میں ایسا نہیں ہے۔ نیز اس سورت میں یہ تصریح ہے کہ عاد، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور کسی سورت میں اس طرح یہ تصریح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

الْأَبْعَدُ الْعَادُ قَوْمُ هُودٍ۔ (ہود: ۶۰) سنو! ہود کی قوم عاد کے لیے اللہ کی رحمت سے دُوری ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف دعوت دی اور ان کو جنوں کی پرستش سے منع فرمایا، اور جب انہوں نے اپنے کفر اور اپنی تکذیب پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز اور سخت آندھیلوں کا عذاب بھیجا، جو ان پر آٹھ دن اور سات راتوں تک مسلسل جاری رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا هُودًا وَأَلْيَسًا أَبْمُؤَا
مَعَهُ يَرْحَمُو يَنَا وَتَجْنِبُهُمْ قَسْرُ عَذَابٍ
عَلِيْبُطٍ ۝ وَنَلَكْ عَادَ جَحَلُوا يَابِتَ رَبِّهِمْ
وَعَصَوْا رِسْلَهُ وَأَنصَبُوا مَرْكَبًا جَبَّارًا عَرِيْبُطٍ ۝
(ہود: ۵۸-۵۹)

اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچالیا ۝ اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم ضدی کے حکم کو مانا ۝

اور یہی قوم عاد تودہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھلی سے ہلاک کی گئی تھی ۝ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر متواتر سات

حَسْرَتًا فَنَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَوْعًا كَاسَهُمْ
اَعْتَجَزَ سَخِيلَ خَارِبَةٍ ۝ فَمَلَّ تَرَى لَهُمْ مِيسَ
سَاقِبَةٍ ۝ (الحاقة: ۶-۸)

راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلا کر دیا تھا اے مطلب! تو ان کو
کھجور کے گرے ہوئے درختوں کی جڑوں کی طرح پڑا ہوا دیکھتا
ہے ۝ تو کیا تو ان میں سے کسی کو بقی رکھتا ہے ۝

حضرت ہود علیہ السلام کی مفصل سوانح اور ان کی قوم کے ضروری احوال اور ان پر عذاب نازل کرنے کی مفصل کیفیت
ہم نے الاعرافہ: ۶۵ میں بیان کر دی، اس کو وہیں دیکھ لیا جائے۔

سورہ ہود کی آیات، زمانہ نزول اور نزول کا مقام

سورہ ہود کی ہے اور اس میں ایک سو تیس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک سورہ ہود کی تمام آیات ملی ہیں اور اس میں کوئی اشتہاء نہیں ہے، لیکن بعض علماء نے اس کی تین آیتوں کا
اشتہاء کیا ہے، ہود: ۴۳، ہود: ۱۱ اور ہود: ۹۴ اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ یہ تین آیتیں ابوالیسر کے
متعلق نازل ہوئی ہیں، علامہ الدانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۳۹۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۱ھ)

سورہ ہود، سورہ یوسف سے پہلے اور سورہ یونس کے بعد نازل ہوئی ہے، ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۲ ہے۔

(التحریر والتمیز ج ۱ ص ۳۱۲، مطبوعہ تجلّس)

سورہ ہود ہجرت سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ ہود، سورہ یونس کے متصل بعد نازل
ہوئی ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مشرکین مکہ کی مسلمانوں پر زیادتیاں اور ان کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تھا یہ وہی حالات تھے جو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا پیش خیمہ تھے۔
سورہ ہود کی سورہ یونس کے ساتھ مناسبت

سورہ ہود کے مضامین سورہ یونس کی طرح ہیں، سورہ یونس کی طرح یہ سورت بھی الف لام را سے شروع ہوتی ہے اور
اس کا اختتام، اللہ تعالیٰ کی توحید، قرآن کریم کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت اور اسلام کے پیغام
پر ہوتا ہے، جس میں تفصیل کے ساتھ قیامت، حساب و کتب، جزا و سزا کا ذکر ہے اور قرآن مجید کے اعجاز کا ذکر ہے اور اس کی
آیات کے محکم ہونے کا بیان ہے جیسا کہ سورہ یونس کا اختتام بھی اسی نوع کی آیات پر ہوا ہے۔

جس طرح سورہ یونس میں انبیاء سابقین کا ذکر تھا اس سورت میں بھی انبیاء سابقین کا ذکر ہے۔ سورہ یونس میں حضرت
نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام کا ذکر تھا اس سورت میں ان کے علاوہ حضرت ابراہیم، حضرت صالح، حضرت
لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔

سورہ ہود کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے
ہو گئے! فرمایا: مجھے ہود، الواقعہ، المرسلات، عم یتساءلون اور ادا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحديث: ۳۲۹۷، المطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۳۵، المصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۵۳، مطبوعہ کراچی، شامی)

ترمذی رقم الحديث: ۳۱، المستدرک ج ۲ ص ۴۶، ۳۲۳، بیات الاولیاء ج ۲ ص ۳۵۰، طبع قدیم، دلائل النبوة للسیوطی ج ۱ ص ۳۵۷، شرح
السنن رقم الحديث: ۳۱۷۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۱۰۷۹۸

کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھو۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۰۳، ۳۳۰۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

ایمان نہ لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول نہ کرنے پر سورہ یونس میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید کا ذکر ہے لیکن سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ قہر و غضب کا اظہار فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو علی الاسری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ سے روایت کیا گیا ہے کہ سورہ ہود نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: سورہ ہود کی کسی چیز نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ کیا انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کی امتوں کی ہلاکت نے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے: فاستنقم کما امرت۔ (ہود: ۳۳) ”سو آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔“ (الدر المنثور ج ۳ ص ۴۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے خوف کی شدت سے انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ مَا يَجْعَلُ الْيَوْلَدَانِ شَيْئًا۔ (الزلزل: ۱۷) وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔

سورہ ہود کے مضامین

سورہ یونس کی طرح اس سورت میں بھی دین اسلام کے اصول اور عقائد بیان کیے گئے ہیں، یعنی توحید، رسالت، بعثت، جزا اور سزا۔ اس سورت میں دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

الَّذِي يَكْنُفُ الْحُكْمَ أَتَيْنَهُ ثُمَّ فُتِلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ (ہود: ۱)

اور اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے گی کہ کون اچھے عمل کرتا ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ہود: ۷)

مومن اور کافر میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ مومن سختی اور تنگی کے دنوں میں صبر کرتا ہے اور آسانی اور فراخی کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور کافر عیش اور راحت کے ایام میں تکبر کرتا ہے اور مصیبت اور سختی کے ایام میں مایوس ہو جاتا ہے۔ (ہود: ۹-۱۰)

دین کو قبول کرنے کے معاملہ میں انسانوں کی طبائع مختلف ہیں۔ (ہود: ۳۹-۴۸)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور مشرکین کی طرف سے اذیتیں پہنچتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین کے قصص بیان فرمائے۔ (ہود: ۳۰)

اس طرح کے اور مضامین ہیں جیسے مضامین اس سے پہلی سورت میں بیان فرمائے تھے۔

یہ سورت دوسری سورتوں سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اب ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے سورہ ہود کی تفسیر شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر حق اور صواب منکشف کرے اور وہی لکھوائے جو حق ہے اور باطل سے ہم کو مجتنب رکھے۔ آمین! یا رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین۔

سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ مِنْ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ آيَةً وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ هِيَ اس میں ایک سو تیس آیتیں اور دس رُکُوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

الرَّافِعُ كَتَبَ أَحْكَمَتْ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۝

الرفاع نام لاء، یہ آسمانی کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کر دی گئی ہیں اور عدل سے حکیم و خبر کی طرف سے (ان کی) تفصیل کر دی گئی ہے

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۝

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اپنے شک میں تم کو اس کی طرف سے (خدا کے) نذرانے ملا اور ثواب کی آخر بخبری دے گا لاہوں

أَسْتَغْفِرُكُمْ وَأُزِيلُكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ يُعْطِكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا ۝

تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کرو، وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ

أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِنْ تَوَلَّوْا

پہنچائے گا، اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے رد کر دانی کی کریں

فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ

تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ محسوس کرتا ہوں

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَهْتَكُوا صُدُورَهُمْ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

لِيَسْتَخَفُّوا مِنْهُ الْأَحْيَيْنَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا

وہ اس سے چھپاؤں، سفر! جس وقت وہ اپنے کپڑے اٹھائے ہوتے ہیں اس وقت بھی وہ اس کو جانتا ہے

يُسْرُونَ وَمَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُ عَالِمُ بَدَائِثِ الصُّدُورِ ۝

جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں وہ سب کے سب باتوں کو خوب جانتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف، لام، را، یہ (آسمانی) کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کر دی گئی ہیں، اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے (ان کی) تفصیل کر دی گئی ہے (ہود: ۱)۔
قرآن مجید کی آیات کے مستحکم ہونے کے معانی
آیتوں کو مستحکم کرنے کے چند معانی ہیں:

(۱) اس کتاب کی عبارت مستحکم ہے، اس میں کوئی نقص اور خلل نہیں ہے، جیسے کوئی بہت مضبوط اور پختہ عمارت ہو۔
(۲) جس طرح تورات اور انجیل کو قرآن مجید نے منسوخ کر دیا ہے اس طرح قرآن مجید کسی کتاب سے منسوخ نہیں ہے، یہ مستحکم کتاب ہے، ہر چند کہ اس کی بعض آیتوں کے احکام اس کی بعض دوسری آیتوں سے منسوخ ہیں مگر اس کی اکثر اور غالب آیت کے احکام منسوخ نہیں ہیں، اور وہ آیات بھی اس لحاظ سے مستحکم ہیں کہ ان آیات کی تلاوت باقی ہے اور ان کو پڑھنے سے اجر ملتا ہے۔

(۳) اس کتاب میں جو اصول اور عقائد بیان کیے گئے ہیں مثلاً توحید، رسالت، تقدیر، قیامت، حشر نثر اور جزا و سزا، یہ مستحکم ہیں اور یہ اصول صحیح کو قبول نہیں کرتے۔

(۴) اس کتاب کی آیتوں میں تناقض اور تضاد نہیں ہے، یہ سب مستحکم آیات ہیں۔
(۵) اس کتاب کی تمام آیتیں انتہائی فصیح اور بلیغ ہیں، تمام انسانوں اور جنات کو اس کی کسی ایک سورت کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا لیکن آج تک کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکا، حالانکہ اسلام اور قرآن کے مخالف بہت زیادہ ہیں اور علم اور تحقیق کے شعبہ جات بھی دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔

(۶) علوم دینیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا تعلق اصول اور اعتقاد کے ساتھ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، نبیوں اور رسولوں پر اور آسمانی کتابوں پر، تقدیر پر، قیامت پر اور جزا اور سزا پر ایمان لانا اور ان کی تمام تفصیلات اور ان کے دلائل کو جاننا، اور علم دین کی دوسری قسم کا تعلق فروع اور اعمال سے ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا تعلق اعمال ظاہرہ کی تہذیب اور اصلاح سے ہے، اس کا نام فقہ ہے اور دوسری قسم کا تعلق احوال باطن کی تہذیب اور اس کی اصلاح سے ہے اور اس کا نام علم تصوف ہے اور جو کتاب ان تینوں علوم پر مشتمل ہے اور عقائد اور ظاہری اور باطنی اعمال کے اصول اور کلیات پر حاوی اور مکمل ہے، وہ صرف قرآن مجید ہے اور اس پائے کی کوئی اور کتاب نہیں ہے، آسمانی کتابوں میں نہ دنیاوی کتابوں میں۔
(۷) یہ کتاب تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے، اس کتاب کی کوئی آیت اس سے کم ہو سکتی ہے نہ اس میں کسی اور آیت کا اضافہ ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے اس کی تمام آیات مستحکم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تم کو اس کی طرف سے (عذاب سے) ڈرانے والا اور (ثواب کی) خوشخبری دینے والا ہوں (ہود: ۲)۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کر دی گئی ہیں پھر ان آیتوں کی تفصیل کر دی گئی ہے تاکہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اس لحاظ سے اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد اصلی یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں اور جس نے اللہ کی عبادت نہیں کی وہ ناکام اور نامراد ہے۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کی آیات مستحکم کی گئی ہیں تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور لوگوں سے یہ کہیں کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا اور اللہ کے اجر و ثواب کی

خوشخبری دینے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کرو، وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا اور ہر زیادہ سبکی کرنے والے کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے دُور گردانی کی تو میں تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (ہود: ۳-۴)۔

استغفار کے حکم کے بعد توبہ کے حکم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور طلب مغفرت کو توبہ پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ مغفرت مقصود بالذات ہے اور توبہ کرنا مغفرت کے حصول کا ذریعہ ہے، اس لیے وہ مقصود بالمعرض ہے۔ اس ترتیب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے لیے اس کے حضور توبہ کرو، تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلے ہر قسم کے شرک جلی اور خفی سے استغفار کرو پھر اپنے گناہوں پر توبہ کرو، چوتھی وجہ یہ ہے کہ پہلے کبیرہ گناہوں پر استغفار کرو پھر صغیرہ گناہوں پر توبہ کرو، پانچویں وجہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات میں کمی پر استغفار کرو اور محرمات اور مکروہات کے ارتکاب پر توبہ کرو۔

دنیا میں کافروں کی خوش حالی اور مسلمانوں کی بد حالی کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا۔ جب کہ ایک اور آیت اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو خوش حالی میں رکھے گا اور مسلمانوں کو تنگ دستی میں رکھے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور اگر یہ بات نہ ہوئی کہ سب لوگ (کافروں کی) ایک جماعت بن جائیں گے تو ہم ضرور زمین کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو اور ان کی بیڑھیوں کو جن پر وہ چمکتے ہیں چاندی کی بنا دیتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازوں کو اور ان کے تختوں کو جن پر وہ مسند آرائی کرتے ہیں (چاندی کا بنا دیتے) اور سونے کا اور بے شک یہ دنیاوی زندگی کا سلن ہے اور (اچھی) آخرت آپ کے رب کے پاس اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

وَلَوْ لَا أَن يَكُونُ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَفُتْنَا لَبْسًا لِّمُكْفِرِي الْاَرْضِ لِيُؤْيِيَهُمْ سُنْعًا مِنَّا وَصُورًا وَمَعَارِجَ عَلَيْهِمْ يَظْهَرُونَ ۝ وَلِيُؤْيِيَهُمْ اَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُونَ ۝ وَزُخْرُفًا وَاِنَّا كُلَّ دَلِيلٍ لِّتَمَانَعِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

(الزخرف: ۳۵-۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۶۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷۷ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۳۶۱ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۸۰۳ حلیۃ الانبیاء ج ۶ ص ۳۵۰ شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۲۴ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۸۹ المستدرک ج ۳ ص ۶۰۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں، پھر علماء پر، پھر جو ان کے زیادہ قریب ہوں اور پھر جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۲۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۸۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر جو ان کے زیادہ مثل ہوں، پھر جو ان کے زیادہ مثل ہوں، ہر شخص اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہو گا اگر وہ شدت سے دین پر قائم ہو تو اس پر مصائب بھی شدید ہوں گے، اگر وہ معمولی سادین پر قائم ہو تو اس پر اس کی دین داری کے لحاظ سے مصائب آئیں گے۔ بندہ پر اسی طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸ سنن ابوداؤد الیالیسی رقم الحدیث: ۲۱۵ البیہقی ج ۲ ص ۲۰۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳ سند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ سنن داری رقم الحدیث: ۲۷۸۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۲۳ سند البزار رقم الحدیث: ۱۵۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱ المستدرک ج ۱ ص ۳۶ طبع بلاد الباء ج ۱ ص ۳۶۸ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۲ شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۵۷۷ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۲۳)

قرآن مجید اور احادیث کی یہ تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ مصائب اور آلام میں مبتلا رہتا ہے، اور سورہ ہود کی زیر تفسیر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گا وہ راحت اور آرام میں رہے گا کیونکہ اس میں فرمایا ہے: وہ تم کو ایک مقررہ مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا، پس اس آیت اور ان تصریحات میں کس طرح موافقت ہو گی؟ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) سورہ ہود کی اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اس طرح عذاب نازل نہیں فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے کافروں کی بستیوں پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بہر حال رزق عطا فرمائے گا اور ان کو بھوک پیاس، قحط اور خشک سالی کے عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔

(۳) مسلمان کا مسلح نظر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا ہوتی ہے اور اس پر جو مصائب اور آلام آتے ہیں وہ ان سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہیں ہوتا، اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مصائب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور محبوب کے پاس سے جو کچھ بھی آئے وہ محب کے لیے کبھی رنج اور الم کا باعث نہیں ہوتا بلکہ وہ ان پر مسرور اور خوش ہوتا ہے کہ یہ اس کے محبوب کے پاس سے آئے ہوئے آلام ہیں، اور اس کے محبوب کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے، یہ کاملین کا مقام ہے اور عام مسلمان بھی دنیاوی مصائب سے طول خاطر نہیں ہوتے، ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں اور ان مصائب اور آلام کی وجہ سے جب وہ دنیا سے رخصت ہوں گے تو گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَعْذِبُكُم بِسَفَدٍ وَمَا يَعْذِبُكُم بِأَلْسِنَةٍ
وَلَسَّ حَزِينٌ الَّذِينَ صَبَرُوا آخِرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ (النمل: ۶۱)

جو تمہارے پاس ہے وہ فتم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا البتہ جن لوگوں نے (بیش و آرام کی کمی یا مصائب پر صبر کیا ہم ان کو ضرور ان کے بہترین نیک کاموں پر اجر عطا فرمائیں گے۔

اور کفار اور مشرکین ہر چند کہ مادی اور دنیاوی طور پر بہت بیش و آرام اور مال و دولت کی فراوانی میں رہتے ہیں، لیکن ان کو ہر وقت یہ فکر اور پریشانی لاحق رہتی ہے کہ کہیں یہ مال ان کے پاس سے جاتا نہ رہے، پھر جو شخص جتنا مالدار ہوتا ہے اس

کے اتنے زیادہ دشمن ہوتے ہیں لہذا وہ دشمنوں اور ڈاکوؤں کی وجہ سے ہر وقت خطرات میں گھرا رہتا ہے، پھر کافر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے وہ موت سے ہر وقت گھبراتے رہتے ہیں، اس لیے وہ بلوچوں اور دولت کی فراوانی کے طرح طرح کے تنکرات، اندیشوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ملوی عیاشیوں کی بہمت کی وجہ سے وہ منکب بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے وہ کینسر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جنسی بے اعتدالی میں زیادتی کی وجہ سے وہ ایڈز کے مریض بن جاتے ہیں، ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا مرض ان میں عام ہوتا ہے، ان پر دل کے دورے بکثرت پڑتے ہیں اور کتنے ہی لوگ قلع اور برین ہیمرج کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی اور آوارگی کی وجہ سے ان کا ذہنی سکون برہو ہو جاتا ہے، ان کی گھریلو زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ہمارے زمانہ میں (۹۹-۱۹۹۸ء) امریکہ کے صدر بل کلنٹن اور مونیکا لویو سکی کا جو اسکینڈل بنا تھا، جس کی وجہ سے ساری دنیا میں امریکہ کے صدر کی جو رسوائی ہوئی تھی، وہ اس کی واضح مثال ہے۔ ان لوگوں کی زندگی عدالتی طلاق کے مقدمات بھگتتے ہوئے گزر جاتی ہے، ان کا ذہنی سکون بالکل ختم ہو جاتا ہے، یہ طبعی نیند سے محروم ہو جاتے ہیں اور سکون آور دواؤں کی بھاری مقدار کھائے بغیر ان کو نیند نہیں آتی، غرض مال و دولت کی ریل ریل کے بلوچوں ان کی زندگی بڑے کرب اور اذیت میں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
صَنَكًا۔ (طہ: ۳۳)

اور جس نے میرے ذکر سے ڈوگردانی کی تو یقیناً اس کی

زندگی بڑی تنگی میں گزرے گی۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک اور کبائے کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ۔

(الانعام: ۸۲)

زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر دینے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچانے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے ایک گنہ کیا اس کا ایک گنہ لکھ دیا جاتا ہے، اور جس شخص نے ایک نیکی کی تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اس نے دنیا میں جو ایک گنہ کیا تھا اگر اس کے گنہ کی دنیا میں سزا دے دی گئی تو اس کے مقابلہ میں اس کی دس نیکیاں باقی رہیں گی، اور اگر دنیا میں اس کو اس کے ایک گنہ کی سزا نہیں دی گئی تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک نیکی کم کر دی جائے گی اور اس کی نو نیکیاں بھر بھی باقی رہیں گی، پھر فرما رہے تھے: اس شخص کی ہلاکت ہو جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۲۳۵، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۵، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۹۹)

(۲) جب انسان غیر اللہ کے ساتھ بالکل مشغول نہ ہو اور معرفت الہی کے اسباب کو حاصل کرنے میں استغناء راغب ہو تو اس کا قلب نقش ملکوت (اللہ تعالیٰ کی صفات) کے لیے ہمیشہ بن جاتا ہے اور اس کا دل لاہوت (اللہ تعالیٰ کی ذات) کی تجلیات کے لیے آمینہ ہو جاتا ہے، البتہ جسمانی عوارض سے یہ انوار الہیہ مکدر ہو جاتے ہیں اور جب یہ عوارض زائل ہو جاتے ہیں تو یہ انوار چمکنے لگتے ہیں پھر اس کی اخروی سعادتوں کے اسباب بڑھنے لگتے ہیں، اور یہی اس آیت کا معنی ہے: اور وہ ہر زیادہ نیکی

کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

(۳) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخروی سعادتوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کیونکہ یہ درجات دنیا میں عبادت اور قرب الہی کے بالمقابل ہیں، اور جب دنیا کی طرف انکسار نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رغبت کے درجات غیر متساوی ہیں تو ان کے مقابلہ میں اخروی سعادتوں کے درجات بھی غیر متساوی ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: وہ ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ دنیا میں بھی ایک مقرر وقت تک وہی فائدہ پہنچائے گا اور آخرت میں بھی زیادہ نیکی کرنے والے کو وہی زیادہ اجر عطا فرمائے گا، یعنی دنیا اور آخرت میں ہر جگہ نفع پہنچانے والا وہی ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ ظاہر بین فوائد اور ثمرات کی نسبت اسباب کی طرف کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ سورج نے روشنی دی، اور بارش نے سبزہ اگایا، لیکن جس کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے وہ کہتا ہے: اللہ نے روشنی دی اور اللہ نے سبزہ اگایا، اور اس کا ایمان ہوتا ہے کہ ہر چیز کا خالق دراصل اللہ تعالیٰ ہے۔

تہدید اور تبشیر کا امتزاج

دوسری آیت میں فرمایا: تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس آیت میں تہدید (دھمکی) بھی ہے اور بشارت بھی ہے۔ تہدید اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہماری کوئی جائے پناہ نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے فیصلہ کو، کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور جو کام وہ کرنا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جب ایسے زبردست حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے اور ہمارے بہت محبوب ہیں اور بہت زیادہ گناہ ہیں تو پھر ہماری نجات بہت مشکل ہے، سو اس آیت سے بہت خوف پیدا ہوتا ہے اور اس آیت میں بشارت بھی ہے کیونکہ وہ بہت قاہر اور غالب حاکم ہے اور ہم بہت عاجز اور کمزور ہیں اور جب قاہر اور غالب حاکم کسی عاجز اور کمزور کو ہلاکت کے قریب دیکھے تو وہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس کو ہلاکت سے نجات دیتا ہے۔ تو اے رحم فرمانے والے اور عیوب کو چھپانے والے اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرمانے والے! ہم پر رحم فرما اور ہم کو عذاب سے نجات عطا فرما!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں، (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے (ہود: ۵)

منافقین کے سینہ موڑنے کے محال

امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن شداد بن ابیہ بیان کرتے ہیں کہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تو اپنا سینہ موڑ لیتے اور سر جھکا لیتے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپ جائیں تب یہ آیت نازل فرمائی۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافقین حق میں شک کرتے تھے اور اپنی استطاعت کے مطابق اللہ سے چھپنے کی کوشش کرتے تھے۔ قلہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنا سینہ اس لیے موڑتے تھے کہ اللہ کی کتاب کو نہ سن سکیں۔

بعض نے کہا: منافقین اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور عداوت کو چھپاتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ان کو آپ سے محبت ہے اور وہ آپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ کفر کو اپنے سینوں میں پیٹتے ہیں

تاکہ کفر کو اللہ سے چھپائیں مگر اللہ تعالیٰ پر ان کا ظاہر اور باطن سب عیاں ہے۔

اور بعض نے کہا جب وہ ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے تھے تو اپنا سینہ موڑتے تھے تاکہ ان کی سرگوشیاں ظاہر نہ ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۲۳۸-۲۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اللہ زمین پر چلنے والے (ہر جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے، وہ اس کے قیام کی

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي

جگہ کو (بھی) جانتا ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں (لکھ کر) ہے ۝ وہی جس نے

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش بلان پر تھا

الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ قَبْعُونَ

تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً

مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ

موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھڑا ہوا

مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ

محدود ہے ۝ اور اگر ہم ایک معین مدت تک ان سے عذاب مؤخر کر دیں تو وہ

لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۝ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

مؤخر یہ کہیں گے کہ عذاب کو کبھی چیز نے روک لیا؟ سو جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہوگا تو پھر وہ ان سے واپس نہیں

عَنَّهُمْ وَخَاقٍ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کرے گا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین پر چلنے والے (ہر جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے، وہ اس کے

قیام کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں (لکھ کر) ہے ۝

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں اور اسی کے موافق اس آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر جاندار کو اس کا رزق پہنچاتا ہے پس اگر وہ ہر جاندار کو اس کی موت و حیات کو، اس کے قیام اور اس کے سفر کی جگہ کو نہ جانتا ہوتا تو وہ ان کو رزق کیسے پہنچاتا۔
دآلة کا معنی

دآلة عرف میں پو پو کو اور زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے جاندار خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جانداروں کی بہت سی اقسام ہیں۔ یہ دریاؤں، سمندر و ارض کی شکل میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مصلحت کی کیفیتوں کو ان کے احوال کو اور ان کی غذاؤں کو اور ان کی موافق اور مخالف چیزوں کو اور ان کے مسکنوں کو جانتا ہے۔

مستقر اور مستودع کا معنی

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مستقر اور مستودع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا مثلاً سیر (چل پھر کر جہاں رک جائے) کو مستقر کہتے ہیں اور جس کو ٹھکانا بنایا جائے وہ مستودع ہے اور مجاہد نے کہا: مستقر سے مراد رحم مادر ہے اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۵) امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ نے ان کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۲۰۰-۲۰۱) مستودع سے مراد موت کی جگہ ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوئی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی اجل (موت) کسی زمین میں ہو تو اس کی کوئی ضرورت اس کو وہاں پہنچا دیتی ہے اور جب وہ اس جگہ کی فتنی کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کی روح کو قبض فرما لیتا ہے اور قیامت کے دن وہ زمین کے گہ کی اے رہا یہ وہ ہے جس کو ٹوٹنے میرے پاس و دیعت (امانت) رکھا تھا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۴۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۸۹ اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کی مثالیں

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی ان کے دل میں اپنے گھر والوں کا خیال آیا کہ انہوں نے کھانا کھایا ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک چٹان پر لاشی ماریں اس سے ایک پتھر ٹوٹ کر نکلا، پھر انہوں نے اس دوسرے پتھر پر لاشی ماری اس سے ایک اور پتھر ٹوٹ کر نکلا انہوں نے اس پر بھی لاشی ماری اس سے پھر ایک اور پتھر نکلا اس پتھر میں جو نی کے برابر ایک کیرا تھا اس کے منہ میں غذا کی قائم مقام کوئی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کیرے کا کلام سنایا وہ کہہ رہا تھا پاک ہے وہ جو مجھے دیکھتا ہے اور میرا کلام سنتا ہے اور میری جگہ کو جانتا ہے اور مجھے یاد رکھتا ہے اور مجھے نہیں بھولتا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اشعریوں کی ایک جماعت جو حضرت ابو موسیٰ، حضرت

ابو مالک اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی، جب انہوں نے ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ سفر میں جو کھانا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانے کا سوال کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ جب وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچا تو انہوں نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رفقہا۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشعریوں کی بہ نسبت چوپایوں کو رزق دینا زیادہ آسان تو نہیں ہے۔ وہ واپس آگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گیا اور اس نے اپنے اصحاب سے کہا: تم کو خوشخبری ہو تمہارے پاس مدد آنے والی ہے۔ اس کے اصحاب نے یہی سمجھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا ہو گا اور آپ نے طعام بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہو گا اسی دوران دو آدمی ان کے پاس برتنوں میں کھانے لے کر آگئے جن میں گوشت کا سلن اور روٹیاں تھیں۔ انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھلایا، پھر اس شخص نے اپنے بعض اصحاب سے کہا: تم یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ کیونکہ ہم بیٹ بھر کر کھا چکے ہیں، پھر جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے لیے جو کھانا بھیجا تھا اس سے عمدہ اور لذیذ کھانا ہم نے کبھی نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو تمہیں کوئی کھانا نہیں بھیجا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس نے کیا کیا تھا اور اپنے اصحاب سے کیا کہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو اللہ نے یہ رزق دیا تھا۔

(ابن ماجہ المثنیٰ ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۸)

حرام رزق ہوتا ہے یا نہیں، اس پر مفصل بحث ہم نے البقرہ: ۳ میں کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے، اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھلا ہوا جلد ہے (ہود: ۷)

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنا

دنوں کا تحقق افلاک کی حرکت اور سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور جب آسمان اور زمین پیدا نہیں ہوئے تھے تو دنوں کا وجود بھی نہ تھا اس لیے چھ دنوں سے مراد چھ دورانیہ یا چھ اطوار ہیں، یا اس سے مراد تقدیراً چھ دن ہیں یعنی اگر اس دورانیہ میں دن ہوئے تو چھ دن لگتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور درختوں کو پھر کے دن پیدا کیا اور ناپسندیدہ چیزیں منگل کے دن پیدا کیں اور ٹور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں حیوانات پھیلائے، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، جمعہ کی سلاطین میں سے آخری ساعت میں رات آنے سے پہلے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹، فتح احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۳۳۹، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۹۶)

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کی تفصیل الاعراف: ۵۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عرش کے پانی پر ہونے کے متعلق احادیث

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے

اپنی اونٹنی کو دروازہ پر باندھ دیا۔ آپ کے پاس بنو تمیم کے لوگ آئے، آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! بشارت کو قبول کرو۔ انہوں نے کہا: آپ ہمیں بشارت تو دے چکے ہیں اب ہم کو عٹ فرمائیں۔ یہ مکالمہ دو بار ہوا، پھر آپ کے پاس اہل یمن آئے، آپ نے فرمایا: اے اہل یمن! بشارت کو قبول کرو اگرچہ بشارت کو بنو تمیم نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے قبول کر لیا، ہم آپ کے پاس اس امر (دنیا) کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ذکر میں ہر چیز لکھ دی، اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ذکر (الوح محفوظ) میں ہر چیز لکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸، ۳۱۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۳۹۶۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲، کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھ لیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹، کتاب الاسماء والصفات ص ۵۵، ۵۴، ۵۳) چونکہ دنوں کا تحقق افلاک کی حرکت اور سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال سے مراد ہے کافی عرصہ پہلے یا پچاس ہزار سال تقدیر مراد ہیں یعنی اگر اس وقت دن موجود ہوتے تو جتنا عرصہ پچاس ہزار سال گزرنے میں لگتا زمینوں اور آسمانوں کے بنانے سے اتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا۔

حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ عماء میں تھا (عماء کے معنی ہیں رقیق بادل۔ یزید بن ہارون نے کہا: یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی) اس کے نیچے ہوا تھی نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۰۵۵، المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۳۶۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۳۱، المستدرک ج ۳ ص ۵۲۰)

اس حدیث میں ماصوفہ ہواء میں مضاف ہے اور اگر یہ ماصوفہ ہو تو اس کا معنی ہے اس بادل کے اوپر اور اس کے نیچے ہوا تھی اور ہوا سے مراد ہے ہرج منہرج یعنی خلا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس بادل کے اوپر اور نیچے کچھ بھی نہ تھا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں ہے کہ عرش پانی پر تھا تو پانی کس چیز پر تھا۔ انہوں نے کہا: وہ ہوا کی پشت پر تھا۔

(جامع البیہاں رقم الحدیث: ۳۹۰۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۹۰۶۹، تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۸۵، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۱، حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن امیر، امام ابوالشیخ اور امام بیہقی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۰۳-۳۰۴)

عرش کے پانی کے اوپر ہونے کے متعلق علماء کی آراء و نظریات

علامہ نظام الدین حسن بن محمد غیشاوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں: کعب احبار نے کہا اللہ تعالیٰ نے بنی قوت پیدا کیا پھر اس

کو نظر بیت سے دیکھا تو وہ لرزتا ہوا پانی بن گیا پھر ہوا کو پیدا کیا اور اس کی پشت پر پانی رکھا پھر عرش کو پانی پر رکھا۔ ابو بکر صم نے کہا: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش پانی کے ساتھ مصلصق (ملا ہوا) ہے، اس لحاظ سے عرش اب بھی پانی پر ہے۔ رمحشری نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت عرش کے نیچے پانی کے سوا اور کوئی مخلوق نہیں تھی اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عرش اور پانی کو آسمانوں اور زمینوں سے پہلے پیدا فرمایا۔

(فرائب القرآن ورمائب الفرقان ج ۳ ص ۸-۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحارانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ذکر (الوہ محفوظ) میں ہر چیز کو لکھ دیا، پھر اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹) یہ حدیث اس وقت آسمانوں اور زمینوں، فرشتوں، انسانوں اور جنوں اور تمام مخلوقات کی نفی کرتی ہے، سوا عرش کے، اس وجہ سے اکثر محدثین اور متاخرین کا یہ مسلک ہے کہ عرش، قلم اور لوح پر مقدم ہے اور جس حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: ”لکھ“ اس نے پوچھا: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: ”قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھ دو۔“ (۸۱ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، رقم الحدیث: ۳۱۰۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۹) اس کا معنی یہ ہے کہ قلم کو آسمانوں اور زمینوں سے پہلے پیدا کیا۔

(مجموعہ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۸، مطبوعہ داراللیل بیروت ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا کعب احبار سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سبزیاقوت کو پیدا کیا پھر اس کو نظربیت سے دیکھا تو وہ پانی ہو گیا پھر اس نے پانی پر اپنا عرش رکھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس وقت آسمان تھانہ زمین تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۹، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں اقوال مفسرین بہت زیادہ ہیں اور احادیث مرفوعہ متصل بہت کم ہیں، ان میں سے ہر چیز ممکن ہے اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، اور جو چیز ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے مطابق اپنے ارادہ اور اپنی قدرت سے جو چاہا پیدا کیا، اور ہم جانتے ہیں کہ عرش، کرسی، پانی، ہوا یا زمین یا آسمان، ان میں سے کوئی چیز بھی ازل میں نہیں تھی، کیونکہ ان میں سے ہر چیز ممکن ہے اور ہر ممکن حادث ہے اور حوادث کا ازل میں ہونا محال ہے، اور ہم کو یہ معلوم ہے کہ جس طرح تخت اجسام کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اس طرح عرش کا اللہ کو اٹھانا محال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا اور الرحمن علی العرش استوی (ط: ۵) کے محال واضح ہیں اور اس کی تعلیلات صحیحہ ہیں، البتہ شریعت نے کسی تلویل یا کسی محمل کو معین نہیں فرمایا، اس لیے اس میں توقف کرنا چاہیے اور صرف اس پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔

(المعجم ج ۶ ص ۶۷۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کا عرش پانی پر تھا اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی عجیب و غریب قدرت کے اظہار کے لیے فرمایا ہے، کیونکہ کسی عمارت کو بنانے والا اپنی عمارت کو سخت زمین پر پانی سے دور رکھ کر بناتا ہے، تاکہ اس کی عمارت منہدم نہ ہو جائے

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پانی پر بنایا تاکہ عقل والے اس کی قدرت کے کمال کو جان لیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

بیز امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی پر قائم کیا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی ستون کے کسی وزنی چیز کو رکھنے پر قادر نہ ہو تا تو عرش پانی پر نہ ہو تا اور اللہ تعالیٰ پانی کو بھی بغیر کسی سارے کے قائم کیا، نیز عرش کے پانی پر ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ عرش پانی کے ساتھ ملحق اور متصل ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے آسمان زمین کے اوپر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۲۰-۳۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر البضاوی المتوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

عرش اور پانی کے درمیان کوئی حائل نہیں تھا، ایسا نہیں ہے کہ عرش پانی کی پیٹھ پر رکھا ہوا تھا۔

(تفسیر البضاوی مع عنایت القاضی ج ۵ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

عرش پانی پر تھا اور پانی کے نیچے کوئی اور چیز نہیں تھی خواہ عرش اور پانی کے درمیان کشادگی ہو یا عرش پانی کے اوپر رکھا ہوا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی سے مراد ہی پانی ہے جو عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر ہے اور عرش سے مراد ہی عرش معروف ہے اور عرش کے پانی پر ہونے کا معنی عام ہے خواہ عرش پانی سے متصل ہو یا منفصل۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نزدیک یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ پانی سے مراد ہی معروف پانی ہے یا اس سے مراد مادے کی مانع حالت ہے جس پر بطور استعارہ پانی کا اطلاق کیا گیا ہے، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ زمین و آسمان سے پہلے پانی کی تخلیق ہو چکی تھی اور ایک اور آیت سے یہ معلوم ہوا کہ پانی ہی اصل کائنات اور منبع حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الْكَافِرُونَ كَقَضَرٍ اَنْ السَّحَابِ وَالْاَمْصَرِ
كَانَتْ اَرْثًا فَمَنْفَعَتُهُمْ سَاءً وَجَعَلْنَاهُمْ مِّنَ الْمَاءِ
كُلًّا شَيْءً مَّحْيًى فَاقْلَابُوا لِيُؤْمِنُوْا
کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین (پانی) برسانے
اور سبزہ اگانے سے ابند تھے تو ہم نے پانی برسا کر اور سبزہ اگا کر
دونوں کو کھول دیا، اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا، تو کیا
وہ ایمان نہیں لاتے۔ (الانبیاء: ۳۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، پانی نہ عرش اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز، اور نافع بن زید کی روایت میں ہے: اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: ”لکھ جو کچھ ہونے والا ہے“ اور اس نے ذکر (لوح محفوظ) میں ہر چیز کو لکھ دیا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہزار سال پہلے مخلوقات کی تشریح کو لکھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۳، ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۶) علامہ حبیبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی اور عرش اس عالم کا مبداء ہیں کیونکہ ان کو آسمانوں اور زمینوں

سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اس وقت عرش کے نیچے صرف پانی تھا اور امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن اصمات رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: ”لکھ“ تو اس نے قیامت تک کی تمام پیدا ہونے والی چیزوں کو لکھ دیا۔ اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اس نے سب کچھ لکھا اور اس کے بعد پانی کو اور پھر عرش کو پیدا کیا اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا وہ ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابوالعلاء الہمدانی نے لکھا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ پہلے عرش کو پیدا کیا یا پہلے قلم کو، اکثر کے نزدیک پہلے عرش کو پیدا کیا اور امام ابن جریر اور ان کے متبعین نے کہا کہ پہلے قلم کو پیدا کیا۔ امام ابن حازم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ سو سال کی مسافت پر لوح کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ عرش پر تھا پھر اس نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے قلم سے فرمایا: ”لکھ۔“ اس نے پوچھا: ”کیا لکھوں؟“ فرمایا: قیامت تک مخلوق کے متعلق میرا علم لکھ دو اور سبحان کی تفسیر میں انہوں نے کہا ہے کہ عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا ہے اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: ”لکھ۔“ اس نے پوچھا: ”میں کیا لکھوں؟“ فرمایا: ”تقدیر لکھو۔“ تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزیں لکھ دیں۔ اور امام سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتداء عرش پانی اور ہوا سے کی اور زمین کو پانی سے پیدا کیا اور ان مختلف آثار میں جمع اور تطبیق واضح ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۰-۲۹۱ مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پوری بحث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور ان تمام روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اخلاقی ہے اور ہر وہ چیز جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کو اپنی بعد والی چیزوں کے اعتبار سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور ہر چیز کو ذکر میں لکھ دیا، اس کا معنی ہے کل کائنات کی تقدیر کو لوح محفوظ میں ثابت کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۵ ص ۹۰ مطبوعہ مصر ۱۳۳۸ھ)

اس کے بعد فرمایا: تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے۔ یعنی یہ آسمان اور زمین مٹ پیدا نہیں کیے گئے بلکہ اس سے مقصود انسانوں اور جنات کی آزمائش ہے کہ ان میں سے کون نیک عمل کرتا ہے، نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ قرآن اور سنت کے مطابق اخلاص سے عمل کیے جائیں۔ فرائض، واجبات اور سنتوں پر عمل کیا جائے اور محرمات اور مکروہات کو ترک کیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے، فرمایا: اے سوئے والے! اٹھ اور عبادت کر۔ اس نے کہا: اے روح اللہ! میں عبادت کر چکا ہوں۔ حضرت عیسیٰ نے پوچھا: تم نے کیا عبادت کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: تم سو جاؤ، تم عابدین پر فائق ہو! (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۰)

ضحاک نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ شکر کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: تم میں سے کون اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میں سے کون اللہ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: تم میں سے کون زیادہ ابھی عقل والا ہے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ بچنے والا ہے اور اللہ کی اطاعت میں زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۹، رقم الحدیث: ۳۹۰۸) یہ حدیث تمام اقوال کو جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ایک معین مدت تک ان سے عذاب موخر کر دیں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ عذاب کو کس چیز نے روک لیا؟ سو جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہو گا تو پھر وہ ان سے دُور نہیں کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا۔ (صود: ۱۸)

رابطہ آیات

اس سے پہلی آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھلا ہوا جھوٹ ہے ○ اب ان کی خرافات میں سے ایک اور باطل قوس کو نقل فرماتا ہے کہ جب ان سے وہ عذاب موعود ہو گیا جس عذاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈرایا تھا تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑتے ہوئے کہا۔ یہ عذاب کس وجہ سے ہم سے روک دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کا جو وقت معین کیا ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو پھر وہ عذاب آجائے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس عذاب سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے، اگر دنیا کا عذاب مراد ہو تو یہ وہ عذاب ہے جو غزوہ بدر میں ان کو ذلت آمیز شکست کی صورت میں حاصل ہوا تھا اور اگر اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے تو وہ قیامت کے بعد ان پر نازل کیا جائے گا۔

قرآن مجید اور احادیث میں لفظ ”امت“ کے اطلاقات

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر ہم امت معدودہ تک عذاب کو ان سے موخر کر دیں، اس آیت میں امت کا معنی مدت ہے، لغت عرب میں لفظ امت کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

امت ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک چیز میں مشترک ہو یا کوئی ایک اسرار کا جامع ہو، خواہ وہ امریں واحد ہو یا زمانہ واحد ہو یا مکان واحد ہو، خواہ یہ امر جامع فقیر ہو یا غنیا ہو اس کی جمع اسم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا حَيٍّ يَحْيِيهِ إِلَّا آمَنَّا بِكَ - (۱۱۱ عامہ: ۳۸)

زمین پر ہر چلنے والے چوپایہ اور (فصل میں) اپنے باروؤں سے اُڑنے والے پرندہ تمہاری ہی مثل جماعتیں ہیں۔

جالا بننے والی مکڑی ہو یا گھس رگانے والا کینڑا ہو یا؛ خیر و اندازی کرنے والی چیونٹی ہو یا چڑیا اور کبوتر ہوں، اس سب کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کر کے اپنی اپنی نوع میں ایک مخصوص وصف کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

سَكَارَ السَّامِیَّةَ اَحَدُ الْاَقْبَادِ ۱۲۱۳

یعنی سب لوگ افرادِ گمراہی کے ایک گروہ پر مجتمع تھے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً
اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر

(1923)

یعنی سب لوگوں کو ایمان میں مجتمع کر دیتا۔

وَبُشِّرْكَ بِكَرَمِ اللَّهِ بِدُعَاؤِ رَسِي الْحَرِيرِ۔ اور تم میں سے نوٹوں کا ایک ٹرود ہونا چاہیے جو دو گوں کو

(آل عمران: ۳۴)

یعنی تم میں سے لوگوں کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو علم اور اعمال صالحہ میں لوگوں کے لیے مقتدا ہو۔

ہم نے اپنے ماب (دادا کو ایک دین پر یاد

(عرف: ۲۲)

یعنی وہ سب ایک دین پر مجتمع تھے۔

وَأَذْكُرُ بَعْدَ ذَلِكَ (سف: ۳۵)

اسے ایک مدت کے بعد (یوسف) یاد آیا۔

یعنی جب ایک زمانہ میں مجتمع لوگ یا ایک دین پر مجتمع لوگ گزر گئے۔

إِنْ يَرْهَبُهُمْ كَانَ أُمَّةً قَارِئًا لِّدِينِهِ (النمل: ۳۰)

بے شک ایمانیم (اپنی اجتماعی عبادات کے اعتبار سے) ایک

امت تھے، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے، جیسے کہتے ہیں فلاں شخص فی نفعہ ایک قبیلہ ہے یا فلاں

شخص اپنی ذات میں انجمن ہے۔ (الفردات ج ۱ ص ۲۹-۲۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالطوالت السبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے خمر (انگور کی شراب) سے بچو کیونکہ یہ ام الخبائث ہے۔ (سنن الترمذی، الاثریہ: ۳۳) یعنی یہ شراب تمام

خبائث اور خرابیوں کی جامع ہے۔ نیز حدیث میں ہے:

اگر کتے تسبیح کرنے والی امت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ (سنن ابوداؤد، الاضاحی: ۶۲ سنن الترمذی، الصید:

۶۶ سنن الترمذی، الصید: ۶۰ سند احمد ج ۳ ص ۸۵) ایک اور حدیث میں ہے:

ہم امی امت ہیں، لکھتے ہیں نہ کفنی کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۸ سند احمد ج ۲ ص ۳۳)

آپ کی مراد یہ تھی وہ اسی اصل پر ہیں جس پر اپنی ماں سے پیدا ہوئے تھے، انہوں نے لکھا اور کفنی کرنا نہیں سیکھا پس وہ

اپنی جبلت اولیٰ پر ہیں۔ امی کا ایک معنی ہے جو لکھتا نہ ہو۔ (التلخیص ج ۱ ص ۲۹-۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ)

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَيُّوسٌ

اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں پھر اس سے اسی رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناپسندیدہ اور

کفور ① وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَّسَّتْهُ لَيَفْقُولَنَّ

ناشکرا ہوگا ② اور اگر ہم اس کو معیبت پہنچنے کے بعد آسائش (کا ذائقہ) چکھائیں تو وہ ضرور (خوشی سے) کہے گا،

ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ③ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَ

میرے تمام معاصیات دور ہو گئے بے شک وہ اترا نے ملا شینی خور رہے ④ ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ⑤ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑥ فَلَعَلَّكَ

نیک اعمال کیے، ان ہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ⑦ کیا آپ وحی کے کسی حصہ

تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ

کو ترک کرنے والے ہیں اور آپ کا دل صرف اس بات سے تنگ ہوئے والا ہے کہ وہ (کافر) یہ

يَقُولُوا أَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كُنُزًا وَجَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ

کہیں گے کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف

نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝۱۲۱ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ

ڈرانے والے ہیں! اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو از خود گھڑ دیا ہے

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

آپ کہیے کہ بھرتہ اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں سے آؤ (اور اپنی مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کو

مَنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۱۲۲ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا

بلا سکتے ہو بلاتو، اگر تم سچے ہو ○ پھر اگر وہ (مبارکے) چیلنج کو قبول نہ کریں

لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَنْزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ

تو یقین رکھو کہ قرآن اللہ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو دیکھو

أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝۱۲۳ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

کا خدا! کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں

نُوفٍ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝۱۲۴

تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیسے وہ

صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۲۵ أَفَمَنْ كَانَ عَلَى

صانع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے ○ کیا جو شخص اللہ کی طرف سے

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ

دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ (میں) ہو اور اس سے پہلے مومن کی کتاب جو رہنما اور رحمت ہے (وہ بھی

مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَن يَكْفُرْ

گواہ ہو (وہ ان مشرکوں کے برابر ہو سکتا ہے) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمام فرقوں میں سے جس

بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ ۚ فَالْثَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ

نے (بھی) اس کے ساتھ کفر کیا اس کی وعید کی جگہ دوزخ ہے، (سو اسے مخاطب) تم اس کے متعلق شک میں نہ پڑنا

إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۴

بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں پھر اس سے اس رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناامید اور ناشکرا ہو گا ۝ اور اگر ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد آسائش (کا ذائقہ) چکھائیں تو وہ ضرور (خوشی سے) کہے گا میرے تمام مصائب دور ہو گئے، بے شک وہ اترانے والا شیخ خورہ ہے ۝ ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے، ان ہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۝ (هود: ۱۱-۱۲)

مصیبت میں کفار کا مایوس ہونا اور راحت میں ناشکری کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار کو عذاب ضرور ہو گا خواہ تاخیر سے ہو، اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ سب بتایا جس سے ان کو عذاب ہو گا اور یہ کہ اس سبب کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد مطلق انسان ہے پھر آیت: ۱۱ میں اس سے نیک اور صبر کرنے والے مسلمانوں کا اثناء فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالْعَصِيرُ ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ۚ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ - (العصر: ۱-۲)

اور اس کی تفسیر یہ آیت بھی ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۚ
الْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ قَائِمُونَ (الماعن: ۱۹-۲۳)

اور دو سرا قول یہ ہے کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے اور اس انسان سے کافر انسان مراد ہے اور اس کی تفسیر یہ آیت ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوا مَن رَّوَّعَ الشُّرَكَاءُ أَن يَبْسُتُوا مِن رُّوحِ الشُّرَكَاءِ ۚ
رُوحَ الشُّرَكَاءِ لَا الْقَوْمِ الْكَافِرُونَ ۝ (یوسف: ۸۷)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت کسی خاص کافر کے

متعلق نازل ہوئی ہو۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی امیہ مخزومی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (الملاح: احکام القرآن ص ۸، مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور راحت میں ناشکرا ہونا کد کا شیوہ ہے مومن کے لیے مصیبت اور راحت دونوں کا خیر ہونا

اس کے بعد فرمایا: ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے بڑا اجر ہے، حدیث میں ہے: حضرت مصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے حال پر تعجب ہوتا ہے، اس کے برحق میں خیر ہے اور یہ مومن کے سوا اور کسی کا وصف نہیں ہے، اگر اس کو راحت پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے، اور وہ (بھی) اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۲۹۷، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۱۰) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کاٹیا اس سے کم کوئی چیز چھوے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک سہ ماہ مٹا دیتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۲، سنن ترمذی ج ۳ ص ۳۷۳، مسند امام مالک رقم الحدیث: ۱۹۷۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو جو بھی درد ہو یا تھکاوٹ ہو یا بیماری ہو یا غم ہو یا فکر اور پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۰۳۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی مصیبت کا بڑا اجر ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، جو اس سے راضی ہو تو اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو اس سے ناراض ہو تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۰۳۱، المستدرک ج ۳ ص ۲۰۸، شرح السنن رقم الحدیث: ۱۳۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن اور مومنہ پر اس کی جان میں اس کی اولاد میں اور اس کے مال میں مصائب نازل ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں اللہ سے ملاقات کرتے ہیں کہ ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۱۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب مصائب میں مبتلا ہونے والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام اور آسائش میں رہنے والے یہ کہیں گے کہ کاش دیا میں ان کی کھالوں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۳۰۲، المعجم، تصنیف رقم الحدیث: ۲۳۱، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۷۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ وحی کے کسی حصہ کو ترک کرنے والے ہیں اور آپ کا دل صرف اس بات سے تنگ ہونے والا ہے کہ وہ (کافر) یہ کہیں گے کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا حکم دیتا ہے (حدود: ۴)

کیا کفار کے طعن و تشنیع کے خوف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تبلیغ میں کمی کرنے والے تھے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے مزید کفریہ اقوال نقل فرمائے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان کے ان کفریہ اقوال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تنگ ہوتا تھا اور آپ کو رنج ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دل جوئی کی، آپ کو تسلی دی اور آپ کو اپنے الطاف و عنایات اور اپنے افضل اور اکرام سے نوازا۔

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کو لفظ لعن سے شروع فرمایا ہے اور لعن کلام عرب میں توقع کے لیے آتا ہے، اور اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ کفار جو آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کی تصدیق کے لیے آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل ہوا، اس سے یہ توقع ہے کہ آپ وحی کے اس حصہ کو بیان کرنا ترک کر دیں گے جس میں کفار کے جہوں کی مذمت کی گئی ہے حالانکہ قرآن مجید کے کچھ حصہ کو بیان نہ کرنا خیانت اور کفر ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے، اور جس طرح باقی انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ تقیہ کر کے وحی کے بعض حصہ کو چھپالیں اور پوری تبلیغ نہ کریں اسی طرح آپ بھی معصوم ہیں بلکہ سید المعصومین ہیں، آپ سے بطریق اولیٰ یہ متصور نہیں ہے پھر آپ سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنا دل تنگ ہونے کی وجہ سے وحی کا کچھ حصہ چھپالیں گے! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) لعن کے لفظ سے جو بات کہی جاتی ہے کبھی اس بات کی حکم کو توقع ہوتی ہے، کبھی مخاطب کو توقع ہوتی ہے اور کبھی ان کے علاوہ کسی اور کو توقع ہوتی ہے اور اس آیت میں یہی آخری صورت مراد ہے یعنی کفار مکہ کو یہ توقع تھی کہ ہر چند کہ آپ قرآن مجید کی تبلیغ کرنے میں اور پوری وحی پہنچانے میں امتثالیٰ کوشش فرما رہے ہیں، لیکن ان کے طعن و تشنیع اور دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر آپ وحی کے کچھ حصہ کو بیان نہیں کریں گے۔

(۲) کلام عرب میں لعن کا لفظ توقع کے لیے بھی آتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کی ان دل آزار باتوں سے ہر چند کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے لیکن آپ اس وجہ سے وحی کی تبلیغ میں کمی نہ کریں۔

(۳) علامہ سبین وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت استغمام انکاری پر محمول ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ ان کی دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر وحی کے بعض حصہ کی تبلیغ کو ترک کر دیں گے؟ یعنی آپ ایسا نہیں کریں گے، اس کی نظیر حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو بلوایا، سو وہ اس حال میں آیا کہ اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعننا اعدائک (کیا ہم نے تم کو غلبت میں ڈال دیا؟) اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: جب تم غلبت میں ہو تو تم پر وضو کرنا لازم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۶)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ کفار آپ کی نبوت میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے تو کیا آپ اس وجہ سے بعض وحی کو بیان کرنا ترک کر دیں گے؟ یعنی آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں اور بلا خوف و خطر اور بے دھڑک تبلیغ کرتے رہیں۔

(عنایت القاضی ج ۵ ص ۱۳۳، ملخصاً و موضحاً، بیروت ۱۴۱۷ھ، روح البانی ج ۷ ص ۲۸-۲۷، بیروت ۱۴۱۷ھ)

(۴) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی اور تنزیل میں خیانت کریں اور وحی کی بعض چیزوں کو ترک کر دیں، کیونکہ اس طرح پوری شریعت مشلک ہو جائے گی اور نبوت میں طعن لازم آئے گا کیونکہ رسالت کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام بندوں تک پہنچادیئے جائیں۔ اس لیے اس آیت کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی، اگر آپ پوری پوری وحی کی تبلیغ کریں تو کفار کی طعن تشنیع اور ان کے مذاق اڑانے کا خدشہ ہے اور اگر آپ بتوں کی مذمت والی آیتوں کو نہ بیان کریں تو کفار تو آپ کا مذاق نہیں اڑائیں گے لیکن وحی میں خیانت لازم آئے گی اور جب دو خرابیوں میں سے کوئی ایک خرابی ضرور لازم ہو تو بڑی خرابی کو ترک کر کے چھوٹی خرابی کو برداشت کر لینا چاہیے اور بڑی خرابی وحی میں خیانت ہے سو آپ اس خرابی کو ترک کر دیں اور کفار کے طعن اور تشنیع کی خرابی کو برداشت کر لیں۔

اور اس آیت میں لعنتک کا جو لفظ ہے اس سے مراد تبعید سے یعنی آپ کفار کے طعن و تشنیع کی وجہ سے وحی کے بعض حصہ کو ترک نہ کریں، ہرچند کہ آپ سے وحی کے کسی حصہ کی تبلیغ کو ترک کرنا ممکن نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طور پر اس طرح فرمایا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۲۳-۳۲۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ مکتبہ مونی)

اس آیت کی تفسیر کرنا بہت نازک مقام ہے، بہت سے مفسرین اس مقام پر پھسل گئے اور انہوں نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ احترام نبوت ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ ان بے ہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دل گیر ہوتے تھے، ممکن ہے کہ کبھی ایسا خیال بھی دل میں گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ موثر اور مفید ہو یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں، ان کی یہ ضد بھی پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں۔ (حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود الحسن ص ۲۹۳، مطبوعہ سعودیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنا اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے تابع تھا اور اللہ تعالیٰ کی فشاء اور اس کی وحی کے خلاف آپ کے دل میں کبھی کوئی خیال نہیں آسکتا تھا، اس لیے ہمارے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔

(۵) اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت باب تنزیل سے ہے، یعنی ایک شخص میں کوئی وصف نہ ہو لیکن حال اور مقام کے اعتبار سے یہ وہم کیا جاتا ہو کہ اس شخص میں وہ وصف ہے تو اس شخص کو باوجود اس وصف کے نہ ہونے کے اس شخص کے منزلہ میں نازل کر کے کھم کیا جائے جس شخص میں وہ وصف ہو، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے کسی حصہ کی تبلیغ کو ترک نہیں کیا تھا لیکن اگر آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو تنگ دلی اور دل آزاری سے بچنے کے لیے ان آیتوں کی تبلیغ کو ترک کر دیتا جن کی وجہ سے کفار طعن اور تشنیع کرتے تھے اس لیے آپ کو اس شخص کے منزلہ میں نازل کر کے فرمایا: شاید آپ وحی کے کسی حصہ کو ترک کرنے والے ہیں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاصْبِرْ لِّلْمَلِكِ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ مَنْ مَلِكُ اللَّهِ اِنْ يَشَاءْ لَنُخْرِجَنَّهُمْ لَوْ كُنَّا نَحْنُ الْمُلُوكُ ۚ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ اَنْ يَنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدًا ۚ (ہود: ۵۱)

اور آپ ہماری وحی کے مطابق ہماری نگرانی میں کشتی بنائیے اور ظالموں کے متعلق ہم سے کچھ نہ کہیں وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ظالم کافروں کی سفارش نہیں کی تھی لیکن اس مقام پر ان کی سفارش کرنے کا وہم ہو سکتا تھا

اس لیے باوجود سفارش نہ کرنے کے ان کو اس شخص کے مرتبہ میں نازل کر کے خطاب کیا گیا جو ان کی سفارش کرتا، سو یہ بھی باب تنزیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو از خود گھڑ لیا ہے، آپ کہتے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور (اپنی مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلاؤ، اگر تم سچے ہو (ہود: ۳۳) قرآن مجید کا معجز ہونا

شرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت پر معجزہ طلب کرتے تھے، آپ کو بتایا گیا کہ آپ یہ کہیں کہ میری نبوت پر معجزہ یہ قرآن مجید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن مخالفین کی کثرت اور علوم و فنون اور زبان و بیان کی روز افزوں ترقی کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کی مثل کلام بنا کر نہیں لاسکا قرآن مجید نے کئی طرح سے یہ چیلنج پیش کیا ہے:

قُلْ لَّيْسَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَتَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَكُنُوا لَهُمْ حِفْظٌ بِبَعْضِ ظَهْرِهَا۔
آپ کہتے اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل بنا سکیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے، خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد (بھی) کریں۔

(نور ابراہیم: ۸۸)

اور زیر تفسیر آیت میں دس سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے، اور البقرہ: ۲۳ اور یونس: ۳۹ میں کسی ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا ہے اور آخری چیلنج یہ دیا ہے:

قُلْ إِنِّي أَخَذْتُ الذِّكْرَ مِنِّي وَلَمْ أَكُنْ مُدْرِكًا۔
اس جیسی ایک بات ہی بنا کر پیش کر دو اگر تم سچے ہو۔

(النور: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر وہ (تمہارے چیلنج کو) قبول نہ کریں تو یقین رکھو کہ قرآن اللہ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو (اے کافرو!) کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ (ہود: ۱۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان شرکین سے کہہ دیجئے اگر قرآن مجید کی دس سورتوں کی مثل لانے میں تمہارے خود ساختہ معبود تمہاری مدد نہ کر سکیں اور تم خود بھی اس کی مثل دس سورتیں نہ لاسکو تو یہ جان لو اور یقین رکھو کہ یہ قرآن آسمان سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے اذن کے ساتھ نازل ہوا ہے اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی طرف سے بنا کر ہم پر افتراء نہیں کیا اور یہ بھی یقین رکھو کہ مخلوق کی عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سوائے شرک! تم بت پرستی کو ترک کر دو اور خدائے واحد کی عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ ہمیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور انہوں نے دنیا میں جو کلام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے (ہود: ۲۱-۱۵)

ریا کاری کی مذمت اور اس پر وعید

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا
 نَشَاءُ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ حَتَمًا
 يَصُلُّهَا مَدْمُومًا مَذْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ
 وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ
 سَعْيُهُمْ مَكْرُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۸-۱۹)

جو لوگ صرف دنیا کے خواہش مند ہیں، ہم ان کو اس دنیا
 سے جتنا ہم چاہیں اس دنیا میں دے دیتے ہیں، پھر ہم نے ان کے
 لیے دوزخ کو ٹھکانا دیا ہے وہ اس دوزخ میں مذمت کیا ہوا اور
 دھنکارا ہوا داخل ہو گا ۝ اور جو شخص مومن ہو اور وہ آخرت کا
 ارادہ کرے اور اسی کے لیے کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی
 کوشش مقبول ہوگی ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ وَلَهُ فِي حَرْثِهِ
 وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا فَلَا يَظْلِمُ فِيهَا شَيْئًا
 فِي الْآخِرَةِ ۝ (الشورى: ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے، ہم اس کے لیے اس
 کی کھیتی کو زیادہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم
 اس کو اس میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ
 نہیں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جو زنی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ اس آیت کا حکم تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اہل قبلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۴) مجاہد نے یہ کہا کہ یہ ریاکاروں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

انسان جس کام کو جس نیت سے کرے گا اسی نیت کے اعتبار سے اس کو صلہ دیا جائے گا، اگر اللہ عزوجل کی رضا کے لیے
 کوئی عمل کرے گا تو آخرت میں اس پر اجر ملے گا اور اگر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے عمل کرے گا تو وہ عمل اس کے
 لیے باعث وبال ہو گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا دار نیت پر ہے،
 ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثمر ملتا ہے، سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ
 اور اس کے رسول ہی کی طرف شمار ہوگی، اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے
 لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار کی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۷،
 سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۷۳۶، مصنف عبدالرزاق رقم
 الحدیث: ۹۵۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۶۸-۱۶۹، شرح السنن رقم الحدیث: ۶۲۲۶)

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا ہجوم تھا، جب لوگ ان سے چھٹ گئے تو اہل
 شام میں سے نائل نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ! آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 سنی ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے: قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے

متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہو گا اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جلا کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو بھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لیے قتل کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادر کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھایا اور میرے لیے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو بھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو بھوٹ بولتا ہے، تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے سو تجھ کو سخی کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۰۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۸)

شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۸۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص اللہ کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ (بھی) ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو وہ نما اور رحمت ہے (وہ بھی گواہ ہو) (وہ ان منکروں کے برابر ہو سکتا ہے؟) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمام فرقوں میں سے جس نے (بھی) اس کے ساتھ کفر کیا اس کی وعید کی جگہ دوزخ ہے (سوائے مخاطب) تم اس کے متعلق شک میں نہ پڑنا بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○

(هود: ۱۷)

تمام اہل ملل پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وجوب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ بھی ہو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا مومنین اہل کتاب، کیا یہ لوگ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں؟ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ شاید سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ہے کیونکہ جس شخص میں ذرا بھی عقل ہو جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی طرف دیکھے گا تو فوراً یقین کر لے گا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے (دلیل) سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جس سے دل روشن ہیں اور شاہد سے مراد عقل اور فطرت سلیمہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے بل باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جیسے جانور سے ایک مکمل جانور پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب یعنی تورات نازل ہوئی تھی جو رہ نما اور رحمت ہے، اور جو لوگ اس نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے جو دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں۔ اور فرمایا: اور تمام فرقوں میں سے جس نے (بھی) اس نبی کے ساتھ کفر کیا اس کی سزا دوزخ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس امت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میری نبوت (کی خبر) سنے خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی یا مجروحہ شخص اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ شخص دوزخی ہی ہو گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۷، طبع الاولیاء ج ۳ ص ۳۰۸، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۴)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام دین داروں پر واجب ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں، یہود اور نصاریٰ کا خصوصیت سے اس حدیث میں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور جب اہل کتاب پر یہ واجب ہے کہ وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں تو دوسروں پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں۔

غیر متمدن دنیا میں رہنے والوں کے لیے توحید پر ایمان لانا ضروری ہے نہ کہ رسالت پر
قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص زمین کے دور دراز علاقوں میں رہتا ہو یا سمندر کے جزیروں میں رہتا ہو جو آباد دنیا سے منقطع ہوں، اور اس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کی بعثت کی خبر نہ پہنچی ہو تو اگر وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو اس سے گرفت نہیں ہوگی کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: جس نے میری نبوت کی خبر سنی اور مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہو گا، لہذا آپ کی معرفت اور آپ پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ کوئی شخص آپ کے معجزہ کا مشاہدہ کرے اور آپ کے ایام حیات میں آپ کے صدق کو جانے اور جس نے مشاہدہ نہیں کیا اس تک آپ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی ہو، اس کے برخلاف اللہ پر ایمان اور اس کی توحید کو ماننا ہر شخص پر ضروری ہے خواہ متمدن دنیا میں نہ ہو اور غیر آباد علاقوں میں رہتا ہو، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل عطا کی ہے اور غور فکر کر کے ہر شخص اللہ کی ذات اور اس کی توحید کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ (اکمل المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۳۶۸، مطبوعہ دار الفوائد ۱۳۱۹ھ)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بیعتان تراشے۔ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش

عَلَىٰ سَائِرِهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ

یکے جائیں گے اور تمام گواہ یہ کہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا

سَائِرِهِمْ إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصْذَوْنَ

تھا، ستم ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○ جو لوگ اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفَرُونَ ﴿۱۹﴾

روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں ○

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ

یہ لوگ زمین میں (اشد کو) عاجز کرنے والے نہ تھے، اور نہ اللہ کے سوا

مَنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ يُضْعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا

ان کا کوئی مددگار تھا، ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو)

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ (بعض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے ○ یہی وہ لوگ ہیں

خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَعَنَ

جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا ○ بلاشبہ

أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخِسُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ

نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی کی وہ لوگ جنتی ہیں اور وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْنَى وَالْأَصْمَدِ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ ان دونوں فریقوں (یعنی کافراہ و مومن) کی مثال ایسے سے جیسے ایک اندھا اور

الْبَصِيرُ وَالسَّمِيعُ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

اور دوسرا دیکھنے والا سننے والا ہو، کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر عالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان تراشے یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش

کیے جائیں گے اور تمام گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹا بہانہ عاتقہ سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○ جو

لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں ○ (هود: ۱۸-۲۴)

وقف لازم

تذکرہ

روز قیامت کفار کے خلاف گواہی دینے والوں کے مصداق

کافروں میں متعدد بد عقیدہ گیلے اور بد اعمالیاں تھیں، وہ دنیا اور اس کے بخش اور زیبائش پر بہت حرص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ہود: ۱۵ میں رد فرمایا اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معجزات کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ہود: ۱۳ میں رد فرمایا، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی شفاعت کریں گے سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بد عقیدگی کا رد فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مکان اور جگہ سے پاک ہے، پھر یہ کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے پیش ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو مقامات حسب اور سوال کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں ان کفار کو وہاں پیش کیا جائے گا، دو سرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبیوں، فرشتوں اور مومنوں میں سے جن کے سامنے چاہے گا پیش فرمائے گا۔ نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تمام گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور انطش سے روایت ہے کہ ان کو ہوں سے مراد فرشتے (کرنا کاتبین) ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۹-۲۸)

ضحاک نے کہا: اس سے مراد انبیاء اور رسول ہیں۔ (جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۹) اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے

ہے:

فَكَفَّ إِذَا رَجَا مِنْهُنَّ أَثْمَرَ يُسْهِدُ
وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔

(النساء: ۱۳۱)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مومنین بھی گواہی دیں گے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكَ أُمَّةً وَسَطًا لِّنُكَلِّمَ
بِهِ هَذِهِ أَعْيُنُ النَّاسِ وَنُكَوِّنَ الرُّسُلَ عَلَيْكَ
شَهِيدًا۔ (البقرہ: ۱۴۳)

کفار کے خود اپنے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے، قرآن مجید میں ہے:

بِأَنَّهُ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ
وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النور: ۲۴)

اور اس آیت میں فرمایا ہے: وہ گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے کفار اور منافقین تو تمام لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۳۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۷۳)

اور فرمایا: جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یعنی لوگوں کو حق کی اتباع کرنے اور ہدایت کے راستہ پر چلنے سے روکتے ہیں، مسلمانوں کے دلوں میں دین اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا کرتے ہیں اور

مختلف جیلوں اور ہسپتالوں سے ان کو اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مشغول رہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے ہوئے اور بے ہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے، اور نہ اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار تھا۔ ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا۔ بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں (حور: ۲۳-۲۱-۲۰)

کفار مکہ کی چودہ وجوہ سے مذمت

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے دو آیتوں میں کفار مکہ کی سات وجوہ سے مذمت فرمائی تھی:

- (۱) وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشتے تھے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشتے۔
- (۲) وہ ذلت اور رسوائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، فرمایا: اور یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

(۳) تمام گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ ہاندھا تھا فرمایا: اور تمام گواہ یہ کہیں گے کہ انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ ہاندھا تھا۔

(۴) وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں، فرمایا: سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(۵) وہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، فرمایا: جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

(۶) وہ اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں، فرمایا: اور اس میں کبھی تلاش کرتے ہیں۔

(۷) وہ آخرت کے منکر ہیں، فرمایا: وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔

اور ان آیتوں میں ان کی مزید سات وجوہ سے مذمت فرمائی ہے:

- (۱) وہ اللہ کے عذاب سے بھاگ نہیں سکتے، فرمایا: یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے۔
- (۲) اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے ان کا کوئی مددگار نہیں، فرمایا: اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار تھا۔
- (۳) ان کا عذاب دگنا کیا جائے گا فرمایا: ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا۔
- (۴) ان میں حق کو سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی، فرمایا: یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے۔

(۵) انہوں نے اللہ کی عبادت کے بدلہ میں بتوں کی عبادت کو خرید لیا اور یہ ان کے گھٹائے اور خسارے کا سبب ہے، فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا۔

(۶) انہوں نے دین کو دنیا کے بدلہ میں فروخت کر دیا اور اس میں ان کو دنیا میں یہ گھانا ہوا کہ انہوں نے عزت والی چیز کو دے کر ذلت والی چیز کو لے لیا اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ وہ ذلت والی چیز بھی ضائع اور ہلاک ہو گئی اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، فرمایا: اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا۔

(۷) چونکہ انہوں نے نہیں چیز کو دے کر خیریت چیز کو لیا اس لیے ان کا خسارہ لازمی اور یقینی ہے، فرمایا: بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کفار کو دگنا عذاب دینا ایک بُرائی پر ایک عذاب کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے
اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ان کے لیے عذاب دگنا کیا جائے گا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے:

وَمَنْ جَاءَكَ يَسْتَئْذِنُكَ فَلَا يَجْزِيكَ إِلَّا مِثْلُهَا
وَهُمْ لَا يَحْشَمُونَ۔ (الانعام: ۲۲۰)

اور جو شخص برا کام کرے تو اسے صرف اسی ایک برے کام
کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور ان کے لیے عذاب کو دگنا کرنا اس آیت کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس بُرائی کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی سزائی دگنا عذاب ہے اور اگر انہوں نے ایک بُرائی کی تھی تو ان کو اس کی سزا میں اسی ایک بُرائی کا
دگنا عذاب دیا جائے گا دو برائیوں کا عذاب نہیں دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا ہے: اسے صرف اسی ایک برے کام کی سزا دی جائے
گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ظلم تب ہوتا جب ایک بُرائی کرنے والوں کو دو برے کام کرنے کی سزا دی جاتی، جیسا کہ اللہ
تعالیٰ کے نزدیک کفر کی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھنے، لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے
اور کجی کو تلاش کرنے یعنی دین اسلام کی خلاف شکوک و شبہات ڈالنے اور آخرت کا انکار کرنے کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دگنا
عذاب ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

بِئْسَ آةُ التَّيْبَةِ مَن بَكَتْ مَنكُم مِّمَّا حَتَّوْا
مُتَّبِعَةً تَصْغَفُ لَهَا الْعَدُوُّ يَغْفِقِينَ۔

اے نبی کی بیوی! اگر (بافرض) تم میں سے کسی نے کھلی بے
حیائی کا ارتکاب کیا تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

(الاحزاب: ۳۰)

یہ آیت بھی سورۃ الانعام کی آیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ازواج مطہرات کی، کی ہوئی کھلی بے
حیائی کا عذاب عام عورتوں کی بہ نسبت دگنا عذاب ہے، اور ایک مرتبہ کی ہوئی کھلی بے حیائی پر ایک مرتبہ ہی دگنا عذاب ہو گا دو
مرتبہ دگنا عذاب نہیں ہو گا۔ سورۃ الانعام کی آیت کے خلاف تب ہوتا جب ایک مرتبہ کھلی ہوئی بے حیائی کے ارتکاب پر دو
مرتبہ کھلی ہوئی بے حیائی کے ارتکاب کا عذاب دیا جاتا۔

جب کفار حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو ان سے گرفت کیوں ہوئی؟

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ (حق کو) دیکھتے تھے، اس پر یہ
اعتراض ہوتا ہے کہ جب ان میں حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہ تھی تو پھر ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر قائم رہنے میں
ان کا کیا قصور ہے، اس سوال کے متعدد جوابات ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ وہ کفر اور عناد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بغض اور عداوت میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل پیش
کیے جاتے ہیں تو ان پر کراہت اور ناگواری کی ایسی شدید کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ان دلائل کو سن پاتے ہیں نہ دیکھ پاتے
ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے سے مقصود ہے حق کو قبول کرنا اور چونکہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو مگر وہ سننے
ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے کی از خود طاقت اور قدرت تو کسی میں نہیں ہے، جب بندہ سننے
اور دیکھنے کا قصد کرتا ہے تو اللہ اس میں وہ قدرت پیدا کر دیتا ہے، اور چونکہ کفار مکہ حق کو سننے اور دیکھنے کا قصد ہی نہیں کرتے
تھے اس لیے ان کے متعلق خصوصیت سے فرمایا: ان میں سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی۔ اور اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ وہ
سماعت اور بصارت سے نفع حاصل نہیں کرتے تھے، اور ہدایت یافتہ انسان کی طرح سنتے تھے نہ دیکھتے تھے۔ اس کی پانچویں توجیہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ عباد کی بنا پر اپنے اختیار سے حق کو سنیں گے نہ دیکھیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے روح محفوظ میں اور ان کی تقدیر میں لکھ دیا کہ وہ حق کو سنیں گے نہ دیکھیں گے اس لیے اب وہ حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چھٹی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور عداوت رکھتے تھے اس لیے وہ آپ کی باتوں کو سن سکتے تھے نہ سمجھ سکتے تھے۔ انھوں نے کہا: کلام عرب میں یہ معروف ہے کہ جب کوئی شخص کسی پرست ناگوار اور بدست گراں ہو تو کہا جاتا ہے وہ اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا نیز کہا جاتا ہے کہ محب مذمت کرنے والے کی بات نہیں سن سکتا اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ مذمت کرنے والا محب کی بات نہیں سن سکتا اور اس کی آنکھیں توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حق سننے اور دیکھنے کی صفت عطا کی تھی۔ انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے خود حق کی طرف سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کر لیا تھا اس لیے فرمایا: وہ (حق کو) سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی کی وہ لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (ہود: ۲۳) نیکوں کے لازماً قبول ہونے کی توقع نہ رکھی جائے

اس آیت میں ہے واحسبوا الی ربہم۔ احسب کا معنی ہے قوم کا پست اور فراخ زمین میں اترنا اور مطمئن ہونا اور حسب الی اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور احسب کا معنی خضوع اور خشوع کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اطمینان اور خضوع اور خشوع کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان جب اللہ کی عبادت کریں تو عبادت کے وقت ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی طرف ملتفت نہ ہوں، اور ہر چیز سے خلل الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یا اللہ تعالیٰ نے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور عذاب کی وعید فرمائی ہے اس پر ان کے دل مطمئن ہوں، اور اگر ہم احسب کو خشوع کے معنی میں لیں تو پھر اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب مسلمان اعمال صالحہ کریں تو ان کو یہ ڈر اور خوف ہو کہ ان کی کسی کمی اور کوتاہی کی بنا پر ان کے نیک اعمال مسترد کر دیئے جائیں گے، اور اس کو اپنے نیک اعمال کے متعلق یہ اطمینان نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے یہ نیک اعمال لازماً قبول ہو جائیں گے۔

عمر بن مہمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! آپ کو اللہ کی بشارت ہو، آپ اسلام لانے والوں میں مقدم ہیں، جیسا کہ آپ کو علم ہے، پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے عدل کیا، پھر ان تمام (نیکوں) کے بعد آپ کو شہادت حاصل ہوئی۔ حضرت عمر نے کہا: اے میرے بھتیجے! کاش یہ سب برابر سراہر ہو جائے، ان کی وجہ سے مجھے کوئی عذاب ہو نہ ثواب ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۲، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دونوں فریقوں (یعنی کافر اور مومن) کی مثال ایسے ہے، جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (ہود: ۲۳)

سابقہ آیات میں مومنوں اور کافروں، نیک لوگوں اور بدکاروں، دو گروہوں کا ذکر فرمایا تھا اب ان دونوں کی ایک مثال ذکر کر کے مزید وضاحت فرمائی ہے۔ کافر دنیا میں حق اور صداقت کے دلائل کو دیکھنے اور سننے سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو وہ اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور مومن اس کائنات میں اور خود اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیوں کو دیکھتا ہے اور

سنتا ہے تو وہ دیکھنے اور سننے والے کی مثل ہے۔

امام رازی نے کہا: ان میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور جس طرح جسم کے لیے آنکھیں اور کان ہیں اسی طرح روح کی بھی سماعت اور بصارت ہے، اسی طرح جب جسم اندھا اور بہرا ہو تو وہ حیران کھڑا رہتا ہے اور کسی نیکی کی راہ پر نہیں لگ سکتا بلکہ وہ اندھیروں کی پستیوں میں پریشان ہوتا ہے، کسی روشنی کو دیکھتا ہے نہ کسی آواز کو سنتا ہے، اسی طرح جو شخص جاہل ہو وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، اس کا دل اندھا اور بہرا ہوتا ہے اور وہ گمراہی کے اندھیروں میں حیران اور پریشان ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٥﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، (انہوں نے کہا) میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں ○

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٧٦﴾

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے ○

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَذَكَّرُكَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا

پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تم کو اپنے جیسا ہی بشر سمجھتے ہیں

وَمَا تَذَكَّرُكَ أَتَّبِعُكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ بَادُواكَ الرَّاْيَ وَمَا تَذَكَّرُ

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ

تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو ○ (نوح نے) کہا کہ میری قوم یہ بتاؤ اگر میں

إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَنِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ

اپنے رب کی طرف سے (دراخ) دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت عطا کی ہو جو تم

فَعِصِيَتْ عَلَيْكُمْ أَنْزَلْنَا مَكُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ﴿٧٨﴾ وَيَقَوْمِ

سے مخفی رکھی ہے تو کیا ہم اس کو زبردستی تم پر مسلط کر دیں گے جب کہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو ○ اور اے میری قوم

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَا آتَانِ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

میں اس (ذبیح) پر کسی ماں کو طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْقُوا سَرًا ۖ وَلَكِنِّي أَرَأَيْتُمْ قَوْمًا يَجْهَلُونَ ﴿۲۹﴾

دھتکارنے والا نہیں ہوں بے شک وہ اپنے رب سے منے والے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو ○

وَلَيَقُومَنَّ مِنَ تَنْصِيَّتِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتَهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾

اور اے میری قوم! اگر میں ان (مومنوں) کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون پہلے گا؟ کیا تم غور نہیں کرتے ○

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ

أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ

میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ

يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَمِنَ

نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی غیر نہیں عطا فرمائے گا، اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے (اگر باطن میں ایسا کہیں) تو

الظَّالِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا إِنُّوهُ قَدْ جَاءَ لَنَا فَاكْثُرَتْ جِدَا لَنَا فَاتِنَا

بے شک اس صورت میں میں ظالموں میں سے ہو جائوں گا ○ انہوں نے کہلے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، اب اگر تم

بِمَا تَعْدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ

بجے ہو تو وہ (عذاب) اے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ○ (نوح نے کہا) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ

اللَّهُ إِنْ شَاءَ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي

عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں

إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ

اپنی نصیحت سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب کہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو،

هُوَ بِكُمْ ذَلِيلٌ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ

وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹنے جاؤ گے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو از خود

۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

گمراہ ہے؟ آپ کہیے کہ اگر دبا فرض میں نے اس کو گمراہ ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے کہا) میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (ہود: ۲۶-۲۵)

انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اس سورت میں اس قصہ کو پھر دہرایا ہے کیونکہ اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات کو بار بار دہرانے میں یہ حکمت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی رہے، کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے اور دل آزار باتیں کرتے رہتے تھے، ایسی باتیں سن کر آپ کو رنج ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات پر مشتمل وحی نازل فرماتا کہ اس قسم کے معاملات انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی پیش آتے رہے ہیں، وہ کفار کی ایسی باتوں پر صبر کرتے تھے سو آپ بھی صبر کریں۔

اس آیت میں دردناک دن فرمایا ہے اور دن کو دردناک سے متصف فرمایا ہے، حالانکہ دردناک عذاب کی صفت ہے نہ کہ دن کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توصیف مجاز عقل ہے جیسے عرب کہتے ہیں مہارک صائم ولیلک فائم چونکہ یہ دردناک عذاب اس دن میں نازل ہو گا اس لیے اس دن کو دردناک کے ساتھ متصف فرمایا۔

بظاہر اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد عام ہو خواہ دنیاوی عذاب ہو یا آخرت کا، حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو اس پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرا رہے ہیں اسی بناء پر وہ یہ کہتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہم کو دھمکا رہے ہیں وہ عذاب لا کر دکھائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تم کو اپنے جیسا بشری سمجھتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو۔ (ہود: ۲۷)

حضرت نوح کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے تین شبہات وارد کیے: ایک شبہ یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کی مثل بشر ہیں، دو سرا شبہ یہ تھا کہ ان کی پیروی کم حیثیت اور پس ماندہ لوگ کر رہے ہیں، تیسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کی ان کے اوپر کوئی فضیلت نہیں تھی۔ اس شبہ کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے نزدیک اسباب مادیہ سے فضیلت حاصل ہوتی تھی، یعنی کوئی شخص غیر معمولی جسم اور قد آور ہو، یا وہ بہت امیر اور دولت مند ہو یا وہ کسی بہت بڑے جتھے اور قبیلہ کا سردار ہو، اور جب حضرت نوح علیہ السلام میں ایسی کوئی چیز نہ تھی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اب ہم ان کے ان تینوں شبہات کے تفصیل وار جواب پیش کر رہے ہیں۔

بشر کا معنی اور نبی کے بشر ہونے کی حقیقت

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تم کو اپنے جیسا بشری سمجھتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متونی ۵۵۲ بشر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کمال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کمال کے باطن کو آدمہ کہتے ہیں، واحد اور جمع دونوں کے لیے بشر آتا ہے البتہ تشبہ بشرین آتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے اس سے مراد انسان کا کلمہ اور اس کا ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

سَالِفٌ خَلِيقٍ تَتَسَوَّاتُ فِيهِ (م: ۷۱) میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ کم کرنے کے لیے ان کو بشر کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوا آتَيْنَاهُمُ آتِئَةً وَاجْتَنَابُوا حَبْلًا أَدْبَارُهَا ثَمُودُ (النمل: ۲۴) پس وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی اتباع و تسبیح۔ (النمل: ۲۴)

اللہ تعالیٰ نے یہ بتانے کے لیے کہ تمام لوگ نفس بشریت میں برابر ہیں لیکن وہ دوسروں سے علوم عالیہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (۱) اے رسول مکرّم! آپ کہنے میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (۱) لکھتے: ۲۰

”میری طرف وحی کی جاتی ہے“ اس لیے فرمایا ہے کہ ہر جہد کہ نفس بشریت میں، میں تمہاری مثل ہوں لیکن اس وصف میں، میں تم سے ممتاز ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(الفردات ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار معصومی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

جس طرح انسان حیوان ہونے میں تمام حیوانات کی مثل ہے لیکن نطق کی وجہ سے وہ باقی حیوانات سے ممتاز ہے اور نطق اس کے لیے فصل ممیز ہے اور نطق سے مراد وہ قوت ہے جس کی وجہ سے وہ معقولات کا ادراک کرتا ہے جس کو عقل کہتے ہیں اس طرح نبی، انسان اور باطن ہونے میں تمام انسانوں کی مثل ہے لیکن حصول وحی کی صلاحیت اور ادراک مغیبات میں وہ باقی انسانوں سے ممتاز ہے، اور جس طرح انسان ادراک معقولات اور عقل کی وجہ سے باقی حیوانات سے ممتاز ہے اسی طرح نبی ادراک مغیبات اور حصول وحی کی وجہ سے باقی انسانوں سے ممتاز ہے اور جس قوت سے نبی غیب کا ادراک کرتا ہے اور وحی کو حاصل کرتا ہے وہ قوت اس کے حق میں بمنزلہ فصل ممیز ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متونی ۵۵۵ نبوت کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اور عقل کے بلوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز، معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدارکات کو نہیں پاسکتے۔ (اسی طرح عقل یعنی قوت ادراک غیب کے مدارکات کو نہیں پاسکتی۔) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے مدارکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدارکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ خالص جہالت ہے۔ (المستند من الضال ص ۵۴، مطبوعہ بیت الادب کاغذ لاہور ۱۳۷۱ھ)

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کے بعد عقل کا مرتبہ

ہے، اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معنویات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح قوت عطا کی قوت سے مغیبات کا ادراک ہوتا ہے، اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے، حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے، فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے، ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام جانوں سے ممتاز ہے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی خصائص نبوت بیان کرتے ہوئے "احیاء العلوم" سے امام غزالی کی عبارت نقل کرتے ہیں، ہم قارئین کے سامنے "احیاء العلوم" سے امام غزالی کی اصل عبارت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو، اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں، نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا، کیونکہ نبی و ان کی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنی یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیار یہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارق العادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں جتنا اور نابینا کا فرق ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے، جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۹۰-۱۸۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر، ج ۳ ص ۹۷۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۹ھ، فتح

الہباری ج ۳ ص ۳۶۷-۳۶۶)

نبی کی خصوصیات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

علامہ طبری نے کتاب المسئج میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

پھر امام رازی اس کی تفصیل میں علامہ طبری سے نقل کرتے ہیں کہ قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں: بدرکہ اور محرکہ، اور بدرکہ کی دو قسمیں ہیں: حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں:

قوت باصرہ

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۰ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۸ دلائل النبوة ج ۲ ص ۵۸۷) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں

تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۴۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۳)

اس قوت کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيكَ نَارَ هَيْبَتِهِمْ مَّلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ - (الانعام: ۷۵)

اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیوں دکھاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی بھر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجلی لی مافی السموات والارض "میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے۔" مسند احمد ج ۳ ص ۲۶ اور ایک روایت میں ہے: فعلمت مافی السموات والارض "میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔" مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۸)

قوت سامعہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا: آسمان چڑھتا ہے اور اس کا چڑھنا بجا ہے، آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ مجھ رہا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۳ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چڑھنے کی آواز سنی۔ نیز آپ نے فرمایا: ایک پتھر جنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جنم کی تہ تک نہیں پہنچا آپ نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَتَتْ سَمَكَةً بِآيٰتِهَا السَّمَلِ اَذْحُلُوۡا
اَيُّكُمْ كَبِّرُ - (النمل: ۱۸)

ایک چیونٹی نے کدو اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ نے بھیڑیے اور اونٹ سے کلام کیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۴۳۳۲ المستدرک ج ۲ ص ۱۰۰-۹۹)

قوت شامہ

نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے، کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قییں لے جاؤ اور حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قییں لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ لَا جُدُّیْ بِیُوسُفَ - (یوسف: ۹۳)

مجھے (حضرت) یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قییں کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلے سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا:

اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۸۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۵)

قوت لامرہ

نبی کی قوت لامرہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو گئی۔

اور جو اس بلذہ میں قوت حافظہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَسْقُورٌ نُّكَدًا وَلَا تَنْسَى - (الاعلیٰ: ۶)

اور قوت ذکاوت ہے، حضرت علی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے، اور جب وہی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہو گا؟ اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا، اور حضرت ادریس اور الیاس علیہما السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی مابیت میں بقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، دہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ سمائیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہو گا اور اس کی قوت محرکہ اور قوت بھی انتہائی کامل ہوگی، کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جو ہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قائل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔

تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۰-۱۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قشیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ نے بھی علامہ طلمی کی یہ عبارت اسی تفصیل سے نقل کی ہے۔

(غرائب القرآن ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ)

امام غزالی، امام رازی، علامہ طلمی، علامہ نظام الدین قشیشاپوری اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ نبی کی حقیقت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے اور ہرگز نہ کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت میں استعداد وحی کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے جس طرح دیکھنے والا اندھے سے اور ذکی، فہمی سے متمیز ہوتا ہے۔

فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت میں پہلا شبہ یہ پیش کیا تھا کہ ”ہم تم کو اپنے جیسا بشری سمجھتے ہیں“ اور یہ ایسا ہی شبہ ہے جیسا کہ مکہ کے کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پیش کیا تھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا تھا:

اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں

نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ ہمارے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا

پھر ان کو صلت نہ دی جاتی ○ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو

اسے مردی (کی صورت میں) بناتے اور ان پر پھر وہی شبہ ڈال

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْكَ الْوَحْيُ لَآتَاكَ

مَنْكَ الْفُصْيَ الْأَمْرُ لَوْلَا ظُهُورُ ○ وَلَوْ

حَقَّلَهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَنَسْنَا

عَلَيْهِ مَا لَيْسَ ○ (الاحقاف: ۱۸-۱۹)

دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں O

کفار کا یہ شبہ ان کی جمالت پر مبنی ہے، کیونکہ نبی اپنی نبوت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور معجزات پیش کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت اور خلقت سے اپنی نبوت کو ثابت نہیں کرتا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور وہ خلاف عادت کاموں کو اپنی نبوت پر دلیل بناتا تو اس کی نبوت میں طعن کرنے کا زیادہ موقع تھا کیونکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ معجزات انسانوں کے اعتبار سے خلاف عادت ہیں فرشتہ کے لیے خلاف عادت نہیں ہیں لہذا یہ معجزات فرشتہ کی نبوت پر دلیل نہیں ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتہ جو عبادات سرانجام دیتا اور دوسرے نیک اعمال انجام دیتا وہ انسانوں پر حجت نہ ہوتے کیونکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتہ کی حقیقت میں ایسا عنصر ہو جس کی وجہ سے وہ ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دے سکتا ہو اور انسان کی حقیقت میں وہ عنصر نہ ہو، نیز فرشتہ بھوک پیاس، غم اور غصہ اور شہوت اور غضب سے منزہ اور مجرد ہوتا ہے لہذا فرشتہ کا براہینوں سے بچنا اور نیک اعمال کرنا انسانوں پر حجت نہیں ہو سکتا، ان وجوہ کی بنا پر اگر فرشتہ کو نبی بنادیا جاتا تو بندوں پر اللہ کی حجت پوری نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر اور انسانوں سے رسولوں کو بھیجا ہے نہ کہ فرشتوں سے۔

پس ماندہ اور کمزور لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا وہ سراشبہ یہ تھا کہ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں، اسی طرح کاشبہ کفار قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے:

ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا: جس مدت میں ابوسفیان اور کفار قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (صلح حدیبیہ کی وجہ سے) معاہدہ ہوا تھا اس مدت میں وہ شام میں تجارت کے لیے گئے۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا، اس وقت وہ اہلیا میں تھے، اس نے ایک ترجمان کو بلا کر ابوسفیان سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا قوم کے معزز لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا پس ماندہ اور کمزور لوگ؟ ابوسفیان نے کہا: پس ماندہ اور کمزور لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا: ہمیشہ رسولوں کی پیروی پس ماندہ اور کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۷۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۵۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۵۵۳، مسند الاوسط رقم الحدیث: ۹۵۶۳، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۷)

پس ماندہ اور کمزور لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ماندہ نہ ہوں، تنگ دست اور مفلس ہوں، اور جن لوگوں کا تعلق ایسے پیشے سے ہو جس کو معاشرہ میں نیچ، خفیس اور گھنیا سمجھا جاتا ہو، اور یہ بھی ان کی جمالت ہے، کیونکہ اللہ کے نزدیک بلندی، برتری اور عظمت مال و دولت اور بلند مرتبوں سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے نزدیک فقر اور افلاس مال و دولت سے زیادہ پسندیدہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی تعلیم کے ساتھ بھیجا کہ وہ دنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں، تو مال و دولت کی کمی نبوت اور رسالت میں طعن کی کس طرح موجب ہوگی!

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کے مقرب اور افضل ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت

میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری روح قبض کرے اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کی جماعت میں اٹھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس دعا کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: مسکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ! تم مسکین کو مسترد نہ کرو، خواہ ایک کھجور کا ایک ٹکڑا ہو، اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو قریب رکھو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۲)

اس حدیث کی سند میں الحارث بن النعمان منکر الحدیث ہے اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، یہ میدان حشر کا نصف دن ہو گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:

۳۱۲۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۰۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶۰، بیئۃ الاویام ج ۱ ص ۱۹۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس کے متعلق بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن

صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳)

طبقاتی فرق اور نام و نسب فضیلت کا موجب نہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حجتہ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے! تمہارا باپ ایک ہے! سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو تبلیغ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی خصلت) کو دور کر دیا ہے، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، مومن متقی ہے اور فاجر مد مزاح ہے۔ لوگ (اپنے) باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آ جائیں ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۸۶، مسند السنن ج ۲ ص ۱۳۵)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ”اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے“ ان کا یہ شبہ بھی ان کی جنالت پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار علم اور عمل ہے، اور علم اور عمل کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلت بالکل ظاہر تھی، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین سے کہا: بلکہ ہم تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے) کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے (واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت عطا کی ہو جو تم سے مخفی رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کو ذرہ سیتمی تم پر مسلط کر دیں گے جب کہ تم اس کو پسند کرنے والے ہو۔ (ص: ۲۸)

بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات کا ذکر فرمایا تھا ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ تم ہماری ہی مثل بشر ہو، تو پھر نبی کس طرح ہو سکتے ہو؟ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اس کا جواب دیا اس کی تقریر یہ ہے کہ: بشریت میں مساوی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ مجھے نبوت اور رسالت حاصل نہ ہو سکے کیونکہ نبوت اور رسالت اس کی عطا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ وہ نبوت اور رسالت کس کو عطا کرے گا؟

اے میری قوم! یہ بتاؤ کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے نبوت عطا فرمائی ہو اور اس نبوت کی دلیل پر معجزہ بھی عطا فرمایا ہو اور میری نبوت تم پر مشتبہ ہو یا تخی ہو تو کیا میں اس بات پر قنور ہوں کہ جبراً اپنی نبوت کو تمہاری عقل سے تسلیم کر لوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے کہا) اور اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر کوئی بل طلب نہیں کرتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے، اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں، بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو ○ اور اے میری قوم! اگر میں ان (مومنوں) کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا؟ کیا تم غور نہیں کرتے ○ (ہود: ۳۰-۲۹)

تبلیغ دین پر اجر طلب نہ کرنے سے حضرت نوح کا اپنی نبوت پر استدلال

ہود: ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافر سرداروں کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے، ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ آپ کی پیروی تو ہماری قوم کے پس ماندہ لوگ ہی کر رہے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس شبہ کا کئی وجوہ سے جواب دیا:

(۱) میں اللہ کے پیغام پہنچانے اور دین کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں طلب کر رہا نہ کوئی مل و دولت، تنگ رہا ہوں حتیٰ کہ یہ فرق کیا جائے کہ میری پیروی کرنے والا فقیر ہے یا غنی، اس مشکل اور کنھن عبادت پر میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میری پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب۔

(۲) تم میرے ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہو کہ میں غریب آدمی ہوں اور تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کا یہ کام اس لیے شروع کیا ہے کہ میں تم سے مل و دولت حاصل کر کے خوشحال ہو جاؤں، سو تمہاری یہ بدگمانی غلط اور فاسد ہے، کیونکہ میں تم سے دین کا پیغام پہنچانے پر کسی اجر اور معاوضہ کا طلب گار نہیں ہوں، میرا اجر تو صرف اللہ رب العالمین پر ہے تو تم اس بدگمانی کی وجہ سے اپنے آپ کو آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے محروم نہ کرو اور اپنے اجر آخرت کو ضائع نہ کرو۔

(۳) اور تم نے یہ کہا ہے کہ ہم تمہیں صرف اپنی مثل بشر سمجھتے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، اللہ تعالیٰ نے مجھے انواع و اقسام کی فضیلتیں عطا کی ہیں، کیا وجہ ہے کہ میں دنیا کے حصول کی کوئی کوشش نہیں کرتا، میری تمام کوشش اور جدوجہد کا محور صرف دین کی طلب ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا کو ترک کرنا اور اس سے اعراض کرنا تمام فضائل کی اصل ہے۔

مومنوں کو اپنی مجلس سے نہ نکلنے کی وجوہ

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے کافر

سردار نادار مومنوں کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ امام ابن جریر نے ابن جریر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح سے کہا کہ اے نوح! اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان فقراء کو نکال دیں، کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور ہم کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۹۸۹) حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں ان مومنوں کو اپنی مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، نیز وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ فلاح سے آپ کے ساتھ گئے ہوئے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یہ معاملہ اللہ سے ان کی ملاقات ہونے پر کھل جائے گا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی یہ وجہ پیش کی کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس وقت ان کا رب ان کو وہ انعامات عطا فرمائے گا جس کا اس نے ان مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے، اب اگر میں نے ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو وہ اللہ کے سامنے مجھ سے جھگڑا کریں گے، نیز انہوں نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں ان مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا۔ اگر میں نے بالفرض ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر گرفت فرمائے گا اور اس کے مقابلہ میں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، اور یہ وہ تمام اسرار اور رموز ہیں اور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہات ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔

شریعت میں مومن کی تکریم اور کافر کی تذلیل مطلوب ہے

اس کے بعد احمد: ۱۳۰ میں فرمایا، اور اے میری قوم! اگر میں ان مومنوں کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقل اور شرع اس بات پر متفق ہیں کہ نیک اور متقی مسلمان کی تکریم اور تکریم ضروری ہے اور کافر اور فاجر کی توہین کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِيَدِّهِ الْيَوْمَ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ
الْحَسْبُ لِيَوْمَ الْآخِرَةِ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ وَالْآخِرَةُ (الأنعام: ۸)

عزت تو اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔
سواللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا مزہ چکھایا اور یقیناً آخرت کا عذاب سب عذابوں سے بڑا ہے۔

ان (کافروں) کے لیے دیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (البقرة: ۸۳)

اسی طرح احادیث میں بھی مومنوں کی تکریم اور کفار کی تذلیل کا حکم ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمان شخص کی تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۳۰، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۱۶ھ)
دھن بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا، نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے، ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکل دوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور اس صورت میں میں اللہ عزوجل کے عذاب کا مستحق ہوں گا تو پھر بتاؤ مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے (اگر بالفرض میں ایسا کہوں) تو بے شک اس صورت میں میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا (ہود: ۳۱)

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ

دنیا میں قصا کل حقیقہ روحانیہ کا دار تین چیزوں پر ہے: ان میں سے ایک استغناء مطلق ہے اور دنیا میں علوت جا رہی ہے کہ جو شخص مال کثیر کا مالک ہو اس کو غنی کہا جاتا ہے، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں استغناء مطلق کا دعویٰ نہیں کرتا اور دوسری چیز ہے علم میں کمال اور بکمل علم۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں از خود غیب کو نہیں جانتا اور تیسری چیز ہے کمال اور کھل قدرت اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات مقرر ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ طاقت اور قدرت فرشتوں کو ہوتی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اور ان تین چیزوں کی نفی کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان تینوں مراتب سے مجھے وہی کچھ حاصل ہے جو طاقت بشریہ اور قوت انسانیہ کے موافق ہے، یہاں کمال مطلق تو میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ کلام بطور تواضع ہے ورنہ بشمول حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۷ھ لکھتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لیے نہیں کرتے کہ میرے پاس زیادہ مال اور بڑا مرتبہ نہیں ہے تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے حتیٰ کہ تم اس معاملہ میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو، میں نے تو صرف رسالت اور اللہ عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ میں نے یہ کہا ہے کہ میں از خود غیب کو جانتا ہوں حتیٰ کہ تم اس کے مستبعد ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرو، اور میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے آپ سے متعدد غیب کی چیزوں کے متعلق سوال کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کی دلیل کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا اور فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اس میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ ہم آپ کو اپنے جیسا بشری سمجھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی نبوت کو رواج دینے کے لیے یہ نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم یہ کہو کہ آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ بشریت نبوت کے متعلق نہیں ہے، تم نے ان تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے، حالانکہ میں نے ان میں

سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۱ھ)

اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کے حقائق میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کو کم کر دے گا یا ان کے اجر کو باطل کر دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے پس وہ اس کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر بالفرض میں ایسا کہوں تو مجھ میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (نوح نے کہا) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو (اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں اپنی نصیحت سے تم کو قائدہ نہیں پہنچا سکتا جب کہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو، وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو از خود گمراہ کیا ہے؟ آپ کہئے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس کو گمراہ کیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں (محد: ۳۵-۳۲)

جدال کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: جدال کا معنی ہے بحث اور مناقشہ میں فریق مختلف پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ جدلت الحبل کا معنی ہے میں نے رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا، بٹ دیا، اور اجدال طاقت ور شکرے کو کہتے ہیں، اور اسی سے جدال بنا ہے گویا بحث اور مناقشہ کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے کو اس کی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جدال کا معنی پھاڑنا ہے، اور اپنے مخالف کو سخت زمین پر گراانا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۷۷)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں: دین میں جدال کرنا محمود ہے، اسی وجہ سے حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جدال کیا تاکہ حق کا غلبہ ہو اور جس نے ان کے موقف کو قبول کر لیا وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور جس نے ان کے موقف کو مسترد کر دیا وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور ناحق جدال کرنا تاکہ باطل کو غلبہ ہو نہ موم ہے اور ایسا جدال کرنے والا دنیا اور آخرت میں ملامت اور مذمت کیا جاتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے دیئے ہوئے وہ جوابات بیان فرمائے تھے جو انہوں نے کفار کے شبہات میں دیئے تھے، ان کے جوابات پر کفار نے دو اعتراض کیے:

(۱) کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات کو جدال سے تعبیر کیا اور کہا کہ آپ نے بہت زیادہ جدال کیا ہے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے بہت زیادہ بحث فرمائی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کا جدال تو حید، نبوت اور آخرت کو ثابت کرنے کے لیے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا اور شبہات کا ازالہ کرنا یہ وہ جدال ہے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید، جمل اور گمراہی پر اصرار کرنا اور اس پر جدال کرنا کفار کا طریقہ ہے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام ان کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے اس عذاب کو بہ غلبت طلب کیا اور کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: اگر اللہ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو، اس کا معنی یہ

ہے کہ عذاب کو نازل کرنا میری طرف منوٰض نہیں ہے، یہ اللہ کا کام ہے وہ جب چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کفار کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمائے تو پھر گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟

پھر نوح علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں تم کو اپنی نصیحت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب کہ اللہ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر ان کے گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟ نیز جب اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گا کیا فائدہ تھا؟

امام رازی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ بندے سے اس کے کفر کا ارادہ کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے کفر کا ارادہ کرے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو فرمایا تھا وہ ہمارے مذہب کی صحت پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۲-۳۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں نے دیکھا کہ مفسرین میں سے کوئی بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے درپے نہیں ہوا، میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار عطا فرمائے گا، لیکن وہ ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید پر جے رہنے کو اختیار کریں گے اور ہٹ دھرمی سے کام لیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوء اختیار کی بناء پر ان کے حق میں کفر کو مقدر کر دیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر رکھنے کا ارادہ فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ فرمانا ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے ہے، اس لیے قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ جب تو نے ہی ہمیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ہدایت کو قبول نہ کرنے میں ہمارا کیا قصور ہے، اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کے لیے بھیجے کا عبث ہونا لازم آیا، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مسلسل ہدایت دینے کے باوجود انہوں نے اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

انسان کے افعال کی قدرت میں مذہب متکلمین اور جبر اور قدر کی وضاحت

بندے کے افعال پر قادر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متکلمین اسلام کے نظریات مختلف ہیں۔ جبریہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ شجر و حجر کی طرح مجبور محض ہے، اور معتزلہ کا یہ نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے، اور اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا کاسب کرتا ہے اور اس کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور کسب کا معنی اختیار اور ارادہ ہے، جب بندہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندہ کفر یا ایمان میں سے کس کو اختیار کرے گا اور اس کے اختیار کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس کے اندر کفر یا ایمان میں سے کسی ایک کو پیدا کرے گا اور اس کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ عام لوگوں کو تقدیر پر یہ خدشہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ہمارے متعلق یہ لکھ دیا تھا کہ ہم نیک اور بد افعال میں سے کیا کریں گے تو ہم نیکی یا بدی کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جبر اس وقت ہوتا جب ہم کو اختیار نہ دیا جاتا، جبر کی واضح مثال یہ ہے کہ ایک بچہ اپنے اختیار اور ارادہ سے سٹیڈیم میں کرکٹ میچ دیکھنے جانا چاہتا ہے لیکن اس کا باپ اس کو جبراً گھسیٹے ہوئے اسکول لے کر جاتا ہے اور اس کو ہیڈ ماسٹر کے سپرد کر کے آتا ہے کہ ان کو چھٹی سے پہلے اسکول سے نکلنے نہ دے اب جتنے وقت وہ بچہ اسکول میں رہتا ہے اس کا دل و دماغ سچ ہی میں رہتا ہے اور وہ بے دلی سے اسکول میں وقت گزارتا ہے، یہ جبر ہے۔ اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا کہ ہم اپنے

اختیار اور ارادہ سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا چاہتے لیکن کوئی غیبی طاقت ہم کو سینما ڈانس میں قلم دیکھنے لے جاتی اور ہم بے دلی سے قلم دیکھتے اور ہمارا دل اور دماغ نماز اور مسجد میں ہوتا تب تو یقیناً یہ جبر ہوتا لیکن جب کہ ایسا نہیں ہوتا ہمارا دل نماز پڑھنے کو چاہتا ہے تو ہم نماز پڑھتے ہیں اور ہمارا دل قلم دیکھنے کو چاہتا ہے تو ہم قلم دیکھتے ہیں، ہمارے تمام نیک اور بد افعال ہماری خواہش کے مطابق اور ہمارے اختیار اور ارادہ کے موافق ہوتے ہیں تو واضح ہو گیا کہ ہم پر جبر نہیں ہے اور ہم مختار ہیں اور اسی اختیار کی بناء پر ہم کو جزا یا سزا ملتی ہے، ہاں ہم پیدائش اور موت میں مجبور ہیں، ہم اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتے ہیں، نہ اپنے اختیار سے مر سکتے ہیں، نہ اجل آنے پر موت کو موخر کر سکتے ہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر فتنہ شخص خاندانی منصوبہ بندی کی دوائیں اپنی بیوی کو کھلا دیتا تو اس کے استنہ بچے نہ ہوتے یا اگر فلاں شخص کو ہر وقت طبی امداد مل جاتی تو وہ نہ مرتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جن کی پیدائش مقدر کر دی ہے وہ ہر حال میں پیدا ہوں گے اور کوئی دوا یا کوئی طریقہ ان کو پیدا ہونے سے روک نہیں سکتا، اور جس شخص کی موت کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقدر کر دیا ہے کسی دوا یا کسی طریقہ سے اس کو اس وقت کے بعد موت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ ان تعلیم یافتہ لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ جن کاموں میں وہ مختار ہیں مثلاً نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں، ان میں خود کو مجبور کہتے ہیں اور جن امور میں وہ مجبور ہیں مثلاً پیدائش اور موت میں، ان میں خود کو مختار کہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ امور نکو و سبہ میں ہم مجبور ہیں اور امور شرعیہ میں ہم مختار ہیں۔ امور نکو و سبہ سے مراد وہ امور ہیں جن میں ہمارے فعل کا دخل نہیں ہے، مثلاً پیدا ہونا اور پیدائش میں مذکر یا مؤنث ہونا، مرنا، بارشوں کا ہونا، دریاؤں اور سمندروں میں طوفانوں کا آنا، زلزلوں کا آنا، آندھیوں کا آنا، گرمی، سردی اور برسات کے موسموں کا آنا اور امور شرعیہ سے مراد احکام شرعیہ ہیں، جن میں ہمارے فعل کا دخل ہے۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے مرنے والی روگ ایمان لائے والے بچے جو پہلے ایمان لا

أَمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٣﴾ وَاصْنَعِ الْفُلَ

بچے ہیں پس آپ ان کی کارروائی سے منہم نہ ہوں ○ اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی

بَاعَيْنَا وَوَحَيْنَا وَلَا تَحْطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿٣٤﴾

کے موافق کشتی بنائیے، اور ظالموں کے مسلح ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○

وَيَصْنَعِ الْفُلَ ﴿٣٥﴾ وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا

اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے،

مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُونَ مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٦﴾

نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم اب ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو وقت آنے پر ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ○

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

پھر عذاب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کر کے عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۳۲ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ قُلْنَا

عذاب آئے گا ۳۲ حَتَّىٰ کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا تو ہم نے (فرمایا)

أَحْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ

فرمایا: اس کشتی میں ہر قسم کے (زوجہ و زوجہ) جوڑوں کو سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوا ان کے

سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا

جی رکھنے والے کا قبیلہ جو چکا ہے، اور ایمان والوں کو بھی سوار کرو اور ان پر کم لوگ ہی

قَلِيلٌ ۳۳ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرسَهَا

ایمان لائے تھے ۳۳ اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھیکنا اللہ کے نام سے ہے

إِنِّي رَأَيْتُ لُغُورًا رَاجِعًا ۳۴ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ قَفَّ

ہے تک میرا بصر وہ جھٹتے والے پر واپس لوٹ رہا ہے ۳۴ اور وہ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں سے کجا رہی تھی،

وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنَىٰ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھا اے بیٹے ہمارے ساتھ مواد ہو جاؤ اور کافروں

تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۳۵ قَالَ سَأُوۡىٰٓ إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ

کے ساتھ نہ رہو ۳۵ اس نے کہا میں غریب کسی پہاڑ کی چٹان میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچائے گا،

الْمَاءِ ۖ قَالَ لَا عَامِلَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ

نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب کوئی بچائے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر (نوح) اللہ رحم فرمائے، اور

حَالِ يَتَّبِعُهُ الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمَغْرِقِينَ ۳۶

ان دونوں دباپ، بیٹے کے درمیان موج مائل ہوئی سرورہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ۳۶

مَوْجٌ مَّغْفُورٌ يَتَّبِعُ الْمَاءَ وَامَّا الدَّارَةُ ۖ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لائے تھے۔ پس آپ ان کی کلمہ روائی سے مغموم نہ ہوں (ہود: ۳۶)

اختیار کذب اور مسئلہ تقدیر

امام ابن جریر نے قندہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافروں کے خلاف یہ دعا کی:

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مَرَّةً
وَلَا تَجْعَلْ لِي ذُرِّيًّا فَاسِقًا (نوح: ۴۶)

سے کوئی بچے والا نہ چھوڑ۔

(جامع البیان ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۹۹۷)

جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جن کافروں کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ سے ایمان لانا ممکن تھا یا محال تھا اگر ان کا ایمان لانا محال تھا تو یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کسی شخص کو امر محال کے ساتھ حکمت کرنا درست نہیں ہے اور اگر ان کا ایمان لانا ممکن تھا تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا ممکن ہو اور اس کے علم کا جمل ہونا ممکن ہو اور یہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بلذات اور مستبعد بالغیر ہے، اللہ تعالیٰ کی خبر دینے سے قطع نظر فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور اسی لحاظ سے ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس اعتبار سے ان کا ایمان لانا مستبعد بالغیر ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا اور اس کے علم کا جمل ہونا لازم آئے گا اور وہ محال بلذات ہے۔

اور یہاں سے مسئلہ تقدیر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اس نے فرما دیا کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لائے تھے۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ ۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیے، اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے (ہود: ۳۷)

جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتا دیا کہ ان کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو عذاب دینے والا ہے اور چونکہ عذاب کئی طریقوں سے آسکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو یہ بتایا کہ وہ عذاب از قبیل غرقابی ہو گا اور غرقابی اور ڈوبنے سے نجات کی صورت صرف کشتی سے ہو سکتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ امر اباحت کے لیے تھا یا وجوب کے لیے، صحیح یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے تھا کیونکہ اس وقت جان بچانا صرف کشتی کے ذریعہ ممکن تھا اور جان بچانا واجب ہے اور جس پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے اس لیے کشتی کا بنانا واجب ہے۔ اور اس قلمدہ پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی مسلمان ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر فلاں شخص

کے جسم میں خون نہ پہنچایا گیا تو وہ مر جائے گا تو اس کے جسم میں خون نفل کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا بغیر آپریشن کے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو اور مسلمان ماہر ڈاکٹریہ کے کہے کہ اب اس کے پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہیں ہے تو اس کی نفل بندی کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کے دونوں گردے نکال دیے گئے ہوں اور اس کو صحیح کردہ فراہم کر دیا جائے تو اس کی جان بچانے کے لیے اس پر واجب ہے کہ وہ اس گردے سے پیوند لگوائے، تاہم ہمارے نزدیک کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیوند کاری کے لیے اپنا گردہ نکلا کر کسی کو پیوند کرے۔ بعض علماء نے پیوند کاری کے لیے اپنے اعضاء نکالوانے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام عبد اللہ بن احمد اور امام طبرانی نے ان الفاظ سے یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے جسم سے کسی چیز کو صدقہ کیا اس کو بقدر صدقہ اجر دیا جائے گا۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۲، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۹۵)

البتہ امام احمد نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو جتنا وہ صدقہ کرے گا اللہ اتنا اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے گا (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۹، طبع قدیم، مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث: ۷۳۰۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص پر ظلم کیا اور اس کا کوئی عضو کاٹ کر اس کی منفعت زہا نکل کر دی اور اس مظلوم نے اس ظالم کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بقدر جنائیت اجر عطا فرمائے گا، امام احمد کی سند صحیح ہے۔ ہمارے نزدیک کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی عضو نکلا کر کسی شخص کو پیوند کر دے، کیونکہ کوئی شخص اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو ہلاکت میں یا ہلاکت کے خطرہ میں ڈال دے۔ شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں ہم نے اعضاء کی پیوند کاری پر تفصیل سے بحث کی ہے، البتہ اگر کسی شخص کو کوئی عضو دے دیا گیا ہو اور اس کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لیے اس پر واجب ہے کہ وہ اس عضو سے پیوند کاری کرائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات میں متاخرین کا مسلک

اس آیت میں فرمایا ہے: واصبح المملکة ما عیسٰ ہمارے آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے۔ ”اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھوں کے ثبوت کا ذکر ہے۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: دلائل قطعیہ عقیدہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء، جوارح، اجزاء اور حصوں سے منزہ ہے لہذا اس آیت کی تویل کرنا واجب ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

- (۱) اس سے مراد ہے کہ آپ فرشتوں کی آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے جن کو معلوم ہے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے۔
- (۲) کسی چیز پر آنکھ رکھنا اس کی حفاظت کرنے سے کہلایہ ہے، اور اس آیت کا معنی ہے آپ ہماری حفاظت میں کشتی بنائیے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانی اعضاء اور ان کے عوارض اور سوازم کا ذکر ہے، جیسے یہ (ہاتھ، ساق، پنڈلی، عین، آنکھ) اور احادیث میں ہے: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں، وہ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، ائمہ حقہ میں کاغذ ہب پڑھا کہ یہ سب اللہ کی صفات ہیں اور ان کی کیفیت کا اللہ ہی کو علم ہے لیکن اس

کی یہ صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں مثلاً اس کا ہاتھ ہے لیکن وہ کیسا ہاتھ ہے؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے تاہم اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں ہے اور متاخرین علماء نے یہ سمجھا کہ ان صفات کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لیے انہوں نے ان صفات میں تلویطات کیں اور کہا کہ مثلاً یہ (ہاتھ) سے مراد قدرت اور غلبہ ہے اور عین (آنکھ) سے مراد حفاظت ہے، اور جملہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، اس سے مراد ہے اس کی رحمت نازل ہوتی ہے، علیٰ ہذا القیاس، اب ہم اس مسئلہ میں ائمہ حقدمین کے مذاہب بیان کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات قشائہات میں حقدمین کا مسلک

امام ابو حنیفہ نعمان بن حنبلہ متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے، نہ کوئی ضد ہے، نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی مثل ہے، اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، پس وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں، اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔ (فقہ اکبر مع شرح ص ۳۶-۳۷ مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ)

الامام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ ثم استوی علی العرش کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلی اور مقابل نے کلمہ استوی کا معنی استقرع ہے (رخمن عرش پر برقرار ہے) ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے عرش پر چڑھا اور معزلہ نے الاستواء کی تلویل استیلاء سے کی ہے (وہ عرش پر غالب ہے) اور رہے اہلسنت تو وہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیف ہے، انسان پر واجب ہے کہ وہ استواء پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ ایک شخص نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: الرحمن علی العرش استوی کہ استواء کی کیا کیفیت ہے۔ امام مالک نے تھوڑی دیر میں جواب دیا اور ان کو ہمیشہ آگیا پھر انہوں نے کہا: استواء کا معنی معلوم ہے (مقتدل و مستقیم ہو کر بیٹھنا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرے گمان میں تم محض گمراہ ہو، پھر امام مالک کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا۔ اور سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک اور ان کے علاوہ دیگر علماء اہلسنت سے صفات قشائہات کے متعلق مروی ہے کہ جس طرح یہ صفات وارد ہوئی ہیں ان کو اسی طرح بلا کیف ماننا چاہیے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی النخعی المتوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر متعدد جگہ بحث کی ہے، اگر ان تمام بحث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل اور مفصل کتاب بن سکتی ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا جس صفت کے ساتھ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کیا ہے، اور قرآن اور حدیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اور سلف کا مذہب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وہی صفت بیان کرتے تھے جو اللہ نے خود اپنی صفت بیان کی ہے یا جو صفت اس کے رسول نے بیان کی ہے، بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور بغیر کسی تکسیف اور تمثیل کے (تحریف سے مراد ہے مثلاً ہاتھ سے مراد قوت اور نعمت لینا اور تعطیل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرنا اور کہنا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہے، اور

تکسیر سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ اس کیفیت کا ہے یا وہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے یا وہ آسمان دنیا کی طرف اس طرح نازل ہوتا ہے اور تمثیل سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مثل ہے، اور یوں ایمان رکھا جائے کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور وہ کیسا ہے اور کس طرح ہے یہ ہم کو معلوم نہیں ہے، البتہ وہ مخلوق میں سے کسی کی مثل نہیں ہے، وہ ہاتھ اس طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، ہم کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی ہے وہ برحق ہے، اس میں کوئی پہلی یا بجاہد نہیں ہے اور اس کے باوجود اللہ سبحانہ کی کوئی مثل نہیں ہے، اس کی ذات کی کوئی مثل ہے نہ اس کے اسماء اور صفات کی اور نہ اس کے افعال کی، پس جس طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی ذات اور اس کے افعال کی حقیقت ہے اسی طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی صفات بھی حقیقی ہیں اور اس کی ذات، اور اس کی صفات کی اور اس کے افعال کی کوئی مثل نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو کسی نقص یا حدوث کو واجب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے حقیقاً منزہ ہے اور اللہ سبحانہ اس کمال کا مستحق ہے جس سے بڑھ کر کمال متصور نہیں ہے۔

اور سلف کا مذہب تعطیل اور تمثیل کے درمیان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے، اور اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کرتے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی علی صفات کو معطل نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو ان کے معانی سے موڑ کر تحریف کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی آیات میں الحاد کرتے ہیں۔

جو علماء اللہ تعالیٰ کی صفات کو معطل کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا وہی معنی سمجھتے ہیں جو معنی مخلوق کی صفات کا ہے، پس جب کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہو تو لازم آئے گا یا تو وہ عرش سے اکبر ہو یا اصغر ہو یا مساوی ہو اور ان میں سے ہر صورت محال ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کا وہی معنی سمجھا ہے جس طرح ایک جسم دوسرے جسم کے اوپر ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا وہ معنی لیا جائے جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے تو پھر یہ خرابی لازم نہیں آتی، اور ان کا یہ استدلال تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس جہان کا کوئی بنانے والا ہے تو پھر وہ جو ہر ہے یا عرض ہے کیونکہ ہر موجود جو ہر ہے یا عرض ہے اور ان دونوں کا صانع اور خالق ہونا محال ہے تو پھر ثابت ہوا کہ اس جہان کے لیے کسی خالق کا ہونا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر اس استواء کے ساتھ مستوی ہے جو اس کی شانِ جلال کے موافق ہے اور اس کے ساتھ نقص ہے، پس جس طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اسی طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کے اثبات سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم اور قدرت کے جو مخلوق کے عوارض ہیں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے لازم آئے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے استواء کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کے استواء کے جو عوارض ہیں، ان کا ثبوت اللہ کے لیے لازم آئے، اور اللہ عز وجل عرش کے اوپر ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخلوق میں سے کوئی چیز دوسرے کے اوپر ہوتی ہے اور یاد رکھو کہ سلف کے طریقہ کی مخالفت پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔

(مجموعہ الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱-۴۰، مطبوعہ داراللیل بیروت ۱۳۱۸ھ)

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی وہ آیات اور وہ احادیث پیش کریں جن میں ان صفات کا ذکر ہے جن کو حنفیہ میں بغیر

کسی تاویل کے مانتے ہیں اور متاخرین ان میں تاویل کرتے ہیں اور ان کی عقلی توجیہات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔
اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سب سے سنے والا دیکھنے والا ہے۔
(الشوری: ۱۱)

اللہ عزوجل سنے والا ہے اور دیکھنے والا ہے لیکن اس کا سنا اور دیکھنا اپنی شان کے مطابق ہے۔ وہ مخلوق کی طرح کانوں سے نہیں سنتا اور نہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

وَهُوَ يَكِيلُ شَيْءًا عَلِيمٌ۔ (الحمد: ۱۳)
اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

اللہ عالم ہے، لیکن اس کا علم اس کی شان کے مطابق ہے، مخلوق کی طرح نہیں کہ ذہن میں کوئی چیز منکشف ہو یا قوت مدد کے سامنے کوئی چیز حاضر ہو، یا مدد رک کے سامنے حالت اور اکیہ یا حالت انجامید ہو یا عقل میں کسی چیز کی صورت حاصل ہو۔

وَهُوَ الرَّحِيمُ۔ (یوسف: ۶۴)
وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے لیکن اپنی شان کے مطابق رحم فرماتا ہے، اس کا رحم مخلوق کی طرح نہیں کہ دل میں رقت پیدا ہو۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ
جس شخص نے کسی مومن کو عداقت کیلئے اس کی سزا جنم
ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ اس پر غضب فرماتا ہے اور اس
پر لعنت فرماتا ہے۔ (النساء: ۳۳)

اللہ اپنی شان کے لائق غضب فرماتا ہے، مخلوق کے غضب کی طرح نہیں کہ خون جوش مارنے لگے اور بلند پریشانی ہو جائے۔

وَجَاءَ رُكُوكُكَ وَالْمَلَكُ صَبًا صَفًا
اور آپ کا رب آیا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوئے۔
(النجم: ۲۲)

اللہ کا آنا بھی اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کے آنے کی طرح نہیں ہے کہ جہاں پہلے نہ ہو وہاں چل کر آجائے۔

وَيَسْفَى وَجْهَ رَبِّكَ۔ (الرحمن: ۲۷)
اور آپ کے رب کا چہرہ ہلکی رہے گا۔
اللہ تعالیٰ کا چہرہ اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کے چہرے کی طرح نہیں جو جسمانی سادت کو مستلزم ہے۔
وَأَصْبَرَ لِحُكْمِكُمْ رَبِّكَ قَائِمًا عَابِسًا۔
آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کریں کیونکہ آپ ہماری
(الطہ: ۳۸) آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آنکھیں اس کی شان کے لائق ہیں، مخلوق کی آنکھوں کی طرح نہیں جو جمیعت کو مستلزم ہیں۔
مَا مَبْعَدُكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدٍ۔
تجھ کو جس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے
(ص: ۷۵) اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اس کی شان کے لائق ہیں مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں جو جسم کے اجزاء اور اعضاء ہیں۔
الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى۔ (طہ: ۵)
رحمن فرش پر بیٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے بیٹھنے کی طرح نہیں ہے جو جسمانی وضع کو مستلزم ہے۔
وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْوِيْمًا۔ (النساء: ۶۴)
اور اللہ نے موسیٰ سے بکھرت کلام فرمایا۔

اللہ کا کلام کرنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے جو زبان اور ہونٹوں کی حرکت اور آواز کو مستلزم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات تشابہات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب آخری تنہائی حصہ ہوتا ہے تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۸۸)

اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر اترنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے اترنے کی مثل نہیں ہے جو جسم ہونے کو مستلزم ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ دو آدمیوں کی طرف (دیکھ کر) ہنستا ہے، ان میں سے ایک دو سرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ فرمایا: ایک شخص اللہ کی راہ میں قتل کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے، پھر اللہ اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، پس وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کر کے شہید ہو جاتا ہے۔ (جیسے حضرت حمزہ اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہما) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کا بھائی بیمار ہو وہ یہ دعا کرے: اے ہمارے رب اللہ جو آسمان میں ہے، تیرا نام مقدس ہے، تیرا حکم آسمان اور زمین میں ہے، جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے، تو اپنی رحمت زمین میں کر دے، ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے، تو پاک لوگوں کا رب ہے، اپنی رحمت میں سے رحمت نازل فرما اور اس تکلیف پر اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما۔ پھر وہ شخص تندرست ہو جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کی طرح نہیں کہ آسمان اس کے لیے طرف بن جائے۔
حضرت معلویہ بن حکم سلمیٰ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، انہوں نے غصہ میں اپنی ایک باندی کے تھپڑ مار دیا، پھر وہ اس پر سخت نادم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: اس باندی کو میرے پاس لاؤ، میں اس کو لے کر آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ پھر فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو، یہ مومن ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۱۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۱۸)
اس حدیث کا بھی یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان میں ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کشتارہ رقیلے نالہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک ہادل گزرا، آپ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا: تم اس کو کیا کہتے ہو؟ ہم نے کہا: صحاب۔ آپ نے فرمایا: اور مزین؟ ہم نے کہا: مزین۔ (ان تمام لفظوں کا معنی ہادل ہے) آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا: ان کے درمیان اکثر یا بستر یا تتر سال کی مسافت ہے۔ (ترمذی کی روایت میں ہے پانچ سو سال کی مسافت ہے) اسی طرح آپ نے سات آسمانوں کو گنا اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے، اس کی گہرائی کا اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، اور اس کے اوپر پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں ان کے کھروں اور گھنٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، پھر ان کی پشتوں کے اوپر عرش اور اس کے نیچے حقے اور اوپر کے حقے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۷۲۳ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۳۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۹۴۳ مسند احمد ج ۱)

ص ۲۰۷-۲۰۸

اللہ تعالیٰ کا عرش کے اوپر ہونا اس کی شان کے موافق ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جہنم یہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہیں! پھر اللہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا پھر وہ کہے گی: بس بس! (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۸۳۸)

اللہ تعالیٰ کا قدم اس کی شان کے موافق ہے اور قدم سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ یہ وہی چاہتا ہے۔

متاخرین کے اختلاف کا منشاء

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، فقہاء مجتہدین اور تمام حنفیہ علماء کا یہی نظریہ تھا کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات تشابہات کا ذکر ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اس کی کوئی صفت مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے اور اس صفت سے اس کی کیا مراد ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن متاخرین علماء نے جب یہ دیکھا کہ مخالفین اسلام ان صفات کی وجہ سے اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خدا کے ہاتھ اور پیر ہیں، اس کا چہرہ ہے اور اس کی آنکھیں ہیں، وہ ہنستا ہے، وہ چلتا ہے اور نیچے اترتا ہے اور یہ تمام چیزیں جسم کے عوارض ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا خدا جسم ہے اور ہر جسم حادث اور ممکن ہوتا ہے تو مسلمان حلوٹ اور ممکن کو خدا مانتے ہیں۔ پس متاخرین علماء نے ان اعتراضات کو دور کرنے کے لیے ان صفات کی تالیس کیس اور ان کے محال بیان کیے۔ انہوں نے کہا: ہاتھ سے مراد قوت اور نعمت ہے، آنکھوں سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، کشف ساق، (الہم: ۳۲) پنڈلی کھولنے سے مراد قیامت کی شدتیں اور ہولناکیاں ہیں، اسی طرح انہوں نے جہنم میں قدم رکھنے کی یہ تالیس کی کہ کسی چیز کو اپنے قدم کے نیچے رکھنے سے مراد اس چیز کو ذلیل کرنا ہوتا ہے اور یہاں یہ مراد ہے کہ جب جہنم تیزی اور طراری دکھائے گی اور کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا ہنسنے سے مراد اس کا راضی ہونا ہے اور اترنے سے مراد اس کی رحمت کا متوجہ ہونا ہے، سو متاخرین علماء نے اسی قسم کی تالیفات کر کے اسلام سے اعتراضات دور کرنے کی سعی کی، فحراہم اللہ تعالیٰ عساو عن سائر المسلمین حشر الحزاء۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۷۷ھ شرح عقائد میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے (جسم سے) منزہ ہونے پر

دلائل قطعیہ قائم ہیں اس لیے نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا واجب ہے جیسا کہ حقد میں کا طریقہ ہے، کیونکہ اسی میں سلامتی ہے یا ان کی صحیح تویلات کی جائیں جیسا کہ متاخرین علماء نے جاہلوں کے اعتراضات دُور کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تاکہ جو کم علم مسلمان ہیں وہ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں۔ (شرح عقائد نسفی ص ۳۴ مطبوعہ کراچی)

علامہ عبد العزیز پرہاروی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ علماء اہلسنت کا اشل پر اجماع ہے کہ ان صفات متشابہات کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، پھر ان میں علماء کے دو مذہب ہیں: حقد میں کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسم کی مشابہت سے منزہ ہے، ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان صفات سے کیا مراد ہے اور یہ صفات کس کیفیت سے ہیں اس کو ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے کہا: پیروں پر قائم ہونا اور ہاتھ اور پیر اور پائی وہ تمام صفات جن کا قرآن اور حدیث میں ذکر ہے وہ سب اللہ سبحانہ کی صفات ہیں جن کی حقیقت کا ہم کو علم نہیں ہے، اور فقہ اکبر میں امام اعظم کی طرف یہ منسوب ہے کہ ان صفات کی تویل کرنے سے ان صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ معتزلہ کا قول ہے اور دو سرائذ مذہب متاخرین کا ہے جو ان صفات کی اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق تویل کرتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ میں مذہب اسلام پر اعتراض کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو شکوک اور شبہات میں ڈالتے تھے۔ (نبراس ص ۱۸۶-۱۸۵ مطبوعہ شہ عبدالحق اکیڈمی بنوریال، ۱۳۳۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کشتی بنارہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم (اب) ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ○ پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر دُسا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب آئے گا ○ (حود: ۴۸-۴۹)

کشتی بنانے کی کیفیت عباس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی ضلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کشتی کی کیا تعریف ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے، میں اپنے عبادت گزاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا اور بے شک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! لکڑی کہاں ہے؟ فرمایا: تم درخت آگاہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیس سال تک ساگوں کے درخت آگاہے، اس عرصہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو دعوت و تارک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ کرنا چھوڑ دیا، البتہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور تنکھائیں، پھر حضرت نوح نے پوچھا: اے میرے رب! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟ فرمایا: اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کے لیے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں، کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب جہت شدید ہے۔ پھر حضرت نوح نے اُجرت پر کچھ لوگوں کو کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سے سام، حام اور یافث بھی ان کے ساتھ کشتی بنارہے تھے۔ انہوں نے وہ کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کشتی کی تین منزلیں تھیں، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے، دوسری منزل میں چوپائے اور

دوسرے حیوان تھے اور سب سے اوپر تیسری منزل میں حضرت نوح اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ قلدہ نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔ ابن جریر نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ، اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تین ہاتھ تھا۔ اس کی بلائی منزل میں پرندے، درمیانی منزل میں حضرت نوح اور ایمان والے تھے اور اس کی چلی منزل میں درندے تھے۔ (زاوالمہرج ۳ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کشتی بنانے میں کتنا عرصہ لگا؟ اس میں بھی کئی اقوال ہیں۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے چالیس سال میں کشتی بنائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو سال میں کشتی بنائی اور کعب سے روایت ہے کہ چالیس سال میں کشتی بنائی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام غزالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کشتی کے ساز میں جو مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں (اسی طرح اس کو بنانے کی مدت میں) ان کی معرفت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کی معرفت میں کوئی فائدہ ہے اور اس میں غور و فکر کرنا فضول ہے جبکہ ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے جس سے صحیح مقدار یا صحیح مدت معلوم ہو سکے، اور جس چیز کا ہمیں علم ہے وہ یہ ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والے آسکیں، اور جن جانوروں کو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے وہ بھی اس میں آسکیں، کیونکہ یہ چیز ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہے، رہا یہ کہ اس کا ساز کیا تھا اور اس کو بنانے میں کتنی مدت لگی؟ اس کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ

نوح علیہ السلام جب کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم کے کافر سردار ان کو کشتی بنانا دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

امام غزالدین رازی نے ان کے مذاق اڑانے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

- (۱) وہ یہ کہتے تھے کہ اے نوح! تم رسالت کا دعویٰ کرتے تھے اور بن گئے بڑھئی۔ (ورکھان)
- (۲) اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم کو کشتی بنانے کی مشقت میں نہ ڈالتا۔
- (۳) اس سے پہلے انہوں نے کشتی نہیں دیکھی تھی نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ کشتی کس کام آتی ہے اس لیے وہ اس پر تعجب کرتے تھے اور جنتے تھے۔

(۴) وہ کشتی بہت بڑی تھی اور جس جگہ وہ کشتی بنا رہے تھے وہ جگہ پانی سے بہت دُور تھی اس لیے وہ کہتے تھے یہاں پر پانی نہیں ہے اور اس کشتی کو دریاؤں اور سمندر کی طرف لے جانا تمہارے بس میں نہیں ہے، اس لیے ان کے خیال میں اس جگہ کشتی بنانا محض بے عقلی کا کام تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۵)

حضرت نوح علیہ السلام کے جو ابا مذاق اڑانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا: نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے، اس کی

حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) تم ہمارے کشتی بنانے کا مذاق اڑا رہے ہو، ہم تمہارے غرق ہونے کا مذاق اڑائیں گے۔

(۲) تم ہمارا دنیا میں مذاق اڑا رہے ہو، ہم تمہارا آخرت میں مذاق اڑائیں گے۔

(۳) تم ہمیں جہل کہتے ہو حالانکہ تم خود اپنے کفر سے اللہ کی ناراضگی مول لینے سے اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے جہل ہو، تو تم مذاق اڑائے جانے کے زیادہ لائق ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مذاق اڑانا تو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اڑانا دراصل ان کے مذاق اڑانے کا بدلہ اور سزا تھی اور اس پر مذاق اڑانے کا اخلاق صورتاً ممانعت کی وجہ سے کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

جَعَزْنَا بِكَ يَٰ نُوحُ ۖ فَتَوَلَّاهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰)

مڑائی کا بدلہ اسی کی مثل مڑائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپنچا اور تور اُٹھنے لگا تو ہم نے (نوح سے) فرمایا: اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوا ان کے جن (کو فرق کرنے) کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ایمان والوں کو بھی سوار کر لو، اور ان پر کم لوگ ہی ایمان لائے تھے ○ (ہود: ۴۰)

تور کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تور اُٹھنے لگا۔ تور کے متعلق کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس، حسن اور مجاہد کا قول ہے: اس سے مراد روٹی پکانے کا تور ہے، پھر ان کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ حضرت نوح علیہ السلام کا تور تھا، بعض نے کہا: یہ حضرت آدم کا تور تھا اور بعض نے کہا: یہ حضرت حواء کا تور تھا اور بعد میں حضرت نوح کا تور ہو گیا۔ پھر اس تور کی جگہ میں اختلاف ہے۔ شعبی نے کہا: یہ کوفہ کی ایک جانب تھا، حضرت علی نے کہا: یہ کوفہ کی ایک مسجد میں تھا اور اس مسجد میں ستر غیوں نے نماز پڑھی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تور شام میں ایک جگہ پر تھا جس کا نام عین الوردان ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تور ہند میں تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک عورت تور میں روٹیاں پکا رہی تھی، اس نے حضرت نوح کو تور سے پانی نکلنے کی خبر دی تو حضرت نوح نے اسی وقت کشتی میں تمام چیزیں رکھنی شروع کر دیں۔

(۲) تور سے مراد ہے سطح زمین اور عرب سطح زمین کو تور کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَتَّحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّثَرٍّ رَوَّاحًا ۖ فَجَعَلْنَا الْأَرْضَ عَيْوُنًا فَالْيَمُّ يَلْقَى الْمَاءَ ۖ يَحْمِلُهَا آمِبًا ۖ قَدْ قُدِّرَ ۚ (الزمر: ۶۷-۶۸)

(۳) تور سے مراد ہے زمین کی مکرم اور بلند جگہ اور زمین کی بلند جگہ سے پانی نکلا تو اس کی بلندی کی وجہ سے اس کو تور کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ تور سے مراد روٹیوں کا تور لیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۷-۳۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت نوح کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہر جاندار سے نر اور مادہ کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیا جائے، سو ایسا ہی کیا گیا اور فرمایا: اور ایمان والوں کو بھی، اور ایمان لانے والے کم تھے۔ امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایمان والوں کی تعداد میں آٹھ اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اہل سمیت یہ اسی (۸۰) افراد تھے۔

(۲) یوسف بن مران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھ اسی (۸۰) انسانوں کو سوار کیا، تین ان کے بیٹے تھے اور تین ان کے بیٹوں کی بیویاں تھیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی۔
(۳) ابو صلح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اسی (۸۰) انسان تھے۔ مقاتل نے کہا: چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔

(۴) ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: کل چالیس نفر تھے۔

(۵) ابونیک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: تیس مرد تھے۔

(۶) قرطبی نے کہا: حضرت نوح اور ان کی بیوی، ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں کل آٹھ نفر تھے۔

(۷) کل سات نفر تھے: حضرت نوح، تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں، یہ اٹھس کا قول ہے۔

(۸) ابن اسحاق نے کہا: عورتوں کے علاوہ دس نفر تھے۔

(ازاد المسیر ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے ان تین بیٹوں کے نام سام، حام اور یافث تھے جو کشتی میں سوار ہوئے۔ ایک ٹیٹا کنعان تھا وہ ایمان نہیں لایا اور کشتی میں سوار نہیں ہوا اور ڈوب گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی اور کشتی میں سوار نہیں ہوئی اور ڈوب گئی۔ زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والے اسی (۸۰) نفر تھے، لیکن اس کی صحیح تعیین معلوم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چہنار اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے، بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے (حدود: ۴۱)
ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ کا نام لینا

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرے تو کام کو شروع کرتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کرے حتیٰ کہ اس ذکر کی برکت سے اس کا مقصود پورا ہو جائے اور خصوصاً کسی سواری پر بیٹھتے وقت۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ الخرف: ۳۳-۳۴ میں آئے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ ذی شان کام جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ نامتہم رہتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۷۷، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۸۸۳ کنز الجمل رقم الحدیث: ۶۳۳۵ حنفی سیوطی کی رمز کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے)

اللہ کے نام سے مراد اللہ کا ذکر ہے، اس طرح اس حدیث کی درج ذیل حدیث سے موافقت ہو جاتی ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ذی شان کام جو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا گیا ہو وہ نامتہم رہتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۸۴۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: (۱۳) الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ کلام یا ہر وہ کام جو اللہ کے ذکر سے نہ شروع کیا جائے وہ نامتہم رہتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹)

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر متنبہ فرمایا کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام کی برکت اور اس کے حکم اور اس کی قدرت سے ہے اور یہ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے قوم کو یہ خبر دی کہ یہ کشتی نجات کے حصول کا سبب نہیں ہے، بلکہ نجات تو صرف اللہ کے فضل سے ہوگی، اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کرے اور نہ ظاہری اسباب پر اعتماد کرے بلکہ تمام چیزوں سے صرف نظر کر کے سبب الہی اسباب پر اعتماد اور توکل کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھلے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو ○ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی پہاڑی میں آ جاؤں گا جو مجھے بچالے گا نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچالے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر (خود) اللہ رحم فرمائے اور ان دونوں (باپ، بیٹے) کے درمیان موج مائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ○ (هود: ۴۲-۴۳)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے خود یہ دعا فرمائی تھی:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۙ وَأَنْتَ الْكَافِرِينَ ۖ رَبِّ اے میرے رب! کافروں میں سے کسی کو زمین پر نہ چھوڑ۔

(نوح: ۳۶) چھوڑ۔

پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کے کفر کے باوجود کیوں پکارا؟ اس کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے ان کا بیٹا منافق ہو، حضرت نوح کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا ہو اور درحقیقت کافر ہو۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ وہ کافر ہے لیکن ان کو یہ گمان تھا کہ جب وہ طوفان کی ہولناکیوں اور اس میں غرق ہونے کے خطرہ کا مشاہدہ کرے گا تو ایمان لے آئے گا لہذا انہوں نے جو کہا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ، ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لیے تھا۔

نیز فرمایا: جب کہ وہ ان سے الگ تھا اس کا ایک عمل یہ ہے کہ وہ کشتی سے الگ تھا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ پہاڑ کی پہاڑی کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا اس کا دوسرا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا، اس کا تیسرا عمل یہ ہے کہ وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا ہوا تھا اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ایمان لے آئے، کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے، اسی لیے انہوں نے اس کو نوح کی تھی اور فرمایا تھا: اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

جب حضرت نوح کے بیٹے نے کہا: پہاڑ مجھے بچالے گا تو حضرت نوح علیہ السلام نے متنبہ فرمایا: تم نے غلط کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَالْيَسَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان ختم جا، اور پانی خشک کر دیا گیا

وَقُضِيَ الْأَمْرُ دَاوُودَ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدَ الْقَوْمِ

اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے (رحمت سے) دور

الظالمين ﴿۳۳﴾ وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ

دوری ہے ○ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا سو کہا بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً

وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۳۴﴾ قَالَ يَنْوَحُ إِنَّهُ لَيْسَ

تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے ○ واللہ لے فرمایا اے نوح! وہ آپ کے

مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ

اہل سے نہیں ہے بیشک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو

بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ

علم نہیں ہے بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ آپ) انہوں میں سے نہ ہو جائیں ○ واللہ نے عرض کیا کہ بیشک آپ

إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي

میں (اس سے) تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کر دوں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے

وَتَرْمِي أَكُنْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۳۶﴾ قِيلَ يَنْوَحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا

اور تجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ○ حکم دیا گیا کہ اے نوح! کشتی سے اتر جاؤ ہماری طرفت سلامتی کے ساتھ

وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ ۖ وَأَمْرٌ وَسْطَهُمُ

اور ان بزرگوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اہل ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں، اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جنہیں ہم عارضی طور پر

تَحْرِيسُهُمْ مِّنْ عَذَابِ الْيَمِّ ﴿۳۷﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا

پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے (مذاک) خدا ہی پہنچے گا ○ یہ (واقعات) امن جملہ غیب کی خبروں سے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف

إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۖ

وحی کرتے ہیں، جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم،

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾

پس صبر کیجئے بے شک نیک انجام متقین کے لیے ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نکل لے، اور اے آسمان تقم جاہ اور پانی خشک کر دیا گیا اور کلام پورا کر دیا گیا اور کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے (رحمت سے) دوری ہے (ہود: ۳۳) مشکل الفاظ کے معنی

ابلعی ماء ک: تم سے جو پانی پھوٹ کر نکلا ہو اس کو پی لویا نکل لو۔

اقلعی: بارش برسانا موقوف کر دو۔ عبض کا معنی ہے کم ہو گیا یہاں مراد ہے پانی خشک ہو گیا۔

قصی الامر: تقدیر میں لکھا ہوا پورا ہو گیا یعنی حضرت نوح کی قوم کے کافروں کا ہلاک ہونا اور مومنوں کا نجات پانا۔

جودی: یہ ایک پہاڑ ہے جو کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے، یہ علاقہ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک ہے اور جبل الجودی اسی سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے، یہ پہاڑ آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔ (تفسیر القرآن مج ۲ ص ۳۴)

اللہ اور اس کے رسول کا جملوات کو خطاب کرنا

اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنا پانی نکل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ وہ بارش برسانا موقوف کر دے، اس سے معلوم ہوا کہ زمین اور آسمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ اطاعت غیر اختیاری ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کائنات میں جو بھی تغیرات اور حوادث وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ سب اللہ عزوجل کے احکام کے تحت ہوتے ہیں، زمین اور آسمان کو ندا کر کے جو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خطاب مجازی ہے کیونکہ زمین اور آسمان جملوات میں سے ہیں اور ان میں سننے اور سمجھنے کی خاصیت نہیں ہے لیکن یہ ہماری سوچ اور ہماری فکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سننے اور سمجھنے کی ایسی خاصیت رکھی ہو جس کا ہمیں ادراک نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا میں کیسے پہچانوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے درخت کے خوشے کو بلاؤں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو پھر! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے خوشے کو بلایا، تب وہ خوشہ درخت سے اتر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گر گیا پھر آپ نے فرمایا: لوٹ جاہ تو وہ اسی طرح لوٹ گیا تو وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸، المعجم الکبریٰ ج ۱ ص ۹۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۶۳۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۶۳۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۵۳۰، دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ ص ۲۹، دلائل النبوة للبیہقی ج ۶ ص ۱۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۱، دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جملوات میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہو، اور صرف وہی ان سے کلام کر سکتے ہوں، آخر اللہ کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام کائنات کے لیے تھی اور ہر چیز آپ کی رسالت کی گواہی دیتی تھی اور اول الذکر حدیث سے یہ معلوم ہوتا

ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے خوشے بھی آپ کی اطاعت کرتے تھے تو اگر ہم آپ کی اطاعت نہ کریں تو ہم ان درختوں سے بھی گئے گزرے ہوئے۔

جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ جلد سے روایت کرتے ہیں: جودی ایک جزیرہ میں پہاڑ ہے، سب پہاڑ غرق ہو گئے تھے یہ پہاڑ اپنی تواضع اور عجز کی وجہ سے غرق ہونے سے بچ رہا، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی جگہ ٹکرائی اور اسی جگہ قلابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ماہ تک کشتی یہیں لگی رہی، کشتی سے سب اتر گئے اور لوگوں کی عبرت کے لیے کشتی ثابت و سالم یہیں رکی رہی، حتیٰ کہ اس امت کے اداکن میں سے لوگوں نے بھی اس کو دیکھ لیا، حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط کشتیاں بنیں، مگر اس اور راکھ ہو گئیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام سمیت اسی (۸۰) انسان تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔ وہ کشتی چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں جا کر وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوسے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے، وہ ایک مردار کو کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور بنیوں میں مٹی لے کر آیا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنیاد رکھ دی۔ ایک دن صبح کو جب لوگ بیدار ہوئے تو ہر شخص کی زبان بدلی ہوئی تھی، وہ اسی (۸۰) قسم کی زبانیں بول رہے تھے، ان میں سب سے بہتر زبان عربی تھی، اور کوئی شخص دوسرے کا کلام سمجھ نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وہ سب زبانیں سکھادیں اور آپ ہر ایک کو دوسرے کا مطلب سمجھا رہے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۲۰۳-۲۰۸ جامع البیان رقم الحدیث: ۳۰۵۶۳-۳۰۵۶۴ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۱)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یکم رجب کو حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور انہوں نے اور سب مسلمانوں نے روزہ رکھا اور چھ ماہ تک کشتی ان کو لے کر سفر کرتی رہی اور محرم تک سفر جاری رہا اور دس محرم کو وہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹکرائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے خود روزہ رکھا اور کشتی میں سوار سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ وحشی جانوروں اور چوپایوں نے بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۰۴۲ الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۳۸ مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۷ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ یودیوں کے پاس سے گزر ہوا جنہوں نے دس محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا: یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس دن میں اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو غرق سے نجات دی تھی اور اسی دن میں فرعون غرق ہوا تھا اور اسی دن میں حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تھی تو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھا تھا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حضرت موسیٰ کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں اور اس دن کا روزہ رکھنے کا (بھی) زیادہ حق دار

ہوں، پھر آپ نے اپنے اصحاب کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۰-۳۵۹)

تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف

جودی پہاڑ نے اللہ کی بارگاہ میں خضوع اور خشوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ عزت اور سرفرازی عطا فرمائی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی اور غلوں میں اللہ تعالیٰ کی بھی شکت جاریہ ہے، جو اس کے سامنے تواضع اور عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سرفراز اور سر بلند کرتا ہے اور جو اگڑا ہے، فخر کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل اور خوار کرتا ہے، نیز جو شخص ہمیشہ کامیاب اور سرفراز رہتا ہو اور کبھی ناکام نہ ہوتا ہو اور لوگ اس کو ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر سمجھتے ہوں اللہ تعالیٰ اس کو ایک مرتبہ ناکام کر دیتا ہے اور یہ واضح فرماتا ہے کہ ہمیشہ سر بلند رہنے والی صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ ہمارے زمانہ میں ۸۸۸ تک روس بہت سر بلند تھا پھر ۱۹۱۷ء سے اس کا زوال شروع ہوا۔ وہ معاشی طور پر تباہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ گیا اور اب ان شاء اللہ امریکہ کی باری ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام عقیبا تھا اور وہ تمام سواریوں میں ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھی اور کوئی اس سے آگے نہیں نکل سکتا تھا ایک مرتبہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر سوار تھا وہ عقیبا سے آگے نکل گیا تو مسلمانوں کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے افسوس سے کہا: عقیبا پیچھے رہ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ جس چیز کو دنیا میں سر بلند کرتا ہے اس کو (ایک بار) سرنگوں بھی کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۹۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۰۳۳ عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کسی مال میں کی نہیں کرتا اور معافی مانگنے سے اللہ بندے کی عزت زیادہ کرتا ہے، اور جو شخص بھی اللہ کی بارگاہ میں تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۱۸، طبع جدید، مطبوعہ دار الفکر)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اللہ نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم تواضع اور انکسار کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے اور کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہ کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۷۹)

ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کام پورا کر دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا پورا ہو گیا کافر غرق کر دیئے گئے اور مسلمانوں کو نجات دے دی گئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جو مقدر کر دیا ہے وہ اپنے وقت میں ہو کر رہتا ہے، زمین و آسمان میں اس کے حکم کو نافذ ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا اور اس کی قضاء کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طوفان میں نابالغ بچے بھی ہلاک ہو گئے تھے تو کفار کے جرم کی وجہ سے ان کے بچوں کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کے اصول اور اس کی حکمت کے منافی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طوفان آنے سے چالیس سال پہلے کافر عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہانچ کر دیا تھا اور اس طوفان سے چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی ہلاک نہیں ہوا۔ (تفسیر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۱۹۸) دو سرا جواب یہ ہے کہ طوفان میں بچوں کا ہلاک ہونا اسی طرح ہے جیسے اس طوفان میں پرندوں،

چندوں اور درندوں کا ہلاک ہونا اور ان کی بلاکت ان کے حق میں عذاب نہیں تھی بلکہ ان سب کی مدت حیات پوری ہو گئی تھی، اور جس طرح حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبح کرنا ان کے حق میں عذاب نہیں ہے اسی طرح ان بچوں کا طوفان میں غرق ہونا بھی ان کے حق میں عذاب نہیں تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک مطلق ہے وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسْتَلِ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔

اللہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔

(الانبیاء: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ظالم لوگوں کے لیے (رحمت سے) ڈوری ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی (کافر) قوم میں سے کسی ایک پر رحم فرماتا تو ایک بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال کی عمر تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے، حتیٰ کہ جب ان کے زمانہ کا آخر آ پہنچا تو انہوں نے درخت اگائے اور جب وہ درخت پوری طرح بڑھ گئے تو ان کو کاٹا پھر وہ کشتی بنائے گئے۔ کفار ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے اس کے متعلق سوال کرتے۔ وہ کہتے کہ میں کشتی بنا رہا ہوں، وہ ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے تم کشتی خشکی میں بنا رہے ہو، وہ کیسے چلے گی؟ حضرت نوح فرماتے: تم کو عنقریب پتا چل جائے گا۔ جب وہ کشتی بنا کر فارغ ہو گئے اور تنور اٹھنے لگا اور گھیوں میں پانی بننے لگا تو ایک بچے کی ماں نے اپنے بچے پر خطرہ محسوس کیا وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ وہ بچے کو لے کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئی اور پہاڑ کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب وہیں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ دو تہائی حصہ تک پہاڑ پر چڑھ گئی، جب وہیں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی، جب پانی اس عورت کی گردن تک پہنچ گیا تو اس عورت نے اس بچے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھالیا، حتیٰ کہ پانی اس کو بہا کر لے گیا پس اگر اللہ کافروں پر رحم فرماتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم فرماتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۰۰۵، المستدرک ج ۲ ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰،

علیہ السلام کی عمر چار سو اسی (۳۸۰) سال ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلان نبوت کا حکم دیا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک سو بیس سال تک اللہ کے دین کی طرف دعوت دی، پھر ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا، جس وقت انہوں نے کشتی بنائی اور اس میں سوار ہوئے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی، جن کافروں نے اس طوفان میں فرق ہونا تھا وہ غرق ہو گئے، کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام مزید ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، ان کے ایک بیٹے کا نام سام تھا اس کا رنگ سفید اور گندی تھا، دوسرے بیٹے کا نام حام تھا اس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا اور تیسرے بیٹے کا نام یافث تھا اس کا رنگ سرخ تھا اور چوتھے بیٹے کا نام کنعان تھا یہ غرق ہو گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے (نوح سے) فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے اہل کو (بھی) سوار کر لو، سو ان کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (ہود: ۴۰)
حضرت نوح علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا ہے تو عرض کیا: میرا بیٹا (کنعان) بھی میرے اہل سے ہے، مطلب یہ تھا کہ اس کو بھی کشتی میں سوار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ وہ بھی نجات پائے والوں میں سے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (راشد نے) اے نوح! فرمایا وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ○ (ہود: ۴۶)

مکرمین عصمت کا حضرت نوح پر اعتراض اور اس کا جواب

عصمت انبیاء کے مکرمین نے اس آیت کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام پر یہ طعن کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرنا گناہ ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوا تھا۔
امام رازی اور علامہ قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کنعان منافق تھا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا تھا اسی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی اور کشتی میں سوار کرنے کی درخواست کی تھی۔ اگر ان کو یہ علم ہو تاکہ وہ کافر ہے تو وہ اس کی مغفرت کی کبھی دعا نہ کرتے، اور رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا علم نہیں تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت نوح نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ:
وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَجْعَلْ عَلَيَّ الْاَرْضَ مِيسَ الْكٰفِرِيْنَ ذٰلِكَ اَرَا- (نوح: ۴۶)
اور نوح نے دعا کی کہ اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی ایسے نہ دلائے پھوڑ۔

تو جب حضرت نوح علیہ السلام نے خود تمام کافروں کی ہلاکت کی دعا کی تھی تو یہ کیونکر ممکن ہے وہ ایک کافر کی مغفرت کے لیے دعا کرتے؟

اللہ تعالیٰ غلام الغیوب ہے اس کو کنعان کے کفر کا علم تھا اس لیے فرمایا: وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ یہ اس آیت کا واضح معنی ہے کیونکہ حضرت نوح کو اس کا تو یقیناً علم تھا کہ کافر اور مشرک کی مغفرت نہیں ہو سکتی اور وہ خود بھی تمام کافروں کی ہلاکت کی دعا کر چکے تھے، اس لیے اس آیت کی یہ تفسیر کرنا درست نہیں کہ حضرت نوح نے یہ جاننے کے بل بوتہ کہ ان کا بیٹا کافر ہے محبت پوری سے مغلوب ہو کر

اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف بلکہ خود اپنی دعا کے بھی خلاف کھان کی مغفرت کی دعا کی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلا علم اور بلا تحقیق اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک خلاف اولیٰ کلام تھا یا ان کی اجتہادی خطا تھی اور یہ ان کا مکمل تواضع ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب اور عبدیت کا اظہار ہے کہ انہوں نے اجتہادی خطا پر بھی معافی مانگی اور کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میں (اس سے) تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا) (حود: ۷۷)۔

حضرت نوح علیہ السلام کے سوال کے متعلق امام رازی کی تقریر

حضرت نوح علیہ السلام کی گناہ سے براءت پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب کہ بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے حذر کیا ہوا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے اس سوال کو ترک افضل اور ترک اکمل پر محمول کرنا واجب ہے اور ابراہیم کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائی کا حکم رکھتی ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کیا اور ان کا استغفار کرنا اس پر نہیں دلالت کرتا کہ انہوں نے پہلے کوئی گناہ کیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ مِن مِّمِّ الدُّوَارِ ۖ فَوَاجِحًا ۖ قَسَبَیحَ یَحْمَدُ رَبَّکَ ۖ وَأَسْتَغْفِرُکَ۔ (النصر: ۱-۳)

جب اللہ کی مدد اور اس کی فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ کی مدد کا آنا اور لوگوں کا دین میں داخل ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ نہیں تھا کہ اس پر استغفار کا حکم دیا جاتا اس سے معلوم ہو گیا کہ استغفار کا حکم دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کسی گناہ پر دلالت نہیں کرتا۔

در حقیقت حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں تین قسم کے لوگ تھے: (۱) کافر تھے اور اپنے کفر کا اظہار کرتے تھے۔ (۲) مومن تھے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ (۳) منافقین کی جماعت تھی۔ مومنوں کا حکم طوفان سے نجات تھا اور کافروں کا حکم ان کو غرق کرنا تھا اور یہ حضرت نوح کو معلوم تھا اور منافقین کا حکم مخفی تھا۔ حضرت نوح کا بیٹا کعبان منافقین میں سے تھا اور بظاہر وہ مومن تھا۔ حضرت نوح نے اس کے اعمال اور افعال کو کفر پر محمول نہیں کیا بلکہ وجہ مجھ پر محمول کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ کھڑا ہے تو اس سے کہا کہ وہ کشتی میں داخل ہو جائے۔ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں چلا جاؤں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ اور اس کا یہ کہنا اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے یہ گمان کیا ہو کہ پہاڑ پر چڑھنا کشتی میں بیٹھنے کے قائم مقام ہے، جس طرح کشتی میں بیٹھنا غرق ہونے سے بچاتا ہے اسی طرح پہاڑ پر چڑھنا بھی غرق ہونے سے بچالے گا اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو فرمایا تھا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا سوا اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے، اس قول سے وہ اپنے بیٹے کو یہ بتا رہے تھے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے سوا کوئی چیز نفع آور نہیں ہے، اور یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے، ان کو یہی گمان تھا کہ ان کا بیٹا مومن ہے، تب انہوں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ ان کا بیٹا غرق ہونے سے بچ جائے خواہ کشتی میں بیٹھ کر خواہ پہاڑ پر چڑھ

کہ، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ خبر دی کہ وہ منافق ہے اور ان کے اہل دین سے نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے جو زلت صادر ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے متعلق پوری چھان بین نہیں کی کہ وہ کافر ہے یا منافق ہے بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ مومن ہے اور ان کو اس اجتہاد میں خطا ہوئی کیونکہ وہ کافر تھا سو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے جو زلت صادر ہوئی وہ اجتہادی خطا تھی اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی یہ زلت بھی اجتہادی خطا ہے اور ان کی عصمت کے متعلق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۹-۳۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ

حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی: ”اے میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے“ اس پر سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کمی تھی، یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں، اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے لیکن جو نبی اسے یہ احساس ہوتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے احساس کرا دیا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیار مطلوب سے نیچے جا رہا ہے، وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں اسے ایک لمحہ کے لیے بھی تاہل نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جو ان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پروا ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

پھر نوح کا یہ قصہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے نہایت موثر پیرایہ میں یہ بتایا ہے کہ اس کا انصاف کس قدر بے لاگ اور اس کا فیصلہ کیسا دو ٹوک ہوتا ہے۔ شرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی کام کریں، مگر ہم پر خدا کا غضب نازل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد اور فلاں فلاں دیویوں اور دیوتاؤں کے متوسل ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی کچھ گمان تھے اور ہیں، اور بہت سے غلط کار مسلمان بھی اس قسم کے جھوٹے بھروسوں پر تکیہ کیے ہوئے ہیں کہ ہم فلاں حضرت کی اولاد اور فلاں حضرت کے دامن گرفتہ ہیں، ان کی سفارش ہم کو خدا کے انصاف سے بچالے گی۔ لیکن یہاں یہ منظر دکھایا گیا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لخت جگر کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہے اور تڑپ کر بیٹے کی معافی کے لیے درخواست کرتا ہے، لیکن دربار خداوندی سے الٹی اس پر ڈانٹ پڑ جاتی ہے اور باپ کی پیغمبری بھی ایک بد عمل بیٹے کو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۳، مطبوعہ لاہور، مولوی انڈیشن، ۱۳۴۲ھ)

ان اقتباسات میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق جو قلیل اعتراض الفاظ ہیں وہ یہ ہیں: وہ ہر وقت مومن کے بلند ترین معیار پر نہ ہوتے تھے، (اگر نبوت کا بلند ترین معیار لکھتے تو اس کی گنجائش تھی) وہ بشری کمزوری سے مغلوب ہو گئے تھے، ان میں جاہلیت کا جذبہ تھا ان پر دربار خداوندی سے الٹی ڈانٹ پڑی۔

ہم ان الفاظ پر کیا تبصرہ کریں، ہم حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں بے ادبی کے ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے ہٹا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام انبیاء علیہم السلام کے ادب اور ان کی تعظیم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ (آمین!)
حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ ممکن تھا کہ ان کا بیٹا ان کے دین پر ہے ورنہ وہ اس کی نجات کا سوال نہ کرتے۔ (حاشیہ الشاہ ج ۵ ص ۱۷۵) علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح کا بیٹا کفر کو چھپاتا تھا اور ایمان کا اظہار کرتا تھا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ میں تمہارے بیٹے کے اس حال کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۳۲) علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے اہل کو نجات دے گا سو ان کے جن کا غرق ہونا مقدر ہو چکا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام پر ان کے بیٹے کا حال مشکف نہیں تھا اور نہ وہ اس کے باطن پر مطلع تھے، بلکہ اس کے ظاہر حال کو دیکھ کر حضرت نوح کو یہ یقین تھا کہ وہ مومن ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۳۵) علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال اس لیے کیا تھا کہ ان کو اس کے کفر کا علم نہیں تھا شیخ زادہ نے امام رازی کی پوری تقریر نقل کی ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۴ ص ۱۵۲) قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ممکن یہ تھا کہ وہ مومن ہے اور وہ دراصل منافق تھا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۶۶۶) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے لکھا ہے: یہ لڑکا منافق تھا اپنے والد پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور باطن میں کافروں کے ساتھ متفق تھا۔ (خزانة العرفان ص ۳۳۳) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام کو اس بیٹے کے کفر کا پورا حال معلوم نہ تھا اس کے نفاق کی وجہ سے اس کو مسلمان ہی جانتے تھے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۰)

حقد میں اور متاخرین تمام مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کی نجات کے لیے جو دعا کی تھی وہ اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود شفقت پوری سے مغلوب ہو گئے تھے اور بقول سید مودودی وہ اس دعا کے وقت ایمان کے بلند ترین معیار پر نہ تھے، اور بشری کمزوری سے مغلوب ہو گئے تھے اور اس دعا کے وقت ان میں جاہلیت کا جذبہ تھا اسی وجہ سے ان پر بارگاہ خداوندی سے الٹی ڈانٹ پڑی، بعد باللہ مس نلک الحیرافات، بلکہ انہوں نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ وہ ان کے ممکن میں مومن تھا اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ وہ مومن نہیں کافر ہے اور یہ تنبیہ فرمائی کہ جس چیز کا آپ کو کھل علم نہ ہو اس کے متعلق آپ سوال نہ کریں۔
حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا عدم جواز

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مشتبہ امر کے متعلق دعا نہیں کرنی چاہیے، حدیث صحیح میں ہم کو مشبہات سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے، سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کر لیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چرے

لیں، سنو ہر بلا شلو کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے، اور یاد رکھو اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۵۵۸، عالم الکتب، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۹۸، سنن داری رقم الحدیث: ۲۵۳۳)

اور جب کسی مشتبہ امر کے لیے دعا کرنی جائز نہیں ہے، تو کسی حرام کام کے لیے دعا کرنی بطریق اولیٰ ناجائز ہے اور جو حرام قطعی ہو جیسے سود، زنا، شراب، جو وغیرہ ان کے حصول یا ان میں کامیابی کی دعا کرنا کفر صریح ہے اور جو اس دعا پر آمین کہے وہ بھی کافر ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے لوگ اپنے مقدمات، معاملات، ملازمتوں اور ملازمتوں میں انٹرویوز کی کامیابی کے لیے ائمہ، مشائخ اور بزرگوں سے دعا کراتے ہیں اور بعض لوگوں کے مقدمات کسی ناجائز امر پر مبنی ہوتے ہیں، بعض لوگوں کے معاملات مشتبہ ہوتے ہیں، بعض لوگ بینک یا انشورنس کمپنی کی ملازمت کرتے ہیں یا اس کے لیے انٹرویو دیتے ہیں اسی طرح پولیس اور کشم کی نوکری ہے تو ایسے امور میں کامیابی کی دعا کرنا اور کسی سے دعا کرنا ناجائز نہیں ہے، اگرچہ پولیس اور کشم کی نوکری فی نفسہ ناجائز نہیں ہے لیکن ان میں رشوت کا لین دین بہت غالب ہے اور عرف میں غالب احوال پر حکم لگایا جاتا ہے۔

ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسلی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان نبی زادہ تھا، لیکن چونکہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے محروم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس کا رشتہ کٹ دیا اور فرمایا: وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم اور تقویٰ کی فضیلت عارضی ہے اور سلوات کی فضیلت ذاتی ہے، یہ درست نہیں ہے۔ اگر معاذ اللہ کوئی سید مرتد ہو جائے یا کسی گمراہ فرقے سے متعلق ہو جائے تو کیا اس کی فضیلت زائل نہیں ہو جائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسب کی فضیلت اور برتری ایمان اور تقویٰ کے ساتھ مربوط ہے، اصل چیز ایمان اور تقویٰ ہے، نسب کی فضیلت ثانوی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَحَمَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری شکلات کے لیے الگ خاندان اور قبیلے بنائے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: مومن، متقی، کریم اور فاجر، درشت خواہ اور ذلیل، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو کسی عربی کی کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی

پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ ہے، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر عتب کو تبلیغ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۶۸۹ حرر ت ۱۴۲۰ھ)

آج دنیا میں کالے اور گورے کی تفریق پر نسلی امتیاز برتے جا رہے ہیں اور سفید فام اقوام سیاہ فاموں کو اپنے برابر کے حقوق دینے پر تیار نہیں ہیں، بھارت میں برہمن اونچی ذات کا سپوت ہے اور شودر پنج ذات کا سمجھا جاتا ہے، گاؤں اور دیہاتوں میں زمیندار اور وڈیرے اپنے مزارعین کو بہت کم درجہ کی مخلوق سمجھتے ہیں، غریب پیشہ ور لوگوں کو کتنی کہہ کر حقارت سے بڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک زمانہ میں غلاموں کو آزاد لوگوں کا درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ آج بھی امیروں اور غریبوں میں تفریق رکھی جاتی ہے۔ آج بھی جولاہوں، چاموں اور موجوں کو پنج سمجھا جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جولاہے نہ ہوں تو ہم سرعام برہمنہ نظر آئیں، موجی نہ ہوں تو ہم اپنے پیروں کو گندگی اور گرمی سے بچانہ سکیں، چام نہ ہوں تو ہم اپنے بالوں کی درستگی نہ کرا سکیں۔ سلام ہو اس نبی ای پر جس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جوتیوں کی مرمت کر لی کہ کہیں تم جوتی کا ٹھنڈے والوں کو حقیر نہ سمجھ لیتا۔ جس نے عرب کے معزز گھرانے میں ایک غلام کا رشتہ کرا کے انسانیت اور مساوات کا جھنڈا بلند کیا جس نے خود اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کے بعد دیگرے ایک غیر ہاشمی، اموی نوجوان کے نکاح میں دیں اور یہ کوئی ضرورت اور اضطراب کا مسئلہ نہ تھا کیونکہ آپ کے سامنے ہاشمی خاندان کے بھی رشتے تھے لیکن وہ انسان کامل اور محسن انسانیت خود اپنی صاحبزادیوں کا رشتہ غیر کفو میں کر کے یہ مثل اور نمونہ قائم کرنا چاہتا تھا کہ جب میں افضل مخلوق علی الاطلاق ہو کر رشتہ کے معاملہ میں نسب کے مقابلہ میں اسلام اور اعمال صالحہ کو دیکھتا ہوں تو تم بھی ایسی خصوصیات کی بجائے اسلام اور تقویٰ کو ترجیح دینا اور نسب، مل و دولت اور صنعت و حرفت کی بناء پر کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عَلَّمَ دِيَالِيَا كَلَّمَ نُوْحًا اِنْشِئْ سَاۡتِرَ جَاۡدِ اِيْمَاۡنِي طَرَفَ سَلَامَتِي كَلَّمَ سَاۡتِرَ جَاۡدِ اِيْمَاۡنِي طَرَفَ سَلَامَتِي** (ہود: ۴۸) جس کا مطلب ہے: میں نے تم کو علم دیا کہ تم نے نوحؑ کو کلمہ پڑھا اور تم نے اس کی کشتی میں جو اترنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کشتی سے اتر جاؤ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو دی پہاڑ سے زمین پر اتر جاؤ۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور اس وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم لا محالہ کشتی سے اتر گئی، اس آیت میں جو اترنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کشتی سے اتر جاؤ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو دی پہاڑ سے زمین پر اتر جاؤ۔

اس سے متصل پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا تھا: اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (ہود: ۴۷) اور یہ ایسی ہی دعا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے مانگی تھی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (الاعراف: ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے بصورت عتب فرمایا تھا تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو فصاحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ غلوں میں سے نہ ہو جائیں۔ (ہود: ۴۶) اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اس سے رحم کی درخواست کی اور اب حضرت نوح علیہ السلام کو

اس کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی کی بشارت دے، اس لیے فرمایا: اے نوح! سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر جاؤ۔ اس سلامتی سے دین اور دنیا دونوں کی سلامتی مراد ہے۔ دین کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسا عمل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دنیا کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی آفت اور بلیات سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس طوفان سے روئے زمین کی ہر چیز غرق ہوگئی تھی اور جب حضرت نوح کشتی سے اترے تو وہاں کوئی درخت تھانہ نہ رہا تھا نہ کوئی حیوان تھا اور زندگی بسر کرنے اور کھانے پینے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اس وقت زمین پر کوئی چیز موجود نہ تھی اس لیے اس وقت وہاں بھوک اور پیاس کا خوف تھا اور یہ تشویش تھی کہ ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کی بشارت دی جو ہر قسم کے خوف کے ازالہ کو شامل ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب وسعت رزق بھی حاصل ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کے ساتھ برکت کی بھی بشارت دی اور برکت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں کو دوام اور بقا عطا فرمائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کی اولاد کے علاوہ دوسرے مسلمان جو اس کشتی میں سوار تھے وہ سب کشتی میں ہی فوت ہو چکے تھے، اس لیے اس طوفان کے بعد جو نسل انسانی دنیا میں پھیلی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَجَبَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْقَائِمُونَ ۝ وَرَكَّعًا عَبْدًا
بِئْسَ الْآخِرُ بَرٍّ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوْجٍ رَوِي
الْعَنِيْبِ ۝ (الصفت: ۷۹-۷۶)

اور ہم نے نوح اور ان کے اہل کو بڑی تکلیف (طوفان) سے نجات دی، اور ہم نے صرف ان ہی کی اولاد کو باقی رکھا، اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں ۝

اس اعتبار سے برکت سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں برکتیں عطا فرمائیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اس زمین پر آدم ثانی یا آدم اصغر تھے اور قیامت تک کی نسل انسانی ان کی ذریت ہے۔

وصول نعمت میں عوام اور خواص کا فرق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان جماعتوں پر برکتیں ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں، بخار قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور ان کی ذریت ہے، پھر یہ بتایا کہ آگے چل کر ان کی ذریت کی دو قسمیں ہو جائیں گی: بعض مومن ہوں گے اور بعض کافر، کافروں کو دنیا میں عارضی فائدہ ہوگا پھر آخرت میں ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا: آپ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتریں، بلکہ یوں فرمایا ہے: آپ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتریں، کیونکہ صدیقین اور مقربین نعمت، بحیثیت نعمت سے خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کو وہ نعمت اللہ کی جانب سے ملی ہے بلکہ اصل میں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اور اس کی طرف توجہ کرنے سے ہی خوشی ہوتی ہے، عام لوگ صرف نفس نعمت سے خوش ہو جاتے ہیں اور خواص کو نعمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت سے خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (واقعات) من جملہ غیب کی خبروں سے ہیں، جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم، پس مبرکبجئے بے شک نیک انجام متعین کے لیے ہے ۝ (هود: ۳۹)

غیب کی خبروں اور علم غیب کے اطلاق کی بحث

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مفصل حالات بیان فرمائے اور حالات بتانے کے بعد فرمایا: یہ غیب کی خبریں ہیں، اور آپ کو معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس پر غیب کا اطلاق فرمایا، کیونکہ ماضی کے اعتبار سے وہ غیب ہے، جیسے کوئی ماسٹر چھوڑ دے پھر بھی اس کو ماسٹر صاحب کہتے ہیں کیونکہ ماضی میں وہ ماسٹر تھا اور اس کو اسی اعتبار سے ماسٹر کہا جاتا ہے۔ جو مستحق اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، قیامت پر اور جنت اور دوزخ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہی ان چیزوں کو جانا اور مانا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَوْمَ نُنَوِّنُ بِالْغَيْبِ (البقرہ: ۳)** ”جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔“ اس آیت میں جنت، دوزخ وغیرہ ان چیزوں پر غیب کا اطلاق فرمایا ہے جو مستحق کو پہلے بتادی گئی تھیں، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز بتادی جائے یا جس کی خبر دے دی جائے وہ غیب نہیں رہتی، ان کا یہ کہنا ان آیتوں کی روشنی میں غلط ہے، دراصل یہ اعتراض غیب کی تعریف سے تلاو اقییت پر مبنی ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے جس چیز کو حواس خمسہ اور ہدایت عقل سے نہ جانا جاسکے وہ غیب ہے، اس چیز کے جاننے کا ذریعہ یا عقل سے غور و فکر کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، قیامت اور جنت اور دوزخ اور یا اس کے جاننے کا ذریعہ خبر صادق کی خبر ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنت اور فرشتوں کی خبر دی، اور غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غیب ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہو مثلاً عقل سے غور و فکر کرنا یا خبر صادق کی خبر ہے، یہ غیب مطلق ہے اور ایک وہ غیب ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، یہ غیب ذاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متنبیہ۔

اسی طرح یہ کہنا بھی علمی طور پر غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبروں کا علم ہے علم غیب نہیں ہے، کیونکہ علم کے حصول کے تین ذرائع ہیں: حواس، عقل سلیم اور خبر صادق..... تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر صادق سے غیب کی خبروں کا علم ہو گیا تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا البتہ چونکہ غیب سے متبادر غیب ذاتی ہوتا ہے اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو غیب کا علم دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کو عالم الغیب کہنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور شریع میں عالم الغیب کا لفظ اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ مطلع علی الغیب ہیں۔ ہم نے البقرہ: ۳ میں اس بحث کی زیادہ تفصیل کی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا قصہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے بھی لوگوں کو معلوم تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے یہ قصہ لوگوں کو اجلی طور پر معلوم تھا اور ان آیات سے اس قصہ کی تفصیل معلوم ہوئی۔

اس آیت میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اور آپ کے متبعین کفار کی اذیتوں پر صبر کریں، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم نے کافروں کی اذیتوں پر صبر کیا تھا اور صبر کرنے سے آپ کو اور آپ کے متبعین کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی حاصل ہوگی جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ کی مدد اور کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللہَ مَا لَکُمْ مِّنْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی (ہم قومی) ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری

إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ

عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، تم اللہ پر (شریک کا) محض بہتان بانٹنے والے ہو ۝ اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَقَوْمِ

سوال نہیں کرتا، میری اجرت صرف اس (کے ذمہ کر) پہنچتا جس نے مجھ پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے! ۝ اے میری قوم!

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَ

تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارشیں بھیجے گا، اور تمہاری

يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا الْغُرَبِينَ ۝ قَالُوا يَهُودُ مَا

تو تم میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا اور مجرموں کی طرح (حق سے) پیٹھ نہ پھيرو ۝ انہوں نے کہا اے یہود! تم

جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ

ہمارے پاس کوئی دلیل دے کر نہیں آئے اور ہم (مصلحت) تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور ہم

بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۖ

تم پر ایمان لانے والے ہیں ۝ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے، یہود نے کہا

قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم (بھی) گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک قرار دیتے ہو ۝

مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى

اللہ کے سوا، تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر تم مجھ کو بالکل اہلقت نہ دو ۝ بے شک میں نے اللہ پر

اللَّهُ رَبِّي وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۖ إِنَّ

توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے، ہر جاندار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے، بے شک میرا

رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ

رب سیدھے راستے پر (منا) ہے ۝ اگر تم پیٹھ پھيرو (تو کوئی بات نہیں) میں تم کو وہ پیام پہنچا چکا ہوں جو

بِإِلَٰهِيكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا^{۵۷}

مجھے دے کر بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ^{۵۸} وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَحْنُ الْهُودُ

بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ○ اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود کو اور ان کے

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ^{۵۹}

ساتھ ایمان لائے والوں کو اپنی رحمت سے نہات دے دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیا ○

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ

اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم

جَبَّارٍ عَنِیْدٍ^{۶۰} وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ^{۶۱} إِلَّا

بسط دھرم کا حکم ۶۱ ○ اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت مل رہی اور قیامت کے دن بھی (ان کے پیچھے لگی ہے گی)

إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْعَادِ قَوْمُ هُودٍ^{۶۲}

سو بے شک قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا، سترہ ہود کی قوم عاد کے لیے پشکار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، تم اللہ پر (شریک کا) محض بستن باندھنے والے ہو ○ اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میری اجرت صرف اس (کے ذمہ کرہا پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم محض سے کام نہیں لیتے؟ ○ (ہود: ۵۱-۵۰)

حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہنے کی توجیہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس سورت میں یہ دو سرا حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے:

اس آیت میں فرمایا ہے: والی عاد انعام ہودا۔ اس کا لغتی ترجمہ ہے: ”ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔“ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا ہے اور یہ بات معلوم تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام ان کے دینی بھائی نہ تھے اور نہ ہی وہ ان کے نسبی بھائی تھے، ان کو قوم عاد کا بھائی صرف اس وجہ سے فرمایا کہ وہ ان کے قبیلہ کا ایک فرد تھے۔ ان کا قبیلہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اور وہ لوگ یمن کی جانب رہتے تھے، قوم عاد اور حضرت ہود کے متعلق تمام تفصیل ہم نے الاعراف: ۷۲-۷۵ میں بیان کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سورت میں جو فرمایا ہے: ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے قبیلہ کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا اسی طرح قوم ثمود کی طرف ان کے قبیلہ کے ایک فرد حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا،

اس سے کہہ والوں پر یہ حجت قائم کرنا مقصود ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بتانا بہت مستبعد سمجھتے تھے کیونکہ آپ اپنی ہی کچھ قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے، حضرت ہود علیہ السلام علاوہ کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بتایا گیا اور حضرت صلح علیہ السلام ثمود کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بتایا گیا تو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تمہارے قبیلہ کے ایک فرد ہیں اور ان کو نبی بتایا گیا ہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے اور یہ کون سی نئی بات ہے! (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امتی کے لیے نبی کو اپنا بھائی کہنے کے جواز پر بعض علماء کے دلائل

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امتی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نبی کو اپنا بھائی کہے، چنانچہ شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب عشرة النساء میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا امیرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو سوان کے اصحاب کہنے لگے: اے پیغمبر خدا تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درشت سو ہم کو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا: بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۸۵۲ سند احمد ج ۶ ص ۷۶، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۳۹۷۵ ۶۵۳۵۷ عالم الکتب بیروت، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۳۷۰) شیخ اسماعیل دہلوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ف کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کا فائدہ لکھتے ہیں: یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی ہی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیرو شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں سوان کی تعظیم انسانوں کی ہی کرنی چاہیے نہ خدا کی ہی۔

(تقویت الایمان کلاں ص ۴۲-۴۱، مطبوعہ مطبع علمی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کے ایک وکیل شیخ سر فراز احمد صفر نے اس حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی آیات سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے پر استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

والی عادات عامہ ہود۔ الایہ والی ثمود اناہم صالحا۔ الایہ والی مدین اناہم شعبا۔ الایہ والی لوط۔ الایہ۔

قرآن کریم میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں، کون مسلمان اپنی اپنی قوم کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس اخوت سے انکار کر سکتا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی اخوت بہ ارشاد خود اور بہ فرمان الہی ثابت ہے اور اس کا انکار قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ (عبارت اکابر ص ۶۹-۷۰، مطبوعہ گوجرانوالہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے کے عدم جواز پر دلائل

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کا مالک اور مولیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اس کے بندے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ فرمائے وہ اس کو نیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ (طہ: ۸۱)

اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔

کیا اس آیت کو دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی اور بے راہ یا گمراہ کہنا جائز ہے؟ علامہ ابن الخلیج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں: جس شخص نے اثناء تلاوت یا قراءت حدیث کے علاوہ حضرت آدم کے متعلق کہا کہ انہوں نے معصیت کی وہ کافر ہو گیا۔ (المذخل ج ۲ ص ۹۳ دار الفکر بیروت)

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تواضع اور انکسار سے اپنے متعلق جو کلمات فرمائیں اس سے یہ جواز نہیں نکلا کہ امتی بھی ان کے متعلق وہ کلمات کہنے کی جرأت کرے، دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ طَاطَنَّا أَنْفُسَنَا۔ (الاعراف: ۲۳)
(آدم اور حوا) دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي۔ (التقصص: ۲۶)
(موسیٰ نے) کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ (الانبیاء: ۸۷)
تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو سبحان ہے، بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

کیا ان آیتوں کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ظالم کہنا قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کو ظالم کہنے کا انکار کرنا قرآن مجید کا انکار کرنا ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہے کہ پہلے بھی اتنے غضب میں تھا اور نہ آئندہ کبھی اتنے غضب میں ہوگا اس نے مجھ کو ایک درخت سے کھانے سے منع کیا تھا میں نے اس کی معصیت کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۴۳۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۷)

اب کیا ان آیات کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس ظالم تھے اور اس حدیث کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم عاصی تھے! اور یہ کہ ان نبیوں کا ظالم اور عاصی ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور ان کے ظالم ہونے کا انکار کرنا قرآن اور حدیث کا انکار کرنا ہے، العباد باللہ، ہم اس قسم کے استدلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں!

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کبریائی سے حضرت حود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم بھی انبیاء علیہم السلام کو اپنا بھائی کہیں یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً خود کو صحابہ کرام کا بھائی فرمایا، یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں کہ آپ ہمارے بھائی ہیں، استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب شیخ اسماعیل دہلوی یا ان کے وکیل شیخ سرفراز احمد صاحب یہ ثابت کرتے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت یا فلاں صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ فلاں صلح امتی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہا ہے اور یہ چیز ہرگز ثابت نہیں ہے لہذا امتی کے لیے اپنے نبی کو اپنا بھائی کہنا بھی ثابت نہیں ہے۔

بڑے بھائی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تلقین کرنا غلط ہے
شیخ اسماعیل دہلوی نے اس سیاق میں یہ بھی لکھا ہے جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم
کیجئے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کی جائے نہ صرف یہ کہ صراحتاً
غلط ہے بلکہ بارگاہ نبوت میں اہت کے مترادف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصُوا دِيَارَكُمْ وَلَا تَقْصُوا دِيَارَكُمْ وَلَا تَقْصُوا دِيَارَكُمْ وَلَا تَقْصُوا دِيَارَكُمْ
وَرَسُولِهِمُ النَّبِيُّ هُوَ الَّذِي سَمِعَ وَعَلَيْهِ
اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو، اور
اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا
ہے۔ (الحجرات: ۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو ان کو دوبارہ قربانی کرنے
کا حکم ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۳ھ)
ظاہر ہے کہ اگر بڑے بھائی سے پہلے قربانی کر دی تو اس قربانی کا قبول ہو یا لازم نہیں آتا لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو وہ قربانی عبث اور رائیج ہو گئی۔

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرنا اور
نہ اس کے سامنے اس طرح بلند آواز سے باتیں کرنا جس طرح تم
ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہو (ایمان نہ ہو)
کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَحْهَرُوا لَكَ بِالْقَوْلِ كَحَهْرِ
نَعَصِكَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تَحْطَطَ عَمَّا لَكُمْ وَآتَاكُمْ
لَا تَسْفُرُوا (الحجرات: ۲)

کیا بڑے بھائی کی آواز پر آواز اونچی ہونے سے بھی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور ایمان جاتا رہتا ہے۔
بڑے بھائی کو مکان کے باہر سے آواز دے کر بلانا ممنوع نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کے باہر سے آواز
دے کر بلانا ممنوع ہے:

رَبِّ الْدِّينِ بُنَاتُوكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
اَكْتَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ (الحجرات: ۱۳)
بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان
میں اکثر بے عقل ہیں۔

بڑے بھائی کے بلانے پر جانا فرض اور واجب نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے اور
جو شخص آپ کے بلانے پر نہ جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور عذاب کی وعید سنائی ہے۔

لَا تَحْمِلُوا دُعَاءَ الرُّسُلِ تَبِيبَكُمْ كَذَّاءَ
بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ
يَسْتَلُونَ مِنْكُمْ لِيُؤْذَاهُمْ قَلْبُ عَذْرِ الَّذِينَ
يُحَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِمْ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ
يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (النور: ۶۳)
رسول کے بلانے کو ایسا نہ بناؤ جیسا کہ تم آپس میں ایک
دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا
ہے جو آڈلے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے
حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان
کو کوئی مصیبت پہنچے یا ان کو دردناک عذاب پہنچ جائے۔

شیخ خلیل احمد سارنہوری متوفی ۱۳۳۶ھ لکھتے ہیں:
جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس

کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرۃ ایمان سے خارج ہے (ابلی قولہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کر سکتا۔ (عقائد علماء دیوبند ص ۲۸ مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام نے دلائل قائم کیے بغیر توحید کی دعوت کیوں دی تھی؟

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔“ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور ثبوت پر دلائل قائم کیے بغیر اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف کیسے دعوت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اور یہ دلائل اس خارجی کائنات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں اور خود انسان کے اپنے اندر بھی موجود ہیں:

سَبِّحْهُ أَتَيْتَنَا بِسَبِّحِ الْأَفَاقِ وَبِئْسَ مَا يَشْكُرُ
ہم عقرب بن کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس خارجی کائنات میں اور خود ان کے اپنے نفسوں میں حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ (حم السجدة: ۵۳)

کچھ لوگ اس کائنات کے نظم اور تسلسل کو دیکھ کر اور اس میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے جسم کے اعضاء کی منظم کارکردگی کو دیکھ کر اس کی قدرت پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ لوگ اس کی صفات اور اس کے ثمرات سے اس کو پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے فضل اور احسان اور اس کے جود و عطا سے پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اس کے غنوں، اس کے علم اور اس کے درگزر کرنے سے اس کو پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اس کی گرفت اور اس کے انتقام سے اس کو پہچان لیتے ہیں اور بعض لوگ مشکلوں اور مصیبتوں میں اس کی فریادری سے اور اپنی ضرورتوں میں اس کی حاجت روائی سے اور اپنی دعاؤں کے قبول ہونے سے اس کو پہچان لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَبِعِزَّتِ اللَّهِ لَوْ كُنْتُمْ
اور اگر آپ ان سے (یہ) پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگایا ہوا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (تو وہ کہیں نہ کہیں گے)۔

حضرات انبیاء علیہم السلام ان کو بت پرستی سے روکتے تھے، کافروں نے ماضی میں گزرے ہوئے نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیے تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کی پرستش کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے، یہ مجسمے اور مورتیاں جملوات ہیں، ان میں حس ہے نہ قوت اور اک پھر یہ کس طرح درست ہو گا کہ تم اپنی پیشانی اپنی ہی ہٹائی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکاؤ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور توحید کی دعوت دی پھر فرمایا: اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کس اجرت کا سوال نہیں کرتا کیونکہ جو تبلیغ مصلوحہ کی طرح سے خلل اور بے لوث اور بے غرض ہو وہ قلوب میں بہت زیادہ موثر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ہود نے کہا) اے میری قوم! تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا اور مجرموں کی طرح (حق سے) پیچھے نہ پھیرو (ہود: ۵۴)

نعمتیں عطا کرنے کے بعد ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرماتا

حضرت ہود علیہ السلام نے پہلے قوم عاد کو ایمان لانے کی دعوت دی پھر اس کے بعد انہیں توبہ اور استغفار کرنے کی ہدایت دی، ایمان کی پہلے دعوت دی کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا پھر اس کے بعد انہیں توبہ اور استغفار کرنے کا حکم دیا تاکہ پچھلے گناہوں کی آلودگیوں سے ان کا دل صاف ہو جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بتایا کہ جب تم گناہوں پر ملامت ہو گے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو بکثرت نعمتیں عطا فرمائے گا اور ان نعمتوں سے استفادہ کرنے کی تم کو طاقت اور قوت عطا فرمائے گا اور یہی سعادت اور کامیابی اور کامرانی کی انتہا ہے، کیونکہ اگر سرے سے نعمت حاصل نہ ہو پھر بھی انسان کو کچھ فائدہ نہیں ہو گا اور اگر نعمت تو حاصل ہو لیکن اس میں اس نعمت سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہ ہو پھر بھی اس کو فائدہ حاصل نہیں ہو گا مثلاً بھوکے انسان کو کھانا میسر نہ ہو تب بھی اس کی بھوک نہیں مٹ سکتی، لیکن کھانا تو میسر ہو لیکن اس کا اوپر کا جزا نچلے جزے پر بیٹھ گیا ہو اور دانت ایک دو سرے پر جم گئے اور وہ منہ کھول سکا ہو نہ چبا سکا ہو پھر بھی اس کی بھوک دور نہیں ہو سکتی اور اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ سبحان ہے وہ ذات جس نے نعمتیں بھی عطا کیں اور نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی قوت بھی عطا کی اس لیے حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مادی نعمتوں کا حصول زراعت کی کثرت پر موقوف ہے اور زراعت میں زیادتی بارش کے زیادہ ہونے پر موقوف ہے، اس کے بعد فرمایا: اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا یہ اس لیے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

قوم عاد کے لوگ بہت قوی یکل تھے، اور وہ اس زمانے کے لوگوں کے اوپر اپنی جسمانی قوت سے غر کرتے تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِقَبْرِ
الْحَقِّ وَقَالُوا مَسْ أَشَدُّ مِنْ شَاقُّوهُ (م: السجدة: ۱۵)
ہم قوم عاد نے زمین میں باحق سرکشی کی، اور انہوں نے کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟

حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے بت پرستی ترک کر دی اور استغفار اور توبہ میں مشغول ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے کھیتوں اور باغوں میں مزید اضافہ فرمائے گا اور ان کی جسمانی قوت کو بھی زیادہ کرے گا۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے کئی سالوں تک ان سے بارش روک لی، اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا، تب حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری غیر آباد اور غمر زمینوں کو سرسبز اور شاداب کر دے گا اور تم کو مال اور اولاد سے نوازے گا حتیٰ کہ تم بہت طاقت ور ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم (مخلص) تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں ○ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو بھنونا دیا ہے، ہود نے کہا میں اللہ کو گواہ دیتا ہوں اور تم (بھی) گواہ رہتا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک قرار دیتے ہو ○ اللہ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو، پھر تم مجھ کو (بالکل) صلت نہ دو ○ بے شک میں نے اللہ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے، ہر جاندار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر (ملتا) ہے ○ (هود: ۵۱-۵۳)

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ

قوم ہود نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے سامنے معجزات پیش کیے تھے، لیکن ان کی قوم نے اپنی جہالت سے ان معجزات کا انکار کیا اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس قاتل ذکر معجزات لے کر نہیں آئے۔

انہوں نے کہا: ہم محض تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، ان کا یہ قول بھی باطل تھا، کیونکہ وہ یہ اعتراف کرتے تھے کہ نفع اور نقصان پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی کو، کوئی نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے، ایسی صورت میں بداعت عقل کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کو ترک کر دیتے اور ان کا بتوں کی عبادت کرنے پر اصرار کرنا ان کی جہالت، حماقت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں، اور ان کا یہ کہنا کہ ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، محض اندھی تقلید کرنے کی ضد ہے۔

انہوں نے کہا: ہمارے بعض معبودوں نے آپ کو بھنوں بنا دیا ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا ہمارے بتوں کو برا کہنا، آپ کی عقل کے فساد اور آپ کے بھنوں ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناؤں اور تم بھی گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

پھر حضرت ہود نے فرمایا: تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو، یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم سب مل کر اپنی تدبیر کی کر لو اور اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملاؤ پھر تمہاری تدبیر کسی طرح تم سے قتل نہ رہے پھر تم جو کچھ میرے ساتھ کر سکتے ہو کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ (یونس: ۷۷)

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ چیلنج دینا اور ان کو لٹکانا ان کا بہت بڑا معجزہ ہے کیونکہ ایک تنہا شخص بہت بڑی قوم سے یہ کہے کہ تم میری دشمنی میں اور مجھے نقصان پہنچانے میں جو کچھ کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہو وہ بگاڑو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو، تو یہ بہت ہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ پر پورا پورا اطمینان ہو کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا اور اس کو دشمنوں سے بچائے گا۔

فرمایا: ہر جاندار کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔ عرب یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا بالکل مطیع ہے اور اس کے قبضہ و قدرت میں ہے، کیونکہ جو شخص کسی کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑتا ہے تو اس کو بالکل مسخر اور مقصور کر لیتا ہے اور عرب جب کسی قیدی کو گرفتار کرتے اور پھر اس پر احسان کر کے اس کو آزاد کرنا چاہتے تو اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے مظلوم کے مطابق یہ کلام فرمایا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر جاندار اس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر (ملا) ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ہر چند کہ ہر جاندار اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو حق ہوتا ہے اور عدل اور صحیح ہوتا ہے، اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر اس کی پہنچ سے باہر نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ آیات

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے دل و دماغ میں بت پرستی راسخ ہو چکی تھی اور وہ اپنے آباء و

اجدا کی اندھی تقلید پر جے ہوئے تھے اور اس کے خلاف کوئی بات سننے کیلئے تیار نہ تھے اور نہ کسی دلیل کا کوئی اثر قبول کرتے تھے۔
حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے سامنے معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے تن شاہ پوری قوم کو
ملکارا، وہ ان کا جو بگاڑ سکتی ہو وہ بگاڑ لے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے اور ان کو اس پر کامل اعتماد تھا کہ
اللہ عزوجل کی مدد ان کے ساتھ ہے اور یہ کافر سب مل کر بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ان کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل تھا اور اس پر ایمان تھا کہ ہر جاندار اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، اس کے بلو ہوا اللہ
تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو حق اور عدل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم پیٹھ پھیرو تو کوئی بات نہیں تم کو وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا
اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آبلو کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، بے شک میرا رب ہر چیز کا
نگہبان ہے اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی
اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیا اور یہ ہیں قوم علو کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے
رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم ہٹ و حرم کا حکم ملا اور دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (ان
کے پیچھے لگی رہے گی) سنو! بے شک قوم علو نے اپنے رب کا کفر کیا سنو ہود کی قوم علو کے لیے پہنکار ہے (ہود: ۶۰-۵۷)
قوم علو پر نزول عذاب کا پس منظر اور پیش منظر

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اگر تم پیٹھ پھیرو اس کے بعد جزاء مہذوف ہے یعنی اگر تم پیٹھ پھیرو تو مجھے
پیغام پہنچانے میں کوتاہی پر کسی عتاب کا سامنا نہیں ہو گا کیونکہ میں نے تم کو بار بار پیغام پہنچایا اور تم مسلسل میری تکذیب کرتے
رہے، پھر فرمایا: اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آبلو کر دے گا یعنی تمہارے بعد اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرے گا جو
اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کے منکروں پر ایسا عذاب آنے والا ہے جس سے
پوری قوم کو ملیا میٹ کر دیا جائے گا اور پوری قوم علو کو ہلاک کر دینے سے اللہ تعالیٰ کے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا: اور جب ہمارا عذاب آگیا ان پر عذاب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ایک
زبردست آندھی بھیجی، یہ سخت اور تیز ہوا ان کے نتھنوں میں تھمتی اور ان کے پچھلے سوراخ (دہرا) سے نکل کر ان کو منہ کے بل
زمین پر گرا دی حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو گئے جس طرح کجور کے تنے زمین پر گرے ہوئے ہوں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہوانے ان کو کس طرح ہلاک کر دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہوا سخت گرم ہو یا بہت
سخت اور ٹھنڈی ہو یا وہ ہوا بہت تیز اور بہت سخت ہو اور اس نے ان کو زمین پر پھینکا دیا ہو، ان میں سے ہر چیز ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ہود اور ایمان والوں کو نجات دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آندھی مسلمانوں اور کافروں
دونوں پر آئی لیکن مسلمانوں پر یہ آندھی رحمت بن گئی اور یہی آندھی کافروں پر عذاب بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ
انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں پر جو عذاب نازل فرماتا ہے، مسلمانوں کو اس عذاب سے نجات عطا فرماتا ہے اور اگر
ایسا نہ ہوتا تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ کافروں پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نازل ہوا ہے۔

نجات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ مربوط فرمایا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایمان اور ان کے نیک
اعمال کے بلو ہوا وہ اس عذاب سے نجات نہیں پاسکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی اور یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ان کو نجات ان کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملی تھی لیکن ایمان اور نیک اعمال کی

براہت ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملی تھی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عین نزول عذاب کے وقت ناپر رحم فرمایا اور ان کو کافروں سے الگ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب قوم عاد کا قصہ ذکر فرمایا تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ ہیں عاد، اس قول میں ان کی قبروں اور ان کے آثار کی طرف اشارہ ہے، گویا یوں فرمایا ہے: زمین میں سفر کرو اور غور و فکر کر کے قوم عاد کے آثار دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی تین برائیوں کا ذکر فرمایا:

(۱) انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے دعویٰ نبوت کے صدق پر جو معجزات پیش کیے انہوں نے ان کا انکار کیا اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس خارجی کائنات میں اور خود ان کے جسم کے داخل میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو نشانیاں ہیں ان نشانیوں سے اس صاحب نشان تک پہنچنے کے لیے انہوں نے غور و فکر نہیں کیا۔

(۲) انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، ہر چند کہ انہوں نے صرف حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی لیکن چونکہ تمام رسولوں کا ایک ہی پیغام ہے اور سب کا ایک ہی دین ہے اس لیے ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہے۔

(۳) انہوں نے ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے عوام اپنے بیوں کی تقلید کرتے تھے اور ان کے بڑے بھی کہتے تھے کہ یہ جو شخص نبوت کا دعویٰ ہے وہ تمہاری ہی مثل بشر ہے اور یہ کہہ کر وہ اس نبی کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور عوام آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تین اوصاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا اور آخرت میں ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیا ہے اور ان کو ہر خیر سے محروم کر دیا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قوم عاد پر اس عذاب اور لعنت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے کفر کیا اس کو واحد ماننے اور صرف اس کی عبادت کرنے سے انکار کیا اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عاد جو ہود کی قوم ہے، اس کے لیے پھنکار ہے، عاد کو ہود کی قوم کے ساتھ اس لیے مقید فرمایا کہ عاد نام کی دو قومیں تھیں: ایک عاد قدیم تھی، یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی، اس کو عاد اولیٰ بھی کہتے ہیں اور عاد حدیث، اس کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں، یہ بہت جسیم اور قد آور لوگ تھے۔ مکی ارم ذات العماد ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی قوم عاد سے احتراز کے لیے فرمایا: عاد جو ہود کی قوم ہے۔

وَالِی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللہَ مَا لَکُمْ

اور قوم ثمود کی طرف، ہم نے ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا، صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا

مِنْ إِلَهِ غَیْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ

تہارا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں

فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوكَ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦٨﴾

آباد کیا۔ سو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو۔ پس میرا رب قریب ہے، تمہارا قبول کرنے والا ہے۔

قَالُوا لَیْصِدُکَ قَدْ کُنْتَ فِینَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ

انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے آپ ہمارے امیدوار کا مرکز تھے، کیا آپ ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں

تَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِی شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَیْهِ مُرِیْبٌ ﴿٦٩﴾

ہم کی عبادت جہاں آپ دعا کرتے تھے بے شک آپ میں جس دین کی دعوت ہے وہ ہے جس میں اس نے ہمیں زبردست شک میں ڈال دیا ہے۔

قَالَ یَقَوْمِ أَرَأَیْتُمْ إِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ وَإِنِّیْ

(صالح نے کہا) اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے

مِنْهُ رَحْمَةٌ فَمَنْ یَنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصِیْتُ فَمَا تَزِیدُنِیْ

اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو ان کے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم میرے لیے سوا نقصان کے

غَیْرَ تَحْسِیْرٍ ﴿٧٠﴾ وَلَیْقَوْمٌ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةٌ فَمَنْ رَّوٰهَا تَاکُلْ

کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو؟ اے میری قوم! یہ انہی کی آئینہ ہے جو تمہارے لیے نشان ہے، سو اس کو چھوڑ دو یہ انہی کی

فِیْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْهَا سُوْءٍ فِیْ مَا خُذَ کُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ﴿٧١﴾

زمین میں کھائی پھرے اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پہنچے گا۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلَاثَ اَیَّامٍ ذٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرُ

سو انہوں نے اس آئینہ کی کوئی بات نہ کی، تب (صالح نے) کہا تم صرف تین دن اسے اٹھاؤ پھر تم پر عذاب آجائے گا، یہ انہی کی وعید

مَکْذُوْبٌ ﴿٧٢﴾ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صَالِحًا وَالدِّیْنِ اٰمَنُوْا مَعَهُ

جسے جو دھوکہ دیا گیا تھا، پھر جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمَئِذٍ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿٧٣﴾

اس دن کی رحمت سے نجات دے دی۔ بے شک آپ کا رب ہی زبردست قوت والا، بہت غالب والا ہے۔

وَإِذَا الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيْنَ ۝

اور ظلم کرنے والوں کو بولناک یہ جنگاڑ نے آدھو جاتا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے ○

كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الْآرَاءُ ثَمُودًا كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۚ أَلَا بَعْدًا

گو یا کہ وہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے، سو بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا سنو! قوم ثمود کے لیے

لِثَمُودَ ۝

بھٹکار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا، صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، پس میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا ہے ○ (هود: ۶۸)

انسان کو زمین سے پیدا کرنے کے دو عمل اس سورت میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں، ان میں یہ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ہے اور یہ تیمراقصہ ہے، اور اس قصہ میں وعظ اور استدلال کا وہی طریقہ ہے جو حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ میں تھا البتہ اس قصہ میں جب توحید کا ذکر کیا گیا تو اس پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اس کی دو تقریریں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے یعنی زمین کی مٹی سے پیدا کیا تھا۔ (۲) انسان مٹی اور حیض کے خون سے پیدا ہوتا ہے اور مٹی خون سے بنتی ہے اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا گوشت، روٹی، سبزوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے اور ان سب چیزوں کا تیل زری پیداوار ہے اور زری پیداوار کا رجوع زمین کی طرف ہوتا ہے پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے پیدا کیا ہے۔

انسان اور زمین کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واستمعمرکم فیہا۔ قلدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں آباد کیا ہے اور شماک نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری عمریں لمبی کیں اور قوم ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں۔ زین بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین پر آباد ہونے کے لیے تمہیں جن چیزوں کی ضرورت تھی مثلاً مکان بنانے اور درخت اگانے کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا سامان تمہیں ہیجا کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں شریں کھودنے، درخت اگانے اور فصل تیار کرنے کا خیال ڈالا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۵ھ)

زمین میں زری پیداوار کی استعداد اور صلاحیت رکھنا اس میں سرسبز و شاداب جنگلوں کو پیدا کرنا اور اس میں بلند و بالا اور مستحکم عمارتوں کی قابلیت پیدا کرنا اور انسانی آبادی کی ضروریات کے لیے تمام امور فراہم کرنا اور انسان کو ان سے منافع کے

حصول پر قادر بنانا اس زبردست منافع مطلق اور اس قادر و قیوم کے وجود پرست بڑی دلیل ہے اور یہ ایسی ہی دلیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَوْنِي خَلَقَ قَسْوَى ۝ وَالْوَدَىٰ قَلْبَرَقَهْدَى ۝
 وَكَوْنِي حَرَّ الْمَرْعَى ۝ فَجَعَلَهُ عَنَاءً
 حَوَى ۝ (الاعلا: ۵-۴)

جس نے پیدا کیا پھر درست کیا ۝ اور جس نے اندازہ مقرر کیا پھر بدلت دی ۝ اور جس نے (سبز) چارہ اگایا ۝ پھر اسے خشک سیاہی مائل کر دیا ۝

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر دنیا اور آخرت کے کاموں میں اس کی رہنمائی کے لیے اس میں عقل پیدا کی، پھر تعریف اور کام کاج کرنے کے لیے اس کو قدرت عطا کی، پھر اس کی بقا کے لیے زمین سے اس کی خوراک کو پیدا کیا یہ سب چیزیں اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ اس کو پیدا کرنے والا بہت مدبر اور حکیم ہے۔ اس نے زمین میں ایسی صفات رکھیں جن سے مطلوبہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں، اس نے زمین میں کوئی چیز عبث بنائی ہے نہ انسان کے جسم میں کوئی چیز بے کار بنائی ہے۔ انسان کے جسم کی پٹلیوں میں اللہ تعالیٰ نے زائد رگیں پیدا کی ہوئی ہیں اور اس زمانہ میں یہ عقیدہ چل ہوا ہے کہ دل کی شریانیں جب خون میں کوہلیسٹرول کی زیادتی سے بند ہو جائیں تو ان رگوں کو کٹ کر پٹلی سے وہ زائد رگیں نکال کر ان کو بلاک شدہ شریانوں کی جگہ پیوند کر دیا جاتا ہے اور انسان کو حیات نو مل جاتی ہے۔ قدرت کا یہ راز میڈیکل سائنس کی ترقی کے ذریعہ اس زمانہ میں منکشف ہوا ہے، اور نہ جانے انسان کے جسم میں اور کتنے سرست راز ہیں جن کا عقدہ مستقبل میں کھلے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان اور اسی طرح یہ ساری کائنات کوئی عقلی مخلوق نہیں ہے، اس کا ہر جز اور اس کی ہر چیز ان گنت حکمتوں پر مشتمل ہے اور یہ سب امور اس پر گواہی دیتے ہیں کہ ان کو زبردست مدبر اور حکیم مطلق نے بنایا ہے۔

نیکو کاروں اور بدکاروں کے لیے دنیا کا ظرف ہونا

اس آیت میں استعمر بہ معنی اعمار ہے یعنی اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کو پوری زندگی نیک اعمال کے ساتھ آباد رکھتا ہے اور اس کی موت کے بعد اس کو نیک ہی اور اچھی شہرت کے ساتھ ہٹا رکھتا ہے اور اس کے برخلاف فاسق و فاجر تاحیات بڑی شہرت کے ساتھ برقرار رہتا ہے اور موت کے بعد بھی لوگ اس کا ذکر اُٹتی کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ دنیا نیک لوگوں اور بدکاروں دونوں کے لیے ظرف ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی نیک ہی اس کی نسل کے قائم مقام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

وَاجْعَلْ لِي يٰسَيِّدِي خَيْرًا مِّنْ الْآخِرَةِ ۝ (الشعراء: ۸۴)

اور میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

وَاجْعَلْ لِي يٰسَيِّدِي خَيْرًا مِّنْ الْآخِرَةِ ۝ وَتَرْكُ مَا عَلَيَّ
 وَتَرْكُ مَا عَلَيَّ وَتَرْكُ مَا عَلَيَّ (الصف: ۷۸-۷۷)

اور ہم نے ان کی اولاد ہی کو ہٹا رکھا ۝ اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر چھوڑا ۝

اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پرست برکتیں فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے بعض نیکو کار ہیں اور بعض اپنی جانوں پر کھانا ظلم کرنے والے ہیں ۝ (الصف: ۸۳)

عمری کا معنی

قرآن مجید کی اس آیت میں استعمر کا لفظ ہے، اور ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ استعمر "اعمر" کے معنی میں ہے۔

اعمر کا معنی ہے عمر گزارنا اور اسی سے عمری کا لفظ بنا ہے۔ علامہ زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ نے لکھا ہے کہ جو چیز تم کو تاحیات دی جائے وہ عمری ہے۔ ثعلب نے کہا: عمری یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو مکان دے اور یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے لیے تاحیات ہے اور جب وہ مر گیا تو وہ مکان دینے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔ عمری اصل میں عمر سے ماخوذ ہے اور رقبسی مراقبہ (انتظار کرنا) سے بنا ہے رقبسی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو تم اس کے مالک ہو اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں اس کا مالک ہوں گا اور ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا رہے۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۴۲۱ مطبوعہ مطبعہ خیرہ مصر ۱۳۰۶ھ)

عمری کے متعلق احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی سو یہ چیز اسی کے لیے ہے جس کو دی گئی ہے۔ وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی، کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۵۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰ سنن نسائی رقم الحدیث:

۳۷۳۵ صحیح مسلم کتاب المہر رقم الحدیث: ۴۰ (۲۲۵) رقم مسلسل: ۴۵۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی اور اس سے کہا کہ ”میں نے تم کو اور تمہارے وارثوں کو اس وقت تک کے لیے یہ چیز دی ہے جب تک تم میں سے کوئی بقی رہے۔“ سو یہ چیز اس کی ہو جائے گی جس کو دی گئی ہے اور اس چیز کے مالک کی طرف نہیں لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم، کتاب المہر رقم الحدیث: ۴۲ رقم بلا تکرار: ۶۲۵ رقم مسلسل: ۴۱۱۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی وہ قطعی طور پر اس کی ہے، دینے والے کے لیے اس میں کوئی شرط لگانا جائز ہے نہ اشتاء کرنا۔ ابو سلمہ نے کہا: کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وراثت نے اس کا حق منقطع کر دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب المہر رقم الحدیث: ۴۲ رقم بلا تکرار: ۶۲۵ رقم مسلسل: ۴۱۱۲)

عمری میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۶۶ھ نے لکھا ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ میں نے تمام عمر کے لیے یہ مکان تم کو دیا، جب تم فوت ہو جاؤ گے تو یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہو گا یہ عمری بلا تعلق صحیح ہے اور وہ شخص اس مکان کا مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث مالک ہوں گے اور اگر اس کے وارث نہ ہوں تو اس کی ملکیت بیت المال کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ مطبعہ نور محمد کراچی ۱۳۷۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے:

امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ عمری کرنے والا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لیے دیا، پھر یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہے یا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لیے دیا اور قید نہ لگائے۔ ان صورتوں میں مکان لینے والے یا اس کے ورثاء کی موت کے بعد، مکان دینے والے یا اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ مسلمانوں کی لگائی

ہوئی شرائط کا اعتبار ہوتا ہے اور اس لفظ کا لول لغوی بھی یہی ہے۔

(۱) کمال المعلم بلوانہ مسلم قاضی حاض ج ۵ ص ۳۵۷ مطبوعہ دارالوفاء بیروت ۱۳۱۹ھ

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ جب عمری کرنے والا اس کو مطلق رکھے تو جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ چیز اس کی اور اس کے ورثہ کی ملکیت ہے اور جب اس نے یہ شرط لگائی کہ جب تم مر گئے تو یہ چیز میری ہو جائے گی تو اس کے متعلق امام احمد سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ عقد اور شرط دونوں صحیح ہیں اور جب معمر مر جائے گا تو وہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی اور دوسری روایت یہ ہے کہ عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے اور وہ چیز معمر کے بعد اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گی۔ (المغنی ج ۵ ص ۴۹۹ مطبوعہ دارالمنکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

شمس الاسلام محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا: میں نے تم کو عمر بھر کے لیے یہ مکان دیا اور وہ مکان اس کے سپرد کر دیا تو یہ بہ صحیح ہے اور جس کے لیے یہ کیا گیا ہے وہ اس کا فوراً مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے اس لیے اس کی موت کے بعد اس کی واپسی کی شرط باطل ہے اور یہ شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ (المبسوط ج ۲ ص ۹۵-۹۴ مطبوعہ دارالعرف بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد فرمایا: اللہ سے استغفار کرو، یعنی اپنی بُست پرستی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، پھر فرمایا: پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا رب دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرماتا ہے، اس آیت کے ان الفاظ کی تفسیر اور دعا کے مقبول ہونے اور دعا کے آداب اور شرائط کے متعلق کمال بحث البقرہ: ۱۸۶ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے صلح! اس سے پہلے آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے! کیا آپ ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے، بے شک آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس نے ہمیں زیر دست شک میں ڈال دیا ہے (ہود: ۶۸)

حضرت صلح علیہ السلام سے ان کی قوم کی امیدوں کی وجوہات

صلح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صلح سے جو اپنی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اس کی دو وجوہات تھیں: (۱) حضرت صلح علیہ السلام بہت دُک اور غم تھے اور فراخ دل اور بہت حوصلہ والے شخص تھے، اس لیے ان کی قوم کو یہ امیدیں تھیں کہ وہ ان کے دین کی مدد کریں گے، ان کے مذہب کو قوت اور استحکام پہنچائیں گے اور ان کے طریقوں اور مذہبی رسومات کی تائید کریں گے، کیونکہ جب کسی قوم میں کوئی باصلاحیت نوجوان پیدا ہو تو اس سے اسی قسم کی امیدیں قائم کی جاتی ہیں۔ (۲) حضرت صلح علیہ السلام غریبوں کی ہلی امداد کرتے تھے، مسکینوں کی خاطر مدارات کرتے تھے اور بیماروں کی عیادت اور خدمت کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کے مددگاروں اور ان کے دوستوں سے ہیں۔ اور جب صلح علیہ السلام نے ان کو بُست پرستی سے منع کیا تو ان کو سخت قہج ہو گیا کہ ان کو اچانک یہ کیا ہو گیا اس لیے انہوں نے کہا: آپ تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے، کیا آپ ہم کو ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے!

شک اور مرہب کا فرق

اس آیت میں شک اور مرہب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ شک یہ ہے کہ انسان نفی اور اثبات کے درمیان متردد ہو اور مرہب وہ شخص ہے جو کسی کے ساتھ بدگمانی کر رہا ہو، جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم شک میں ہیں تو اس کا معنی یہ تھا کہ ہم کو آپ

کے قول کے صحیح ہونے کے متعلق تردد ہے اور جب اس کے ساتھ حریب کا لفظ کہا تو اس کا معنی یہ تھا کہ ان کے اعتقاد میں حضرت صلح علیہ السلام کی دعوت کا فاسد اور غلط ہونا رائج ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (صلح نے کہا) اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو؟ (هود: ۶۳)

اپنی نبوت پر یقین کے بلوجود حضرت صلح نے بصورت شک کیوں بات کی؟

حضرت صلح علیہ السلام نے بصورت شک کہا: ”اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں“ حالانکہ حضرت صلح علیہ السلام کو اس پر کمال یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور شک کی صورت کو اس لیے اختیار کیا، تاکہ ان کے مخالفین کے لیے ان کا کلام قبول ہونے کے زیادہ قریب ہو گیا کہ انہوں نے یوں کہا کہ فرض کرو میرے پاس میرے رب کی روشن اور پختہ دلیل ہو اور مجھے کمال یقین ہو کہ میں اللہ عزوجل کا نبی ہوں، اور یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کر کے تمہارے طریقہ پر چلوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا تو اس صورت میں سوائے مجھے نقصان پہنچانے کے تم میرے حق میں کیا اضافہ کرو گے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت صلح نے کہا) اے میری قوم! یہ اللہ کی اوثقی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے، سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم کو عنقریب عذاب پہنچے گا (هود: ۶۴)

انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کی ترتیب

جو نبی بخت پرستوں کے سامنے دعویٰ نبوت کرتا ہے، وہ سب سے پہلے ان کو نبوت پرستی ترک کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر اس کے بعد ان کے سامنے اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اور جب وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر قوم اس سے اس کی نبوت پر دلیل اور معجزہ کو طلب کرتی ہے، سو حضرت صلح علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ روایت ہے کہ ان کی قوم عید کے موقع پر گئی ہوئی تھی، اس وقت انہوں نے حضرت صلح علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں، انہوں نے پہاڑ کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا اس چٹان سے انہیں اوثقی نکال کر دکھائیں۔ حضرت صلح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان کی فرمائش کے مطابق اس چٹان سے اوثقی نکل آئی۔

حضرت صلح علیہ السلام کی اوثقی کے معجزہ ہونے کی وجوہ

اس اوثقی کا حضرت صلح علیہ السلام کی نبوت پر معجزہ ہونا حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے اس اوثقی کو پیدا کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اندر اس اوثقی کو پیدا کیا، پھر اس پہاڑ کو شق کر کے اس اوثقی کو نکالا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی زر کے اس اوثقی کو حائلہ بنایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے بغیر ولادت کے مکمل جسامت اور شکل و صورت کے ساتھ اس اوثقی کو پیدا کیا۔

(۵) روایت ہے کہ ایک دن وہ کنویں سے پانی پیتی تھی اور ایک دن پوری قوم پانی پیتی تھی۔

(۶) اس سے بہت زیادہ مقدار میں دودھ حاصل ہوتا تھا جو پوری قوم کے لیے کافی ہوتا تھا۔

یہ تمام وجوہات اس کے معجزہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہیں، لیکن قرآن کریم میں صرف یہ مذکور ہے کہ وہ اوثقی آیت

اور معجزہ تھی، بلی رہا یہ کہ وہ کس اعتبار سے معجزہ تھی، اس کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔

اونٹنی سے قوم کی دشمنی کا سبب

پھر حضرت صلح علیہ السلام نے فرمایا: ”سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔“ اس قول سے حضرت صلح علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ قوم سے مشقت کو دور کریں، وہ اونٹنی ان کے لیے معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نفع پہنچاتی تھی اور ان کو نقصان نہیں دیتی تھی، کیونکہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے تھے جیسا کہ روایات میں ہے۔

حضرت صلح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ وہ کفر پر اصرار کر رہے ہیں تو ان کو اس اونٹنی کے لیے خطرہ محسوس ہوا، کیونکہ لوگ اپنے مخالف کی جنت اور دلیل کے غلبہ سے بغض رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے مخالف کی جنت کو کمزور اور باطل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، اس وجہ سے حضرت صلح علیہ السلام کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ یہ لوگ اس اونٹنی کو قتل کر دیں گے، اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر فرمایا: اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاتا ورنہ عنقریب تم کو عذاب پہنچے گا اور اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید تھی جو اس اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اس شدید وعید کے باوجود اس اونٹنی کی کو نہیں کھت دیں اور اس کو قتل کر دیا، چنانچہ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے اس اونٹنی کی کو نہیں کھت ڈالیں، تب (صلح نے) کہا کہ تم صرف تین دن مزے اٹھاؤ (پھر تم پر عذاب آجائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہر گن جھوٹی نہیں ہوگی) (ہود: ۶۵)

اونٹنی کو قتل کرنے کی وجہ

انہوں نے اونٹنی کو جو قتل کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اونٹنی حضرت صلح علیہ السلام کے دعویٰ نبوت پر دلیل تھی، تو انہوں نے حضرت صلح علیہ السلام کی مخالفت اور ان کی دشمنی میں اس اونٹنی کو قتل کر دیا اور یا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات سے تنگ آ گئے تھے کہ ایک دن وہ لوگ کنویں سے پانی نکلیں اور ایک دن وہ اونٹنی کنویں سے پانی پئے اور وہ اونٹنی اس قدر غیر معمولی جیسیم تھی کہ وہ اپنی باری کے دن جب پانی پیتی تو سارا کنواں خالی کر دیتی تب انہوں نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اس کو قتل کر دیا اور یا انہوں نے اس کو اس لیے قتل کیا کہ وہ اس کا گوشت اور اس کی چربی کھانا چاہتے تھے، بہر حال انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

اونٹنی کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن اسحق سے روایت کرتے ہیں: جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی کھلت میں بیٹھے ہوئے تھے، اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے نیچے قد ادنیٰ ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں صمد نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزری تو صمد نے اس کی ہڈی کے گوشت پر ٹاک کر تیر مارا اور قد ادنیٰ کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر تھوڑا ماری۔ وہ چل مار کر گر پڑی، انہوں نے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا پھر اس کے بُت (گردن کے نچلے حصہ) پر نیزہ مارا اور اس کو نحر (ذبح) کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۹۸۸)

ابو المرثد نے بیان کیا ہے کہ جب اس اونٹنی کی کو نہیں کھت لگیں تو اس کا بچہ چیخا ہوا پاڑوں کی طرف بھاگ گیا پھر دوبارہ اس کو نہیں دیکھا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۹۸۹)

قوم ثمود پر عذاب نازل ہونے کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (صلح نے کہا) تم صرف تین دن مزے اٹھاؤ (پھر تم پر عذاب آ جائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں جب ہم مقام حجر پہنچے تو آپ نے ہم سے فرمایا: میں لوگوں کو معجزات طلب کرنے سے منع کرتا ہوں، یہ صلح علیہ السلام کی قوم ہے جس نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک اونٹنی کو بھیج دیا، وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری کے دن اس کا سارا پانی پی جاتی تھی، اور جس دن وہ پانی پیتی تھی اس دن وہ قوم اس اونٹنی کا دودھ دودھ کر پیتی تھی اور پھر لوٹ جاتی تھی۔ اس قوم نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کوئی نہیں کٹ ڈالیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ صرف تین دن اپنے گھروں میں مزے اڑالیں (پھر اللہ کا عذاب آ جائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی (پھر تین دن کے بعد ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئی جس نے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے لوگوں کو ہلاک کر دیا، سو اس شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا وہ اللہ کے حرم میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ابورعل ہے۔ پوچھا: وہ کون ہے؟ فرمایا: وہ ابو ثقیف ہے۔

قلادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صلح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے، پھر ان کے چہروں پر نشان پڑ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہولناک حج بھیجی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

امام محمد بن اسحق بیان کرتے ہیں کہ حضرت صلح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کوئی نہیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے اور فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی، اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔ انہوں نے حضرت صلح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی کیا علامت ہے؟ اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے: وہ اتوار کو اول کہتے تھے، پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے، منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے، بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے، جمعرات کو مونس کہتے تھے اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کوئی نہیں کٹی تھی۔ حضرت صلح علیہ السلام نے کہا: جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور جب تم شبار (ہفتہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے، پھر پہلے دن (اتوار) تم پر عذاب آ جائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۲۰۵۱-۲۰۵۰، رقم الحدیث: ۱۰۹۹۳-۱۰۹۹۴-۱۰۹۹۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصلحتی الباز مکہ مکرمہ) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب تین دن تک مسلسل حضرت صلح علیہ السلام کی بتائی ہوئی عذاب کی نشانیاں پوری ہو گئیں تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت صلح علیہ السلام کی صداقت پر ایمان لے آتے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ضدی لوگ تھے، وہ اس وقت تک حضرت صلح علیہ السلام کی صداقت میں تردد رہے جب تک ان کے سر پر عذاب نہیں آ پڑا اور عذاب آنے کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے صلح کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی، بے شک آپ کا رب ہی زبردست قوت والا اور بہت غلبہ والا ہے (ہود: ۶۶)

الحزری کا معنی

”حزری“ کا معنی ہے ”سوائی“ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو حزری اس لیے فرمایا ہے کہ اس کی رسوائی بعد میں بھی باقی رہنے والی تھی اور ان معذبین کو بعد میں عبرت کا نشان بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صلح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس عذاب سے نجات دی اور ان کی قوم میں سے کافروں پر عذاب نازل ہوا اور ان کے لیے وہ عار کا سبب ہو گیا اور ان کی طرف اس عذاب کی ذلت منسوب ہو گئی کیونکہ الحزری اس عیب کو کہتے ہیں جس سے کسی شخص کی رسوائی ظاہر ہوتی ہے اور اس قسم کے عیب کے گلے سے حیا کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ظلم کرنے والوں کو ہولناک چنگھاڑنے آدبو چا تو وہ اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل (اونڈھے) پڑے رہ گئے (ہود: ۶۷)

امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ اتوار کی صبح کو دن چڑھنے کے بعد ایک ہولناک چیخ آئی جس سے ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہو گیا، ماسوا الذریعہ نامی ایک لڑکی کے، وہ حضرت صلح علیہ السلام سے سخت عداوت رکھتی تھی۔ اس نے تمام لوگوں کو عذاب میں گرفتار دیکھا، پھر وہ ایک کنویں پر گئی اور اس سے پانی پیتے ہی مر گئی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم المسد: ۱۰۹۹۹)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ جبریل کی چیخ تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آسمان سے ایک چنگھاڑ آئی تھی جس میں ہر بجلی کی کڑک تھی، جس کی ہیبت اور ہولناکی سے ان کے دل پھٹ گئے۔ بعض تفسیر میں ہے کہ جب ان کو عذاب آنے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اگر وہ عذاب آگیا تو تم کیا کرو گے۔ پھر عذاب سے مقابلہ کے لیے انہوں نے اپنی تلواریں اور اپنے نیزے منبھال لیے اور اپنے جتھوں کو تیار کر لیا، ان کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بارہ ہزار جنگجو تھے، وہ تمام راستوں پر بیٹھ گئے اور وہ اپنے گمان میں عذاب سے لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ سوکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں، پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں لٹک کر سینے تک پہنچ گئیں اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ مر گئے اور چشموں کا پانی جوش سے اُٹنے لگا، پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ غروب آفتاب تک ان کی رُود میں قبض کر لی جائیں، پھر ایک گرج دار چنگھاڑ سنائی دی جس سے وہ سب مٹنے کے بل کر ہلاک ہو گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۵۶-۵۵، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ اس چیخ کے متعلق دو قول ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد بجلی کی کڑک ہے، وہ سارا قول یہ ہے کہ یہ بہت زبردست اور ہولناک چیخ تھی جس کو سن کر وہ سب اپنے گھروں میں مٹنے کے بل اوندھے گر گئے اور اسی حال میں مر گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ چیخ ماریں اور ان کی چیخ سے سب اسی وقت مر گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ چیخ موت کا سبب کیسے بن گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس چیخ سے ہوا میں تموج پیدا ہو گیا اور جب وہ زبردست تموج ان کے کالوں تک پہنچا تو ان کے کالوں کے پردے پھٹ گئے اور اس کا اثر ان کے دماغ تک پہنچا اور وہ علی الفور مر گئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بادلوں کے پھٹنے سے وہ چیخ پیدا ہوئی ہو اور اس سے بجلی گری ہو اور اس بجلی سے وہ سب جل کر مر گئے ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۷-۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ چچ سے ہلاک ہو گئے اور الاعراف: ۸۷ میں فرمایا ہے: وہ زلزلہ سے ہلاک ہو گئے، ان دونوں آیتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس چچ سے زلزلہ آیا اور اس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گویا کہ وہ ان میں بھی رہے ہی نہ تھے، سنو بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا سنو! قوم ثمود کے لیے پھنکار ہے۔ (ہود: ۶۸)

اس کی تفسیر کے لیے ہود: ۶۰ کو ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت صلح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کے مفصل احوال ہم نے الاعراف: ۷۹-۸۳ میں بیان کر دیئے ہیں، ان کی تفصیل پر مطلع ہونے کے لیے اس سورت کا مطالعہ فرمائیں۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ

اور بے شک ہم اے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر گئے، انہوں نے کہا سلام راہراہیم نے جواباً کہا سلام،

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۚ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تُصِلُ

پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بچنا ہوا پھر اسے آگے ○ پھر سب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھلنے تک

إِلَيْهِ تَكْرَهُهُمُ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ

نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈھنسنے لگے، فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں بے شک ہیں تم

قَوْمَ لُوطٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ ۖ لَا

لوط کی طرف بھیجا گیا ہے ○ ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ سنیں پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوش خبری سنائی اور

مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِسْحَقَ يَعْقُوبُ ۚ قَالَتْ يُؤْتِيكُمُ الْإِلَهُ الْبُحُورَ وَهَذَا

اسحاق کے بعد یعقوب کی ○ (سارہ نے) کہا اسے دیکھو کیا میں بچہ جنوں کی حالانکہ میں بڑھی ہوں اور میرے یہ

بَعْلِي شَيْخًا طَرِيفًا هَذَا الشَّيْءُ عَجِيبٌ ۚ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ

شوہر بھی بڑھے ہیں، یہ بے شک یہ عجیب بات ہے ○ فرشتوں نے کہا کیا تم انہی کی قدرت پر

أَمْرًا لِلَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۚ

تعب کر رہی ہو، اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں یہ بے شک اللہ حمد و ثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے ○

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے مشعلق

قَوْمِ لُوطٍ ۱۰۳ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَلِيْمًا ۱۰۴ اَوَّاهٌ مُنِيْبٌ ۱۰۵ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

بحث کرنے کے ○ بے شک ابراہیم برادرِ اشرافؑ وہ مذہبی کرنے والے اور اس کا لڑکھٹا کرنے والے تھے ○ نے ابراہیم

عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَاءَ اَمْرٌ مِّنْ رَبِّكَ ۚ وَاَنْتُمْ لِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ

اس بات کو چھوڑ دے شک آپ کے رب کا حکم آپ کے لیے ہے بے شک ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو

مَرْدُوْدٌ ۱۰۶

مٹنے والا نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اہلے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے، انہوں نے کہا سلام (ابراہیم نے جواباً) کہا سلام، پھر تھوڑی دیر بعد وہ گئے کا بہتا ہوا پھنڑا لے آئے ○ پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھلنے تک نہیں پڑے تو ابراہیم نے ان کو انجی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے، فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے ○ (حود: ۷۶-۷۹)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں یہ ان میں سے جو حقائق ہیں۔ ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی سوانح اور ان کی قوم کے مفصل حالات ہم نے الاعراف: ۸۳-۸۰ میں بیان کر دیئے ہیں اس جگہ ہم آیات کے ضمن میں ضروری تفصیل بیان کریں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم زاوتھے، حضرت لوط علیہ السلام کی سکونت شام کی لواحی بستیوں میں تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے شہروں میں رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کے مسمان ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بھی مسمان ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی بہت اچھے طریقہ سے خیانت کرتے تھے، جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے ان کی تعداد میں حسب ذیل اقوال ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال

امام جلال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الخلی التونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل تھے۔

(۲) مقاتل نے کہا یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل تھے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ بارہ فرشتے تھے۔

(۴) محمد بن کعب نے کہا ہے کہ یہ آٹھ فرشتے تھے۔

(۵) ضحاک نے کہا یہ نو فرشتے تھے۔

(۶) بلوروی نے کہا: یہ چار فرشتے تھے۔

یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بشارت لے کر آئے تھے اس بشارت کے متعلق امام ابن الجوزی نے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) حسن نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔

(۲) قتادہ نے کہا: وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

(۳) عکرمہ نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

(۴) البلوروی نے کہا: وہ یہ بشارت دینے آئے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ)

فرشتوں کے سلام کے الفاظ

فرشتوں نے آکر کہا: سلاما۔ اس کی اصل عبارت اس طرح ہے: سلاما علیک سلاما ہم آپ کو سلام کرتے ہیں سلام کرنا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: سلام۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے: امیری سلام "میرا امر بھی سلام ہے۔"

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر جو سلام کیا اس میں قرآن مجید کی اس آیت کی رعایت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بَيْتِيكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النور: ۲۷)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا سلام اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الرعد: ۲۳-۲۴)

اور فرشتے جنتیوں کے اوپر ہر دروازے سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے: "سلام علیکم۔"

سلام کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار، پیادل چلنے والے کو سلام کرے اور پیادل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے اور قبیل، کثیر کو سلام کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان پر اپنے بھائی کے لیے پانچ چیزیں واجب ہیں: سلام کا جواب دینا، چھینک لینے والے کو الحمد للہ کے جواب میں ہر حمک اللہ کہنا، دعوت کو قبول کرنا، مریض کی عیادت کرنا اور جنازہ کے ساتھ جانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نل کلب تم کو سلام کریں تو تم کہو: وعلیکم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کو تم سلام میں پہل نہ کرو اور جب تم میں سے کوئی شخص اس کو راستے میں ملے تو اس کو تنگ راستے پر چلنے کے لیے مجبور کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کالڑکوں کے پاس سے گزر رہا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی جماعت گزرے تو ان کے لیے یہ کافی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرے اور جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان کے لیے یہ کافی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۳۱۰، الاستاذ کار رقم الحدیث: ۳۰۵۳، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۹، تہذیب ج ۲ ص ۶۱۸، فتح الملایک رقم الحدیث: ۶۷۷۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۳۳۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی جماعت پر سلام کرنے میں پہل کی اس کو اس جماعت پر دس نیکیوں کی فضیلت ہوگی، اور ایک اور حدیث میں ہے: جن دو شخصوں نے ترک تعلق کیا ہوا ہوا ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (الاستاذ کار رقم الحدیث: ۳۰۵۲)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے پاس سے گزرے، وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۷، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۶۶۱، معنی ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۶، الاستاذ کار رقم الحدیث: ۳۰۵۳۰)

جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں یا مکروہ ہے حافظ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۴۳ھ لکھتے ہیں:

عورتوں کو سلام کرنے میں سلف اور خلف کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: جب عورتیں محرم نہ ہوں تو مردان کو سلام نہ کریں، یہ اختلاف کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب عورتوں سے اذان اور اقامت اور نماز میں بلند آواز سے پڑھنا ساقط ہو گیا تو ان سے سلام کا جواب دینا بھی ساقط ہو گیا، لہذا ان کو سلام نہ کیا جائے۔ دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ بوڑھی عورتوں کو سلام کیا جائے اور جوان عورتوں کو فقہاء کے خوف سے سلام نہ کیا جائے، امام مالک کا یہی قول ہے۔ (فقہاء اختلاف کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا) (الاستاذ کار ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

اگر مسلمان کو ذی سے کوئی کلام ہو تو وہ اس کو سلام کر لیں ورنہ ان کو سلام کرنا مکروہ ہے، جس طرح مسلمان کا ذی سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اور اگر یہودی یا نصرانی یا مجوسی مسلمان کو سلام کریں تو ان کو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جواب میں صرف اتنا کہ "وعلیکم السلام" کسی ذی کو تعظیماً سلام کرنا کفر ہے، مانگتے والے کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح جمعہ کے خطبہ کے وقت جو سلام کرے، اس کے سلام کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے، جب انسان کسی کے گھر جائے تو پہلے اجازت طلب کرے، پھر سلام کرے، پھر کلام کرے، سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ"

وہر کاتہ پر اضافہ نہ کرے، سلام کا فوراً جواب دے، فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ فاسق مطمئن ہو ورنہ نہیں، اسی طرح جو شخص سلام کا جواب دینے سے حقیقتاً عاجز ہو مثلاً کھانا کھا رہا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جو شخص سلام کا جواب دینے سے شرعاً عاجز ہو مثلاً نماز پڑھ رہا ہو یا قرآن مجید پڑھ رہا ہو، ان کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اگر کسی نے سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۷-۲۷۳ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ حکنفی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے: جو نماز پڑھ رہا ہو، قرآن مجید پڑھ رہا ہو، حدیث بیان کر رہا ہو، خطبہ دے رہا ہو، خطبہ سن رہا ہو، فقہ کا تکرار کر رہا ہو، مقدمہ کا فیصلہ کر رہا ہو، کسی فقہی مسئلہ میں بحث کر رہا ہو، اذان دے رہا ہو، اقامت (بحکیر) کہہ رہا ہو، دینی کتب کا درس دے رہا ہو، جو ان اجنبی عورتوں کو سلام کرنا زیادہ مکروہ ہے (بوڑھی عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے بلکہ اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو ان سے مصافحہ کرنا بھی جائز ہے، شامی) جو شطرنج کھیل رہا ہو، یا جو فتن میں ان کے مشابہ ہو (ہر وہ شخص جو کسی گنہ میں مشغول ہو، مثلاً جو کھیل رہا ہو، شراب پی رہا ہو، لوگوں کی غیبت کر رہا ہو، کیوڑاڑا رہا ہو، یا گانا گارہا ہو، مذاق کرنے والے بوڑھے کو سلام نہ کرے، نہ جھوٹ بولنے والے کو نہ فحش باتیں کرنے والے کو نہ گالیاں دینے والے کو نہ اس کو جو اجنبی عورتوں کو دکھاتا ہو، شامی) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کر رہا ہو، کافر کو اور جو شخص برہنہ ہو اور جو پیشاب، پاخانہ میں مشغول ہو اور جو کھانا کھا رہا ہو یعنی اس کے منہ میں لقمہ ہو، جو شخص استنؤ سے سبق پڑھ رہا ہو، جو شخص تسبیح پڑھ رہا ہو، ذکر کر رہا ہو یا تلبیہ پڑھ رہا ہو یا نذر گھ رہا ہو یا خیمہ میں ہو یا نشہ میں ہو یا مجنون ہو، ان تمام لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص ان حالتوں میں سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۵-۳۱۳ ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل

حفظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور ان کو سلام کیا اور کہا: سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں نے جواب میں کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعفوه ومغفرته، حضرت ابن عباس نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے کہا: عطاء۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سلام، و ہر کاتہ کے لفظ پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ آیت پڑھی: رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البيت انه حمید مجید۔ (محد: ۷۳) (اس سے معلوم ہوا کہ انکار کے جو الفاظ مقول ہوں ان پر اضافہ کرنا درست نہیں ہے..... سعیدی

غفرلہ) (الاستاذ ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں:

سلام میں پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اگر سلام کرنے والی ایک جماعت ہو تو ان کے حق میں سلام کرنا سنت کفایہ ہے، اور اگر ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی، جس شخص پر سلام کیا گیا ہے اگر وہ ایک ہے تو اس پر جواب دینا حتمی ہے، اور اگر ایک جماعت پر سلام کیا گیا ہو تو ان کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، اگر ان میں سے کسی ایک شخص نے جواب دے دیا تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، اور افضل یہ ہے کہ پوری جماعت سلام کرے اور پوری جماعت جواب دے۔ امام ابن عبد البر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سلام میں پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

سلام کے کم از کم الفاظ یہ ہیں: السلام علیکم، جس کو سلام کیا ہے اگر وہ ایک ہے تو السلام علیک کے، لیکن افضل یہ ہے کہ فرشتوں کو شامل کر کے السلام علیکم کے اور کمال طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے اضافہ پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ فرشتوں نے سلام کے بعد کہا تھا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت۔ (ہود: ۷۳) اور تشدد میں پڑھا جاتا ہے السلام علیک ایہا السبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور ابتداء میں علیکم السلام کتنا مکروہ ہے۔ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو کیونکہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۴) اور جواب دینے کا افضل اور اکمل طریقہ یہ ہے کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے اور اگر وعلیکم السلام پر اقتصار کر لیا تو یہ بھی جائز ہے، سلام کرنے والا اگر سلام علیکم یا السلام علیکم کے اور جواب دینے والا بھی اس کی مثل سلام علیکم یا السلام علیکم کے تو یہ بھی جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے: قالوا سلاما قال سلام۔ (الذاریات: ۲۵) لیکن الف لام کے ساتھ کتنا افضل ہے۔ (امام رازی نے لکھا ہے بغیر الف لام کے سلام علیکم کتنا افضل ہے، کیونکہ سلام کی ثنویں کمال، مبالغہ اور تمام پر دلالت کرتی ہے اور لفظ السلام صرف مہیبت پر دلالت کرتا ہے۔) محض نے کما عرب ثنویں اور الف لام کے بغیر سلام علیکم کہتے ہیں، اس کا سبب کثرت استعمال ہے جو تخفیف کا مقتضی ہے۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۷۳-۳۷۲ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ

سلام کا جواب فوراً دینا چاہیے، اگر کوئی شخص کسی کا سلام پہنچائے پھر بھی فوراً جواب دینا چاہیے۔ اگر خط میں سلام پہنچے تو اس کا بھی فوراً جواب لکھ دے۔ حدیث میں ہے کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور کھڑا ہوا بیٹھے کو سلام کرے، کم زیادہ کو سلام کریں اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے، یہ افضل اور مستحب ہے اگر اس کے برعکس کیا پھر بھی جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور السلام علیک کا معنی یہ ہے کہ تم پر اللہ کا نام ہو یعنی تم اس کی حفاظت میں رہو، اور ایک قول یہ ہے کہ سلام، سلامتی کے معنی میں ہے، یعنی یہ دعا ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔

(شرح مسلم ج ۹ ص ۵۸۳۱-۵۸۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

السلام علیکم کا جواب وعلیکم السلام ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ کلام کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہو اور اس کی انتہا بھی اللہ کے نام پر ہو یا شکر و تحمید کے لیے سلامتی کی دعا کرے اور جواباً مخاطب بھی اس کے لیے سلامتی کی دعا کرے، سلامتی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی ہر بلا اور ہر عیب سے اور آخرت کے ہر عذاب سے سلامت رکھے۔

اسلام میں مہمان نوازی کی حیثیت

اس کے بعد فرمایا: پھر تھوڑی دیر بعد وہ (ابراہیم) گائے کا بھنا ہوا پھجڑا لے آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گائے کا پھجڑا اس لیے لائے تھے کہ ان کے اموال میں زیادہ تر گائیں تھیں۔

اس آیت سے یہ مستفاد ہوا کہ میزبانی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کو جلدی کھانا پیش کیا جائے اور جو چیز فوراً دستیاب ہو اس کو پیش کر دیا جائے، اس کے بعد دیگر لوازمات تلاش کیے جائیں اگر اس کی دسترس میں ہوں، اور زیادہ تکلفات کر کے اپنے آپ کو ضرر اور مشقت میں نہ ڈالے اور یہ کہ مہمان نوازی کرنا مکرم اخلاق، آداب اسلام اور انبیاء اور صلحاء کی سنتوں اور ان کے طریقوں میں سے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی۔ جمہور علماء

ایک دن اور ایک رات مہمان کی خوب خاطر مدارات کرنی چاہیے اور حسبِ توفیق اس کو ہدیے وغیرہ دیئے جائیں اور دوسرے اور تیسرے دن اس کو معمول کے مطابق کھانا کھلائے۔ مہمان تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرے یا اس کی وجہ سے مہمان کے معمولات میں خلل ہو یا مہمان کی مصروفیات کی وجہ سے میزبان کو ضرر پہنچے یا وہ اس کے متعلق بدگمانی کرے اور گناہ میں مبتلا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رَاحَتِيسُوا كَثِيرًا قِسَّ الطَّيْرِ إِنَّ بَعْضَ الطَّيْرِ
(نہ۔ (المحجرات: ۳)

زیادہ گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گنہ ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جب مہمان، میزبان کے مطالبہ کے بغیر تین دن سے زیادہ قیام کرے لیکن اگر میزبان نے خود مہمان کو زیادہ قیام کے لیے کہا ہو یا اس کو علم ہو یا گمان ہو کہ اس کا زیادہ قیام میزبان پر بار نہیں ہے بلکہ وہ اس پر خوش ہے تو پھر اس کے زیادہ قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۸ ص ۷۵۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ ہمیں (مختلف مہمان پر) روانہ کرتے ہیں، ہمیں (بعض اوقات) ایسے لوگوں کے پاس قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت نہیں کرتے، (اس صورت میں) آپ کا کیا حکم ہے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری معمول کے مطابق مہمان نوازی کریں (تو نہیں) اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اس قدر وصول کرو جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۸۱-۲۳۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۵۲۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۷۶)

حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک رات تو مسلمان پر مہمان کا حق ہے، جو شخص کسی مسلمان کے گھر رہے تو وہ اس مسلمان پر قرض ہے، اب مہمان چاہے تو میزبان سے قرض وصول کرے اور چاہے چھوڑ دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۵۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۷۷)

حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اور صبح تک وہ مہمان محروم رہے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر حق ہے حتیٰ کہ اس مہمان کی ضیافت اس قوم کے مال اور ان کے کھیت سے وصول کر لی جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۵۵۱)

مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات

یہ احادیث امام احمد اور لیث کی دلیل ہیں کہ ایک رات کی مہمان نوازی کرنا میزبان پر واجب ہے، قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ احادیث ابتداء اسلام پر معمول ہیں جب بالعموم مسلمان تنگ دست تھے، اس وقت لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ مسافروں اور مہمانوں کی ضیافت کریں اور اگر وہ ضیافت نہ کریں تو مہمان کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضیافت ان سے جبراً وصول کر لے، اور جب اللہ تعالیٰ نے فطرت اور مابعد غیبت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس سے مستغنی کر دیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا خصوصاً اس آیت سے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ - اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔
(البقرہ: ۱۸۸)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اضطراب کی حالت پر محمول ہے، یعنی جب مہمان یا مسافر کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے اور نہ کھانے کی صورت میں اس کو موت کا خطرہ ہو تب وہ اتنی مقدار جبراً بھی لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے اہل ذمہ پر یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جب مجاہدین ان کے علاقے سے گزریں تو ان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضیافت کریں اور یہ ان علاقوں میں شرط تھی جن کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو علاقے فتح کیے گئے تھے ان میں یہ شرط تھی۔

(اکمال المعظم بغوائد مسلم ج ۶ ص ۲۳، مطبوعہ دار ابو قاع بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۷۶۷ھ نے ان احادیث کو استنباب کی تاکید پر محمول کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ہر بالغ پر غسل جمعہ واجب ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جو لوگ مہمان کی ضیافت نہ کریں ان کی خدمت کرنا مباح ہے اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ احادیث اضطراب کی حالت پر محمول ہیں اور قاضی عیاض کے ہاتھی جوابوں کا رد کیا ہے۔

(شرح مسلم ج ۸ ص ۴۵۹، ۴۵۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ

قلود نے بیان کیا ہے کہ جب عربوں کے پاس کوئی مہمان جاتا اور وہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ شخص کسی نیک ارادہ سے نہیں آیا، اور وہ اپنے دل میں کوئی بڑا منصوبہ لے کر آیا ہے، اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوف زدہ ہوئے۔ جندب بن سفیان نے کہا: ان کے ہاتھوں میں تیر تھے اور وہ تیروں سے اس بھنے ہوئے چھڑے کو کریدنے لگے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات بہت عجیب لگی اس وجہ سے وہ خوف زدہ ہوئے۔

(جامع البیان ج ۱۲ رقم الحدیث: ۱۳۱۳۶، ۱۳۱۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان مہمانوں نے کھانے کی طرف اس لیے ہاتھ نہیں بڑھائے تھے کہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھانے پینے سے منزہ ہیں، وہ مہمانوں کی صورت میں اس لیے آئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی مہمان نوازی میں بہت کوشش کرتے تھے، اب رہا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے کیوں خوف زدہ ہوئے تو اس کی دو تقریریں ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں، وہ ان کو عام انسان سمجھے تھے اور ان کے خوف زدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں سے دور ایک الگ تھلک جگہ رہتے تھے اور جب انہوں نے ان کے ساتھ کھانا نہیں کھایا تو حضرت ابراہیم نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم میں یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی کا نمک کھالیتا تھا وہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا اور جب کوئی شخص کسی کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا تو اس سے نقصان کا خطرہ ہوتا تھا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور وہ اس لیے خوف زدہ ہوئے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی بات پسند نہیں آئی اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا ہے یا اس لیے خوف زدہ ہوئے کہ ان کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں

جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ مہمان فرشتے ہیں، ان کے یہ دلائل ہیں:
(۱) حضرت ابراہیم مہمانوں کے آتے ہی فوراً ان کے لیے کھانے کر آگئے، اگر ان کو علم ہو تاکہ یہ فرشتے ہیں تو وہ کھانا نہ لائے۔

(۲) وہ ان کے کھانا نہ کھانے سے خوف زدہ ہو گئے اور کسی نقصان کا خطرہ محسوس کیا کہ اگر ان کو علم ہو تاکہ یہ فرشتے ہیں تو ان کو ان کے کھانا نہ کھانے سے کوئی خوف نہ ہوتا۔

جن مفسرین نے یہ کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ وہ مہمان فرشتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم سے کہا: آپ ہم سے خوف زدہ نہ ہوں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، یہ بات اسی وقت کی جاسکتی تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس سبب سے بھیجا گیا ہے تبھی انہوں نے کہا: آپ مت ڈریئے ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے اور ایک اور سورت میں فرشتوں نے کہا:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ قَوْمَ فَخْرٍ مِّنْهُنَّ لِيُزَكِّيَنَّكَ اللَّهُ وَخَلِّيَ بَيْنَنَا سَبِيلًا ۚ (الذاریات: ۳۳-۳۴)
بے شک ہم بھروسہ کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر
عزیز کر دیں۔ (الذاریات: ۳۳-۳۴) پھر سائیں۔

پچھلی امتوں میں بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تھا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

طبری نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے بیٹھا ہوا چھڑا پیش کیا تو انہوں نے کہا: ہم قیمت دیئے بغیر کوئی کھانا نہیں کھاتے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اس کی قیمت یہ ہے کہ تم کھانے کے شروع میں اللہ کا ذکر کرو اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کرو، تب حضرت جبرئیل نے اپنے ساتھی فرشتوں سے کہا: اسی وجہ سے ان کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور کھانے کے آخر میں الحمد للہ پڑھنا پہلی امتوں میں بھی شروع تھا۔

بعض اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تما کھانا نہیں کھاتے تھے، جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کسی کو اپنے ساتھ کھانے کے لیے بلا لیتے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ ایک شخص کھانے کے لیے بیٹھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بسم اللہ پڑھو۔ اس شخص نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: چلو میرے کھانے سے اٹھ جاؤ۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کفر کے بلوجود اس کو ساری عمر رزق دیتا رہا اور تم نے اس کو ایک نعمت دینے میں بخل کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر اس شخص کی تلاش میں نکلے اور اس سے فرمایا: واپس آ جاؤ۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک کہ تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم مجھے کس وجہ سے بلا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم نے اس کو پوری تفصیل بتائی۔ اس نے کہا: یہ تو رب کریم ہے، پھر وہ ایمان لے آیا، حضرت ابراہیم کے گھر گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اس خلق کی پیدائش کی خوش خبری سنائی، اور اس خلق کے بعد یعقوب کی (صودہ: ۱۱)

حضرت سارہ کے ہنسنے کی وجوہ

لام رازی نے لکھا ہے کہ سارہ آذر بن باحوراء کی بیٹی تھیں، اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں، یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرشتوں سے باتیں سن رہی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مہمانوں کی خدمت کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم فرشتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سارہ کے ہنسنے کی حدود و جوہ بیان کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ مت ڈریں، ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے خوش ہونے سے سارہ بھی خوش ہو گئیں اور ایسے موقع پر آدمی ہنس پڑتا ہے۔

(۲) حضرت سارہ قوم لوط کے عمل سے سخت ناراض اور غمگین تھیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ فرشتے ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو وہ ہنس پڑیں۔

(۳) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس کھانے کی قیمت اس کے اقل میں اللہ کا ذکر اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور فرشتوں نے کہا کہ ایسے ہی شخص کا یہ حق ہے کہ اس کو اللہ کا ظیل بتایا جائے تو حضرت سارہ یہ سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔

(۴) حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھانجے (حضرت لوط) کو اپنے پاس بلا لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے والوں کو ضرور عذاب دیتا ہے اور جب فرشتوں نے یہ بتایا کہ وہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں تو انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا مشورہ فرشتوں کی خبر کے موافق تھا اس لیے وہ ہنس پڑیں۔

(۵) جب فرشتوں نے یہ کہا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اس پر دلیل طلب کی۔ فرشتوں نے دعا کی اور وہ بھنا ہوا چمچ زندہ ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا یہ دیکھ کر سارہ ہنس پڑیں۔

(۶) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ایک قوم پر عذاب آنے والا ہے اور وہ غفلت میں مبتلا ہے، اس لیے ان کو ہنسی آگئی۔
(۷) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی ہو، اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آگئی کیونکہ اس وقت ان کی عمر نوے سال سے اوپر تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو خوشی سے ہنسی آئی ہو، اور جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحق ہے اور اس کے بعد یعقوب پیدا ہو گا۔

(۸) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر رعب اور دبدبہ کے باوجود صرف تین آدمیوں سے کیسے ڈر گئے، اس لیے ان کو ہنسی آگئی۔

ان میں سے بعض وجوہ کا ذکر امام ابن جریر طبری نے کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۶-۹۵)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سارہ نے) کہا ارے دیکھو! کیا میں بچہ جنوں کی! حالانکہ میں بوڑھی ہوں، اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے (ص ۷۷)

یا و یلشی کا معنی اوپر ترجمہ

علامہ حسین بن محمد راقب و صفائی متوفی ۵۵۲ھ نے لکھا ہے نبوی ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے

اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے اور ویل برائی کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور جسم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے۔ (الفردات ج ۲ ص ۲۹۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۳۸۱ھ)۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۷۵۵ھ نے لکھا ہے: وی تعجب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، وبع کسی مصیبت زدہ پر اظہارِ رحم کے لیے بولا جاتا ہے اور ویل کسی بُرائی یا خرابی کے نزول کے لیے بولا جاتا ہے۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۹۰، مطبوعہ ایران ۱۳۱۳ھ)

علامہ جابر اللہ محمود بن عمر زعفرانی متوفی ۵۸۳ھ نے لکھا ہے کہ ویل اظہارِ تعجب کے لیے آتا ہے۔

(القائمی ج ۳ ص ۳۸۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ السبارک بن محمد بن الاشعر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: ویل غم، مصیبت، ہلاکت، عذاب اور ندامت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہارِ تعجب کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

(المنایہ ج ۵ ص ۳۰۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

شیخ سعدی متوفی ۶۹۱ھ نے باویلسی کا ترجمہ کیا ہے: اے عجبہ! شہ ولی اللہ متوفی ۸۷۶ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے وائے! شہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے خرابی! شہ رفیع الدین متوفی ۷۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے وائے! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہائے خرابی! سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہائے میری کم بختی! ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے المسوس! ہلقی مترجمین نے بھی اسی طرح کے ترجمے کیے ہیں۔

قرآن مجید کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی رنج اور مصیبت کے اظہار کا موقع نہیں تھا بلکہ تعجب کے اظہار کا موقع تھا اور ہم نے کتب لغت کے حوالہ جات سے بھی بیان کیا ہے کہ ویل کا لفظ اظہارِ تعجب کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس لیے ہم نے اردو محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ ارے دیکھو! کیا ہے اس موقع پر اے ہے بھی بولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہے ہو! اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد و ثناء کا مستحق، بہت بزرگ ہے (ہود: ۷۳)۔

حضرت سارہ نے جو تعجب کیا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب ہے تو یہ کفر ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جمل ہے تب بھی کفر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعجب عرف اور علوت کی بناء پر ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان تھا لیکن چونکہ یہ ولادت عرف اور علوت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے اس پر اظہارِ تعجب کیا۔ اہل بیت کے مصداق کی تحقیق

فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا: اے اہل بیت! اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء عظیم السلام کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بھی اہل بیت سے ہیں اور اس آیت میں داخل ہیں:

لَمَّا يَرِيذُ اللَّهُ يُبْذِثَ عَنْكُمْ التَّحْسَنَ

أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

(الاحزاب: ۳۳)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۶۳، روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۵۹)

شیعہ مفسرین میں سے شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن اللوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے حضرت سارہ کو اہل بیت کہا اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی زوجہ بھی اس کے اہل بیت میں داخل ہے، یہ جہاں کا قول ہے اور دوسروں نے یہ کہا ہے کہ حضرت سارہ کو اہل بیت سے اس لیے شمار کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں۔ (التیسان ج ۶ ص ۳۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں کہ مجمع میں بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت سے شمار کرنا اس پر دلالت نہیں کرنا کہ کسی شخص کی بیویاں اس کے اہل بیت سے ہوتی ہیں، کیونکہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں اسی وجہ سے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت سے شمار کیا گیا۔

(منہج الصادقین ج ۱۲ ص ۳۳۹، مطبوعہ کتاب فروشی علیہ السلام، ایران)

اس کے برخلاف محققین شیعہ کی ایک جماعت نے لکھا ہے:

بعض مفسرین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان کی بیوی بھی اس کے اہل بیت میں شامل ہوتی ہے، اور یہ عنوان بیٹوں اور ماں باپ کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور یقیناً یہ استدلال صحیح ہے، حتیٰ کہ اگر یہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اہل کا استعمال اس معنی میں صحیح تھا۔ (تفسیر نمونہ ج ۶ ص ۹۷۳ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۷۵ھ)

اور یہی بات صحیح ہے کہ اہل بیت کا لفظ کسی شخص کی بیوی کو بھی شامل ہوتا ہے، کتب لغت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اہل اس کی زوجہ ہے اور جو اس کے ساتھ مخصوص ہوں، اور اہل بیت سے مراد ہے اس کے گھر میں رہنے والے۔ (کتاب النعمین ج ۱ ص ۹۵ مطبوعہ مطبع ہاتری قم ایران، ۱۳۳۳ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اہل بیت کا معنی ہے اس کے گھر میں رہنے والے، کسی شخص کا اہل وہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل، آپ کی ازواج، آپ کی صاحب زادیاں اور آپ کے داماد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی خواتین اور آپ کے مرد ہی آل ہیں۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزة قم، ایران، ۱۳۰۵ھ)

سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اہل اس کی بیوی ہے، اور اس میں اولاد بھی داخل ہے، قرآن مجید میں ہے: وسار باہلہ یعنی وہ اپنی بیوی اور اولاد کو لے کر رات کو روانہ ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل آپ کی ازواج، آپ کی صاحب زادیاں اور آپ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا آپ کی ازواج ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے اہل وہ مرد ہیں جو آپ کی آل ہیں، اس میں آپ کے نواسے اور آپ کی ذریات بھی داخل ہیں، اسی معنی میں یہ آیات ہیں: وامر اہلک بالصلوٰۃ واصطر علیہا۔ (طہ: ۳۲) انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت۔ (الاہزاب: ۳۳) رحمۃ اللہ ومرضاتہ علیکم اہل البیت۔ (حود: ۷۳)

(ماہ العروس ج ۷ ص ۳۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ابراہیم کا خوف دُور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے (حود: ۷۴)

فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے بحث کرنا اللہ تعالیٰ پر سخت جرات کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر جرات کرنا بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں تھے، اور اگر یہ بحث فرشتوں کے ساتھ تھی تو اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ قوم لوط کو ہلاک نہ کریں، تو اگر حضرت ابراہیم کا گمان یہ تھا کہ فرشتے از خود قوم لوط کو ہلاک کر رہے ہیں تو یہ فرشتوں کے حلقہ بدگمانی تھی اور اگر ان کا گمان یہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم لوط کو عذاب دینے کے لیے جا رہے ہیں تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابراہیم یہ چاہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور یہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فضاویہ نہیں تھا کہ قوم لوط پر عذاب نازل نہ کیا جائے بلکہ ان کا فضاویہ یہ تھا کہ اس عذاب کو موخر کر دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تاخیر کی وجہ سے ان میں سے بعض ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ تو نہیں فرمایا کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے اور فرشتوں کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے۔

فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے درمیان نزول عذاب کے حلقہ جو بحث ہوئی اس کے بارہ میں حسب ذیل روایات ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری حنفی ۳۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا تم کس کام سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر اس بستی میں ایک سو مسلمان ہوئے تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا اگر پچاس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اگر دس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا اگر اس بستی میں دس مسلمان ہوں تب بھی ہم ان کو ہلاک نہیں کریں گے، پھر فرشتوں نے کہا اے ابراہیم! اس بحث کو چھوڑیں، اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط اور ان کے گھر والے ہیں، پھر کہا اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑیں، ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹٹنے والا نہیں ہے اور یہ آپ کے رب کا حکم ہے۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر کہا اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا نہیں! حضرت ابراہیم نے کہا اگر اتنی ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کہا اگر ستر ہوں تو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کہا اگر ساٹھ ہوں تو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کہا اگر پچاس ہوں تو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ کہا اگر ان میں صرف ایک مسلمان ہو تو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے، حضرت ابراہیم نے کہا اس بستی میں لوط ہیں؟ فرشتوں نے کہا ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْوَا حَحْنُ اَعْلَمُ بِحَسَنٍ فِيْهَا لَسَحِيحَةً
وَاَهْلَةً اِلَّا اَمْرًا كَكَتَّ مِنَ الْغَيْرِ مَسْ
فرشتوں نے کہا ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں
ہیں، ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے،
اسوا ان کی عورت کے وہ ہلکی رہ جانے والوں میں سے ہے۔
(النکیت: ۳۲)

(جامع البیان رقم الحديث: ۹۳۱۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں سے مباحث کے متعلق یہ آیات بھی ہیں:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ
لَمَّا ارْتَبِلْنَا اِلَى قَوْمٍ مُّخْلِطِينَ لِيُرْسِلَ
عَلَيْهِمْ جَحَارَةً مِّنْ طَائِفٍ مِّنْ مَّسْوَمَةٍ عِنْدَ
رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَن كَانَ
فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ
بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيْهَا آهَةً
لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْاَلِيمَ ۝
ابراہیم نے کہا اے بھیجے ہوئے فرشتو! تم سارا کہہ دیا ہے؟
انہوں نے کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان
پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر وہ سے تہلوں کرنے والوں کے
لئے آپ کے رب کے پاس سے نکل گئے ہوئے ہیں سو ہم
نے اس بستی سے تمام ایمان والوں کو نکل لیا تو ہم نے اس
بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہ پایا اور
جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لئے اس
بستی میں ایک نشان بقی رکھی

(الذاریات: ۳۷-۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ابراہیمؑ و ہارہ اللہ سے آہ و زاری کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے
والے تھے (حود: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صبح سرائی

حلیم کا معنی ہے: انہیں بہت دیر میں غصہ آتا ہے، آواہ کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور اس کے
سامنے آہ و زاری کرنے والے ہیں اور مسبب کا معنی ہے اس کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے
ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت زیادہ صبح کی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو جب یہ پتا چلا کہ فرشتے قوم لوط کو عذاب دینے کے لئے جا رہے ہیں تو ان کو بہت زیادہ رنج ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے بہت
ڈرے اس لئے فرمایا: وہ حلیم اور آواہ ہیں اور ان کو منیب اس لئے فرمایا کہ جو شخص دو سروں پر عذاب کی وجہ سے اللہ
تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اپنے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے کتنا ڈرنے والا اور اس کی طرف کتنا زیادہ
رجوع کرنے والا ہوگا۔

فرشتوں سے بحث کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صبح کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بحث
کرے اللہ تعالیٰ کو ناگوار اور ٹھنڈا نہ تھا اور اس بحث میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اعتراض ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑو، بے شک آپ کے رب کا حکم اچکا ہے، بے شک ان پر ایسا
عذاب آنے والا ہے جو نکلنے والا نہیں ہے (حود: ۷۶)

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اے ابراہیم! اب اس بحث کو ختم کر دیں کیونکہ قوم لوط پر عذاب مقدر
ہو چکا ہے اور یہ تقدیر مبرم ہے جو نکلنے والی نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَیْ عَرِیْمٌ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ

اور جب ہمارے فرشتے (خوہورت) لوگوں کی شکل میں اوطاک کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غلین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا، اور انہوں نے کہا

هَذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ یُهْرَعُونَ إِلَیْهِ مِنْ قَبْلِ

آج کا دن بڑا سخت ہے ۝ اور ان کی قوم کے دل ان کے پاس دوڑتے ہوئے گئے، اور وہ پہلے ہی

كَانُوا یَعْمَلُونَ السَّیِّئَاتِ ۖ قَالَ یَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِی هُنَّ أَطْهَرُ

برے کام کرتے تھے، بولے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے بہت

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنِ فِی ضِیْفِی ۖ أَلِیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

پاکیزہ ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور میرے بھانوں کے بارے میں مجھے خرمندہ نہ کرو، کیا تم میں کوئی نیک شخص

تَشِیْدٌ ۖ ۝ قَالَوَالْقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِی بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ

نہیں ہے؟ ۝ انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی (قوم کی) بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور آپ خوب

لَتَعْلَمَ مَا نُرِیدُ ۖ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِی بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِیَ إِلَىٰ ذُكُنِ

جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے ۝ بولے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہو لی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں

شَدِیدٌ ۖ ۝ قَالَوَایْلُو طَرَا نَارُ سُلُ رَیْبِكَ لَنْ یَّصِلُوا إِلَیْكَ فَكُفِّرْ

پناہ سے یقیناً ۝ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، آپ رات کے

بِأَهْلِكَ یَقْطَعِ مِنَ اللَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتُكَ ۖ

ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں، اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں،

إِنَّهُ مُصِیْبُهُمَا مَا أَصَابَهُمْ ۖ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۖ أَلِیْسَ الصُّبْحُ

بے شک اس کو (دھبی، وہی) عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا، بے شک صبح کو ان کی وعید کا وقت ہے، کیا صبح

یَقْرِیْبٌ ۖ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

قریب نہیں ۝ سو جب ہمارا عذاب آپ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو اس کے نیچے کر دیا اور ہم نے

عَلَيْهَا جَارَةٌ مِّنْ سَيِّئِ اللَّامِ مُتَّصِدَةٌ ۖ مُّسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَأْسِكَ ط

ان کے اوپر پتھر کے سنگ لگاتار برسائے ۝ جو رکند، آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے

وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۙ

اور یہ سزا ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارے فرشتے (خوب صورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا آج کا دن بڑا سخت ہے ۝ (ہود: ۷۷)

مشکل الفاظ کے معانی

درعاً: ذریعہ کا معنی ہے ہاتھ کا پھیلاؤ یعنی کمبلی سے لے کر انگلی کے سرے تک کی لمبائی، یہ قدرت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، واسع الدرع کا معنی ہے وہ قدرت والا ہے اور دل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہو خالی الدرع کا معنی ہے اس کا دل غموں سے خالی ہے۔ (المجد)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت میں وصافی بہ ذریعہ کا معنی ہے فرشتوں کے آنے سے حضرت لوط کا دل تنگ ہو گیا، اس کی اصل یہ ہے کہ اونٹ چلتے وقت اپنے اگلے پیروں سے اپنے قدموں کی گنجائش کی پیمائش کرے اور جب اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بار لادا جائے تو وہ تنگ ہوتا ہے، درع کا معنی غلبہ بھی ہے، ذریعہ القبی کا معنی ہے اس کو قے آگنی، یعنی وہ کسی ناموافق چیز کو اپنے اندر روکنے سے تنگ ہو گیا اور قے اس پر غالب آگنی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا دل اس لیے تنگ ہوا تھا کہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں ان کے پاس آئے اور وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم امرد پرست اور اغلام باز ہے تو ان کو یہ پریشانی ہو گئی کہ وہ ان خوبصورت لڑکوں کو اپنی بدکردار قوم سے کیسے بچائیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۶۶، مطبوعہ دار الفکر ۱۳۱۵ھ)

عصیب: عصب کا معنی ہے لپیٹا ہوا یا بند ہوا اجتماع کرنا (المجد) عصبۃ کا معنی ہے جماعت، کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کو بھی عصب کہتے ہیں، ناگوار شر کے مجموعہ کو بھی عصب کہتے ہیں اور کسی چیز کی شدت ظاہر کرنے کو بھی عصب کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۶۷)

فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس پہنچنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ اپنی زمین میں کلم کر رہے تھے، اور فرشتوں سے یہ کہا گیا کہ ان کی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہ کرنا جب تک حضرت لوط ان کے خلاف گواہی نہ دیں۔ فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ ہم آج رات آپ کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں، کچھ دیر بعد حضرت لوط نے ان سے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بستی والے کیسے کلم کرتے ہیں؟ بخدا میں روئے زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، پھر دوبارہ ان سے یہی کہا اور ان کو لے کر چل پڑے۔ جب حضرت لوط کی بیوی نے ان کو دیکھا تو وہاں کے لوگوں کو جاگرتا دیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں گئے اور ان دونوں بستیوں کے درمیان چار فرسخ (بارہ شرعی میل) کا فاصلہ تھا وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انتہائی خوبصورت بے ریش لڑکوں کی شکل میں گئے، حضرت لوط علیہ السلام یہ نہیں پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجہ

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنی قوم کی خیانت کی وجہ سے ان لڑکوں کی عزت کا خطرہ تھا اور وہ تن تھان کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رات ان کے پاس لڑکوں کی خیانت کے لیے کوئی سہانہ نہیں تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا ہوا تھا کہ آپ اپنے ہاں کسی مہمان کو نہ ٹھہرائیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۷۸-۳۷۷، غرائب القرآن ج ۳ ص ۱۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے، لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے شرمندہ نہ کرو، کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے؟ (هود: ۷۸)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صلیبی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا یا قوم کی بیٹیوں کو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے۔ ابن جریر نے کہا یعنی مرد مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۳۷۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں نہیں تھیں، وہ ان کی امت کی بیٹیاں تھیں، اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۳۷۸۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۳۶۶)

لہذا نے کہا حضرت لوط نے فرمایا: ان عورتوں سے نکاح کر لو، (ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان سے بدکاری کرو) اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نبی کی مراد یہ تھی کہ ان بیٹیوں سے نکاح کے ذریعہ اپنے مہمانوں کی عزت بچائیں۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۱۸۶)

امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، اور ان کی قوم کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین و جمیل بے ریش لڑکے آئے ہیں، ان کو یہ خبر حضرت لوط کی بیوی نے پہنچائی تھی، اس نے ان سے کہا میں نے اس سے پہلے اتنے حسین اور جمیل لڑکے نہیں دیکھے اور وہ لوگ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے، اور ان سے پہلے کسی نے یہ خلاف فطرت کام نہیں کیا تھا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کیا ہم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص نہ آئے، اگر کوئی آیا تو ہم اس سے یہ بے حیائی کا کام کریں گے، تب حضرت لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں، میں ان بیٹیوں سے نکاح کرنے کو اپنے مہمانوں کو فہم دیتا ہوں، اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ حرام کام کو ترک کر کے حلال نکاح کر لیں۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۳۷۸۰ مطبوعہ بیروت، ۱۴۳۵ھ)

سعید بن جبیر نے کہا یعنی قوم کی عورتوں سے نکاح کر لو جو ان کی بیٹیاں ہیں اور وہ ان کے نبی ہیں، کیونکہ نبی امت کا بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وازواجه لم یسبہنہم۔ (الاحزاب: ۶) اور نبی کی ازواج امت کی مائیں ہیں۔

(جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۱۸۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۱۰۶)

قوم کی بیٹیوں کے ارادے پر دلائل

قلادہ کی تفسیر کے مطابق حضرت لوط نے اپنی مسلم بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا اور مجاہد اور سعید بن جبیر کی تفسیر کے مطابق حضرت لوط نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا ہمارے نزدیک مجاہد اور سعید بن جبیر کی تفسیر راجح ہے اور اس پر حسب ذیل وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے:

(۱) کوئی شریف انسان اپنی بیٹیوں کو ابواش اور بد معاش قسم کے لوگوں کے ساتھ نکاح کے لیے پیش نہیں کرتا تو اتنے عظیم نبی کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بے حیا اور بد فطرت لوگوں کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کرے گا۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا تھا یہ میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنے بد معاش اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تھے ان سب کے ساتھ نکاح کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں بالکل تھیں۔ اسی لیے لازمی طور پر یہ مراد لیتا پڑے گا کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر کے تم اپنی خواہش پوری کر لو۔

(۳) حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں۔ زنا اور زموراہ اور حضرت لوط نے فرمایا تھا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اور جمع میں اصل یہ ہے کہ اس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اور اگرچہ دو پر بھی مجاز اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن کسی شری مانع کے بغیر مجاز کا ارتکاب درست نہیں ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ لوگ کافر تھے تو قوم کی بعض بیٹیاں مسلمان تھیں تو حضرت لوط نے مسلمان لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ نکاح کے لیے کیسے پیش کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی شریعت میں کافر کے ساتھ مسلمان کا نکاح جائز تھا اور ہمارے دین میں بھی ابتدائے اسلام میں یہ نکاح جائز تھا۔ جیسا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ریح سے کیا تھا اور وہ کافر تھا۔ (الاصبہ ج ۸، ص ۱۵۸) اور آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولب کے بیٹے قتبہ سے کیا تھا جو مشرک تھا۔ (الاصبہ ج ۸، ص ۱۳۸) اور آپ نے اپنی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ابولب کے دوسرے بیٹے سے کیا۔ اس کا نام بھی قتبہ تھا اور یہ بھی مشرک تھا اور یہ بھی مشرک تھا ابولب کے کہنے سے اس کے دونوں بیٹوں نے آپ کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا پھر ان کے وصل کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (الاصبہ ج ۸، ص ۳۶۰) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ) بعد میں مسلمان مردوں کا کافر عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کا کافر مردوں سے نکاح منسوخ کر دیا گیا اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ تَبُوءُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَبْرُورِينَ ۚ مُشْرِكُكُمْ ذُو عَصَبٍ لَّكُمْ وَلَا تُنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ تَبُوءُوا وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَبْرُورِينَ ۚ مُشْرِكُكُمْ ذُو عَصَبٍ لَّكُمْ

(البقرہ: ۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور بے شک مسلمان باندی (آزاد) مشرک سے بھترے ہوئے وہ تم کو اچھی لگے، اور مشرک مردوں کو نکاح کا رشتہ نہ دو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، اور بے شک مسلمان غلام (آزاد) مشرک سے بھترے ہوئے وہ تم کو پسند ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (حضرت لوط نے کہا) اللہ سے ڈرو اور میرے مسلمانوں کے بارہ میں مجھے شرمندہ نہ کرو، کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس بے حیائی کے ارتکاب سے باز رہو، اور اس کلام کے نتیجہ میں جو عذاب آخرت ہو گا اس کا خوف کرو، اور میرے مسلمانوں سے اپنی خواہش پس پوری نہ کرو، اس اس آیت میں صیغہ کا لفظ ہے

جس کا معنی ہے ایک مہمان لیکن بعض اوقات لفظ واحد سے جمع کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں طفل کا لفظ ہے اور اس سے مراد طفل ہیں:

أَوِ الْيَتَامَى الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ عِزِّي
الْيَتَامَى - (النور: ۳۱)

(مورتوں کا اپنی زبائش کو ظاہر کرنا ان (مذکور مردوں) پر
منوع نہیں ہے۔۔۔ یا وہ بڑے جو مورتوں کی شرم کی باتوں پر
مطلع نہیں ہوئے۔

کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عفت اور پاکیزگی کی ہدایت دی کہ وہ اس خلاف فطرت فعل سے باز رہے، اور رشید بہ معنی مرشد اور تحلیل بہ معنی مفعول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی (قوم کی) بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے؟ لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا؟ (ہود: ۸۰-۷۹)

حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنا

ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہمیں بیویوں سے قضاء شہوت کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے اور ان سے نکاح کرنے کے لیے ہمیں آپ پر ایمان لانا پڑے گا اور وہ ہمیں منظور نہیں ہے، اور آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ہم لڑکوں سے خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یعنی کاش میں تمام کو اس بے حیائی کے کام سے روکنے پر قادر ہوتا اور کہا یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا یعنی کاش میرے پاس ایک لشکر ہوتا جس کی مدد سے میں برائی کو روکتا۔
قلوہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ کاش میری حمایت میں کوئی قبیلہ ہوتا کہ ابن جریج نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو نبی بھی بھیجا گیا اس کی پشت پر کوئی قبیلہ ہوتا تھا حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر بھی بنو ہاشم کا قبیلہ تھا۔ (جامع البیان ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط کی مغفرت فرمائے، وہ بے شک رکن شہید کی پناہ کی خواہش کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۸۰)
امام ترمذی کی روایت میں اس حدیث کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس کو اس کی قوم کے مضبوط قبیلہ سے بھیجا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۵۰۸۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷۶، المستدرک ج ۲، ص ۳۳۶)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی حوالی ۸۵۳ھ لکھتے ہیں:

قوم لوط میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کا حضرت لوط کے نسب سے تعلق ہو، کیونکہ حضرت لوط شام کے علاقہ سدوم سے تعلق رکھتے تھے، اور حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا خاندان عراق میں تھا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام

کو اہل سدوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کما کاش میرے ساتھ لشکر یا میرے رشتہ دار اور میرا قبیلہ ہوتا تو میں اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے ان سے مدد حاصل کرتا۔ امام ابن مردودہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیے، رکن شدید سے ان کی مراد قبیلہ تھی، کیونکہ جس طرح رکن (ستون) سے سہارا لیتے ہیں اسی طرح قبیلہ سے بھی سہارا لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا اللہ تعالیٰ حضرت لوط کی مغفرت فرمائے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی پناہ نہیں لی، علامہ نووی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہو اور ظاہر میں یہ کہا ہو کہ ان کی مدد کے لیے ان کے پاس کوئی قوت یا ان کی پشت پر کوئی قبیلہ نہیں ہے تاکہ مہمانوں پر ان کا غرر ظاہر ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱-۳۶۵، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی پناہ کی بجائے مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنے کی توجیہات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت لوط علیہ السلام نے جو کہنا ”کاش میں کسی مضبوط رکن کی پناہ لے لیتا۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر تنقید کی اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت طلب کی کیونکہ رکن سے ان کی مراد قبیلہ تھی تاکہ وہ قبیلہ قوم سے ان کی حفاظت کرے اور ان کے مہمانوں کو قوم کی بے حیائی کی بھیشت چڑھنے سے بچائے اور چونکہ قوم کی زبردستی اور زیادتی کی وجہ سے ان کا دل تنگ تھا اور ان کی بدسلوکی کی وجہ سے ان کا دل آزرده تھا اس وجہ سے وہ اس موقع پر اللہ کی پناہ طلب کرنا اور اس سے مدد چاہنا بھول گئے اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں طریقہ اور علامت یہ ہے کہ بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، سو انہوں نے اس معاملہ کو بھی اسی پر محمول کیا اور سب سے زیادہ مضبوط، سب سے قوی اور سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا رکن تو اللہ تعالیٰ ہے۔

(اکمال المسلم بغزوہ اندلس ج ۱ ص ۳۶۶، مطبوعہ دارالوقائع بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ قاضی عیاض کی اس شرح پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قاضی عیاض کی یہ عبارت مسلمانوں کے لیے غیر مانوس ہے، علاوہ ازیں یہ تقریر بھی غلط ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط پر تنقید نہیں کی اور نہ حضرت لوط علیہ السلام اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا بھولے تھے، انہوں نے جو کچھ کہا وہ مہمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے تھا اور ان کے سامنے اپنا غرر ظاہر کرنے کے لیے تھا کیونکہ عرف اور علامت یہی ہے کہ لوگ اپنی طاقت اور اپنے قبیلہ کی بناء پر مداخلت کرتے ہیں اور یہ حقیقت میں حضرت لوط علیہ السلام کے عمدہ اخلاق تھے جن کی بناء پر وہ تعریف کے مستحق ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: ”اللہ لوط پر رحم فرمائے۔“ یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے، ان پر تنقید نہیں ہے، اور یہ خطاب میں عرب کے عرف کے مطابق ہے، وہ کہتے ہیں: ”اللہ پادشاہ کی تائید کرے اور اللہ امیر کی اصلاح کرے۔“ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے ان (مناہقین) کو کیوں

اجازت دی؟

کیونکہ آپ نے ان پر نرمی کرنے کے لیے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کو اجازت دی تھی اور یہ آپ کے مکارم اخلاق میں سے تھا پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ کو معاف کرے، یعنی آپ نے ان کو اجازت دے کر اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں کیوں ڈالا اور یہ ایسا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ظہ ۰ مَا سَرَّكُنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِنَشْفِي ۝
ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ
(طہ: ۸۲) مشقت اٹھائیں۔

(اکمال الکمال ج ۱، ص ۴۳۶-۴۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ ستوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ علامہ ابی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ علامہ ابی کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے اس حدیث کی شرح کا حق ادا کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو
یہ فرمایا تھا اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے کہ حضرت لوط
اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب تھے، اس لیے آپ نے حدیث کے شروع میں تاکید کا لفظ فرمایا یعنی بے شک، پس یہ حدیث اس
اعتراض کو دور کرنے کے لیے ہے کہ حضرت لوط غیر اللہ کی پناہ کے طالب تھے، جیسا کہ اس حدیث کے شروع میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کی تخریب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ہم حضرت ابراہیم کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اور
اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم نے جو اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ "اے رب! تو مجھے دکھا کہ تو کیسے مردوں کو زندہ
کرے گا۔" یہ سوال اس لیے نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا بلکہ کسی اور وجہ سے تھا۔

(کمل الکمال ج ۱، ص ۴۳۷-۴۳۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ
سکتے، آپ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ میل سے روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ
دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں، بے شک اس کو (بھی) دہی (عذاب) پہنچے والا ہے جو انہیں پہنچے گا بے شک صبح کو ان کی
دمیہ کا وقت ہے، کیا صبح قریب نہیں؟ (ہود: ۸۱)

حضرت لوط علیہ السلام کا نجات پانا اور بد معاش کافروں کا بھاگنا

جب لوط علیہ السلام نے یہ کہا تھا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا! تو اس
سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان بد معاشوں اور اوباش لوگوں کی پورش کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کو بہت رنج اور افسوس تھا
کہ انہیں اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا جب فرشتوں نے ان کا یہ حال دیکھا تو ان کو متحد و بشارتیں دیں:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

(۲) کفار اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا۔

(۴) اللہ عزوجل حضرت لوط کو اور ان کے اہل کو اس عذاب سے نجات دے گا۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں: حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی، وہ لوگ دروازہ
توڑنے کی کوشش کر رہے تھے، اور حضرت لوط دروازہ کو بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، اس وقت ان سے فرشتوں نے کہا:
آپ دروازہ سے ہٹ جائیں، حضرت لوط ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا۔ پھر حضرت جبریل نے اپنا پر مارا تو وہ سب اندھے ہو گئے
اور اٹے پاؤں پھاؤ پھاؤ پیچھے ہوئے بھاگے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَادَوْنَاهُ عَنِ الصَّيْحَةِ فَوَقَّعْنَاهُ أَعْيَاهُمْ

فَنَادَوْا عَذَابِي وَبُئِيَ (القمر: ۳۷)

اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کے ساتھ برے کام کا ارادہ
کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا، سو اب میرے عذاب اور

میری وعید کا مزہ چکھو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے جب حضرت لوط نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبریل نے اپنے پر پھیلانے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے اٹھے پھر بھاگے، انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں، یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے، آپ اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔ حضرت لوط نے کہا ان کو اسی وقت ہلاک کر دو۔ فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیا صبح قریب نہیں، پھر رات کے پچھلے پھر حضرت لوط اور ان کے اہل روانہ ہو چکے تھے اور ان کی قوم کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ
نَجَّيْنَاهُمْ لِيَخْبَرُنَا (النمر: ۳۳)

بے شک ہم نے ان پر سنگباری کا عذاب بھیجا مگر آل لوط کے ہم نے رات کے پچھلے پھر ان کو نجات دی۔

یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲، ص ۵۶۳، مطبوعہ دار البازکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب ہمارا عذاب آپ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو اس کے نیچے کر دیا، اور ہم نے ان کے اوپر پتھر کے کنکر لگائے۔ جو (کنکر آپ کے رب کی طرف سے نکلن زدہ تھے، اور یہ سزا ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔ (ہود: ۸۳-۸۴)

قوم لوط کی بستی اٹھنے کے متعلق روایات

محمد بن کعب القرظی نے کہا جن بستیوں میں قوم لوط رہتی تھی، حضرت جبریل ان کے نیچے اپنا پر رکھ کر ان بستیوں کو آسمان کی طرف لے کر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آوازیں سنیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار نشان زدہ پتھر برسائے اور حضرت جبریل نے اس زمین کو الٹ دیا اور نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا، اور جن بستیوں کو پلانا گیا تھا وہ پانچ تھیں: صیغہ، صفرہ، غمرہ، دوما اور سدوم، اور یہ سب سے بڑی بستی تھی۔

قلادہ بیان کرتے ہیں کہ بدکاری کی مجلسیں برپا کرنے والوں، ان کی رحمت دینے والوں اور ان میں جانے والوں سب پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہیں بچ سکا۔ (تفسیر نام الی حاتم ج ۱، ص ۲۰۶-۲۰۷ رقم الحدیث: ۱۰۰۰۹۸-۱۰۰۰۹۹)

بجیل کا معنی

مجاہد نے کہا: بجیل فارسی کا لفظ ہے، سنگ و گل یعنی پتھر اور کچڑ۔ ابن زید نے کہا: بجیل آسمان دنیا کا نام ہے یعنی قوم لوط پر آسمان دنیا سے پتھر برسائے گئے۔ زجاج نے کہا: بجیل کا معنی ہے بھیجی ہوئی، نیز زجاج نے کہا: بجیل کتاب کو کہتے ہیں، اور یہ کنکریاں کیونکہ کتاب کی طرح لکھی ہوئی تھیں، اس لیے ان کو بجیل فرمایا۔ فراء نے کہا اس کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی۔

(جامع البیان ج ۲، ص ۱۲۳-۱۲۴، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متونی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں: انھاس نے کہا ہے بھیل کا معنی ہے جو سخت اور زیادہ ہو۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے سخت، ان کے علاوہ وہ معانی لکھے ہیں جو ہم نے امام ابن جریر سے نقل کیے ہیں:

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم لوط کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سزا ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔ حسن نے کہا: اس کا معنی ہے سنگسار کرنے کی سزا، ظالموں سے یعنی قوم لوط سے کچھ دور نہ تھی۔ مجاہد نے کہا اس سے کفار قریش کو ڈرایا ہے یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم کے ظالموں سے بھی یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔ قتادہ اور مکرّم نے کہا: اس امت کے ظالموں سے یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔

پھر برسانے کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت جبریل نے اس بہتی کو اوپر اٹھایا تو اس پر پھر برسانے گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ پھر ان لوگوں پر برسانے گئے جو اس وقت بستیوں میں نہ تھے، بلکہ بستیوں سے باہر تھے۔

اس امت کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متونی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ مرد مردوں سے جنسی لذت حاصل کریں گے اور عورتیں عورتوں سے، اور جب ایسا ہو تو تم ان پر قوم لوط کے عذاب کا انتظار کرنا کہ اللہ ان پر بھیل کی کنکریاں برسانے کا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: وما ہی من الظالمین بعید۔

دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن اور رات کا سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس امت کے مرد، مردوں کی پشت کو حلال کر لیں گے جیسا کہ انہوں نے عورتوں کی پشت کو حلال کر لیا ہے پھر امت کے ان لوگوں پر سنگ باری ہوگی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۵ھ)

علامہ قرطبی کی ذکر کردہ یہ حدیثیں کسی کتاب میں نہیں مل سکیں البتہ امام ابن عساکر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے: حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم لوط دس کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ (وہ دس کام یہ ہیں: (۱) مردوں کا مردوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (۲) غلیل مارنا۔ (۳) کنکر مارنا۔ (۴) حمام میں کھیلنا۔ (۵) دف بجانا۔ (۶) خمر (شراب) پینا۔ (۷) داڑھی کاٹنا۔ (۸) مونچھیں لمبی رکھنا۔ (۹) سیٹی اور تلی بجانا۔ (۱۰) ریشم پہننا۔ اور میری امت ایک کام اور زیادہ کرے گی، وہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲، ص ۲۳۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۳)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْزِيهِمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

اور ہم نے ان مَدِیْنِ والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے

مِّنْ دُونِ اللَّهِ غَيْرَ ط وَلَا تَتَّبِعُوا الْبَيْكَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَمَّاكُمْ

جیسے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تم کو خوش حال

بَخِيرُوا إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿۸۴﴾

دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے ○

وَيَقُومُوا أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

سے میری قوم! انصاف کے ساتھ پوری پوری تاپ تول کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی

أَشْيَاءَ هُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ

نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھسو ○ اللہ کا جائز کیا ہوا نفع جو

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۶﴾ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۷﴾

تمہارے پاس بہتر ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○

قَالُوا لَشُعَيْبُ أَصْلَوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

انہوں نے کہا لے شعیب! کیا آپ کی غماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو پھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ

أَبَاءُؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ

دادا پرستش کرتے تھے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا پھوڑ دیں بے شک آپ تو بہت

الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۸﴾ قَالَ يَقُومُوا أَسَاءَ يُتِمُّونَ كُنْتُ عَلَى

برودار اور راست باز ہیں ○ شعیب نے کہا لے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی بات سے روٹوں

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ

دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو تو میں اس کا حکم کیسے نہ مانوں! اور میں یہ نہیں چاہتا کہ

أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ إِن أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ

جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں میں خود اس کے خلاف کروں، میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق

مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور

إِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾

میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عہدت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عہدت کا مستحق نہیں ہے اور ٹپ اور تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (هود: ۸۴)

ٹپ اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، جو حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کا سوانحی خاکہ ہم نے الاعراف: ۸۵ میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کاہم ہے، پھر یہ حضرت شعیب کے قبیلہ کاہم پڑ گیا اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین نے اس شرکی بنیاد ڈالی تھی۔

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے پہلے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیں، اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ حکم دیا: اے میری قوم! اللہ کی عہدت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عہدت کا مستحق نہیں ہے، توحید کی دعوت دینے کے بعد ان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو کام زیادہ اہم ہو اس کی دعوت دیں، کفر کے علاوہ ان کی بری عہدت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس کچھ بیچنے کے لیے آتا تو وہ تول میں اس سے اس چیز کو بھتا زیادہ لے سکتے، اتار لے لیتے اور جب وہ خود کوئی چیز فروخت کرتے تو ٹپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ سو یوں وہ خرید و فروخت دونوں میں دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت فراوانی سے مل و دولت کے ساتھ نوازا ہے مگر تم کو ان ناجائز طریقوں سے مل و دولت جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ احاطہ کرنا یا تو عذاب کی صفت ہے یعنی جس عذاب سے کوئی عذاب کا مستحق ہی نہیں سکے گا یا محیط اس دن کی صفت ہے، پھر یہ کون سا عذاب ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے کیونکہ یہی وہ دن ہے جو تمام معذبین کے عذاب کو محیط ہو گا اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافروں کو دنیا میں ملیا میٹ کرنے کے لیے آئے والا تھا جیسا کہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کے کافر لوگوں پر ایسا عذاب آتا رہا ہے اور بعض مفسرین نے کہا اس عذاب سے مراد عام ہے خواہ دنیاوی عذاب ہو یا قیامت کے دن کا عذاب ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت دو اہم چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے: حقوق اللہ کی اور انسانی اور حقوق العباد کی اور انسانی۔ اول الذکر کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا: اے میری قوم! اللہ کی عہدت کرو، اور ثانی الذکر کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا اور ٹپ اور تول میں کمی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ٹپ تول میں کمی کرنا بہت جہج جرم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت ٹپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید سے ممتون فرمائی ہے:

وَبَلَّغْ لِّلْمُطَّفِّفِينَ ﴿۸۹﴾ الذِّبْنَ إِذَا كُنَّا فِی الْاَعْلَىٰ

ٹپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے ○ جو

النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ الْحِشَابُ ۝ لَئِنْ شَاءَ اللَّهُ لَيُزِيلَنَّ الْعِلْمَ عَنْهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَهْمٍ مُّبِينٍ (الطغفیر: ۱-۶)

لوگ جب لوگوں سے ٹاپ کر لیں تو پھر الیں ۝ اور جب انہیں ٹاپ کر دیں یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں ۝ کیا وہ لوگ یہ گمان نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا ۝ عظیم دن میں ۝ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز تول کر فروخت کرے تو سودے کا پلڑا جھٹکا ہوا رکھے۔

حضرت سید بن عزمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عزمہ ہجر سے ایک بزاز کے پاس آئے، ہم نے ایک شلوار کی قیمت لگائی، اور میرے پاس ایک قمیض تھا جو اہجرت پر وزن کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: وزن کرو اور جھٹکا ہوا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۳۳۶ مصنف عبدالرزاق رقم الحديث: ۴۳۴۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۵۸۵، مسند احمد ج ۳، ص ۳۵۲، سنن دارمی رقم الحديث: ۴۵۸۸، سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۰۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۲۲۰، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۱۵۴۳، المعجم الکبیر رقم الحديث: ۴۳۲۱، المستدرک ج ۴، ص ۳۰، سنن التسلی رقم الحديث: ۱۳۶۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (شعیب علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم انصاف کے ساتھ پوری پوری ٹاپ تول کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے ہوئے نہ بھرو (حور: ۸۵)

لوگوں کو نقصان نہ پہنچانے اور فساد نہ کرنے کے محال

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں حکم دیا ہے کہ پہلی آیت میں فرمایا: اور ٹاپ اور تول میں کمی نہ کرو اور دوسری آیت میں فرمایا: انصاف کے ساتھ پوری پوری ٹاپ اور تول کرو، اور پھر اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور ان تین احکام کا ایک ہی معنی ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

- (۱) ٹاپ اور تول میں کمی کے حکم کی تاکید کے لیے اس حکم کو تین بار ذکر فرمایا۔
- (۲) حکم اس وقت ہوتا جب یہ حکم ایک ہی عنوان اور ایک ہی اعتبار سے کئی بار ذکر کیا جاتا ہے پہلی بار نبی (ممانعت) کے صیغہ سے فرمایا اور تول میں کمی نہ کرو اور دوسری بار صراحۃً امر کے صیغہ سے فرمایا: انصاف کے ساتھ پوری پوری ٹاپ اور تول کرو، اور جب صیغہ اور عنوان بدل گئے تو حکم نہ رہا اس جواب پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ کسی چیز کی ضد سے منع کرنا اس چیز کا حکم دینا ہے تو امر اور نہی کے صیغوں کے فرق کے باوجود حکم اسے مفر ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک چیز کے حکم اور اس کی ضد سے ممانعت کو مبالغہً جمع کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ اللہ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور کہا جاتا ہے رشتہ داروں کے ساتھ مل جل کر رہو اور ان سے قطع تعلق نہ کرو، اسی طرح یہاں فرمایا ہے ٹاپ تول میں کمی نہ کرو اور پوری پوری ٹاپ تول کرو اور اس کے بعد بر سبیل عموم فرمایا: اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، اور لوگوں کو نقصان پہنچانا صرف ٹاپ اور تول میں کمی کرنے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ کسی کی چوری کرنے، لوٹ مار کرنے، کسی کا مال غصب کرنے اور کسی کے ہاں ڈاکہ ڈالنے سے بھی کسی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، کسی کو سود پر قرض دینے، کسی کو بلیک میل کرنے، غفلت اور غلطی والی اشیاء فروخت کرنے سے بھی کسی کو نقصان میں مبتلا کیا جاتا ہے اور یہ تمام صورتیں شرعاً ممنوع ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین حکم تین مختلف عنوانوں سے دیئے گئے ہیں، اس لیے ان آیتوں میں حکم نہ تکرار نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔“ اس کے کئی محمل ہیں: جو شخص کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو وہ دوسرا شخص بھی اس کو نقصان پہنچانے کی سعی کرے گا تو کسی شخص کو نقصان پہنچانا دراصل خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے، اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی، صلاح اور فلاح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم اپنے دین کی مصلحتوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو اور اس کا ایک واضح محمل یہ ہے کہ ٹپ اور تول میں کمی کرنا زمین میں فساد پھیلانا ہے کیونکہ جب بیچنے والا ٹپ اور تول میں کمی کرے گا تو خریدار جب اس کی پر مطلع ہو گا تو وہ لازمی طور پر اس سے جھگڑا کرے گا اور بعض اوقات یہ جھگڑا فساد اور قتل و غارت پر منتج ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کا جائز کیا ہوا نفع جو تمہارے پاس بیچ رہے، وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں (ہود: ۸۶)

بقیۃ اللہ کا معنی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجاہد نے کہا بقیۃ اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، یعنی تم جو ٹپ تول میں کمی کر کے مل جمع کر رہے ہو، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کا ثواب تمہارے پاس ہمیشہ باقی رہے گا۔

تلاذہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حقہ مقدر کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہیں جو مل دیا ہے تم صرف اسی پر قناعت کرو، وہی تمہارے لیے بہتر ہے یا تمہارے لیے تمہاری عبادتوں کا جو ثواب مقدر کر دیا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اس لیے ٹپ تول میں کمی کر کے مل جمع کرنے کے بجائے اس مل پر قناعت کرو جو تمہاری تقدیر میں ہے، کیونکہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں شخص صادق اور امین ہے اور وہ خیانت کرتا ہے نہ ٹپ تول میں کمی کرتا ہے تو لوگ اس پر اکتفا کریں گے اور تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں گے تو اس پر رزق کے دروازے کھل جائیں گے، اور جب کوئی شخص بددیانتی اور خیانت میں مشغور ہو گا تو لوگ اس سے معاملہ نہیں کریں گے اور اس پر رزق کے دروازے بند ہو جائیں گے اور اگر بقیۃ اللہ کو ثواب پر محمول کیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کیونکہ یہ ساری دنیا فنا ہو جائے گی اور ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب باقی رہے گا اور اگر بقیۃ اللہ سے مراد اللہ کی رضائی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی رضا سے بڑھ کر دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۲۲ موشیٰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا واضح معنی یہ ہے کہ پوری پوری ٹپ تول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حلال نفع باقی رکھا ہے وہ اس مل سے بہتر ہے جو تم ٹپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم کو نیکی کی ہدایت دی ہے اور ایمان داری اور دیانت داری کی تلقین کی ہے اور تم سے اس بڑی علوت کو چھڑانے اور تم کو دیانت دار بنادینے کی مجھ میں قدرت نہیں ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ٹپ اور تول میں کمی کرنے اور بے ایمانی کرنے سے، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں تو اگر تم نے یہ بری علوتیں نہ چھوڑیں تو تمہارے پاس جو اللہ کی نعمتیں ہیں وہ زائل ہو جائیں گی اور اس صورت میں، میں تمہاری نعمتوں کی حفاظت پر قادر نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے شعیب! کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن

کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے اور ہم اپنے ماں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں، بے شک آپ تو بہت بڑا دہار اور راست باز ہیں ○ (حدود: ۸۷)

حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ کی تشریح

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو دو چیزوں کا حکم دیا تھا: ایک حکم یہ دیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں اور دوسرا حکم یہ دیا تھا کہ وہ ٹپ اور تول میں کمی نہ کریں۔ پہلے حکم کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ کیا ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے ہنپ دادا پرستش کرتے تھے اور اس سے ظاہر ہوا کہ ان کا بت پرستی کرنا ہنپ دادا کی اندھی تقلید پر مبنی تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے حکم کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ کیا ہم اپنے ماں کو اپنی خواہش کے مطابق خرچ نہ کریں۔

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ کیا آپ کی صلوٰۃ ہمیں یہ حکم دیتی ہے؟ صلوٰۃ سے اس آیت میں کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دین اور ایمان ہے کیونکہ دین اور ایمان کا سب سے واضح اظہار نماز کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے صلوٰۃ دین اور ایمان سے کہلاتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد یہی معروف نماز ہے۔ روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے اور ان کی قوم کے کفار جب ان کو نماز پڑھتے دیکھتے تو ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے اور ہنستے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑاتے۔

انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا آپ بہت بڑا دہار اور راست باز ہیں۔ یہ انہوں نے طعنا کہا تھا کیونکہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کو بے وقوف اور جاہل سمجھتے تھے، یہ ایسا ہے جیسے کوئی استغنیٰ بخیل اور خسیس شخص کو دیکھ کر کہے اگر حاتم بھی تم کو دیکھ لیتا تو تم کو سجدہ کرتا، سو اسی معنی میں انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان لوگوں میں پہلے یہ مشہور تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام حلیم اور رشید ہیں، اور جب حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو یہ حکم دیا کہ اپنے آباء اجداد کے طریقہ عبادت کو ترک کر دیں تو وہ بہت حیران ہوئے اور انہوں نے کہا آپ تو بہت حلیم اور رشید ہیں، آپ ہمیں کیسے یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے آباء اجداد کے طریقہ کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شعیب نے کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو (تو میں اس کا حکم کیسے نہ مانوں!) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں، میں خود اس کے خلاف کروں، میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں، اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ○ (حدود: ۸۸)

قوم کے سامنے حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر

حضرت شعیب نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم، ہدایت، دین اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور فرمایا: اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہو، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ حلال مال عطا فرمایا تھا۔ اس آیت میں شرط کا ذکر ہے اور اس کی جزاء منہدف ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے کہ یہ بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام روحانی اور جسمانی کمالات عطا کئے ہیں تو پھر کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس کی وحی میں خیانت کروں اور اس کا پیغام تم تک نہ پہنچاؤں اور مجھے یہ کس طرح زبا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر کثیر نعمتیں عطا فرمائے اور میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کروں اور اس کا معنی یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جب میرے

نزدیک یہ ثابت ہے کہ غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا اور ٹپ و تفل میں کمی کرنا ایک ناجائز کام ہے اور میں تمہاری اصلاح کا طالب ہوں اور میں تمہارے دل کا علاج بھی نہیں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بکھرت عمدہ رزق دے کر تم سے مستغنی کیا ہوا ہے تو ان حالات میں کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی میں خیانت کروں اور اس کا حکم نہ مانوں! پھر فرمایا: اور میری توفیق صرف اللہ کی عطا ہے، میں نے صرف اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں! اس قول سے حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ بتایا کہ تمام نیک اعمال میں حضرت شعیب علیہ السلام کا توکل اور اکتفا صرف اللہ عزوجل کی ذات پر ہے۔

وَيَقَوْمٍ لَا يُجْرِمُكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ

اور اے میری قوم! میری مخالفت تم کو ان کاموں پر نہ ابھارے جن کاموں کی وجہ سے تم پر ایسا عذاب آجائے

قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمَ لُوطٍ مِنْكُمْ

بیسا عذاب قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر آیا تھا اور قوم لوط تم سے

بَعِيدٌ ۝۸۹ وَاسْتَغْفِرُوا لِكُمْ تَوْبُوا إِلَيَّ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ

زیادہ دُور نہیں ۝ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب رحم کرنے والا

وَذُو ۝۹۰ قَالُوا ائِشْعِيبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرٌ إِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرِيكَ

بھت کرنے والا ہے ۝ کاہنوں نے کہا اے شعیب تمہاری اکثر باتیں ہمارے لیے نہیں آتی، اللہ بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں تم

فِينَا ضَعِيفًا ۝ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا

ہم میں کمزور ہو، اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار کر چک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی

بِعَزِيزٍ ۝۹۱ قَالَ يَقَوْمِ أَرَهَيْتُمْ أَعْرُ عَلَيْكُمْ مِنْ اللَّهِ طَوَّ

بھاری نہیں ہو ۝ شعیب نے کہا اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے، اور

اتَّخَذْتُمْ مَوَدَّةَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَمَا تَعْمَلُونَ مَعْصِيَةً

تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہو اس لیے بے شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا اعطاء کرنے والا ہے ۝

وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۹۲

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں، غریق تم جان لو گے

مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا إِنِّي

کس کے پاس ایسا عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کرے گا اور کون جھوٹا ہے تم رجی! انتظار کرو اور میں بھی تمہارے

مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ

ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ۝ اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے شعیب کو اپنی رستہ سے بچا دیا اور ان لوگوں کو (میں)

أَمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَآخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ

جوان کے ساتھ ایمان لائے تھے، اور ظالموں کو ایک زبردست چٹھان لے پڑ گیا تو وہ

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَثٍ ۝ كَانُوا يَمُرُّونَ عَلَيْهَا

اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے ۝ کیا وہ ان گھروں میں کبھی آبادی نہ ہوئے تھے سو

يُعَذِّبُ الْمَدَّيْنِ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودُ

دھتکار ہواہی مدین کے لیے جیسے دھتکار تھی ثمود کے لیے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے کہا) اور اے میری قوم! میری عظمت تم کو ان کاموں پر نہ اٹھارے جن کاموں کی وجہ سے تم پر ایسا عذاب آجائے جیسا عذاب قوم نوح پر آیا قوم حود پر یا قوم صالح پر آیا تھا اور قوم لوط تم سے زیادہ دور تو نہیں ۝ اور تم اپنے رب سے انتظار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب رحم فرمائے والا محبت کرنے والا ہے ۝

(ہود: ۹۰-۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کا ترجمہ اور قوم کو نصیحت

ان آجوں کا معنی یہ ہے کہ حضرت شعیب نے فرمایا: اے میری قوم! میرا بغض اور مجھ سے عداوت اور میرے دین سے نفرت تمہیں اس پر نہ اٹھارے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھڑے رہو اور بت پرستی اور بے قولی میں کمی کرنے اور توبہ اور استغفار کو ترک کرنے پر جسے رہو اور ڈٹے رہو حتیٰ کہ تم پر بھی ایسا عذاب آجائے جو تم کو بڑے اگھاڑ کر ملیا میٹ کر دے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان سے فرق کرنے کا عذاب آیا اور حضرت حود علیہ السلام کی قوم پر ایک سخت اور زبردست آرمی کا عذاب آیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر ایک چگھاڑ اور زلزلہ کا عذاب آیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا۔

اور فرمایا: اور قوم لوط تم سے زیادہ دور تو نہیں۔ اس سے بعد مکلفی مراد ہے کیونکہ لوط علیہ السلام کی بہتی مدین کے قریب تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بعد زمینی مراد ہو، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم تھا کہ کچھ عرصہ پہلے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا تھا ہر صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کا واقعہ ان سے مخفی نہیں تھا اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم ان حالات سے عبرت لے لو اور سبق لے لو

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرنے سے گریز کرو ورنہ تم پر بھی پھیلی قوموں کی طرح عذاب آجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی پہلے اپنے کفر اور شرک، ٹپ قول میں کمی اور دیگر گناہوں پر غور ہو کر ان کو ترک کرو اور آئندہ ان کو نہ کرنے کا عہد مصمم کرو، پھر اپنے سابقہ کفر اور معاصی کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ کفر کو اور معاصی کو معاف فرمادے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم اور کریم ہے اور توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ خطاب بہت مرتب اور منظم ہے، انہوں نے سب سے پہلے یہ بیان کیا کہ ان کی نبوت کے دلائل بہت روشن اور واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نعمتیں بہت وافر تعداد میں عطا فرمائی ہیں، اور یہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے میں تقصیر کرنے اور خیانت سے منع ہے اور یہ بیان کیا کہ وہ مسلسل پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر رہے ہیں اور تم کو بھی یہ اعتراف ہے کہ میں بہت بڑا دار اور نیک ہوں سو اگر دین کی یہ دعوت باطل ہوتی تو میں ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتا پھر فرمایا: تم مجھ سے جو عداوت رکھتے ہو اور میرے طریقہ کی مخالفت کرتے ہو کیسے ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ عداوت اور مخالفت تم کو پھیلی قوموں کی طرح عذاب سے دوچار کر دے، آخر میں ان کو پھر عذاب سے ڈرایا اور توبہ اور استغفار کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں نے کہا اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں تم ہم میں کمزور ہو، اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی بھاری نہیں ہو۔ (حود: ۹۵)

فقہ کالغوی اور اصطلاحی معنی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا: مانفہ کثیر اور منفہ فقہ سے بنا ہے اس لیے ہم یہاں فقہ کالغوی اور اصطلاحی معنی ذکر کر رہے ہیں:

علامہ حسین بن محمد راعب اصمغانی متوفی ۳۵۵ھ لکھتے ہیں:

حاضر کے علم سے غائب کے علم تک پہنچانہ فقہ ہے اور فقہ علم سے اخذ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ بِفَقْهِهِمْ
حَدِيثًا۔ (النساء: ۷۸)

آ۔

اور اصطلاح میں احکام شرعیہ کا (دلائل کے ساتھ) علم فقہ ہے، اور فقہ کا معنی دین کی فہم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ البارک بن محمد الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہ کا اصل معنی ہے فہم۔ یہ لفظ شق کرنے اور (فتح) کھولنے سے ماخوذ ہے (یعنی کسی چیز کو شق کر کے اس کی گہرائی تک پہنچنا یا کسی گہرے کو کھولنا) عرف میں فقہ علم شریعت کو کہتے ہیں، اور یہ احکام شرعیہ فرعیہ کے ساتھ خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی:

اللهم فقهه ففی الدین وعلمه التاویل۔

اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل کا

علم طافرا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: ۱۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶)

(التمایہ ج ۳ ص ۳۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متنی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اصطلاح میں فقہ کا معنی ہے احکام شریعہ فرمیدہ کا وہ علم جو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ حسن بصری نے کہا: فقہ وہ شخص ہے جو دنیا میں رغبت نہ کرے اور آخرت میں رغبت کرے، دین پر بصیرت رکھتا ہو، اور دائماً اپنے رب کی عبادت کرتا ہو۔ (امام اعظم سے منقول ہے کہ نفس کا اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کو پہچان لینا فقہ ہے)

(عمدة القاری ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ ادارۃ البیاعۃ الخیر یہ مصر، ۱۳۳۸ھ)

کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو کیوں نہیں سمجھتے تھے

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ان کی زبان میں گفتگو کی تھی، پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا: تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) چونکہ وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام سے بہت سخت عداوت تھے، اس لیے وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے اسی وجہ سے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَنِ
فُلُوسِهِمْ أَسِنَّاتٍ يَظْفِقُونَ هُورًا۔ (النعام: ۲۵)

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ (آپ کے کلام کو) نہ سمجھیں۔

(۲) وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو سمجھتے تھے لیکن وہ ان کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور توہین اور تحقیر کی نیت سے کہتے تھے ہم آپ کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

(۳) ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے توحید، رسالت، بعثت، ناپ تول میں کی کرنے اور دیگر گناہوں کو ترک کرنے کے متعلق جو دلائل ذکر کیے ہیں، وہ ان کے نزدیک ناکافی ہیں اور وہ ان سے مطمئن نہیں ہیں۔

سعید بن جبیر اور شریک نے کہا کہ ان کی قوم نے ان کو ضعیف اس لیے کہا کہ وہ ٹھیکہ تھے۔ سفیان نے کہا ان کی نظر کمزور تھی اور ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔

انہوں نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پھر مار کر ہلاک کر دیتے، اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا: یعنی تم کو قتل کر دیتے یا تم کو گالیاں دیتے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۸، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل کے جواب میں ان کی قوم کے کافروں نے جو کچھ کہا وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ تھا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص فریق مخالف کے دلائل کے جواب سے عاجز آکر اس کو گالیاں دینا شروع کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شعیب نے کہا اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے؟

اور تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے، بے شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○ (هود: ۹۳)
جب کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنے اہل و عیال اور قتل کرنے کی دھمکی دی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو یہ جواب دیا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نے میرے قبیلہ کی رعایت کر کے مجھے چھوڑ دیا اور مجھے قتل کرنے سے باز رہا، جب کہ میرے قبیلہ کی رعایت کے بجائے تمہیں اللہ کی رعایت کرنی چاہیے تھی اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اس طرح نظر انداز کر دیا جس طرح کوئی شخص کسی بے کار چیز کو اپنے پیشت ڈال دیتا ہے! پھر کہہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں، عنقریب تم جان لو گے کس کے پاس ایسا عذاب آئے گا جو اس کو ڈسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے، تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ○ (هود: ۹۴)

یعنی تم جو کچھ کر رہے ہو وہ کرتے رہو، تم اپنے گھر اور ظلم پر کار بند رہو اور میں تم کو ان کاموں سے حسب سابق منع کرتا رہوں گا اور میں نے تم کو جس عذاب کی خبر دی ہے، تم بھی اس کا انتظار کرو اور تمہارے ساتھ میں بھی اس کا انتظار کرتا رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے شعیب کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اور ظالموں کو ایک زبردست چگھاڑنے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوجھڑے پڑے رہ گئے ○ گویا وہ ان گھروں میں کبھی آبادی نہ ہوئے تھے، سنو حکماء ہوالی مدین کے لیے جیسے پھنکار تھی ثمود کے لیے ○

(هود: ۹۵-۹۴)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صرف دو قوموں پر ایک قسم کا عذاب نازل کیا ہے، قوم صالح پر اور قوم شعیب پر، ان دونوں کو ایک زبردست چگھاڑنے پکڑ لیا، وہی قوم صالح تو اس پر نیچے سے ایک چگھاڑ کی آواز آئی اور وہی قوم شعیب تو اس پر اس کے اوپر سے ایک چگھاڑ کی آواز آئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے عذاب سے نجات دی، اس سے معلوم ہوا کہ بدوہ کو جو نعمت بھی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے پہنچتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومنوں تک یہ رحمت ان کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کے سبب سے پہنچی ہو لیکن ایمان اور نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے۔

جب جبرئیل علیہ السلام نے وہ گرج دار حج مدی تو ان میں سے ہر ایک کی روح اسی وقت نکل گئی اور ان میں سے ہر شخص اسی وقت اور اسی محل میں مر گیا اور ان لوگوں لگتا تھا جیسے ان مکانوں میں کبھی کوئی شخص رہا ہی نہ تھا۔
پھر فرمایا: ان پر دھنکار ہو جیسے قوم ثمود پر پھنکار تھی، یعنی جس طرح وہ رحمت سے مطلقاً دور کر دیئے گئے تھے اسی طرح ان کو بھی رحمت سے مطلقاً دور کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝۹۶ اِلٰی فِرْعَوْنَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ○ فرعون اور

وَمَلَأْنِيهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۙ

اس کے سر دلوں کی جانب تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی کام صحیح نہ تھا ○

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو جہنم میں ڈال دے گا اور وہ کیسی بری

الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۙ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ

پیاس بھانے کی جگہ ہے ○ اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان کو کیسا

الرَّفْدُ الْمَرْفُودُ ۙ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرْآنِ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ

برا انعام دیا گیا ○ یہ ان باتوں کی بعض خبریں ہیں جن کا قصہ ہم آپ کو بیان کر رہے ہیں ان میں سے

مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ۙ وَمَا ظَلَمْتَهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

بعض تو موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہو گئیں ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا،

فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

سوائے اللہ کے سوا وہ جن معبودوں کی پرستش کرتے تھے، جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ ان کے

مِنْ شَيْءٍ عَظِيمًا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُهُمْ غَيْرَ كَتِيبٍ ۙ

کسی کام نہ آسکے اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا ○

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۖ إِنَّ أَخْذَهُ

اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح برقی ہے جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی

الْيَمُّ شَدِيدٌ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۖ

گرفت دردناک شدید ہے ○ جو شخص عذاب آخرت سے ڈرتا ہو اس کے لیے بے شک اس میں نشانی ہے،

ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۙ وَمَا

یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اسی دن سب حاضر ہوں گے ○ ہم

نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدَّدٍ ۝ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ إِلَّا

اس دن کو مدت معین تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں ۝ جب وہ دن آئے گا تو کوئی نفس بشر کی اجازت کے بغیر بات

بِأَذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنْهُمْ

نہیں کرے گا، بعض ان میں سے بد بخت ہوں گے اور بعض نیک بخت ۝ نہ ہے بد بخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں

النَّارِ لَمْ فِيهَا زَكِيٌّ وَشَهِيدٌ ۝ خَلِيدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ

گے اور ان کے لیے اس میں چیتا اور چلاتا ہو گا ۝ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک

السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَتَالُ لِمَا

آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے ہے شک آپ کا رب جو میں اللہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرے

يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا

والا ہے ۝ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک

دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْدُوذٍ ۝

آسمان اور زمین رہیں گے، مگر جتنا آپ کا رب چاہے ہے، یہ غیر منتقل مقام ہے ۝

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّنْ يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

اے مخاطب! جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تم ان کے متعلق کسی شک میں نہ پڑنا، بیان کی نفس اس طرح عبادت کرتے

آبَاؤَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمَوْفُقُوهُمْ نَصِيْبُهُمْ غَيْرُ مَنْقُوصٍ ۝

جس طرح اس سے پہلے ان کے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ۝ (ہود: ۹۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں ان میں سے یہ ساتواں اور آخری قصہ ہے۔

اس آیت میں آیات کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد تورات کی آیتیں ہیں جو شرائع اور احکام پر مشتمل ہیں اور سلطان مبین کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد کلمے ہوئے اور روشن معجزات ہیں حلقہ صا اور یو بیضاء، کیونکہ یہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے بہت مشہور معجزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو کھلے ہوئے معجزے عطا فرمائے تھے: (۱) عصا۔ (۲) پیر بیضاء۔ (۳) طوفان۔ (۴) مڑیاں۔ (۵) جوئیں۔ (۶) مینڈک۔ (۷) خون۔ (۸) پیداوار میں کمی۔ (۹) جانوں میں کمی، بعض مفسرین نے پیداوار اور جانوں میں کمی کی جگہ پہاڑ کو سائبان کی طرح اوپر اٹھالینا اور سمندر کو چیرنا شمار کیا ہے، ان معجزات کو سلطان مہمیں اس لیے فرمایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے صدق پر روشن دلیل تھے۔

سلطان کا معنی اور علماء کی سلطنت کا پادشاہوں کی سلطنت سے زیادہ قوی ہونا

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے: یہ لفظ تسلط سے بنا ہے، تسلط کا معنی ہے کسی چیز پر غالب آنا، قادر ہونا، قابض ہونا اس لیے حجت اور قوی دلیل کو سلطان کہتے ہیں کیونکہ قوی اور مضبوط دلیل کالوگوں پر غالب اثر ہوتا ہے۔

(الفردات ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حجت کو سلطان کیوں کہا جاتا ہے، بعض متعین نے کہا: جس شخص کے پاس حجت ہوتی ہے وہ اس شخص پر غالب آ جاتا ہے جس کے پاس حجت نہیں ہوتی، جیسا کہ سلطان (پادشاہ) اپنے عوام پر غالب اور قاهر ہوتا ہے، اس وجہ سے حجت کو سلطان کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا: سلطان کا معنی حجت ہے اور سلطان (پادشاہ) کو سلطان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کی حجت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سلطان کا معنی تسلط ہے، علماء اپنی قوت طیبہ کے اعتبار سے سلاطین ہیں اور پادشاہ اپنی قوت حاکم اور قدرت بخندہ کے اعتبار سے سلاطین ہیں، البتہ علماء کی سلطنت اور ان کا تسلط پادشاہوں اور حکام کی سلطنت اور ان کے تسلط سے زیادہ قوی اور زیادہ کمال ہے، کیونکہ پادشاہ ملک بدر اور معزول ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں اس کی مثال افغانستان کے پادشاہ ظاہر شاہ اور ایران کا پادشاہ رضا شاہ پہلوی ہے، یہ پادشاہت پر قائم رہنے کے کچھ عرصہ بعد معزول کر دیئے گئے پھر ان کی سلطنت ختم ہو گئی اور جمہوری ملکوں میں اس کی مثال بے نظیر بھٹو اور نواز شریف ہیں۔ تین تین سال حکومت کرنے کے بعد ان کو معزول کر دیا گیا پھر ان کا تسلط اور اقتدار ختم ہو گیا اس کے برخلاف علماء کا تسلط اور اقتدار تاحیات برقرار رہتا ہے اور عوام ان کے احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ علماء کی سلطنت مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ امام ابو حنیفہ متوفی ۲۴۰ھ، امام ابو یوسف متوفی ۲۴۱ھ، امام محمد متوفی ۲۴۱ھ، علامہ سرخسی متوفی ۳۲۸ھ، علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، علامہ مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۶ھ، علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، علامہ ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، اعلیٰ حضرت بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ اور مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ کے فتویٰ اور ان کے احکام پر مسلمان صدیوں سے عمل کر رہے ہیں اور ہر دور میں جب بھی پادشاہوں کے احکام شریعت کے خلاف ہوئے تو مسلمانوں نے پادشاہوں کے احکام کے خلاف علماء کے احکام پر عمل کیا۔ جماعہ کبیر نے حکم دیا تھا کہ اس کو سجدہ تعظیم کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ یہ سجدہ نہ کیا جائے اور مسلمانوں نے حضرت مجدد کے حکم پر عمل کیا۔ آج جماعہ کبیر کے لیے کلہ خیر کہنے والا کوئی نہیں ہے اور حضرت مجدد کے جاں نثار لاکھوں کی تعداد میں تمام ڈرے زمین میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہمارے دور میں اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حکومت نے عائلی قوانین کو نافذ کیا ہوا ہے جس کی اکثر دفعات کو علماء نے مسترد کر دیا ہے مثلاً تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینا، یتیم پوتے کو وارث بنانا اور ان احکام میں مسلمان حکومت کے قوانین پر عمل نہیں کرتے بلکہ علماء کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں اس وقت کے صدر پاکستان فیضانہ شمل جنرل محمد ایوب خان کے عہد حکومت میں ۳۹ روزوں کے بعد عید کا اعلان کر دیا گیا علماء کے نزدیک یہ اعلان صحیح نہیں تھا کیونکہ پورے ملک میں کسی جگہ بھی چاند نہیں دیکھا گیا تھا اور مطلع صاف تھا اس لیے علماء نے اس کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور عید منانے سے منع کر دیا اور مسلمانوں کی اکثریت نے علماء کے

حکم پر عمل کیا اس سے معلوم ہوا کہ علماء ہی حقیقی سلطان ہیں اور حیات اور بعد از حیات ان ہی کی حکومت ہے اور ان ہی کا تسلط ہے، اور علماء سے ہماری مراد وہ علماء ہیں جن کو شر میں صاحب نفوذ ہونے کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہو، اور جتنا بڑا عالم ہو گا اس کی سلطنت کا دائرہ اتنا وسیع ہو گا مساجد کے عام ائمہ اور خطباء کو بھی بہر حال جزوی سلطنت حاصل ہوتی ہے اور سلطان اپنے روز مرہ کے دینی اور دنیاوی معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، البتہ کسی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ میں کسی بڑے عالم اور مفتی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آیت، سلطان اور سلطان مبین کا باہمی فرق

اس آیت میں آیات اور سلطان مبین کے الفاظ ہیں، ان میں باہمی فرق یہ ہے کہ آیات ان عظمت کو کہتے ہیں جو غلبہ ظن اور یقین کی اقلیت میں مشترک ہیں، مثلاً اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور ہوتا ہے، وہ بھی آیات ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا صدور ہوتا ہے وہ بھی آیات ہیں جب کہ ازل اللہ کر کی اللہ کے ولی ہونے پر دلالت غلبہ ظن کی مفید ہے اور ثانی اللہ کر کی اللہ کے نبی ہونے پر دلالت قطعی اور یقینی ہے، اور سلطان اس دلیل کو کہتے ہیں جو قطعی اور یقینی ہو لیکن سلطان ان دلائل میں مشترک ہے جو حواس سے مؤکد ہوں اور ان دلائل میں جو محض عقل سے مؤکد ہوں، مثلاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر حواس سے مؤکد تھا اور آپ کا معجزہ قرآن محض عقل سے مؤکد ہے اور جو معجزہ صرف حواس سے مؤکد ہو اس کو سلطان مبین کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات تھے وہ صرف حواس سے مؤکد تھے اس لیے ان کے معجزات کے حلق فرمایا کہ وہ سلطان مبین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی کام صحیح نہ تھا وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں ٹھہرائے گا اور وہ کسی بڑی پیاس بجھانے کی جگہ ہے O اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ ان کو کیسا بڑا انعام دیا گیا O

(ہود: ۹۹-۹۷)

فرعون کی گمراہی اور دوزخ میں اس کا اپنی قوم کا مقتدا ہونا

یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھلے ہوئے اور واضح معجزات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا اور فرعون کا کوئی کام صحیح نہ تھا یعنی وہ ہدایت یافتہ نہ تھا۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ فرعون دہریہ تھا وہ اس جہن کے لیے کسی پیدا کرنے والے کا منکر تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا بھی منکر تھا وہ کہتا تھا کہ اس جہن کا کوئی خدا نہیں ہے اور ہر ملک کے باشندوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی اطاعت اور اس کی پرستش کریں اور وہ اس بات کا بھی انکار کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس پر ایمان لائے اور اس کی عبادت کرنے میں دُشمن اور ہدایت ہے اور چونکہ وہ ان چیزوں کا منکر تھا اس لیے وہ دُشمن اور ہدایت سے بالکل غلط تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کا کوئی کام بھی رشید نہ تھا۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن فرعون اپنی اس قوم کا مقتدا ہو گا جو دوزخ کی طرف جاری ہوگی یعنی جس طرح فرعون دنیا میں گمراہی میں ان کا مقتدا تھا اسی طرح آخرت میں عذاب میں ان کا مقتدا ہو گیا جس طرح دنیا میں سمندر میں غرق کیے جانے کے وقت وہ ان کا مقتدا تھا اسی طرح آخرت میں دوزخ میں دخول کے وقت وہ ان کا مقتدا ہو گا یعنی دنیاوی عذاب میں بھی وہ ان کا مقتدا تھا اور آخری عذاب میں بھی وہ ان کا مقتدا ہو گا۔

ورد کا معنی ہے پانی کا قصد کرنا اور مسرود کا معنی ہے پانی پینے کی جگہ جس کو اردو میں گھٹ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں

محض نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے، فرمایا: وہ کیسی بڑی پیاس بجھانے کی جگہ ہے، کیونکہ پانی کے گھاٹ پر جانے والا چاہتا ہے کہ اس کی پیاس بجھ جائے اور اس کا جگر ٹھنڈا ہو جائے اور دوزخ کی آگ تو اس کا بالکل ٹھنڈ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْسُكُمُ الْاَوْدُغَا كَانَ عَلَى رِجْكِ حَتَمًا
مَقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نَسِجِي الْزَبْنَ اَنْقُوا وَنَزِرُ
الطَّلِيمِيسَ مِنْهَا حَبِيبًا ۝ (مریم: ۷۷-۷۸)

تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ کے ٹوپر سے گزرے گا
آپ کے رب کے نزدیک یہ قطعی فیصلہ ہے، پھر ہم متعین کو
نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا
ہوا ہموڑ دیں گے۔

تم اور اللہ کے سوا تم جن بچوں کی عبادت کرتے ہو وہ سب
دوزخ کا عید من ہیں، تم سب اس میں جانے والے ہو۔

اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ
جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِثُوْنَ ۝ (الانعام: ۹۸)

اس کے بعد فرمایا: اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی اور آخرت میں بھی، اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت
اور فرشتوں کی اور انہوں کی لعنت ان کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اور وہ لعنت کسی محل میں ان سے الگ نہیں ہوتی۔ اس کے بعد
فرمایا: یہ کیسا بڑا رفقہ مرفود (انعام) ہے، رفقہ کے معنی ہیں علیہ، یہ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے مطلوب میں
معاون ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے پے در پے لعنت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جن میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض نیست و نابود
ہو گئیں ۝ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اللہ کے سوا وہ جن معبودوں کی پرستش
کرتے تھے، جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے، اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا ۝

(حود: ۱۰۹-۱۰۰)

انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور واقعات بیان کرنے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے واقعات اور قصص بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا: یہ ان بستیوں
کی بعض خبریں ہیں اور ان واقعات کے بیان کرنے میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) توحید اور رسالت پر محض عقلی دلائل بیان کرنا صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو غیر معمولی ذکی اور ذہین
ہوں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور عام لوگوں کو تبلیغ سے اس وقت قائل ہوتا ہے جب دلائل کے ساتھ واقعات اور
قصص بھی بیان کیے جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ دلائل کے ساتھ ساتھ واقعات اور قصص بھی بیان فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے جو قصص بیان فرمائے، ان میں توحید اور رسالت پر انبیاء علیہم السلام
کے پیش کیے ہوئے دلائل کا بھی ذکر فرمایا، پھر ان دلائل پر ان کی اقوام کے اعتراضات اور شبہات کا بھی ذکر فرمایا اور انبیاء علیہم
السلام نے ان شبہات کے جو جوابات دیئے ان کو بھی بیان فرمایا، اور جب ان کی اقوام نے دلائل کے جواب میں آیات و اجداد کی
تقلید پر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا جس کے نتیجہ میں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان پر دنیا میں ایسا عذاب
نازل کیا گیا جس سے دنیا میں ان کی زندگی کی فصل کٹ گئی، اس کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو کفار کفر کے لیے ان واقعات کا
بیان توحید و رسالت کے دلائل کے پہلے کا ذریعہ بن گیا اور جو شبہات ان کے دماغوں میں تھے وہ سب اقوام کے شبہات کی
حل تھے سو ان کے جوابات بھی ان واقعات کے ذکر میں آ گئے اور یہ واقعات ان کے دلوں کی شکوت اور سختی کے ازالہ کا سبب

بن گئے اور یہ توحید و رسالت کی دعوت اور تبلیغ کا نہایت موثر طریقہ ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی تھے، آپ نے کسی کتب کا مطالعہ کیا تھا نہ کسی عالم سے پہلے ان واقعات کو سنا تھا نہ کسی کتب اور مدرسہ میں داخل ہوئے تھے اس کے باوجود آپ نے انبیاء سابقین کے واقعات بالکل درست بیان فرمائے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔

(۴) جو لوگ ان قصص اور واقعات کو سنیں گے ان کے دماغ میں یہ بات آجائے گی کہ صدیق ہو یا زندیق، موافق ہو یا منافق، اس کو ہر حال ایک دن اس دنیا سے جانا پڑے گا اور جو نیک مومن ہوں گے ان کا مرنے کے بعد تعریف اور تحسین سے ذکر کیا جائے گا اور ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جائے گا اور جو کافر اور منافق ہوں گے ان کا مرنے کے بعد اہانت اور رسوائی سے ذکر کیا جائے گا اور ان کا نام بے توقیری اور بے عزتی سے لیا جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں سابقہ اقوام کے صالحین اور کافرین کا ذکر کیا گیا ہے اور جب بار بار یہ آیات پڑھی جائیں گی اور بار بار یہ چیز دماغوں میں جاگزین ہوگی تو سننے والوں کے دل نرم ہوں گے اور ان کے دماغ حق کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں گے، ان میں آخرت کا خوف پیدا ہو گا اور دین حق کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل و دماغ آمادہ ہو جائیں گے، سو انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور واقعات کے بیان کرنے سے یہ فوائد اور ثمرات حاصل ہوں گے۔

کفار کو عذاب و سزا عدل اور حکمت کا تقاضا ہے

اس کے بعد فرمایا: ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) ہم نے ان کو دنیا میں ہلاک کر کے اور آخرت میں عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے کفر اور معصیت کر کے خود اپنے آپ کو اس ہلاکت اور عذاب کا مستحق بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو جو ہلاک کیا اور عذاب میں مبتلا کیا یہ اس کا عین عدل اور حکمت کا تقاضا ہے، اس نے ان کو ان کے جرائم کی سزا سے زیادہ سزا نہیں دی یعنی اس نے ایک کافر کو ایک کافر کی سزا دی ہے، ایک کافر کو دو کافروں کی سزا نہیں دی۔ یہ اس کا عدل ہے حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہ ایک کافر کو دو کافروں کی سزا بھی دے سکتا تھا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر وہ کافروں کو کافر کی سزا نہ دیتا تو لوگوں کو کفر سے دُور رکھنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دنیا میں نعمتیں عطا کرنے اور رزق پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی، تقصیر انہوں نے کی کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ (بُت) ان کے کسی کام نہ آ سکے۔ یعنی ان کے بُتوں نے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچایا، اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا اس کا معنی یہ ہے کہ کفار یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بُت ضرر اور معصیت کو دُور کرنے اور نفع اور راحت کے پہنچانے میں ان کی مدد کریں گے اور جب ان کافروں کو مدد کی سخت ضرورت ہوگی اور وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر رہے ہوں گے تو یہ بُت ان کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور اس وقت ان کا یہ اعتقاد زائل ہو جائے گا کہ یہ بُت ضرر دُور کرنے اور نفع پہنچانے کا سبب ہیں، لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور یہ ان کا سراسر نقصان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں پر اس حل میں گرفت کرنا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے (حج: ۴۴)

گزشتہ قوموں کی بُرائیوں کے مرتکبین پر آنے والے عذاب سے ڈرنا چاہیے

جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ کچھلی اقوام نے جب اپنے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو ان پر ایسا ہمہ گیر عذاب آیا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور یہ بیان فرمایا کہ چونکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اس لیے ان پر دُنیہ میں ہلاکت آفریں عذاب آیا، تو اب یہ فرمایا کہ یہ عذاب صرف ان قوموں کے ساتھ خاص نہیں ہے جن کا ذکر کیا گیا بلکہ جو قوم بھی اس طرح کا ظلم کرتی ہے اس پر ایسا عذاب آتا ہے۔ قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس قہر کو بیان فرمایا ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً
وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ۔ (الأنبياء: ۱۱)

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظلم کرنے والی تھیں، اور ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کر دیں۔

وَمَا كَانَ رِشْكُكَ مُمْهِلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ
رَبِّيَ إِلَيْهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا
مُهِلِكَ الْقُرَى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ۔

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک ان بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرنے والے ہیں جب ان میں رہنے والے ظلم کر رہے ہوں۔

(التقصص: ۵۹)

اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ذلیل و متارہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۱۷۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳)

اس آیت کو پڑھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ جو شخص جہالت اور شامت نفس سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کو فوراً توبہ کر کے اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرنی چاہیے تاکہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا
أَنفُسَهُمْ دُكِّرُوا اللَّهَ فَأُوتُوا عَفْوًَا لِيُنْذِرَ بِهِمْ
وَمَنْ يَغْمِرُ الْغُيُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا
فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران: ۳۵)

اور لوگ جب کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور اپنے کیے ہوئے کاموں پر جان بوجھ کر اصرار نہ کریں۔

(گناہ پر توبہ نہ کی جائے اور دوبارہ وہی گناہ کیا جائے تو یہ اصرار ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ اقوام کے عذاب کی آیتوں کو پڑھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ عذاب ان اقوام کے ساتھ مختص تھا کیونکہ جو لوگ بھی اپنے آپ کو سابقہ اقوام کے ظلم میں شریک کریں گے تو پھر انہیں سابقہ اقوام کے عذاب کو بھگتنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی شدید پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص عذاب آخرت سے ڈرتا ہو اس کے لیے بے شک اس میں نجات ہے، یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اسی دن سب حاضر ہوں گے، ہم اس دن کو معین مدت تک کے لیے موخر کر رہے ہیں (حورہ: ۱۰۳-۱۰۴)

دقوع قیامت کی دلیل

ان لوگوں کو دنیا میں اس لیے عذاب دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اور جب اس جرم کی بناء پر ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا جو دار البخل ہے تو آخرت میں ان کو عذاب دینا زیادہ لائق ہے جو دار البخل ہے۔

اس آیت میں قیامت کا ذکر ہے۔ قیامت کے وقوع کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہن کو پیدا کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ اس کائنات کو پیدا کر سکتا ہے تو اس کو فنا بھی کر سکتا ہے اور فنا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس دنیا میں کئی لوگ ظلم کرتے رہتے ہیں اور ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور انہیں اس پر کوئی سزا نہیں ملتی اور کئی لوگ ظلم سہتے رہتے ہیں اور انہیں اس پر کوئی جزا نہیں ملتی اور ظالم کا بغیر سزا کے رہ جانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اس جہن کے بعد کوئی اور جہن ہو جس کا ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزا ملے اور جزا اور سزا کے عمل سے پہلے ضروری ہے کہ اس جہن کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور جب تک یہ جہن باقی رہے گا عمل ختم نہیں ہوں گے کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے مثلاً ایک انسان مسجد بناتا ہے تو جب تک وہ مسجد زمین پر قائم رہے گی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھتے رہیں گے اس شخص کی نیکیوں کا سلسلہ اس کے ثمرہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا اس طرح کوئی شخص فحاشی کا لڑا قائم کرتا ہے یا کوئی بخیرے کا لڑا قائم کرتا ہے تو جب تک بڑائیوں کا لڑا قائم رہے گا اور اس میں بڑائیاں ہوتی رہیں گی اس کے ثمرہ اعمال میں بڑائیاں لکھی جاتی رہیں گی اور ان لوگوں کے اعمال کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک یہ پوری دنیا ختم نہ کر دی جائے اس لیے جزا اور سزا کے نظام کو برباد کرنے سے پہلے قیامت کا آنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اس دن سب حاضر ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دن نیک اور بد سب حاضر ہوں گے۔ دوسرے مفسرین نے کہا: اس دن آسمان والے اور زمین والے سب حاضر ہوں گے۔

اور فرمایا: ہم اس دن کو معین مدت تک کے لیے مقرر کر رہے ہیں، یعنی ہمارے علم میں اس کے لیے ہر دن مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا بعض ان میں سے بد بخت ہوں گے اور بعض نیک بخت (ہود: ۱۰۵)

کیا حشر کے دن لوگوں کا ہاتھ کرنا مطلقاً ممنوع ہے؟

یعنی جب وہ سخت مہیب اور ہولناک دن آئے گا جب سب خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سب پر دہشت طاری ہوگی اس وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی سے بات نہیں کر سکے گا لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ لوگ اس دن باتیں کریں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

اور وہ ایک دوسرے کی طرف حوجہ ہو کر آئیں میں سوال کریں گے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ۔

(الصفت: ۴۷)

جس دن ہر شخص اپنی طرف سے بحث کرتا ہوا آئے گا۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ نَحْمِلُ عَنْ نَفْسِهَا۔

(الحمل: ۱۱)

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ ایسا کلام نہیں کر سکیں گے جس سے وہ اپنی تفسیرات اور محاسن کے ارتکاب کا جواز پیش کر سکیں یا اپنے کفر اور شرک کو برحق ثابت کر سکیں، دو سرا جواب یہ ہے کہ قیامت کدن بہت طویل ہو گا اور اس کے بہت سے مراحل ہوں گے۔ بعض اوقات میں بن کو بالکل بولنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور بعض اوقات میں ان کو بہت کی اجازت دی جائے گی تو وہ بہت کریں گے، بعض اوقات میں وہ اپنی طرف سے بحث کریں گے اور بعض اوقات میں ان کے منہ پر مر لگادی جائے گی، ان کے ہاتھ بہت کریں گے اور ان کے پاؤں کو اسی دیں گے۔

آیا حشر کے دن لوگ سعید اور شقی میں منحصر ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ الٰہی محشر میں بعض لوگ نیک بخت ہوں گے اور بعض لوگ بد بخت ہوں گے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الٰہی محشر میں پاگل اور بچے بھی ہوں گے حالانکہ وہ نیک بخت اور بد بخت ان دونوں قسموں سے خارج ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں الٰہی محشر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا حساب لیا جائے گا اور جن کا حساب لیا جائے گا وہ بہر حال ان دو قسموں سے خارج نہیں ہیں۔

اس جگہ یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ الٰہی اعراف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے نہ دوزخ میں، آیا وہ ان دو قسموں میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح پاگل اور بچے ان دو قسموں سے خارج ہیں اسی طرح الٰہی اعراف بھی ان قسموں سے خارج ہیں۔

اس جگہ ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ سعید (نیک بخت) وہ ہے جس کا ثواب زیادہ ہو اور شقی (بد بخت) وہ ہے جس کا عذاب زیادہ ہو، ان کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہے جس کا ثواب اور عذاب دونوں برابر ہیں، وہ کس قسم میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دو قسموں کا ذکر اس بہت کو مستلزم نہیں ہے کہ تیسری قسم کا وجود نہ ہو، جس طرح قرآن مجید کی اکثر آیات میں صرف مومن یا کافر کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ منافقین کی قسم نہ ہو۔

لوگوں کے سعید اور شقی ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں انسانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں: سعید اور شقی اور ان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سچے ہیں اور آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع ہوتی رہتی ہے پھر وہ (نطفہ) چالیس دن بعد جما ہوا خون ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے، اور اس کو چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: وہ اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھ دیتا ہے اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ کیا عمل کرے گا اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے، پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص الٰہی جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر لکھا ہوا (مقدر) غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ الٰہی دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے، اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں سے ایک شخص الٰہی دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ الٰہی جنت کے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۲۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۲)

جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تقدیر میں شقی ہونا لکھ دیا تو پھر معصیت میں اس کا کیا تصور ہے؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ وہ سعید ہے یا شقی ہے یا الٰہی جنت میں ہے یا الٰہی نار سے ہے تو اب انسان کے عمل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ ہو گا تو وہی جو پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے دنیا میں کیسے عمل کرے گا وہ الٰہی جنت کے عمل کرے گا یا الٰہی نار کے عمل کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں وہی کچھ لکھا ہے جو خود بندہ نے اپنے اختیار سے کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی تقدیر انسان کے اعمال کے مطابق ہے، انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی تقدیر کے مطابق نہیں ہیں۔

تقدیر معلق اور تقدیر مبرم کے متعلق احادیث

انسان پر جو راحیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور خوشیوں اور غم آتے ہیں، بیماریوں اور تندرستیوں کا توازن ہوتا ہے، رزق کی تنگی اور فراخی ہوتی ہے، حوادث روزگار، فتح اور شکست، کامیابی اور ناکامی اور زندگی اور موت آتی ہے، ان تمام امور میں انسان کا اختیار نہیں ہے، ان سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے، البتہ جن احکام شریعہ کا اسے ملکہ کیا گیا ہے ان میں اس کو اختیار دیا گیا ہے مثلاً اس کا نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا روزہ رکھنا یا نہ رکھنا یہ اس کے اختیار میں ہے اور ان ہی کاموں پر اس کو جزا یا سزا ملتی ہے البتہ پہلے جن امور کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی امور نکو و بے، ان میں اس کا اختیار نہیں ہے لیکن ہر دو کا تعلق تقدیر کے ساتھ ہے اور تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور تقدیر حقیقت میں تقدیر مبرم ہے جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں کوئی تغیر اور تبدل محال ہے کیونکہ اس میں تغیر اللہ تعالیٰ کے جمل کو مستلزم ہے اور وہ محال ہے، البتہ علماء نے تقدیر کی ایک اور قسم بھی ذکر کی ہے، اس کو تقدیر معلق کہتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دعا سے بدل جاتی ہے اور عمر میں زیادتی صرف نیکی سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۱۳۰ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸)

عمر بھی تقدیر سے ہے سو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دعا اور نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے حالانکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا بدلنا محال ہے سو تقدیر کا بدلنا بھی محال ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر ایمان نہ لائے کہ ہر اچھی اور بُری چیز تقدیر سے وابستہ ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو مصیبت اس پر آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس کو پہنچ نہیں سکتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، تم اللہ کی رضا کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو تم اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو، اور یقین رکھو کہ اگر پوری امت تم کو کوئی فائدہ پہنچانے پر جمع ہو جائے تو جو چیز اللہ نے تمہارے لیے نہیں رکھی وہ تم کو اس کا فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب لوگ تم کو ضرر پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو جو

کے مجوس (آتش پرست) یہ دو خدا مانتے ہیں: ایک یزدان جو نیکی پیدا کرتا ہے اور ایک اہرمن جو بدی پیدا کرتا ہے، اسی طرح منکرین تقدیر بھی دو خالق مانتے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ، دوسرا انسان جو اپنے افعال کو پیدا کرتا ہے اس لیے منکرین تقدیر کو مجوس فرمایا) ہیں، اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر یہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں مت جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک دوست نے شام سے ان کو خط لکھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو جواب لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم تقدیر پر نکتہ چینی کرتے ہو، اب تم مجھے خط نہ لکھو کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۶۱)

یحییٰ بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے تقدیر کا انکار کیا وہ بھرہ کا رہنے والا ایک شخص معبد چینی تھا، میں اور حمید بن عبدالرحمن حج یا عمرہ کے لیے گئے، ہم نے کلمہ کاش ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی مل جاتا تو ہم اس سے تقدیر کا مسئلہ معلوم کرتے تو حسن اتفاق سے مسجد میں ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہو گئی، میں نے اور میرے ساتھی نے دائیں بائیں سے ان کو گھیر لیا۔ میں نے کلمہ اے ابو عبدالرحمن! ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور بڑے علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے، جو کچھ ہوتا ہے وہ ابتدا ہو تا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ میں ان سے بری (لا تعلق) ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں اور جس چیز پر عبداللہ بن عمر رحمہما کھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی شخص کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۰، سنن التسلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۰)

سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۲، مسند احمد ج ۷ ص ۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۸، تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش تقدیر کے متعلق بحث کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَوْمَ يُسْحَرُونَ فِي الْسَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ
ذُوْ قُوٰتٍ مَّسْفُورٍ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ
(القمر: ۴۹-۴۸)

جس دن وہ آگ میں اوندمے منہ مکیٹے جائیں گے، دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھیں گے، شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳، خلق افعال العباد رقم الحدیث: ۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کا مبارک چہرہ سُرخ ہو گیا، گویا کہ آپ کے دُخساروں میں انار کے دانے کھل گئے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم کو اس میں بحث کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا میں اس میں بحث

کرنے کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تم سے پہلی امتیں اس وقت ہلاک کر دی گئیں جب وہ اس میں بحث کر رہی تھیں، میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اس میں بحث مت کرو۔ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۳۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال ہوگا اور جس نے بحث نہیں کی اس سے اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۴)

ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شبہ پیدا ہوا ہے، مجھے تقدیر کے متعلق کوئی حدیث بیان فرمائیے، شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: اگر اللہ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے، تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کا رحم لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک تم سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ لا رہ جب تک تم یہ یقین نہ رکھو کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم سے نکل نہیں سکتی تھی، اور جو مصیبت تم سے نکل چکی ہے وہ تم کو پہنچ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مبرے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے، پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اس طرح کہا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جو اس کی مثل تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۶ مطبوعہ دار الفکر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت آدم صلیما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے کہا: تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے دسب (اجتہادی خطا) کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور ان کو بد نصیب بنایا۔ حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! تم ہی وہ شخص ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے سرفراز فرمایا، کیا تم مجھے اس چیز پر ملامت کر رہے ہو، جس کو اللہ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مجھ پر لکھ دیا تھا یا کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا، پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پالیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۳ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۶۱۰ مسند احمد ج ۲ ص ۹۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۷۱ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۵۵ سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۳۵ الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۶۸۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۶۸)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ مباحثہ عالم برزخ میں ہوا یا حضرت موسیٰ حضرت آدم کی قبر پر گئے اور وہاں ان سے یہ بحث کی، رہا یہ سوال کہ جس طرح حضرت آدم نے اپنی اجتہادی خطا پر تقدیر کاغذ پیش کیا اس طرح ہم بھی اپنے گناہوں پر تقدیر میں لکھے کاغذ پیش کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے یہ تقدیر برزخ میں پیش کیا تھا اور جب تک وہ دنیا میں رہے وہ اس خطا پر توبہ اور استغفار کرتے رہے، اور رہا یہ سوال کہ جب تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے تقدیر کے مسئلہ پر کیوں مباحثہ کیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث دنیا میں ممنوع ہے اور حضرت موسیٰ

نے یہ مباحثہ برزخ میں کیا تھا نیز یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تقدیر پر بحث کرنا ممنوع نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے بد بخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے لیے اس میں چیخنا اور چلانا ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے، بے شک آپ کا رب جو بھی ارادہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرنے والا ہے اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے یہ غیر منقطع عطاء ہے (حور: ۱۰۸-۱۰۶)

سعادت اور شقاوت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں: نیک کاموں کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی مدد مل جانا سعادت ہے اور اس کا الٹ اور ضد شقاوت ہے۔ سعادت کی دو قسمیں ہیں: سعادت دنیوی اور سعادت اخروی۔ سعادت اخروی جنت ہے اور سعادت دنیوی کی تین قسمیں ہیں: روح کی سعادت، بدن کی سعادت اور خارجی سعادت۔ روح کی سعادت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، اور بدن کی سعادت صحت اور قوت سے اور مفید غذاؤں اور دواؤں سے حاصل ہوتی ہے، اور خارجی سعادت انسان کے نیک مطلوب پر معلومت کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کا الٹ اور ضد شقاوت ہے۔ (الفردات ج ۱ ص ۳۹۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے: سعادت کا معنی نفع، معلومت، اللہ تعالیٰ کا نیک کاموں کی توفیق دینا یا ان کاموں کی توفیق دینا جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ المکتبۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

زفیر اور شہیق کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ نے لکھا ہے: اتنا لبا اور گہرا سانس لینا جس سے سینہ پھول جائے زفیر ہے اور گہرے سانس کو باہر نکالنا شہیق ہے۔ (الفردات ج ۱ ص ۲۵۵، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شدید اور سخت آواز زفیر ہے اور پست اور کمزور آواز شہیق ہے۔ امام ابو العلیہ نے کہا: جو آواز حلق سے نکلے وہ زفیر ہے اور جو آواز سینہ سے نکلے وہ شہیق ہے۔ قتادہ نے کہا: جہنم میں کافر کی ابتدائی آواز اور گدھے کی ابتدائی آواز زفیر ہے اور جہنم میں کافر کی آخری آواز اور گدھے کی آخری آواز شہیق ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد فی مینا پوری متوفی ۷۲۸ھ نے امام ابن جریر کے ذکر کردہ معانی پر حسب ذیل معانی کا اضافہ کیا ہے:

حسن نے کہا: جہنم کے شعلے اپنی قوت سے کفار کو اٹھا کر جہنم کے سب سے بلند طبقہ میں پہنچادیں گے اور اس وقت کفار یہ چاہیں گے کہ وہ جہنم سے نکل جائیں تو فرشتے لوہے کے گرز مار کر ان کو پھر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہنچادیں گے، سو ان کا دوزخ میں اوپر اٹھنا زفیر اور نیچے گرنا شہیق ہے۔ ابو مسلم نے کہا: جب انسان پر سخت گریہ و زاری طاری ہو تو سینہ میں جو سانس گھٹ جاتا ہے وہ زفیر ہے اور انتہائی غم اور اندوہ کے وقت رونے سے جو آواز نکلتی ہے وہ شہیق ہے۔ بعض اوقات اس کیفیت کے بعد غشی طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات آدمی مر جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دو سرا قول یہ ہے کہ جو رونا ختم نہ ہو وہ زفیر ہے اور غم کم نہ ہو وہ شہیق ہے اور اہل تحقیق نے کہا: کفار کا دنیا اور اس کی لذتوں کی طرف مائل ہونا

ذفر ہے اور کلمات روحانیہ میں ان کی معلومت کا کنزور ہونا شیع ہے۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے عذاب کو آسمان و زمین کے قیام پر موقوف کرنا دوام عذاب کے منافی ہے

”وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔“ آیت کے اس حصہ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ آسمان اور زمینوں کا قائم رہنا تو دائمی اور ابدی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے دوزخ میں قیام کو آسمانوں اور زمینوں کے قیام پر معلق کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کا دوزخ میں قیام بھی دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ وقتی اور عارضی ہے۔

قرآن مجید کی دیگر نصوص قطعیہ اور بکثرت احادیث سے چوتھ یہ ثابت ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس لیے مفسرین نے اس آیت کی متعدد تلمیحات کی ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) اس آیت میں آسمان اور زمین سے مراد دنیا کے آسمان اور زمین نہیں ہیں بلکہ جنت اور دوزخ کے آسمان اور زمین مراد ہیں کیونکہ جنت اور دوزخ فضا اور خلا میں تو نہیں ہیں، ان میں فرش ہو گا جس پر لوگ بیٹھے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے ہوں گے، اور ان کے لیے کوئی ساتہاں بھی ہو گا جس کے سائے میں وہ لوگ ہوں گے اور عربی میں ہر سایہ کرنے والی چیز پر ساء کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جنت میں زمین کے وجود پر یہ آیت دلیل ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكْفُرَ بِهِ
أَوْ نَسَى الْآرْضُ نَسْيَ الْآرْضِ مِنَ الْحَقِّ حَبِطُ نَسَاءٍ
فَيَقُومُ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (الزمر: ۷۳)

اور (جنتی) کہیں گے اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو (اس) زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم جنت میں جمل چاہیں رہیں، میں نیک عمل کرنے والوں کا ثواب کیسا اچھا ہے۔

آخرت کے زمین و آسمان دنیا کے زمین و آسمان سے مختلف ہیں، اس پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

يَوْمَ نَبْطِلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ
(ابراہیم: ۴۸) بھی۔ جس دن زمین و مری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ جنت اور دوزخ کے زمین و آسمان اس دنیا کے زمین و آسمان کے مغائر ہیں اور جب جنت اور دوزخ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی تو ان کے زمین اور آسمان بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جنت اور دوزخ میں رہنے والے بھی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

(۲) اگر زمین و آسمان سے مراد اس دنیا کے زمین اور آسمان ہوں تب بھی یہ آیت جنت اور دوزخ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام کے منافی نہیں ہے، کیونکہ عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے تو فلاں چیز رہے گی اور قرآن مجید جو نیک عربوں کے اسلوب کے موافق نازل ہوا ہے اس لیے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے اس سے مراد دوام اور خلود ہی ہے، اور معنی یہی ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) مقدم کے ثبوت سے تلی کا ثبوت ہوتا ہے لیکن مقدم کی نفی سے تلی کی نفی نہیں ہوتی مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ

انسان ہے تو پھر یہ حیوان ہے، یہ درست ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کہ اگر یہ انسان نہیں ہے تو پھر یہ حیوان نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انسان نہ ہو گھوڑا ہو اور حیوان ہو، اسی طرح جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ دوزخ میں رہیں گے، اس سے یہ لازم نہیں ہو گا کہ جب آسمان اور زمین نہ ہوں تو وہ دوزخ میں نہ ہوں۔

دائمی عذاب پر امام رازی کے دو اعتراضوں کا جواب

امام رازی نے لوگوں کی طرف سے ایک اعتراض اس طرح نقل کیا ہے کہ کافر نے زمانہ قتل میں جرم کیا ہے اور اس کی سزا غیر قتل ہی زمانہ تک دینا ظلم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافر کی نیت کے اعتبار سے ہے، اس کی نیت دائم کفر کرنے کی ہوتی ہے اگر بالفرض وہ غیر قتل ہی زمانہ تک زندہ رہتا تو غیر قتل ہی زمانہ تک کفر کرتا اس وجہ سے اس کو غیر قتل ہی زمانہ تک عذاب دیا جائے گا۔

امام رازی نے دو سرائی اعتراض یہ ذکر کیا ہے کہ یہ عذاب نفع سے خلل ہے اس لیے یہ قبیح ہے، یہ نفع سے اس لیے خلل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا نفع ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے مستثنیٰ اور بلند ہے اور دوزخی کافر کو بھی اس عذاب سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے حق میں یہ عذاب ضرر محض ہے، اور جنتی مسلمانوں کو بھی کافر کے عذاب سے کوئی نفع نہیں ہو گا کیونکہ وہ اپنی لذتوں میں منہمک اور مشغول ہوں گے تو کسی کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ امام رازی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے اعتبار سے تو کافر کو مطلقاً عذاب ہو نا ہی نہیں چاہیے اور اس دلیل کو دائمی عذاب کے ساتھ مخصوص کرنا باطل ہے، دو سرائی جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب دینا ان کے جرم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل ہے، اس میں یہ لحاظ نہیں کیا گیا کہ اس سے کسی کو نفع پہنچے گا یا نہیں۔ یہ دو اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۹ میں ذکر کیے ہیں۔

کفار کے دائمی عذاب پر قرآن مجید سے دلائل۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر تمنا آپ کا رب چاہے۔ اس آیت میں جو احتیاء کیا گیا ہے اس سے بعض لوگوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ کفار کو دوزخ میں لازمی طور سے دائمی عذاب نہیں ہو گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو ایک محدود مدت تک عذاب دے گا۔ سید مودودی لکھتے ہیں: یعنی کوئی اور طاقت تو ایسی ہے ہی نہیں جو ان لوگوں کو دائمی عذاب سے بچا سکے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے انجام کو بدلنا چاہے یا کسی کو عقیقی کا عذاب دینے کے بجائے ایک مدت تک عذاب دے کر معاف کر دینے کا فیصلہ فرمائے تو اسے ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے کیونکہ اپنے قانون کا وہ خود ہی واضع ہے، کوئی بالاتر قانون ایسا نہیں ہے جو اس کے اختیارات کو محدود کرتا ہو۔ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۶۹ مطبوعہ لاہور، سولہواں ایڈیشن، ۱۳۰۲ھ)

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بکثرت آیات میں یہ خبر دی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو دائمی اور ابدی عذاب ہو گا اب اگر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے تو خود اس کے کلام کا خلاف لازم آئے گا اور یہ کذب ہو گا اور کذب اللہ تعالیٰ کے کلام میں محال ہے اس لیے جب اس آیت میں دوزخیوں کے عذاب سے احتیاء کا ذکر کیا گیا ہے اس میں تاویل کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ

ذَلِكَ لِلْمَنْ تَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس سے کم کلمہ کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کسی کافرا مشرک کی سزا معاف کر کے اس کو بخش دے تو اس کی اس خبر کے خلاف لازم آئے گا اور یہ محال ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں فرمائے گا اب اگر وہ کسی کافر کی سزا معاف کر دے تو اس آیت کے خلاف ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَذَابُهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۚ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (البقرہ: ۲۴-۲۸)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا أَلْبِسُ كَذِبًا مِّنْ بَيْنِي وَأَنَا نَكْرًا ۖ وَسَكَرُوا عَنْهَا لَا تَخْلُجْ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْحَمَلُ مِن سِمَةِ الْخَبَابِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝

(الاعراف: ۴۰)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (پر ایمان لانے) سے انکار کیا ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک واضح مثل سے یہ بتایا ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے، اب کفار کی مغفرت اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے امکان کو ظاہر کرنا اس آیت کی تکذیب کے مترادف ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصِيبُهُمْ بَأْرًا ۖ كُلَّمَا نَصَّبَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلَهُمْ جُلُودًا ۖ عَبْرَهَا لِيَنْزِفُوا الْعَذَابَ ۚ

(النساء: ۵۶)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، ہم عذیب ان کو آگ میں داخل کر دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو چکھیں۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کافروں پر عذاب کا سلسلہ تاہم جاری رہے گا ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید اور بغیر کسی استثناء کے یہ کلی حکم لگایا ہے کہ کافروں کو غیر مٹنےی زمانہ تک عذاب ہو گا اور اب یہ امکان پیدا کرنا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو ایک مدت تک عذاب دے کر ان کو معاف فرما دے گا ان تمام آیتوں کی تکذیب کے مترادف ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان کو معاف نہیں کرے گا ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، ان کو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور جب بھی ان کی کھال جل جائے گی اس کو دوسری کھال سے بدل دیا جائے گا اور ان کے علاوہ بکثرت آیات ہیں جن میں فرمایا ہے کہ کافروں کو دائمی اور ابدی عذاب ہو گا۔

زیر تفسیر آیت میں کفار کے دائمی عذاب سے استثناء کی توجیہ ملت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا یہ دوزخی کون ہیں؟ تحقیق یہ ہے کہ ان دوزخیوں سے مراد موحدین ہیں جن کو ان کے گناہوں کے سبب سے تظہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر کچھ

عرصہ کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۱) قارہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ یہ اشتہاء ان موحدین کی طرف راجع ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو دوزخ میں رکھے گا پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۳۱۳، ۱۳۳۱۲، ۱۳۳۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۷۱۱۲۳، ۷۱۱۲۲، ۷۱۱۲۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل کر دے گا وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دے گا پھر فرمائے گا: تم دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال دو پھر وہ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر ان کو حیات کے دریا میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس طرح نشوونما پانے لگیں گے جس طرح دریا کے کنارے آگاہوا دانہ نشوونما پاتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا پن ہو، نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۰، ۶۵۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳)

(۲) اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوا ان اوقات کے جب وہ دنیا میں تھے یا برزخ میں تھے یا میدان حشر میں حسب کتب کے لیے کھڑے ہوئے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ دوزخیوں کا دوزخ کے عذاب سے اشتہاء ان تین اوقات اور احوال کی طرف راجع ہے۔

(۳) اس آیت کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اشتہاء ان کے چیخنے اور چلانے کی طرف راجع ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ چیخنے اور چلاتے رہیں گے، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی چیخ دیکھ کر نہیں ہوگی۔

(۴) اس آیت کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ دوزخ میں آگ کا عذاب بھی ہو گا اور زمر کا عذاب بھی ہو گا جس میں بہت سخت ٹھنڈک ہوگی اور یہ اشتہاء آگ کے عذاب کی طرف راجع ہے، یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں رہیں گے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو آگ کے عذاب سے نکال کر ٹھنڈک کے عذاب میں ڈال دے گا۔

(۵) اس آیت کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت سورہ فتح کی اس آیت کی طرح ہے:

لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْرُّءَا بِآلِ الْحَقِّ
لَسَنُخْلِسَنَّ الْمُسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ
إِمَامِيٍّ مُّخَلِّفِيٍّ رَّءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِيٍّ
بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا ثواب
دکھایا اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور مسجد حرام میں امن و امان کے
ساتھ داخل ہو گے (بعض) اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور
(بعض) اپنے سروں کو کترواتے ہوئے۔ (فتح: ۲۴)

بظاہر اس آیت کا یہ معنی ہے اگر اللہ چاہے گا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے اور اگر اللہ چاہے گا تو نہیں داخل ہو گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہونا واجب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم معاذ اللہ جمل سے بدل جائے گا سو جس طرح اس آیت میں "اللہ چاہے گا" کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مسجد حرام میں داخل نہ ہونا بھی ممکن ہے اسی طرح نیز تفسیر آیت میں بھی "مگر جتنا آپ کا رب چاہے" کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایک محدود مدت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

اہل جنت کے جنت میں اور اہل نار کے نار میں دوام کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت میں جو اشتہاء ہے اس کی بھی وہی توجہات ہیں جو اس سے پہلی آیت میں بیان کی جا چکی ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ان اہل جنت پر محمول کیا جائے جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اب اس آیت کا معنی اس طرح ہو گا کہ نیک بخت لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ”یہ غیر منقطع عطاء ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ اس لیے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ اہل جنت کا جنت میں قیام منقطع ہو جائے گا بلکہ ان کا جنت میں قیام حتمی اور یقینی طور پر دائمی ہے اور غیر منقطع ہے اور حدیث صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو ایک سرسئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اہل جنت! پھر وہ سراٹھا کر منادی کی طرف دیکھیں گے، منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ لیں گے، پھر وہ منادی ندا کرے گا: اے اہل نار! وہ سراٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے، منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے، پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا پھر وہ منادی کے گا اے اہل جنت! اب ہمیشہ رہنا ہے، موت نہیں ہے اور اے اہل نار! اب ہمیشہ رہنا ہے اور موت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۴۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۶ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۱۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۷ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۸۵ مسند احمد ج ۲ ص ۷۷۷ (۳۷۷۷) قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے:

لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا الْمَوْتُ إِلَّا الْمَوْتَةُ الْأُولَىٰ۔ (الذخاں: ۵۶) وہ جنت میں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے سوا اس پہلی موت کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا! (اے اہل جنت!) تم ہمیشہ سندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہیں آئے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۴۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۶ مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۸۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مخاطب! جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، تم ان کے متعلق کسی شک میں نہ پڑو یہ ان کی محض اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے، اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حقہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی (حور: ۳۹) کفار کے حصوں کا بیان

پہلے اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں کے بخت پرستوں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، پھر اس کے بعد بد بختوں اور نیک بختوں کے آخری انجام کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی طرف سلسلہ کلام کو متوجہ فرمایا، اس

آیت میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن مراد عام خطاب ہے، کیونکہ بخت پرستوں کی عبادت کے باطل ہونے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شک کرنا تو کسی طرح متصور ہی نہیں ہے، اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بخت پرست جن بختوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے پاس اس کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس ارشاد کے حسب ذیل محل ہیں:

(۱) ان کی بخت پرستی کی سزا میں ہم نے ان کے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے ان کو وہ عذاب پورا پورا دیا جائے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲) ہر چند کہ انہوں نے کفر کیا ہے اور حق سے ڈوگردانی کی ہے لیکن دنیا میں ان کے رزق اور معیشت کا جو حصہ ہے ہم اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔

(۳) ان کو ہدایت پر لسنے کے لیے دلائل مہیا کرنے، رسول کو بھیجے، کتب نازل کرنے اور ان کے شہادت کا ازالہ کرنے میں جو ان کا حصہ ہے ہم اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں محال مراد ہوں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ذُكُورًا لَا كَلِمَةَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک

سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقَفْزِي بَيْنَهُمْ وَلَا تَنْهَمُ لِفِي شَكٍّ مِنْهُ

بات پہلے نہ ہو گئی ہو تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ بے شک اس قرآن کی طرف سے زبردست شک

مُرِيبٌ ۝۱۰ وَإِنْ كُنَّا لَيُوفِّيْنَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا

میں ہیں ۱۰ اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بیشک

يَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۝۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَ

جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۱۱ پس آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں

لَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۲ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ

آپ کے ساتھ (اشک) طرف (رجوع) کیا ہے، اور (لوگ) تم سرکشی نہ کرنا ہے، بیشک تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۱۲ اور تم ان لوگوں سے

ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ

میل چل نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے، ورنہ تمہیں بھی (عذاب کی) آگ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے،

ثُمَّ لَا تَصُورُونَ ۝۱۲۳ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ

پھر تہاری مدد نہیں کی جائے گی ○ امدون کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک

الْحَسَنَاتِ يَذْهَبُنَ السَّيِّئَاتِ ط ذَلِكَ ذِكْرِي لِلَّذِ كَرِيْن ۝۱۲۴

نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ○

وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۲۵ فَلَوْلَا كَانَ

اور صبر کیجئے پس سبے شک اللہ بیکے کرے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○ پس تم سے پہلی

مِنَ الْقُرُونِ مَن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةً يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے (لوگوں کو)

فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ

روکے تھے ماسوا چند لوگوں کے جنہیں ہم نے ان سے نجات دی تھی، اور ظالموں نے اس

ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝۱۲۶ وَمَا كَانَ رِئُكْ

میش و نشاط کی پیروی کی جس پر وہ جئے بھٹے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے ○ اور آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں

لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝۱۲۷ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

کہ وہ کسی ظلم کی وجہ سے بستیوں کو تباہ کر دے جب کہ ان کے رہنے والے نیک ہوں ○ اور اگر آپ کا رب چاہتا

لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝۱۲۸ إِلَّا

تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (لیکن) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے ○ مگر

مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ

جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا، اور ان کو اسی لیے پیدا فرمایا، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور

جَهَنَّمَ مِّنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝۱۲۹ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ

جہنم کو جتنوں اور انسانوں سب سے ہمہ دونوں کا ○ اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں

مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ

بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں، اور ان تفصیلات میں آپ کے پاس حق آگیا

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۳﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ

اور مؤمنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ○ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَا كَانَتْكُمْ رِثًا عَمِلُوتُمْ ﴿۱۲۴﴾ وَانْتَظِرُوا

آپ ان سے کہیے تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، ہم (اپنی جگہ) کام کر رہے ہیں ○ اور تم بھی انتظار کرو

اِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۵﴾ وَبِاللّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَآلِیْهِ

بے شک ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○ اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں اور اسی کی طرف

یَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

ہر کام کو لایا جاتا ہے، پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے ○ اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے

عَبَّاتُ عَمَلُونَ ﴿۱۲۶﴾

آپ کا رب غافل نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات ملے نہ ہو گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ (لوگ) بے شک اس (قرآن) کی طرف سے زبردست شک میں ہیں ○ اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بے شک جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ (ہود: ۸۰-۸۱)

توحید و رسالت کا انکار کفار کی پرانی روش ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ کفار کہہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں، اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ کافروں کی کوئی نئی روش نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے کفار کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو ان کی قوم کے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض اس کے انکار پر ڈٹے رہے، اور مخلوق کا ہمیشہ یہی وتیرہ رہا ہے۔

کفار مکہ پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات ملے نہ ہو گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ

ہو چکا ہو تو اس ارشاد کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) ہر جہ کہ کفار مکہ اپنے عظیم جرم کی وجہ سے اس سزا کے اور ایسے عذاب کے مستحق تھے کہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ پہلے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ان پر دنیا میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا اور ان کے عذاب کو قیامت کے دن تک موخر فرمائے گا سو اگر یہ فیصلہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فیصلہ نہ کر لیا ہوتا کہ اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا تو اس دنیا میں ہی حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان امتیاز کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ یہ امتیاز قیامت کے دن کرے گا قرآن مجید میں ہے:

وَأَمَّا زُلَّكَ الْيَوْمَ بِهَا الْمُحْجَرُونَ۔ (نہیں: ۵۹) اے مجرمو! آج (نیک لوگوں سے) الگ ہو جاؤ۔

(۳) اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فیصلہ نہ کر لیا ہوتا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کفار مکہ پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا تو ان کے جرائم کی وجہ سے اس پر عذاب آچکا ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو اس حال میں عذاب (الاعل: ۳۳) دے کہ آپ ان میں موجود ہوں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سابق اور غالب رہے گی اور اس کا احسان اس کے انتقام پر غالب رہے گا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آچکا ہوتا۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بنی متوفی ۵۸۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے رب تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے ہاتھ سے اپنے نفس پر لکھ دیا ہے۔ (ازراہ کرم اپنے اوپر لازم کر لیا ہے) کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (کتب الاسلام والصلوات ص ۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وعد اور وعید کی جامع آیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) پورا پورا بدلہ دے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے رسول کی تصدیق کی یا جس نے رسول کی تکذیب کی یا جس کو دنیا میں جلدی سزا مل گئی یا جس کی سزا موخر کی گئی، وہ سب اس امر میں برابر ہیں کہ ان کو پوری پوری جزا آخرت میں ملے گی، مصدقین کو ان کے ایمان اور اطاعت پر ثواب ہو گا اور مکذبین کو ان کے کفر اور معصیت پر عذاب ہو گا سو یہ آیت وعد اور وعید کی جامع ہے، پھر اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ ان کی خوب خبر رکھنے والا ہے، جب کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس کو ہر ایک کی اطاعت اور معصیت کا علم ہے، اس لیے اس کو یہ علم ہے کہ کون شخص کس جزا کا مستحق ہے، اس لیے وہ کسی کا حق اور اس کی جزا کو ضائع ہونے نہیں دے گا اور وہ ہر شخص کو اس کے کاموں کی پوری پوری جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ (بھی) جنہوں نے آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (ہود: ۱۳)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے ان آیتوں کا جو ترجمہ کیا ہے وہ آداب نبوت سے بہت بعید ہے اور کوئی امتی

اپنے نبی کے متعلق ایسی زبان استعمال نہیں کر سکتا وہ لکھتے ہیں:

پس اے محمد! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر اور بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو، اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی پیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہیں ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔ (ہود: ۳۳-۳۴) (تفسیر القرآن ج ۴ ص ۷۷)

اور ہم نے ان آیتوں کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

پس آپ اسی طرح قائم رہیں، جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ (بھی) جنہوں نے آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے، ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

سید مودودی نے ولا تطعوا (اور سرکشی نہ کرو) اور ولا ترکوا (اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو) کا مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قرار دیا ہے اور امام ابن جریر نے ان دونوں کا مخاطب لوگوں کو قرار دیا ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے، اور ہلکی مفسرین نے ان دونوں کلموں کا مخاطب آپ کے اصحاب کو قرار دیا ہے اور یہ جسارت صرف سید مودودی نے کی ہے کہ اور سرکشی نہ کرو اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو کے خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کر لیا ہے۔

استقامت کا لغوی اور عرفی معنی

استقامت کا معنی ہے خط مستقیم جس میں دائیں بائیں بالکل التفات نہ ہو اور مطلقاً کبھی نہ ہو، اور احکام شریعہ پر ہو، ہو عمل کرنا، اور ان میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ ہو، عقائد، اعمال اور اخلاق میں معتدل اور متوسط طریقہ پر ہمیشہ قائم رہنا، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات میں ذرا سی بھی کمی اور زیادتی عقائد میں استقامت سے خارج کر دیتی ہے، مثلاً معتزلہ اللہ تعالیٰ کا عدل ثابت کرنے میں افراط کا شکار ہوئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ نیکو کاروں کو ثواب عطا فرمائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، اور وہ استقامت سے نکل گئے، ہمارے دور میں علماء دیوبند اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عموم ثابت کرنے میں افراط اور غلو کا شکار ہوئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر اور ہر برے کام کرنے پر قادر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کال ص ۸۴، جہد الملک ج ۴ ص ۴۴، تنقید متین ص ۱۸۸) حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا اور کوئی بھی برا کام کرنا محال ہے، اس طرح وہ استقامت سے نکل گئے اور شیعہ جب اہل بیت میں افراط اور غلو کا شکار ہوئے اور انہوں نے صحابہ کرام پر حق کیا اور اہل بیت میں تنقیص اور تقریب کے مرتکب ہوئے۔ خارجی اپنے خود ساختہ تقویٰ میں زیادتی کے مرتکب ہوئے، انہوں نے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ دونوں پر لعنت کی، اور صفائے کے ارتکاب کو بھی کفر قرار دیا۔ اسلم جیراج پوری، عبد اللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز طاعت اور اتباع قرآن میں افراط کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے احادیث کے حجت ہونے کا انکار کر دیا بعض عقلی و عظیمی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرنے پر آتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے بڑھا دیتے ہیں اور جب اولیاء کرام کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو ان کو انبیاء علیہم السلام سے بڑھا دیتے ہیں، بعض اپنے پیروں اور علماء کی تعریف نبیوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں، ایسے تمام عقائد اور نظریات استقامت سے خارج ہیں۔

اسی طرح اعمال میں بھی استقامت مطلوب ہے اور بہت مشکل ہے، اللہ کی راہ میں سب مال خرچ کر کے خود بھیک مانگنا

شروع کر دینا افراط ہے اور اللہ کی راہ میں بالکل مال خرچ نہ کرنا تفریط ہے، اور یہ دونوں استقامت سے خارج ہیں۔ غفل نماز روزے میں انسان اس قدر مشغول رہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ کر سکے یہ عبادت میں افراط ہے اور بیوی بچوں کی محبت اور ان کے ساتھ مشغولیت میں عبادت کرنے کا نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا بالکل خیال نہ رہے یہ تفریط ہے اور یہ دونوں عمل استقامت سے خارج ہیں، اسی طرح جو شخص شہوت اور غضب کے تقاضے پورے کرنے میں افراط یا تفریط کرے وہ بھی استقامت سے خارج ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل میں اپنے آپ کو متوسط کیفیت اور اعتدال پر رکھنا استقامت ہے اور کسی ایک طرف میلان اور جھکاؤ اختیار کرنا استقامت کے خلاف ہے۔

استقامت کا شرعی معنی

حضرت سفیان بن عبد اللہ الشعمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیے کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں، آپ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر مستقیم رہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۲)

آپ کا یہ ارشاد تمام احکام شرعیہ کو شامل ہے کیونکہ جس شخص نے کسی حکم پر عمل نہیں کیا یا کسی ممنوع کام کا ارتکاب کیا، تو وہ استقامت سے خارج ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس فقیر پر توبہ کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الْكَافِرِينَ قَالُوا زُورَ الْبَلَاءُ لَوْلَا رَبُّنَا الَّذِي أَمَّا أَنْتُمْ تَمُوتُونَ

جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر مستقیم رہے۔ (الاحقاف: ۱۳)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور تاحیات اس پر کاربند رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فاسقم کما امرت۔ (عود: ۱۳) سے زیادہ شدید اور زیادہ شاق تمام قرآن میں کوئی آیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی، اس لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے کہا کہ آپ پر بہت جلد بڑھ چلا آیا تو آپ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور ان جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج ۹ ص ۲۸۷ دلائل النبوة ج ۹ ص ۳۵۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۰ المستدرک ج ۴ ص ۳۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۵۳ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۵۵ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو، اور ہرگز نہ رو سکو گے، اور جان لو کہ تمہارے دین میں سب سے بہتر چیز نماز ہے اور وضو کی وہی شخص حفاظت کر سکے گا جو مومن ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۰ ۲۷۷۷ مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۷۷ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۹۸ المستدرک ج ۹ ص ۳۰)

صوفیاء کے نزدیک استقامت کا معنی

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

استقامت وہ درجہ ہے جس کے سبب سے تمام امور کمال اور تمام کو پہنچتے ہیں، اور اسی کی وجہ سے تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور جس شخص کو اپنے کسی حال میں استقامت حاصل نہ ہو اس کی کوشش رائیگاں اور اس کی جدوجہد بے سود ہوتی ہے اور جو شخص اپنی کسی صفت میں مستقیم نہ ہو وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتا۔ جہتدی میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات میں کستی نہ آئے اور متوسط میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کی منازل میں وقفہ نہ آئے اور جہتدی

میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے مشاہدات میں جلب نہ آئے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ نے کہا کہ استقامت کے تین مارج ہیں: (۱) الشقوبہ یعنی نفوس کی تلویب کرنا (۲) الاقامت یعنی قلوب کی تہذیب کرنا۔ (۳) الاستقامت یعنی اسرار کو قریب لانا۔

ایک قول یہ ہے کہ صرف اکابر ہی استقامت کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ استقامت کا معنی ہے اپنے معروف کاموں سے باہر آثار سموں اور علوتوں کو چھوڑنا اور انتہائی صدق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونا۔ واسطی نے کہا استقامت وہ وصف ہے جس کی وجہ سے محسن کھل جاتے ہیں اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بری باتیں اچھی لگتی ہیں۔ شبلی نے کہا استقامت یہ ہے کہ قیامت ہر وقت تمہارے پیش نظر رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اقوال میں استقامت یہ ہے کہ غیبت کرنے کو ترک کر دیا جائے اور افعال میں استقامت یہ ہے کہ بدعات کو ترک کر دیا جائے اور اعمال میں استقامت یہ ہے کہ سستی کو ترک کر دیا جائے اور احوال میں استقامت یہ ہے کہ مشاہدات میں جلب نہ رہے۔ استاذ محمد بن حسین فورک کہتے تھے الاستقامت میں سین طلب مانع کے لیے ہے یعنی اقامت اور قیام کو طلب کرنا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرو کہ وہ تم کو توحید پر برقرار رکھے پھر اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرو کہ وہ اس سے کیے ہوئے تمام مہود پر قائم رکھے اور اس کی تمام حدود کی حفاظت پر برقرار رکھے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق مانگے کہ وہ اس کے تمام احکام اور امور و انہی پر عمل کرے۔ (الرسالۃ التشریعیہ ص ۲۳۰-۲۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ (محمد: ۳۳)

رکون کالغوی اور عرفی معنی

علامہ رافع اصفہانی متوفی ۵۵۴ھ نے لکھا ہے: رکون کسی چیز کی اس جانب کو کہتے ہیں جس پر ٹھہرا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۶ ص ۲۶۸) امام غزالی رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: جس رکون سے منع فرمایا ہے اس کا معنی ہے خالموں کے طریقہ اور ان کی روش پر راضی ہو کر اور ان کے طریقہ کی تحسین کرنا اور اس کو خوبصورت سمجھنا اور اس طریقہ کے کسی ایک باب میں شریک ہو کر لیکن اگر کوئی شخص دفع ضرر یا دقتی منفعت کے حصول کے لیے پسندیدگی کے ساتھ ان کے طریقہ میں داخل ہو تو وہ رکون نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰۷)

رکون کا شرعی معنی

امام ابو نعیم محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے مشرکین سے میل جول نہ رکھو۔ ابو العالیہ نے کہا: ان کے اعمال سے راضی نہ ہو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کا عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے: خالموں سے میل جول نہ رکھو۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے ممانعت نہ کرو، یعنی جو شخص خالموں سے میل جول رکھے اور ان کے ظلم پر انکار نہ کرے وہ ممانعت ہے، یہ آیت ان خالموں کے متعلق ہے، جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اور اس کی کتاب کے ساتھ کھڑے ہوں، اور جو گنہگار مسلمان ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی ان کے گناہوں اور ان کے عملوں کو جاننے والا ہے، اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی معصیت کے ساتھ صلح کرے اور نہ کسی معصیت کرنے والے کے ساتھ میل جول رکھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۵۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۰۸-۳۰۹)

کفار، بد مذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَاللَّهُ نَفْسُ كُلِّ لَوَائِيٍّ (آل عمران: ۲۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ (الممتحنة: ۱۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا قَوْمًا عَصِبَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ قَدْ يَفْسُقُوا وَإِلَيْهِمْ أَجْرُهُمْ كَمَا يَفْسُقُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ

(الممتحنة: ۱۳)

کفار، بد مذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں گے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۹ ص ۹، مطبوعہ کراچی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر قہر ہیں، وہ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد در قم الحدیث: ۱۳۶۵)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ قہر وہ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار ہیں، ان کی کوئی توبہ نہیں ہے، میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (المعجم الكبير رقم الحدیث: ۵۶۰، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ باز نہ آئے، وہ علماء ان کی مجالس میں بیٹھے رہے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے رہے، تب اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل بعض سے مشابہ کر دیئے، اور ان پر (حضرت) داؤد اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (المائتہ: ۷۸) اور دوسری روایت (ترمذی: ۳۰۳۸) کے آخر میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر آپ انھیں کر بیٹھ گئے۔ پس فرمایا: نہیں، حتیٰ کہ تم ظالم کے ہاتھ پکڑ لو اور اس کو حق پر سختی کے ساتھ مجبور کرو (یعنی اس کے علاوہ کسی صورت میں معصیت کاروں کے ساتھ نہ بیٹھو)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۹ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۴۳۵ المعجم الكبير رقم الحدیث: ۶۳۶۱ ۶۳۶۵ ۶۳۶۳ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۳۳ جامع

البيان رقم الحديث: ۹۹۰۴

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے اصحاب اور سرال کو منتخب فرمایا، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے، تم ان کی مجلس میں مت بیٹھنا ان کے ساتھ چنانہ ان کے ساتھ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکل کرنا۔ (کتاب المغناہ للعقلمی ج ۱ ص ۱۲۶ رقم الحديث: ۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

یہ حدیث صحیح ہے، امام عقیلی نے اس حدیث کی مزید تین سندیں بیان کی ہیں۔

ہم روزانہ و ترکی دعاء قنوت میں یہ کہتے ہیں:

سخلع وستر کل من یصحرک۔

جو تیری نافرمانی کرتا ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس

سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۳ مطبوعہ کراچی، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۱، علل الشرائع ج ۱ ص ۱۰۹)

اکابر صحابہ پر شیعہ کا سب و شتم اور زیر تفسیر آیت سے اس کا جواب

علی شیعہ اور تہرانی رافضی چھ صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام کو کافر اور منافق کہتے ہیں، خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو بہت سب و شتم کرتے ہیں۔ طاباقر مجلس متونی ۱۱۰ھ لکھتا ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنم کے سات دروازے ہیں، ایک دروازے سے داخل ہونے والے فرعون، ہامان اور قارون ہیں، یہ ابو بکر، عمر اور عثمان سے کنایہ ہے اور دوسرے دروازے سے بنو امیہ داخل ہوں گے جو ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ (حق الیقین ص ۵۰۰، مطبوعہ کتب فردشے ایران، ۱۳۵۷ھ)

براءت میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان چار جنوں سے بیزاری طلب کرتے ہیں، یعنی ابو بکر، عمر، عثمان اور معاویہ سے اور چار عورتوں سے یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور ام القلم سے اور ان کے معتقدوں اور پیروکاروں سے اور یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہیں، اور اللہ، رسول اور ائمہ سے کیا ہوا احمق اس وقت تک پورا نہیں ہو گا جب تک کہ ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار نہ کیا جائے۔ (حق الیقین ص ۵۱۸، مطبوعہ تہران ایران، ۱۳۵۷ھ)

علل الشرائع میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہو گا تو وہ عائشہ کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے اور ان سے قاتلہ کا انتقام لیں گے۔ (حق الیقین ص ۳۴، مطبوعہ ایران، ۱۳۵۷ھ)

امام مہدی ہر دو (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) کو قبر سے باہر نکالیں گے، وہ اپنی اسی صورت پر تروتازہ قبر سے نکالے جائیں گے، پھر فرمائیں گے کہ ان کا کفن اتار دو، سو ان کا کفن طلق سے اتارا جائے گا وہ ان کو اللہ کی قدرت سے زندہ کریں گے، اور تمام مخلوق کو جمع ہونے کا حکم دیں گے، پھر ابتداء عالم سے لے کر اخیر عالم تک جتنے ظلم اور کفر ہوئے ہیں ان کا گناہ ان دونوں پر لازم کریں گے اور وہ یہ اعتراف کریں گے کہ اگر وہ روز اول خلیفہ کا حق غصب نہ کرتے تو یہ گناہ نہ ہوتے، پھر ان کو درخت پر چڑھانے کا حکم دیں گے، اور آگ کو حکم دیں گے کہ زمین سے باہر آئے اور ان کو درخت کے ساتھ جلا دے اور ہوا کو حکم دیں گے کہ ان کی راکھ کو آزا کر دریا میں بہا دے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۸-۶۹، مطبوعہ تہران)

عیاش نے سند معتبر کے ساتھ حضرت امام محمد باقر سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا

سے تشریف لے گئے تو چار کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے: علی بن ابی طالب، مقداد، سلمان اور ابوذر۔

(حق الیقین ص ۳۶۲-۳۶۱، مطبوعہ تہران ۱۳۵۷ھ)

اور یہ بشمول شیعہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہ کے ساتھ میل جول رکھا، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیوں کو اپنے حبلہ عقد میں داخل فرمایا اور اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں داخل کیا، حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کی بہن کو اپنے نکاح میں داخل فرمایا اور اپنی وفات تک ان تمام صحابہ کے ساتھ رشتہ محبت قائم رکھا اور ان کے بہت فضائل اور مناقب بیان فرمائے، اگر بالفرض بقول شیعہ یہ صحابہ کافر، ظالم اور فاسق تھے تو لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں سے میل جول رکھنے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت (حدود: ۳۳) میں فرمایا ہے کہ اس کو دونوں کی آگ جلائے گی تو سوچئے کہ عداوت صحابہ کے جنون میں یہ لوگ کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں اور صبر کیجئے پس بے شک اللہ، نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا (حدود: ۳۳-۳۵) نماز کی اہمیت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا تھا اور اس کے متعلق بعد اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز پڑھنا ہے، اور جب کبھی کسی شخص کو مصیبت یا پریشانی لاحق ہو تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز سے غم زدہ یا فکر مند ہوتے تو نماز پڑھتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۷۸)

دن کی دو طرفوں میں فقہاء صحابہ و تابعین کے اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجلد اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: دن کے دو طرفوں سے مراد فجر اور عصر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن اور ابن زید نے کہا: دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد فجر اور عصر ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر نے کہا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب کو لیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک فجر ہے اور یہ نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے تو پھر دن کی دوسری طرف مغرب ہونی چاہیے کیونکہ مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نماز فجر کو سفید اور روشن وقت میں پڑھنے، عصر کو دو مثل سلیہ کے بعد پڑھنے

اور وتر کے وجوب میں امام ابو حنیفہ کی تائید

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

دن کی دو طرفوں کے متعلق متعدد اقوال ہیں اور ان میں صحت کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد فجر اور عصر

کی نمازیں ہیں کیونکہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک طرف طلوع شمس ہے اور دوسری طرف غروب شمس ہے، پس طرف اول فجر کی نماز ہے، اور طرف ثانی سے مغرب کی نماز مراد لینا جائز نہیں کیونکہ وہ رلعماس اللیل (ابتدائی رات کے کچھ حصے) میں داخل ہے۔ پس واجب ہے کہ طرف ثانی سے مراد عصر کی نماز ہو اور جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ آیت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول پر دلیل ہے کہ فجر کو روشن کر کے نماز پڑھنا افضل ہے۔ (فجر کے ابتدائی وقت میں اندھیرا ہوتا ہے اور اس کو موخر کیا جائے حتیٰ کہ سفیدی اور روشنی پھیل جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک فجر کے ابتدائی وقت میں جب اندھیرا ہوتا ہے نماز پڑھنا افضل ہے۔) اور یہ آیت اس پر بھی دلیل ہے کہ عصر کی نماز کو موخر کر کے پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز کو دن کی دو طرفوں میں پڑھنا واجب ہے اور دن کی دو طرفیں طلوع شمس کا ازل وقت ہے اور اسی طرح غروب شمس کا ازل وقت ہے، بلکہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ ان وقتوں میں بغیر ضرورت شرعیہ کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لہذا اس آیت کے ظاہر پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ لہذا اس آیت کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے، اس لیے اب اس آیت کا معنی اس طرح ہوا کہ نماز کو اس وقت قائم کیجئے جو دن کی دو طرفوں کے قریب ہے کیونکہ کسی چیز کے قریب پر بھی اس چیز کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، لہذا صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو طلوع شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے جب سفیدی اور روشنی ہوتی ہے کیونکہ اندھیرے وقت کی بہ نسبت سفیدی کا وقت طلوع شمس کے زیادہ قریب ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو غروب شمس کے قریب ہے۔ اور یہ وہ وقت ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہوتا ہے اور ایک مثل سایہ کی بہ نسبت دو مثل سایہ کا وقت غروب شمس کے زیادہ قریب ہے اور مجاز حقیقت کے جتنا زیادہ قریب ہو اس پر لفظ کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے، پس ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا ظاہر ان دونوں مسئلوں میں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تقویت اور تائید کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و رلعماس اللیل اور زلف جمع کا صیغہ ہے سو اس کا معنی ہے رات کے تین قریبی اوقات، کیونکہ کم از کم جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے اور ایک وقت مغرب کے لیے ہے اور دوسرا وقت عشاء کے لیے ہے تو پھر تیسرا وقت وتر کے لیے ہونا چاہیے اور اس سے یہ پتہ چلے گا کہ وتر کی نماز واجب ہے، اور یہ بھی امام ابو حنیفہ کے قول کی تائید کرتا ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

پانچ وقت کی نمازوں سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نیکیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب قرظی، مجاہد، حسن، ضحاک، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور مسروق نے کہا: ان نیکیوں سے مراد پانچ نمازیں ہیں، یہ پانچ نمازیں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح سے پانی میل کو مٹا دیتا ہے اور دھو ڈالتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۷۲-۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک دریا ہو، جس میں وہ ہر روز دن میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو تم کیا کہتے ہو؟

کیا اس کے بدن پر میل باقی رہے گا صحابہ نے کہا اس کے بدن پر میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی ایسی ہی مثل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۸۷، مسند ابو عوانہ ج ۲ ص ۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۷۳۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۶، ج ۳ ص ۴۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۸۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان کو دیکھا انہوں نے پانی کا ایک برتن منگایا پھر اس میں سے تین مرتبہ پانی اتریل کر اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا اور گل کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا، پھر تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو کھنیوں سمیت دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر تین مرتبہ اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا، پھر کہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اس وضو کی مثل وضو کیا پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی کہ اس نماز میں اس نے اپنے آپ سے ہاتھیں نہیں کیں (دل میں از خود خیال آنا ممنوع نہیں ہے، ممنوع یہ ہے کہ انسان خود دنیادی باتوں کو سوچتا اور ان میں غور و فکر کرنا شروع کر دے) تو اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۹۰۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۸، عالم الکتب ۳۳۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۶۹، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۹۳۳۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۸۳)

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، حضرت سلمان نے ایک خشک شلخ کو پکڑ کر زور زور سے ہلانا شروع کیا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر کہا اے ابو عثمان تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے کہا: آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: جب مسلمان وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ رہے ہیں اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي السَّهَارِ وَرَمَقَاتِ الْبَلَدِ
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ هَذَا لَكَ
ذِكْرِي لِلذَّكْرِ يُسَّ ۝ (ہود: ۱۱۳)

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ۝

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۱۰۸، سنن ابو داؤد طیالسی رقم الحدیث: ۶۵۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۲۵، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا میں نے عینہ کے ایک سرے پر ایک عورت کو گرایا اور میں نے جملع کے سوا اس سے سب کچھ کر لیا، اور اب میں حاضر ہوں آپ میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ رکھ لیا تھا کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، وہ شخص چلا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر اسے جوایا اور اس پر یہ آیت پڑھی۔ واقم الصلوة طرفی السہار ورمقات البلد ان الحسنات يذهبن السيئات

ذلک ذکرہ للذاکرین O (ہود: ۱۲) قوم میں سے ایک شخص نے کہا کیا یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ حکم تمام لوگوں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۲۲ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۸۹۹ مسند احمد ج ۹ ص ۴۴۵ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۳۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۳۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا پس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے حد کا ارتکاب کر لیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری فرمائیں۔ آپ نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا، پھر نماز کا وقت آگیا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ شخص آپ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں نے ایک حد کا ارتکاب کیا ہے، آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم نافذ کیجئے، آپ نے پوچھا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے گنہ کو یا فرمایا تمہاری حد کو معاف فرمادیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳)

یہ وہی شخص ہے جس کا اس سے پہلی حدیث میں ذکر تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اس واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اقم الصلوٰۃ طرفی السہار ورفغاس البین ان الحسنات بدھب السیئات۔ (ہود: ۱۱۳) اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ حکم میری تمام امت کے لیے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۸ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۷۶۳)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک آدمی ایک عورت سے ملا، ان کے درمیان جان پہچان نہیں تھی اور ایک مرد ایک عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ اس نے کر لیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اقم الصلوٰۃ طرفی السہار۔ (ہود: ۱۱۳) آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھے، حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام مومنین کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ حکم تمام مومنین کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۲۲ المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۶۷۷۶ سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۱۳۳ المستدرک ج ۹ ص ۵۵۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۲۵)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کجھوری خریدنے کے لیے آئی، میں نے اس سے کہا اس سے زیادہ اچھی کجھوریں میرے گھر میں ہیں، پھر میں نے اس سے نفسانی خواہش کا قصد کیا اور اس کا بوسہ لے لیا، پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا تم اپنے اوپر پردہ رکھو، اللہ سے توبہ کرو، اور کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرو، لیکن مجھ سے مبرا ہو سکا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے (بھی)

کہا اپنا پردہ رکھو، توبہ کرو اور کسی کو نہ بتاؤ، مجھ سے پھر صبر نہ ہو سکا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی عازی کے گھر والوں کی اس کی غیر موجودگی میں خبر گیری کی ہے؟ میں نے کہا نہیں! (امام ابن جریر کی روایت میں ہے پھر پوچھا کیا تم نے کسی عازی کو جہاد کا سامان مہیا کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں! حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اس وقت اسلام لایا ہوتا اور میں نے یہ گمان کیا کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس آیت کی وحی نازل فرمائی: **وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي السَّهَارِ**۔ (الایہ: ۱۱۰) حضرت ابوالیسر نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ آیت اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام لوگوں کے لیے عام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۱۵، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحدیث: ۱۳۷۱، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۳۸۰)

اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صحابہ کرام بھی اس قسم کے فحش کام کرتے تھے، کیونکہ صحابہ کرام کی خطائیں تکمیل دین کا ذریعہ تھیں، جن بعض صحابہ سے یہ لغزش ہو گئی، ان کی یہ لغزش سورہ ہود کی اس آیت کے نزول کا سبب بنی اور قیامت تک کی امت کے لیے یہ رحمت عام ہوئی کہ نیکیاں گناہوں کے منہ کا ذریعہ بن گئیں۔

پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ دیگر عبادات سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں لیکن احادیث میں دیگر عبادات کے متعلق بھی تصریح ہے کہ وہ گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے یلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۳، عالم الکتاب، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۵۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۸۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۳، عالم الکتاب، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۳، عالم الکتاب، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے لیے حج یاہ اس نے دوران حج جملہ کیا نہ جملہ کی باتیں کیں، نہ کوئی گناہ کیا تو وہ حج کر کے اس طرح لوٹے گا جس

طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۵۴۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۸۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۶ عالم الکتب، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۰۴۳ سنن ابداری رقم الحدیث: ۹۸۰۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۴۳)

ابن شماس بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اس وقت وہ موت کے قریب تھے اور رو رہے تھے، انہوں نے کہا جب اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں، آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا میرا براہ ہے کہ میں کچھ شرط لگاؤں، آپ نے پوچھا تم کیا شرط عائد کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا میری مغفرت کر دی جائے، آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں، اے عمرو! اسلام پہلے گناہوں کو مٹاتا ہے اور ہجرت پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۱۵ الترمذی و الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: اللہ کی راہ میں جلا کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہیں، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! یہ بتلائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اس حال میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا یہ بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو (تو سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے) ماسوا قرص کے، یہ حضرت جبریل نے مجھ سے ابھی کہا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۸۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۳ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۳۳ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۲۵ سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۵۵۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۱۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۷ سنن ابداری رقم الحدیث: ۴۳۱۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۵۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۱۳۵)

نیکوں سے صغیرہ گناہ مٹتے ہیں یا کبیرہ؟

گناہ دو قسم کے ہیں: گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ۔ فرض کاترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کاترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔ فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ نیکوں سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اور گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے، نیکوں سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دو سراجہ اور ایک رمضان سے دو سراجہ رمضان ان کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ کبائر سے اجتناب کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۸۶ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۳۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۳ مسند احمد ج ۶ ص ۴۸۴ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۴۶۷ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۵) علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نیکیوں سے کبائر کے سوا تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، کبائر نیکیوں سے معاف نہیں ہوتے۔ قاضی عیاض نے کہا: جو حدیث میں مذکور ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے، کبائر کی معافی توبہ سے ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔ ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ نماز، روزہ اور حج کبائر کا کفارہ نہیں ہوتے، کبائر کا کفارہ صرف توبہ ہے۔ امام ابن عبدالبر نے لکھا ہے اس پر اجماع ہے (میں کہتا ہوں کہ حج میں انسان میدان عرفات میں توبہ کرتا ہے اور اس توبہ سے کبائر سمیت تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں) علامہ طاہر ثقفی نے لکھا ہے کہ حقوق العباد میں قصاص ضرور لیا جائے گا خواہ صغیرہ ہوں، اور کبائر توبہ سے معاف ہوں گے۔ جب صغائر معاف ہونے کے بعد نیکیاں بیج جائیں تو ان نیکیوں سے کبائر میں تخفیف ہو جائے گی اور اگر کسی انسان کی صرف نیکیاں ہوں اور اس کا کوئی گناہ نہ ہو، صغیرہ نہ کبیرہ تو پھر نیکیوں سے اس کے درجات بلند ہو جائیں گے۔

(تختہ الاحوذی ج ۱ ص ۶۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

مرجسہ کے استدلال کا جواب

امام رازی نے لکھا ہے: مرجسہ کا مذہب ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسان کو کسی معصیت پر عذاب نہیں ہو گا وہ اپنے مذہب پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی ایمان ہے اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے تو جب ایمان لانے سے کفر مٹ جاتا ہے تو کفر سے چھوٹے درجے کے جو گناہ ہیں وہ ایمان لانے سے بطریق اولیٰ مٹ جائیں گے پس ثابت ہو گیا کہ مومن کو کسی معصیت پر کوئی عذاب نہیں ہو گا امام رازی نے ان کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کا جواب بہت واضح ہے کہ یہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت صریح آیات ہیں کہ نماز نہ پڑھنے، زکوٰۃ نہ دینے، قتل کرنے، سود کھانے اور مل یتیم کھانے سے سخت عذاب ہو گا اور اس باب میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور صبر کیجئے، اس کا ایک معنی ہے نماز کی مشقت پر صبر کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور (خود بھی) اس کی مشقت

(طہ: ۱۳۲) پر صبر کریں۔

اور اس کا دوسرا معنی ہے کفر کی ایذاؤں پر صبر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم سے پہلی امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے (لوگوں کو) روکتے ماسوا چند لوگوں کے جنہیں ہم نے ان سے نجات دی تھی اور ظالموں نے اس پیش و نشانہ کی پیروی کی جس پر دوہتے ہوئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے۔ (حود: ۶۱)

سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہونے کے دو سبب

اس سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے پچھلی امتوں پر ایسا ہمہ گیر عذاب نازل فرمایا تھا جس نے ان قوموں کو صلح ہستی سے مٹا دیا ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کیونکہ ان کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھتے ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تھی، اور اس آیت میں ان پر عذاب نازل کرنے کے دو سبب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا ان میں نیک

لوگوں کی ایسی جماعت نہ تھی جو برے لوگوں کو برائیوں سے اور غلام پھیلانے سے روکتی اور دو سرا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ فانی لذات، شہوات اور طاقت اور اقتدار کے نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے، اس آیت سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اگر لوگ نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا چھوڑ دیں اور فانی لذتوں اور باطل شہوتوں کی تکمیل میں ڈوب جائیں تو ان پر عذاب الہی کے نازل ہونے کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ کسی ظلم کی وجہ سے بستیوں کو تباہ کر دے جب کہ ان کے رہنے والے نیک ہوں۔ (ہود: ۷۷)

دنیا میں شرک قلیل در گزر ہے ظلم لائق در گزر نہیں

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ایک اور آیت میں شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (الفرقان: ۲۳)

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کا حق دوسرے کو دینا ظلم ہے، اور عبادت اللہ کا حق ہے اور یہ حق دوسروں کو دینا ظلم ہے، اور جب مخلوق میں کسی کا حق دوسرے کو دینا ظلم ہے تو خالق کا حق دوسرے کو دینا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی بستی کو تباہ نہیں کرتا کہ اس کے رہنے والے شرک کرتے ہوں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی قوم پر ہمہ گیر عذاب نازل نہیں فرماتا کہ وہ قوم شرک اور کفر کا اعتقاد رکھتی ہو بلکہ وہ اس قوم پر اس لیے عذاب نازل فرماتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ حقوق اللہ میں وسعت اور در گزر کی گنجائش ہے اور حقوق العباد میں تنگی اور سختی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف فرماتا ہے اور حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ بندے خود معاف نہ کر دیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہتی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں پر اس وقت عذاب آیا جب انہوں نے لوگوں کو ایذا پہنچائی اور مخلوق پر ظلم کیا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۸، سنن الحمیدی رقم الحدیث: ۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷۵-۱۷۴، سنن احمد ج ۹ ص ۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۵، سنن البزاز رقم الحدیث: ۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۵، سنن ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بتا دیتا (لیکن) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا، اور ان کو اسی لیے پیدا فرمایا، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔ (ہود: ۵۸-۵۹)

دنیا کے مشہور فرقے

ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو جبراً مومن اور ایک امت بتا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس کی

مخلوق میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں، اس لیے اس نے انسانوں اور جنات کو اختیار دیا، پھر یہ عقائد اور اصول میں اختلاف کرتے رہے، کچھ لوگ تو سرے سے خدا کے منکر ہیں اور اس کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ مانتے ہیں یا ارتقائی عمل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ بے دین اور دہریہ ہیں اور کچھ لوگ خدا کے وجود کے قائل ہیں لیکن توحید کے قائل نہیں ہیں، نہ رسولوں کو اور آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں۔ یہ لوگ بت پرست، بدھ، ہندو اور سکھ ہیں اور کچھ لوگ خدا، رسول اور آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں ان میں سے بعض تورات کو مانتے ہیں اور اس کو غیر منسوخ مانتے ہیں اور عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، یہ یہودی ہیں اور بعض انجیل کو مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو تین میں سے ایک مانتے ہیں، یہ عیسائی ہیں اور بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور آپ پر قرآن مجید نازل کیا اور قرآن مجید نے سابقہ آسمانی کتابوں کے احکام منسوخ کر دیئے اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سوا اور کسی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں فرمائے گا یہ لوگ مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مگر ”جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا“ اس سے مسلمان ہی مراد ہیں۔

اختلاف مذہب موم ہونے کے باوجود مجتہدین کا اختلاف کیوں محمود ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی مذمت فرمائی ہے اور اختلاف کرنے والوں کو غیر مرحوم قرار دیا ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اختلاف کی مذمت کی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اکثر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، اسی طرح نصاریٰ بھی، اور میری امت تتر فرقوں میں منقسم ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۱ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۹۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۳۳ المستدرک ج ۱ ص ۱۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے لوگ ضرور وہ کام کریں گے جو بنو اسرائیل کرتے تھے، برابر برابر، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ عمل کریں گے اور بے شک بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت کے تتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے، فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۱ المستدرک ج ۱ ص ۱۳۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰ ۱۲۵)

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید اور مستند احادیث میں اختلاف کی مذمت کی گئی ہے تو فقہاء مجتہدین کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا کس طرح درست ہوگا اور یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ تمام ائمہ مجتہدین برحق ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جس اختلاف کی مذمت کی گئی ہے وہ عقائد کا اختلاف ہے اور ائمہ مجتہدین کے درمیان عقائد میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف باعث رحمت ہے کیونکہ اس سے امت کے لیے عمل میں آسانیاں فراہم ہوتی ہیں۔ اور مسائل فرعیہ میں اختلاف کے جواز کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو

آپ نے ہم سے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جو قرینہ پہنچے سے پہلے نماز نہ پڑھے۔ بعض مسلمانوں نے راستہ میں عصر کی نماز کا وقت پالیا، ان میں سے بعض نے کہا ہم جو قرینہ پہنچے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض نے یہ کہا بلکہ ہم نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ ارادہ نہیں فرمایا تھا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

اللہ، رسول اور کتاب ایک ہے پھر اسلام میں فرتے کیوں ہیں؟

بعض لوگ علماء پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اللہ بھی ایک ہے، رسول بھی ایک ہے، قرآن بھی ایک ہے، پھر مسلمانوں میں اتنے فرتے کیوں ہیں، کوئی سنی ہے، کوئی شیعہ ہے، کوئی دیوبندی ہے، کوئی بریلوی ہے، کوئی اہل حدیث ہے؟ اور یہ مسائل فریہ کا اختلاف نہیں ہے عقائد کا اختلاف ہے اور یہ سب ایک دوسرے کو کافرا گمراہ کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نظریات میں اختلاف انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جیسا کہ زبان رسالت کے مطابق یسود اور نصاریٰ کے بہتر فرتے ہوئے اور آپ نے اس امت میں بھی تتر فرقوں کی پیش گوئی فرمائی، دنیاوی امور میں دیکھ لیں، فلسفیوں اور سائنس دانوں میں اختلاف ہوتا ہے، ڈاکٹروں کی تشخیص میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء میں اختلاف ہوتا ہے، جنوں میں اختلاف ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک جج کسی مجرم کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور دوسرا جج اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ۱۹۷۸ء میں سپریم کورٹ کے جنوں کی اکثریت نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ کیا اور ایک جج مندر علی شاہ نے بھٹو کو بے قصور قرار دیا، اسی طرح سیاست دانوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک مسلم لیگ تھی جس نے پاکستان بنایا تھا پھر جنرل ایوب کے دور میں تین مسلم لیگ بن گئیں۔ ایک کونسل مسلم لیگ اور ایک کنونشن مسلم لیگ اور ایک قیوم لیگ اور اب ہمارے دور (۲۰۰۰-۲۰۱۹ء) میں بھی تین مسلم لیگ ہیں: ایک نواز لیگ، ایک جو نیو لیگ اور ایک پیرکار لیگ، اسی طرح ایک پیپلز پارٹی تھی۔ پھر ایک پروگریسو پیپلز پارٹی بنی، ایک نیشنل پیپلز پارٹی ہے۔ ایک پیپلز پارٹی شہید بھٹو گروپ ہے اور ایک پاکستان پیپلز پارٹی ہے، اسی طرح اور بھی بہت سی سیاسی جماعتیں مختلف دھڑوں میں بٹ گئیں اور یہ لوگ اپنے مخالفین کو غدار کہتے ہیں اور ڈاکٹرز، وکلاء، مجرم، فلاسفر، اور سیاست دان، یہ سب ایک دوسرے سے اختلاف کریں تو کوئی بری بات نہیں ہے اور علماء کا ایک دوسرے سے اختلاف ہو تو اس کو طعن اور تشنیع کا سبب بنایا جائے، یہ کوئی انصاف کی بات تو نہیں ہے۔

ابتداءً اسلام قبول کرنے والا کس فرتے میں جائے

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں اتنے فرتے ہیں اگر کوئی شخص ابتداءً اسلام قبول کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ مشکل ہوگی کہ وہ کس فرتے کے اسلام کو قبول کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرے۔ نماز پڑھے، روزہ رکھے، صاحب نصاب ہو تو سال کے بعد زکوٰۃ ادا کرے اور استطاعت ہو تو حج کرے اور تمام حرام کاموں سے بچے اور مختلف فرقوں کی ہارکیوں اور ان کے نظری مسائل میں نہ پڑے، باقی رہا یہ کہ وہ کس فقہ کے مطابق نماز پڑھے تو جس ملک میں جس فقہ کی اکثریت ہو، اس کے مطابق اپنی عبادت انجام دے اور تلاش حق کے لیے مختلف فرقوں کے دینی لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھے اور مطالعہ کے بعد جو مسلک اس کو حق آن مجید اور احادیث کے قریب تر دکھائی دے اس کو قبول کر لے اور یہ کوئی ایسا مشکل اور لاغفل مسئلہ نہیں ہے۔

جہنم کا جنوں اور انسانوں سے بھرنا

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں

سے بھروں گا۔" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز پہلے سے تھی کہ اللہ تعالیٰ جنت اور انسانوں کو اختیار دے گا تو ان میں سے بعض اپنے اختیار سے دین حق کو قبول کریں گے، ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے اور بعض دلائل اور شواہد دیکھنے کے باوجود دین حق کو مسترد کر دیں گے اور اپنے آپاء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے کفریہ عقائد پر جے رہیں گے، سو کچھ لوگ جنت کے مستحق ہوں گے اور کچھ لوگ دوزخ کے مستحق ہوں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھروں گا اور جب جنوں اور انسانوں کی اکثریت نے کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی یہ بات پوری ہو گئی۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے سامنے ایک دوسرے سے بحث کی، جنت نے کہا: کیا وجہ ہے کہ جنت میں صرف کمزور اور پسماندہ لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔ دوزخ نے کہا: مجھے یہ فضیلت ہے کہ مجھ میں شکریں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تم میری رحمت ہو، اور دوزخ سے فرمایا: تم میرا عذاب ہو، میں جس کو چاہوں تم میں داخل کر کے سزا دوں گا تم میں سے ہر ایک کے لیے (لوگوں سے) بھرنے کا ہے، رہی جنت تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اور وہ جس کو چاہے گا دوزخ کے لیے پیدا فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر دوزخ تین مرتبہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں (اپنی شان کے مطابق) اپنا قدم رکھ دے گا پھر دوزخ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض میں غم ہو جائے گا پھر دوزخ کہے گی، بس بس بس!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۶۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۰۸۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۹۰، عالم الکتاب: ۱۳۳۸)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت (ہود: ۱۲۰) انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے اور اس آیت میں ان قصص کو نازل کرنے کا کادہ بیان فرمایا اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو فرائض رسالت کی ادائیگی پر اور کفار کی پہچانی ہوئی لذتوں اور نعمتوں پر ثابت قدم رکھا جائے، کیونکہ انسان جب کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اور لوگ بھی اس مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو اس پر وہ مشکل اور مصیبت آسان ہو جاتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی سختی عام ہو تو وہ آسان ہو جاتی ہے تو جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات اور قصص بیان کیے گئے اور آپ نے یہ جان لیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اسی طرح کا ظالمانہ اور اذیت ناک سلوک کیا تھا تو پھر آپ پر کفار مکہ کی پہچانی ہوئی اذیتیں آسان ہو گئیں اور آپ کے لیے ان تکلیفوں پر صبر کرنا مشکل نہ رہا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان فرماتے ہیں اور ایک اور آیت میں اس کے خلاف

ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِّنْهُمْ مَّن
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ
عَلَيْكَ. (المومن: ۷۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسول بھیجے، ان
میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے بیان فرمائے اور ان میں
سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے نہیں بیان فرمائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ مومن کی اس آیت میں ماضی میں بعض انبیاء کے قصص بیان کرنے کی نفی ہے اور سورہ
ہود کی اس آیت میں زمانہ حال میں تمام انبیاء کی خبریں بیان کرنے کا ثبوت ہے اس لیے ان آیتوں میں کوئی مخالفت اور تعارض
نہیں ہے۔

حق، نصیحت اور عبرت کا فرق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے اس سورت میں انبیاء سابقین کی خبریں بیان فرمائی ہیں حالانکہ دوسری سورتوں میں بھی
انبیاء سابقین کی خبریں بیان فرمائی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں زیادہ تفصیل کے ساتھ انبیاء سابقین کی خبریں
بیان فرمائی ہیں۔

پھر فرمایا: ”ان قصوں میں آپ کے پاس حق آیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت۔“ حق سے مراد توحید، رسالت
اور قیامت کے وہ دلائل ہیں جن کو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے اور نصیحت سے مراد نیک اعمال کی تلقین اور ہدایت ہے اور
عبرت سے مراد ہے وہ عذاب جو کفار کی بد اعمالیوں پر دیا گیا اس عبرت کو ذکر کرنے سے تعبیر فرمایا، ذکر کرنے کے معنی ہیں یاد دلانا، کیونکہ
انسان نے عالم میثاق میں اللہ تعالیٰ کو رب مانتے کا وعدہ کیا تھا اور جب وہ اس عالم دنیا میں آیا تو اپنا کیا ہوا وعدہ بھول گیا تو اللہ
تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اس کو وہ وعدہ یاد دلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے کہئے کہ تم اپنی جگہ کلام کرتے رہو، ہم (اپنی جگہ)
کلام کر رہے ہیں ○ اور تم (بھی) انتظار کرو، بے شک ہم (بھی) انتظار کر رہے ہیں ○ اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ
ہی کے ساتھ مختص ہیں اور اسی کی طرف ہر کلام لوٹتا جاتا ہے ○ پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے، اور جو کچھ تم
لوگ کرتے ہو، اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے ○ (حور: ۳۳-۳۴)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت موثر انداز میں تبلیغ فرمادی اور اللہ تعالیٰ کی محبت پوری کر دی اس کے باوجود کفار
مکہ ایمان نہیں لائے اور آپ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے رہے تو فرمایا: اچھا تم مجھے ضرر پہنچانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو وہ
کرو، اور ہم اسی طرح دین کی تبلیغ کرتے رہیں گے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ تم جو کچھ ہمارے خلاف کر سکتے ہو وہ کرو یہ تمہرے
وعدہ کے طور پر فرمایا ہے، ان کو کسی شرعی حکم کا نکتہ نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سے فرمایا تھا:

وَاسْتَفِيرُوا مِمَّنْ اسْتَضَعْتُمْ مِنْهُمْ يَصْوَثِيكُمُ
وَاجِلٌ عَلَيْهِمْ يَخِيبُكُمُ وَرَجُلٌ
وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَنْهُمْ.

اور تو اپنی آواز کے ساتھ ان میں سے جن کو ڈمگا سکا ہے،
ان کو ڈمگا دے اور اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ان پر
حملہ کر دے اور ان کے اموال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا
اور ان سے جھوٹے وعدے کر۔

(بنی اسرائیل: ۳۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بطور تمہید فرمایا:

وَمِنَ الْحَقِّ مَن رَّبِّكُمْ قَسَمَ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ
مَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ. (الکاف: ۲۹)

آپ کہئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جو
چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اور اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا: اور تم (بھی) انتظار کرو اور بے شک ہم (بھی) انتظار کر رہے ہیں، یعنی شیطان نے تم کو جو فقر و فاقہ سے ڈرایا ہے، تم اس کا انتظار کرو اور ہم اس رحمت اور مغفرت کا انتظار کر رہے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: تم اپنی ہلاکت کا انتظار کرو اور ہم تم پر عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔

اور اس کے بعد فرمایا: اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں۔ آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمایا: اور اسی کی طرف ہر کام لوٹایا جاتا ہے، اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں، یہاں خصوصیت کے ساتھ علم اور قدرت کا ذکر فرمایا کیونکہ علم اور قدرت ہی دو ایسی صفات ہیں جن پر مدار الوہیت ہے، کیونکہ اگر اس کو علم نہ ہو تو اس کو کیسے پتا چلے گا کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں اور اگر قدرت نہ ہو تو وہ اپنے اطاعت گزاروں کو جزا کیسے دے گا اور اپنے نافرمانوں کو سزا کیسے دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے، کیونکہ انسان کی سعادت کا پسلا درجہ اللہ کی عبادت ہے اور آخری درجہ اللہ پر توکل ہے۔

اور آخر میں فرمایا: اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کی اطاعت کو ضائع نہیں فرمائے گا اور منکروں اور سرکشوں کو مزید ذلیل نہیں دے گا وہ قیامت کے دن سب کو میدان حشر میں زندہ کر کے جمع کرے گا اور ہر شخص سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا اور انجام کار نیکو کاروں کو جنت عطا فرمائے گا اور بدکاروں کو دوزخ میں دھکیل دے گا۔ اے اللہ! ہم کو اپنے فضل سے جنت عطا فرماتا اور دوزخ سے محفوظ رکھنا۔

حرف آخر

آج ۲۳ رمضان ۱۴۲۰ھ ۴ جنوری ۲۰۰۰ء بروز اتوار عصر سے قبل سورہ ہود کی تفسیر ختم ہو گئی، اللہ العالین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرائی ہے، باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرادے، اور اس تفسیر کے قارئین سے التماس ہے کہ وہ میرے لیے اسلام پر استقامت، ایمان پر خاتمہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کتب کی مقبولیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے حصول کی دعا کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، افصل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء آمنہ وعلما ملتہ اجمعین۔



سُورَةُ يُوسُفَ

(١٢)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة یوسف

سورة یوسف کا نام، اس کا مقام نزول اور زمانہ نزول

اس سورت کا نام واحد ہے اور وہ سورہ یوسف ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اس کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا مفصل تذکرہ نہیں ہے، بلکہ سورۃ الانعام اور سورۃ مومن کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا اسم مبارک بھی مذکور نہیں ہے، یہ سورت مکی ہے۔

حافظ سید علی نے امام النخاس، امام ابو الشیخ اور امام ابن مردودہ کے حوالوں سے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورہ یوسف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور امام ابن مردودہ نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ یوسف مکہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۳۴۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۳ھ)

بعض روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ یوسف مکہ مکرمہ میں ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔ امام حاکم سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفیعہ بن رافع زرقی اور ان کے خلد زاد بھائی مکہ مکرمہ گئے، یہ چھ انصار کے روانہ ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا ہم پر اسلام پیش کیجئے، آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور پوچھا آسمانوں، زمینوں اور پھاڑوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ نے، آپ نے پوچھا تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ نے، پھر پوچھا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کو کس نے بنایا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے، پھر پوچھا خالق عبادت کا مستحق ہے یا مخلوق، کیا بت اس بات کے مستحق ہیں کہ تم ان بتوں کی عبادت کرو حالانکہ تم نے خود ان کو بنایا ہے، جبکہ اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے بہ نسبت ان چیزوں کے جن کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اس کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور رشتے جوڑنے اور دشمنی ترک کرنے اور لوگوں سے بغض نہ رکھنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ہم نے کہا جس دین کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ کیسے باطل ہو سکتا ہے، یہ دین تو بہت بلند باتوں اور محسن اخلاق سے ہے، آپ ہماری سوازیوں کو ٹھہرائیں حتیٰ کہ ہم بیت اللہ

ہو آئیں، پھر معاذ بن عفراء آپ کے پاس بیٹھے اور میں نے کعبہ کا طواف کیا اور میں نے سات تیر نکالے اور میں نے دعا کی کہ اگر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین برحق ہے تو اس کا تیر نکال دے، اور سات مرتبہ اسی کی تائید میں تیر نکلا تو میں نے چلا کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یہ دیوانہ ہے، کسی نے کہا یہ شخص اپنے آبائی دین سے نکل گیا ہے، یہ مومن ہے، پھر میں مکہ کی بلادی طرف گیا جب مجھے محلہ نے دیکھا تو کمار افع کا چہرہ تو ایسا ہو گیا ہے کہ پہلے ایسا کبھی نہ تھا پھر میں آیا اور ایمان لے آیا، اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یوسف اور افرء باسم ربک سکھائی، پھر ہم مدینہ لوٹ آئے۔

امام ابن سعد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صعوب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے تو وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے، عمرو بن الجموح نے ان کے پاس ایک آدمی بھیج کر پوچھا تم ہمارے پاس یہ کیا چیز لے کر آئے ہو۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہم تمہارے پاس آکر تم کو قرآن مجید سنائیں، انہوں نے کہا ہاں! پھر انہوں نے ان سے ایک دن مقرر کیا اور ان کے سامنے سورہ یوسف کی یہ آیات تلاوت کیں: **الْكِتَابُ الْمُبِينُ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ**۔

امام بیہقی نے دلائل النبوة میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت آپ سورہ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے کہا یا محمد! آپ کو اس کی کس نے تعلیم دی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے اس کی تعلیم دی ہے، وہ یہودی عالم یہ سن کر متعجب ہوا، اس نے واپس جا کر ہود سے کہا اللہ کی قسم! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح قرآن مجید پڑھتے ہیں جس طرح تورات نازل ہوئی ہے، پھر وہ یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور کے پاس آیا، انہوں نے آپ کو تورات میں مذکور صفت سے پہچان لیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہربوت کو دیکھا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ یوسف کی تلاوت کو سننا شروع کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ امام ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں سورہ یوسف پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۴۹۵-۴۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا تذکرہ

امام عبد الرحمن بن علی الجوزی الخلیل المتوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان ہی کے زمانہ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب کی طرف مائل تھے اور ان ہی کے حق میں دعا کرتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا تم میرے لیے شکار کا گوشت لاؤ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔ حضرت یعقوب نے یہ بات سن لی، وہ حضرت اسحاق کے لیے گوشت لے کر آئے۔ حضرت اسحاق نے ان کو میص سمجھ کر ان کے حق میں دعا کر دی، میص کو جب پتا چلا تو انہوں نے حضرت یعقوب کو دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کر دوں گا حضرت یعقوب بھاگ کر اپنے ماموں لاہان کے پاس چلے گئے۔ ان کے ماموں نے اپنی بیٹی لیا سے ان کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے ان کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے: روتیل، شمعون، یوذا، لاوی، یساخر اور زیاہون یا زلیون، پھر لیا فوت ہو گئیں تو حضرت یعقوب نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا، ان کے بطن سے حضرت یوسف اور بن یامین پیدا ہوئے، اس لفظ کا معنی ہے درد کا بیٹا کیونکہ راحیل غاس میں فوت ہو گئیں تھیں۔

امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ عربی میں بن یامین کا معنی شہاد (ہمت سخت) ہے، ان دو بیویوں کے علاوہ حضرت یعقوب کے ہاں ایک اور بیوی سے چار بیٹے مزید پیدا ہوئے اور ان کے کل بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب کو تمام قلوب میں سب سے زیادہ محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی۔

ابن کاتب یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نبی تھے، ان کے ناموں میں اختلاف ہے، ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام روبیل ہے، پھر شمعون ہیں ان کو سمعان بھی کہتے ہیں۔ ان کے بعد یوذا ہیں، ان کا ریاست میں سب سے بڑا مرتبہ تھا۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام یوذا کی اولاد سے ہیں، اس کے بعد لاوی ہیں اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ان کی اولاد سے ہیں، پھر یساکر ہیں اس کے بعد زلیخون یا زلیخون ہیں، پھر بلوہ ہیں، پھر اشیر ہیں، پھر ودان ہیں پھر غشلی یا غشل ہیں، پھر بنیامین اور حضرت یوسف ہیں۔ روبیل، شمعون، یوذا، لاوی، یساکر اور زلیخون کی میں کا نام لیا بنت لاہان ہے، ان کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام دنیا تھا وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بنی۔

جب حضرت یوسف راہیل سے پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب نے ان کو اپنی بہن کی گود میں دے دیا، ان ہی نے حضرت یوسف کی پرورش کی، سب سے پہلی مصیبت جو حضرت یوسف علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت اسحاق کی پہلی بیٹی اور حضرت یعقوب کی بڑی بہن اور حضرت یوسف کی چھوٹی بہن کے پاس حضرت اسحاق کا منطقہ (کرپہ باندھنے کا پنکٹا یا پٹی) تھا جو وراثت سے ان کے پاس آیا تھا جب انہوں نے حضرت یوسف کو گود میں لیا تو وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگیں، حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یعقوب سے حضرت یوسف کو مانگا اور کہا میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، حضرت یعقوب نے کہا میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، ان کی بہن نے کہا اس کو چند دن میرے پاس رہنے دو، جب حضرت یعقوب ان کے پاس سے چلے گئے تو ان کی بہن نے وہ منطقہ حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے ان کی کرپہ باندھ دیا، پھر انہوں نے کہا حضرت اسحاق کا منطقہ تم ہو گیا اس کو تلاش کرو وہ کہاں ہے، پھر وہ منطقہ حضرت یوسف سے برآمد ہوا، ان کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ جس کے پاس سے چوری کی چیز برآمد ہو اس کو مالک کی تحویل میں دے دیا جاتا تھا لہذا حضرت یوسف، ان کی تحویل میں دے دیئے گئے اور حضرت یعقوب کی بہن کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں، اسی وجہ سے حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا تھا کہ:

رَأَيْتُمْ شَرِيْقًا فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ
اگر اس (بن یامین) نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا
(یوسف: ۷۷) بھائی چوری کر چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بقی قصہ سورہ یوسف میں تفصیل سے آرہا ہے۔ وہاں ان شاء اللہ ہم اس پر مفصل مفسر کریں گے۔ (المستطعم ج ۱ ص ۸۷-۸۸ تاریخ الطبری ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۳ اکال فی تاریخ الدین اثنی عشر ج ۱ ص ۷۸)
سورہ یوسف کے مقاصد اور اہداف

یہ سورت ہود کے بعد اور الحجر سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر تریچن ہے اور جس قدر تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں کسی اور نبی کا قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں ذکر کیا گیا۔

اس سورت کی اہم غرض حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنا ہے کہ ان کے بھائیوں نے ان سے کیسا ظالمانہ سلوک کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے ظلم پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر غلبہ پانے کے بعد ان کو کسی قسم کی ملامت نہیں کی اور ان کو معاف کر دیا، اسی طرح سیدنا محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی قوم کے کافروں نے ظلمانہ سلوک کیا وہ آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے، کبھی نماز کی حالت قیام میں آپ کے گلے میں چلور کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے لگتے، کبھی حالت سجدہ میں آپ کی مبارک پشت پر ابو جھڑی رکھ دیتے، طائف میں تبلیغ کرنے گئے تو پتھر مار مار کر آپ کو لولہاں کر دیا، آپ انہیں نیکی اور دائمی نعمتوں کی طرف بلائے تو وہ طعن تشنیع کے تیروں اور سب و شتم سے آپ کو جواب دیتے، وہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے اور آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن ایک وقت آیا کہ ان تمام ظالموں اور جفاکاروں کے سر آپ کی تلوار کے نیچے تھے، آپ ان پر ہر طرح غالب اور حاکم تھے اور یہ محکوم اور مغلوب تھے، آپ ان سے ہر ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے لیکن آپ نے ان کو معاف کر دیا اور صرف یہی فرمایا: آج کے دن میں تم کو کوئی ملامت نہیں کرتا۔

اس سورت سے معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بھی ایک علم ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور یہ کہ رشتہ دار ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے لطف سے نوازتا ہے اور یہ کہ وفا، امانت، محنت، صدق، صبر اور توبہ سے بندہ اللہ کی بارگاہ میں قرب اور مقبولیت حاصل کرتا ہے اور تمام اعمال کا مدار خاتمہ پر ہوتا ہے، اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام غنت اور پارسلوں کے سب سے بلند مقام پر تھے، ان کو حسین اور جوان عورت نے گناہ کی دعوت دی اور وہ ذی اقتدار بھی تھی، کوئی رکھوٹ نہ تھی، کوئی دیکھنے والا نہ تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام صرف خوف خدا سے اس سے دور بھاگے، اس نے کہا اگر اس نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں اس کو قید کرادوں گی، حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ کی غتوں کو گلے لگایا اور اپنی پاک بازی کے دامن کو معصیت سے آلودہ ہونے نہ دیا، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ قید خانہ میں بھی تبلیغ دین کرتا رہتا ہے، آپ نے وہاں بھی قیدیوں کو توحید کی طرف بلایا اور لوگوں کو بت پرستی سے قنطریہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شان کریمی تھی کہ جس سے آپ نے فرمایا تھا میرا بلا شاد کے سامنے ذکر کرے اور اس نے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا پھر جب وہ اپنے کلام سے آپ کو بلانے آیا تو آپ نے اس کو ملامت نہیں کی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو کوئی نعمت حاصل کرنے سے پہلے اپنے اوپر لگی ہوئی تھمت اور بدنامی کو دور کرنا چاہیے، جب آپ کو قید خانہ سے آزادی کی نوید سنائی گئی تو آپ نے اس وقت تک قید خانہ سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک عزیز مصر کی بیوی کی لگائی ہوئی تھمت آپ سے دور نہ کر دی جائے۔

اس سورت میں گزشتہ امتوں کی تاریخ ہے، ان کے قوانین اور ان کے نظام حکومت کا بیان ہے، ان کی تجارت کے طریقوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے، اس سورت میں انتہائی فصیح و بلیغ اور دلچسپ اور سنسنی خیز قصہ کا بیان ہے جس کی دلکشی اور شیرینی میں انسان مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ نضر بن حارث کفار مکہ کو رستم اور سراب کی عجیب و غریب داستانیں سنایا کرتا تھا لیکن جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ سنا تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے زیادہ حسین قصہ انہوں نے آج تک نہیں سنا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ صحابہ نے کہا ہم نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نبی حضرت یوسف ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ آپ نے فرمایا: پھر تم محزون عرب

کے متعلق مجھ سے سوال کر رہے ہو؟ لوگ معلوم ہیں جو زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر تھا وہ زمانہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہے بشرطیکہ وہ فقیہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ پر رحم فرمائے وہ مضبوط قبیلہ کی پٹا میں آنا چاہتے تھے اور اگر میں حضرت یوسفؑ جتنی مدت قید میں ٹھہرتا تو میں ضرور بلائے والے کے بلائے پر چلا جاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۸۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۰۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ سلمہ بن وشام کو نجات دے، اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے، اے اللہ کمزور مسلمانوں کو نجات دے، اے اللہ! معز پر اپنی گرفت کو سخت کر، اے اللہ! ان پر حضرت یوسفؑ کے قتل کی سزا کی طرح قتل کے سزا مسلط کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۵۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ یوسفؑ کی تفسیر کی ابتداء کرتے ہیں: لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم، وما توفیقی الا باللہ العلیم الکرم، اللہم اری الحق حقاً وارزقنی اتعاضہ واربی الباطل باطلا وارزقنی احسنابہ۔ (۲۸ رمضان ۱۴۲۰ھ / ۶ جنوری ۲۰۰۰ء)

سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ وَمِنْ آيَاتِهَا عَشْرٌ اِنَّكَ عَشِيرٌ كَرِيمٌ

سورہ یوسفؑ مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں اور نہایت رحم کرنے والا بہت بڑا ہوں

الرَّتِلَکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْبَیِّنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ

الف لام را، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۝ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ

تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحِیْنَا

تم اس کو سمجھ سکو ۝ ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین

اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۝ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنْ الْغٰفِلِیْنَ ۝

قرآن سناتے ہیں، اور بے شک آپ اس سے پہلے بے خبر تھے ۝

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَ

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے آبا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مِثْلَهُمْ لِي سَجْدِينَ ۖ قَالَ يَبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ

سورج اور ہاند کو دیکھا، میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں ○ (باپ نے کہا: اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے

رُعْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ

بھائیوں کے سامنے بیان د کرنا اور نہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۖ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ

کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیروں کا علم

الْأَحَادِيثِ وَيُمَتِّنْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا اتَّهَمَ

مطا فرمائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس

عَلَىٰ أَبِيكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۖ

نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا، بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا نہایت حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را" یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ (یوسف: ۱)

قرآن مجید کے مبین ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کی یہ صفت ذکر کی ہے کہ وہ مبین ہے، اس کے تین سبب ہیں: (۱) یہ قرآن زبردست معجزہ ہے، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہت واضح اور روشن دلیل ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اس میں ہدایت کے بہت واضح طریقے اور بہت روشن راستے بیان فرمائے ہیں اور حلال اور حرام کے صاف احکام اور حدود و تعزیرات کو بیان فرمایا ہے۔ (۳) اور اس میں پہلی باتوں اور ان کے نبیوں اور رسولوں کے قصص اور احوال بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو ○ ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین قصہ سناتے ہیں، اور بے شک آپ اس سے پہلے بے خبر تھے ○ (یوسف: ۲-۳)

اللہ کے لیے لَعَلَّ کا معنی

کلام عرب میں لَعَلَّ کا لفظ کسی چیز کی امید کے لیے آتا ہے اور بظاہر اس کا یہ معنی ہو گا کہ اللہ کو امید ہے کہ تم سمجھ لو گے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس کے حق میں محال ہے، اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ امید کا یہ معنی قرآن پڑھنے والوں اور سننے والوں کی طرف راجع ہے، یعنی جو لوگ قرآن مجید کو تدریس کے ساتھ پڑھیں ان کو یہ امید رکھنی

ہا ہے کہ وہ اس قصہ کو سمجھ لیں گے، اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے لعل کا لفظ وارد ہوا اس کا یہی معنی ہے۔

قصہ کا لغوی معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین قصہ سناتے ہیں۔“

(جامع البیان رقم الحدیث: ۵۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قصص کا معنی ہے کسی چیز کے نشانات کو تلاش کرنا اور ان کی پیروی کرنا قرآن مجید میں ہے:

فَارْتَدَّ عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا۔ (الکہف: ۶۳) سورہ اپنے قدموں کے نشانات تلاش کرتے ہوئے لوٹے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ قُتِبُوا۔ (القصص: ۵) اور ان کی مل نے ان کی بن سے کھاتم موسیٰ کو تلاش کرو۔

اسی طرح جو خبریں متبع اور تلاش سے حاصل کی گئی ہوں ان کو بھی قصص کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔ (آل عمران: ۱۳) یہ حق خبریں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۲۳-۵۲۲، مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

سورہ یوسف کو احسن القصص فرمانے کی وجوہات

سورہ یوسف کو احسن القصص فرمانے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جس قدر عظمتیں ہیں اور جس قدر عبرت انگیز واقعات ہیں اتنے عبرت انگیز واقعات اور کسی سورت میں نہیں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ رُبُّ قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (یوسف: ۱۱) بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ نہایت احسن سلوک فرمایا، ان کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر کیا، اور جب ان کو اقتدار ملا اور وہ ان سے بدلہ لینے پر ہر طرح قادر ہوئے تو ان کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ فرمایا:

لَا تَشْرِيْتْ عَلَيَّ كُتُبُ الْيَوْمِ۔ (یوسف: ۱۴) آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سورت میں انبیاء، صالحین، ملائکہ، شیاطین، جن، انسان، جانوروں اور پرندوں کا ذکر ہے، اور اس میں بادشاہوں، تاجروں، علماء، جاہلوں اور مردوں اور عورتوں کی سیرت اور ان کی طرز زندگی کا بیان ہے، اور عورتوں کے حیلوں اور ان کے مکر کا بیان ہے، اور اس میں توحید، رسالت، فقہی احکام، خواہوں کی تعبیر، سیاست، معاشرت اور تدبیر معاش کا بیان ہے اور ان تمام فوائد کا بیان ہے جن سے دین اور دنیا کی اصلاح ہو سکتی ہے، اور اس میں حسن اور عشق کی داستان ہے اور محب اور محبوب کا ذکر ہے۔

اہل محلی نے کہا: اس سورت کو احسن القصص اس لیے فرمایا ہے کہ اس سورت میں جتنے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا اہل سعادت ہے اور سب کا انجام نیک اور عاقبت بہ خیر ہے، دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے والدین، ان کے بھائی اور عزیز مصر کی بیوی سب کا اہل نیک ہوا، وہ بادشاہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور اس نے اسلام لا کر اچھے

عمل کیے، اسی طرح جس ساقی نے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور جو حضرت یوسف کے واقعہ میں شہد تھا سب کا نیک انجام ہوا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف نے اپنے والد سے کہا اے میرے ابا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں ○ (یوسف: ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھنا

زخشی نے کہا لفظ یوسف عبرانی زبان کا لفظ ہے کیونکہ اگر یہ عربی زبان کا لفظ ہوتا تو یہ منحرف ہوتا کیونکہ یہ صرف علم ہے اور اس میں تین سے مانع کوئی چیز نہیں ہے، سو اس پر تین نہ آتا اور اس کا غیر منحرف ہونا اس کے عبرانی ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند نے ان کو سجدہ کیا ہے، اور حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے اس لیے گیارہ ستاروں کی گیارہ بھائیوں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سورج اور چاند کی باپ اور ماں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سجدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت یوسف کے سامنے تواضع سے جھک جائیں گے اور ان کے احکام کی پیروی کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا اس دیکھنے کو خواب میں دیکھنے پر محمول کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں ستارے سجدہ نہیں کرتے اس وجہ سے اس کلام کو خواب پر محمول کرنا واجب ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا: ”اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا“۔

ان ستاروں کے اسماء

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بستانہ نام کا ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ان ستاروں کے نام بتائیے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو ان ستاروں کے نام بتائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلوایا اور فرمایا: اگر میں تم کو ان ستاروں کے نام بتا دوں تو تم مان لو گے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر آپ نے یہ نام بتائے: جربان، الطارق، الذیال، ذوالکثیفین، قابس، وخاب، عمودان، الفلیق، المسح، العروج، دودالفرغ، الضیاء اور النور۔ اس یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! ان ستاروں کے یہی نام ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۳۳۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۳۳۳، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸، دلائل النبوة ج ۶ ص ۷۷، کتب الضعفاء للعقلی ج ۱ ص ۱۶۵، لکثف ج ۲ ص ۳۱، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۸، امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے، المستدرک ج ۳ ص ۳۹، امام عقلی نے لکھا ہے کہ یہ سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ ضعیف ہے، امام ابن جوزی کی نزدیک یہ حدیث موضوع ہے، کتب الموضوعات ج ۱ ص ۳۳۶، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے)

خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں یہ خواب دیکھا تھا لیکن وہ کون سا معین زمانہ تھا اس کا علم سوائے خبر کے نہیں ہو سکتا۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی عمر میں خواب دیکھا کہ گیارہ لائیں ایک دائرہ کی شکل میں زمین میں مرکوز ہیں اور ایک چھوٹی لائیں نے ان گیارہ بڑی لائیں کو نگل لیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے اس خواب کو بیان کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: خبردار یہ خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ بیان کرنا پھر بارہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں، انہوں نے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کھل ہونے میں چالیس سال کا عرصہ لگا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں اتنی سال کا عرصہ لگا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

نیند کی تعریف

جب موثرات خارجیہ منقطع ہو جاتے ہیں اور حواس ظاہرہ سے اتصال نہیں رہتا انسان آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس ظاہرہ کے اور اکالت بتدریج منقطع ہو جاتے ہیں تو یہ وہ حالت ہے جس کو نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خواب کی تعریف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک خواب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سوئے ہوئے شخص کے دل میں اور اکالت پیدا کرتا ہے، جیسا کہ بیدار شخص کے دل میں اور اکالت پیدا کرتا ہے۔ خواب کی نظیر یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت بنا دیا ہے لیکن کبھی بادل گھر کر آتے ہیں اور بارش نہیں ہوتی، خواب میں جو اور اکالت حاصل ہوتے ہیں کبھی ان میں فرشتے کا دخل ہوتا ہے اور کبھی شیطان کا فرشتے کے دخل سے جو اور اکالت حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان خوش ہوتا ہے اور شیطان کے دخل کے بعد جو اور اکالت حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان غمگین ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے بعض اہل علم سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اشیاء کو سونے والے کے محل اور اک (ذہن) پر پیش کرتا ہے، اور ان اشیاء کو مختلف صورتوں میں متماثل کرتا ہے، بعض اوقات وہ صورتیں بعد میں واقع ہونے والی تعبیر کے موافق ہوتی ہیں، اور بعض اوقات وہ صورتیں معانی معقولہ کی مثالیں ہوتی ہیں اور ہر دو صورتیں خوش خبری دینے والی بھی ہوتی ہیں اور ڈرانے والی بھی ہوتی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواب خیال میں چند منضبط مثالوں کا ادراک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں پیش آنے والے امور کے لیے علامت بنا دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۵۳ مطبوعہ لاہور ۱۳۴۱ھ)

خواب کی اقسام

علماء اسلام نے خواب کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) بعض اوقات انسان کو نیند میں ایسی بے ربط اور خلاف واقع چیزیں نظر آتی ہیں جو لائق توجہ نہیں ہوتیں، مثلاً انسان

خواب میں یہ دیکھے کہ آسمان میں ایک درخت اگا ہوا ہے، یاد کیے کہ زمین میں ستارے طلوع ہو رہے ہیں یاد کیے کہ ہاتھی چوہی پر سوار ہو رہا ہے۔ ایسے خوابوں کو عربی میں اضطراب احلام کہتے ہیں، اردو میں ان کو خواب پریشان کہتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کے خواب شیطانی عمل کی وجہ سے نظر آتے ہیں، اور اہل علم کہتے ہیں کہ ہانسی کی خرابی یا بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں۔

(۲) انسان جو کچھ سوچتا رہتا ہے وہ اس کو خواب میں نظر آتا ہے، بعض اوقات وہ اپنی بات تمام خوابوں کو خواب میں پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیتا ہے، مثلاً بھوکا شخص خواب میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہے اور پیاسا شخص لذیذ اور خوش ذائقہ مشروبات پیتے ہوئے خود کو دیکھتا ہے اور محبوب کے فراق میں غم زدہ عاشق خود کو محبوب کے قرب میں دیکھتا ہے، اس قسم کے خواب نفس کے دوسرے اور نفس کے خیالات کہلاتے ہیں۔

(۳) کبھی سونے والے شخص کے منہ پر لطف کا دباؤ ہوتا ہے جس سے اس کا سانس گھٹ رہا ہوتا ہے، اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے، کبھی بارش کے چھینٹے کھڑکی کے شیشے سے گھبراتے ہیں یا ہوا کے زور سے کوئی چیز کھڑکھڑاتی ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ میدان کارزار میں ہے اور گولیاں چل رہی ہیں اور کبھی سونے والے کے چہرے پر دھوپ پڑنے سے اس کا چہرہ تھمتھانے لگتا ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ آگ میں جل رہا ہے، اس قسم کے خواب دیکھ کر بعض اوقات وہ ڈر جاتا ہے، اس قسم کے خوابوں کو محسوسات کا اثر کہا جاتا ہے۔

(۴) بعض اوقات انسان کے ذہن میں غیر شعوری خواہشیں ہوتی ہیں جن کو وہ کسی کے احترام یا کسی اور مانع کی وجہ سے پورا کرنا نہیں چاہتا پھر اس کو خواب میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن کی تعبیر صیغہ واقع نہیں ہو سکتی لیکن ان مثالوں میں کسی اور چیز کی طرف رمز اور اشارہ ہوتا ہے مثلاً باپ اپنے جوان بیٹے کو مارے تو غیر شعوری طور پر اس کے دل میں باپ سے انتقام لینے کا خیال آتا ہے لیکن باپ کا احترام اس خواہش کو پورا کرنے سے مانع ہوتا ہے، پھر بیٹا خواب میں دیکھتا ہے کہ اس نے کسی شیر کو مار دیا ہے یا کسی اڑوے کو مار دیا یا کسی ظالم بادشاہ کو قتل کر دیا اور ظالم بادشاہ یا اڑوے غیر شعوری طور پر اس کے باپ سے کناہ ہو جاتا ہے۔

خواب میں صرف اشارے اور رمز کی مثال سورہ یوسف کی یہ آیت ہے:

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِیْ رَآیْتُ أَحَدًا
عَشَرَ كُتُبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَآیْتُهُمْ لَیًّا
سُجَّدَیْنَ ۚ (یوسف: ۳)

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے ابا! بے شک
میں نے گیارہ ستاروں اور چاند کو دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے
ہیں۔

سورج اور چاند سے ان کے باپ اور ان کی طرف اشارہ ہے اور گیارہ ستاروں سے ان کے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے خواب کو رمزی خواب کہتے ہیں۔

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک شخص کا اچھا خواب نبوت کے چھالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۶۸۸۳، مؤطا امام مالک رقم الحديث: ۵۵۳، مسند احمد رقم الحديث: ۱۲۹۷، عالم الکتب، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶، قدیم، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۷۴۳۳، شرح السنہ رقم الحديث: ۴۲۷۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۴۳۳۰، ۴۳۳۱، ۴۳۳۲، صحیح مسلم رقم الحديث: ۶۳۴۳، سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۲۷۵)

ان خوابوں میں مشکل حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، مثلاً مشہور صوفی شاعر حضرت شرف الدین بو میری کو فالج ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح میں ایک قصیدہ کہنا شروع کیا، اثناء قصیدہ میں انہوں نے ایک مصرع کہا: "ومبلغ العلم فیہ انہ بشر" اور ان میں اس کے دو سرے مصرع کو مکمل کرنے کی طاقت نہ رہی، انہوں نے بہت کوشش کی لیکن وہ سرا مصرع ان کی زبان پر نہیں آیا، وہ بستر پر سو گئے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زیارت سے مشرف فرمایا، ان کا حال پوچھا۔ حضرت بو میری نے شکایت کی کہ وہ دو سرا مصرع نہیں بنا سکے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو سرا مصرع اس طرح بتا دو: "وانہ حبیر حلق اللہ کہم" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چادر پہنائی اور جس جگہ ان کے جسم پر فالج تھا اس جگہ پر اپنا شفا آفریں دست مبارک پھیرا۔ حضرت بو میری خوشی سے مدہوشی کی حالت میں غیند سے بیدار ہوئے اور وہ اپنے مرض سے مہل شفیاب ہو چکے تھے اور انہوں نے اس قصیدہ کا نام "البردة" رکھا۔ اس قسم کے خوابوں کا ابن سینا، ابن رشد اور ابن خلدون نے بھی اعتراف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں لائق مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ (شہ ولی اللہ نے "انفاس العارفين" میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا ایک ایسا ہی خواب ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شفا عطا فرمائی اور اپنے تین موہائے مبارک (ہل) عطا فرمائے تھے) یہ وہ خواب ہیں جن کو حدیث میں روایا المومن (مومن کا خواب) فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۳۳ سند احمد رقم الحدیث: ۱۸۳ عالم الکتاب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲)

(۶) چھٹی قسم ہے الرؤایاء الصادقہ (سچے خواب) قرآن مجید میں چھ سچے خوابوں کا ذکر ہے، چار خوابوں کا ذکر سورہ یوسف میں ہے، ایک خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا جس میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا (یوسف: ۴) دو خواب قید خانہ میں دو قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنائے تھے۔ ایک نے کہا تھا کہ میں خواب میں شراب (انگور) بچھڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا تھا کہ میں سر پر دونیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن کو پرندے کھا رہے ہیں۔ (یوسف: ۳۶) اور ایک خواب مصر کے بادشاہ نے دیکھا تھا کہ سات فریہ گائیں سات لاغر گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے خوشے ہیں۔ (یوسف: ۴۳) سو خزانہ کرتیوں خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان فرمائی جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب تفسیر میں آئے گا اور ایک خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ (الصافات: ۱۲۲) اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے کہ مسلمان امن کے ساتھ عمرو کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔ (الفتح: ۲)

(۷) بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارے ہوتے ہیں۔ سورہ یوسف میں جو چار خواب ذکر کیے گئے ہیں ان چاروں میں اس کی مثالیں ہیں اور حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کی گئی تو سب سے پہلے آپ کو سچے خواب دکھائے گئے، آپ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر پیدائے سحر کی طرح آ جاتی، الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۰ سند احمد رقم الحدیث: ۱۸۳ عالم الکتاب، سند احمد ج ۲ ص ۱۵۳ قدیم، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۷۹ سند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۳ الشریعہ لا تجری ص ۳۳۹ دلائل النبوة لابن قیم ج ۱ ص ۴۷۵ دلائل النبوة للسیوطی ج ۲ ص ۳۵ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۳۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۲)

اچھے اور برے خوابوں کا شرعی حکم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ کی جانب سے ہے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور وہ اس خواب کو بیان کرے اور جب وہ کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور وہ خواب کسی کے سامنے نہ بیان کرے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۳)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں پس جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی باتیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے پناہ طلب کرے، تو پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا اور شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۷۳۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۲، عالم الکتب، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۱، قدیم، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۳۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، ص ۳۳۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۰۵۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۷۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب اور بیداری میں زیارت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے مجھ کو غیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں دیکھے گا شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۷۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۸)

حافظ ابوالعباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ انسان خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حال میں بھی دیکھے آپ کو دیکھنا برحق ہے، وہ کوئی پریشان خواب نہیں ہے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے: جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اور آپ نے جو فرمایا ہے: جس نے مجھ کو غیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اس کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

یہ نعمت مجھ کو کئی مرتبہ مل چکی ہے، ایک مرتبہ جب میں حج کے ارادہ سے تونس پہنچا تو میں نے وہاں سنا کہ دشمن مصر پر حملہ کر رہا ہے حتیٰ کہ دمیاط پر قابض ہو گیا ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ جب تک امن نہیں ہو جاتا تو میں تونس میں رہوں گا۔ وہاں مجھے خواب دکھایا گیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوں، اور میں آپ کے منبر شریف کے قریب بیٹھا ہوا ہوں، اور لوگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہے ہیں، پس جو لوگ سلام عرض کر رہے تھے ان میں سے کسی نے مجھ کو ڈانٹا اور کہا کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرو، میں نے کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا، ابھی میں آپ کو سلام عرض کر رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی، اللہ تعالیٰ نے میرے حج کے ارادہ کو پھر تازہ کر دیا، اور حج کی روانگی کے جو اسباب میرے لیے مشکل تھے وہ آسان کر دیئے اور میرے دل میں دشمن کے حملہ کا جو خوف تھا وہ زائل کر دیا۔ میں نے سفر شروع کیا اور تقریباً ایک ماہ بعد اسکندریہ پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ مصر کے لوگ بہت خوفزدہ تھے، اور دشمن کا بہت غلبہ تھا۔

ابھی مجھے اسکندریہ میں پہنچے ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کی شوکت توڑ دی اور محض ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کے رحم اور کرم سے وہاں امن اور سلامتی ہو گئی، پھر اللہ نے مجھ پر اپنا احسان اور انعام مکمل کیا اور بیت اللہ کے حج کے بعد مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور مسجد شریف میں پہنچا دیا، اللہ کی قسم! پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیحد بغیر کسی کی اور زیادتی کے بیداری میں اسی حال میں دیکھا جس طرح میں نے آپ کو تونس میں خواب میں دیکھا تھا۔

اور اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر بیداری میں آپ کی زیارت نہیں ہوئی تو جاننا چاہیے کہ اس صورت سے اس کا معنی مقصود ہے بیحد صورت مقصود نہیں ہے، اسی طرح خواب میں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس صورت میں دیکھا وہ آپ کی اصل صورت کے مطابق نہیں تھی اس میں کوئی زیادتی تھی یا کوئی کمی تھی یا رنگ تغیر تھا یا اس میں کوئی عیب تھا یا کوئی غصہ زیادہ تھا یا کوئی اور تغیر تھا تو اس صورت سے اس کا معنی مراد ہے، اور ہو سکتا ہے اس صورت سے مراد آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہو اور دیکھنے والے نے آپ کی صورت میں جو زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی دیکھی ہے اس کو اس کے دین سے تعبیر کیا جائے گا یعنی اس کے دین میں زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے آپ کو آپ کی معروف صورت کے علاوہ کسی اور شکل میں دیکھا تو وہ صورت بھی اس کے دین اور شریعت سے عبارت ہوگی۔

(النفح ج ۶ ص ۲۶-۲۷، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اس کے حسب ذیل محال ہیں:

- (۱) اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے آپ کو نیند میں دیکھا اور اس نے ہجرت نہیں کی، اللہ تعالیٰ اس کو ہجرت کی توفیق دے گا اور وہ آپ کو بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔
- (۲) جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں آپ کی رویت کی تصدیق اور صحت کو دیکھ لے گا۔
- (۳) جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ آپ کو آخرت میں خصوصیت کے ساتھ دیکھے گا اور اس کو آپ کا قرب حاصل ہوگا۔
- (۴) ابن ابی جمرہ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ دنیا میں آپ کو حقیقتاً دیکھ لے گا اور آپ سے کلام کرے گا اور اس کو اولیاء اللہ کی کرامت سے ایک کرامت شمار کیا گیا ہے۔ صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بیداری میں دیکھا پھر جن چیزوں میں وہ خوف زدہ تھے ان کے متعلق آپ سے سوال کیے اور آپ نے ان کا خوف دور کرنے کی طرف رہنمائی کی۔

علامہ ابن حجر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر لازم آئے گا کہ بعد کے یہ اولیاء اللہ صحابہ ہو جائیں اور صحابی ہونے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے (علامہ سیوطی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ صحابی ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم دنیا میں وقت سے پہلے دیکھے اور جس نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو عالم برزخ میں دیکھا اس دیکھنے سے اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوگا علامہ ابن حجر کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کئی لوگوں نے نیند میں آپ کو دیکھا اور پھر بیداری میں انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا اور اگر اس حدیث کا یہ معنی ہو تو ہر خواب میں آپ کی زیارت کرنے والے کو بیداری میں آپ کی

زیارت ہونی چاہیے، اس کا جواب یہ ہے کہ خواص کو تو زندگی میں کئی بار آپ کی زیارت ہوتی ہے اور عوام کو اس وقت آپ کی زیارت ہوگی جب ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہوگی۔

بیداری میں آپ کی زیارت کے امکان اور اس کے وقوع کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے، ان میں سے حجت الاسلام امام غزالی ہیں، اور قاضی ابوبکر بن العربی ہیں اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام ہیں اور ابن ابی جرہ ہیں اور ابن الحلج ہیں اور الیاضی ہیں اور میں نے بھی اس موضوع پر ایک کتب لکھی ہے۔

(اللباح، ج ۲، ص ۸۷۳-۸۷۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۲ھ)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی حنفی المصری الشحرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

ائمہ اور مجتہدین بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں اور کتب و سنت سے انہوں نے جو کچھ سمجھا ہوتا ہے اس کو لکھنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم نے فلاں حدیث کا یہ معنی سمجھا ہے آیا آپ اس پر راضی ہیں، اور بہت سے اولیاء جو مجتہدین سے کم درجہ کے ہیں ان کو آپ سے بیداری میں ملاقات کا شرف حاصل ہے جیسے شیخ عبدالرحیم القتلوی اور شیخ ابودین المغربی، شیخ ابوالحسن الشاذلی، شیخ ابوالعباس المرسی اور بہت ہیں، اور میں نے شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط پڑھا ہے، انہوں نے اس شخص کو جواب لکھا جو سلطان کے پاس ان سے سفارش کرانا چاہتا تھا انہوں نے لکھا اے میرے بھائی! میں اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں پہنچ کر مرچہ ہاٹھ ملاقات کر چکا ہوں، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ حکام کے پاس جانے سے میں اس نعمت سے محروم ہو جاؤں گا تو میں سلطان سے تمہاری شفاعت کر دیتا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا خلاصہ ہوں اور جن احادیث کو محمد شہین نے ضعیف قرار دیا ہے ان کی صحت معلوم کرنے کے لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی حاجت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے میرے بھائی کہ یہ نفع تمہارے نفع پر مقدم ہے، اور علامہ سیوطی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سیدی محمد بن زین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں ہاٹھ زیارت کرتے تھے اور جب وہ حج کے لیے جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اندر سے ان سے ہم کلام ہوتے، ایک مرتبہ کسی شیخ کے کہنے سے انہوں نے حاکم شہر سے ان کی سفارش کی تو پھر وہ اس نعمت سے محروم ہو گئے اور ہم کو شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس المرسی اور دوسرے اولیاء اللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ بزرگ یہ کہتے تھے کہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی ہم کو رسول اللہ کی زیارت نہ ہو تو ہم اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتے۔

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ)

شیخ محمد انور کشمیری متوفی ۱۳۵۷ھ لکھتے ہیں:

علامہ شحرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ کے سامنے صحیح بخاری پڑھی ہے۔ ان میں سے ایک حنفی تھا جب صحیح البخاری ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی اللہ ابیداری میں زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴، مطبوعہ مطبع حجازی القاہرہ ۱۳۵۷ھ)

چند خوابوں کی تعبیروں کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں سویا ہوا تھا تو

مجھے (خواب میں) دودھ کا پیالہ دیا گیا میں نے اس سے دودھ پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے سیرابی نکل رہی ہے، اور میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا، آپ کے گرد بیٹھے ہوئے صحابہ نے پوچھا آپ نے اس (دودھ) سے کیا تعبیری ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۰، مسند احمد ج ۲ ص ۸۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۲۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۰۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۹، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ قیص پئے ہوئے میرے سامنے پیش ہو رہے ہیں، بعض کی قیص پستانوں تک تھی اور بعض کی قیص اس سے بھی کم تھی، پھر عمر بن الخطاب آئے اور ان کی قیص پیروں کے نیچے گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے قیص سے کیا تعبیری ہے؟ فرمایا: دین۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۰۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۸۵، مسند احمد ج ۵ ص ۷۳، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک بلغ میں ہوں اور بلغ کے وسط میں ایک ستون ہے اور ستون کے اوپر ایک دستہ ہے، مجھ سے کہا گیا اس درخت پر چڑھو۔ میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، پھر ایک لڑکا آیا۔ اس نے میرے کپڑے اوپر اٹھائے، میں اس درخت پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اور میں اس حل میں بیدار ہوا کہ میں اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان کیا آپ نے فرمایا: یہ بلغ اسلام کا بلغ ہے اور دستہ سے مراد مضبوط دستہ ہے، تم دوام مرگ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۴، مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۹۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو زیادہ تر مسلمان کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مومن (کامل) کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا میں بھی یہی کہتا ہوں، انہوں نے کہا اور یہ کہا جاتا تھا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے اور شیطان ڈراؤنے خواب دکھاتا ہے اور اللہ کی طرف سے خواب میں بشارتیں ملتی ہیں، سو جو شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے، وہ اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے، اور وہ خواب میں (گلے میں) طوق دیکھنا پسند کرتے تھے اور خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ بیڑی سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۳، عالم الکتاب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۰۳۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۶-۵۷)

حضرت ام العطاء انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، جب ساجرین کی رہائش کے لیے انصار نے قرعہ اندازی کی تو رہائش کے لیے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصہ میں آ گئے۔ وہ بیمار پڑ گئے، ہم نے ان کی تیمارداری کی، وہ فوت ہو گئے۔ ہم نے ان کو کفن میں لپیٹ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابوالسائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تمہاری حکیم فرمائے

کہ آپ نے پوچھا تم کو یہ کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتی۔ آپ نے فرمایا: رہے عثمان بن مظعون تو ان پر موت آچکی ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خیر کی توقع کرتا ہوں اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حضرت ام العطاء نے کہا: پس اللہ کی قسم! اس کے بعد میں نے کسی کی ستائش نہیں کی۔ انہوں نے کہا: میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان کے لیے ایک چشمہ بہہ رہا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: اس سے مراد اس کا جاری رہنے والا عمل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۰۰۳ مطبوعہ عالم الکتاب بیروت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، جس میں کھجور کے درخت ہیں، مجھے یہ گمان ہوا کہ یہ جگہ یمنہ یا ہجر ہے لیکن وہ یمنہ یثرب تھی، اور میں نے اس میں گائے کو دیکھا اور اللہ کی قسم خیر کو دیکھا۔ گائے سے مراد وہ ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں نے کفار کی پورش سے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا اور خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں خیر (فتح) لایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۷۲ عالم الکتاب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بل بکھرے ہوئے تھے اور وہ یمنہ سے باہر نکلی اور جحفہ میں جا کر ٹھہر گئی، میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ یمنہ کی وہ جحفہ کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۶۱۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۵۲۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۷، التلخیص الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۳، دلائل النبوة للسیوطی ج ۲ ص ۵۶۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۳۳۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں نے تلوار کو لہرایا تو اس کا اٹکا حصہ ٹوٹ گیا اور اس کی تعبیر وہ تھی جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی پھر میں نے دوبارہ تلوار کو لہرایا وہ پہلے سے اچھی حالت میں ہو گئی اور اس کی تعبیر وہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی تھی اور مسلمان بجمع ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۶۵۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۹۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۷۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۷۲ عالم الکتاب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ان میں ہرگز گرہ نہیں لگا سکے گا اور جس شخص نے کچھ لوگوں کی باتیں کہن لگا کر سننے کی کوشش کی جب کہ وہ اس کو پابند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں، قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ بھلا کر ڈالا جائے گا اور جس شخص نے تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۳۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۷)

۹۷۸۵ سنن التسلی رقم الحدیث: ۵۳۵۸

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک ساتبان سے تھی اور شد ٹھک رہا ہے، میں نے دیکھا کہ لوگ اس کو ہتھیوں میں جمع کر رہے ہیں، بعض لوگ زیادہ جمع کر رہے ہیں اور بعض کم، اور میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک ایک رسی پہنچ رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے، پھر ایک شخص نے اس رسی کو پکڑا اور اس کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا، پھر دوسرا شخص اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھا پھر تیسرے شخص نے رسی کو پکڑا، تو وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر رسی جڑ گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرا پند اہو، اللہ کی قسم! اس خواب کی تعبیر بتانے کی آپ مجھے اجازت دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تعبیر بیان کرو۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا: اس ساتبان سے مراد اسلام ہے، اور جو شد اور تھی ساتبان سے ٹھک رہا تھا وہ قرآن مجید اور اس کی طاوت ہے، پس بعض لوگ زیادہ قرآن مجید حاصل کرتے ہیں اور بعض کم، اور وہ رسی جو آسمان سے زمین تک پہنچ رہی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں، آپ اس حق سے عمل کرتے رہیں گے پھر اللہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس پر عمل کرے گا حتیٰ کہ اس کو بھی اللہ اپنے پاس بلا لے گا، پھر دوسرا شخص اس پر عمل کرے گا، پھر تیسرا شخص اس پر عمل کرے گا، پھر وہ حق منقطع ہو جائے گا پھر اس شخص کے لیے جوڑ دیا جائے گا اور وہ اس پر عمل کرے گا یا رسول اللہ! آپ پر میرا پند اہو، مجھے یہ بتائیے کہ میں نے صحیح تعبیر کی ہے یا غلط۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری بعض تعبیر صحیح ہے اور بعض غلط۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، آپ نے فرمایا: قسم مت کھتو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۶۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳، عالم الکتاب، سنن دارمی رقم

الحدیث: ۴۲۴، مستفاد ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۹، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۳۶)

خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت

خواب کی تعبیر بتانا ہر شخص کا کام نہیں ہے اور نہ ہر عالم خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے، خواب کی تعبیر بتانے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں خواب کی جو تعبیریں بیان کی گئی ہیں، ان پر عبور ہو۔ الفاظ کے معانی، ان کے کنایات اور مجازات پر نظر ہو اور خواب دیکھنے والے کے احوال اور اس کے معمولات سے واقفیت ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ شخص متقی اور پرہیزگار ہو اور عبادت گزار اور شب زندہ دار ہو کیونکہ یہ وہی علم ہے اور جب تک کسی شخص کا دل گناہوں کی کثافت کی آلودگی سے پاک اور صاف نہ ہو، اس وقت تک اس کا دل محرم اسرار الہیہ نہیں ہوگا، اس علم کے ماہرین نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں امام ابن سیرین کی تعبیر الروایاء اور علامہ عبد الغنی بن علی کی تعبیر المنہج بہت مشہور ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ علماء کرام ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد خواب کی تعبیر بتائیں اور محض اٹکل پچو سے خواب کی تعبیر بتانے سے گریز کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (پاپ نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ

وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے (یوسف: ۵)

بھائیوں کو خواب سنانے سے منع کرنے کا سبب

امام ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب شام آئے تو ان کی زیادہ توجہ حضرت

یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یامین کی طرف تھی، اور جب ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب کی حضرت یوسف کی طرف زیادہ محبت دیکھی تو وہ حضرت یوسف سے حسد کرنے لگے اور جب حضرت یوسف نے یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کیا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کریں مبادا وہ ان کے خلاف کوئی سازش کریں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۴۳۸)

کفار اور فساق کے خواب سچے ہونے کی توجیہ

ہم نے خواب کے سلسلہ میں جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں یہ تصریح گزر چکی ہے کہ سچے اور نیک خواب نبوت کے چھبالیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سچے خوابوں میں مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور سچے خوابوں کے ذریعہ غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اور غیب پر مطلع ہونا وظائف نبوت میں سے ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روایہ صلوٰۃ اجزاء نبوت میں سے ہیں اور ان سے مومن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب سچے خواب اجزاء نبوت سے ہیں اور اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں تو پھر سچے خواب کافروں اور جھوٹوں کو نہیں دکھائی دینے چاہیں حالانکہ بعض کافروں اور بدکاروں کو بھی سچے خواب دکھائی دے جاتے ہیں، جیسے عزیز مصر نے سات گایوں کو دیکھا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو شخص قید میں تھے، انہوں نے بھی سچے خواب دیکھے تھے اور بخت نصر نے خواب دیکھا تھا جس کی حضرت دانیال نے یہ تعبیر بتائی تھی کہ اس کے ہاتھ سے ملک جاتا رہے گا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق کسریٰ نے خواب دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان بھی عاتکہ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کے متعلق خواب دیکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار، فساق اور جھوٹوں کے خواب بعض اوقات صادق ہوئے ہیں مگر یہ وحی سے نہ تھے، نہ آثار نبوت سے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کی کوئی بات سچی نکل آئے تو وہ اطلاع علی الغیب پر مبنی ہو اور بعض اوقات کاہن وغیرہ بھی سچی پیش گوئیاں کر دیتے ہیں لیکن ایسا بہت قلیل اور نادر ہوتا ہے۔ اس طرح کفار اور فساق کے خواب بھی بعض اوقات سچے نکل آتے ہیں اور کسی چیز کی کثرت پر حکم لگایا جاتا ہے، حکمت پر حکم نہیں لگایا جاتا۔

صرف ہمدرد اور خیر خواہ کے سامنے خواب بیان کیا جائے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب نہ بیان کریں، اس سے یہ قلعہ معلوم ہوا کہ اس شخص کے سامنے خواب نہ بیان کیا جائے جو شفیق اور خیر خواہ نہ ہو، اور نہ اس شخص کے سامنے خواب بیان کیا جائے جس کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم نہ ہو، صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابو زین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور جب تک اس خواب کو بیان نہ کیا جائے، یہ پرندے کی ٹانگ پر معلق ہوتا ہے اور جب اس کو بیان کر دیا جائے تو پھر یہ ساقط ہو جاتا ہے اور خواب صرف عقل مند شخص اور دوست کو بیان کیا جائے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۸۴۲۷ سنن ابوداؤد الیاسی رقم الحدیث: ۹۰۸۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۹۳ ۹۴ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۱۵۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۰۳۵ المعجم الکبیر ج ۱۲ رقم الحدیث: ۴۳۳۳ ۴۳۳۴ ۴۳۳۵ المستدرک ج ۳ ص ۳۹۰ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۸۱۶۶۸۲)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خواب کو قرار نہیں ہوتا جیسے کوئی چیز پرندے کی ٹانگ پر باندھی ہوئی ہو، یعنی جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کر دی جائے اس کو قرار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پرندہ کو اکثر حالات میں قرار نہیں ہوتا تو جو چیز اس کی ٹانگ پر معلق ہو اس کو کس طرح قرار ہو گا اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ ساقط ہو جاتا ہے یعنی خواب دیکھنے والے کو اس کا حکم لاحق ہو جاتا ہے اور آپ نے فرمایا: اس کی تعبیر صرف صاحب عقل سے معلوم کی جائے کیونکہ وہ اس کی اچھی اور پسندیدہ تعبیر بیان کرے گا اور اگر اس کے نزدیک اس کی تعبیر پسندیدہ ہوگی تو خاموش رہے گا اور فرمایا: یا یہ خواب صرف دوست یعنی خیر خواہ سے بیان کیا جائے کیونکہ وہ اس خواب کی وہی تعبیر بیان کرے گا جو باعث مسرت ہو۔

عمر ا خواب کی غلط تعبیر بیان نہ کرے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں: امام مالک سے پوچھا گیا کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیا نبوت کو کھیل بنایا جائے گا اور امام مالک نے فرمایا: وہی شخص خواب کی تعبیر بیان کرے جس کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم ہو، اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر اچھی ہو تو اس کو بیان کر دے اور اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو تو اس کو اچھی فصاحت کرے (مثلاً اس سے کہے کہ دعا کرو، اے اللہ! میرے خواب کی بری تعبیر کو اچھی تعبیر سے بدل دے) اور یا خاموش رہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ خواب کی جو تعبیر بیان کی جائے خواب اسی تعبیر پر واقع ہوتا ہے تو کیا تعبیر بتانے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو، لیکن وہ خواب کی اچھی تعبیر بتا دے۔ امام مالک نے فرمایا: نہیں، خواب نبوت کا ایک جز ہے پس نبوت کو کھیل نہ بنایا جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج ۷، ص ۱۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

کسی کو ضرر سے بچانے کے لیے دوسرے کے عیب بیان کرنے کا جواز

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے جس چیز سے خطرہ محسوس کرے، اس سے اس کو آگاہ کر دے اور یہ غیبت نہیں ہے کیونکہ غیبت وہ ہوتی ہے کہ کسی مسلمان شخص کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کے پس پشت اس کا وہ عیب بیان کرے جس کو وہ مخفی رکھتا ہو اور یہاں مقصود کسی کو ذلیل اور رسوا کرنا نہیں بلکہ ایک مسلمان شخص کو دوسرے کے ضرر سے بچانا مقصود ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان کرنے سے منع کیا تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی سازش نہ کریں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ابو جہم سے رشتہ کا پیغام قبول نہ کرو کیونکہ وہ کندھے سے لاشی نہیں اتارتا اور معلویہ کا پیغام قبول نہ کرو کیونکہ وہ مفلس ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵، معجم مسلم رقم الحدیث: ۳۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۳، سنن التسلیمی رقم الحدیث: ۳۵۳۶)

حسد کے خطرہ سے نعمتوں کے چھپانے کا جواز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (النمل: ۱۸)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب بیان کریں۔

اور سورہ یوسف کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نعمت کے بیان اور اظہار کا یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے، جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر حاسدوں کو اس نعمت کا پتہ چل گیا تو وہ اس سے حسد کریں گے اور اس کے خلاف سازشیں کریں گے تو اس کو چاہیے کہ وہ نعمت کو چھپالے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ضروریات کی تکمیل پر غفلت رکھنے سے مدد طلب کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔

(۱) المعجم الصغیر رقم الحديث: ۹۸۲، المعجم الاوسط رقم الحديث: ۲۲۷، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۹۳، حین الاولیاء ج ۵ ص ۲۲۱، تخریج الشریعہ ج ۳ ص ۹۳۵، الکامل فی صغفاء الرجال ج ۳ ص ۴۳۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۹۳۳، شعب الایمان رقم الحديث: ۶۶۵۵، کتاب الضعفاء للعلیق ج ۲ ص ۹۰۹، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۵۷، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۳، الجامع الصغیر رقم الحديث: ۹۸۵، الفوائد المجموعہ رقم الحديث: ۳۷۱، ذکر الموضوعات ص ۲۰۵، الفکلی المصنوع ج ۲ ص ۲۲۳، الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحديث: ۳۵۳، صحیح الجامع للالبانی ج ۹ ص ۹۳۳

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سر بلندی اور ان کے بھائیوں کے حسد کا پیشگی علم ہونا

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم تھا کیونکہ ان کو اس علم کے ذریعہ یہ معلوم تھا کہ عنقریب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے اور انہوں نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خود ان پر بھی تفوق حاصل ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے بہتر منصب پر فائز ہو، البتہ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بھائی اس سے مرتبہ اور منصب میں بڑھ جائے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے حسد کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کیا کہ وہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کریں کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ اس خواب کو سن کر ان کے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہو گا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لیے سازشیں کریں گے۔

سچے خوابوں کے بشارت ہونے کی تفصیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: نبوت سے اب صرف بشارتیں باقی رہ گئی ہیں، صحابہ نے پوچھا: بشارتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: سچے خواب! امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے: وہ خواب مسلمان خود دیکھتا ہے یا کوئی شخص اس کے لیے دیکھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۶۹۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۸۹۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۲۸۳۹، مسند عیسیٰ رقم الحديث: ۳۸۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۲۳۸، مسند احمد ج ۹ ص ۲۷۸، سنن الدارمی رقم الحديث: ۳۳۲۲، سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۱۸۷۶، المستطی رقم الحديث: ۲۰۳، صحیح ابن خزمہ رقم الحديث: ۵۳۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۲۳۸۷، مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۷۰، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۹۸۹۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۸۷، شرح السنن رقم الحديث: ۳۳۶)

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سچے خواب نبوت کا جز ہیں اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ سچے خواب دیکھنے والے میں نبوت کا ایک جز پایا جائے اور اس کو نبی کہا جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا جز اس چیز کے وصف کو مستلزم نہیں ہوتا مثلاً بلند آواز سے اشہدان لا الہ الا اللہ پڑھنا اذان کا جز ہے لیکن جو آدمی صرف یہ کلمہ بلند آواز سے پڑھے، اس کو مؤذن نہیں کہا جائے گا اسی طرح کھڑے ہو کر قرآن کریم پڑھنا نماز کا جز ہے لیکن جو شخص صرف کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھے اس کو نمازی نہیں کہا جائے گا اسی طرح اگرچہ سچے خواب نبوت کا جز ہے لیکن سچے خواب دیکھنے والے کو نبی نہیں کہا جائے گا۔

اس حدیث پر دو اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سچے خواب ہمیشہ بشارت ہوتے ہیں لیکن سچے خواب بعض اوقات ڈرانے والے بھی ہوتے ہیں جن سے خواب دیکھنے والا خوش نہیں ہوتا اور ایسے خواب دکھانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن پر شفقت اور رحمت ہے تاکہ کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر لے اور وہ اس کا جو تدارک کر سکتا ہے وہ کر لے، اس کا جواب یہ ہے کہ سچے خواب مطلقاً بشارت نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات بشارت ہوتے ہیں، اور چونکہ اکثر اور اغلب طور پر سچے خواب بشارت ہوتے ہیں اس لیے آپ نے مطلقاً فرمایا: سچے خواب ہمیشہ بشارت ہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصل ہو گیا تھا اس مرض میں صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں سے صرف سچے خواب باقی بچے ہیں جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا کوئی اس کے لیے دیکھتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۹) اب اس کی توجیہ یہ ہے کہ میری وفات کے بعد وحی منقطع ہو جائے گی اور پھر مستقبل کی باتوں کا علم صرف سچے خوابوں سے ہو گا، اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ وحی تو منقطع ہو جائے گی لیکن الہام منقطع نہیں ہو گا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے متعلق فرمایا وہ محدث ہیں یعنی ان پر الہام ہوتا ہے اور بکثرت اولیاء کرام نے قیب کی خبریں دیں اور ان کی دی ہوئی خبروں کے مطابق مستقبل میں واقعات ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ خواب کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ عام مسلمانوں کو بھی مستقبل کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور الہام تو صرف خواص مومنین کو ہوتا ہے اور وہ ہے بھی نادر اور خواب بکثرت واقع ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں الہام بہت نادر تھا کیونکہ وحی کا غلبہ تھا اور جب آپ کے وصل کے بعد وحی منقطع ہو گئی تو جن مومنین کو اللہ تعالیٰ نے خاص کر لیا تھا ان پر الہام بکثرت ہونے لگا کیونکہ اب اس کا وحی سے اشتہا نہیں ہو سکتا تھا اور جو شخص الہام کا انکار کرتا ہے، یہ اس کی ہمت دھری ہے کیونکہ اس کا وقوع بہت زیادہ ہے اور بہت مشہور ہے۔

(فتح الباری جلد ۱۲، ص ۳۷۶-۳۷۵، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی منصب نبوت پر فائز ہوئے تھے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے، ہم پہلے فریقین کے دلائل کا ذکر کریں گے اور آخر میں اپنا نظریہ بیان کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کے دلائل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۰ھ اپنی سندوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلام نے احد عشر کوکبا کی تفسیر میں کہا ہے: گیارہ ستارے اور سورج اور چاند، حضرت یوسف کے ماں باپ اور ان کے بھائی ہیں اور ان کے بھائی انبیاء تھے اور انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت تک حضرت یوسف کو سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ان کے ماں باپ ان کو سجدہ کر لیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۴۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۳۰)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں: زجاج نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کی یہ تعبیر کی کہ ان سے ایسے اصحاب فضیلت لوگ مراد ہیں جن سے روشنی حاصل ہوگی کیونکہ ستارے سے زیادہ روشن اور کوئی چیز نہیں ہے، اور سورج اور چاند سے ان کے ماں باپ کو مراد لیا پس سورج سے مراد ماں ہے اور چاند سے مراد باپ ہے

اور تاروں سے مراد ان کے بھائی ہیں اور اس کی یہ تعبیر کی کہ حضرت یوسف بھی نبی ہوں گے اور ان کے بھائی بھی نبی ہوں گے کیونکہ ان کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے بھائیوں پر اپنی نعمت اس طرح پوری کرے گا جس طرح ان کے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری کی تھی۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲، ص ۱۵۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بنوی الشافعی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا فعل متعدد جرائم پر مشتمل ہے، انہوں نے قطع رحم کیا، باپ کی نافرمانی کی، بے قصور چھوٹے بھائی پر رحم نہیں کیا، امانت میں خیانت کی، اور اپنے باپ سے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا تاکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو بچالیا اور اگر وہ یہ قتل کر دیتے تو وہ سب ہلاک ہو جاتے، اور یہ تمام گناہ ان کو نبی بنانے سے پہلے ہوئے تھے، ابو عمر بن العلاء سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے یہ کیسے کیا:

أَرْثِلُهُمْ مَعَا عِلًّا يَتَرْتَعُونَ وَيَلْعَبُونَ - (یوسف: ۲۴)
کل یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ پھل کھائے اور کھیلے۔

حالاںکہ وہ انبیاء تھے اور کھیلنا انبیاء کی شان کے متافی ہے، اور انہوں نے اس کے جواب میں کہا: یہ واقعہ ان کو نبی بنانے سے پہلے کا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبَشِّرْهُمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ
كَمَا آتَيْنَاهَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ مِن قَبْلُ إِنَّكَ هَٰذَا هَدًى
وَأَسْحَقَ - (یوسف: ۶)

اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ نعمت تبارہ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق تمام انسانوں سے ممتاز ہوئے وہ نعمت صرف نبوت ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: وہ نعمت اللہ تعالیٰ آل یعقوب کو عطا فرمائے گا اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹے انبیاء ہوں، نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے اور ان گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں، اور ان بھائیوں کا ستارے ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ان کو فضیلت اور کمال حاصل ہو اور ان کے علم اور دین سے زمین والوں کو روشنی اور ہدایت حاصل ہو کیونکہ سورج اور چاند کے بعد ستاروں سے زیادہ کوئی چیز قدرتی طور پر روشن نہیں ہے اور ان سے ہدایت اور روشنی حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد انبیاء اور رسل ہو، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی انبیاء قرار پائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا انبیاء ہونا کس طرح جائز ہو گا جب کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بہت ظلمانہ سلوک کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے یہ گناہ نبوت سے پہلے صادر ہوئے اور ہمارے نزدیک عصمت کا اعتبار نبوت کے وقت ہوتا ہے نبوت سے پہلے نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا یعنی تم کو نبوت سے سرفراز فرمائے گا یا تم کو دنیا کی نعمت کے ساتھ آخرت کی نعمت بھی عطا فرمائے گا اور آل یعقوب پر بھی نعمت پوری فرمائے گا اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد ان کے سارے بیٹے تھے، اور شاید کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کی نبوت پر اس سے استدلال کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو گیارہ ستارے دیکھے تھے اس سے مراد گیارہ بھائی تھے اور ستاروں کے ضیاء سے مراد ان کی ہدایت کی روشنی تھی۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ اشباہ ج ۵، ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۷۷ھ نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو کہا کہ وہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل کرے گا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ انہیں دنیا میں اپنی نعمت پہنچائے گا یا اس طور کہ ان کو دنیا میں انبیاء اور بادشاہ بنائے گا اور ان کو آخرت کی نعمت پہنچائے گا یا اس طور پر ان کو جنت کے بلند درجات تک پہنچائے گا ظاہر یہ ہے کہ آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کی نسل ہے یعنی ہم ان کو نبی بنائیں گے۔

(البحر المحیط ج ۶، ص ۲۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء نہ ہونے کے دلائل

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۱۸ھ نے لکھا ہے کہ کتب الطبری میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء تھے اور ان کو نبی ماننا اس بات کو رد کرتا ہے کہ نبی حسد کرنے، مل جلپ کی نافرمانی کرنے، جھوٹ بولنے، مومن کو ہلاک کرنے کے درپے ہوتے، اس کو قتل کرنے کے درپے ہوتے اور آزاد انسان کو فروخت کرنے ایسے کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے، ہرچند کہ نبی کی لٹری عطا محال نہیں ہے، مگر یہ ایسی لٹری ہے جو متعدد کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہے، اہلسنت کا اس میں تو اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صفات کا صدور ہوتا ہے یا نہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہ السلام سے کبائر کا صدور نہیں ہوتا۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۶، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جو سازش کی تھی وہ اس دعویٰ کے خلاف ہے، بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کے ان گناہوں کے بعد ان کو نبوت دی گئی اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے، اور اس آیت کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے:

قُلْ اَمَّا الْاَشْيَاءُ فَلَا شَيْءَ عَلَيَّ وَلَا مَعِيَ شَيْءٌ مِّنْهَا اَنْزِلْ عَلَيَّ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي هُوَ الْغَفُورُ الْكَرِيمُ (آل عمران: ۸۳)

کو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس چیز پر جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کی گئی ہے۔

اسہلہ کے لفظ میں کئی احتمال ہیں کیونکہ بنو اسرائیل کے گرد ہوں کو اسہلہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرب کے گرد ہوں کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کے گرد ہوں کو شعوب کہا جاتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی جو بنو اسرائیل کے اسہلہ (گرد ہوں) سے ہیں اور ان کا جملہ ذکر فرمایا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، لیکن ہر سبط (گردہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نسل سے تھا۔ اور اس پر دلیل قائم نہیں ہو سکی کہ بعینہ حضرت یوسف علیہ

السلام کے بھائیوں کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ يٰٓيَسَّىٰ لَا تَفْصَحْ رَأْيَاكَ عَلٰى اٰخَوْنِكَ

فَيَكِيدُوْا لَكَ كَيْدًا ۗ اِنَّ السَّابِطَ لِلْاِنْسَانِ

عَنْدُوْ مَرِيْسٍ ۝ (یوسف: ۵)

(بپ لے) کہا اے میرے چارے بیٹے! اپنا خواب اپنے

بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی

سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۝

اس آیت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اکثر محققین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی ہرگز نہیں تھے، حقدمن میں حضرات صحابہ کرام ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور نہ ہی تابعین میں سے کسی سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے اور اجماع تابعین میں سے صرف ابن زید سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے اور بہت کم لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے، اور متاخرین مفسرین میں سے بعض نے ابن زید کے قول کی پیروی کی ہے جیسے امام بغوی، اور بعض نے اس قول کے رد میں بہت شدت کی ہے جیسے علامہ قرطبی اور ابن کثیر، اور بعض مفسرین نے ان دونوں قولوں کو بلا ترجیح نقل کر دیا ہے جیسے ابن الجوزی، اور بعض مفسرین نے اس مسئلہ کو بالکل نہیں چھیڑا، البتہ انہوں نے ایسی تفسیر کی ہے جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے اسباب کی یہ تفسیر کی ہے: وہ لوگ جو بنو اسرائیل میں سے نبی بنائے گئے اور ان پر احکام شریعہ نازل کیے گئے، مثلاً ابواللیث السمرقندی اور واحدی (ابواللیث السمرقندی کا حوالہ صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں البتہ واحدی کا حوالہ درست ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے تفسیر سمرقندی سے نقل کیا ہے) اور بعض مفسرین نے کچھ ذکر نہیں کیا لیکن اسباب کی تفسیر حضرت یعقوب کی اولاد کے ساتھ کی ہے، جس سے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حضرت یعقوب کی تمام اولاد کے نبی ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ اس کی تصریح نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اولاد سے مراد حضرت یعقوب کی ذریت ہونے کے ان کے صلی بیٹے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید، لغت اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے، یہ چیز قرآن مجید میں مذکور ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا قول ہے، جن لوگوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کا قول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ البقرہ: ۹۳۰ النساء: ۱۲۳ میں اسباب کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کی تفسیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے کی، اور صحیح یہ ہے کہ الاسباب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صلی اولاد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت ہے جیسا کہ انہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، اور جیسا کہ تمام انسانوں کو بنو آدم کہا جاتا ہے، نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِمْ قَوْمِ مُوسٰى اُمَّةٌ يَّهْتَدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنَهُمْ اَشْجَرَ اَعْشَرَ اَسْبَاطًا

اُمَمًا۔ (الاعراف: ۱۵۹-۱۶۰)

اور موسیٰ کی امت سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ

ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں ۝ اور ہم

نے بنو اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ کر کے تقسیم کر

دیا۔

یہ آیت اس معنی میں صریح ہے کہ اسباط بنی اسرائیل کے متعدد گروہ ہیں اور ہر سبط ایک گروہ ہے، اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط ایسے ہیں جیسے بنی اسماعیل کے قبائل ہیں اور سبط لغت میں ایسے درخت کو کہتے ہیں جس کے بہت گھنے پتے ہوں، تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو ان کی اولاد پھیلنے سے پہلے اسباط کہنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، اس لیے البقرہ: ۱۳۰ اور النساء: ۹۳ میں اسباط کے لفظ کو حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے، اس پر لفظ دلالت کرتا ہے نہ اس کا معنی ثابت ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے عہد سے اسباط کا نام رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن میں نبوت معروف تھی، ان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کوئی نبی نہیں تھا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب حضرت ابراہیم کی ذریت سے انبیاء کا ذکر کیا تو صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ اسباط کا ذکر نہیں کیا، اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی بنائے گئے ہوتے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی بنایا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بھی فرماتا، وہ آیت یہ ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا
وَمُوسَىٰ هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ
وَسُلَيْمَانَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ
وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
وَيَحْيَىٰ وَيَعْقُوبَ وَإِسْحَاقَ كُلًّا نَمُورُ
الضَّالِّينَ ۝ وَاسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ
وَلُوطًا كُلًّا أَفَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے، ہم نے سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی، اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف، اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی، اور ہم نکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ۝ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور ایسا (سب کو ہدایت دی) ایسے سب صالحین میں سے ہیں ۝ اور اسمعیل اور اسحاق اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو سارے جہان والوں پر فضیلت دی۔

(الانعام: ۸۶-۸۴)

اور نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وہ تعریف و توصیف فرمائی جو نبوت کے مناسب ہے، اگرچہ وہ اس آیت سے پہلے ہے اور حدیث میں ہے لوگوں میں سب سے کرم یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم ہیں جو نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں، پس اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی انبیاء ہوتے تو وہ بھی کرم کی اس صفت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے شریک ہوتے اور جب اللہ سبحانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سلوک کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا تھا اور ان کی خطا کے اعتراف کا ذکر کیا اور انہوں نے اپنے والد سے جو استغفار طلب کیا تھا اس کا ذکر کیا تو اس مقام پر ان کی کسی ایسی فضیلت کا ذکر نہیں کیا جو مقام نبوت کے مناسب ہوتی، بلکہ ان کی توبہ کا ذکر بھی نہیں کیا، جیسا کہ ان سے کم گناہ کرنے والوں کی توبہ کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے ایسے کاموں کا ذکر نہیں کیا نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد کہ انہوں نے باپ کی نافرمانی کی ہو، قطع رحم کیا ہو، مسلمان کو غلام بنا کر کافروں کے شہر میں بیچا ہو اور صاف جھوٹ بولا ہو، بلکہ اگر ان کے نبی نہ ہونے پر اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو ان کے نبی نہ ہونے کے لیے یہ جرائم ہی کافی تھے، کیونکہ جمہور کے نزدیک انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد اس قسم کے جرائم سے معصوم ہوتے ہیں، نیز مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی مصر میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی مصر میں وفات پا گئے تھے، لیکن انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جسم کو شام خنقل کر دیا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جسم کو شام میں خنقل کر دیا، اور قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے مصر میں حضرت یوسف

علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نبی آیا ہو اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اسباط سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ اس طرح نہیں ہے، اسباط کے معنی بہت بڑا گروہ ہے اور اگر اسباط سے مراد حضرت یعقوب کے بیٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا یعقوب اور ان کے بیٹے اور یہ بہت واضح اور مختصر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسباط کے لفظ سے تعبیر فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اس وقت آئی جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گروہ درگروہ ہو کر منقسم ہو چکے تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۷۷-۲۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے متعلق مصنف کا موقف

ہم نے شرح صحیح مسلم کی ساتویں جلد میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد تمام صفات اور کبار سے مجتنب ہوتے ہیں البتہ تبلیغی اور تشریحی ضرورت کی وجہ سے ان سے مکروہ تنزیہی کار تکلم ہو سکتا ہے اور خلاف اولیٰ کار تکلم بھی ہو سکتا ہے لیکن مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہیں اور ان سے اجتہادی خطاء بھی سرزد ہو سکتی ہے اور اجتہادی خطاء بھی نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں ہے بلکہ اجتہادی خطاء پر ایک اجر بھی ملتا ہے، اور انبیاء سابقین علیہم السلام سے جس قدر ذلات صادر ہوئیں وہ سب اسی نوع کی ہیں، ان میں سے کوئی کام گناہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے متعدد گناہ کبیرہ کیے اس لیے صحیح قول یہی ہے کہ وہ انبیاء نہیں ہیں، اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ صادر ہوا وہ بظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے، حقیقت میں وہ فرض کے درجہ میں ہے کیونکہ آپ نے امت کی تعلیم کے لیے اور شریعت سازی کے لیے وہ کام کیے، اور تعلیم اور تبلیغ آپ پر فرض ہے اس لیے آپ نے جو ایسے کام کیے جو بظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ تھے، ان کا کرنا آپ پر فرض تھا کیونکہ تبلیغ کرنا وظائف نبوت اور فرائض رسالت سے ہے اور آپ کو ان کے ارتکاب پر فرائض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ملے گا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ رکھا۔ آپ نے جس وقت اپنے اجتہاد سے جو کام کیا اس وقت اسی کام کو کرنا حق، صحیح اور صواب تھا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام حشر کے دن اس وجہ سے پریشان ہوں گے کہ دنیا میں ان کی ذلات کی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن شفاعت کبریٰ کے مقام پر فائز کرنا تھا اس لیے وہ بظاہر خلاف اولیٰ کام جو فی نفسہ معصیت اور گناہ نہ تھے لیکن آپ اپنے بلند مقام کی وجہ سے ان کو بھی موجب استغفار قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لعنہ لک اللہ ماتقدم من دیک و ماتاخر نازل فرما کر آپ کی مغفرت کلی اور مغفرت قطعی کا اعلان فرمادیا تاکہ آپ حشر کے دن مطمئن ہوں اور تسلی کے ساتھ سب کی شفاعت کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیروں کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا بے شک تمہارا رب خوب جانتے والا، نہایت حکمت والا ہے۔ (یوسف: ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عظیم خواب دکھا کر تم کو شرف بخشا ہے اور عزت اور فضیلت سے نوازا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور بڑے بڑے اور عظیم کاموں کے لیے تم کو منتخب فرمائے گا۔ حسن نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو

نبوت کے لیے منتخب فرمائے گا اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ بلند کرنے کے لیے اور تم کو عظیم مرتبہ دینے کے لیے منتخب فرمائے گا۔ انھاس نے کہا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صرح فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے خزانوں پر اقتدار اور خواب کی تعبیروں کا جو علم عطا فرمایا ہے۔ ان نعمتوں کی اجمالی بشارت دی ہے۔

تاویل الاحادیث کے محامل

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو تاویل احادیث کی تعلیم دے گا آیت کے اس حصہ کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ ہے کہ تاویل احادیث سے مراد ہے خوابوں کی تعبیر اور اس کو تاویل احادیث اس لیے فرمایا کہ تاویل کا لفظ اول سے بنا ہے اور اول کا معنی ہے لوٹنا اور رجوع کرنا اور انسان خواب میں جو باتیں سنتا ہے، بعد میں اس کے تحقق اور ثبوت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لیے تاویل احادیث کی تفسیر خوابوں کی تعبیر سے کی گئی ہے، اور تاویل احادیث کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جو باتیں لکھی ہوئی تھیں اور انبیاء حقہ میں کی جو احادیث اور ان کے جوار شلوات تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان احادیث کی تعلیم دی، اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ احادیث حدیث کی جمع ہے اور حدیث، قدیم کا مقابل ہے یعنی حادث اور تاویل کا معنی ہے مکمل اور حوادث کا مکمل اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی نگوین اور اس کی حکمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جسمانی اور روحانی مخلوقات کی اصناف اور اقسام سے اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی جلالت پر استدلال کرنا۔

تکمیل نعمت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا نعمت کی تکمیل کی بھی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ ہے کہ نعمت کو اس طرح مکمل کرنا کہ وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو اور ایسی نعمت انسان کے حق میں صرف نبوت ہے، کیونکہ مخلوق کے تمام مہاسب، منصب نبوت کے مقابلہ میں ناقص ہیں اور انسان کے حق میں تمام مطلق اور کمال مطلق صرف نبوت ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح اس سے پہلے اس نے نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا اور وہ نعمت جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ دادا میں مشترک ہے، وہ صرف نبوت ہے، کیونکہ اسی نعمت کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور اسحاق کو باقی انسانوں سے امتیاز حاصل ہوا، لہذا اس آیت میں تکمیل نعمت سے مراد نبوت ہے۔

نیز اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا ہے: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا۔ اس آیت میں آل یعقوب سے مراد ان کے صلیبی بیٹے نہیں ہیں بلکہ ان کی ذریت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صلیبی بیٹوں کو نبوت نہیں دی گئی تھی۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال کے بعد دیا گیا تھا اور ان کی تعبیر میں کبھی خطا واقع نہیں ہوئی اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ ان کو خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ تھا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ خواب کی تعبیر کا علم تھا اور امت میں یہ علم سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھا اور امام ابن سیرین کو بھی اس کا علم بہت زیادہ تھا اور اس کے قریب سعید بن مسیب کو اس کا علم تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷، ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلْمُتَذَكِّرِينَ ۝ اِذْ قَالُوا

بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں ○ جب یوسف کے

لِيُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكُمْ مِمَّا مَلَائِكَةُ السَّمَوَاتِ عَصِيَّةٌ إِنَّ أَبَانَا

بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک بہت سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم پوری جماعت میں بیشک

لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَظْهِرُوا أَرْضَكُمُ الرُّضَايَا

ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے ○ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے

لَكُمْ وَجْهٌ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ

باپ کی توہم صحت تمہاری طرف سب کی اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے ○ ان میں سے

قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ

ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو، اس

يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا

اس کو کوئی قافلہ واپس آئے گا، اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اس طرح کرو ○ انہوں نے (یعنی کہے) کہا اے ہمارے آبا!۔

مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنُصْخُونُ ۝ أَرْسِلْهُ

کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں ○ اسے کل

مَعَنَا غَدًا يَرْتَع وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي

ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ چل کھلے اور کھیلے کوفے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ (یعنی کہے) کہ

أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَآخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ

تمہارے اس کو لے جانے سے میں اس کی جلائی میں غمزدہ ٹھیک ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیرا یا اس کو

غَفُلُونَ ۝ قَالُوا لَيْسَ أَكْلُهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّكَ إِذْ الْحُسْرُونَ

کھا جائے گا ○ انہوں نے کہا ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیرا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں ○

(یوسف: ۷)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نشانیاں

علامہ قرطبی مالکی متونی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں کہ یہود نے مدینہ میں سے کچھ لوگوں کو مکہ بھیجا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کریں کہ شام میں ایک نبی تھے، ان کا بیٹا مصر چلا گیا، وہ اس کے فراق میں روتے رہے حتیٰ کہ ٹاپکا ہو گئے۔ اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو انبیاء علیہم السلام کی خبریں جانتا تھا جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ یوسف نازل فرمادی، اس میں تورات میں مذکور واقعات کا بھی ذکر ہے اور اس سے زیادہ خبریں بھی ہیں اور سورہ یوسف کا نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷: ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ)

اہل مکہ میں سے اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے اور وہ آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، اور حسد کی وجہ سے آپ سے شدید عداوت کا اظہار کرتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے حسد کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ ایذا پہنچاتے تھے، انہما کار اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد کی اور ان کو قوت دی اور ان کے بھائیوں کو ان کا محتج کر دیا اور جب کوئی عقل والا اس قسم کا واقعہ سنے گا تو وہ حسد کرنے سے باز آ جائے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر بتائی تو اس تعبیر کو پورا ہونے میں اسی سال لگے، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد اور دشمنوں کے خلاف ان کی کامیابی کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کے پورا ہونے میں کلنی تاخیر ہو گئی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ صلا اللہ جموع نے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی طرح تھی سو اس اعتبار سے اس قصہ کا نازل کرنا آپ کے حالات کے موافق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی مدد اور ان کی کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو مقدر فرمایا تھا وہ اسی طرح پورا ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دشمنوں کی کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے ہم ہم اس سورت کے تعارف میں ذکر کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم

سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں، بے شک ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے ○ (یوسف: ۱۸)

حضرت یوسف کے بھائیوں کی حضرت یوسف سے نفرت کا سبب

اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ کیا سبب تھا جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو ایذا پہنچانے کا قصد کیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف اور بنیامین کو محبت میں باقی دس بیٹوں پر فوقیت دیتے تھے، اور ان کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، ایک تو اس لیے کہ وہ عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے، دوسرے اس وجہ سے کہ وہ ان دونوں کی بہ نسبت باپ کو زیادہ آرام اور قانع پہنچاتے تھے اور تیسرے اس وجہ سے کہ مصائب اور آفات کو وہی دور کرتے تھے اور منافع اور فوائد کو وہی حاصل کرتے تھے، ان وجوہ کے اعتبار سے چاہیے یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان دس بیٹوں کو حضرت یوسف اور بنیامین پر ترجیح دیتے لیکن جب اس کے برعکس حضرت یعقوب

علیہ السلام ان دونوں کو فضیلت دیتے تھے تو انہوں نے کہا ہمارا باپ ضلال میں ہے، ان کی مراد یہ نہ تھی کہ ان کا باپ دین میں گمراہ ہے اور خطا پر ہے کیونکہ اگر وہ یہ ارادہ کرتے تو وہ کافر ہو جاتے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ دو کو دس پر ترجیح دینے میں اور چھوٹوں کو بڑوں پر ترجیح دینے میں اور غیر مفید کو مفید پر ترجیح دینے میں ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔

حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے زیادہ محبت کیوں تھی؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دینا کینہ اور حسد کو پیدا کرتا ہے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا علم تھا تو انہوں نے حضرت یوسف اور بنیامین کو باقی دس بیٹوں پر کیوں ترجیح دی، جبکہ جو عمر، علم اور نفع رسانی میں بڑے اور زیادہ ہوں وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ان کو فضیلت دی جائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے برعکس معاملہ کیوں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان دونوں کو باقی بیٹوں پر صرف محبت میں ترجیح دی تھی، اور محبت غیر اختیاری چیز ہے لہذا اس معاملہ میں وہ معذور تھے اور وہ ملامت کے مستحق نہیں ہیں، علاوہ ازیں حضرت یوسف اور بنیامین کی مل بچپن میں فوت ہو چکی تھیں اس وجہ سے وہ زیادہ شفقت اور عنایت کے مستحق تھے نیز حضرت یعقوب کو ان دونوں میں رشد و ہدایت اور سعادت اور شرافت کے وہ آثار نظر آتے تھے جو باقی اولاد میں نہیں تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام ہر چند کہ کمسن تھے اس کے باوجود وہ اپنے والد کی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے، اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اس کی وجہ سے کسی کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد ہی ان کے تمام گناہوں کی جڑ تھا

حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ محض حسد ہے اور حسد تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس حسد کی وجہ سے انہوں نے جھوٹ بولا، اور اپنے بے قصور اور نیک بھائی کو ضائع کیا اسے کنوئیں میں ڈالا، پھر اس کو غلامی میں مبتلا کیا اور اس کو اس کے والد سے دور کیا اور اپنے باپ کو دائمی غم میں مبتلا کیا اور بہت سے گناہ کیے اور یہ تمام کام عصمت اور نبوت کے منافی ہیں اور جمہور کے نزدیک نبی اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اس لیے ان کے نبی ہونے کا قول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حسد، رشک اور منافست کی تعریفیں

دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری حسد ہے جیسا کہ بعض علماء نے حسد کی تعریف میں کہا ہے: اغیاء کو اچھے حال میں دیکھنے سے دل کو جوافیت اور تکلیف پہنچتی ہے وہ حسد ہے اور بعض علماء نے کہا: کسی شخص کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس کو بھی یہ نعمت مل جائے اس کو رشک کہتے ہیں اور کسی کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے خواہ اس کو یہ نعمت نہ ملے اس کو حسد کہتے ہیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ کسی شخص کو اچھے حال میں دیکھ کر اس سے بغض رکھنا حسد ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی شخص پر نعمت کو مطلقاً ناپسند کرنا اور یہ حسد مذموم ہے اور جب حاسد اس شخص سے بغض رکھے گا تو صاحب نعمت کو دیکھ کر اس کو اذیت پہنچتی رہے گی اور اس سے اس کے دل میں مرض ہو گا اور اس کے پاس سے اس نعمت کے زوال سے اس کو لذت حاصل ہوگی خواہ اسے وہ نعمت حاصل نہ ہو۔

(۲) حاسد کسی شخص کے پاس نعمت دیکھ کر اس شخص کی اپنے اوپر فضیلت کو ناپسند کرے اور وہ یہ چاہے کہ یا تو وہ اس شخص جیسا ہو جائے یا اس سے بڑھ کر ہو جائے حسد کی اس قسم کا نام علماء نے رشک رکھا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کو بھی حسد فرمایا ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد کرنا صرف دو صورتوں میں جائز ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن (کا علم) عطا کیا ہو اور وہ دن اور رات کے اوقات میں قرآن کے ساتھ قیام کرے اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ دن اور رات کے اوقات میں اس مال کو حق کے راستوں میں خرچ کرے، یہ الفاظ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہیں اور حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے: ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۲) حسد کی اس دوسری قسم کو منافست (ارغبت) بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک اچھی چیز کے حصول میں دو شخص رغبہ کریں اور اس کے حصول میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتا ہو اور اپنے اوپر دوسرے کی سبقت کو ناپسند کرتا ہو، منافست اچھی چیزوں میں لائق تعریف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ الْأَنْبِرَاءِ يُعَذِّبُ عَلَى الْأَعْيُنِ
يَسْطُرُونَ تَعْرِفُ رُبِّي وَجُودِهِمْ سَفَرَةٌ
السَّوْبِيَّةِ يُسْقُونَ مِنْ رِجَّتِي مَحْضُورَةٌ
يَحْتَمِلُ وَشُكَّاءُ رُبِّي ذِكْرًا قَلْبِنَا فَيَسْ
الْمُتَّوَسُّوْنَ (الطائفین: ۲۶-۲۷)

بے شک نیک لوگ ضرور راحت میں ہوں گے ○ تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے ○ آپ ان کے چروں سے نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے ○ ان کو مرشدہ صاف شراب پلائی جائے گی ○ اس کی مرہٹک ہوگی، اور رغبہ کرنے والوں کو اسی میں رغبہ کرنی چاہیے۔

حسد عموماً اس نعمت پر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کسی کے متبعین زیادہ ہوں ورنہ اگر کوئی شخص زیادہ کھاتا پیتا ہو یا اس کی بیویاں زیادہ ہوں تو اس پر کوئی حسد نہیں کرتا اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور مال کا ذکر فرمایا کیونکہ جو شخص بڑا عالم ہو تا ہے اس کے پیروکار بھی بہت ہوتے ہیں اور جو شخص بڑا مال دار ہو تا ہے اس کے بھی بہت متبعین اور مصاحبین ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ضرورتوں میں اس کے محتاج ہوتے ہیں اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منافست اور رشک ہوا حتیٰ کہ جب ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو وہ رونے لگے، ان سے پوچھا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرے بعد ایک نوجوان کو رسول بتایا گیا اور اس کی امت کے پیروکار میری امت کے پیروکاروں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۳)

حسد نہ کرنے کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اس راستے سے ایک شخص آئے گا وہ اہل جنت میں سے ہے۔ پھر انصار میں سے ایک شخص آیا، وضو کی وجہ سے اس کی ڈاڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں اٹھائی ہوئی تھیں، اس نے آکر سلام کیا۔ دوسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا، پھر وہی شخص اسی کیفیت سے آیا۔ تیسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا اور پھر وہی شخص اسی طرح آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اس شخص کے پیچھے گئے، انہوں نے اس سے کہا میرا اپنے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین دن تک ان کے پاس نہیں رہوں گا اگر تم اجازت دو تو میں تین دن تمہارے ساتھ گزاروں۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ تین راتیں اس کے پاس رہے، انہوں نے اسے تہہ پڑھتے ہوئے نہیں

دیکھا البتہ جب وہ غم سے بیدار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا اور اللہ اکبر کہہ کر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے چلا جاتا۔ حضرت عبد اللہ نے کہا البتہ میں نے اس کے منہ سے سوائیکی کے اور کوئی بات نہیں سنی، جب ہم تین دن گزار کر فارغ ہو گئے اور اس وقت میں اس کے اعمال کو بہت کم سمجھ رہا تھا میں نے کہا اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا اور نہ میں نے ان کو چھوڑا تھا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ یہ سنا کہ تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا پھر تین مرتبہ تم آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں تمہارے پاس ٹھہروں تاکہ میں تمہارے اعمال کو دیکھوں اور ان اعمال کی پیروی کروں، لیکن میں نے تم کو کوئی بہت عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا تو وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے متعلق بشارت دی۔ اس شخص نے کہا بس وہی عمل ہے جو تم نے دیکھا البتہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت دیکھ کر اس پر حسد کرتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ نے کہا تم میں یہی خوبی ہے جس سے تم کو یہ بشارت ملی اور اسی کی ہم طاقت نہیں رکھتے (یعنی وہ شخص حسد کی تمام اقسام سے سلامت اور محفوظ تھا)

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۶ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحديث: ۴۷۶ طبع عالم الکتب، مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۴۰۵۵۹ مسند

عبد بن حیدر رقم الحديث: ۶۶۰ عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحديث: ۸۲۳)

حسد مذموم

اور جو حسد مذموم ہے اس کا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے حق میں ذکر فرمایا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنْ يَمُرُّ بِكُمْ فَمَا أُنْفِيسُكُمْ فَمِنْ بَعْدِكُمْ فَتُعَذِّبُكُمُ اللَّهُ فَأَسْرِفُوا فِي مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ
بہت سے اہل کتب نے اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ
کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں اور
یہ خواہش انہوں نے اس وقت کی جب ان پر حق واضح ہو چکا
(البقرہ: ۱۰۹) تھا۔

غیر اختیاری صبر کی بہ نسبت اختیاری صبر کی فضیلت

یعنی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ تم کو ایمان کی نعمت حاصل ہو چکی ہے اور ان کو وہ نعمت حاصل نہیں ہوئی تو انہوں نے یہ چاہا کہ تم سے وہ نعمت زائل ہو جائے خواہ ان کو ایمان کی وہ نعمت حاصل نہ ہو بلکہ وہ اس نعمت کو حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے تھے، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ تم سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور اس حسد کی وجہ سے لیبید بن اعصم یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جلدو کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کی وجہ سے اپنے بھائیوں کے مظالم کا شکار ہوئے، انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ کیا اور آپ کو اندھے کنوئیں میں ڈالا، اور جو قافلہ کافروں کے ملک میں جا رہا تھا اس کے ہاتھ آپ کو غلام بنا کر بیچ ڈالا، پھر ان کے ظلم کے بعد حضرت یوسف اس مصیبت میں مبتلا ہوئے کہ عزیز مصر کی حسین بیوی نے آپ کو بدکاری کی دعوت دی، اور اس کا کہنا نہ ماننے کی وجہ سے آپ کو قید کرنے کی وجہ سے آپ نے بدکاری کے اوپر قید کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں دنیا کی تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کو اختیار کر لیا، بھائیوں کی طرف سے آپ پر جو مصائب آئے وہ غیر اختیاری تھے اور قید کی یہ مصیبت آپ کی اختیار کردہ تھی، یہ آپ کا اختیاری صبر تھا اور یہی صبر تقویٰ کو قہنمن تھا وہ غیر اختیاری تھا اور دو سرا صبر افضل تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے

تبیان القرآن

فرمایا:

لَا تَهِنَنَّ يَتِيحُ وَيَتَّبِعْ قِيَالَ اللَّهِ لَا يَجُوبُ أَحَدٌ
الْمُتَحَسِّسِينَ - (یوسف ۹۰)

بے شک جو اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو یقیناً اللہ نکل
کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور اس آیت کے حکم میں وہ مسلمان ہیں جن کو ان کے ایمان کی وجہ سے ایذا پہنچائی جائے جیسے اس دور میں بھارت،
مقبوضہ کشمیر، چمچیاہ کو سود اور یونیا کے مسلمانوں کو ان کے اسلام اور ایمان کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے یا کسی
مخلص سے فسق اور معصیت کو طلب کیا جائے اور ان کی موافقت نہ کرنے کی صورت میں اس کو قید کرنے اور سزا دینے کی
دھمکی دئی جائے جیسے الجزائر اور مصر میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور ایذا نہیں پہنچائی جا رہی ہیں اور
ترکی میں اسلامی اقدار اپنانے والوں پر اور سعودی عرب میں میلاد النبی ﷺ منانے والوں پر قید و بند کی سختیاں کی جا رہی ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر حضرت یوسف کے صبر سے بہت عظیم ہے

سب سے زیادہ ایذا نہیں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئی اور آپ نے ان پر اپنے اختیار سے صبر کیا
اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں بہت عظیم صبر کیا کیونکہ حضرت یوسف علیہ
السلام سے بدکاری کو طلب کیا گیا اور جب انہوں نے اس کی موافقت نہیں کی تو ان کو قید کیا گیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم اور آپ کے اصحاب سے کفر کو طلب کیا گیا اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو بعض اصحاب کو قتل کیا گیا اور بعض پر اور
سختیوں کی گئیں، اور مشرکین نے آپ کو اور بنو ہاشم کو ایک مدت تک شعب ابی طالب میں مقید رکھا اور کھانے پینے کی چیزیں
آپ تک پہنچنے نہیں دی گئیں، اور ابو طالب کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ پر زیادہ شدت کی، اور جب انصار نے آپ سے
بیعت کر لی تو وہ آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور آپ کے اصحاب صرف چھپ کر ہجرت کر سکتے تھے، اور
صرف طائف کے ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین کی بناء پر جو اذیتیں پہنچائی گئیں وہ تمام نبیوں کو پہنچائی گئی
تکلیفوں کے مجموعے سے زیادہ تھیں لہذا آپ کا اختیاری صبر تمام رسولوں اور نبیوں کے اختیاری صبر سے زیادہ ہے۔

مسلمانوں کو دین کی راہ میں جو اذیتیں پہنچیں اور جو مصائب آئے وہ صرف اس وجہ سے تھے کہ انہوں نے اپنے اختیار
سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تھی اور یہ آسمانی مصائب نہ تھے جن میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا جیسے
حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں کی وجہ سے مصائب نازل ہوئے۔

حسد ایک نفسانی بیماری ہے

خلاصہ یہ ہے کہ حسد نفسانی امراض میں سے ایک مرض ہے اور یہ غالب مرض ہے جس سے کم لوگ ہی محفوظ رہتے
ہیں۔ لوگ مال اور اقتدار میں کسی کی فضیلت کی بناء پر حسد کرتے ہیں اور اگر دو برابر کے درجہ کے لوگوں میں سے ایک کو
دوسرے پر فضیلت حاصل ہو جائے تو اس سے حسد کرتے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف
سے حسد کیا اور جیسے حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے حسد کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول کر
لی تھی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی تھی، اور جیسے یہود نے مسلمانوں سے حسد کیا اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا میں پہلی
لغزش اور پہلا گناہین چیزوں سے ہوا: حرم، تکبر اور حسد۔ حضرت آدم نے حرم کی وجہ سے لغزش کی اور اجتلاوی خطاء سے
شجر ممنوع کو کھا لیا اور شیطان تکبر کر کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے منکر ہوا اور قتل نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر

دیا۔

حسد کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں میں سے کوئی شخص نہیں بچ سکے گا: حسد، بدگمانی اور بدقل۔ اور میں تم سے غریب بیان کروں گا کہ ان سے نکلنے کی کیا صورت ہے، جب تم کسی سے حسد کرو تو اس سے بغض نہ رکھو، اور جب تم بدگمانی کرو تو اس کے پیچھے نہ پڑو، اور جب تم بدشگونی نکالو تو اپنے کام پر روانہ ہو جاؤ۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۷۸۹۷۳)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کی (نفسانی) بیماریاں تم میں سرایت کر جائیں گی، حسد اور بغض اور یہ موعظے والی بیماری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ باتوں کو موعظتی ہے لیکن یہ دین کو موعظتی ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ، اور تم اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو گے جب تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، اور کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ کیا چیز محبت کو ثابت کر سکتی ہے، آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۰ سنن ابوداؤد الحلیسی رقم الحدیث: ۶۸۳۰ مسند احمد ج ۱ ص ۶۱۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۹۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۷۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۴۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۳۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۲۲ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۰۲۳ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۹۸۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۳۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بھائیوں نے کہا) یوسف کو قتل کر دیا اس کو کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف رہے گی، اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے (یوسف: ۹) حضرت یوسف کے بھائیوں کا انہیں قتل کرنے یا شہید کرنے کا منصوبہ بنانا

جب حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کو اس کے باپ سے الگ کرنا ضروری ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اس کو دور دراز کسی ملک میں چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا باپ اس سے ملاقات سے مایوس ہو جائے۔ انہوں نے جو یہ مشورہ کیا تھا کسی حاسد کا شر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا، پھر انہوں نے اس شر کی یہ توجیہ کی کہ یوسف کی وجہ سے ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف نہیں ہوتی اور جب یوسف ان کے پاس نہیں رہے گا تو پھر وہ ہماری طرف توجہ، التفات اور محبت سے پیش آئیں گے، انہوں نے کہا اس کے بعد تم لوگ صالحین ہو جاؤ گے، ان کے اس قول کے تین محمل ہیں: (۱) ان کو علم تھا کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہے ہیں وہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں، انہوں نے

کہا ہم یہ کام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیں گے پھر ہم لوگ صلح ہو جائیں گے۔ (۱۲) ان کی مراد دین کی اصلاح نہیں تھی بلکہ ان کی مراد دنیا کی اصلاح تھی، یعنی اس منصوبہ پر عمل کرنے کے بعد ان کی اچھی حالت ہو جائے گی اور ان کا باپ ان سے محبت کرنے لگے گا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے لگے گا۔ (۱۳) ان کا مطلب یہ تھا کہ یوسف کے یہاں ہونے کی وجہ سے ہم ہر وقت غم اور فصد میں مبتلا رہتے ہیں اور ہر وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس سے نجات کی کیا تدبیر ہوگی اور اس تشویش میں رہنے کی وجہ سے ہم اپنی اصلاح اور اپنی خوش حالی کے منصوبوں پر عمل نہیں کر پاتے اور جب یہ کاٹا نکل جائے گا تو ہم اطمینان سے اپنی سمات میں مشغول ہو سکیں گے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم کسی اجنبی نے دیا تھا وہ ان کے بھائیوں میں سے نہیں تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ان کے بھائیوں میں سے ہی کسی نے دیا تھا۔ وہب بن منبہ نے کہا: یہ حکم دینے والا ثمنون تھا اور مقاتل نے کہا: یہ حکم دینے والا روبیل تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو منصوبہ بنا رہے تھے اس سے وہ اپنے باپ کو ایذا پہنچا رہے تھے جو نبی معصوم تھے اور جھوٹ بولتے اور اپنے بے قصور چھوٹے بھائی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور یہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں اور یہ اس کی واضح دلیل ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے ایک کینے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو، اس کو کوئی قافلہ دلا اٹھالے گا اگر تم کچھ گہرائی چاہتے ہو (تو اس طرح کرو) (یوسف: ۲۰)

مشکل الفاظ کے معانی

عیبۃ: اس کا معنی ہے گہرا گڑھا یہاں مراد ہے کنوئیں کی گہرائی۔ یہ گہرائی نظر سے غائب ہوتی ہے اس لیے اس کو عیبۃ فرمایا۔

الحب: حب کا معنی ہے کاٹنا اور اس سے مراد ہے بہت گہرائی جس کو اندھا کنواں کہتے ہیں کیونکہ اس میں جھانک کر دیکھو تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں بیت المقدس میں تھا وہب بن منبہ نے کہا: یہ کنواں اردن میں تھا، مقاتل نے کہا: یہ کنواں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تین فرسخ دور تھا۔

السبارة: جو لوگ راستہ میں سفر کرتے ہیں، اس سے مراد ہے قافلہ، انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ حضرت یوسف کو اٹھا کر خود انہیں کسی دور دراز علاقہ میں نہ لے جانا پڑے، کیونکہ اگر وہ خود کہیں جاتے تو ہو سکتا ہے ان کو حضرت یعقوب اجازت نہ دیتے، اور اگر بغیر اجازت جاتے تو ہو سکتا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتا چل جاتا۔

بلسقطہ: السقاط کا معنی ہے راستہ سے کسی چیز کو اٹھالے جو بچہ راستہ میں پڑا ہوا مل جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور جو چیز راستہ میں گری پڑی مل جائے اس کو لقطہ کہتے ہیں۔ لقطہ اور لقیط کے متعلق احادیث اور شرعی احکام اور مذاہب فقہاء کی تفصیل ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

لقیطہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

جو چیز زمین سے اٹھائی جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور اس کا غالب استعمال اس بچہ کے لیے ہوتا ہے جس کو پھینک دیا جائے۔ (الصراح ج ۲ ص ۵۷، المصباح اللیر ج ۲ ص ۸۵۸، المغرب ج ۲ ص ۲۳۷)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحسینی الحنفی المتوفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس زندہ بچے کو اس کے گھر والے قہر و غصہ کے خوف سے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے گھر سے باہر راستہ میں ڈال دیں اس کو لقبیط کہتے ہیں، اس بچے کو ضائع کرنے والا گنہ گھر ہو گا اگر کسی شخص کو یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس بچے کو نہ اٹھایا گیا تو یہ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے، اگر اس کے علاوہ کسی اور کو اس بچے کا علم نہ ہو تو پھر اس کا اٹھانا فرض عین ہے، اسی طرح اگر وہ دیکھے کہ کوئی نابینا کنوئیں میں گرنے والا ہے تو اس کا بچلنا بھی فرض عین ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۶-۳۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک لقبیط کی یہ تعریف ہے کہ جو بچہ عام راستہ پر پڑا ہوا ہو اور اس کا کوئی دعویدار نہ ہو، عام طور پر یہ بچہ ہوتا ہے لیکن کبھی سمجھ دار لڑکا بھی ہوتا ہے۔ (مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۸، نہایت المحتاج ج ۵ ص ۳۲۲) اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک لقبیط کی یہ تعریف ہے کہ جس بچے کا نسب معلوم نہ ہو، نہ اس کا غلام ہونا معلوم ہو یا وہ اپنی پیدائش سے لے کر من شعور کے زمانہ تک اپنے گھر کا راستہ گم کر چکا ہو۔ (کشاف القائل ج ۳ ص ۲۲۶) فقہاء مالکیہ کے نزدیک لقبیط وہ چھوٹا بچہ ہے جو تبلیغ ہو خواہ سمجھ دار ہو، اور کافر، کافر کو اٹھائے مسلمان کو نہ اٹھائے کیونکہ کافر کی مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور مسلمان کافر اور مسلمان دونوں کو اٹھا سکتا ہے۔ (بدایہ الجندی ج ۲ ص ۳۳۲)

لقبیط کے شرعی احکام

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی المغنی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

غلام اور آزاد ہونے کے اعتبار سے لقبیط کا حکم یہ ہے کہ وہ آزاد ہے، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے لقبیط کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ آزاد ہے اور اس لیے بھی کہ اولاد آدم میں اصل یہ ہے کہ وہ آزاد ہیں کیونکہ غلامی تو ان کو کافروں کی حمایت میں لڑنے اور پھر جنگی قیدی ہونے کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے، اس لیے اصل پر عمل کرنا واجب ہے اور اس پر وہ تمام احکام لاکو ہوں گے جو آزاد انسانوں پر لاکو ہوتے ہیں۔ اور اسلام اور کفر کے اعتبار سے لقبیط کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے شہروں یا ان کے مضافات میں ملا ہے تو وہ مسلمان قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ مر گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اگر اس کو ذی نے یہودیوں یا عیسائیوں کی کسی عبادت گاہ میں پڑا ہوا پایا یا وہ ذبیح کی ہستی میں ملا جس میں کوئی مسلمان نہیں تھا تو اس کو ظاہر حال کے اعتبار سے ذی قرار دیا جائے گا اسی طرح اگر اس کو مسلمان نے کسی یہودیوں یا عیسائیوں کے معبد میں پایا یا اہل ذمہ کی ہستی میں پایا تو اس کو ذی قرار دیا جائے گا۔

اور اس کے نسب کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ وہ مجہول النسب ہے حتیٰ کہ اگر کسی انسان نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کے نسب سے ہے تو اس کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے گا اور اس کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

اس کو زمین سے اٹھانے کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا مستحب ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لقبیط کے اٹھانے کو نیک کام قرار دیا، بلکہ اس کو بہت افضل ٹکلی قرار دیا، کیونکہ لقبیط ایک نفس انسان ہے اور اس کا کوئی محفوظ نہیں بلکہ وہ ضائع ہونے کے خطرہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کی زندگی بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی بچائی۔ (المائدہ: ۳۲)

لقبیط کو رکھنے کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ جس شخص نے اس کو اٹھلایا ہے وہ اس کو رکھنے کا زیادہ حق دار ہے اور کسی دوسرے کے لیے لقبیط کو اس سے لینا جائز نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے کسی مردہ

زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہے۔

اور اس کے خرچے کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کا خرچ بیت المال کے ذمہ ہے اور اگر لقیط کے ساتھ کچھ مال بندھا ہوا ملے تو وہ لقیط کا ہے جیسے اس کے جسم کے کپڑے اس کی ملکیت ہیں اور اگر وہ کسی سواری پر بندھا ہوا ملے تو سواری بھی اس کی ملکیت ہے اور پھر سواری کو بیچ کر اس کا خرچ پورا کیا جائے گا کیونکہ بیت المال سے ضرورت کی بات پر خرچ لیا جاتا ہے اور اب ضرورت نہیں ہے اور اس کی جان اور اس کے مال میں اس کا ولی سلطان ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس کا کوئی ولی نہ ہو، اس کا ولی سلطان ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۲۳-۳۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

لُقْطَةُ الْغَوَىٰ مَعْنَى

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی معنی ۳۰۵ لکھتے ہیں:

لُقْطَةُ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو راستہ میں گری پڑی مل جائے اور معترف اس شخص کو کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستہ میں کوئی بچہ پڑا ہو مل جائے تو اس کو لقیط کہتے ہیں۔

(تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

لُقْطَةُ كَيْفِ اَحْوَاثِ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے لُقْطَةُ کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا: اس (قہلی) کے باندھنے کی ڈوری اور اس قہلی کو پہچان کر یاد رکھو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو فیماوردنہ اس کو تم رکھ لو۔ اس شخص نے پوچھا: اور گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہاری یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی۔ اس نے پوچھا: اور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ اس کی مشک (پیش میں پانی) ہے اور اس کا جوتا بھی اس کے ساتھ ہے، وہ پانی کے گھاٹ پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک آکر اس کو پکڑ لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحديث: ۲۳۲۴ صحیح مسلم رقم الحديث: ۹۷۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۰ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۷۷۲ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحديث: ۵۸۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۵۴۳ موطا امام مالک رقم الحديث: ۴۹۷۵ مصنف عبد الرزاق رقم الحديث: ۹۸۶۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۵۶ مسند الحمیدی رقم الحديث: ۸۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶ مسند ابو حاتم ج ۲ ص ۳۹ صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۱۰۳۸۳ المعجم الکبیر رقم الحديث: ۵۶۵۵ سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۲۳۵ سنن بیہقی ج ۶ ص ۹۸۵ شرح السنن رقم الحديث: ۳۲۰)

حضرت سید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت زید بن صوحان اور حضرت سلمان بن ربیعہ جملہ کے لیے گئے۔ مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اٹھا لیا، ان دونوں نے مجھ سے کہا: اس کو چھوڑ دو، میں نے کہا نہیں، میں اس کا اعلان کروں گا اگر اس کا مالک آیا تو فیماوردنہ میں خود اس سے قائدہ اٹھاؤں گا اور میں نے ان دونوں کی بات نہیں مانی۔ جب ہم جملہ سے واپس لوٹے تو میں خوش قسمتی سے حج کے لیے چلا گیا اور پھر میں مدینہ آیا تو میری ملاقات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان کو چابک اٹھانے اور ان دونوں کے منع کرنے کا قصہ سنایا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجھے ایک قہلی ملی تھی جس میں سو بٹاتھے، میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک اعلان کرو، انہوں نے کہا پھر میں نے اس کا اعلان کیا، لیکن اس کی شناخت کے لیے کوئی نہیں آیا۔ میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک (مزید) اعلان کرو، انہوں نے کہا میں نے پھر اس کا اعلان کیا اور کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا، میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک (اور) اعلان کرو، انہوں نے کہا میں نے اس کا اعلان کیا اور کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا پھر آپ نے فرمایا ان کے عدد، ان کی قحلی، اور اس کی ڈوری کی پہچان کو یاد رکھو، اگر اس کا کوئی مالک آ جائے تو فیماورنہ تم اس سے فائدہ اٹھالیں پھر میں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ سوید بن غفلہ کہتے ہیں اس کے بعد میری حضرت ابی بن کعب سے مکہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا مجھے یاد نہیں تین سال تھے یا ایک سال۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۲۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۲۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۰۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۷۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۲ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۱۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۳ مسند احمد ج ۵ ص ۳۶ مسند عبد بن حید رقم الحدیث: ۶۳۳ المستدرک رقم الحدیث: ۶۶۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۸۴۳ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۸۴۳ السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۶۷۷) (۱۲)

لُفْطَہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لُفْطَہ کا نہ اٹھانا افضل ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، ابن زید، ربیع بن خثیم اور عطاء کا بھی یہی نظریہ ہے۔ قاضی شریع نے ایک درہم گرا ہوا دیکھا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ امام شافعی اور ابو الخطاب کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہے جہاں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس شخص کو اپنے اوپر یہ اطمینان حاصل ہو کہ وہ اس چیز میں خیانت نہیں کرے مگر اس شخص کے لیے اس چیز کو اٹھانا افضل ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص پر اٹھانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَّاءُ

مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

بَعْضُهُمْ (توبہ: ۱۷)

اور جب مسلمان ایک دوسرے کے ولی ہیں تو ان پر ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت واجب ہے۔ سعید بن مسیب، حسن بن صالح اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی لُفْطَہ کو اٹھانا واجب ہے۔ (امام ابو حنیفہ کے نزدیک لُفْطَہ کو اٹھانا واجب نہیں، مستحب ہے۔ سعید بن خفیر) حضرت ابی بن کعب اور حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہما نے لُفْطَہ کو اٹھایا تھا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہم اور قیمتی چیز ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے اور وہ اٹھا کر اس کا اعلان کرے، کیونکہ اس میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اور یہ اس کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صحابہ میں سے کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی، نیز لُفْطَہ کو اٹھا کر اپنے آپ کو حرام کھانے اور اعلان نہ کر کے ترک واجب کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے زیادہ محفوظ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ لُفْطَہ کو نہ اٹھایا جائے، جس طرح یتیم کے مال کا ولی نہ بننا بہتر ہے، اور یہ خیال کہ لُفْطَہ نہ اٹھانے سے ایک مسلمان کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سود مند نہیں ہے کہ بھولے بھٹکے اونٹ وغیرہ کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے، حالانکہ مال ضائع ہونے کا خطرہ اس میں بھی ہے۔

(المغنی ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

لُفْطہ کو اٹھانے کے حکم میں فقہاء اختلاف کا موقف

شمس الائمہ سرخی حنفی لکھتے ہیں: لُفْطہ کو اٹھانے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض قاضی علماء یہ کہتے ہیں کہ لُفْطہ کو اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بلا اجازت غیر کے مال کو اٹھاتا ہے، اس لیے اس پر ہاتھ بڑھانا جائز نہیں ہے اور بعض محققین ائمہ تابعین نے یہ کہا ہے کہ ہرچند کہ لُفْطہ کو اٹھانا جائز ہے لیکن اس کو نہ اٹھانا افضل ہے، کیونکہ جس شخص کی چیز گری ہے وہ اس کو اسی جگہ ڈھونڈے گا، جس جگہ وہ چیز گری تھی اور جب اس چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا تو اس کا مالک اسی جگہ سے آکر اپنی چیز اٹھالے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز اٹھانے کے بعد یہ خطرہ موجود ہے کہ اٹھانے والے کی نیت بدل جائے اس لیے لُفْطہ کو اٹھانا اپنے آپ کو ہتھ میں ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے لُفْطہ کو نہ اٹھانا افضل ہے۔

شمس الائمہ سرخی لکھتے ہیں: ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لُفْطہ کو اٹھانا اس کے نہ اٹھانے سے افضل ہے، کیونکہ اگر وہ اس کو نہیں اٹھائے گا تو اس کا غم شہ ہے کہ کوئی شخص اس کو اٹھا کر مالک سے چھپالے گا اور جب وہ اس کو اٹھائے گا تو اس کا اعلان کرے کہ اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا دے گا نیز وہ اس لُفْطہ کو اٹھا کر امانت کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اور امانت کی ادائیگی کا التزام کرنا فرض ہے اور اس کو اس میں دبی ثواب ملے گا جو امانت کو ادا کرنے کا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَمْثَلِيَّاتٍ لِّأَهْلِهَا۔
بے شک اے خلی تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے
(اقسام: ۵۸) حق داروں تک پہنچا دو۔

اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ثواب کا موجب ہے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لُفْطہ کی اقسام اور ان کے احکام

شمس الائمہ سرخی حنفی لکھتے ہیں: لُفْطہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب نہیں کرے گا جیسے گھڑیاں، اتار کے پھینکے (ردی کافہ، خلی ڈبے، خلی بوتلیں اور ردی کپڑے وغیرہ) دوسری قسم وہ ہے جس کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا۔ (جیسے قیمتی اشیاء)

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر اس چیز کے مالک نے اس چیز کو اٹھانے والے کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو وہ اس سے لے سکتا ہے کیونکہ مالک کا اس چیز کو پھینک دینا اٹھانے والے کے لیے نفع حاصل کرنے کی اجازت کا سبب تھا اس کی طرف سے تینک نہیں تھی، کیونکہ مجہول کو مالک بیٹنا صحیح نہیں ہوتا۔ اور اجازت کے بعد بھی مالک کی ملکیت اس چیز سے منقطع نہیں ہوتی، البتہ جس شخص کو مہلح چیز ملی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مالک کی ملکیت اس چیز کے ساتھ قائم رہتی ہے اور وہ جب چاہے اس چیز کو لے سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مال کو بیعہ پالیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مردار بکری پھینک دی اور کسی شخص نے اس کا اون اتار لیا تو وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر بکری کے مالک نے اس کے ہاتھ میں اون دیکھ لیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اس بکری کی کھال اتار کر اس کو رنگ لیا تو اب بھی اس کا مالک اس کھال کو لے سکتا ہے لیکن اس کو رنگتے کے پیسے دینے پڑیں گے۔

لُفْطہ کی دوسری قسم جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس چیز کو اٹھائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس پر اس کا اعلان کرنا لازم ہے تاکہ وہ اس چیز کو اس کے مالک تک

پہنچا سکے۔ امام محمد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ لفظہ کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فیہا ورنہ اس چیز کو صدقہ کر دے، صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو وہ لفظہ اٹھانے والے کو اس صدقہ کا ضامن کر دے۔ امام محمد نے ابراہیم نخعی کے اس قول کو بطور دلیل کے ذکر نہیں کیا، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعین کی تقلید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے ہم رجال ونحو رجال ”وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں“ لیکن اصل سبب یہ ہے کہ ابراہیم نخعی اپنے فتویٰ میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال پر اکتفا کرتے تھے اور اہل کوفہ کی فقہ کا مدار انہی حضرات پر تھا ابراہیم نخعی باقی فقہاء کی بہ نسبت حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال کو زیادہ جلتے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد کی کتاب ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ بہر حال اس حدیث میں ہے کہ اٹھانے والا لفظہ کا اعلان کرے اور ہر چیز میں ایک سال کی مدت لازم نہیں ہے، چیز کا اٹھانے والا خود اندازہ کرے کہ اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو ڈھونڈتا رہے گا اتنی مدت تک وہ اس چیز کا اعلان کرتا رہے اور اس کا اندازہ اس چیز کی قیمت اور حیثیت سے ہو گا حتیٰ کہ فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم بھی اہم اور قیمتی ہیں کیونکہ دس درہم کی چوری کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اگر لفظہ دس درہم سے کم ہو تو تین درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور اگر تین درہم سے کم ہو تو ایک درہم تک ایک ہفتہ اعلان کرے اور ایک درہم سے کم میں ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک پیسہ کی چیز ہو تو دائیں بائیں مالک کو دیکھے اور پھر وہ چیز کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ ان مدتوں میں سے کوئی مدت بھی لازم نہیں ہے کیونکہ رائے سے کسی مدت کو معین نہیں کیا جاسکتا لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اعلان اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب کرے گا اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اس چیز کا مالک اس کو کب تک طلب کرتا رہے گا؟ اس لیے کسی چیز کے بارے میں ملقط اپنی غالب رائے سے فیصلہ کرے، یعنی وہ یہ سوچے کہ اگر ایسی چیز گم ہو جائے تو اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو تلاش کرتا رہے گا اور جتنی مدت پر اس کا غلبہ ظن ہو اتنی مدت تک اعلان کرتا رہے۔

(المبسوط ج ۱۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

لُفْطَہ کا اعلان کرنے کے مقلات اور طریقہ کار

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لفظہ کا اعلان بازاروں میں، عام مساجد کے دروازوں اور جامع مسجدوں کے دروازوں پر ان اوقات میں کیا جائے جن اوقات میں لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں، اسی طرح جن مجالس میں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں بھی اعلان کیا جائے، کیونکہ مقصد اس چیز کا اعلان ہے کہ فلاں چیز گم ہو گئی ہے تاکہ اس کے مالک کو پتا چل جائے اس لیے لوگوں کے جمع ہونے کی مجالس کو تلاش کرنا چاہیے۔ یہ اعلان مساجد میں نہ کیا جائے کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا اس کو چاہیے کہ یوں کہے کہ اللہ تمہاری اس چیز کو واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لفظہ اٹھانے والے شخص سے فرمایا: اس کا مسجد کے دروازہ پر اعلان کر۔

لُفْطَہ اٹھانے والا خود بھی لفظہ کا اعلان کر سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اور شخص کو مقرر کر دے، اگر کوئی شخص از خود ملقط کی طرف سے اعلان کرے تو فیہا ورنہ ملقط خود اعلان کرے، کیونکہ اصل میں اعلان کرنا لُفْطَہ اٹھانے والے پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اجرت لے کر کسی سے اعلان کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس میں امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف لفظہ کی جنس کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ کسی شخص کا سونا تم ہو گیا ہے؟ یا چاندی یا درہم یا دینار علی ہذا القیاس۔ اس چیز کی صفات اور علامت نہ بتلائے تاکہ کوئی غیر شخص اس کو حاصل کرنے کی جرأت نہ کرے۔
(المفنی ج ۶ ص ۵-۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

لفظہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لفظہ کے اعلان کی مدت ایک سال ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے۔ ابن مسیب، شعبی، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر سے دو سری روایت ہے کہ تین ماہ تک اعلان کرے اور ایک اور روایت ہے کہ تین سال تک اعلان کرے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین سال تک ایک سو دینار کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خالد کو ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی روایت کا جواب یہ ہے کہ راوی نے کہا مجھے پتا نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال، امام ابو داؤد نے کہا کہ راوی کو اس میں شک ہے۔ (المفنی ج ۶ ص ۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: لفظہ کا بازاروں میں اور مساجد کے دروازوں وغیرہ پر ایک سال تک اعلان کرے، پہلے ہفتہ ہر دن صبح و شام اعلان کرے، پھر ہر دن میں ایک مرتبہ، پھر ہر ہفتہ میں، پھر ہر مہینہ میں اور صحیح یہ ہے کہ جو چیز حقیر ہو اس کا اعلان ایک سال نہ کیا جائے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کیا جائے جتنی مدت میں یہ گمان ہو جائے کہ اب مالک نے اس سے اعراض کر لیا ہو گا۔ (مفنی المجلد ج ۲ ص ۴۳-۴۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی ابوالولید مالکی لکھتے ہیں کہ جو چیز قیمتی ہو اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے بشرطیکہ وہ مال غنیمت سے نہ ہو۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ سے یہ روایت ہے کہ اگر لفظہ دو سو درہم (۳۳۶ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ کی مالیت ہو تو ایک سال اعلان کیا جائے اور اگر دو سو درہم سے کم مالیت ہو تو دس درہم (۳۰۷ گرام چاندی) تک ایک ماہ اعلان کیا جائے اور اگر دس درہم سے کم مالیت کی چیز ہو تو جتنی مدت مناسب سمجھے اعلان کرے، اور ایک روایت یہ ہے کہ تین درہم (۱۸۵۳ گرام چاندی) سے لے کر دس درہم (۳۰۷ گرام چاندی) تک دس دن اعلان کرے اور ایک درہم (۳۰۷ گرام چاندی) سے لے کر تین درہم (۱۸۵۳ گرام چاندی) تک تیس دن اعلان کرے، اور اگر ایک دانق یعنی درہم کا چھٹا حصہ (۵۱۰۳ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ ہو تو ایک درہم تک ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک دانق سے کم ہو تو دائیں بائیں دیکھ کر کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ فاصلہ لازم نہیں ہے بلکہ قلیل میں اپنی صوابدید کے مطابق اعلان کرے۔ علامہ سرخسی نے گویا امام اعظم کی پہلی روایت کو لیا ہے اور ظاہر الروایہ جس کو امام محمد نے کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل اور کثیر میں فرق کے بغیر ایک سال اعلان کرے اور یہی امام مالک، امام شافعی (اور امام احمد) کا قول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تفصیل اور فرق کے بیان فرمایا:

من التقط شیئاً فلیہ عرف منہ۔ جس کو کوئی چیز چلی ہو وہ اس کا ایک سال اعلان کرے۔

اور حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے جو پہلی روایت

ہے کہ دو سو درہم یا زیادہ سے لے کر دس درہم تک ایک سال اعلان کرے اور دس درہم سے کم میں جتنی مدت تک مناسب سمجھے اعلان کرے اس کی دلیل یہ ہے کہ جن روایات میں ایک سال اعلان کرنے کا ذکر ہے وہ اس لفظ کے بارے میں ہیں جو ایک سو دس تھار تھا جو ایک ہزار درہم کے مساوی ہے اور دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی کم از کم مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے، یعنی دس درہم شرعاً جتنی مال ہے، کیونکہ اس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور فرج طلال ہو جاتی ہے اس لیے دس درہم کی مالیت کے حکم کو بھی ایک ہزار درہم کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا اور دس درہم سے کم کا چونکہ یہ مرتبہ نہیں ہے اس لیے اس کے اعلان کی مدت ایک سال نہیں رکھی بلکہ اس کو اعلان کرنے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵۰-۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھرا)

آج کل کے دور میں لفظ کے اعلان کا طریقہ کار

ہرچند کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو حنیفہ سے ظاہر الروایہ یہی ہے کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کا ایک سال اعلان کرنا چاہیے لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا دشوار ہے اس لیے امام ابو حنیفہ کی اس روایت پر عمل کرنا چاہیے جس کو علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک دانق سے ایک درہم تک ایک دن اور ایک درہم سے تین درہم تک تین دن اور تین درہم سے لے کر دس درہم تک دس دن اعلان کرے اور دس درہم سے دو سو درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور دو سو درہم یا اس سے زائد ہو تو ایک سال اعلان کرے، اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ایک ہزار درہم کی مالیت کے لفظ کے بارے میں ایک سال اعلان کا حکم ہے اور دو سو درہم چونکہ نصاب زکوٰۃ ہے اس لیے دو سو درہم کی مالیت کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے اور دو سو درہم سے کم مالیت کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا اور اس کی اپنے اجتہاد سے مدت مقرر کی ہے نیز طبرانی میں کم چیز کے لیے تین دن اور چھ دن تک اعلان کا بھی ذکر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲۹)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جمل لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں اعلان کیا جائے اور آج کل لوگ بازاروں میں، مارکیٹوں میں اور تفریح گاہوں میں زیادہ جمع ہوتے ہیں، جب فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا تھا اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے شہر تھے اور زندگی اس قدر مصروف نہیں تھی اور اب کراچی ایسے شہر میں جو کئی ہزار مربع کلومیٹر رقبہ پر محیط ہے اور تقریباً ایک کروڑ انسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، ایک آدمی کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ ایک سال یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ تک روزانہ مارکیٹوں اور بازاروں میں جا کر کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتا پھرے۔

آج کل کے دور میں لفظ کے اعلان اور تشیر کی آسان اور قابل عمل صورت یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا اعلان اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں کرادے اور یہ ابلاغ عام کا بہت موثر ذریعہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو کسی راستہ میں کوئی قیمتی بین یا گھڑی پڑی ملی ہے تو وہ یہ اعلان کرادے کہ مجھے فلاں دن فلاں جگہ اتنے وقت پر ایک پارکر، شیگر یا کروس کا بین پڑا ہوا ملا ہے، جس شخص کا وہ بین ہو وہ اس کی علامات اور نشانیوں بتا کر مجھ سے ملے جائے۔ جب میں لاہور میں تھا تو ہمارے مدرسہ کے ایک طالب علم کو مسجد کے پاس ایک پارکر بین پڑا ہوا ملا، مجھے علم ہوا تو میں نے فوراً ایک طالب علم کے ذریعہ ”جنگ“ اخبار میں اس کا اعلان بھجوا دیا۔ دوسرے دن اس کا مالک آیا اور نشانیوں بتلا کر اپنا بین لے گیا۔ اگر ایک ہزار اعلان کے بعد لفظ کا مالک نہ آئے تو سال میں کئی بار وقفہ وقفہ سے اعلان کرایا جاسکتا ہے یا یوں کرے کہ پہلے شہر میں شائع ہونے والے تمام اخبارات میں ایک ایک کر کے اعلان بھیجے مثلاً پہلے ”جنگ“ اخبار میں اعلان بھیجے، پھر ”نوائے وقت“ میں پھر ”مشرق“ میں، علیٰ ہذا القیاس۔ اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ریڈیو کی شی سروس میں اعلان کرائے اور اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ٹیلی ویژن کی

سروس سے اعلان کرائے۔ اور یہ مدت بعید ہے کہ ان تمام ذرائع ابلاغ سے اعلان کے بعد بھی مالک لفظہ کو وصول کرنے کے لیے نہ آئے، اور اعلان کرنے والے کو چاہیے کہ ایک سال میں وقفہ وقفہ کے ساتھ ان تمام ذرائع سے اعلان کرائے تاکہ غشاء حدیث صوری اور معنوی دونوں طرح سے پورا ہو جائے اور اس کی حجت تمام ہو جائے اور ایک سال کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو پھر وہ اس کو صدقہ کر دے۔

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لفظہ کے مصرف میں فقہاء اختلاف کا نظریہ

شمس الائمہ علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: اعلان کے بعد مالک آجائے تو ملتقط لفظہ کو اس کے حوالے کر دے کیونکہ اعلان سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، اور اگر مالک نہ آئے تو اس کو اختیار ہے خواہ لفظہ کو مالک کے انتظار میں محفوظ رکھے، خواہ اس کو صدقہ کر دے، کیونکہ اس کو محفوظ رکھنا عزیمت ہے اور ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو صدقہ کرنا رخصت ہے اور ملتقط کو رخصت اور عزیمت میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں اختیار ہے، صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کا ثواب مالک کو ہو گا اور اگر چاہے تو صدقہ کے تلوان میں لفظہ کا بدل لے لے۔ اور یہ تلوان چاہے ملتقط سے وصول کرے اور چاہے تو اس مسکین سے وصول کرے جس کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اور جو بھی ضامن ہو گا وہ دوسرے سے اس کا تلوان وصول نہیں کرے گا (یہ حکم اس وقت ہے جب ملتقط غنی ہو) اور اگر ملتقط غریب ہو تو وہ ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو خود خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس لفظہ کو کسی غریب پر صدقہ کر دے اور جب کہ وہ خود غریب ہے تو وہ لفظہ کو اپنے نفس پر بھی صدقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ملتقط غنی ہو تو ہمارے نزدیک وہ اس لفظہ کو اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا اور امام شافعی کہتے ہیں کہ امیر بھی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے لیکن یہ اس کے اوپر قرض ہے، اگر مالک آگیا تو اس کو وہ چیز دینا ہوگی۔

(البسوط ج ۸ ص ۷، ملبیہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام شافعی کے دلائل کے جوابات

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب غنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر ایک سال اعلان کے بعد مالک نہ آئے تو لفظہ کو خرچ کر لینا اور ان کے غنی پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لفظہ کو اپنے مال کے ساتھ ملاؤ، اس سے ثابت ہوا کہ وہ مالدار تھے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان پر لوگوں کے اس قدر قرض ہوں کہ مالدار ہونے کے باوجود عکساً فقیر ہوں، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لفظہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں۔ امام طحاوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصل کے بعد غنی ہوئے تھے اور اس سے پہلے وہ فقیر (غریب) تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین صدقہ کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: یہ زمین اپنے غریب رشتہ داروں کو دو۔ سو انہوں نے وہ زمین حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب کو دے دی۔ علامہ ہارثی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے باب الوصیۃ للقرابتہ میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقا ذکر کیا ہے۔ (الجواہر النقی ج ۶ ص ۱۸۶) اس سے واضح ہو گیا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لفظہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں اس وقت وہ غریب تھے اور ان پر صدقہ جائز تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لفظہ کسی حبشی کافر کا مال ہو جس کی حفاظت کی مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور چونکہ اس مال پر حضرت ابی کے ہاتھ نے سبقت کی تھی اس لیے آپ نے ان کو اس

کا زیادہ حقدار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:
 رزق مساقہ اللہ العلیک۔
 یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

اور اس کے باوجود آپ نے ایک سال تک اس کے بعد اور قسطنطینی کے سرحد کی پہچان کو یاد رکھنے کا احتیاطاً حکم دیا تاکہ اگر یہ مال
 محترم ہو تو وہ اس کو ادا کر سکیں۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث اور آثار میں یہ وارد ہے کہ ایک سال اعلان
 کے بعد لفظہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ (ہم غریب ان احادیث اور آثار کو بیان کریں گے۔۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ) نیز اصل مقصود یہ
 ہے کہ لفظہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دیا جائے۔ اگر فنی نے اس مال کو اپنے اوپر خرچ کر لیا تو یہ مقصود حاصل نہیں ہو گا
 بلکہ جب فنی اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے گا تو اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ وہ اس لفظہ کو اپنے لیے اٹھانے والا تھا اور اپنے
 لیے لفظہ کو اٹھانا اس کے لیے شرعاً ناجائز ہے۔ پس جیسا کہ ابتداءً اس پر لازم تھا کہ وہ اس لفظہ میں اپنے تصرف کی نیت
 نہ کرے اس طرح انتہاء بھی اس پر لازم ہے کہ اس میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی کو ایک دینار پڑا ہوا ملا، انہوں نے اعلان
 کے بعد اس کا طعام خرید لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی
 اللہ عنہم سب نے اس طعام کو کھایا۔ اگر حصہ کو صدقہ کرنا ضروری ہو تا تو ملتقط اس کو اپنے اوپر خرچ نہ کر سکتا تو یہ حضرات
 اس طعام کو نہ کھاتے کیونکہ ان پر صدقہ حلال نہیں تھا۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو جو دینار پڑا ہوا ملا تھا وہ
 لفظہ نہیں تھا۔ اس دینار کو ایک فرشتہ نے اس لیے گرایا تھا کہ حضرت علی اس کو اٹھالیں، کیونکہ ان حضرات کو کئی دنوں سے
 کھانا نہیں ملا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو وحی سے جان لیا تھا اسی وجہ سے ان سب نے اس کھانے کو کھالیا
 تھا ورنہ صدقہ واجبہ تو ان پر حلال نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دینار سے طعام
 خریدنے کی اجازت لی تھی۔ (المبسوط ج ۲ ص ۸۰-۸۱ طبع ۱۰۲۰، ارالعرفہ ج ۱ ص ۹۸-۹۹)

لفظہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظہ کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے
 فرمایا: اس کا اعلان کرو، اس کو غائب کرو نہ چھپاؤ، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو ورنہ یہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے
 عطا فرمائے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۷۷ علامہ البیہقی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۷)

فقہاء احناف نے "اللہ کے مال" سے استدلال کیا ہے کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مال اس مال کو کہتے ہیں جو
 فقراء کو دیا جاتا ہے اور صدقہ کیا جاتا ہے اور اگر کسی جگہ مجازاً اس قاعدہ کے خلاف ہو جیسے واتوہم من مال اللہ الذی
 انکم۔ (النور: ۳۳) تو یہ اس قاعدہ کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس قاعدہ پر علامہ ابن قدامہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں سواروں کی قلت تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم سے سواروں کا ذکر کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو سواروں کی
 قلت کا سامنا ہے، آپ نے فرمایا: اس کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا ہم جنگل میں پھرنے والے مویشیوں سے کچھ اونٹ لے
 لیں اور ان سے قائدہ اٹھائیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں! مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے، اس کے ہرگز قریب نہ ہو۔

(صحیف عبد الرزاق ج ۱ ص ۱۳۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظہ کے متعلق فرمایا: اس کا ایک سال اعلان کرے اگر اس کا مالک آجائے تو فہما ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔ (پھر اگر اس کا مالک آجائے) تو اس کو اختیار ہے چاہے وہ ملتقط سے اس کا تلو ان لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ امام محمد نے کہا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار ص ۱۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۵ھ)

امام عبدالرزاق نے ایک طویل حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے، حضرت علی نے فرمایا: اس کا اعلان کر دے اگر اس کے مالک نے اس کو پہچان لیا تو اس کو دے دو، ورنہ اس کو صدقہ کر دو، پھر اگر اس کا مالک آیا اور اس نے صدقہ کے اجر کو پسند کیا تو اس کی مرضی ورنہ تم اس کو تلو ان دو اور تم کو اجر ملے گا۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹-۱۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۰ھ)

حضرت سید بن خلد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لفظہ کے متعلق فرمایا کہ اس کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فہما ورنہ اس کو صدقہ کر دے، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کو اختیار دے، اگر وہ اجر کو اختیار کرے تو اس کی مرضی اور اگر وہ مال کو اختیار کرے تو اس کی مرضی۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۹، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۵۲، مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ایک سال تک اعلان کے بعد بھی مالک نہ آئے تو لفظہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۵۰-۳۴۹)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اگر ایک سال تک اعلان کے باوجود مالک کا پتا نہ چلے تو لفظہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱)

حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح

ان تمام احادیث اور آثار سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اعلان کے بعد لفظہ کا صدقہ کرنا واجب ہے اور غنی کے لیے اسے اپنے نفس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور انہی علماء نے حضرت ابی بن کعب کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ مؤول ہیں اور تاویل یہ ہے کہ حضرت ابی اس وقت خود صدقہ کے مستحق تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لفظہ کو خرچ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابی اس وقت امیر ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں خرچ کی اجازت دینا اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لفظہ بطور قرض دیا تھا۔ اور امام کا لفظہ کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو یا حضرت ابی کی خصوصیت ہو وہ اور خصوصیت پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ سری احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتقط کے لیے لفظہ کے خرچ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ ابن عباس ایسے فقہاء صحابہ نے لفظہ کے صدقہ کرنے کو واجب کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث کی بناء پر کہا ہے۔

اسی طرح حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے فرمایا: ایک سال کے بعد اگر مالک نہ آئے تو تم اس کو خرچ کر لینا اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا مطلوب اس وقت ثابت ہو گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سائل غنی تھا اور یہ ثابت نہیں ہے اس لیے اس حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہے۔ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کے غنا کو ثابت کرنے کے لیے اس سے استدلال کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: "اس کو اپنے مال کے ساتھ ملاؤ۔" اس کے جو جوابات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ بن لیا کہ حضرت ابی کے پاس مال تھا لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ وہ مال بقدر نصاب تھا جس سے ان کا غنی ہونا ثابت ہو جائے اس لیے حضرت ابی کی روایت سے بھی ان کا غنی ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جب تک ان کا غنی ہونا ثابت نہ ہو ائمہ ثلاثہ کا دلول ثابت نہیں ہو گا۔

ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کو لفظ کے خرچ کرنے کی اجازت سے جو استدلال کیا ہے اس کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو حضرت ابی کا غنا ثابت نہیں، کیونکہ ان کے پاس مال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مال بقدر نصاب ہو، ثانیاً حضرت ابی زمانہ نبوی میں غریب اور صدقہ کے مستحق تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابی پر بھی زمین صدقہ کریں، جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں ہے، ثالثاً اگر بالفرض وہ مالدار اور غنی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے مقروض ہوں کہ خود صدقہ سے مستحق ہوں، رابعاً ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لفظ بطور قرض دیا ہو، خامساً ہو سکتا ہے کہ وہ لفظ کسی کافر حربی کا مال ہو اس لیے ان کو خرچ کی اجازت دی ہو، سادساً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہو یا بحیثیت امام آپ کی خصوصیت ہو، سابعاً دوسری احادیث اور آثار صحابہ میں غنی پر لفظ کے خرچ کی ممانعت ہے اور حضرت ابی کی روایت میں اس کی اباحت ہے اور جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔

اس حدیث کی اس طرز سے جو تشریح کی گئی ہے اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل کے جو جوابات ذکر کیے گئے ہیں اس سے فقہ حنفی کی گمراہی اور گمراہی کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کو زیادہ سے زیادہ فروغ عطا فرمائے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب سائل نے گم شدہ چیز کا حکم معلوم کر لیا تو پھر سوال کیا: اگر بھولا بھٹکا اونٹ مل جائے تو؟ اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخسار مبارک سرخ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ میں آنے کی علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے لینے سے منع فرمادیا تھا اور اب اس نے اونٹ کا سوال کیا اس لیے آپ ناراض ہوئے، یا اس لیے کہ سائل نے صحیح قیاس نہیں کیا اور جس لفظ کا لینا معین ہے اس پر اس کو قیاس کیا جس کا لینا معین نہیں ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کو سائل کی کم فہمی پر غصہ آیا کیونکہ وہ لفظ اٹھانے کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور ایک چیز کو اس پر قیاس کیا جو اس کی نظیر نہیں تھی، کیونکہ لفظ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص سے گر جائے اور یہ پتانہ چلے

کہ اس کا مالک کہیں ہے۔ اور اونٹ اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ اسم اور صفت کے اعتبار سے لفظ کا مختار ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ از خود مالک تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے ہوں، کیونکہ سائل کسی حقیقی پیش آمد مسئلہ کا حل نہیں پوچھ رہا تھا بلکہ محض فرضی صورتوں کا سوال کر رہا تھا۔

ائمہ حجاز نے یہ کہا ہے کہ اونٹ، گائے اور گھوڑے میں افضل یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس زمانے میں ان جانوروں کو لے جانا افضل ہے کیونکہ اب ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی، ان کو مالک کے پاس پہنچانے کے لیے لے کر نہیں گیا تو کوئی چور اچانک ان کو لے کر چلا جائے گا۔ علامہ سرفی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو لے جانے کے لیے جو منع فرمایا تھا یہ حکم اس زمانے میں تھا جب عام طور پر لوگ نیک اور امانت دار تھے لیکن اس زمانہ میں یہ اطمینان نہیں ہے کہ وہ اونٹ محفوظ رہے گا اور کوئی خائن شخص اس کو لے کر چلا نہیں جائے گا اس لیے اب اونٹ کو لے جانے میں اس کی حفاظت ہے اور اس کے مالک کے حق کو محفوظ رکھنا ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم جلد خامس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے (یعقوب سے) کہا: اے ہمارے ابا! کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں ○ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ پھل کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ (یعقوب نے) کہا: تمہارے اس کو لے جانے سے میں (اس کی) جدائی میں) ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑا اس کو کھا جائے گا ○ انہوں نے کہا: ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے ○ (یوسف: ۱۲-۱۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کے کھانے کا خطرہ کیوں ہوا؟

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ فرمائش کی کہ وہ حضرت یوسف کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو ٹوک جواب دیا: ایک یہ کہ حضرت یوسف کی جدائی ان کو غمگین کرے گی کیونکہ وہ ایک ہل بھی ان کے بغیر نہیں گزار سکتے، دوسرا یہ کہ وہ اپنی بکریوں کو چراہٹے میں مصروف ہوں گے یا اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں گے اور بھیڑا ان کو کھا جائے گا کیونکہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نزدیک حضرت یوسف کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خطرہ اس لیے تھا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ بھیڑیے نے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی پر ہیں اور حضرت یوسف وادی کے نیچے ہیں، اچانک دس بھیڑیوں نے حضرت یوسف کو گھیر لیا، وہ ان کو پھاڑ کھانا چاہتے تھے، پھر ایک نے ان کو ہٹایا، پھر زمین پھٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دس بھیڑیوں سے مراد ان کے دس بھائی تھے، جب وہ حضرت یوسف کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور جس نے ان کو ہٹایا وہ ان کا بڑا بھائی یهوذا تھا اور زمین میں چھپنے سے مراد حضرت یوسف کا تین دن کنوئیں میں قیام کرنا ہے۔ دو سرا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو ان بھائیوں سے خطرہ تھا اور آپ کی بھیڑیے سے مراد بھی لوگ تھے۔ حضرت یعقوب کو ان لوگوں سے یہ خطرہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیں گے اور آپ نے کنایا ان ہی کو بھیڑا فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

حضرت یعقوب نے ان کو بھیڑیا فرمایا تھا ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو ان بھائیوں سے خطرہ نہیں تھا اگر آپ کو ان سے خطرہ ہوتا تو آپ حضرت یوسف کو ان کے ساتھ نہ بھیجے، آپ کو دراصل بھیڑیے ہی کا خطرہ تھا کیونکہ اس علاقہ کے صحاری میں بھیڑیے بہت زیادہ تھے۔ (الملاحح لاحکام القرآن ج ۷ ص ۷۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور تعلقن اٹھانے والے ہوں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو گیا کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو لوگ ہمیں تعلقن زدہ کہیں گے، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر ہم اپنے بھائی کی حفاظت نہ کر سکے تو پھر اپنی بکریوں اور بھیڑیوں کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے اور ہمارے مویشی ہلاک ہو جائیں گے اور ہم تعلقن اٹھائیں گے، اس کا تیسرا عمل یہ ہے کہ ہم دن رات محنت مشقت کر کے اپنے باپ کی خدمت کرتے ہیں تاکہ اس کی دعا اور دعا حاصل کریں، اب اگر یوسف کو ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا کھا گیا تو ہم اپنے باپ کی ناراضگی مول لیں گے اور اس کی دعا اور ثناء سے محروم ہوں گے اور ہماری پچھلی تمام خدمات ضائع ہو جائیں گی۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوهُ فِي غِيَابِ الْجُبِّ وَ

انفرج جب وہ اس کو لے گئے اور انہوں نے اس کو اندر سے کنویں کی گہرائی میں ڈالنے پر اتفاق کر لیا، اور

أَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑮

ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گہراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کر دے گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی ⑮

وَجَاءُوا بِأَهْمُ عِشَاءٍ يَكُونُ ⑯ قَالُوا يَا بَانَا إنا ذَهَبْنَا نَسْتَبِشُ

اور وہ اُت کے وقت اپنے اپنے پاس سے برے کئے ⑯ انہوں نے کہا اے آبا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دودھ کا مقابلہ کر

وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَلَّهِ الذَّائِبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

ہے تھے، اہم ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا اور آپ ہماری بات ماننے

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ⑰ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ⑱

والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں ⑰ اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے،

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ⑲ وَاللَّهُ

(یعقوب نے کہا) بھیڑیے نے تو میری قمیص کھائی، بلکہ تمہارے دل نے ایک بات کھڑی ہے پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو

الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ⑳ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا

کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اضر ہی سے مدد طلب ہے ⑳ اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے ایک پان لائے

وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً قَالَ يُبْشِرِي هَذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ

وآسے کو بیسہا میں اس نے اپنا دلدل ڈالا، اس نے کہا مبارک ہو یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے یوسف کو مالِ تہمت بنا کر

بِضَاعَةٍ ۝ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ وَشَرُّوهُ بِضَاعٍ

بھاپایا، اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جانتے والا ہے ○ اور بھائیوں نے یوسف کو غلام سے لے کر چند عہدوں کے بدلہ

ذَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

ان ہی کے ہاتھ بڑھ دیا، اور وہ یوسف میں (میسے ہی) رغبت کرنے والے دتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ۱۰۔ الغرض جب وہ اس کو لے گئے اور انہوں نے اس کو اندھے کوئٹھ کی گمراہی میں ڈالنے پر اتفاق کر لیا، اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) مقرب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی ○ (یوسف: ۱۵)

حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں کا راستہ میں زرد کوپ کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے اصرار پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت یوسف اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ میں ان کے ساتھ شدید عداوت کا اظہار کیا ایک بھائی حضرت یوسف کو مار تا تو وہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تو وہ بھی ان کو مار تا بیٹا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو رحم دل نہ پایا۔ قریب تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیتے اس وقت حضرت یوسف کہہ رہے تھے: اے یعقوب! کاش آپ چلنے کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اب یہوذا نے کہا کیا تم لوگوں نے مجھ سے یہ پکا وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم لوگ اس کو قتل نہیں کرو گے، تب وہ حضرت یوسف کو کوئٹھ پر لے گئے اور ان کو کوئٹھ کی منڈیر پر کھڑا کر کے ان کی قیص آندری جس سے ان کا متصد یہ تھا کہ وہ اس قیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا میری قیص واپس کر دو تاکہ میں اس سے اپنے بدن کو چھپاؤں۔ بھائیوں نے کہا اب تم سورج، چاند اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ وہ اس کوئٹھ میں تمہاری تمکساری کریں، پھر انہوں نے حضرت یوسف کو کوئٹھ میں پھینک دیا تاکہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گر گئے، پھر انہوں نے کوئٹھ کے ایک پتھر کی پتلی اور اس پتھر پر کھڑے ہو گئے۔ وہ اس پر کھڑے ہوئے دوسرے تھے کہ ان کے بھائیوں نے ان کو آواز دی، حضرت یوسف یہ سمجھے کہ شاید ان کو رحم آگیا ہے، انہوں نے کہا لبیک۔ انہوں نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضرت یوسف کا نشانہ لیا اب یہوذا نے ان کو منع کیا اور یہوذا ہی ان کو کوئٹھ میں کھٹا پتھا مارا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا: اے وہ جو حاضر ہے عتاب نہیں! اے وہ جو قریب ہے بعید نہیں! اے وہ جو عتاب ہے مغلوب نہیں! میری اس مشکل کو آسان کر دے اور مجھے اس کوئٹھ سے نجات عطا فرما اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے کپڑے آتار لے گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو جنت کی ایک ریشمی قیص پہنائی، پھر حضرت ابراہیم نے وہ قیص حضرت اسحق کو دی اور حضرت اسحق نے وہ قیص حضرت یعقوب کو دی اور حضرت یعقوب نے اس قیص کو ایک غلاف میں ڈال کر وہ غلاف

حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تم میں آئے اور غلاف سے وہ قمیص نکال کر حضرت یوسف کو پہنا دی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۹، تفسیر الباقی ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۷۳۷۳ زاد المسیر ج ۳ ص ۱۸۹-۱۹۰)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی سے مراد وحی نبوت یا الہام؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اس کی طرف وحی کی۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس وحی سے مراد وحی نبوت اور رسالت ہے یا اس وحی سے مراد الہام ہے۔ محققین کی ایک بڑی جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ یہ وحی نبوت تھی، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بچے تھے یا بالغ تھے، بعض نے کہا: حضرت یوسف اس وقت بالغ تھے اور اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ اور بعض نے کہا: اس وقت آپ بچے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی عقل کو کامل کر دیا، اور آپ میں وحی اور نبوت کی اس طرح صلاحیت رکھ دی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صلاحیت رکھی تھی۔ وحی کے متعلق دو ہمارے نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد الہام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ حَسْبَا إِلَٰهِي أَيْمُؤْسَىٰ - (التقصی: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

وَإِذْ حَسْبَا رَبُّكَ إِلَٰهِي السَّحَابِ - (النحل: ۶۸) اور تیرے رب نے شد کی بھیجی کی طرف وحی کی۔

اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس وحی سے مراد وحی نبوت ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا حالانکہ اس وقت وہاں ایسے لوگ نہیں تھے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کا پیغام پہنچاتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت ان پر وحی نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ان کو حامل وحی الہی ہونے کے مرتبہ پر فائز کیا جائے اور ان کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں اور وحی کو وقت سے پہلے اس لیے نازل کیا تھا کہ ان کے دل سے گھبراہٹ اور پریشانی اور رنج اور غم کو دور کیا جائے اور ان کو مطمئن اور پُر سکون کیا جائے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کو خبر نہ ہونے کے محال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔ اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی طرف وحی کی کہ تم آج کے بعد کسی دن اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کر دو گے اور ان کو اس وقت یہ پتا نہیں چلے گا کہ تم یوسف ہو، اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ ان کو عنقریب اس مصیبت سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے بھائیوں پر غالب ہوں گے اور وہ ان کے سامنے مغلوب اور سرنگوں اور ان کی قدرت اور اختیار میں ہوں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ جس وقت وہ گندم طلب کرنے کے لیے ان کے شہر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف نے ان کو پہچان لیا، اور وہ حضرت یوسف کو نہ پہچان سکے، حضرت یوسف نے ان کے ہاتھ پر صلع رکھ دیا اور کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے کہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا ایک بھائی تمہارے تم نے اس کو کو تم میں ڈال دیا تھا اور تم نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اس کو بھیڑیے نے کھالیا۔

(۲) ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کو تم میں یہ وحی کی کہ عنقریب تم اپنے بھائیوں کو ان اعمال کی خبر دو گے اور ان کے بھائیوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے، اور اس وحی کو ان سے مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ حضرت یوسف پر وحی نازل ہوئی ہے تو ان کا حسد اور زیادہ ہو جاتا اور وہ پھر ان کو قتل کر دیتے۔

والد سے اپنے حالات کو مخفی رکھنے میں حضرت یوسف کی حکمت

پہلی تفسیر کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی کہ جب تم اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے

آگاہ کرو گے تو اس وقت ان کو یہ پتا نہیں ہو گا کہ تم یوسف ہو، اور یہ وحی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو قفس میں ہے کہ حضرت یوسف اس وقت تک اپنے احوال سے اپنے والد کو بھی مطلع نہ کریں اور یہی وجہ ہے کہ اتنی مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حالات سے اپنے والد کو مطلع نہیں کیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ ان کے والد ان کے فراق میں سخت رنج اور غم میں مبتلا ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے اور وہ ان سختیوں پر صبر کریں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ اس شدید رنج اور غم کی وجہ سے حضرت یعقوب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں گے اور اس سے دعا کرتے رہیں گے اور دنیا سے ان کی فکر منقطع رہے گی اور وہ عجلت کے درجہ عالیہ پر فائز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم ثواب کے حصول کی خاطر مصائب اور شدائد کی گھنٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے انہوں نے کہا اے ابا! ہم ایک دو سرنے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سلمان کے ساتھ چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھالیا، اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں، اور وہ اس کی قیص پر جھوٹا ٹون لگا لائے (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھلا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑی ہے، پس اب میری جیل کرنا ہی بھرے، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے عہد مطلوب ہے (یوسف: ۱۸-۱۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خبر پتا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے، رات کے وقت کا انتخاب انہوں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ وقت ان کے غم پریش کرنے کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ روایت ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے رونے کی آواز سنی تو پوچھا کیا ہوا؟ کیا تمہاری ٹکریوں کو کوئی حادثہ پیش آیا؟ انہوں نے کہا نہیں! پوچھا: یوسف کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھالیا! حضرت یعقوب نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے، ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے کہا اس کو بھیڑیا کھالیا تو حضرت یعقوب بے ہوش ہو کر گر گئے، انہوں نے ان کو ہوش میں لانے کے لیے پانی کے چھینٹے مارے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی، پھر انہوں نے ان کو پکارا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر سوڑانے ان کے سانس نکلنے کے مواضع پر ہاتھ رکھا تو اس کو ان کے سانس لینے کا پتا نہیں چلا، تب سوڑانے کہا: قیامت کے دن ہمیں سخت عذاب ہو گا! ہم نے اپنے بھائی کو ضائع کر دیا اور اپنے باپ کو قتل کر دیا، پھر سحری کے وقت سے پہلے حضرت یعقوب کو ہوش نہیں آیا، اس وقت حضرت یعقوب کا سر روئیل کی گود میں تھا، حضرت یعقوب نے اس سے کہا کیا میں نے اپنے بیٹے کو تمہارے پاس امانت نہیں رکھا تھا؟ اور کیا میں نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا؟ اس نے کہا اے ابا! اپنا رونا بند کریں تو میں آپ کو اس کا سبب بتاؤں، پھر کہا: ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو ہم نے سلمان کے پاس چھوڑ دیا تھا اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھالیا، پھر حضرت یعقوب نے پوچھا: اس کی قیص کہاں ہے؟ تو انہوں نے حضرت یعقوب کے چہرے پر وہ قیص پھینک دی، حتیٰ کہ حضرت یعقوب کے چہرے پر بھی قیص کا رنگ لگ گیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۹۶، الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۳۸)

دوڑ میں مسابقت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

سستنی کا مادہ سبقت ہے یعنی مقابلہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا یہ مقابلے تیر اندازی میں، گھوڑے کی سواری میں اور دوڑنے میں ہوتے ہیں اور دوڑ میں مقابلہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کی مشق ہو اور ہاتھ پیر

مضبوط ہوں اور بھیڑیوں کو بکریوں کے پاس سے بھاگنے میں مہارت ہو، نسنبق کا معنی ہے ہم دیکھیں کہ ہم میں سے کون آگے نکلے۔ علامہ ابن العربی نے کلمہ مسابقت سابقہ شریعتوں میں بھی تھی، یہ عمرہ خصلت ہے اور اس سے جنگ میں مشق اور مہارت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دوڑ میں مقابلہ کیا ہے اور گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ بھی کرایا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا، حضرت عائشہ آپ سے آگے نکل گئیں، (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) پھر جب میرا بدن بھاری ہو گیا تھا تو میں نے ایک بار پھر مقابلہ کیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آگے نکل گئے، آپ نے فرمایا: یہ پچھلی بار کا بدلہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۳، قدیم، ۲۳۳۲، جدید دار الفکر، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۸)

امام مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذی قرد سے مدینہ کی طرف واپس جا رہے تھے، انصار میں ایک شخص تھا جو دوڑ میں کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا تھا، اس نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو لٹکارا کہ دیکھیں پہلے کون مدینہ پہنچتا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور اس سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔ (صحیح مسلم، جلد: ۳۲ ص ۱۸۰، رقم المسلسل: ۴۵۹۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان بھی مقابلہ کرایا، اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جن گھوڑوں کو انصار کیا گیا تھا ان کا مقابلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنیاء سے لے کر حیتہ الوداع تک کرایا اور جن گھوڑوں کو انصار نہیں کیا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مقابلہ حیتہ الوداع سے مسجد بنو زریق تک کرایا۔ حضرت ابن عمر بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کے درمیان مقابلہ کرایا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۵، السنن الکبریٰ للبیہقی رقم الحدیث: ۳۳۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۸۲، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶)

انصار کا معنی یہ ہے کہ ایک مدت تک گھوڑے کو کھانے کے لیے معمول سے کم چارہ ڈالا جائے اور اس کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے رکھا جائے حتیٰ کہ اس کو خوب پسینہ آئے، پھر اس کے بعد اس کو معمول کے مطابق چارہ ڈالا جائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کے درمیان مقابلہ کرانے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ ہے کہ مقابلہ کی مسافت معین ہونی چاہیے، دوسری یہ کہ دونوں فریقوں کے گھوڑے مساوی صفت کے ہونے چاہئیں یا دونوں مضمر ہوں یا دونوں غیر مضمر ہوں، علیٰ ہذا القیاس اور تیسری شرط یہ ہے کہ یہ مشق ان گھوڑوں میں کرائی جائے جن کو جلد کے لیے تیار کیا جا رہا ہو یا مسلمانوں کے مصلح اور ان کے کام آنے کے لیے گھوڑوں کو رکھا گیا ہو نہ کہ مسلمانوں میں باہمی قتل کے لیے۔

اور نیزہ بازی اور اونٹوں میں دوڑ کا مقابلہ کرانے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیزہ بازی اور اونٹوں اور گھوڑوں میں مقابلہ پر اڑل آنے والے کے لیے انعام کے سوا اور کسی چیز میں سبقت کرنے والے کے لیے انعام لینا جائز نہیں

ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۷۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۸۹ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶ ص ۳۸۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۴۳ مسند شافعی ج ۲ ص ۳۹-۳۸)

نیزہ بازی کے مقابلہ میں تیر اندازی کا مقابلہ بھی داخل ہے اور اونٹ اور گھوڑوں کے مقابلہ میں ہاتھی، ٹیڑا اور گدھا بھی داخل ہے اور بعض علماء نے آدمیوں کی دوڑ کو بھی اس میں شامل کیا ہے اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کوئی تیسرا فریق مقابلہ کرنے والے دو فریقوں میں سے اقل آنے والے فریق کو انعام دے، اس طرح کا انعام دینا جائز ہے اور اگر مقابلہ کرنے والے دو فریق آپس میں شرط لگائیں کہ ہارنے والا جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا تو یہ قمار اور جوا ہے، البتہ پرندوں کے درمیان پیسوں کے عوض مقابلہ کرانے کو علماء نے ناجائز کہا ہے کیونکہ ان کا جملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، ویسے اس دور میں تو اونٹوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، گدھوں اور ٹیڑوں کا بھی جملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو لوگ گھوڑوں یا اونٹوں کا دوڑ میں مقابلہ کراتے ہیں وہ ان پر شرط رکھ کر جوا کھیلتے ہیں اس لیے آج کل کے دور میں اس قسم کے مقابلے جائز نہیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام ضباء تھا وہ کبھی مقابلہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر آیا اور وہ اس سے آگے نکل گیا مسلمانوں کو اس بات سے بہت رنج ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو چیز بھی دنیا میں سر بلند ہو وہ اس کو سرنگوں کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۲ سنن انسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۳۳)

دوڑ میں مسابقت کی شرط کے متعلق مذاہب فقہاء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کیا اور اس کو اپنے مسبوق (مغلوب) ہونے کا خطرہ ہو تو یہ قمار (جوا) نہیں ہے اور جس شخص نے اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کیا اور اس کو اپنے مسبوق ہونے کا خطرہ نہ ہو (یعنی ہدف پر پہلے پہنچنے اور جیت جانے کا یقین ہو) تو پھر یہ قمار (جوا) ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۸۷۶ سنن دار قطنی ج ۵ ص ۱۱۱ المستدرک ج ۲ ص ۳۳ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور زہبی نے اس کی موافقت کی ہے، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۰۵ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۷۷۰ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۰ تلخیص الخیر رقم الحدیث: ۲۰۴۵)

اور دو گھوڑوں کا مقابلہ کریں اور ہر ایک مثلاً ایک ہزار روپیہ رکھ دے اور یہ شرط لگائیں کہ جو شخص ہدف پر پہلے پہنچ جائے گا وہ دونوں کا ہزار روپیہ لے لے گا تو یہ قمار اور جوا ہے اور اگر تیسرا شخص بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائے اور اس نے بالکل پیسے نہ لگائے ہوں اور اس کے لیے بھی ان دونوں کی طرح ہدف پر پہلے پہنچ جانا غیر یقینی ہو اور یہ طے کیا جائے کہ ان میں سے جو بھی پہلے پہنچ جائے وہ دو ہزار روپے لے لے گا اگر وہ تیسرا شخص پہلے پہنچ گیا تو وہ دو ہزار روپے لے لے گا اور اگر وہ پہلے نہ پہنچ سکا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اور اس کو کچھ دینا بھی نہیں ہو گا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی پہلے پہنچ گیا تو وہ دو ہزار روپے لے لے گا تو یہ صورت جائز ہے اور ان میں سے ہر ایک کا دو ہزار روپے لینا جائز ہے۔

علامہ ابو سلیمان محمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

جو تیسرا گھوڑا ان دو گھوڑوں کے درمیان داخل ہو اس کو محلل کہتے ہیں اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ تیسرا گھوڑا سبقت کرنے والے کے لیے سبقت کا انعام حلال کر دے، اور ان دونوں سواروں کے درمیان جو شرط لگائی گئی تھی کہ جو سوار پہلے پہنچے گا وہ اپنا اور دوسرے کا لگایا ہوا مال لے لے گا اور ان میں سے ایک فریق نقصان اٹھانے والا اور دوسرا فائدہ حاصل کرنے والا ہو گا تو وہ شرط ختم ہو جائے گی اور اس شرط کی وجہ سے وہ عقد جو جو اقرار پایا تھا اس تیسرے گھوڑے کے داخل ہونے کی وجہ سے حلال اور جائز ہو جائے گا اور اس محلل کے داخل ہونے کا یہ مقصد ہو گا کہ ان دونوں کے گھوڑا دوڑانے سے یہ قصد ہو کہ ان کو گھوڑا دوڑانے کی مشق ہونے کے بدلے کے حصول کی اور جبکہ محلل کا گھوڑا بھی ان دونوں کے گھوڑوں کی مثل تیز رفتار ہو گا تو ان دونوں کو اس کے ہدف پر پہلے پہنچ جانے کا خطرہ رہے گا اور وہ زیادہ سے زیادہ تیز گھوڑا دوڑانے کی کوشش کریں گے اور اگر محلل کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی طرح تیز رفتار نہ ہو بلکہ مرل اور ست رفتار ہو تو ان کو اس کے پہلے پہنچنے کا خطرہ نہیں ہو گا اور پھر تحلیل کا معنی حاصل نہیں ہو گا اور اس کا درمیان میں گھوڑا داخل کرنا جو قرار پائے گا اور پھر ان دونوں کی لگائی ہوئی شرط اپنے حل پر رہے گی اور ان میں سے جو فریق بھی دونوں کا مال حاصل کرے گا وہ جوئے کے ذریعے کمایا ہوا مال ہو گا اور حرام ہو گا۔

گھوڑوں میں مسابقت اور شرط لگانے کی صورت یہ ہے کہ دو گھڑ سوار ہدف پر پہلے پہنچنے کی شرط لگائیں اور ان میں سے ہر فریق ایک معین رقم (مثلاً ہزار روپے) نکالے کہ جو پہلے ہدف پر پہنچے گا وہ دونوں کی رقم (یعنی دو ہزار روپے) لے لے گا پھر وہ دونوں کسی تیسرے گھڑ سوار کو جس کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی مثل ہو اپنے درمیان داخل کر دیں اور یہ طے کریں کہ جو ہدف پر پہلے پہنچے گا وہ اس مال کو لے لے گا اور محلل کو کوئی چیز دینی لازم نہیں آئے گی پس اگر محلل پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کا مال لے لے گا اور محلل کی ضرورت اس وقت ہوگی جب دو فریقوں کے درمیان شرط ہو، لیکن اگر امیر یا سربراہ دو گھوڑ سواروں کے درمیان مقابلہ کرائے اور یہ کہے کہ مثلاً تم میں سے جو پہلے ہدف پر پہنچ گیا اس کو دس درہم انعام ملے گا یا ایک شخص اپنے ساتھی سے کہے: اگر تو فلاں سے پہلے پہنچ گیا تو تجھے دس درہم ملیں گے تو یہ صورتیں بغیر محلل کے جائز ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کسی مباح چیز تک ذرائع سے پہنچنا جائز ہے اور یہ حیلہ مکروہ نہیں ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۰۱-۳۰۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

دوڑ میں سبقت کی تین صورتیں ہیں: (۱) حاکم یا حاکم کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کہے کہ جو شخص دوڑ میں اول نمبر آئے گا میں اس کو اپنے مال سے اتنا انعام دوں گا پس جو شخص دوڑ میں اول آئے وہ اس انعام کو حاصل کرے گا۔ (۲) دو شخص دوڑنے کا مقابلہ کریں اور ان میں سے ایک شخص اپنے مال میں سے مثلاً ایک ہزار روپے نکالے اور کہے کہ ہم میں سے جو شخص سبقت کرے گا یعنی ہدف پر پہلے پہنچے گا وہ یہ ایک ہزار روپے حاصل کر لے گا اور دوسرا شخص کچھ نہ کہے، پھر اگر رقم رکھنے والا شخص پہلے پہنچا تو وہ ایک ہزار روپے حاصل کرے گا اور اگر اس کا ساتھی پہلے پہنچ گیا تو وہ اس ہزار روپے کو حاصل کر لے گا۔ ان دونوں صورتوں کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (۳) تیسری صورت مختلف فیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو مقابلہ کرنے والوں میں سے ہر شخص ایک معین رقم (مثلاً ایک ہزار روپے نکالے) اور پھر وہ یہ طے کریں کہ ان میں سے جو شخص بھی ہدف پر پہلے پہنچ گیا وہ دونوں کی رقم (یعنی دو ہزار روپے) لے لے گا یہ صورت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ دونوں اپنے درمیان ایک

ایسے محل کو داخل کر لیں جس سے ان دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ان سے پہلے پہنچ سکتا ہے پس اگر محل پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کی رقم حاصل کرے گا اور اگر ان دونوں میں سے کسی نے سبقت کی تو جس نے بھی سبقت کی وہ دونوں کی رقم لے لے گا اور محل کو کچھ نہیں ملے گا اور نہ اسے کوئی چیز دینی ہوگی اور اگر ان میں سے دوسرے نے صرف تیسرے پر سبقت کی تو گویا اس نے کسی پر سبقت نہیں کی اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان محل نہ ہو اور دو مقابلہ کرنے والوں نے یہ شرط لگائی ہو کہ جس نے بھی سبقت کی وہ اپنی رقم اور دوسرے کی رقم لے لے گا تو یہ صراحتاً جوا ہے اور جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عطاء الدین محمد بن علی حنفی حنفی متونی ۸۸۰ھ اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: اگر مسابقت میں ایک جانب سے مل کی شرط لگائی گئی تو یہ عقد لازم ہے اور اگر مسابقت میں دونوں جانب سے شرط لگائی گئی تو یہ حرام ہے کیونکہ اب یہ قرار ہے (جوئے کو قرار اس لیے کہتے ہیں کہ قرار کا معنی کبھی گھٹنا اور کبھی بڑھنا ہوتا ہے اور جوا کھیلنے والوں میں سے ہر فریق کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کا مل لے لے اور دوسرے کا مل بلا عوض لینا قرآن مجید کی نص قطعی سے حرام ہے اور جب صرف ایک جانب سے شرط ہو تو وہ اس طرح نہیں ہے) ہاں اگر وہ دونوں اپنے درمیان ایسے محل کو داخل کر لیں جس کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی مثل ہو تو پھر یہ جائز ہے جبکہ اس سے یہ خطرہ ہو کہ وہ ان دونوں سے پہلے ہدف پر پہنچ سکتا ہو ورنہ اس کا محل ہونا جائز نہیں ہے۔ پھر اگر محل ان دونوں سے پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کی رقم حاصل کر لے گا اور اگر وہ دونوں اس پر سبقت کر گئے تو وہ اس کو کچھ نہیں دیں گے اور ان دونوں میں سے دونوں کی رقم وہ لے گا جو پہلے ہدف پر پہنچے گا۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں گھوڑا دوڑانے کا مقابلہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہنچے اور حضرت ابو بکر کا گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے دھڑ کے قریب تھا اور حضرت عمر کا گھوڑا تیسرے نمبر پر تھا۔

انعامی بانڈز کے جواز کی بحث

ہم نے اس بحث میں مسابقت کی شرط لگانے کے احکام بیان کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ ایک جانب سے شرط لگانا جائز ہے اور دونوں جانب سے شرط لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے اور یہ جوا ہے، اس بنا پر لائری اور معہ اور گھوڑوں یا اونٹوں کی مروجہ ریس جائز نہیں ہے البتہ انعامی بانڈز جائز ہیں، کیونکہ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی ہے اور انسان جتنے کا بانڈ خریدتا ہے۔ وہ جب چاہے اس بانڈ کو اتنے میں فروخت کر سکتا ہے اس پر خواہ کتنی مدت گزر جائے اس کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے نہ کی ہوتی ہے اس میں قرار ہے نہ سود ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان بانڈز کی مجموعی رقم پر جو سود بنتا ہے حکومت اس سود میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے یہ محض ایک مفروضہ ہے، حکومت نے ایسا کوئی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی اسٹیٹ بینک میں الگ الگ خانے بنے ہوئے ہیں کہ فلاں خانہ میں بانڈز کے سود کی رقم پڑی ہوئی ہے اور اس میں سے انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اسٹیٹ بینک کے ڈپازٹ میں جو رقم ہے اس میں سود کی آمیزش ہے اور اسی رقم سے انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں تو پھر سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بھی اسی رقم سے دی جاتی ہیں، وہ بھی ناجائز ہونی چاہئیں بلکہ اسٹیٹ بینک یا کسی بھی بینک سے جو بھی رقم نکالی جائے گی وہ ناجائز ہوگی کیونکہ ہر بینک سودی کاروبار کرتا ہے اور اس کے ڈپازٹ میں جو بھی رقم ہوتی ہے اس میں سود سے حاصل کردہ رقم بھی ہوتی ہے اور اگر اس سودی آمیزش کے بلوجود سرکاری ملازمین کی تنخواہیں اور باقی

مدات میں نکلی ہوئی رقیس جائز ہیں تو انعامات تقسیم کرنے کے لیے جو رقومات نکلی جائیں گی وہ کیونکر ناجائز ہوں گی۔ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں انعامی بانڈز کے جواز پر دلائل دیئے تھے، بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے انعامی بانڈز کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے پھر بعد میں مشتق علی ایڈوکیٹ نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کی تو سپریم کورٹ نے اکثریتی فیصلہ کی بنیاد پر فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا اور انعامی بانڈز کے کاروبار کو جائز قرار دیا، ہم اس مسئلہ کی وضاحت سے پہلے لائری اور قمار سے متعلق تعزیرات پاکستان سے اقتباس پیش کریں گے پھر سپریم کورٹ کے دو ججوں جسٹس پیر محمد کریم شاہ اور جسٹس شفیع الرحمن کے فیصلہ کی نقول پیش کریں گے۔

لائری اور قمار بازی کے متعلق تعزیرات پاکستان کی دفعات کی تشریح

(۱) مقصد: لائری اور قمار بازی دونوں کا تعلق کیونکہ اتفاق اور قسمت آزمائی سے ہوتا ہے اس لیے لائری کا دفتر کھولنا یا لائری نکالنا اس کی بہت اشتہار دینا یا اشاعت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حکومت کی قائم کردہ یا منظور شدہ لائری اس ممانعت سے مستثنیٰ کر دی گئی ہے۔ دفعہ ۲۹۳ الف کا اطلاق ہر اس طریقہ کار پر ہوتا ہے جو سراسر اتفاق پر مبنی ہو چاہے عملی طور پر قرعہ نکال دیا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو۔ (پی ایل ڈی ۱۹۵۸ لاہور ۱۸۸۷)

(۲) لائری: لائری ایک ایسا طریقہ کار (سیکیم) ہے جس سے قرعہ سے یا اتفاق پر مبنی طریقہ سے انعامات کی تقسیم کی جائے، یہ ایک اتفاق کا کھیل ہوتا ہے جس میں ٹکٹ خریدنے والے کے نفع یا نقصان کا انحصار قرعہ ڈالنے یا نکالنے پر ہوتا ہے۔ ٹکٹ محض اتفاق کے خرید کی نشانی ہوتی ہے اور ٹکٹوں کی یہی خرید لائری کی مروج ہوتی ہے۔ اگر کسی انعام کے مواقع یا اتفاق بلا قیمت فراہم کیے جائیں تو یہ لائری نہ ہوگی۔ لائری کا اصول یہ ہے کہ انعامات کی تقسیم محض اتفاق کی بنیاد پر کی جائے۔ اگر لائری کا نتیجہ یہ ہو کہ لائری کا منتظم انعامات تقسیم کیے بغیر ٹکٹوں کی ساری آمدنی خود رکھ لے تو بھی ایسی کارروائی لائری ہی تصور ہوگی۔ لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ روپیہ لگانے والوں کی رقم یا انعامات تقسیم کیے گئے ہوں۔ لائری کا ضروری عنصر یہ ہے کہ انعام یا انعامات تقسیم کرنے کی کوئی سیکم ہو جس کا دارومدار اتفاق پر ہو اور یہ کہ اگر اتفاق کے مطابق یہ فیصلہ کیا جائے کہ کسی شخص کو کوئی انعام نہ دیا جائے اور جو رقم دائر پر لگائی گئی ہو وہ منتظم کو مل جائے گی تو بھی سیکم لائری ہی سمجھی جائے گی۔

(پی ایل ڈی ۱۹۵۸ لاہور ۱۸۸۷)

لائری نکالنا کسی قرعہ یا اتفاق پر مبنی طریقہ سے انعام کا تقسیم کرنا ہے۔ اس میں متعلقہ شخص کی کسی مہارت، فن، ہنر یا مشق کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (۱۹۷۷ پی آر نمبر ۱۳۵)

ایک مقدمہ میں قرار دیا گیا کہ اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لائری کسی حقیقی تجارتی کاروبار کا حصہ اور جزو ہے۔ (۱۹۵۵-۹ پی ایل ڈی ۱۳۳) جرم کے ثبوت کے لیے فی الواقع قرعہ اندازی ضروری ہے۔ لفظ "نکالنا" اس کے لغوی معنی میں لیا جائے گا اس لفظ سے "اہتمام یا انتظام" کے معنی نہیں لیے جاسکتے۔ (۱۹۳۲ مدراس ۱۸۰۲)

"شائع کرنا" کے الفاظ میں شائع کرانے والا اور شائع کرنے والا دونوں شامل ہیں یعنی اشتہار دینے والا اور شائع کرنے والا (اخبار کا مالک) دونوں شامل ہوتے ہیں۔ (۱۵۸۵) ۱۰ بجی ۹۷

قانون کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اتفاق اور نصیب آزمائی پر اپنا پیسہ برباد نہ کریں۔ اس کا انداد اس طریقہ سے بھی کیا گیا ہے کہ لوگوں کو علم ہی نہ ہو سکے کہ کہاں یہ لائری ڈالی جاتی ہے اور وہ ٹکٹ کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اخبارات جو نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ ہیں دفعہ ہذا کے تحت لائری کے اشتہار کی اشاعت سے روک دیئے گئے ہیں تاکہ عوام کو معلوم نہ ہو سکے کہ

اتفاق یا قسمت کے نام پر روپیہ بنور نے کاغذ اکٹلی ہو رہا ہے۔ (۱۷۹) آئی آر ۳۳

”مل“ میں منقولہ یا غیر منقولہ دونوں شامل ہیں۔ ایک فیکٹری نے اشتہار دیا کہ فیکٹری کا مل قرضہ اندازی سے بہت سستی قیمت پر خوش قسمت نمبر والے (کلی نمبر) کو دیا جائے گا تو ایسا مرد دفعہ ہذا کے تحت مجرم قرار دیا گیا۔ (۱۷۹) ۵۰ (۱۷۹) ۵۰ (۱۷۹) ۵۰ اگر بہت سے لوگ مل کر کھٹی ڈالیں اور مسلوں طور پر رقم ڈال کر اس رقم سے قرضہ اندازی کر کے کسی ایک کو ساری رقم ادا کر دیں اور وہ بقایا قرضہ اندازوں میں اپنی قسط ادا کرتا رہے تو یہ لائری کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ (۱۸۹۸) ۲۲ (۱۸۹۸) ۲۲

ایک مقدمہ میں ملزم سگریٹ کھپنی کا مالک تھا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے لائری نکالنے کی تجویز کی اشاعت کی تھی۔ ملزم نے ۲۲ ہزار اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ اشتہار کا مضمون یہ تھا کہ سگریٹ کی کسی ڈبیہ میں خریدار کو کوئی پانچ روپے کا نوٹ رکھا ہوا ملے گا۔ اس سکیم کا مقصد سگریٹ کی فروخت کو بڑھانا تھا۔ سگریٹ ساز کو پانچ پانچ روپے کے دس نوٹ بھیجے گئے کہ سگریٹ بناتے ہوئے ایک ایک نوٹ ڈبیہ میں رکھ دیا جائے اور دوسری ڈبیوں میں غلط طرز کر دیا جائے اور پھر ڈبیوں کو بڑے پیکنوں میں پیک کر دیں۔ یہ قرار دیا گیا کہ یہ صورت لائری بنتی ہے۔ دفعہ میں چونکہ لفظ ”نکالنا“ استعمال کیا گیا ہے جس کے مطابق مخصوص رقم کی ادائیگی کا انحصار کسی واقعہ کے رونما ہونے یا حالت کے ظاہر ہونے پر مشروط ہوتا ہے جو صورت یہاں موجود نہیں ہے لہذا ملزم دفعہ ۲۹۳ الف کے تحت قصور وار نہ تھا۔ (۱۷۹) آئی آر ۳۳ (۱۷۹) ۵۰

(۳) شہادت ثابت کریں:

۱۔ ملزم کے پاس جگہ یا دفتر تھا۔

۲۔ جگہ یا دفتر لائری نکالنے کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔

۳۔ ایسی لائری کی حکومت کی طرف سے اجازت نہ تھی۔

دفعہ کی دوسری شق کے لیے ثابت کریں:

۱۔ ملزم نے تجویز نہ بحث شائع کی تھی۔

۲۔ ایسی تجویز کی نوعیت دفعہ ہذا میں بیان کردہ کسی صورت یا شرط پر ادائیگی وغیرہ تھی۔

(۳) مقدمہ کی اجازت: دفعہ ہذا کے تحت کسی مجرم میں کوئی عدالت دست اندازی نہیں کرے گی جب تک کہ حکومت کے اختیار یا حکم سے کوئی استغاثہ نہ کیا جائے۔ (مجموعہ ضابطہ فوجداری دفعہ ۱۷۹)

(۵) ضابطہ: ناقابل دست اندازی سمن، قابل ضمانت، ناقابل راضی نامہ، قابل سماعت ہر مجلس، قابل سماعت سرسری۔

دفعہ ۲۹۳ (ب) تجارت وغیرہ کے لیے انعام کی پیشکش کرنا

جو کوئی کسی تجارت یا کاروبار یا کسی شے کی فروخت کے سلسلہ میں کسی کوپن، ٹکٹ، نمبر یا عدد یا کسی دیگر طریقہ سے، تجارت، کاروبار یا کسی مال کی خریداری کی تحریک یا حوصلہ افزائی کے لیے یا اشتہاری غرض سے یا کسی شے کو مقبول عام بنانے کے لیے، کوئی انعام، صلہ یا ہجو قسم کا کوئی دیگر مطلوبہ چاہے اسے کوئی نام دیا گیا ہو، چاہے نقدی میں یا جنس میں، پیش کرے گا یا پیش کرنے کا ذمہ لے گا اور جو کوئی ایسی پیشکش کی اشاعت کرے گا اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی مصلحت چاہے تک ہو سکتی ہے یا جرم نہ یا دونوں سزائیں۔

(مجموعہ تعزیرات پاکستان ص ۲۳۰-۲۲۸، مطبوعہ منصور بک ہاؤس، لاہور)

انعامی بانڈز کے متعلق جسٹس پیر محمد کرم شاہ کا فیصلہ

جسٹس پیر محمد کرم شاہ رکن۔۔۔ فاضل وفاق شرعی عدالت نے شیخ مشفق علی ایڈووکیٹ کی طرف سے دائر کردہ پٹیشن کا فیصلہ کرتے ہوئے P.P.C کی دفعہ ۲۹۳-اے کو عی شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار نہیں دیا بلکہ فاضل عدالت نے SUO MOTO اختیارات استعمال کرتے ہوئے P.P.C کی دفعہ ۲۹۳-بی کو زبحہ بحث لا کر حکومت کی طرف سے جاری کردہ انعامی بانڈز سکیم کو بھی خلاف شریعت قرار دیا۔

اس فیصلہ کے خلاف وفاق حکومت نے سپریم کورٹ کے شریعت ایڈیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کی۔ جناب جسٹس شفیع الرحمن صاحب نے اپنے فیصلہ میں اس اپیل کو مسترد کرتے ہوئے وفاق حکومت کو حکم دیا کہ وہ فاضل وفاق شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق ان دونوں دفعات میں مناسب ترمیم کرے۔ نیز انہوں نے اس ترمیم کے لیے ۳۱-۳-۱۹۹۹ء کی تاریخ متعین کی۔ فاضل جسٹس صاحب نے اپنے اس فیصلہ میں کئی دیگر امور پر بھی فاضلانہ بحث کی ہے لیکن مجھے ان کے اس فیصلہ کے صرف اس حصہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا ہے جس میں انہوں نے انعامی بانڈز سکیم کو شریعت کے خلاف ثابت کیا ہے۔

اس فیصلہ میں دو امور زبحہ بحث آئے ہیں: (۱) لائری، (۲) انعامی بانڈز سکیم۔ ان دونوں کو شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔

لیکن میری تحقیق کے مطابق لائری اور انعامی بانڈز سکیم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان میں سے لائری واضح طور پر قمار بازی اور جوا کی ایک قسم ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن انعامی بانڈز سکیم کا تدار سے کوئی تعلق نہیں اس لیے اس کو شریعت اسلامیہ کے خلاف کہنا درست نہیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے چند امور پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) کیا یہ انعامی بانڈز قمار کی قسم میں سے ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ایسے انعامات کا ثبوت فقہ اسلامی میں موجود ہے؟

(۳) کیا قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم انعامات جائز ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سکیم از قسم قمار نہیں کیونکہ اس پر قمار کی تعریف صادق نہیں آتی۔ علماء اعلام نے قمار کی جو تشریحات اور وضاحتیں کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) صاحب "تحفۃ الاحوذی" لکھتے ہیں:

قمار میں متاع کو یا نفع ہی نفع ہوتا ہے یا نقصان ہی نقصان۔

لاں القمار، یکون الرجل مترددا بین

العینم والغرم۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰ ج ۳)

جب وہ بازی لگاتا ہے تو ہارنے کی صورت میں اس کی اپنی پونجی بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور اگر وہ بازی جیت لیتا ہے تو دوسرے بازی لگانے والوں کا سرمایہ بھی اس کو مل جاتا ہے، اس میں سراسر نقصان ہے یا سراسر فائدہ۔

(۲) امام فخر الدین رازی، میسر (جوا) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قمار اس کو کہتے ہیں جس میں سارا مل ہاتھ سے نکل جاتا ہے

ما یوجب دفع المال واحد المال۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۳۰) یا سارا اس کی جمولی میں آگرتا ہے۔

(۳) علامہ ابن نجیم، کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں "قمار" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سمى القمار قمارا لان كل واحد من
المقامرين ممن يحدون ان يذهب ماله الى
صاحبه ويحدون ان يستفيد مال صاحبه وهو
حرام بالنص۔ (البحر الرائق ص ۵۵۳ ج ۸)

(۴) علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

لان القمار من القمار الذي يرداد تارة
ويستقص اخرى وسمى القمار قمارا لان كل
واحد من المقامرين ممن يحدون ان يذهب
ماله الى صاحبه ويحدون ان يستفيد مال
صاحبه وهو حرام بالنص۔ (ص ۸۵ ج ۵)

جب ایک کامل بغیر کسی استحقاق کے دوسرے کو مل جاتا ہے تو اس سے حسد و عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں اور باہمی
محبت و ایثار کے جذبات کاٹم و نشان نہیں رہتا کیونکہ یہ اکل باطل اور عداوت کے جذبات کو فروغ دینے کا باعث ہے اس لیے
شریعت اسلامیہ نے قمار کو حرام کر دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔
(النساء: ۲۹)

تم آپس میں اپنے اموال باطل اور ناجائز ذریعہ سے مت
کھاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ امْشُوا إِلَى الْحَمِيرِ وَالْمَبِيرِ
وَالْأَنْصَابِ الْأَرْثَامِ حَسْبُكُمْ عَمِلَ الشَّيْطَانُ
فَاجْتَرِسُوا لِعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ (المائدة: ۹۰)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے قمار اور جوا کو حرام قرار دینے کی حکمت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا مَأْزِفَ لَكَ الشَّيْطَانُ أَنْ يُؤَفِّعَ بَيْنَكُمْ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْحَمِيرِ وَالْمَبِيرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ
أَنْتُمْ تَعْقِلُونَ۔ (المائدة: ۹۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب و جوا کی حرمت کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور بتایا کہ شراب خوری اور قمار بازی سے
باہمی محبت و پیار کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور حسد و عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں کیونکہ جب کسی جسمانی کلوش اور
ذہنی ریاضت کے بغیر کسی کی دولت کسی کو مل جاتی ہے تو باہمی خیر سگلی کے جذبات دم توڑ دیتے ہیں اور ہارنے والے کے سینہ
میں حسد و عداوت کے انگارے دھکنے لگتے ہیں۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کو غافل کر دیتا ہے اور نماز پڑھنے کی صلت بھی
نہیں دیتا۔

لیکن انعامی بانڈ میں ان چیزوں سے کوئی چیز موجود نہیں۔ یہاں نہ کسی کامل باحق بڑپ کیا جاتا ہے نہ ان سے کسی کی دل شکنی ہوتی ہے، اگر کسی کو انعام نہ ملے تو جو رقم اس نے بانڈ خریدنے میں صرف کی ہے وہ بچوں کی ٹوں پر قرار رہتی ہے۔ وہ جب چاہے اس کو فروخت کر کے اپنی قیمت واپس لے سکتا ہے۔ یہاں مل کے اکل باطل کی صورت بھی موجود نہیں ہوتی اس لیے صورتاً نہ کسی لحاظ سے بھی یہ قرار نہیں تاکہ حرام ہو۔

دوسرے سوال کے متعلق گزارش ہے کہ ایسے انعامات کا ثبوت فقہ اسلامی میں موجود ہے۔ خلیفہ وقت اگر مسلمانوں کو جہاد میں شرکت پر راغب کرنے کے لیے انعام کا اعلان کرے تو یہ جائز ہے اور خلیفہ ان انعامات کو بیت المال سے دینے کا مجاز ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے ”جعل“ کہتے ہیں۔ اگر کفار سے جہاد کے وقت لوگوں کو اس طرح ترغیب دینا درست ہے تو حکومت اگر غربت و افلاس، جہالت، بیماری، منگی، بے روزگاری کے خلاف جہاد کرنے کے لیے کارخانے، ڈیم، تعلیمی ادارے اور ہسپتال تعمیر کرنے کے لیے قرض کی ضرورت محسوس کرے اور ان انعامات کے ذریعہ لوگوں کو قرضہ دینے کا شوق دلائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جعل کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرضہ اندازی شریعت میں جائز ہے اور قرضہ کی اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب ایک چیز کے سب یکساں طور پر مستحق ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو یا چند کو دیا ہو تو قرضہ اندازی سے فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنایا جاتا ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور کسی کو مجال شکایت نہ رہے۔

یہی صورت یہاں بھی ہے۔ سب بانڈ خریدنے والے ان انعامات کے برابر طور پر حقدار ہیں، ان میں سے بعض کو ہی انعام دیا جاسکتا ہے۔ اگر ٹوں ہی بعض کو انعامات دے دیئے جائیں اور دوسروں کو محروم رکھا جائے تو اس طرح دل شکنی کا اندیشہ ہے اس لیے ایسے حالات میں قرضہ اندازی سے ہی بہترین تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ اور جن افراد کو انعام نہیں ملتا ان کا اصل سرمایہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ وہ محفوظ رہتا ہے اور جس وقت چاہیں قواعد کے مطابق وہ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ اس تفصیلی تجزیہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انعامی بانڈ شرعاً جائز ہیں، ان کی مشروعیت میں کسی قسم کا شک نہیں۔

انعامی بانڈز کے جواز کے متعلق جسٹس شفیع الرحمن کا فیصلہ

لاٹری اور انعامی بانڈ سکیم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ لاٹری واضح طور پر قمار بازی اور بھڑا کی ایک قسم ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ انعامی بانڈ سکیم کا قمار سے کوئی تعلق نہیں اس لیے یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ قول نقل فرمایا: اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور ہم نے یوسف کو اپنے سلمان کے پاس چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھالیا اور آپ ہماری بہت مانتے والے نہیں ہیں خواہ ہم بچے ہوں (یوسف: ۱۷)

ان کے اس قول کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کسی بچے آدمی کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم آپ کے نزدیک نہایت معتبر اور بچے بھی ہوتے پھر بھی آپ ہم پر جھوٹ کی تحت لگائے کیونکہ آپ کو یوسف سے بہت شدید محبت ہے اور آپ یہی گمان کرتے کہ ہم جھوٹے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ ہم بچے ہیں لیکن آپ ہم پر جھوٹ کی تحت لگائیں گے اور ہماری تصدیق نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگالائے۔ (یعقوب نے) کہہ: (بھیڑیے نے تو خیر نہیں

کھلایا بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑی ہے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کی خبر کے من گھڑت ہونے کی وجوہ

یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام رونے لگے اور انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: مجھے اس کی قیص دکھاؤ، انہوں نے اس قیص کو سونگھا اور چوما پھر وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے تو وہ ان کو کہیں سے بھی پھٹی ہوئی نہیں دکھائی دی۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے آج سے پہلے اتنا غلغلہ بھیڑا کوئی نہیں دیکھا، اس نے میرے بیٹے کو کھالیا اور اس کو قیص کے اندر سے نکال لیا اور قیص بالکل نہیں بچنی۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے، انہوں نے پھر اپنا بیان بدلا اور کہا: اس کو بھیڑیے نے نہیں کھلایا۔ حضرت یعقوب نے غصہ میں ان سے منہ موڑ لیا اور وہ غم زدہ ہو کر رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بیٹا! بتاؤ میرا بیٹا کھل ہے؟ اگر وہ زندہ ہے تو وہ مجھے لا کر دو اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کو کفن پہناؤں اور دفن کروں۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں کہا: کیا تم ہمارے باپ کا حال نہیں دیکھ رہے وہ کس طرح ہمیں جھٹلا رہے ہیں، آؤ ہم اس کو کنوئیں سے نکال کر اس کے اعضاء کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر اپنے باپ کے پاس اس کے کٹے ہوئے اعضاء لے کر آئیں تب وہ ہماری بات کی تصدیق کریں گے اور ان کی امید منقطع ہوگی، تب یسوذا نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں ساری عمر تمہارا دشمن رہوں گا اور میں تمہارے باپ کو تمہارے سارے کرتوت بتا دوں گا۔ انہوں نے کہا: اب جب کہ تم ہم کو اس تجویز پر عمل کرنے سے روک رہے ہو تو آؤ چلو ایک بھیڑیے کا شکار کرتے ہیں، پھر انہوں نے ایک بھیڑیے کا شکار کیا اور اس کو خون آلود کر دیا اور اس کو رسیوں سے باندھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کر آئے اور کہا: اے ابا! یہ ہے وہ بھیڑیا جو ہماری بکریوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے بھائی کو بھی اسی نے پھاڑ کھیا ہے اور یہ دیکھیں اس کے اوپر خون بھی لگا ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اس کو کھول دو۔ انہوں نے اس کو کھول دیا۔ بھیڑیے نے ایک جھرجھری لی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے قریب آنے لگا، حضرت یعقوب نے اس سے کہا: قریب آ، قریب آ، حتیٰ کہ حضرت یعقوب نے اپنا رخسار اس کے چہرے پر رکھا اور کہا: اے بھیڑیے! تو نے میرے بیٹے کو کیوں کھلایا اور کیوں مجھے اتنے غم میں مبتلا کیا، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! اس کو گویائی عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیے کو گویائی عطا کر دی تو اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو منتخب کر کے نبی بنایا ہے، میں نے آپ کے بیٹے کا گوشت نہیں کھلایا نہ اس کی کھال کو پھاڑا ہے نہ اس کے بالوں کو نوچا ہے اور اللہ کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں دیکھا میں تو ایک مسافر بھیڑیا ہوں، میں مصر کے مغلطت سے آ رہا ہوں، میرا بھائی گم ہو گیا تھا میں اس کی تلاش میں نکلا تھا مجھے معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا، اسی اثنا میں آپ کے بیٹوں نے مجھے شکار کر لیا اور مجھے باندھ کر یہاں لے آئے، اور بے شک انبیاء کا گوشت ہم پر اور تمام وحشی جانوروں پر حرام کر دیا گیا ہے، اور اللہ کی قسم! اب میں ایسے شہر میں نہیں ٹھہروں گا جس میں نبیوں کی اولاد وحشی جانوروں پر جھوٹ باندھتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو چھوڑ دیا، اور کہا: اللہ کی قسم! تم اپنے خلاف حجت کو پکڑ کر لائے ہو، یہ وحشی جانور اپنے بھائی کو تلاش کرنے کی محم پر نکلا ہے اور تم نے انسان ہو کر اپنے بھائی کو ضائع کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تین بار حضرت یوسف کی قیص کا ذکر آیا ہے، ایک بار حضرت یوسف کے بھائیوں نے اس پر جھوٹا خون لگا کر اس قیص کو حضرت یعقوب کے سامنے پیش کیا اور دوسری مرتبہ حضرت یوسف نے لٹکا سے

بھاگ رہے تھے اور عزیز مصر کا سامنا ہوا تو اس کے اہل سے کسی نے گواہی دی کہ یوسف کی قمیص دیکھو، اگر وہ سامنے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف مجرم ہے اور اگر وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو زانیہ مجرم ہے اور قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی، اور تیسری بار جب حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی اور کہا: یہ قمیص لے جا کر میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہیں کیا تھا اور کہا تھا کہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بتائی ہے، اس کی کئی وجوہات تھیں: اول اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو فضیلت اور نبوت سے سرفراز فرمائے گا اور ان کے والدین اور ان کے گیارہ بھائی ان کی تعظیم کے لیے ان کو سجدہ کریں گے اور اس تعبیر کے پورے ہونے سے پہلے ان پر موت نہیں آ سکتی تھی، دوسرے اس وجہ سے کہ ان کے بھائیوں کے بیان میں تعارض تھا، کبھی وہ کہتے تھے کہ یوسف کو بھڑیئے نے کھالیا اور کبھی وہ کہتے تھے کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا، تیسرے اس وجہ سے کہ جس کو وہ باندھ کر لائے تھے اس نے بتا دیا کہ یہ جھوٹے ہیں اور اس نے حضرت یوسف کو نہیں کھالیا اور چوتھے اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ثور نبوت سے جانتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کرنے کے بجائے اپنے بیٹوں کے جرم کے خلاف تفتیش کیوں نہیں کی؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔ امام رازی نے اس مقام پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر تو صبر کرنا واجب ہے، لیکن ظالموں کے ظلم اور سازش کرنے والوں کی سازش پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کے ظلم اور سازش کا ازالہ کرنا واجب ہے، خاص طور پر اس وقت جبکہ کوئی دوسرا ان کے ظلم کا شکار ہو رہا ہو، اور یہاں پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا جھوٹ کھل گیا اور ان کی خیانت ظاہر ہو گئی تو اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں صبر کیا اور انہوں نے اس معاملہ کا کھوج لگانے اور اس کی تفتیش کرنے کی پوری کوشش کیوں نہیں کی تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی طرف سے نازل کردہ مصیبت سے نجات دلائی جاتی اور ان کے بھائیوں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جاتا یہ اعتراض اس وجہ سے اور قوی ہو جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے علم کی وجہ سے یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کو وحی کے ذریعہ بھی یہ معلوم تھا کہ حضرت یوسف زندہ سلامت ہیں، نیز حضرت یعقوب علیہ السلام اس علاقہ میں ایک معزز اور شریف انسان کی حیثیت سے مشہور تھے، اگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا سراغ لانے کی کوشش کرتے تو لوگ بھی آپ کی مدد کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ ان حالات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف کے معاملہ میں صبر کرنا عقلاً اور شرعاً درست نہ تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے معاملہ میں ان کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، نیز ان کو قرآن سے معلوم تھا کہ ان کے بیٹے بہت قوی اور زور آور اور خود سر ہیں، ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے ان کے خلاف تفتیش کرنی شروع کی تو اپنے دافع میں ان کا پہلا کام یہ ہو گا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں گے، پس حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی اور سلامتی کی خاطر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان بیٹوں کے خلاف کارروائی نہیں کی اور بڑی مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی مصیبت کو برداشت کر لیا اور ان کے فراق کو ان کی موت پر ترجیح دی، دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے خلاف تفتیش اور کارروائی کرتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت یعقوب

علیہ السلام کے بیٹوں نے اغوا کی واردات کی ہے اور اس میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی سبکی اور بددلی تھی نیز جب باپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے پر ظلم کیا ہے تو یہ باپ کے لیے سخت عذاب اور تکلیف کا باعث ہے، اگر وہ ظالم بیٹے کو پو نہی چھوڑ دے اور اس کو کوئی سزا نہ دے تو مظلوم بیٹے کے لیے اس کا دل جلتا رہے گا اور اگر وہ اس کو قرار واقعی سزا دے تو اس سے بھی اس کو تکلیف ہوگی کیونکہ وہ بھی بہر حال اس کا بیٹا ہے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام اس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے اس معاملہ میں صبر اور سکوت کرنا اور اس معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہی بہتر جانا۔

صبر جمیل کی تعریف

مجاہد نے کہا: صبر جمیل وہ ہے جس میں گھبراہٹ، بے قراری اور بے چینی نہ ہو۔ حبان بن جبلة بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبر جمیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ صبر ہے جس میں کسی سے شکایت نہ کی جائے۔ ثوری کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ صبر میں تین چیزیں ہیں: اپنا درد کسی سے نہ کہو اور نہ اپنی مصیبت کسی سے بیان کرو اور نہ اپنی تعریف کرو۔ حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بہنوں جبک گئی تھیں، وہ ان کو کپڑے کی ایک دھجی سے اوپر کر رہے تھے، ان سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرے غم کو بہت لمبا عرصہ گزر چکا ہے، تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے یعقوب! کیا تم مجھ سے شکایت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا، تو اس کو معاف فرما دے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۴۱۷-۴۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صبر جمیل کے حصول کے اسباب

امام رازی فرماتے ہیں، صبر کی دو قسمیں ہیں: کبھی صبر جمیل ہوتا ہے اور کبھی غیر جمیل ہوتا ہے۔ صبر جمیل وہ ہے جس میں بندہ کو یہ علم ہو کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس کا یہ ایمان ہو کہ اللہ سبحانہ مالک الملک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، اور جب اس کے دل میں یہ یقین جاگزیں رہے گا پھر وہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت کرنے سے باز رہے گا۔ شکایت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو یہ علم ہو گا کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا حکیم ہے اور عالم ہے اور رحیم ہے اور جب وہ ان صفات سے موصوف ہے تو اس سے جو فعل بھی صلور ہو گا وہ حکمت کے مطابق اور درست ہو گا پس اس وقت وہ مصیبت پر صبر و سکون سے رہے گا اور اس مصیبت پر اعتراض نہیں کرے گا۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب اس پر یہ منکشف ہو گا کہ اس مصیبت کا نازل کرنے والا حق تعالیٰ ہے تو وہ اس کے ٹور کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے گا اور اس مشاہدہ میں اشتغال اس کو اس مصیبت کی شکایت کرنے سے باز رکھے گا اور ایسا صبری صبر جمیل ہے۔

اور جب مصیبت پر صبر اللہ سبحانہ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی رہنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کی وجہ سے ہو تو پھر یہ صبر جمیل نہیں ہو گا۔

اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان کے تمام افعال، اقوال اور اعتقادات اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب کے لیے ہوں تو وہ اچھے اور نیک ہیں ورنہ نہیں، اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

حضرت داؤد بن اسحق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک کام کے متعلق فتویٰ دیجئے، آپ کے بعد میں اور کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے دل سے فتویٰ لو خواہ تمہیں مفتی فتویٰ

دیتے رہیں۔

(طیبتہ اللولیا ص ۹۷ ص ۳۳۳، تہذیب تاریخ و مشق ص ۳ ص ۱۲۳، تحف السلوۃ المستبحین ص ۱۰۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۳۹) اور حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کرنے کے لیے آئے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اپنی انگلیاں جمع کر کے ان کو اپنے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا: اپنے نفس سے فتویٰ لو! اپنے دل سے فتویٰ لو! نیکی وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تمہارے سینہ میں تردد ہو خواہ تمہیں لوگ فتویٰ دیتے رہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸، سنن داری رقم الحدیث: ۲۵۳۳۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۲۷۷۳)

پس اگر کسی کام کو کرنے کے بعد تمہارا دل یہ گواہی دے کہ یہ کام تم نے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے تو وہ نیکی ہے ورنہ نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ اس انسان کو احکام شرعیہ اور حلال اور حرام کاموں کا علم ہو اور ایسا نہ ہو کہ وہ کسی غیر شرعی کام کو اللہ کی رضا سمجھ کر کرتا رہے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں جاہل صوفیاء کا حال ہے، وہ چیخ چیخ کر اور رو رو کر خضوع اور خشوع سے دُعائیں کرتے ہیں اور وہ اپنی دُعائوں میں جعلی اور موضوع حدیثیں پڑھتے ہیں اور انہوں نے بہت سی بدعات وضع کر لی ہیں اور ان کو نیک کام سمجھ کر کرتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

صبر جمیل کی اقسام

جس طرح مصائب اور شدائد پر صبر جمیل کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مصیبت کی تفلوق میں سے کسی سے شکایت نہ کرے، اسی طرح غیظ و غضب اور انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود صبر کرنا اور اپنے دشمن اور مجرم سے بالکل تعرض نہ کرنا اور اس کو معاف کر دینا یہ بھی صبر جمیل ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو معاف کر دیا، اسی طرح اپنی شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قدرت کے باوجود خوفِ خدا سے شہوت کے تقاضوں کو ترک کر دینا بھی صبر جمیل ہے اور اس میدان کے امام بھی سیدنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

جو شخص شہوت یا غضب کے دواغی اور محرکت میں ڈوبا ہوا ہو اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں شہوت کے تقاضوں کو ترک کر دینا بہت آسان ہے اور اس کی بہ نسبت آخرت میں اس کی سزا اور اس کے عذاب کو برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے ایک پانی لانے والے کو بھیجا پس اس نے اپنا ڈول ڈالا، اس نے کہا مبارک ہو، یہ ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے یوسف کو ملی تمہارت بنا کر مچا لیا، اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے ○ اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ والوں سے لے کر) چند درہموں کے بدلہ (ان ہی کے ہاتھ) بیچ دیا، اور وہ یوسف میں (ویسے ہی) رغبت کرنے والے نہ تھے ○ (یوسف: ۲۰-۱۸)

قافلہ والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا

حضرت ابن عباس نے بیان کیا: ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا وہ راستہ بھٹک کر اس علاقہ میں جا پہنچا جس میں وہ کنواں تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا وہ کنواں آبادی سے کلنی دور تھا اور اس کا پانی کڑوا تھا۔ جب حضرت یوسف کو اس کنویں میں ڈالا گیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا جب وہ قافلہ کنویں کے قریب پہنچا تو انہوں نے ایک شخص کو اس کنویں سے پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے جب کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس ڈول کی رسی کے ساتھ

لنگ گئے اور جب ڈول ڈالنے والے نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے حسن و جمال کو دیکھا تو وہ خوشی سے چلایا: مبارک ہو، یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔ ان کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے انتہائی حسین لڑکا دیکھا تو انہوں نے کہا: ہم اس کو بڑی بھاری قیمت لے کر فروخت کر دیں گے اور اس سے ہم کو بہت نفع ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالا تو تین دن کے بعد وہ یہ معلوم کرنے کے لیے اس کنویں پر واپس آئے کہ دیکھیں اب یوسف کا کیا حال ہے؟ اور جب انہوں نے قافلہ کے آثار اور نشانات دیکھے تو اس قافلہ کے پاس گئے اور جب انہوں نے وہاں حضرت یوسف کو دیکھا تو قافلہ والوں سے کہا: یہ ہمارا غلام ہے اور یہ ہمارے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ قافلہ والوں نے ان سے کہا: اس غلام کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے اس بات کو چھپایا کہ وہ ان کا بھائی ہے اور انہوں نے حضرت یوسف سے عبرانی زبان میں کہا: اگر تم نے ہمارا راز فاش کر دیا تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور اس خواب کو بیان کر دیا تو ان کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور اس خواب کی تعبیر کو باطل کرنے کی سازش کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو سخت مصیبت میں ڈال دیا تاکہ یہ تعبیر پوری نہ ہو سکے اور انہوں نے خواب کی تعبیر کو باطل کرنے کے لیے حضرت یوسف کو جس مصیبت میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی مصیبت کو حضرت یوسف کے خواب کے سچا ہونے کا ذریعہ بنا دیا، کیونکہ اس واقعہ کے بعد حضرت یوسف مصر پہنچے اور ہلاخ مصر کے ہارشلین گئے اور ان کے بھائی ان کے قتل ہو کر ان کے سامنے پیش ہوئے اور ان سب نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور ان کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ سے لے کر) چند درہموں کے بدلہ (ان ہی کے ہاتھ) بیچ دیا اور وہ یوسف میں (ویسے ہی) رغبت کرنے والے نہ تھے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ قافلہ والوں نے حضرت یوسف کو ان سے خرید لیا اور وہ حضرت یوسف میں رغبت کرنے والے نہ تھے، کیونکہ ان کو قرآن سے معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جموعے ہیں اور وہ ان کے غلام نہیں ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند ہیں اور انہیں حضرت یوسف کے خریدنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر تھا اور اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا کیونکہ ان کو حضرت یوسف کی قیمت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ تو صرف یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرت یوسف اس علاقہ سے نکل جائیں، عربی میں شراء کا لفظ لغت اخذ اس سے ہے، یہ خریدنے اور بیچنے دونوں معنی میں مستعمل ہے، اس لیے اس آیت میں حضرت یوسف کو خریدنے اور حضرت یوسف کو بیچنے کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

وَمَا كَانَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لَأَمْرًا يَكْرِهِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ

اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قافلہ سے) خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو تنہا و عزم سے بطیراؤ، شاید

اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَ اَوْلَدًا وَاَكْذَلِكْ مَكْنًا لِّيُوسُفَ فِي

یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے، اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے پاؤں

الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ

جما دیے، تاکہ ہم ان کو خواب کی تفسیروں کا علم عطا کریں اور اللہ اسے کام پر

عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ

غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور جب وہ بچگی کی عمر کو پہنچے

اَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَرَاودَتْهُ

تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح نیکو کاموں کو جزا دیتے ہیں ○ اور وہ جس

الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ

خود کے گھر میں تھی اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا

هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا

جلدی آؤ! یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے بھر دی ہے شک

يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأَىٰ

ظالم فلاح نہیں پاتے ○ اس عورت نے ان سے گناہ کا قصد کر لیا اور انہوں نے اس سے بچنے کا قصد کیا، اگر وہ اپنے رب

بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لَنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ

کی دلیل نہ دیکھنے آؤ گناہ میں مبتلا ہو جاتے ایسے ہی کیا کہ ہم ان سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں بے شک وہ

مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ

ہمارے خالص بندوں میں سے ہیں ○ وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے اس عورت نے ان کی قمیصیں پھینچے

مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ

سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے غاصد کو دروازے کے قریب پایا، اس عورت نے کہا اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے

بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ

جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے ○ یوسف نے کہا

رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي وَشَرِهَذَا شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ

اسی نے مجھ اپنی طرف راغب کیا تھا۔ اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی اگر یوسف کی

قَمِيصُهُ قُدَّامِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٩﴾

قمیص آگے سے پٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے ○ اور

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّامِن دُبُرٍ فَكَذَّابَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٠﴾

اگر اس کی قمیص پیچھے سے پٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○

فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصُهُ قُدَّامِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كَيِّدٍ كُنَّ إِيَّائِي

پھر جب اس نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کی سازش ہے، بے شک

كَيِّدَا كُنَّ عَظِيمٌ ﴿٣١﴾ يُوسُفُ أَعْرَضُ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي

تمہاری سازش بہت سنگین ہے ○ یوسف اس سے مدد گزر کرو اور اے عورت! تم اپنے گناہ کی

لَذَائِكُ إِنَّا كُنَّا مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٣٢﴾

معاذی مانگو! بے شک تم گناہ و گمراہیوں میں سے تھیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قالہ سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو تعظیم و تکریم سے فہمراؤ، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے، اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے پاؤں جمادیئے تاکہ ہم ان کو خواب کی تعبیروں کا علم عطا کریں، اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(یوسف: ۲۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے متعلق متعدد روایات

مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کا پادشاہ تھا اس کا لقب عزیز تھا اور اس کا نام ظنیر تھا یہ سبلی کا قول ہے اور امام ابن اسحاق نے کہا اس کا نام اظفیر بن رؤسب تھا اس نے اپنی بیوی کے لیے حضرت یوسف کو خریدا تھا جس کا نام راعیل تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عزیز کے دل میں حضرت یوسف کی محبت ڈال دی تھی تو اس نے اپنی اہلیہ کو یہ وصیت کی کہ اس کو تعظیم و تکریم سے فہمراؤ، حضرت ابن عباس نے کہا جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کے پادشاہ کا وزیر ظنیر تھا اور مصر کا پادشاہ الریان بن ولید تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام الولید بن ریان تھا اور یہی رانج قول ہے، وہ علاقہ کی قوم سے تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کافر بن تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ایک شخص نے فرعون کے دربار میں کہا تھا:

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلِهَا بَيِّنَاتٍ - اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف دلائل کے ساتھ آ چکے ہیں۔ (المومن: ۳۳)

اور فرعون چار سو سال تک زندہ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کافر عوں، حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کی اولاد میں سے تھا اور یہ عزیز جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید ا تھا بادشاہ کے خزانوں پر مامور تھا اس نے حضرت یوسف کو مالک بن دعر سے بیس دنار میں خریدا تھا اور ایک حلہ اور عطین زائد دی تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے حضرت یوسف کو قافلہ والوں سے خریدا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ قافلہ والوں نے حضرت یوسف کی قیمت بڑھا دی تھی۔ ان کی قیمت میں منک، غبر، ریشم، چاندی، سوہ، موتی اور جواہر تھے جن کی مالیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قلیفر نے مالک بن دعر کو یہ قیمت دے کر حضرت یوسف کو خریدا تھا۔

کنعان سے مصر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے چہنچہ کی تفصیل

وہب بن منبہ اور دیگر نے کہا: جب مالک بن دعر نے حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں سے خریدا تو انہوں نے ایک دوسرے کو یہ دستویز لکھ کر دی: مالک بن دعر نے یعقوب کے فلاں فلاں بیٹوں سے یہ غلام بیس درہم کے عوض خریدا ہے اور ان کے بھائیوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور اس کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا جائے اور انہوں نے اس پر اللہ کو گواہ بنایا تھا رخصتی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا: اللہ تمہاری حفاظت کرے، ہر چند کہ تم نے مجھے ضائع کر دیا ہے، اللہ تمہاری مدد کرے ہر چند کہ تم نے مجھے رسوا کیا ہے، اور اللہ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا، انہوں نے حضرت یوسف کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر نگے پٹان پر بٹھایا یعنی پٹان پر کوئی فرش یا پھونٹا نہیں تھا، جب وہ قافلہ آل کنعان کی قبروں کے پاس سے گزرا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی والدہ کی قبر کو دیکھا اور ایک سیاہ قام حبشی ان کے پرے پر مامور تھا اس لمحہ وہ غافل ہو گیا تو حضرت یوسف نے اپنے آپ کو اپنی والدہ کی قبر پر گرا دیا اور ان کی قبر پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اور ان کی قبر سے گلے لگ گئے اور اضطراب سے کہنے لگے: اے میری ماں! سراٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھئے، وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گلے میں غلائی کا طوق پڑا ہوا ہے۔ اس کو اس کے بھائیوں نے اس کے والد سے جدا کر دیا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کر دے، بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور جب اس حبشی نے حضرت یوسف کو پٹان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا، اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس ہیں، اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور حضرت یوسف کو خاک پر لوٹ پوٹ کر دیا۔ اور آپ کو دردناک مار لگائی۔ حضرت یوسف نے کہا: مجھے مت مارو، اللہ کی قسم میں بھاگا نہیں تھا میں جب اپنی ماں کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں اپنی ماں کو الوداع کہوں اور میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا جو تم کو پسند ہو۔ اس حبشی نے کہا: اللہ کی قسم تو بہت برا غلام ہے، تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے، تو نے اپنے مالکوں کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبریل نازل ہوئے اور کہا: اے یوسف! اپنی آواز کو پست رکھیں، آپ نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے، کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے اس زمین کو الٹ پلٹ کر دوں! حضرت یوسف نے کہا: اے جبریل! تمہارا بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے جلدی نہیں کرتا تو جبریل نے زمین پر اپنا پر مارا تو

زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گھن لگ گیا اور قافلہ اس حال میں تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو نہیں پہچان رہا تھا قافلہ کے سردار نے کہا تم میں سے کسی نے ضرور کوئی ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کیا گیا تھا میں اتنے طویل عرصہ سے اس علاقہ میں سفر کر رہا ہوں اور میرے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا تب اس حبشی غلام نے کہا میں نے اس عبرانی غلام کو ایک تھپڑ مارا تھا تب اس نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دعا کی، پتا نہیں اس نے کیا دعا کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہمارے خلاف دعا کی تھی۔ سردار نے کہا تو نے ہمیں ہلاک کرنے کا سہارا کر دیا، اس غلام کو ہمارے پاس لے کر آؤ، وہ حضرت یوسف کو لے کر آیا، سردار نے ان سے کہا اے لڑکے! اس نے تم کو تھپڑ مارا جس کے نتیجہ میں ہم پر وہ عذاب آیا جس کو تم دیکھ رہے ہو، اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو تم جس سے چاہو بدلہ لے لو اور اگر تم معاف کر دو تو تم سے یہی توقع ہے۔ حضرت یوسف نے کہا میں اس امید پر اس کو معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے گا تو اسی وقت وہ گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق اور مغرب میں روشنی پھیل گئی اور وہ سردار صبح و شام حضرت یوسف کی زیارت کرتا تھا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت یوسف مصر پہنچ گئے اور آپ نے دریائے نیل میں غسل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سفر کی تھکاوٹ دور کر دی اور ان کا حسن و جمال لوٹا دیا۔ وہ سردار حضرت یوسف کو لے کر دن میں شہر میں داخل ہوا اور ان کے چہرے کا نور شرکی دیواروں پر پڑ رہا تھا انہوں نے حضرت یوسف کو خریدنے کے لیے پیش کیا تو بادشاہ کے وزیر کھنیز نے حضرت یوسف کو خرید لیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بادشاہ مرنے سے پہلے حضرت یوسف پر ایمان لے آیا تھا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دین کی اتباع کی، پھر جن دنوں میں حضرت یوسف مصر کے خزانوں پر مامور تھے وہ بادشاہ مر گیا اور اس کے بعد قابوس بادشاہ ہوا، وہ کافر تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا۔

عزیز مصر کی فراست

عزیز مصر نے اپنی اہلیہ سے کہا: یوسف کو تعظیم و تکریم سے نھراؤ، یعنی ان کی رہائش کا عمدہ انتظام کرو، ان کو اچھے کھانے کھلاؤ اور خوبصورت کپڑے پہناؤ، پھر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ نامرد تھا اور اس کی اولاد نہیں تھی، اسی طرح امام ابن اطلق نے کہا کہ وہ عورتوں سے مقاربت نہیں کرتا تھا اور اس کی اولاد نہیں تھی، اور اس نے جو کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنالیں گے تو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ اس کو منہ بولا بیٹا بنالیں گے، اور پھیلی امتوں میں منہ بولے بیٹے بنانے کا عام رواج تھا اور اس طرح اول اسلام میں بھی یہ رواج تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں میں سب سے اچھی فراست کا تصور تین آدمیوں سے ہوا، ایک عزیز مصر تھا جس نے حضرت یوسف کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ کر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے۔ دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں شرافت کے آثار دیکھ کر اپنے والد سے کہا:

بَكَتِ اسْتَا جِرَّةُ اِنَّ حَبِیْرَ مِّنْ اسْتَا جِرَّتِ
الْقَوِیُّ الْاَكْبَرُ۔ (القصص: ۲۶)

اے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں، بے شک جن کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں بہترین شخص وہ ہے جو طاقت ور

اور ایمان دار ہو۔

اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں حکمرانی اور جہاں پائی

کی استعداد اور صلاحیت دیکھ کر ان کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۴۳۰ معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۵۱ الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۱-۱۳۹ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۳ روح المعانی ج ۲ ص ۳۳-۳۴)

امام فخر الدین رازی متوفی ۷۱۰ھ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کسی روایت پر قرآن مجید دلالت نہیں کرتا اور نہ کسی صحیح حدیث میں ذکر ہے اور نہ کتاب اللہ کی تفسیر ان میں سے کسی روایت پر موقوف ہے پس صاحب عقل کے لیے ان روایات سے احتراز کرنا زیادہ لائق ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محال

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ اپنے کلم پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ آیت کے اس حصہ کے متعدد محمل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے پر غالب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے، آسمان اور زمین میں کوئی اس کی قضاء کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے حکم کو روک سکتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے امور اور ان کے معاملات پر غالب ہے، ان کے امور اور ان کے معاملات کا انتظام اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان کی اپنی سعی اور کوشش کا دخل نہیں ہے، ان کے بھائیوں نے ان کو ہر قسم کی برائی اور ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ کیا پس جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تدبیر کے مطابق تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام امور اور معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں اور جو شخص بھی دنیا کے احوال اور عجائب میں غور کرے گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا غالب ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب ہے، وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے متعلق فرماتا ہے: ہو چاہے تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور اکثر لوگ نہیں جانتے اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کے غیب پر مطلع نہیں ہیں، بلکہ کوئی شخص بھی از خود غیب کو نہیں جانتا سوا ان کے جن کو وہ خود کسی غیب پر مطلع فرمادے۔

قصۃ یوسف میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں

(۴) حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے اس خواب کو نہ بیان کریں، پھر اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی تقدیر غالب آگئی حتیٰ کہ یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بیان کر دیا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آگئی حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام بلو شام بن گئے اور ان سب نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے والد کی پوری توجہ اور ان کی محبت کو صرف اپنے لیے حاصل کر لیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا غالب آگئی حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل ان سے بیزار ہو گیا بھائیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کر کے نیک اور صالح بن جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آگئی، وہ اپنے گناہوں کو بھول گئے اور ان پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ تقریباً ستر سال کے بعد انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اپنے والد سے کہا انا کسا خطا طشین بے شک ہم خطا

کرنے والے تھے اور انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ جب وہ اپنے باپ کے پاس روئے ہوئے جائیں گے اور ان کو خون آلود قمیص دکھائیں گے تو وہ اپنے باپ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضاء غالب آگئی اور ان کے باپ نے ان کی باتوں سے دھوکا نہیں کھایا اور انہوں نے کہا بیل سولت لکم انفسکم امرا بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بہت گھڑی ہے اور انہوں نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان کے باپ کے دل سے حضرت یوسف کی محبت زائل ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا امر غالب آگیا اور ان کے باپ کے دل میں حضرت یوسف کی محبت اور الفت اور زیادہ ہو گئی اور عزیز مصر کی اہلیہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عزیز مصر سے شکایت کرنے میں پہل کرے گی تو اس کو حضرت یوسف کے خلاف بدگمان کر دے گی لیکن اللہ کی تقدیر غالب آگئی اور عزیز مصر نے اپنی اہلیہ کو قصور وار قرار دے دیا اور کما استغفری لدنک انک کت من الحاطثین اپنے گناہ سے توبہ کر دیے شک تم خطاکاروں میں سے ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کی اور جس شخص نے قید سے رہا ہو کر بادشاہ کو شراب پلائی تھی اس سے کہا بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا لیکن اللہ کا امر غالب آگیا اور وہ شراب پلانے والا بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام مزید کئی سال تک قید خانہ میں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں (یوسف: ۲۲)

پختگی کی عمر میں متعدد اقوال

مجاہد نے کہا اشدّہ (پختگی کی عمر) سے مراد ہے تینتیس (۳۳) سال کی عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیس اور کچھ سال، ضحاک نے کہا: بیس سال، ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: اشد کا معنی ہے قوت اور شباب کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال یا تینتیس سال ہو، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں اس وقت ان کی عمر کی تعیین کی تصریح نہیں ہے اور نہ ہی عمر کی کسی تعیین پر اجماع امت ہے، اس لیے اس لفظ سے وہی مراد لینا چاہیے، جس طرح اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یعنی جب وہ اپنی قوت اور شباب کی انتہاء کو پہنچ گئے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۲-۲۳۱)

حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا، مجاہد نے کہا معنی نبوت سے پہلے عقل اور علم عطا فرمایا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۲-۲۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی ضلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: حکم کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا حکم سے مراد فقہ اور عقل ہے۔ (۲) ابن السائب نے کہا حکم سے مراد نبوت ہے (۳) زجاج نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو حکیم بنا دیا گیا اور زجاج نے کہا ہر عالم حکیم نہیں ہوتا، حکیم وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو استعمال کرے اور اس سے جمل کا استعمال کرنا مستحب ہو۔ (۴) عیسیٰ نے کہا حکم سے مراد ہے صحیح اور درست بات کہنا اور ہلکے لغت نے کہا عرب کے نزدیک حکم وہ قول ہے جس میں جمل اور خطا نہ ہو اور نفس جس چیز کی خواہش کرے اور اس میں ضرر ہو تو وہ

اس خواہش کو رد کر دے اور اسی وجہ سے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کیونکہ وہ ظلم اور کج روی سے روکتا ہے۔
اور علم کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) فقہ (۲) خواب کی تعبیر کا علم۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حکم اور حکمت کا اصل میں معنی ہے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا اور جو کام انسان کے لیے نقصان دہ ہو اس سے منع کرنا اور حکم سے مراد حکمت عملیہ ہے اور علم سے مراد حکمت نظریہ ہے اور حکمت عملیہ کو حکمت ملیہ پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ ریاضت کرنے والے پہلے حکمت عملیہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر اس سے ترقی کر کے حکمت ملیہ تک پہنچتے ہیں اور مفکرین پہلے حکمت نظریہ کو حاصل کرتے ہیں اس کے بعد حکمت عملیہ کو حاصل کرتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کا طریقہ پہلا تھا کیونکہ پہلے انہوں نے مصائب اور مشکلات پر صبر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مکاشفات کے دروازے کھول دیئے اور فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (حکمت عملیہ سے مراد ہے نفس کو برائیوں سے بچانا اور نیکیوں سے آراستہ کرنا اور حکمت ملیہ سے مراد ہے نفس الامرا اور واقع کے تحقق کا علم اور ادراک)

(۲) حکم سے مراد ہے نبوت کیونکہ نبی مخلوق پر حاکم ہوتا ہے اور علم سے مراد ہے دین اور شریعت کا علم۔

(۳) حکم سے مراد ہے نفس مطمئنہ کا نفس المارہ پر حاکم ہونا حتیٰ کہ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ مغلوب اور مقہور ہو جائیں اور عالم قدس سے انوار الہیہ کا جو ہر نفس پر فیضان ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی قوت عملی اور قوت علمی دونوں کامل ہو چکی تھیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶، ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے کہا اگر ان کو بھیج میں نبوت دی گئی تھی تو اس سے مراد ہے ان کے علم اور فہم میں زیادتی فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۱۴۲)

محسنین کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اسی طرح محسنین (نیکی کاروں) کو جزا دیتے ہیں۔ امام ابن جوزی نے کہا محسنین کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) مصائب اور مشکلات پر صبر کرنے والے۔ (۲) ہدایت یافتہ لوگ (۳) مومنین۔

امام محمد بن جریر طبری نے کہا اگرچہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہم ہر محسن کو جزا دیتے ہیں لیکن اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی جس طرح حضرت یوسف کو مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرنے کے بعد ہم نے ان کو زمین میں اقتدار دیا اور علم عطا فرمایا اسی طرح ہم آپ کے ساتھ معاملہ کریں گے اور آپ کو آپ کی قوم کے مشرکین سے نجات عطا فرمائیں گے اور آپ کو زمین پر اقتدار عطا فرمائیں گے اور آپ کے علوم میں اضافہ فرمائیں گے۔ (زاد المسیر ج ۳، ص ۲۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے، بے شک ظالم ظالم نہیں پاتے (یوسف: ۲۳)

حضرت یوسف علیہ السلام کی عنفیت اور پارسائی کا کمال

راودت، رود سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے نری اور حلے سے کسی چیز کو بار بار طلب کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ عزیز مصر کی

یہی تری اور کوچ دار باتوں سے کلن عرصہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اس معنی کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح تعبیر فرمایا کہ وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کے گھر میں رہتا ہو، اس کے زیر احسان ہو وہ اس کا ماتحت ہوتا ہے اور گھروالے کا اس پر مکمل تسلط اور اقتدار ہوتا ہے سو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی مکمل حد سترس میں تھے اور ان کے لیے اس کی فرمائش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا لیکن ان پر خوف خدا کا اس قدر غلبہ تھا کہ باوجود اس بات کے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے زیر احسان تھے، اور اس کے زیر اقتدار اور زیر تسلط تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی فرمائش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا، لہذا اللہ تعالیٰ نے جب اس معنی کو اس طرح تعبیر فرمایا اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا تو اس پیرائے میں تعبیر کرنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال نزاہت ظاہر ہوئی جو اس طرز سے واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر یوں کہا جاتا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی معجز نظام بلاغت کا اظہار ہوتا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف کو ورغلاانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں جس عورت کے گھر میں تھے، اس کے خاوند نے اس کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ حضرت یوسف کو بہت تعلیم اور نکریم کے ساتھ رکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین اور جمیل تھے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، جب وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کو سات کردوں کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی اور ہر کمرہ کا دروازہ بند کر کے تلا لگاتی چلی گئی پھر حضرت یوسف کو اپنے نفس کی طرف راغب کرنے کے لیے کہنے لگی: اے یوسف! تمہارے ہل کتنے حسین ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ ہل الگ ہوں گے۔ اس نے کہا: تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں، آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ آنکھیں ہر جائیں گی۔ اس نے کہا: تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے، آپ نے فرمایا: اس کو مٹی کھا جائے گی۔ اس نے کہا: تمہاری صورت کتنی اچھی ہے، آپ نے فرمایا: میرے رب نے یہ صورت رحم میں بنائی تھی۔ اس نے کہا: اے یوسف! تمہاری صورت میرے جسم میں حلول کر چکی ہے، آپ نے فرمایا: اس میں شیطان تمہاری مطونت کر رہا ہے۔ اس نے کہا: میں نے تمہارے لیے ریشم کا بستر بچھا دیا ہے، انھو اور میری خواہش پوری کرو۔ آپ نے فرمایا: پھر رحمت سے میرا حصہ جاتا رہے گا۔ اس نے کہا: میرے ساتھ چھپ جاؤ، آپ نے فرمایا: میرے رب سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ وہ اسی طرح آپ کو مائل کرتی رہی اور آپ اس سے گریز فرماتے رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث ۵۷۷۵ الوسيط ج ۲ ص ۲۹۰ معالم التنزيل ج ۲ ص ۳۵۲ الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۳۵)

ص ۱۳۵

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۲ھ، امام واحدی متوفی ۳۶۸ھ، امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۴۶۸ھ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے درمیان یہ مکالمہ اسی طرح بیان کیا ہے، اگرچہ اس مکالمہ کے بعض اجزا ہمارے لیے ناقص قسم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کے جسم کے کھلنے کو زمین پر حرام کر دیا ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ان کی آنکھیں زمین میں ہر جائیں گی اور ان کے چہرے کو مٹی کھا جائے گی، موجب اشکال ہے، اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی ذات سے عام انسان کا ارادہ کیا ہو۔

والله اعلم بالصواب!

مخلوق کی بہ نسبت خالق سے حیا کرنا لائق ستائش ہے

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ وہ عزیز مصر میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور میری تعلیم و تکریم کرنے کا حکم دیا پھر یہ کس قدر احسان ناشناسی، ناشکری اور حیا سوز بات ہوگی کہ میں ایسے بے لوث محسن کی بیوی کے ساتھ بدکاری کروں اور اس کی عزت پر ہاتھ ڈالوں اور وہ سراسر قول یہ ہے کہ حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں تو میں اپنے رب کی نافرمانی کروں اور گناہ کا ارتکاب کروں، میں اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں! ہمارے نزدیک یہ دوسری تفسیر رائج ہے کیونکہ مخلوق سے حیا کر کے گناہ سے باز رہنے کی بہ نسبت یہ زیادہ قتل ستائش بات ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ذرا اور اس کے خوف اور اس سے حیا کر کے گناہ سے باز رہے اور پیغمبر کی شان کے لائق یہی دوسری چیز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جوابات کی وضاحت

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کے جواب میں تین باتیں ذکر کیں، پہلے فرمایا: معاذ اللہ! میں اس گناہ کے ارتکاب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، اور میں اللہ کے احکام کی اطاعت کرتا ہوں، اگرچہ تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور مجھے بہت تعلیم اور تکریم کے ساتھ رکھا ہے لیکن تم سے کہیں زیادہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں اور مجھ پر تمہارے حکم کو ماننے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کا زیادہ حق ہے، پھر فرمایا: وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔ مشہور تفسیر کے مطابق اس سے عزیز مصر کو مراد لیا جائے تو معنی اس طرح ہوگا کہ مخلوق کے حق کی رعایت کرنا بھی واجب ہے اور عزیز مصر نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ اب ان احسانات کا بدلہ میں میں اس کی عزت کو پامال کروں تو یہ کس قدر بری بات ہوگی، پھر فرمایا: بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے، اس کا معنی یہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضرر سے بچائے، تم جس گناہ کی دعوت دے رہی ہو، اس کی لذت بہت کم ہے اور بہت کم وقت کے لیے ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت کا عذاب ہے اور جب قلیل لذت کے مقابلہ میں ضرر شدید ہو تو پھر اس لذت کو ترک کرنا واجب ہے اور اگر اس لذت کو ترک نہ کیا تو آخرت میں فلاح حاصل نہیں ہوگی۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کا صحیح اور جائز محل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد میں جو شہوت رکھی ہے، اس کو خرچ کرنے کا جائز اور صحیح محل اس کی منکوحہ ہے، اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو اپنی منکوحہ کے بجائے کسی اور عورت میں خرچ کرے تو یہ ظلم ہے اور ایسا کرنے والا ظالم ہوگا اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، سو اس حسین ترتیب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کو یہ حکیمانہ اور نامحکمہ جوابات دیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کر لیا، اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے (تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے) یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم اس سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں، بے شک وہ ہمارے غصے بندوں میں سے ہیں (یوسف: ۲۳)

”ہم“ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے متعلق حدیث

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۷۴۰ھ لکھتے ہیں: ہم اس فکر کو کہتے ہیں جس سے انسان گھل جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ہممت الشحہم میں نے چربی کو پگھلا دیا ہے اور ہم کا معنی ہے دل میں کسی چیز کا قصد کرنا قرآن مجید میں ہے:

يَذْهَبَ قَوْمٌ اَنْ يَسْطُوْا اِلَيْكُمْ اِيْدِيَهُمْ۔
جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ وہ (لڑنے کے لیے) تمہاری
(المائدہ: ۱۱) طرف ہاتھ بڑھائیں۔

(الفردات ج ۲، ص ۷۰۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

دل میں اچانک کسی چیز کا خیال آ جائے تو اس کو ہا جس کہتے ہیں اور اگر بار بار کسی چیز کا خیال آئے تو اس کو حاصر کہتے ہیں اور جب دل اس چیز کے متعلق سوچنا شروع کر دے اور اس کے حصول کا منصوبہ بنانے لگے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں اور جب اس کام کو کرنے کا رائج اور غالب قصد ہو اور مرجوح اور مغلوب قصد نہ کرنے کا ہو کہ مبادا اس میں کوئی خطرہ ہو اس کو ہب کہتے ہیں اور جب کام نہ کرنے کی مغلوب اور مرجوح جانب بھی ختم ہو جائے اور انسان یہ پکا قصد کر لے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے، خواہ فائدہ ہو یا نقصان تو اس کو عزم اور نیت کہتے ہیں، اور انسان اسی عزم کا مکتف ہے۔ اگر گناہ کا ہم کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر گناہ کا عزم اور اس کی نیت کی جائے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔

(جمل ج ۱، ص ۲۳۹، مرقا ج ۱، ص ۲۲۳)

ہم کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ نیکی کا ہمہ (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو میں اس کی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اس کی دگنی تک اور اگر میرا بندہ معصیت کا ہمہ (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی وہ معصیت نہیں لکھتا اور اگر وہ اس معصیت پر عمل کرے تو میں اس کی صرف ایک معصیت لکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحديث: ۳۸، صحیح البخاری رقم الحديث: ۶۳۵۰، مسند احمد ج ۲، ص ۲۲۲، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحديث: ۳۶۶۷)

مسند ابویعلیٰ رقم الحديث: ۳۶۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۳۸۰، شرح السنن رقم الحديث: ۳۴۸)

وہم بھا کے ترجمہ کے دو محمل

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کے ساتھ گناہ کا قصد کر لیا تھا اور وہم بھا کا ہمارے نزدیک عتار معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اس گناہ سے اپنا دامن بچانے کا قصد کیا اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ حضرت یوسف بھی گناہ کا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے بہر حال اگر یہ معنی بھی ہو تو اپنے رب کی دلیل نہ دیکھنے کی تقدیر پر حضرت یوسف علیہ السلام سے جو قصد صادر ہوتا وہ ہم کے درجہ میں ہوتا اور گناہ کا عزم نہ ہوتا اور جو چیز ممنوع اور معصیت ہے وہ گناہ کا عزم ہے نہ کہ گناہ کا ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی صحت میں اس قدر راسخ تھے اور اپنی ذات میں اس قدر کامل اور مکمل تھے کہ ایک حسین اور صاحب اقتدار عورت نے ان کو اپنی طرف راغب کرنے کی پوری کوشش کی اور ان کو حصول لذت کی دعوت دی لیکن انہوں نے خوف خدا کے غلبہ سے اس کی دعوت کو مسترد کر دیا اور ایسے ہی پاکبازوں کے متعلق حدیث میں یہ نوید ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن کسی کا سایہ نہیں ہو گا اس دن سات آدمی اللہ کے سامنے ہوں گے: امام عادل، وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا، وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے، وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں طیس اور اللہ کی محبت میں انگ ہوں، اور وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب اور

صاحب محل عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور وہ آدمی جو تھلکی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۱ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۰۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۷، کتاب الاسماء والصفات ص ۲۷۷-۲۷۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۰۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۵۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۲۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۳۳۰ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۳۹ ج ۹ ص ۲۵۳-۲۵۴)

آیا حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صلور ہوا تھا یا نہیں؟

بعض حقدین مفسرین نے ایسی روایات لکھی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا لیکن زنا کے تمام مقدمات میں ملوث ہو گئے تھے (ہم ایسی روایات اور خرافات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں) اور انہوں نے دلائل سے اپنے اس مکروہ موقف کو ثابت کیا ہے، ہم پہلے ان روایات کو رمزاور کنایہ سے درج کریں گے کیونکہ ان کو بعینہ درج کرنے سے ہمارا دل لرزتا ہے اور ہم میں ان کو اسی طرح درج کرنے کی ہمت نہیں ہے، پھر ان روایات کے ثبوت میں ان کے دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر ان کا رد کریں گے۔

وہم بہا کی باطل تفسیر

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہم (قصداً) کی کیا کیفیت تھی؟ انہوں نے کہا وہ عورت چت لیٹ گئی اور حضرت یوسف بیٹھ گئے۔ (اس کے آگے حیا سوز عبارت ہے) اور یہ سعید بن جبیر، ضحاک، سدی، مجاہد، ابن ابی بزہ، اعمش اور حسن بصری کا قول ہے اور یہی حقدین کا قول ہے اور متاخرین نے دونوں قصصوں میں فرق کیا ہے۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے کہا اس عورت نے گناہ کا قصد کیا اور وہ اپنے قصد پر ڈٹی رہی، اور حضرت یوسف نے بھی معصیت کا قصد کر لیا تھا لیکن انہوں نے معصیت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ اس پر اصرار کیا پس دونوں کے ہم (قصداً) میں فرق ہے، اور ابن الانباری نے اس کی شرح میں کہا اس عورت نے زنا کا عزم کیا اور حضرت یوسف کے قلب میں معصیت کا خطرہ ہوا اور حدیث نفس بھی عارض ہوئی لیکن ان کے اس ہم (قصداً) پر گناہ لازم نہیں آیا، جیسے کسی نیک شخص نے سخت گرمی کے دنوں میں روزہ رکھا ہوا ہو اور اس کو ٹھنڈا اور ٹھنڈا پانی دکھائی دے اور اس کے دل میں پانی پینے کا خیال آئے اور وہ اس کا منصوبہ بھی بنائے لیکن وہ خوف خدا کی وجہ سے پانی نہ پئے تو اس سے اس بات پر مواخذہ نہیں ہو گا کہ اس کے دل میں پانی پینے کا خیال کیوں آیا تھا۔

زجاج نے کہا: مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف نے گناہ کا ہم (قصداً) کر لیا تھا اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ اس کام کو کرنے کے لیے بیٹھتا ہے وہ اس طرح بیٹھ گئے تھے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا:

وَمَا أَكْبَرُ نَجْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ
اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا بیشک نفس تو بڑی اُنّی کا
لَا أَمَّا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّيَ غَفُورٌ رَحِيمٌ
ہمت حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے،
بیشک میرا رب ہمت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے۔
(یوسف: ۵۳)

ابن الانباری نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین سے جو روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف نے گناہ کا قصہ کر لیا تھا اور وہ اس کو ان کا عیب نہیں شمار کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا قصہ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکا اور ان کا یہ اقدام محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے احکام کی تعظیم کی وجہ سے تھا اور جن لوگوں نے حضرت یوسف کے لیے گناہ کا قصہ ثابت کیا ہے، وہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور تابعین میں سے وہب بن منبہ اور ابن سیرین وغیرہم ہیں اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند درجات کو ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ جاننے والے تھے، جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ کے قصہ کی نفی کی ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ اس سے ان کا عیب بیان کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور ابو عبید نے کہا: جب اللہ تعالیٰ گناہوں سے انبیاء علیہم السلام کی توبہ قبول فرماتا ہے تو وہ تمہاری توبہ تو بہت جلد قبول فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور وہ بھی اس کا قصہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

لولا ان رابرهان ربہ کی باطل تفسیریں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علامہ المفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کی مثل دکھائی گئی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: کیا تم بد معاشوں کا سا عمل کر رہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء علیہم السلام میں لکھا ہوا ہے، پس حضرت یوسف کو یہ سن کر حیا آگئی۔ حسن بصری نے کہا: حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں منسل ہو کر آگئے تھے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے حضرت یعقوب مثلی جسم میں آئے اور ان کے سینہ پر ہاتھ مارا تو ان کی انگلیوں کی پوروں سے شوت نکل گئی۔ سدی نے کہا کہ حضرت یوسف نے دیکھا کہ حضرت یعقوب اپنے گھر میں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں: یا یوسف! اس سے بدکاری نہ کرو، تم ایسا شخص جب تک بدکاری نہ کرے وہ اس پرندہ کی طرح ہے جو فضا میں اڑ رہا ہو اور اس کو کوئی پکڑ نہ سکتا ہو اور جب وہ بدکاری کرے تو وہ اس پرندہ کی مثل ہو گا جو مرنے کے بعد زمین پر گر جائے اور اپنے نفس سے کسی چیز کو دور نہ کر سکے اور مجاہد نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف جب اس عورت کے پاس بیٹھ گئے تو ان کے سامنے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا:

﴿إِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۖ يَكُرُّوْنَ كَمَا كُرِّهْتُمْ لِذٰلِكَ ۚ وَلَٰكِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (الانفطار: ۱۱)

اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں ۝ معزز لکھنے والے ۝ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

یہ دیکھ کر حضرت یوسف اٹھ کر بھاگے اور جب ان دونوں کے دلوں سے دہشت دور ہو گئی تو پھر لوٹ آئے وہ لیٹ گئی اور حضرت یوسف بیٹھ گئے، ان کے سامنے پھر بازو اور بغیر جوڑ کے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْيَتٰمٰی حَتّٰی تَاْرِثُوْهُ ۚ كٰنَ فَاٰحِشَةً یَّوْسَافَ ۚ﴾

اور یتیم کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت سبب لگتا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۲)

برابر است ہے۔

حضرت یوسف پھر اٹھ کر بھاگے اور وہ عورت بھی بھاگی اور جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہو گئی تو پھر پہلی حالت پر لوٹ گئے، تب پھر اسی طرح ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝
اور اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ کی طرف لوٹائے
جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا
جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (البقرہ: ۲۸۱)

وہ دونوں پھر اٹھ کر بھاگے اور جب ان سے خوف دور ہو گیا تو پھر وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے
جبریل سے کہنا اس سے پہلے کہ میرا بندہ گناہ میں مبتلا ہو جائے اس کو جا کر منہاں لو، تب حضرت جبریل اپنی انگلی دائیں میں
دبائے ہوئے آئے اور کہنا اے یوسف! تم جاہلوں کا عمل کر رہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء میں لکھا ہوا ہے۔

(الوسیط ج ۲، ص ۶۰۹-۶۰۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

وہم بہا اور لولا ان راہرہاں رہ کی تفسیر میں ان روایات کو درج ذیل مفسرین نے بھی اپنی تصانیف میں درج کیا
ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۵۰-۲۳۹) امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ (تفسیر امام ابن
ابی حاتم ج ۷ ص ۲۳۶-۲۳۳) امام ابو الیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی ۳۷۵ھ (تفسیر السمرقندی ج ۴ ص ۱۵۷) امام الحسین بن مسعود
البغوی المتوفی ۵۱۱ھ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۵۳-۳۵۴) علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ (زاد المسیر ج ۳
ص ۲۰۹-۲۰۳) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۴۲۸ھ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۳۶-۳۷) قاضی بیضاوی متوفی
۶۸۵ھ نے لولا ان راہرہاں رہ کی تفسیر میں ان روایات کو درج کیا ہے (الانوار التنزیل مع معانی القاضی ج ۵ ص ۲۹۰) علامہ
جلال الدین سیوطی متوفی ۸۹۹ھ نے (الدر المنثور ج ۳ ص ۵۲۵-۵۲۱) میں ان سب روایات کو درج کیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تمام روایات باطل اور مردود ہیں اور وضائیں نے جعلی سند بنا کر ان روایات کو حضرت ابن عباس اور
حضرت علی رضی اللہ عنہم ایسے صحابہ اور اخبار تابعین کی طرف منسوب کر دیا ورنہ ان نفوس قدسیہ کا مرتبہ اس سے بہت بلند
ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام ایسے محنت مآب اور مقدس نبی کے متعلق ایسی عریاں اور فحش روایات بیان کرتے۔ غور
کیجئے کہ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ جب عنز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے فرمایا: اللہ
کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (یوسف: ۲۳) اور
ان وضائیں نے ایسی نکلی خرافات کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا، ہمارے نزدیک قرآن مجید کی یہ ایک
آیت ہی ان روایات کے رد اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامن اور گناہوں سے برأت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔
ہمارے مفسرین چونکہ روایات جمع کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو درج کر دیا
ورنہ ان کے دلوں میں انبیاء علیہم السلام کی عظمت ہم سے بہت زیادہ تھی۔

وہم بہا کے اکثر صحیح اور بعض غلط محال

علامہ ابوالحسن علی بن محمد اللوری المتوفی ۴۵۰ھ نے لولا ان راہرہاں رہ کی تفسیر میں تو یہی وضعی روایات درج کی
ہیں لیکن وہم بہا کی تفسیر میں بعض صحیح محال بیان کیے ہیں اور بعض محال غلط ہیں، ہم اس بحث کو مکمل کرنے کی خاطر ان
محال کا بھی ذکر کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے ہم (قصداً) کے متعلق چہ قول ہیں:

(۱) بعض متاخرین نے کہا ہے کہ جب عنز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش

کی تو حضرت یوسف نے اس کو مارنے کا قصد کیا۔

(۲) قُطْرِبَ نے کہا اس عورت نے حضرت یوسف سے اس کام کا قصد کیا یہ مکمل کام ہے اس کے بعد نیا جملہ ہے جس میں ۱۲ مقدم ہے اور شرط موخر ہے اور معنی اس طرح ہے: اگر انہوں نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی تو وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے۔

(۳) اس عورت نے قتلاہ شہوت کا قصد کیا اور حضرت یوسف نے اپنی محنت پر قائم رہنے کا قصد کیا۔

(۴) حضرت یوسف نے جو اس عورت کا ہم کیا قتلاہ عزم اور ارادہ نہ تھا بلکہ وہ فعل اور ترک کا میلان تھا اور حدیث نفس (دل کے خیالات) میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب اس کے ساتھ عزم نہ ہو اور نہ اس کے بعد فعل کا ارتکاب ہو۔

(۵) حضرت یوسف کے ہم سے مراد یہ ہے کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت سے جو طبعی تحریک ہوتی ہے وہ تحریک ہوئی اگرچہ وہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھتے ہوں۔

(۶) انہوں نے اس عورت سے بدکاری کا ہم کیا اور اس کا عزم کر لیا، حضرت ابن عباس نے کہا انہوں نے.....

انبیاء علیہم السلام کو گناہ گار قرار دینے کی توجیہات اور ان کا ابطال

علامہ باوردی نے وہم سہا کا یہ چمنہ مکمل جو بیان کیا ہے، یہ قطعاً باطل اور مردود ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے اور اس روایت کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت وضعی اور جعلی ہے، ان کا دامن اس جھوٹ اور تہمت سے پاک ہے۔ علامہ باوردی نے اس باطل قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل تلویحات کی ہیں: کہا گیا ہے یہ ہم (قصد) تو محصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے محاصی کی تین توجیہات ہیں:

(۱) ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ میں مبتلا کیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوفزدہ رہے اور جب بھی اس گناہ کو یاد کرے تو خوب عبادت کرنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحمت کی وسعت پر اچھوٹ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں میں مبتلا کیا تاکہ جب اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے درگزر کرے اور آخرت میں انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہ دے تو وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں میں اس لیے مبتلا کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے میں اور گناہوں پر توبہ کرنے کے بعد اس معافی کی توقع اور مایوسی کو ترک کرنے میں گناہ گار لوگ ان کو اپنا مقتدا قرار دیں۔

(الکتب والبیون ج ۳، ص ۲۵-۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہ سوا، نہ عمد، نہ صورت، نہ حقیقت۔ علامہ باوردی نے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کو ثابت کرنے کی جو تین توجیہات ذکر کی ہیں یہ بھی باطل اور مردود ہیں اور اب ہم حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر دلائل پیش کریں گے۔

مستقول وبالله التوفیق۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف گناہ کی تہمت کا رد اور ابطال

ان روایات میں ہرچند کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف صراحۃً زنا کی نسبت نہیں کی ہے لیکن یہ صراحت کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس حرام کام کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گئے (مطہ اللہ) اور جو چیز حرام ہو، اس کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کبار اور صغائر سے معصوم ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی

عصمت پر ہم نے مفصل دلائل قرآن مجید ص ۳۶-۳۷ اور شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۲۹۷-۲۹۸ میں ذکر کیے ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان روایات میں جن برے کاموں کی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے، ان کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیت کافی ہے:

وَرَوَدَنَّهُ الْغَيْثُ هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنِ النَّفْسِ
وَعَلَّقَتْ لِأَتْوَانٍ أَلْحَبًا فَاسْتَبَقَتْ لَكُلِّهَا مَعَادَ
الْثَّوَابِ رَتَبِي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
الظَّالِمُونَ (یوسف: ۲۳)

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے انہیں اپنی
طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ!
یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس
نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے، بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے O

کس قدر رنج اور افسوس کی بات ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے اس کو سختی سے رد کر دیا اور اپنے رب کے انعام و اکرام کا ذکر کیا اور اس کام کو ظلم قرار دیا، ایسے پاکباز، مقدس اور اللہ سے ڈرنے والے نبی کے متعلق ایسی حیا سوز اور بے ہودہ روایات ذکر کی جائیں۔

حضرت یوسف کی گناہوں سے برأت کے متعلق دوسری آیت یہ ہے:

كَذَلِكَ لِيُصْطَفَىٰ لَكَ الْبَسَاءُ
يَا يٰمُوسَىٰ هَٰذَا نِعْمُ الْوَعْدُ ۖ هَٰذَا هِيَ الْأَرْضُ الَّتِي بَعَثْنَا فِي الْأَرْضِ
نَبِيًّا ۖ ذُرِّيَّتُكَ يَكُونُ كَلِمَةً لِلْعَالَمِينَ (یوسف: ۲۴)

یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم ان کو بے حیائی اور بدکاری
سے دور رکھیں۔

ان روایات میں جو فحش افعال حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں کیا وہ بے حیائی اور بدکاری کے کام نہیں ہیں، کیا انجبی اور نامحرم عورت کے سامنے ایک مرد کا برہنہ ہونا فحاشی اور بے حیائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ہم نے یوسف کو بے حیائی اور بدکاری سے دور رکھا اور ان وضامین نے عین بے حیائی اور بدکاری کو اپنی جعلی روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیا اور حیرت ان مفسرین پر ہے جنہوں نے ان روایات کو تقویت پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے لیے پہلے گناہوں کو ملنا پھر گناہوں کی توجیہات کیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهُ يُبْصِرُ عَصَاكَ الْخَافِيَّةَ (یوسف: ۲۴)

بے شک وہ ہمارے قلعہ بندوں میں سے ہیں۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے قلعہ بندے ہیں ان کے متعلق شیطان نے بھی اعتراف اور اقرار کیا ہے کہ وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا تُصِيبُهُمْ أُجُوبَتُهُمْ إِلَّا
عِزَّاؤُكَ يُصِيبُهُمُ الْمُخَضَّبُونَ (ص: ۸۳، ۸۴)

شیطان نے کما تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ
کر دوں گا مگر ان کے جو تیرے قلعہ بندے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن ہونے پر متعدد شہادتیں

اللہ تعالیٰ کی گواہی سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان گناہوں کی تمت دور ہو گئی، علاوہ ازیں مخلوق نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت پر گواہی دی، کیونکہ اس واقعہ میں جو لوگ جتا ہیں ان میں خود حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی ہے، اس کا خلاف ہے، اور عزیز مصر کی بیوی کے خاندان کا گواہ ہے اور سب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور پارسائی کو بیان کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

هِيَ رَوَدَّتْنِي عَنِ نَفْسِي (یوسف: ۲۶)

یہ عورت خود مجھے بے کاری تھی۔

رَبِّ اسْتَجِبْ حَبْرَاتِي وَمَتَا يَدْعُونَنِي
رَبِّ يَوْسُفَ (یوسف: ۲۷)

اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت
دے رہی ہیں، اس کی پ نیت مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔

اور عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تحت سے برأت اس طرح بیان کی:

وَلَقَدْ رَآدْنَاهُ عَنِ نَفْسِهِ فَأَشْتَعَلْصَمَّ ۝

بے شک میں نے اس کو ہٹایا اور اس نے اپنے آپ کو (گناہ سے) بچائے رکھا۔

(یوسف: ۳۲)

عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے

میں نے ہی ان کو ہٹایا تھا اور بے شک وہ بچوں میں سے ہیں۔

فَالْتَمَسَتْ أُمُّهُ الْفَرِيرَ الشَّنَّ حَصَّحَصَّ الْحَقُّ
أَنَّا رَآدْنَاهُ عَنِ نَفْسِهِ وَإِنَّ أَلْسِنَ الصِّدِّيقِينَ ۝

(یوسف: ۵۱)

اور عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اس طرح بیان کی:

اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کی گہری سازش ہے اور

یقیناً تمہاری سازش بہت بڑی ہے ۝ اسے یوسف! تم اس بات

سے درگزر کرو اور اسے عورت! تو اپنے جرم کی معافی طلب کرو،

بے شک تو ہی خفا کاروں میں سے ہے ۝

فَأَلَّا إِنَّهُ مِنْ كِبَلٍ كَبَلٌ كَبَلٌ كَبَلٌ عَطِيبٌ ۝
يُوسُفُ عَفِيفٌ عَنْ هَذَا وَاسْتَعِيزَ لِذُنُوبِهِ
رَبُّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝ (یوسف: ۲۸-۲۹)

اور گواہوں نے اس طرح برأت بیان کی:

اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی،

اگر ان کا کرتا آگے سے پہن ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹ

بولنے والوں میں سے ہیں ۝ اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پہن ہوا ہے

تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ بچوں میں سے ہیں ۝

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَبِيلُهُ
مُذَرٍّ فَلَا فَصْدَقْتَ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝
وَإِنْ كَانَ قَبِيلُهُ قَدْوسٌ دُبِّرَ فَكَبَبْتَ وَهُوَ مِنَ
الصِّدِّيقِينَ ۝ (یوسف: ۴۷-۴۸)

لولا ان را برهان رہے کو ذکر کرنے کا فائدہ

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ گناہ سے بچنے کا قصد کیا تھا تو پھر اس کے بعد یہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے کہ "اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی جزا مہذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر وہ معصیت میں مبتلا ہو جاتے اور اس کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے جو گناہ کا قصد نہیں کیا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں عورتوں کی طرف رغبت کرنے کا بلکہ نہیں تھا یا وہ عورتوں کے ساتھ اس فطری فعل پر قادر نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے رب کے دین اور اس کی شریعت کے براہین اور دلائل کا علم تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نامحرم اور اجنبی عورتوں سے خواہش نفس پوری کرنے کو حرام کر دیا ہے، اور وہ اللہ کے نبی تھے اور نبی کو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہوتا ہے پس انہوں نے جو بدکاری اور گناہ سے بچنے کا قصد کیا اس کی وجہ نہیں تھی کہ وہ بدکاری پر قادر نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی شریعت کی برہان سے واقف تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اجنبی عورت سے خواہش نفس پوری کرنا حرام ہے۔ امام رازی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد کا دوسرا عمل یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے آپ سے حصول لذت کا قصد کیا اور آپ نے اس کو اس کام سے منع کرنے اور ڈانٹنے کا قصد کیا اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں اس قول کا کیا فائدہ ہو گا کہ "اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو" اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کیا کہ اگر آپ نے اس عورت کو حصول لذت سے منع کیا اور ڈانٹا تو یہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش

کرے گی اور آپ کو قید کر دے گی سو آپ کا بدنامی اور قید میں جلا ہونا اس فحش کام میں جلا ہونے سے بہتر ہے کیونکہ انجام کار آپ کی برأت اور نیک نامی بھی ظاہر ہو جائے گی اور آپ کو قید سے رہائی بھی مل جائے گی اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس چیز کا علم نہ ہوتا تو آپ مصیبت میں جلا ہو جاتے۔

لولا ان رابرهان ربہ کے مزید محال

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب کی جو برہان دیکھی تھی اس کے دو محل تو وہ ہیں جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ بھی اس کے کئی صحیح محل ہیں:

(۱) رب کی برہان سے مراد نبوت ہے جو بے حیالی اور گنہ کے کاموں سے منع ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو برے کاموں اور گناہوں سے منع کریں، اگر وہ لوگوں کو برے کاموں سے منع کریں اور وہ خود سب سے بڑی برائی میں ملوث ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید میں داخل ہو جائیں گے:

بَايَتُهُمُ الْيَمِينَ امْسُوا لِيَمْ يَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصافات: ۲-۳)

اے ایمان والو! ایسی بات تم کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے؟ ۝ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے اس کے موافق عمل نہیں کرتے تھے، فرمایا:

اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنَسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (البقرہ: ۸۳) جاتے ہو۔

کیا تم لوگوں کو نیک کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اور جو چیز یہود کے حق میں باعث مذمت ہو وہ اس رسول کی طرف کیسے منسوب ہو سکتی ہے جس کی تائید معجزات سے کی گئی ہو۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تھا کہ شریعت میں زنا حرام ہے اور ان کو اس کے دلائل پر مطلع کیا گیا تھا اور زانی کے لیے دنیا میں جو سزا مقرر کی گئی ہے اور آخرت میں اس پر جو عذاب دیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان تمام امور پر مطلع کیا گیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو برے اخلاق سے پاک اور صاف رکھا ہے، بلکہ جو نفوس قدسیہ انبیاء علیہم السلام سے متصل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی بری عادتوں اور برے کاموں سے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ (المجادلہ: ۳۳)

اللہ ہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور وہ تمہیں اچھی طرح پاک اور صاف رکھے۔

السوء، الفحشاء اور المخلصین کے معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم ان سے السوء اور الفحشاء کو دور رکھیں، بے شک وہ ان سے قلع بندوں میں سے ہیں۔

السوء اور الفحشاء میں کئی وجہ سے فرق ہے، السوء کا معنی ہے: ہاتھ کا جرم اور الفحشاء کا معنی ہے زنا۔

دو سرا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے زنا کے مبادی اور مقدمات مثلاً بوس و کتار اور شہوت سے دیکھنا اور الفحشاء کا معنی ہے زنا۔ (تفسیر کبیر) اور تیسرا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے شہوت اور الفحشاء کا معنی ہے بغل گیر ہونا جو تھا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے بری باتوں کا ذکر اور الفحشاء کا معنی ہے زنا پانچوں فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے اپنے ساتھی کی خیانت کرنا اور الفحشاء کا معنی ہے بے حیائی کا مرتکب ہونا۔ (الجامع لاحکام القرآن)

نکاح کی قرأت لام کی زیر کے ساتھ بھی ہے اور لام کی زیر کے ساتھ بھی ہے، اگر لام کی زیر کے ساتھ قرأت ہو تو اس سے مراد ہے جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ عزوجل کی اطاعت کی اور اگر لام پر زیر کے ساتھ قرأت ہو تو اس سے مراد ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے جن لیا۔ (انوار التہذیب)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اس عورت نے ان کی قیاس پیچھے سے پھڑپھڑائی اور ان دونوں نے اس عورت کے خلوئے کو دروازے کے قریب پایا، اس عورت نے کہا: اس شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔ (یوسف: ۲۵)

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگانا
یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور وہ عورت ہر دو شخص ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، حضرت یوسف کا ارادہ تھا کہ وہ جلدی سے آگے نکل جائیں تاکہ دروازوں سے باہر جا کر اس عورت کے بچھائے ہوئے بدکاری کے جل سے نکل جائیں اور اس عورت کا ارادہ تھا کہ حضرت یوسف کو نکلنے نہ دے، اس نے حضرت یوسف کو پایا اور پیچھے سے ان کی قیاس پکڑ کر کھینچی اور زور سے کھینچنے سے وہ قیاس پھٹ گئی، کیونکہ حضرت یوسف بھاگ رہے تھے اور وہ پیچھے سے کھینچ رہی تھی اور اس زور ازوری میں وہ قیاس پیچھے سے پھٹ گئی، اور جب وہ دونوں دروازے سے باہر نکلے تو دروازے کے قریب اس کا شوہر کھڑا تھا اس عورت نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اور حضرت یوسف پر جھوٹا الزام لگانے کے لیے بولنے میں پل کی اور کہنے لگی اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔ یعنی اس کو کوڑے لگائے جائیں۔

عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف سے جو شدید محبت تھی اس وجہ سے اس نے پہلے ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر پھر اس کے بعد ان کو سزا دینے کا ذکر کیا کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت پہنچائی جائے، اس عورت نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ یوسف کا میرے ساتھ زنا کا ارادہ تھا بلکہ یوں کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی نوجوانی کی عزت اور زور کے کمال اور شہوت کی استواء کے باوجود اپنے آپ کو گناہ میں ملوث ہونے نہیں دیا تو اس کو حیا آئی کہ وہ ان کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت کرے اس لیے اس نے کنایہ اور تعریف کے ساتھ کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی ترغیب دی اور اپنی طرف مائل کرنا اور رجھلنا چاہا اور اس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو سختی سے منع کیا، ڈانٹا اور مارا تو اس کو اس نے برائی کے ساتھ تعبیر کیا ہو اور اپنے خلوئے کے ذہن میں یہ ڈالا ہو کہ حضرت یوسف اس سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ (زاد المسیر و تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قیاس آگے سے بھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت بھی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے۔

اور اگر اس کی قیاس پیچھے سے بھی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف بچوں میں سے ہے (یوسف: ۲۷-۲۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کی تمہمت سے برأت اور ان کے صدق کے شواہد

حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداءً اس عورت کا پردہ فاش نہیں کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی اپنی عزت اور پاک دامنی پر حرف آ رہا ہے تو پھر انہوں نے حقیقت حال واضح کی، حضرت یوسف علیہ السلام کے صدق اور آپ کی پاک دامنی پر متعدد شواہد تھے، ان میں سے بعض شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام بظاہر عزیز مصر کے پروردہ اور غلام تھے اور جو شخص پروردہ اور غلام ہو، اس کا اپنے مالک پر اس حد تک تسلط اور تصرف نہیں ہوتا اور وہ اس کی عزت اور ناموس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

(۲) عزیز مصر اور اس عورت کے چچا زاد بھائی نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت تیزی سے دروازے کی طرف نکلنے کے لیے بھاگ رہے تھے اور عورت ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی، اس سے واضح طور پر پتہ چلتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے اور وہ عورت ان کے درپے تھی، اگر حضرت یوسف علیہ السلام اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والے ہوتے تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا، وہ عورت بھاگ رہی ہوتی اور حضرت یوسف اس کے پیچھے ہوتے۔

میرے استاد حضرت مفتی محمد حسین فیسی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس عورت نے تو ساتوں کمروں میں تالے لگا دیئے تھے اور دروازے بند کر دیئے تھے، پھر حضرت یوسف کو اس سے بھاگنے کا موقع کیسے ملا؟ انہوں نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام نے دل میں اللہ سے دعا کی: اے اللہ مجھے اس عورت سے بچا، اور اس گناہ سے بچنے کے لیے جو کچھ میں کر سکتا ہوں اور جو کچھ میری قدرت میں ہے، وہ میں کرتا ہوں اور جو میں نہیں کر سکتا وہ تو کر دے، سو انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور بند کمروں کے دروازے کھلتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کا ہر معاملہ میں یہی طریقہ ہے، جو کچھ بندہ کر سکتا ہے وہ بندہ کرے اور جو بندہ نہیں کر سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔ دیکھئے غلہ کی پیداوار کے لیے زمین میں بل چلاتا ہوتا ہے، بیج بوتا ہوتا ہے، کھیت میں پانی دیتا ہوتا ہے، پھر اس کے پکنے کے لیے سورج کی حرارت، ذائقہ کے لیے چاند کی کرنیں، پانی کے حصول کے لیے بارش اور دانے کو بھوسے سے الگ کرنے کے لیے ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورج، چاند، بارش اور ہوائیں انسان کی قدرت میں نہیں ہیں، تو جو کام اس کی قدرت میں نہیں ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، بھاگنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قدرت میں تھا انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے بند دروازے کھولنے شروع کیے۔

(۳) عزیز مصر اور اس عورت کے عم زاد نے دیکھا کہ اس عورت نے مکمل طور پر بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا اور خود کو بیلا اور سنوارا ہوا تھا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نہنت کا کوئی اثر نہیں تھا، وہ اسی طرح معمول کے مطابق حالت میں تھے، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کام کی دعوت دینے والی وہ عورت ہی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس سے اپنا دامن بچانے والے تھے۔

(۴) عزیز مصر نے مشاہدہ کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک طویل مدت تک ان کے پاس رہے اور انہوں نے ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کو صداقت اور شرافت کا پیکر پایا اور کبھی ان میں غیر شائستہ اور غیر متوازن کام نہیں دیکھا اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی واضح شہادت ہے۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے نہایت بے باکی سے بے دھڑک اور دو ٹوک الفاظ میں کہا: یہ مجھے اپنی طرف راغب کر رہی تھی جبکہ اس عورت نے مبہم اور مجمل کلام کیا اور کہا: اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا

ارادہ کرے، کیونکہ جو مجرم ہوتا ہے وہ ہر حال دل میں ڈرتا ہے۔

(۶) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کا خاوند عاجز تھا یعنی نامرد تھا اور اس عورت میں طلبِ شہوت کے آثار بھرپور تھے لہذا اس فتنہ کی اس عورت کی طرف نسبت کرنا ہی زیادہ مناسب تھا اور چونکہ یہ تمام قرآن حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرتے تھے اور اس عورت کو مجرم ثابت کرتے تھے اس لیے عزیزِ مصر نے توقف اور سکوت کیا کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور یہ عورت جھوٹی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت پر ایک اور دلیل ظاہر فرمائی جس سے یہ قرآن اور قوی ہو گئے اور یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس الزام سے بری ہیں اور یہ عورت ہی مجرم ہے اور وہ خارجی شہادت یہ ہے: اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی اگر یوسف کی قیص آگے سے بچی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قیص پیچھے سے بچی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف بچوں میں سے ہے (یوسف: ۲۷-۳۱) اس شہد کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) ایک نوزائیدہ بچہ جو پالنے میں تھا اس نے یہ گواہی دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار بچوں نے پالنے میں کلام کیا: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، صاحبِ جریج، شہد یوسف اور فرعون کی بیٹی ماشہ کا بیٹا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۲۲ عالم الکتب و دار الفکر، مسند ابو یوسف رقم الحدیث: ۲۵۱ جامع البیان رقم الحدیث: ۳۳۳۳ تفسیر امام

ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۵۵۰۳ حسن، سعید بن جبیر، ضحاک و غیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے، جامع البیان ج ۲ ص ۲۵۵-۲۵۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۳۸)

(۲) وہ شہد اس عورت کا عمزاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا اخلاق سے وہ اس وقت عزیزِ مصر کے ساتھ اس عورت کے پاس جا رہا تھا اس نے کہا ہم نے دروازے کے پیچھے کچھ آہٹ اور قیص پھنسنے کی آواز سنی ہے، مگر ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس کے آگے تھا اگر قیص آگے سے بچی ہے تو اسے عورت تم سچی ہو اور اگر قیص پیچھے سے بچی ہے تو مرد سچا ہے اور اسے عورت تم جھوٹی ہو، پھر جب انہوں نے قیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے بچی ہوئی تھی۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب اس نے یوسف کی قیص پیچھے سے بچی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کی سازش ہے، بے شک تمہاری سازش بہت سنگین ہے۔ یوسف اس سے درگزر کر د اور اسے عورت! تم اپنے گناہ کی معافی مانگو، بے شک تم گناہ گاروں میں سے تھیں (یوسف: ۲۹-۳۸)

عزیزِ مصر کی بیوی کو معافی مانگنے کی تلقین

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس گواہ کا قول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس عورت کے خاوند یعنی عزیزِ مصر کا قول ہو، عزیزِ مصر نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے یوسف! تم اس سے درگزر کرو، اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس بات کو مخفی رکھو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرو کیونکہ اگر یہ بات پھیل جاتی تو اس سے عزیزِ مصر کی بدنامی ہوتی، کیونکہ اگر کسی شخص کی بیوی بد چلن ہو تو یہ اس شخص کے لیے موجبِ عار ہوتا ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کا بے قصور ہونا اور اس عورت کا مجرم ہونا ظاہر ہو گیا تو اس گواہ نے کہا کہ تم اپنے خاوند سے معافی مانگو کیونکہ تم نے اس کی امانت میں خیانت کرنے کی جسارت کی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے خاوند نے کہا ہو کہ تم اپنے گناہ کی اللہ سے معافی مانگو، کیونکہ اگرچہ وہ لوگ کافر اور بہت پرست تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں فرمایا تھا:

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ الْكَفْرِ مَعْبُودٌ بِمِثْرٍ يَأْتِيكَ اللَّهُ جُوعًا وَبُخْبَارًا

الْقَهَّارُ (یوسف: ۳۹)

ہے۔

عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا: بے شک تم گنہگاروں میں سے تھیں، اس کے خلوند نے اپنی بیوی کی طرف گناہ کی نسبت کی اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خلوند کو ابتداء ہی سے یہ معلوم تھا کہ قصور دار اور خطاکار اس کی بیوی ہے نہ کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی غلاماں کرتی رہتی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے خلوند میں غیرت کا مادہ بہت کم تھا ورنہ اگر اس میں غیرت اور حمیت ہوتی تو وہ ایسی بد چلن اور بد قماش عورت کو قتل کر دیتا یا اس کو بہت سخت اور جبرت ناک سزا دیتا پھر طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا لیکن اس نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ بیوی سے یہ کہا کہ تم اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ غلام قرطبی نے کہا ہے کہ مصریوں میں غیرت کا مادہ کم ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے غیرت کا مادہ سلب کر لیا ہو۔

عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا

عزیز مصر یا اس عورت کے عم زاد نے کہا: تم عورتوں کی سازش بہت عظیم ہوتی ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا. (النساء: ۲۸)

اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

پس جب انسان فی نفسہ ضعیف ہے تو انسان کی ایک صنف یعنی عورت کا مکر اور ان کی سازش عظیم کیسے ہو سکتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی خلقت فرشتوں، جنات، آسمانوں، سیاروں اور پہاڑوں کی بہ نسبت ضعیف ہے اور عورتوں کا مکر اور ان کی سازش مردوں کے مکر اور ان کی سازش کے مقابلہ میں عظیم ہوتی ہے، اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھانے کے لیے عید گاہ میں تشریف لے گئے، جب آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے خواتین! تم صدقہ کیا کرو، کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ اہل دوزخ میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو اور خلوند کی ناشکری کرتی ہو، اور عورتیں جو ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں ان میں سے میں نے کوئی ایسی نہیں دیکھی جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار اور دانا مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین میں کیا کمی ہے اور ہماری عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہوت مرد کی شہوت کا نصف ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے، آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۵۷۶ السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰۳ مسند احمد ج ۴ ص ۲۶ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۳۳۳، عالم الکتب ودار الفکر)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ

اور عورتیں شہر میں یہ باتیں کر لے گئیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے فرجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب

نَفْسُهُ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَدْرِيهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۳۵﴾

کر رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو مرتد جے راہ روی میں دیکھ رہے ہیں ○

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا

جبہ اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لیے نیچے سجا کر ایک مغل منقہ کی

وَأَتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا

اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے باہر آؤ، ان عورتوں نے

رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا

جب یوسف کو دیکھا تو بہت عظیم مانا اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور کہا سبحان اللہ! یہ

بَشَرًا إِنَّ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۳۶﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي

بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے ○ اس نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی

فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَٰكِن لَّمْ يَفْعَلْ

تھیں، میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بھارا، اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں

مَا أَمْرُهُ لِيُسْجَنَ وَلَا يَكُونَا مِنَ الضَّٰعِفِينَ ﴿۳۷﴾ قَالَ رَبِّ

نے اس سے کہا ہے، تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا ○ یوسف نے کہا اے میرے

السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَلَا أَتَصَرَّفُ عَنِّي

مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش

كَيْدًا هُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۸﴾ فَاسْتَجَابَ

مجھ سے وعدہ کی تریں ان کی طرف نال ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا ○ پس ان کے رب نے

لَهُ رَآيَهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۹﴾

ان کی دعا قبول کی اور ان کو عورتوں کی سازش سے محفوظ کر دیا، بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

تَزَيُّدَ الْهَرَمِ مَنْ يَعْدِ مَا سَأَلَ وَالْآيَاتِ لَيْسَ جُنَّةً حَتَّىٰ حِينٍ ۝

پھر یوسف کی پاکبازی کی، علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی باتیں ہوئی کہ وہ کچھ مصر کے لیے یوسف کو ضرور قید کر دیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتیں شرم میں یہ باتیں کہنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں ○
(یوسف: ۳۰)

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی

ان عورتوں کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ چار عورتیں تھیں اور دو سرا قول یہ ہے کہ وہ پانچ عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے ایک ہاشمہ کے ساقی کی بیوی تھی، دوسری ہاشمہ کے وزیر کی بیوی تھی، تیسری جیل کے داروغہ کی بیوی تھی، اور چوتھی ہاشمہ کی بیوی تھی۔ مقاتل نے ان چار کے علاوہ نقیب کی بیوی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۶۶۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قد شغفها حبا: اس کے دو معنی ہیں: شغاف اس کھل کو کہتے ہیں جو دل پر محیط ہوتی ہے، اس کو قلب کا غلاف کہتے ہیں، یعنی حضرت یوسف کی محبت اس کھل تک پہنچ کر اس کے دل میں سرایت کر گئی تھی اور اس کا دو سرا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت اس کے دل کا اس طرح احاطہ کر چکی تھی جس طرح غلاف کسی چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ (لسان العرب، الصحاح) ان عورتوں نے کہا: بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں کیونکہ حضرت یوسف ان کے نزدیک غلام کے حکم میں تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کو عزیز مصر سے مانگ لیا تھا۔ عزیز مصر نے حضرت یوسف کو اسے بخش دیا، اور پوچھا تم اس کا کیا کرو گی؟ اس نے کہا: میں اس کو چٹا بناؤں گی۔ اس نے کہا: یہ تمہارا ہے۔ اس عورت نے حضرت یوسف کی پرورش کی اور اس کے دل میں حضرت یوسف کی محبت تھی، وہ حضرت یوسف کے سامنے بن سنور کے رہتی تھی اور مختلف جیلوں سے حضرت یوسف کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لیے نیکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی، اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی، اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے ہا ہر آؤ، ان عورتوں نے جب یوسف کو دیکھا تو بہت عظیم جاناؤں انہوں نے اپنے ہاتھ کٹ ڈالے اور کہا: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے ○ (یوسف: ۳۱)

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی کا منشاء

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی نکتہ چینی کو کمر سے تعبیر فرمایا ہے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان عورتوں نے یہ نکتہ چینی اس لیے کی تھی تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بُرخِ زہا کو دیکھ سکیں کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ جب عزیز مصر کی بیوی ان کی اس تنقید کو سنے گی تو وہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارک دکھائے گی تاکہ ان عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ حضرت یوسف پر فریفتہ ہو گئی ہے تو وہ اس میں معذور ہے۔

(۲) عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کو اپنا رازدار بنایا تھا اور یہ بتا دیا تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی

ہے، لیکن جب ان عورتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تو یہ ان کی بد عہدی اور مکر تھا۔

(۱۳) ان عورتوں نے اس کی غیبت کی تھی اور یہ غیبت مکر کے مشابہ تھی۔

یہ عورتیں بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر کٹہ چینی کر رہی تھیں کہ وہ اپنے غلام پر فریفت ہو گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنا عقد رظاہر کرنے کے لیے انہیں حضرت یوسف کا حسین و جمیل چہرہ دکھائے، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضی وقت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ابو بکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہو گا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے، آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ پھر حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہیں کہ حضرت ابو بکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہو گا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ حضرت حفصہ نے اسی طرح کہا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو، تم تو حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: میں تمہارے مقابلہ میں کبھی خیر کو حاصل نہیں کر سکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۳۳۳، السنن الکبریٰ للشیخانی رقم الحدیث: ۷۰۸۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فشاء یہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک مرتبہ حکم دینے سے حضرت ابو بکر کو امام بنادیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کوئی کہنے والا یہ کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے کسی حال میں یہ حکم دیا تھا یا سو یا غفلت میں یہ حکم دیا تھا یا اتفاقاً یہ حکم دیا تھا اگر آپ کی توجہ کسی اور کی طرف دلائی جاتی تو آپ اس کو حکم دے دیتے، لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو دوبار حضرت عمر کی طرف توجہ دلائی گئی اور آپ نے ہر بار حضرت ابو بکر ہی کو امام بنانے کا حکم دیا تو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غفلت سے یا بیماری کے کسی حال میں یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ پوری توجہ، حاضر دماغی اور بیداری ذہن کے ساتھ یہ حکم دیا تھا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا بار بار کسی اور کا سوال کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر بار بلا صرار حضرت ابو بکر ہی کا حکم دینا حضرت ابو بکر کی امامت کو پختہ اور موکد کر دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: تم حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو یعنی جس طرح وہ بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر کٹہ چینی کر رہی تھیں اور حقیقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جمیل دیکھنا چاہتی تھیں اسی طرح تم بھی بظاہر یہ کہہ رہی ہو کہ کسی اور کو امام بنایا جائے اور درحقیقت تم یہ چاہتی ہو کہ حضرت ابو بکر کی امامت کو اور پختہ اور موکد کر دیا جائے تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کے کسی حال میں حضرت ابو بکر کو امام بنایا تھا۔

مصری خواتین کی دعوت کا اہتمام

عزیز مصر کی بیوی نے جب یہ سنا کہ یہ عورتیں اس کی حضرت یوسف سے بے حد زیادہ محبت کی وجہ سے اس کو خلافت کر رہی ہیں تو اس نے اپنے عقد کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے ان عورتوں کو بلایا اور ان کے لیے ایک مجلس منعقد کی۔ قرآن مجید میں متکشف کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے چھوٹے ٹکے اور گدے، اس کا دوسرا معنی ہے طعام۔ عتسی نے کہا: اصل محاورہ

یہ ہے کہ تم جس شخص کو کھانے کی دعوت دو پھر تم اس کے بیٹھنے کے لیے گدے بچھاؤ تو اس طعام کو بطور استعارہ منکف کا جاتا ہے، اس کا تیسرا معنی ہے اترج یا اترنج۔ یہ ایک خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھل ہے، اس کا حجم بڑا ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ کھٹا اور بیٹھا ہوتا ہے، اس کی تاثیر گرم تر ہے اور اس کے طبی فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اس کا اصل معنی یہی ہے لیکن اس جگہ یہ انواع و اقسام کے پھلوں پر محمول ہے جو اس مجلس میں ان کے کھانے کے لیے رکھے گئے تھے۔ اس کا چوتھا معنی ہے ایسے پھل جو کثرت کر کھائے جاتے ہیں۔ (ازاد المسیر، الجامع لاحکام القرآن، تفسیر کبیر، خلاصہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کی دعوت کی اور ان میں سے ہر عورت کو ایک معین جگہ بٹھا دیا اور پھل یا گوشت کھانے کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان عورتوں کے سامنے آئیں اور ان عورتوں کے سامنے سے گزریں۔

جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اچانک دیکھا تو انہوں نے آپ کو بہت عظیم جانا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جلوہ حسن کو دیکھنے میں اس قدر منہمک اور مستغرق ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کثرت ڈالے اور ان کو بالکل پتا نہیں چلا۔

حضرت یوسف کے غیر معمولی حسن کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے معراج کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلویا، ان سے پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: جبرئیل! ان سے پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! انہیں بلایا گیا ہے! پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہیں حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور (لوگوں کا) نصف حسن ان کو عطا کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم البیان: ۲۵۹، ۱۳۳) (رقم المسلسل: ۳۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نور ان کی والدہ کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۵۲، دار الفکر طبع جدید، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۱۲، المستدرک ج ۲ ص ۵۷۰) ربیعہ الجرجسی نے کثرت حسن کے دو حصے کیے گئے، ایک حصہ حضرت یوسف اور ان کی والدہ کو دیا گیا اور باقی ایک حصہ تمام لوگوں کو دیا گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۵۷۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۵۵۵۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یوسف کا چہرہ بکلی کی طرح چمکتا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۵۵۹)

امام ابن المنذر، امام ابوالشیخ اور امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بکلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو حضرت یوسف اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ عورت کسی نقہ میں جھلاند ہو جائے۔ (الدر المستور ج ۳ ص ۵۳۲)

امام ابوالشیخ نے اسحاق بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں جاتے تھے تو ان کا چہرہ دیواروں پر اس طرح چمکتا تھا جس طرح سورج دیواروں پر چمکتا ہے۔ (الدر المستور ج ۳ ص ۵۳۲)

امام عبد بن حمید، امام ابن المنذر اور امام ابوالشیخ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی لوگوں پر اس طرح فضیلت تھی جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے۔

(الدر المستور ج ۳ ص ۵۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۳ھ)

ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے عظیم جانا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پر انوار نبوت اور آظہر رسالت دیکھے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان میں فرشتوں کے خواص ہیں کیونکہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کی طرف اور عورتوں کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور ان کے دلوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا رعب طاری ہو گیا اس لیے انہوں نے بے ساختہ کہلا یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

مصری خواتین کا پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں کو کٹ لینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہلا وہ عورتیں چہریوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو کٹ رہی تھیں اور ان کا یہی گمان تھا کہ وہ پھلوں کو کٹ رہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر ان کی عقلیں جاتی رہی تھیں۔ کہلا نے کہلا انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کٹ ڈالا اور ان کو بالکل ہٹا نہیں چلا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ عن: مصری بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: آپ ان کے سامنے آئیں، حضرت یوسف ان کے سامنے آئے، جب انہوں نے حضرت یوسف کے حسن کو دیکھا تو ان کی عقلیں مغلوب ہو گئیں، انہوں نے چہریوں سے اپنے ہاتھوں کو کٹ ڈالا اور ان کو بالکل ہٹا نہیں چلا کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۳ ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۲ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ اس عورت نے خنکم سے کہا کہ یوسف کو سفید لباس پہناؤ، کیونکہ سفید لباس میں انسان زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے، اور جس وقت وہ عورتیں پھل کٹ رہی ہوں اس وقت یوسف کو ان کے سامنے لے جانا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف کو دیکھنے میں ایسی مدہوش ہو گئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کٹ ڈالے اور ان کو درد کا بالکل احساس نہیں ہوا، اور جب حضرت یوسف ان کے سامنے سے چلے گئے تو پھر انہیں درد کا احساس ہوا اور پھر عزیز مصر کی بیوی نے کہلا تم نے تو ایک لمحہ کے لیے یوسف کو دیکھا ہے تو تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو کہ جو دن رات یوسف کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا ہو گا؟ تو وہ عورتیں بے ساختہ بولیں کہ سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

امام ابن ابی حاتم کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسف ان عورتوں کے سامنے سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے کہلا یہ ہے وہ شخص جس سے محبت کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کر رہی تھیں، تم نے دیکھ لیا کہ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر مدہوش ہو گئیں کہ تم نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کٹ ڈالے اور تم کو بالکل درد نہیں ہوا۔ جب ان عورتوں نے اپنے کئے ہوئے ہاتھوں اور ہتے ہوئے ٹخنوں کو دیکھا تو وہ درد کی شدت سے کراہنے اور رونے لگیں اور انہوں نے کہلا یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے اور ہم آج کے بعد اس کی محبت کی وجہ سے تم کو ملامت نہیں کریں گی۔

(الدر المستور ج ۳ ص ۵۳۲-۵۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ کہنے کی توجیہ

ان عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھ کر جو یہ کہا تھا کہ یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے، اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ یہ بہت غیر معمولی حسن کے مالک ہیں، اس لیے کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کوئی حسین نہیں ہوتا اور شیطان سے زیادہ کوئی بد شکل نہیں ہوتا لہذا ان کا حضرت یوسف کو فرشتہ کہنا ان کے غیر معمولی حسن کی وجہ سے تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں ہوتا، ان کی غذا تو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے،

پھر جب ان عورتوں نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں میں سے کسی عورت کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا حالانکہ جب کوئی عام آدمی عورتوں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف ضرور نظر ڈالتا ہے تو انہوں نے کہا: یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے ان میں کوئی شہوت کا اثر نہیں دیکھا نہ ان میں بشریت یا انسانیت کا کوئی تقاضا دیکھا۔ یہ انسان اور بشر کی تمام مغلی صفات سے منزہ ہیں اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسانیت کے پیکر میں کوئی عظیم فرشتہ ہو۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہا: حاشا للہ! یعنی عزیز مصر کی بیوی نے ان پر جو تست نکالی ہے یہ اس تست سے بہت دور ہیں اور یہ تو گناہوں سے بری ہونے میں فرشتوں کی طرح مصوم ہیں، یہ کوئی عام بشر نہیں ہیں جن کے متعلق ایسی بدگمانی کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا میں ہوں جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں، میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچارہ اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے اس سے کہا ہے، تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا (یوسف: ۳۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کی سخت آزمائش

جب مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے متعلق کہا کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے اور ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھتی ہیں تو اس نے ایک محفل میں ان کو بلایا اور ان کے ہاتھوں میں پھل کاٹنے کے لیے چھریاں دے دیں اور خادم سے کہا: یوسف کو بلا کر لاؤ، جب اچانک حضرت یوسف ان کے سامنے آئے تو وہ جلوۂ یوسف کو دیکھ کر ایسی مدہوش ہو گئیں کہ بے خودی میں انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کٹ ڈالے اور ان کو احساس تک نہیں ہوا، تب عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں، تم نے تو اس کو ایک لمحہ کے لیے دیکھا ہے تو سوچو جو اس کے ساتھ دن رات رہتی ہو اس کی بے خودی کا کیا حال ہو گا!

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامن اور گناہ میں ملوث نہ ہونے کی صاف تصریح ہے کیونکہ اس عورت نے اعتراف کیا میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچارہ پھر اس نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی خواہش پوری نہ کی تو وہ ان کو جیل میں ڈلوادے گی اور ان کو بے عزت کرادے گی اور یہ بہت بڑی اور خطرناک دھمکی تھی، کیونکہ جو شخص لوگوں کی نگاہوں میں عزت دار ہو، جو منصب نبوت اور مرتبہ رسالت پر فائز ہو اگر اس کی عزت و ناموس کو خطرہ ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں اس کے بے توقیر ہونے کا لگنا ہو تو یہ اس کے لیے سخت آزمائش ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دی گئی ہے اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا (یوسف: ۳۳-۳۴)

اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر گناہ سے بچنا ممکن نہیں

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی جس دُعا کا ذکر ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یعنی یہ سب عورتیں ان کو گناہ کی طرف بلاری تھیں، اس کا ایک محمل تو یہ ہے کہ یہ سب عورتیں حضرت یوسف سے

اپنی اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھیں اور محفل میں شریک ہر عورت یہ چاہتی تھی کہ حضرت یوسف اس کی خواہش کو پورا کریں۔ اس کا دوسرا عمل یہ ہے کہ وہ عورتیں مل کر عزیز مصر کی بیوی کی سفارش کر رہی تھیں کہ تم نے اس عورت کی خواہش پوری نہ کر کے اس کے اوپر ظلم کیا ہے، تمہیں اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لیے اور مل و دولت اور سونپوں کی فراوانی حاصل کرنے کے لیے یہ چاہیے کہ تم اس کی خواہش کو پورا کرو۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں انواع و اقسام کے سو سے تھے: (۱) عزیز مصر کی بیوی بہت خوب صورت ہے۔ (۲) وہ بہت مال دار اور بڑے مرتبہ کی ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تو میں سب کچھ تم پر ہاتھ پیر کر دوں گی۔ (۳) محفل میں شریک ہر عورت ان سے اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھی اور خواہش پوری نہ کرنے کی صورت میں ان کو دھمکیاں دے رہی تھی اور اس معاملہ میں عورتوں کی سازشیں بہت سنگین ہوتی ہیں۔ (۴) حضرت یوسف ان عورتوں کے شر سے بہت خوف زدہ تھے، ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ان عورتوں کی بہت سنگینی تو وہ ان کو قتل کروادیں گی۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں اس کام کی طرف ترغیب کی بھی وجوہات تھیں اور کام نہ کرنے کی صورت میں ڈر اور خوف کی بھی وجوہات تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈر تھا کہ گناہ کی تحریک کے یہ اسباب بہت قوی ہیں کہیں یہ ان کے پائے استقامت کو ڈگر گانہ دیں اور بشری قوت اور انسانی طاقت ایسی قوی ترغیبات اور تحریکات کے مقابلہ میں پاک دامنی پر برقرار رہنے کے لیے ناکافی ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ دیکھیری فرمائے اور وہ بندے کو گناہ کے تاریک گڑھے میں گرنے سے بچالے، اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تُو نے ان کی سازش مجھ سے دُور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قید میں گرفتار ہونا مشقت اور مصیبت ہے اور جو ان کا مطلوب تھا وہ سراسر لذت اور عیش تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اس عارضی لذت کا انجام دنیا کی رُسوائی اور آخرت کا عذاب ہے اور انہوں نے دنیا کی رُسوائی اور آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں قید کی مشقت اور مصیبت کو اختیار کر لیا اس لیے فرمایا: مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں (ہم نے اس کا ترجمہ زیادہ پسند نہیں کیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا ان کی دعوت بھی کسی درجہ میں پسند تھی، لیکن زیادہ پسند قید ہونا تھا۔۔۔۔۔ سعیدی فطریہ) اور اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ جب انسان دو مصیبتوں میں سے کسی ایک مصیبت میں لانا گرفتار ہو تو انسان مصیبت کو اختیار کر لے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کی مصیبت اختیار کر لینی چاہیے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال نہ ہو انسان کسی گناہ سے بچ سکتا ہے نہ کسی سنگی کو اختیار کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کو قبول کر لیا اور ان عورتوں کی سازش سے حضرت یوسف علیہ السلام کو محفوظ کر دیا، بے شک وہ بہت سننے والا خوب جانتے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر (یوسف کی پاکبازی کی) علامات دیکھنے کے بلوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف کو ضرور قید کر دیں (یوسف: ۳۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا سبب

جب عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے برأت ظاہر ہو گئی تو واضح طور پر اس نے حضرت یوسف سے

کوئی تعرض نہیں کیا اور مردہ عورت اپنی تمام حیلہ ساز یوں اور مکرو فریب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی موافقت پر ابھارتی رہی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے باہوس ہو گئی تو اس نے اپنا انتقام لینے کے لیے اپنے غلام سے کہلا اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں کے درمیان ڈسوا کر دیا ہے، یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ اس عورت نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے مجھے بہکایا اور ور غلایا تھا اور میں ہر شخص کے سامنے جا کر اپنا عذر نہیں بیان کر سکتی اس لیے اس شخص بات کاچ چاروکنے کے لیے اس غلام کو قید کر دیا جائے۔ عزیز معمر نے سوچا اس طرح اس کی بھی بدنامی ہو رہی ہے، اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے اس کو قید کر دیا جائے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۷۹ ملاحظہ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی علامات

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی علامات کا ذکر ہے، وہ علامات یہ تھیں: حضرت یوسف علیہ السلام کی قیص کا بیچے سے پھٹا ہوا ہوا حضرت یوسف کا اس عورت سے بھاگنا اور اس عورت کا حضرت یوسف کا پیچھا کرنا، اس عورت کے خاندان کے ایک شخص کا اس عورت کو قصور وار قرار دینا اور حضرت یوسف کی برأت کو بیان کرنا، اس دعوت میں حضرت یوسف کو دیکھ کر ان عورتوں کا ہاتھ کٹ لینا اور حضرت یوسف کی برأت کے لیے سبحان اللہ کہنا اور ان کی پارسل کی وجہ سے ان کو فرشتہ قرار دینا۔

قید کی مدت

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۷۳۰۷) طارق اور سعید بن جبیر نے کہا یہ مدت چھ ماہ تھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۵۵۹)

ابو صلح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سال تھی۔ حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے سات سال کی روایت کی ہے۔ عطائے کہا: یہ قید اس وقت تک کے لیے تھی حتیٰ کہ لوگوں کی زبانیں اس واقعہ کے ذکر سے بند ہو جائیں۔ الماوردی نے کہا: اس قید کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی تھی اور ان کو غیر محدود مدت کے لیے قید کیا گیا تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِيتُ أَعْمُرَ

اور یوسف کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں

خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِيتُ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا

خمراب (سکے) یاے (گندہ) بخور رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے

تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

بول جن سے چند سے کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں ○

قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُرْتَقِيهِ إِلَّا نَتَنَنِيكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ

یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا

أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذِكْرًا مِّنَّا عَلَمَنِي رَأْيِي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

دولگھا، یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، جو لوگ اشرہ پر ایمان نہیں لاتے

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۚ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے ○ اور میں نے اپنے آپ

أَبَائِي إِِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ

دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی

مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ

ہم پر کہ بھی شریک قرار دیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۚ يَصَاحِبِي السَّجِينِ ۚ أَبَابٌ تَتَفَرَّقُونَ

شکر ادا نہیں کرتے ○ لے قید کے دونوں ساتھیو! آیا متعدد جملہ متر ہیں

خَيْرًا مِّنَ اللَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۚ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ

یا ایک اشرہ جو غالب ہے ؟ ○ تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف

سَيِّئُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِن

چند اسماء ہیں جن کو تم نے اللہ تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے، اللہ نے ان کے ساتھ کوئی شد نہیں نازل کیا

الْحُكْمُ لِلَّهِ آمَرَ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَةً ذَلِكِ الدِّينُ الْقَيِّمُ

حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اللہ کسی کی عبادت نہ کرو یہی صحیح دین ہے،

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ يَصَاحِبِي السَّجِينِ ۚ أَفَأَحَدُكُمْ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ لے قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو

فَلْيَسْقِي رَبِّكَ خَمْرًا ۚ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۚ وَقَالَ لِلَّذِي

شراب پلا کر دے گا اور دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر بندے اس کے سر سے گوشت فوج کی

کھائیں گے، تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا دوسرا فیصلہ ہو چکا ہے ۝ اور جس کے متعلق پوسٹ کا گمان تھا

ظَنُّ أَنَّكَ تَابِعَ مَنَّهُمَا إِذْ كُرُنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَسَهُ الشَّيْطَانُ

کہ وہ ان دونوں میں سے نہات پانے والا ہے، اس سے انہوں نے کہا پیچھے تھے اس کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے ان کو

ذَكَرَ رَبَّهُ فَلَيْتَ فِي السَّجْنِ بَضْعَ سِنِينَ ۚ

اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ قید خانے میں (مزید کئی سال ٹھہرے رہے) ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یوسف کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانہ میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کے لیے انگور اچھڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں ۝ (یوسف: ۳۶)

حضرت یوسف کی قید خانہ میں ساتی اور ٹہیلی سے ملاقات

دوب بن منہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کر کے قید خانہ میں لے جایا گیا اور ایک آدمی ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا جا رہا تھا جو شخص اپنی بالکھ کا کہنا نہ ملے اس کی بکی سزا ہوتی ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے تھے: دوزخ کی آگ، تذکول کی قیاس پیمانی، گرم کھولتے ہوئے پانی کو پینے اور تھور کو کھانے کے مقابلہ میں یہ سزا بہت کم ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں پہنچے تو وہاں کئی ایسے لوگ دیکھے جو رہائی سے ناامید ہو چکے تھے، اور ان کی سزا بہت سخت تھی، حضرت یوسف علیہ السلام ان سے فرماتے تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو تم کو اجر ملے گا۔ انہوں نے کہا اے نوجوان! آپ کس قدر نیک باتیں کرتے ہیں، آپ کے قرب میں ہم کو برکت ملے گی! آخر آپ کون ہیں؟ حضرت یوسف نے فرمایا: میں اللہ کے پسندیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا یوسف ہوں!

حضرت یوسف علیہ السلام غمزدہ لوگوں کو قید خانے میں تسلی دیتے تھے، زخموں کی مرہم پٹی کرتے تھے، ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا سے اس قدر روتے تھے کہ کوٹھڑی کی چھت، دیواریں اور دروازوں پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا تمام قیدی آپ سے مانوس ہو گئے تھے، اور جب کوئی قیدی، قید سے رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ کے پاس بیٹھ جاتا قید خانہ کا واردہ بھی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ کو بہت آرام پہنچاتا تھا ایک دن اس نے کہا اے یوسف! میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: میں تمہاری محبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں! اس نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے بتایا: میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو میرے بھائیوں نے میرے ساتھ ظالمانہ

۱۵

سلوک کیا میری مالکہ نے مجھ سے محبت کی اس کے نتیجے میں، میں آج اس قید میں ہوں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے تو مصر کا سب سے بڑا بادشاہ جس کا نام ریان بن الولید تھا وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس کو اپنے من بلی اور سلق پر شک ہوا کہ وہ اس کو زہر دینے والے ہیں، اس نے ان دونوں کو قید میں ڈلوادیا۔^(۱) کعب سے روایت کیا ہے کہ سلق کا نام منجا تھا اور بلی کا نام بھٹ تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کے لیے فتیان کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ مہلی میں فتنی غلام کو بھی کہتے ہیں اور یہ دونوں بادشاہ کے غلام تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے کہا تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے ہیں، تو بلی اور سلق نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ ہم اس عبرانی غلام کا تجربہ کریں پھر ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی، سلق نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کے لیے انگوٹھ بنوڑ رہا ہوں اور بلی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے جا رہا ہوں اور پرندے اس سے نوح نوح کر رہے ہیں، ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۸۵-۱۸۶ تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۷ ص ۱۳۳-۱۳۴، التکلیف والعیون ج ۳ ص ۳۶-۳۵، تفسیر

ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، الدر المنثور ج ۲ ص ۵۳-۵۳۵)

سلق اور بلی کے بیان کیے ہوئے خواب آیا ہے تھے یا جھوٹے؟

سلق اور بلی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جو خواب بیان کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے متعلق تین قول

ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے صرف تجربہ کے طور پر سوال کیا تھا۔

(۲) مجاہد اور امام ابن اسحاق نے کہا: انہوں نے سچا خواب بیان کیا تھا اور انہوں نے واقعی خواب دیکھا تھا۔

(۳) ابو مجلز نے کہا: بلی نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا اور سلق نے سچا خواب بیان کیا تھا۔

(ازاد المسیر ج ۲ ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پختے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا دوں گا یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے (یوسف: ۱۳)

قید خانہ میں کھانا آنے سے پہلے حضرت یوسف کا کھانے کی خبر دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو خواب میں جو کھانا بھی دیا جائے گا میں تم کو بیداری میں اس کی حقیقت بتا دوں گا اور امام ابن جریر نے کہا: تم کو بیداری میں جو کھانا دیا جائے گا میں تم کو (پہلے سے) اس کی حقیقت بتا دوں گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۷۳۷۸-۷۳۷۹ مطبوعہ دار التکریم بیروت، ۱۴۳۵ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۷۳۰۸ مطبوعہ

مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۳۷ھ)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے دو معنی ہیں، حسن بھری نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں جب بھی بیداری میں کھانا دیا جائے گا میں تم تک کھانا پہنچنے سے پہلے بتا دوں گا کہ تمہارے پاس کیا کھانا آئے گا

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح غائب شدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے اور سدی نے بیان کیا کہ تم کو خواب میں جو کھانا دیا جائے گا بیداری میں اس کھانے کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سلق اور نابلی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کھانا پہنچنے سے پہلے آپ کو اس کی حقیقت کا کیسے پتا چل جاتا ہے حالانکہ آپ جلدوگر ہیں نہ نبوی ہیں تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے میرے رب نے اس کی تعلیم دی ہے۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۶۲۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کل تمہارے پاس تمہارے گھروں سے کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں اس کھانے کی خبر دوں گا تاکہ تم کو یقین آجائے کہ میں خواب کی تعبیر کا علم بھی رکھتا ہوں، انہوں نے کہا آپ اسی طرح کریں، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے پاس فلاں فلاں کھانے کی چیز آئے گی، سو ایسا ہی ہوا اور یہ علم الغیب تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا ہے کہ انہوں نے اس قوم کے دین کو ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی، یعنی بادشاہ کے دین کو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۶۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کا معنی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہم نے اس معنی کے ثبوت میں بکثرت حوالے اس لیے پیش کیے ہیں کہ بعض اردو کے مفسرین نے اس آیت کا معنی اس کے خلاف کیا ہے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہے روزِ مہم کو جو کھانا ملا ہے اس کے آنے سے پہلے تم کو تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤں گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

میں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۰۱، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء)

اس کے برخلاف شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ نے حقدین مفسرین کے مطابق ہی لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لیے (جیل خانہ میں) ملا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں، (کہ فلاں چیز آوے گی اور ایسی ایسی ہوگی) اور یہ بتلا دیتا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے (یعنی مجھ کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے پس یہ معجزہ ہوا جو کہ دلیل نبوت ہے)

(بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸۲، مطبوعہ تاج کینی لینڈ لاہور)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اس آیت کا اسی طرح معنی کیا ہے جو کہ تمام حقدین مفسرین کے مطابق ہے اور ہم نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے کھانے کے متعلق پیش گوئی کی توجیہ

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ سلق اور نابلی نے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر کے متعلق

سوال کیا تھا اور حضرت یوسف نے ان کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ تمہارے پاس کس قسم کا کھانا آئے گا اور کتنا آئے گا اور کس وقت آئے گا تو ان کا یہ جواب ان دونوں کے سوال کے مطابق تو نہیں ہے۔ امام فخرالدین رازی متوفی ۷۴۶ھ نے اس کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت یوسف کو علم تھا کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور جب وہ اس جواب کو سنے گا تو بہت غمزدہ ہو گا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور ان کی دیگر باتوں کے سننے سے متغیر ہو جائے گا، اس لیے حضرت یوسف نے اس میں مصلحت دیکھی پہلے ایسی باتیں کریں جن سے حضرت یوسف کا علم اور ان کا کلام ان کے دلوں میں موثر ہو حتیٰ کہ جب آپ ان کو خواب کی تعبیر بیان کریں تو اس کو عداوت اور تمہمت پر نہ محمول کیا جائے۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو یہ بیان کریں کہ ان کے علم کا مرتبہ ان کے اندازہ سے بہت بلند اور بہت فائق ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور خواب کی تعبیر ظن اور تخمین پر مبنی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر یہ ظاہر کیا کہ وہ غیب کی خبریں دیتے ہیں کیونکہ وہ کھانا آنے سے پہلے بتا دیتے تھے کہ آج ان کے گھروں سے کیا کھانا آئے گا اور حضرت یوسف غیب کی خبریں قطعی اور یقینی علم کی بناء پر بتاتے تھے جس سے باقی مخلوق عاجز تھی اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی جو تعبیر بتائیں گے وہ بھی محض ظن اور تخمین پر مبنی نہیں ہوگی بلکہ قطعی اور یقینی ہوگی، اور اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے کے جس مرتبہ پر فائز ہیں اس درجہ تک کوئی اور نہیں پہنچا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھ لیا کہ وہ دونوں آپ کے معتقد ہو چکے ہیں تو آپ نے ان کو بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی کیونکہ دین کی اصلاح کرنا دنیا کی باتیں بتانے سے ادنیٰ ہے۔

(۴) بتائیلی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا کہ اس کو سولی دی جائے گی تو آپ نے یہ چاہا کہ اس کو مرنے سے پہلے مسلمان کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ کفر پر نہ مرے اور عذاب شدید کا مستحق نہ ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيَهْدِيكَ مِّنْ هَلَكَةٍ عَسَىٰ تَنِيْسَ قَوْلِي وَبِحُشِيِّ مَّرْءٍ
حَتَّىٰ عَسَىٰ تَنِيْسَ۔ (الانفال: ۴۲)

تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔

(۵) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس بیداری میں جو کھانا بھی آئے گا میں اس کے بچنے سے پہلے بتا دوں گا کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے، اس کا رنگ کیا ہے اور اس کی مقدار کتنی ہے اور اس کے کھانے کا انجام کیا ہو گا یعنی اس کے کھانے کے بعد انسان کی صحت قائم رہے گی یا وہ بیمار ہو جائے گا اور اس آیت کا ایک اور محمل یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی قیدی کو مارنا چاہتا تھا تو اس کے کھانے میں زہر ملوا کر بھیجتا تھا اور جب قید خانہ میں کھانا آتا تو حضرت یوسف بتا دیتے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے یا نہیں، اور یہ جو حضرت یوسف نے فرمایا تھا: میں کھانا بچنے سے پہلے اس کی حقیقت بتا دوں گا اس سے یہی مراد ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام غیب کی خبر بتانے کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے قائم مقام ہے:

وَأَنبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْرُجُونَ فِيهِ
بُيُوتُكُمْ۔ (آل عمران: ۴۹)

اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔

پس پہلی دو وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے میں تمام لوگوں پر فائق تھے اور آخری تین وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی طرف سے سچے نبی تھے اور غیب کی خبر دینا آپ کا معجزہ تھا۔

حضرت یوسف کے دعویٰ نبوت کے اشارات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کو معجزہ پر محمول کرنا کس طرح درست ہو گا جبکہ اس سے پہلے ان کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں ہر جہد کہ صراحتاً دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں ہے، لیکن ان آیتوں میں ایسے اشارے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ذٰلِكُمَا يَمْتٰعِلَمٰنِيْ رَبِّيْ- (غیب کی خبریں دے) میرے رب کی تعلیم (وحی) کی وجہ سے ہے۔

یعنی میں تم کو جو یہ غیب کی خبریں دے رہا ہوں یہ کوئی علم نجوم یا کمانت یا سحر کی وجہ سے نہیں ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی میری طرف وحی فرمائی ہے، نیز فرمایا: میں نے اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۵ زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۴ ۲۲۵ الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۹۶ ۹۷-۹۸ النکت والعیون ج ۳ ص ۷۳)

روح المعانی ج ۴ ص ۳۳۳ ۳۳۴ البحر المحیط ج ۶ ص ۲۷۶-۲۷۷

مفسرین کی ان عبارات میں نبی کے علم پر علم غیب کے اطلاق کا ثبوت ہے۔

کافروں کے دین کو ترک کرنے کی توجیہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ”میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔“ اس قول سے یہ مخرج ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے ان کے دین کو اختیار کیا پھر اس کو پسند کر کے ترک کر دیا حالانکہ نبی کے لیے یہ محال ہے کہ وہ ایک آن کے لیے بھی کفار کے دین کو اختیار کرے۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا یہ جواب دیا ہے:

ترک کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے ساتھ قرض نہ کرے اور اس کی یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے انسان نے اس کو اختیار کیا ہو، اور اس کا دو سرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے زعم کے اعتبار سے ان کے غلام تھے اور شاید وہ ان کے خوف کی وجہ سے بر کبیل تھے ان کے سامنے توحید اور ایمان کو ظاہر نہیں کرتے تھے، پھر اس وقت انہوں نے توحید اور ایمان کو ظاہر فرمایا اور اس وقت میں ان کا توحید اور ایمان کو ظاہر فرمایا ان کافروں کے دین کو ترک کرنے کے قائم مقام تھا اور یہ جواب زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۵ھ)

امام رازی کا اس جواب کو زیادہ صحیح فرمانا صحیح نہیں بلکہ یہ جواب اصلاً درست نہیں ہے کیونکہ تہیہ کرنا نبی کی شان نہیں ہے، جان کے خوف سے باطل کی موافقت کرنا نبی کی شان نہیں ہے، نبی ہر وقت اور ہر حال میں حق کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ساتھ بھی تہیہ نہیں کیا اور صاف فرما دیا کہ یہ عورت ہی مجھے گناہ کی طرف راغب کر رہی تھی، اور اس عورت سے بھی موافقت نہیں کی بلکہ اس کو ملامت کی اور اس سے دامن چمڑا کر بھاگے۔

علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

چونکہ ساقی اور بلہائی حضرت یوسف کے حسن اخلاق اور ان کے علم کی وجہ سے ان سے محبت کرنے لگے تھے تو حضرت

یوسف نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنے دین کا اظہار کریں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف دین میں ان کی قوم کے مخالف ہیں تاکہ وہ بھی حضرت یوسف کے دین کی اتباع کریں۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ تمہاری وجہ سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۶) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کافروں کے دین کو بالکل بھی نہیں اپنایا تھا اس کے باوجود فرمایا: میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا، یہاں ترک کا معنی یہ ہے کہ وہ ابتداء سے اس دین سے بختاب رہے ہیں اور اس کو ترک سے اس لیے تعبیر فرمایا تاکہ وہ دونوں اس دین کو ترک کر دیں اور حضرت یوسف کی محبت میں اس دین کے ترک کی طرف راغب ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول حضرت یوسف کے پہلے قول کی دلیل ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب کا علم دیا اور میری طرف وحی فرمائی کیونکہ میں نے ابتداء سے کافروں کے دین کو ترک کر دیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کے دین کی پیروی کی تھی۔

(البحر المحیط ج ۶ ص ۲۷۷-۲۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفائی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تمہارے سامنے اپنے ترک کرنے کو ظاہر کیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام اس دین کے ساتھ متصف تھے۔ (مناہج القاضی ج ۵ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی البحر المحیط اور خفائی کا خلاصہ اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اور میرے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ابتداء میں میرے سامنے میرے آباء کا دین تھا جو انبیاء ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کا دین تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو میں نے کافروں کے دین کو ترک کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کے دین کو اختیار کر لیا۔

مبداء اور معاد کے اقرار کی اہمیت

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

اس آیت کا لفظ ہم ضمیر کا تکرار ہے کیونکہ فرمایا: ہم بالآخرۃ ہم کافروں۔ اور ہم ضمیر کو مکرر لانا تاکید اور حصر پر دلالت کرتا ہے، یعنی آخرت کا انکار کرنے میں یہ قوم منحصر اور مخصوص تھی، اور مبداء کے انکار کرنے کی بہ نسبت معاد کا انکار کرنا زیادہ شدید ہے اس لیے ہم ضمیر کو مکرر لا کر اس کی تاکید فرمائی ہے۔

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اس میں مبداء کے علم کی طرف اشارہ ہے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اس میں معاد کے علم کی طرف اشارہ ہے، اور جو شخص قرآن مجید کے مضامین میں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں غور و فکر کرے گا اس پر یہ منکشف ہو گا کہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل کرنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور مبداء اور معاد کا اقرار کرایا جائے اور اس کے علاوہ جو عقائد اور اعمال ہیں ان کی حیثیت غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف علیہ السلام نے فرمایا) اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ

کافضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (یوسف: ۳۸)
اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا جواز

امام رازی فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس معجزہ کا اظہار فرمایا جو علم الغیب ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں اور ان کے باپ، دادا اور پردادا سب اللہ کے نبی اور رسول ہیں، اور جب انسان اپنے باپ دادا کے طریقہ اور پیشہ کا ذکر کرے تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس کا بھی وہی پیشہ اور طریقہ ہو اور حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی نبوت دنیا میں مشہور تھی اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی ان کے بیٹے ہیں تو سلق اور مٹھائی نے ان کی طرف بہت عزت اور احترام کے ساتھ دیکھا اور اب یہ قوی امید ہو گئی کہ وہ ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے دلوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا بہت قوی اثر ہو گا۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور فضیلتوں کا اظہار کرنا جائز ہے۔
دین کا معنی

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے تو انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی اتباع کی ہے، کیونکہ نبی کی تو خود اپنی شریعت ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ملت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد دین ہے اور حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے، کیونکہ دین ان اصول اور عقائد کو کہتے ہیں جو سب نبیوں میں مشترک ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید، انبیاء، رسولوں، فرشتوں، تقدیر اور قیامت کو ماننا۔ اس کی زیادہ وضاحت کے لیے الفتوحہ: ۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔
شرک سے اجتناب کے اختصا ص کی توجیہ

اس مقام پر دو سرائے اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا نہ صرف یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ تو کسی کے لیے بھی جائز نہیں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ یہ کس طرح فرمایا کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے، اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ہر چند کہ کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقام چونکہ عالم لوگوں سے بہت بلند ہوتا ہے اور جن کا رتبہ ہے سوا اس کو سوا مشکل ہے، کے مصداق ان پر گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے، اس لیے اللہ کے شریک بنانے کا عدم جواز ان کے لیے زیادہ شدید اور زیادہ مؤکد ہے۔

اور دو سرائے جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے لیے اللہ کو شریک بنانا جائز نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور شرک کی آلودگی سے پاک رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
مَا كَانَ لِيُتَوَاتَرَ يُتَخَذَ مِنْهُ وَلَدٌ۔ (مریم: ۳۵)
اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بالعموم شرک کی نفی کیوں کی اور یہ فرمایا: ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی چیز کو بھی شریک بنائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ سبیل عموم نفی کی ہے کہ ہم کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے اس عموم کی یہ وجہ ہے کہ شرک کی بہت سی اصناف اور اقسام ہیں، بعض لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے ہیں اور بعض ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، بعض فرشتوں کی پرستش

کرتے ہیں، اور بعض نبیوں کی پرستش کرتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ اور عزیر کی، بعض جانوروں کی مثلاً گائے کی پرستش کرتے ہیں اور بعض درختوں کی مثلاً جہیل کی پرستش کرتے ہیں اور بعض لوگ گزرے ہوئے نیک بندوں کی پرستش کرتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان تمام فرقوں کا رد فرمایا اور دین حق کی طرف رہنمائی فرمائی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی خالق ہے اور وہی رازق ہے۔

ایمان پر شکر ادا کرنے کا وجوب

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ہمارا شرک نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہے۔ اس کے بعد فرمایا: لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اس قول میں شکر ادا نہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شرک نہ کرنے اور ایمان لانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے، اس لیے ہر مومن پر واجب ہے کہ ایمان کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بڑی نعمت ہے اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ سب سے زیادہ اس نعمت کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میری قید کے دونوں ساتھیو! آیا تمہارا خدا بہتر ہے یا ایک اللہ جو غالب ہے؟

(یوسف : ۳۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں توحید باری کی تقاریر

اس سے پہلے آیت کے ضمن میں حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا اور نبوت کا اثبات الوہیت کے اثبات پر موقوف ہے، اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے الوہیت کے اثبات پر دلائل دینے شروع کیے۔

قلوب کی اکثریت یہ تو مانتی تھی کہ ایک الہ ہے جو مستحق عبادت ہے، وہ عالم اور قادر ہے اور ساری کائنات کا خالق ہے، لیکن ان کا طریقہ یہ تھا کہ گزشتہ زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے وہ ان کی صورتوں کے بت تراش لیتے تھے یا ستاروں کے نام پر بت بنا لیتے تھے اور اس اعتقاد سے ان کی عبادت کرتے تھے کہ وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دور کرنے پر قادر ہیں، اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے دلائل قائم کیے کہ جن کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے اور ان دلائل کی تقاریر حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں تو جہان میں غل اور فساد پیدا ہو گا۔

لَوْ كَانَ وَفِيهِمَا إِلَهٌ آخَرُ لَعَسَدْنَا۔ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور مستحق عبادت ہوتے

(الانبیاء : ۲۲) تو آسمان اور زمین برباد ہو جاتے۔

کیونکہ اگر دو خدا ہوتے اور دونوں کی مساوی قوت ہوتی اور دونوں میں سے ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق کائنات کا نظام چلانا چاہتا مثلاً ایک خدا سورج کو ایک جانب سے نکالنا چاہتا اور دوسرا خدا مخالف جانب سے نکالنا چاہتا اور دونوں کی مساوی قوت ہوتی اور وہ دونوں سورج کو اپنی اپنی جانب سے نکلنے کے لیے زور آزمائی کرتے تو اس کے نتیجہ میں سورج ٹوٹ کر بکھر جاتا اسی طرح ایک خدا ایک درخت سے صرف سیب اگاتا چاہتا اور دوسرا خدا اس درخت سے صرف آم اگاتا چاہتا اور دونوں کی قوت مساوی ہوتی اور وہ دونوں اس درخت پر زور آزمائی کرتے تو وہ درخت پاش پاش ہو جاتا علیٰ هذا القیاس، جب دو

مساوی طاقت کے خدا ہوتے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے منصوبہ کے خلاف اس نظام کائنات کو چلانے کے لیے اس کائنات میں زور آزمائی کرتے تو یہ کائنات بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ خداؤں کی کثرت خلل اور فساد کو واجب کرتی ہے اور جب خدا صرف ایک ہو گا تو وہ صرف ایک قسم کے نظام کو جاری کرے گا اور چونکہ اس کائنات کا نظام ایک طرز پر جاری ہے، زمین میں روئیدگی ہو یا آسمان سے بارش کا نزول ہو، سورج، چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب ہو یا انسانوں اور حیوانوں میں پیدائش کا طریقہ ہو، ہم صدیوں سے دیکھتے چل آ رہے ہیں کہ کائنات کے اس نظام میں وحدت ہے، ہر چیز ایک ہی نظام کے تحت چل رہی ہے اور اس نظام کی وحدت زبانِ طل سے پکار کر یہ کہتی ہے کہ اس نظام کا ناظم بھی واحد ہے تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ خداؤں کی کثرت اس جنم کے فساد کو واجب کرتی ہے اور خدا کا واحد ہونا ہی اس جہان کی سلامتی کا ضامن ہے اور اس نظام کی بقا اور اس کی حسن ترتیب کا موجب ہے تو پھر اے میرے ساتھیو! یہ بتاؤ کہ متعدد خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو ماننا بہتر ہے جو غالب ہے۔

(۲) یہ بت مصنوع ہیں، صانع نہیں ہیں، اور یہ مغلوب اور مقہور ہیں غالب اور قاہر نہیں ہیں، کیونکہ اگر کوئی انسان ان کو توڑنا یا خراب کرنا چاہے تو یہ اس کو کسی طرح روک نہیں سکتے اور جب یہ اپنے آپ کو کسی ضرر یا ہلاکت سے نہیں بچا سکتے تو دوسروں کو بھی کسی ضرر اور مصیبت سے نہیں بچا سکتے اور نہ کسی قسم کا کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں، اور یہ جو فرمایا تھا ان متعدد اور مختلف خداؤں کا پوجنا بہتر ہے! اس سے مراد یہ ہے کہ بنانے والے نے مختلف مقدار اور سائز کے بت بنائے تھے اور ان کے رنگ اور ان کی شکلیں بھی مختلف تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان بتوں کے بنانے والے جس رنگ، جس سائز اور جس شکل کے بت چاہتے تھے بنالیتے تھے تو اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ ان متعدد اور مختلف اور مجبور اور مقہور بتوں کی پرستش کرنا بہتر ہے جو کسی سے ضرر دور کرنے اور نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں یا اللہ کی عبادت کرنا بہتر ہے جو واحد ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر خیر اور شر پر غالب ہے وہ جس سے چاہے ضرر دور کر دے اور جس کو چاہے نفع پہنچا دے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کرتا ہے، کیونکہ فرض کرو اگر دو خدا ہوتے تو ہم کو یہ علم نہیں ہے کہ ان دو میں سے ہم کو کس خدا نے پیدا کیا ہے، اور کس نے ہم کو رزق دیا ہے اور کس نے ہم سے آفتوں اور مصیبتوں کو دور کیا ہے، اور کس نے ہم کو نفع پہنچایا ہے تو ہم شک میں پڑ جاتے کہ ہم اس خدا کی عبادت کریں یا اس خدا کی عبادت کریں، اسی طرح جب متعدد اور مختلف بت خدا ہوں گے اور ہر فرض وہ ضرر دور کرنے والے اور نفع پہنچانے والے ہوں تو ہم کو کیسے علم ہو گا کہ ہم کو جو نفع حاصل ہوا ہے یا ہم سے جو ضرر دور ہوتا ہے وہ اس بت کا کارنامہ ہے یا کسی دوسرے بت کا کارنامہ ہے، یا ان دونوں کی یا سب کی مشارکت اور معاونت سے یہ اثر ظاہر ہوا ہے، پھر ہم شک میں پڑ جاتے کہ ہم ان متعدد اور مختلف بتوں میں سے کس کی عبادت کریں اور ان میں سے جس کی بھی عبادت کرتے تو ترجیح بلا مرجع لازم آتی یا ترجیح المرجوح لازم آتی، اور اس وقت ہم شک میں مبتلا ہو جاتے کہ ہماری عبادت کا مستحق یہ بت ہے یا دو سرا بت ہے، لیکن جب خدا ایک ہو گا تو پھر یہ شک نہیں ہو گا اور ہم کو یقین ہو گا کہ صرف ہی ہماری عبادت کا مستحق ہے اور اس پوری کائنات میں عبادت کا اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو اے میرے بھائیو! اب بتاؤ کہ متعدد اور مختلف خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا اللہ کو ماننا بہتر ہے جو غالب اور قہار ہے۔

(۴) قہار کی شرط یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی قہر کرنے والا نہ ہو، اور وہ اپنے سوا ہر ایک کے لیے قہر ہو، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ معبود واجب الوجود لذاتہ ہو کیونکہ اگر وہ ممکن ہو گا تو وہ اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج ہو گا پھر وہ مقہور ہو گا قہار

نہیں ہو گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معبود واحد ہو کیونکہ اگر مثلاً دو معبود ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے پر قابو ہو گا کیونکہ قہار وہ ہوتا ہے جو اپنے سوا ہر ایک کے لیے قہار ہو، اور جب ہر ایک دوسرے پر قابو ہو گا تو ان میں سے ہر ایک مقہور ہو گا اس لیے ضروری ہے کہ جو معبود قہار ہو وہ واجب الوجود لذاتہ ہو اور واحد ہو اور جب معبود واحد ہے تو افلاک معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ متعدد ہیں، نہ کوکب اور سیارے، نہ نور اور ظلمت، نہ عقل نہ نفس، نہ حیوان نہ جمادات نہ نباتات، کیونکہ یہ سب متعدد ہیں سو جس نے ستاروں کو رب مانا تو وہ بھی ارباب مقررین ہیں وہ قہار نہیں ہو سکتے، اسی طرح ارواح اور اجسام میں سے کوئی بھی معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ متعدد ہیں اور متعدد چیزیں قہار نہیں ہو سکتیں، قہار تو صرف واحد ہوتا ہے تو اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ ان متعدد اور مختلف چیزوں کو رب ماننا بہتر ہے یا اللہ کو رب ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس نے اپنی پہچان کرانے کے لیے اور اپنی عبادت کا حکم دینے کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء اور رسل بھیجے اور آسمانی کتابیں اور صحائف نازل کیں، اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس تمام کائنات کو اس نے پیدا کیا ہے اور وہ اکیلا اس نظام کو چلا رہا ہے، فرض کیجئے کہ اس کے علاوہ اور خدا بھی ہے جس نے اس دنیا کو بنانے اور چلانے میں اپنا رول ادا کیا ہے اور وہ بھی عبادت کا مستحق ہے تو کیا اس نے اپنی پہچان اور شناخت کرانے کے لیے اور اپنی عبادت کا حکم دینے کے لیے کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں بھیجا کہ صرف وہی ایک نہیں ہے اس دنیا کو بنانے اور چلانے میں ہم دو خدا ہیں اس کا کوئی نبی بھی اس کے شریک ہونے پر کوئی مجزہ اور دلیل لے کر آیا، اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا میرا خدا سورج کو مشرق سے نکل کر مغرب میں غروب کرتا ہے، تو کیوں نہ اس دوسرے خدا نے اس دعویٰ کو باطل کیا اور اپنی ہستی کا احساس دلانے کے لیے کسی دن سورج کو اس کی مخالف جانب سے طلوع کر کے دکھایا، اللہ تعالیٰ نے کماؤہ زمین سے غلہ پیدا کرتا ہے تو اس دوسرے خدا نے کبھی آسمان سے رزق برسا کر دکھایا ہو تاکہ یہ میری پہچان ہے اور میری شناخت ہے، اس نے بھی اپنی شراکت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی آسمانی کتاب نازل کی ہوئی، اس کے بھی کسی نبی نے کوئی مجزہ پیش کیا ہو تو اپنی شراکت پر مبنی کوئی نظام دیا ہو تا کسی طرح تو اپنے شریک ہونے کا احساس دلایا ہوتا تو اے میرے بھائیو! ان متعدد گونگے اور بے ثبوت خداؤں کو ماننا بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ کو ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے، جس نے اپنی پہچان اور شناخت کے لیے معجزات دے کر ایک لاکھ سے زائد انبیاء اور رسول بھیجے، آسمانی کتابیں نازل کیں، اپنی وحدانیت پر مبنی عبادت کا نظام دیا، اپنی توحید پر اس نظام کائنات کو دلیل بتایا جس دلیل کو آج تک کوئی توڑ نہیں سکا۔ فرض کیجئے کوئی دو سرا خدا بھی ہے اور قیامت کے دن اس نے ہم سے پوچھا کہ تم نے میری عبادت کیوں نہیں کی تو ہم کہہ دیں گے کہ تو نے اپنی پہچان اور شناخت کے لیے اپنا کون سا نمائندہ بھیجا اپنی عبادت کا کون سا طریقہ بتایا تھا تو ہم ایسے گونگے اور بے ثبوت خدا کی عبادت کیسے کرتے!

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان باتوں کو ارباب کیسے فرمایا جبکہ ان میں سے کوئی بھی رب نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام ان کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ رب ہوں تو متعدد رب ماننا بہتر ہے یا واحد۔

(۶) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس کلام میں توحید پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ متعدد آقاؤں کے مقابلہ میں ایک آقا کو راضی کرنا اور اس کی اطاعت کرنا آسان ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص کے دو آقا ہیں، ایک کہتا ہے اس وقت سو جاؤ اور دوسرا کہتا ہے اس وقت جاگتے رہو، ایک کہتا ہے اس وقت کھانا کھاؤ دوسرا کہتا ہے اس وقت کھانا مت کھاؤ تو وہ شخص دونوں کی اطاعت کیسے کر سکتا ہے اور جب ایک شخص دو کی اطاعت نہیں کر سکتا تو متعدد اور مختلف آقاؤں کی اطاعت کیسے کر سکتا ہے، پس اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ متعدد اور مختلف ارباب کو ماننا بہتر ہے یا صرف اللہ کو ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند اسماء ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے، اللہ نے ان کے ساتھ کوئی سند نہیں نازل کی، حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (یوسف: ۳۰)

بتوں کے صرف اسماء ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: کیا متعدد اور متفرق رب ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو جو قہار ہے! اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متفرق ارباب کے سمیات اور ان کے مصداق موجود ہیں، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے صرف اسماء ہیں یعنی سمیات اور مصداق نہیں ہیں، اور یہ ان دو آیتوں میں کھلا ہوا تضاد ہے، اس کے دو جواب ہیں:

(۱) وہ ان بتوں کو الہ اور معبود کہتے تھے حالانکہ ان بتوں میں الہی صفت موجود نہیں تھیں پس یہ بت نام کے الہ اور معبود تھے، الہ اور معبود کے مصداق اور معنی نہ تھے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں اور اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا: وہ ان کے خود ساختہ رب ہیں نہ کہ وہ فی الواقع رب ہیں۔

(۲) روایت ہے کہ وہ بت پرست تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اصل الہ تو نور اعظم ہے اور ملائکہ انوار صغیرہ ہیں اور انہوں نے ان انوار کی صورتوں پر یہ بت تراش لیے تھے اور حقیقت میں ان کے معبود انوار صغیرہ تھے اور یہی مشبہ کا قول ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک بہت بڑا جسم عرش پر مستقر ہے اور وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور حقیقت میں ان کا تصور شدہ جسم موجود نہیں ہے پس وہ ایسے اسماء کی عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۵۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے بتوں کی تعظیم کا حکم دیا ہے

بت پرستوں کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ یہ بت اس معنی میں خدا ہیں کہ انہوں نے اس جہان کو پیدا کیا ہے، لیکن ہم ان بتوں پر معبود کا اس لیے اطلاق کرتے ہیں اور ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی عبادت کرنے اور ان کی تعظیم بجالانے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان بتوں کو الہ اور معبود کہنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کو رکھنے کی کوئی دلیل نازل کی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے یہ حکم دیا ہے تو اس کا حکم لائق التفات اور قابل توجہ نہیں ہے چہ جائیکہ وہ حکم واجب القبول ہو اور اس کی اطاعت ضروری ہو، کیونکہ حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ عبادت انتہائی تعظیم اور اجلال بجالانے کا نام ہے اور انتہائی تعظیم اسی کی جائز ہے جس نے انتہائی انعام و اکرام کیا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو زندگی دی اور اسی نے اس کو عقل، رزق اور ہدایت عطا کی اور اللہ تعالیٰ کی انسان پر حمد و ثناء سے باہر نعمتیں ہیں اور اس کے احسان کی وجوہات غیر متناہی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر انتہائی انعام و اکرام ہے، اور جب انتہائی انعام و اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو انتہائی تعظیم اور اجلال کا بھی وہی مستحق ہے اس لیے اس کے سوا اور کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس بات کی توجیہ کہ اکثر لوگ اللہ کے استحقاق عبادت کو نہیں جانتے

اس کے بعد فرمایا: لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا وہ زمین میں رونما ہونے والے واقعات کا استنباط فلاک اور ستاروں کی طرف کرتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ علم ہے کہ کوئی چیز بھی کسی سبب کے بغیر رونما

نہیں ہوتی، وہ دیکھتے ہیں کہ گرمیوں اور سردیوں کے موسم میں جو زمینی پیداوار حاصل ہوتی ہیں ان میں سورج کی حرکت اور اس کے تغیر کا دخل ہوتا ہے اس لیے ان کے مانعوں میں یہ بہت مرکوز ہو گئی کہ اس جہان میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں ان کا سبب سورج، چاند اور بقی ستارے ہیں، پھر اللہ نے جب انسان کو توفیق دی تو اس نے یہ جان لیا کہ بالفرض ان حوادث کا سبب یہ افلاک اور کواکب ہیں لیکن یہ افلاک اور کواکب بھی تو ممکن اور حادث ہیں، انہیں بھی تو کسی موجد اور خالق کی ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ وہ موجد اور خالق واجب الوجود ہو اور اس کا واحد ہونا ضروری ہے اور جب ان افلاک اور کواکب کا خالق وہ ذات واحد ہے تو کیوں نہ تمام حوادث کا خالق اسی کو مان لیا جائے لیکن ایسے عقل والے بہت کم ہیں اس لیے فرمایا: لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت یوسف نے فرمایا) اے میری قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دو سرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر برعکس اس کے سر سے گوشت نوچ کر کھائیں گے تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے ○ (یوسف: ۳۱)

ساقی اور ٹانہائی کے خواب کی تعبیر

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے مجروحہ پیش کر کے اپنی رسالت کو ثابت کر دیا اور ان کو توحید کا پیغام پہنچا کر بت پرستی سے منع کر دیا تو پھر ان کے سوال کے جواب میں خواب کی تعبیر بیان کی۔

ابن السائب نے بیان کیا جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا میں نے خواب دیکھا کہ میں انگوڑ کے تین خوشوں سے شراب نیمچہ ڈ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بلا شہ تم کو بلوائے گا اور تم کو دوبارہ تمہارے منصب پر بحال کر دے گا اور ٹانہائی سے فرمایا: تم نے برا خواب دیکھا ہے، تم نے خواب دیکھا ہے کہ تم روٹی کی تین زنجیروں اٹھائے ہوئے ہو، تین زنجیروں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بلا شہ تم کو بلوائے گا اور تم کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دے گا اور تمہارے سر سے گوشت نوچ کر پرندے کھائیں گے۔ ان دونوں نے کہا: ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا! حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے۔ یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے خواہ تم نے سچ بولا ہو یا جھوٹ بولا ہو، مغرب اسی طرح واقع ہو گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تاویل کے واقع ہونے کو حتمی اور یقینی طور پر کیوں فرمایا جبکہ خواب کی تعبیر غلطی ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آپکی تھی اور انہوں نے وحی کے ذریعہ جان کر یہ تعبیر بتائی تھی۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے اس سے انہوں نے کہا تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا، پس وہ قید خانہ میں (مزید) کئی سال ٹھہرے رہے ○ (یوسف: ۳۲)

خواب کی تعبیر کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کی توجیہ

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ معلوم تھا کہ ساقی کی نجات ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا کہ جس کے متعلق یوسف کو علم تھا کہ اس کی نجات ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی

بکثرت آیات میں عن یہ معنی یقین بھی مستعمل ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

الَّذِينَ يَطْمَنُونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ - (البقرة: ۳۶)
جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات
کرنے والے ہیں۔

رَأَيْتُ حُلُمْتُ لَيْتِي مُلْقَى جَسَدِي - (الحاقة: ۲۰)
مجھے یہ یقین تھا کہ میں اپنے جسد سے ضرور ملاقات کرنے
والا ہوں۔

شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا جس کے حلق حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ وہ قید خانہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے والا ہے کہ تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا اس کا معنی یہ ہے کہ تم بادشاہ کو یہ بتانا کہ میں اپنے بھائیوں کی طرف سے پہلے ہی مظلوم تھا انہوں نے مجھے گھر سے نکل کر فروخت کر دیا، پھر مجھ پر اس واقعہ کی وجہ سے ظلم ہوا اور مجھ پر حسرت لگا کر مجھے قید کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ امام ابن اسحاق نے کہا بادشاہ کے سامنے ذکر کرنا شیطان نے ساقی کو بھلا دیا۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۷۸۲) لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتے۔ اس صورت میں آیت یوں ہونا چاہیے تھی: فَنَسِيَ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ "پس ساقی کو شیطان نے اس کے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا" جبکہ آیت کے الفاظ اس طرح ہیں فَنَسِيَ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ "پس یوسف کو شیطان نے اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ شیطان کے لیے وسوسہ ڈالنا تو ممکن ہے لیکن نسیان طاری کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ نسیان کا معنی ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور اس پر شیطان کو قدرت نہیں ہے ورنہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں مختلف چیزوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور کسی چیز کے وسوسے ڈال کر کسی اور چیز سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے، شیطان نے کئی چیزوں کی طرف حضرت یوسف کو متوجہ کیا حتیٰ کہ ان میں الجھ کر حضرت یوسف اللہ تعالیٰ سے عرض اور التجا کرنا بھول گئے اور انہوں نے ساقی سے کہا تم بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ مجھے ظلم کیا گیا ہے تاکہ میری رہائی کا سبب ہو جائے، اس معنی کی تائید میں حسب ذیل روایات ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھلانے کے متعلق روایات

امام محمد بن جریر طبری مشہور ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بت حضرت یوسف نے کہی تھی اگر وہ نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۷۷۷)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت یوسف پر رحم فرمائے اگر ان کی وہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۷۷۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۱۶۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف وہ بات نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحديث: ۱۳۷۷۷)

قنادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف بلوشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۷۹)

قنادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف بلوشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے لیکن ان پر اس لیے طلب کیا گیا کہ انہوں بلوشاہ کے پاس شفاعت کو طلب کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۸۰)

عجاہ اور ابو حذیفہ سے بھی اسی طرح کی روایات ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۹۳-۲۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۳۶)

شیطان کے بھلانے کے متعلق اختلاف مفسرین

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۳ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے سلقی کو بلوشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور اس سلسلہ میں عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے اس کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہ لکھا ہے کہ شیطان نے سلقی کو بلوشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد المدوری المتوفی ۴۵۰ھ، علامہ ابو محمد بنوی شافعی متوفی ۵۰۶ھ، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ ابو عبد اللہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۷۸ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرنا بھلا دیا۔

نبی کو بھلانے کی توجیہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی المتوفی ۶۷۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نسیان کی شیطان کی طرف نسبت کرنا کس طرح درست ہوگا حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا بالکل تسلط نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نسیان صرف اس صورت میں محال ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں یعنی وحی الہی کی تبلیغ میں، وہ اس میں مصوم ہوتے ہیں، اور جن صورتوں میں ان سے نسیان ہوتا جائز ہے ان صورتوں میں ان کے نسیان کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور یہ نسبت وہیں کی جاسکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے نسیان کی خبر دی ہو اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کی طرف نسیان کی نسبت کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلِ قَسِيسٍ وَلَمْ

يُخْلِكْ لَهُ عَزْمًا۔ (طہ: ۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ

بھول گئے اور ہم نے ان کی معصیت کا کوئی قصد نہیں پایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۷۶)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محض بشر ہوں، میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ (صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۷۷)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد القمی ایشاہوری المتوفی ۷۷۸ھ لکھتے ہیں:

شیطان کی طرف بھلا دینے کی نسبت مجاز ہے کیونکہ بھلانے کا معنی ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور شیطان کو اس پر بالکل قدرت نہیں ہے ورنہ وہ بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا اس نے صرف دل میں دوسو سے ڈالے اور دل میں ایسے خیالات ڈالے اور ایسے کاموں کی طرف دل کو متوجہ کیا جو نسیان کا سبب بن گئے۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۹۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

شیطان کا بھلانا اس کے اغوا اور گمراہ کرنے کے قبل سے نہیں تھا بلکہ بلند مرتبہ خواص کے ترکِ ادنیٰ کے قبل سے تھا۔

(غایت القاضی ج ۵ ص ۳۰۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھولنے کی بحث آگئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سو ہوا اور آپ سے جو نمازیں قضا ہوئیں اور آپ کے سوا اور نسیان کے متعلق یہاں پر تفصیلی گفتگو کر لیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان کی تحقیق

امام مالک کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ میری سنت قائم کی جائے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۶۵، التبیان ج ۴ ص ۳۵۹، ج ۱۰ ص ۵۵۹، الشفاء ج ۲ ص ۱۳۳)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

آپ کی مراد یہ ہے کہ میں اپنی امت کے لیے اس چیز کو سنت قرار دوں کہ جب ان کو سو ہو جائے تو وہ کس طرح عمل کریں، تاکہ وہ میری اقتداء کریں اور میرے فعل کی اتباع کریں۔

(الاستاذ کار ج ۲ ص ۴۰۲، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

سو اور نسیان کا فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ راغب اصفہانی نے کہ غفلت کی وجہ سے کسی خطا کا سرزد ہو جانا سو ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ سو ہے جس میں انسان کی کوتاہی نہیں ہوتی جس میں غفلت کا سبب اس کا اختیاری فعل نہیں ہوتا، دوسری وہ قسم ہے جس میں غفلت کا سبب اس کا اختیاری فعل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص نشہ آور چیز کھائے پھر بلا قصد کوئی برا کام یا گناہ کرے اور یہ سو مذموم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔

وہ لوگ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔

(المومن: ۵)

یہاں سو سے وہی سو مراد ہے جس میں غفلت کا سبب اختیاری ہو مثلاً کوئی شخص نماز کے وقت سے تھوڑی دیر پہلے سو جائے، نماز کا وقت گزر جائے اور اس کی آنکھ نہ کھلے اور سو کی پہلی قسم کی مثل وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں اکثر واقع ہوا، علامہ خفاجی کہتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ سو اور نسیان میں فرق یہ ہے کہ جو چیز قوتِ حافظہ میں ہو اس سے

معمولی غفلت ہو اور ادنیٰ تنبیہ سے اس کا ذہن اس چیز کی طرف متوجہ ہو جائے تو یہ سو ہے اور جو چیز حائل سے بالکل زائل ہو جائے تو یہ نسیان ہے، اسی وجہ سے اطباء نسیان کو بیماری قرار دیتے ہیں نہ کہ سو کو۔

(نیم الریاض ج ۳ ص ۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

افعال تبلیغیہ میں سو اور نسیان کا جواز اور اقوال تبلیغیہ میں سو اور نسیان کا عدم جواز

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ افعال تبلیغیہ اور افعال شرعیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا قصد اور سو یا مخالفت کا واقع ہونا جائز ہے، جیسا کہ نماز میں آپ کے سو سے حلقِ احلیث ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۰۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۷۳) اور اقوال تبلیغیہ میں آپ سے سو کا واقع ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ اقوال میں آپ کے صدق پر معجزہ قائم ہے اور اس میں مخالفت کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف ہے، اور افعال میں سو کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ نبوت میں طعن اور اعتراض کا موجب ہے، بلکہ یہ دل پر غفلت طاری ہونے اور فعل میں غلطی واقع ہونے کے قبیل سے ہے، جو کہ بشری نقصان ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) اور جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۷۳) بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سو اور نسیان کا طاری ہونا علم کا فیضان کرنے اور شریعت کو مقرر کرنے کا سبب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: میں اس لیے بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں کہ میں کسی فعل کو سنت کروں بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ میں بھولتا نہیں ہوں لیکن میں بھلا دیا جاتا ہوں۔

بلکہ سو اور نسیان کی حالت، تبلیغ میں اضافہ ہے اور نعمت کو کھل کرنا ہے اور نقص اور اعتراض سے بہت دور ہے، کیونکہ جو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سو کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ رسولوں کو سو اور غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے اور وہ فی الفور صحیح حکم کو پہچان لیتے ہیں اور صوفیہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سو، نسیان اور غفلت کا طاری ہونا بالکل جائز نہیں ہے اور جن احادیث میں نماز میں سو واقع ہونے کا ذکر ہے ان کی انہوں نے اپنے طور پر تشریح کی ہے۔ (الافتاء ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بھولنے اور بھلائے جانے کے دو محمل

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف ہاشمی مالکی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ اس فعل کو میں سنت بنا دوں۔ اس حدیث میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ میں بیداری میں بھولتا ہوں اور نیند میں بھلا دیا جاتا ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں سوتا تھا اگرچہ نماز یا کسی اور کام کے وقت آپ کو نیند ہوتی تھی، آپ نے بیداری میں بھولنے کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ اس وقت میں آپ لوگوں کے ساتھ محلات میں مشغول ہوتے تھے، اور نیند کی حالت میں آپ نے اپنے بھولنے کی نسبت اپنے غیر کی طرف کی کیونکہ اس حال میں آپ کی لوگوں کے ساتھ مشغولیت نہیں ہوتی تھی اور اس میں دو سرائح احتمال یہ ہے کہ میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح نسیان میں کسی چیز سے سو اور ذہول ہوتا ہے اور اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے یا کسی چیز کو یاد ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود میں اس کو بھول جاتا ہوں، پس آپ نے بھولنے کی ایک صورت کو اپنی طرف منسوب کیا اور دوسری صورت کو اپنے غیر کی طرف منسوب کیا کیونکہ ایک صورت میں کسی سبب سے بھولنا ہے اور دوسری صورت

میں بغیر کسی سبب کے اضطراری طور پر بھولتا ہے۔

(المستفیج ج ۱ ص ۱۸۲، دارالکتب العربی بیروت، تنویر الحوائک ص ۱۱۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

لیستہ التعمیر میں نماز فجر قضا ہونے کی تحقیق

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (خیبر سے واپسی کے موقع پر) ایک رات کو سفر کر رہے تھے۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم رات کے آخری حصہ میں یہاں قیام کر لیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم سوتے رہو گے اور فجر کی نماز کے لیے نہیں اٹھ سکو گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سب کو بیدار کر دوں گا پس وہ سب لیٹ گئے اور حضرت بلال نے اپنی سواری سے ٹپک لگائی، ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج کی بھوں طلوع ہو چکی تھی، آپ نے فرمایا: اے بلال! تم نے جو کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ حضرت بلال نے کہا آج سے پہلے مجھے کبھی اتنی گہری نیند نہیں آئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اللہ جب چاہتا ہے تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تمہیں وہ روحیں لوٹا دیتا ہے، آپ نے فرمایا: اے بلال! تم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دو، پھر آپ نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہو کر سفید ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو اس کو جب یاد آ جائے تو وہ نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۵) اس حدیث کی بنیاد پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ جب آپ کا دل بیدار تھا تو غزوہ خیبر سے واپسی کے موقع پر رات کے آخری حصہ میں سونے کے بعد آپ کی آنکھ کیوں نہیں کھلی، حتیٰ کہ آپ کی آنکھ اس وقت کھلی جب فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی اور سورج طلوع ہو چکا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ کا دل یاد الہی میں بیدار تھا لیکن فجر کے وقت کو دیکھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور آنکھیں نیند میں تھیں، یعنی قلب جو معقولات اور انوار و تجلیات کا منبع اور مرکز ہے وہ بیدار تھا اور محسوسات اور مہرات کے ادراک کا تعلق آنکھوں سے ہے وہ محو خواب تھیں، اور علامہ یعنی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ غالب احوال میں دل جاگتا رہتا تھا لیکن کبھی کبھی آپ پر عام انسانوں کی طرح ایسی نیند وارد ہوتی تھی جس میں دل بھی محو خواب ہوتا تھا اور یہ واقعہ ایسے ہی احوال میں سے ہے کیونکہ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا: اللہ نے ہمارے روحیں قبض کر لی تھیں، ایک اور حدیث میں فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۲) تیسرا جواب یہ ہے کہ دل جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کی آنکھیں سوتی تھیں تو نیند قلب پر مستغرق نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ وضو ٹوٹ جائے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ سو جاتے تھے لوگ آپ کے خراٹے سنتے تھے، اس کے بعد آپ حضرت بلال کی اذان سن کر بغیر وضو کے نماز پڑھانے پلے جاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۳) چوتھا جواب یہ ہے کہ دل اس لیے جاگتا رہتا ہے کہ نیند میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، لہذا دل کی

بیداری کا معاملہ صرف وحی ربانی سے رابطہ ہے، فجر کے طلوع اور عدم طلوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر جو نماز قضا ہوئی، وہ ظاہر کے اعتبار سے ادا ہے، کیونکہ آپ کا کوئی فعل اجتماع وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور اس موقع پر آپ کو اسی وقت میں فجر کی نماز پڑھنے کا حکم تھا، تاکہ امت کے لیے آپ کی زندگی میں قضا نماز پڑھنے کا اسوہ اور نمونہ قائم ہو، لطف کی بات یہ ہے کہ جب ہم ادا نماز پڑھتے ہیں تو عام طور پر ہمارا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حال میں نماز ظاہر قضا تھی اس وقت بھی آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر اور مستغرق تھا سو جن کی قضا کی یہ کیفیت ہے ان کی ادا کا کیا عالم ہو گا۔
غزوہ خندق میں نمازیں قضا ہونے کی تحقیق

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ غروب آفتاب کے بعد آئے اور انہوں نے کفار قریش کو برا کہا شروع کر دیا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! سورج غروب ہو گیا اور میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم وادی بطنان میں کھڑے ہوئے، آپ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی نماز کے لیے وضو کیا پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۵، صحیح ابن خزيمة رقم الحدیث: ۹۹۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۸۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۲)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

موطا امام مالک میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ آپ سے اس دن ظہر اور عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۴۳) اور حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آپ سے اس دن ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں جو انہوں نے رات شروع ہو جانے کے بعد پڑھیں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۲۴۰) اور سنن ترمذی اور سنن نسائی میں یہ روایت ہے کہ ان کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا کہ ان کی صرف عصر کی نماز قضا ہوئی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دی ہے کہ خندق کی جنگ کئی دنوں تک ہوتی رہی ہے اور نمازوں کے قضا ہونے کے واقعات کئی دنوں کے ہیں، کسی دن صرف عصر کی نماز قضا ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۹۲، مسلم: ۷۳۳) اور کسی دن ظہر اور عصر کی دو نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ موطا میں ہے۔ (موطا: ۴۴۳) اور کسی دن ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ سنن نسائی میں ہے۔ (نسائی: ۶۶۰) اس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور کسی دن چار نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۰-۷۹، مطبوعہ لاہور)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ خندق کے دن چار نمازیں پڑھنے سے مشغول رکھا، حتیٰ کہ رات کا پتا صبح اللہ تعالیٰ نے چلا کر دیا، پھر آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت بھی پھر آپ نے ظہر پڑھی پھر اقامت کی تو آپ نے عصر پڑھی پھر اقامت کی تو آپ نے مغرب پڑھی پھر اقامت کی تو آپ نے عشاء پڑھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۳۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۵، سنن ابوداؤد و ہیثمی رقم الحدیث: ۳۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۲ ص ۷۰، سند احمد ج ۵ ص ۳۷۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۰۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحديث ۱۲۳۸، المعجم الاوسط رقم الحديث ۳۳۰ (غزوہ خندق میں نماز قضا ہونے کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن جو نمازوں کو موخر فرمایا تھا آیا یہ نسیاناً موخر فرمایا تھا یا عمدہ؟ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان نمازوں کو نسیاناً موخر فرمایا تھا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن مغرب کی نماز پڑھی، پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی، تب آپ نے موزن کو حکم دیا اس نے اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور مغرب کی نماز دہرائی۔ دو سرائے قول یہ ہے کہ آپ نے یہ نمازیں عمدہ ترک کی تھیں، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو لڑائی میں مسلسل مشغول رکھا اور انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی مہلت نہیں دی۔

جہاں میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیا اب نماز قضا کی جاسکتی ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیا اب دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو موخر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اب نماز کو اس کے وقت سے موخر کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ اب صلوة خوف پڑھی جائے یعنی ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے اور دوسری جماعت نماز پڑھے، اور غزوہ خندق میں اشتغال کی وجہ سے تاخیر کا عذر تھا کیونکہ اس وقت تک صلوة خوف نازل نہیں ہوئی تھی۔ (حمدة القاری ج ۵ ص ۳۰۰ مطبوعہ دارالابلاغہ البیروتیہ، مصر ۱۳۳۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے جو کہا ہے کہ غزوہ خندق کے وقت تک صلوة خوف نازل نہیں ہوئی تھی اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے جنگ خندق کے دن ہمیں نمازوں سے مشغول رکھا۔ نماز ظہر سے غروب آفتاب تک اس وقت نماز خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جس میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَكَمْ أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ الْمُرْسَلِينَ الْفِتْنَةَ - (۱۸۱: ۲۵) اور اللہ نے مومنین کو قتل سے کفایت فرمادی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کی اقامت کہی اور آپ نے اس طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں ظہر پڑھتے تھے، پھر انہوں نے عصر کی اقامت کی اور آپ نے اس طرح عصر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں عصر پڑھتے تھے، پھر انہوں نے مغرب کی اذان دی تو آپ نے اس طرح مغرب کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں مغرب پڑھتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحديث ۳۳۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۳۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں موخر کیں تھیں اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ امت کو یہ مسئلہ بتایا جائے کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو (یعنی جس شخص کی بلوغت کے بعد پانچ یا اس سے زائد نمازیں چھوٹی ہوئی نہ ہوں) وہ اس وقت تک ادا نماز نہیں پڑھے گا جب تک کہ اپنی قضا نماز نہ پڑھ لے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں، پھر عشاء کی نماز پڑھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں میں سو کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سولہاں اس کے متعلق تین حدیثیں ہیں: ایک حضرت ذوالعیدین کی حدیث ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحديث ۳۸۵، صحیح مسلم

رقم الحدیث: ۵۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۰۸۸ دو سری حدیث حضرت امین یحییٰ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد قصہ اولیٰ نہیں کیا اور کھڑے ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳۳) تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں پانچ رکعات پڑھادیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد رقم الحدیث: ۵۳۷، رقم الترمذی: ۵۷۳، رقم المسلسل: ۱۲۰۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام صورتوں میں سجدہ سو کیا اگر آپ کو یہ سو واقع نہ ہو تا تو آپ کی نمازیں تو ہو جاتیں لیکن جب ہماری نمازوں میں سو ہو تا تو ہماری نمازیں کس کے دامن میں پناہ لیتیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، یہ تشبیہ نفس نسیان میں ہے، ورنہ نسیان کی کیفیت میں بہت فرق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز میں بھول گئے تھے اس کی تحقیق یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت آپ یاد الہی میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ ا فصل نماز سے آپ کی توجہ ہٹ گئی اور چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات نماز پڑھا دی، جبکہ اللہ ابھولنا عموماً اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم دنیاوی مشغلات میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور ا فصل نماز کی طرف توجہ نہیں رہتی، خلاصہ یہ ہے کہ ہم دنیا کی محبت میں بھولتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھولتے ہیں، ہمارا بھولنا نقص ہے اور آپ کا بھولنا مکمل ہے۔ حضرت ابو بکر نے یوحنا کو نہیں کما تھا بلکہ بنی بنی کنت مسہو محمد۔ کاش میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سو ہی ہو جاتا۔ (مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم ص ۱۸۸) اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات میں صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس آیت کے دو حمل ہیں: ایک یہ کہ شیطان نے سلق کو ہلاک کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا اور دوسرا یہ کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ کا ذکر کرنا بھلا دیا اور یہ اسلوا مجازی ہے، بھلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن شیطان اس کا سبب بنا اس نے آپ کا ذہن اپنی پریشانیوں اور دوسرے عوارض کی طرف متوجہ کر دیا اور آپ اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرنا بھول گئے اور آپ نے سلق سے کہا کہ تم ہلاک کے سامنے میری مظلومیت کا ذکر کرنا۔ امام فخرالدین رازی اور بعض دوسرے مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ اور احادیث اور آثار بھی اسی تفسیر کے موید ہیں۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی حوالہ ۲۶۶ لکھتے ہیں:

اچھا یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی مظلومیت میں مخلوق میں سے کسی شخص کی طرف رجوع نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرتے اور اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کرتے کیونکہ جب ان کو تحقیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنے لگے تو آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہہ دیا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے کہہ دیا کہ تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے! اور چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی حاجت اس سلق کے سامنے پیش کی اور اس سے کہا کہ تم ہلاک سے میرا ذکر کرنا اور مخلوق سے مدد مانگنا ہرچہ کہ بجا نہ نہیں ہے لیکن یہ چیز حضرت یوسف کی تدبیرانہ شان کے خلاف تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس توحید کے وارث تھے اس کے مناسب نہ تھی اس لیے ان پر عتاب کیا گیا اور وہ مزید دو سال قید میں رکھے گئے۔

امام رازی فرماتے ہیں: میری عراب ستون سال کی ہو گئی اور میری پوری زندگی کا یہ تجربہ ہے کہ انسان جب بھی اپنے کسی معاملہ کو غیر اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اپنے کسی کام میں غیر اللہ پر احکام کرتا ہے تو وہ کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو جاتا

ہے اور کسی مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور انسان جب اللہ پر اکتلا کرتا ہے اور حقوق میں سے کسی کی طرف رجوع نہیں کرتا تو اس کا مطلوب اور مقصود نجاتِ عمرہ طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے اور اب میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سوا کسی اور پر اکتلا کرنا اور اپنی حاجت اور سہولت میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف رجوع کرنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۲۷ مسند احمد ج ۷ ص ۳۷۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۹۸۸۸ شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۳ المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۷) غیر اللہ سے استمداد کا جواز

علامہ محمود بن عمر زقزقی خوارزمی حنفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے جو مدد لی تھی اس پر کیوں عتاب کیا گیا جبکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں غیر اللہ سے مدد لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ - (المائدہ: ۲) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی حکایت کی ہے:

مَنْ اتَّصَلَانِي إِلَى الْبَلَاءِ - (آل عمران: ۵۴) اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہیں؟

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا اور اللہ اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۸۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۳۴ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۹۹ مسند الشیخ رقم الحدیث: ۳۵۸۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے، اور جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۲۱)

سنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۷۲۷ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۳۳ سنن الکبریٰ للشیخ ج ۶ ص ۹۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۷۳ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۵۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عید آنے کے بعد اہل بیام میں ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا! پھر ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۳ سنن ابی یزید رقم الحدیث: ۳۷۵۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۸۸ مسند احمد ج ۶ ص ۹۳۰ الادب المفرد رقم الحدیث: ۸۷۸۸ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۳۲۵ مسند ابی یزید رقم الحدیث: ۳۸۵۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۸۶ المستدرک ج ۳ ص ۵۶)

پھر علامہ زعزعی لکھتے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کام میں مدد حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرض کے ازالہ کے لیے دواؤں کو تناول کرنا اور طاقت حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا (یا مقویات کھانا) خواہ کافر سے مدد لی جائے کیونکہ وہ بادشاہ کافر تھا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ظلم سے بچنے کے لیے یاد دہانی میں ڈوبنے اور آگ میں جلنے سے بچنے کے لیے اور اسی طرح کی دوسری مصیبتوں میں کفار سے مدد لینا جائز ہے۔

مخلوق سے استدعا کی بنا پر حضرت یوسف سے مواخذہ کی توجیہ

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مخلوق سے مدد لینا جائز ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر اس بادشاہ سے مدد طلب کی تھی تو ان پر عتاب کیوں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوق سے بلند مرتبہ عطا کیا ہے اسی طرح ان کے تمام احوال اور افعال کو بھی عام لوگوں کے احوال اور افعال سے بلند رکھا ہے اور نبی کے لیے احسن اور اعلیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اپنے معاملہ کو اللہ کے سوا اور کسی کے سپرد نہ کرے اور اللہ کے سوا کسی سے مدد طلب نہ کرے، خصوصاً کسی کافر سے مدد طلب نہ کرے تاکہ کفار اس سے خوش نہ ہوں اور یہ نہ کہیں کہ اگر یہ نبی حق پر ہوتا اور واقعی اس کا رب واحد ہوتا تو یہ اسی سے مدد طلب کرتا اور ہم سے مدد طلب نہ کرتا۔ حسن بھری سے روایت ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تو بہت روتے اور یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! اگر ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ہم کو مخلوق کے سپرد نہ کرنا۔ (الکشاف ج ۲ ص ۳۳۶-۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لیے مخلوق سے استدعا اور استعانت کرنا ہر چند کہ لائق تحسین ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے۔ (انوار التنزیل مع حلیات القاضی ج ۵ ص ۳۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۷۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ اشارہ ہے کہ بادشاہ سے مدد طلب کرنے پر حضرت یوسف پر کیوں عتاب کیا گیا ہلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وتعاونوا علی البر والتقوی۔ (النساء: ۲) اور اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں اس کا یہ جواب دیا کہ ہر چند کہ مخلوق سے استعانت قابل تعریف ہے لیکن خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق اس کو ترک کرنا ہے۔

(حلیات القاضی ج ۵ ص ۳۱۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

ظلم کو دور کرنے کے لیے غیر اللہ سے مدد حاصل کرنا شریعت میں جائز ہے اور اس پر اعتراض نہیں ہے لیکن جو حضرات

عبودت کے سمندر میں فرق ہوتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام وہ اگر ایسا کریں تو ان پر عتاب ہوتا ہے، اور جب اتنی سی بات پر حضرت یوسف علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اور ان کی قید کی مدت میں سات سال اضافہ کر دیا گیا کیونکہ ساقی کو سات سال بعد بادشاہ سے حضرت یوسف کے ذکر کرنے کا خیال آیا تو اگر عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ انہوں نے وہ کچھ کیا ہوتا جس کا بعض من گھڑت روایات میں ذکر ہے تو ان پر سخت گرفت ہوتی لیکن جب اس سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار پر محض اتمام لگایا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہہ بادشاہ سے میری مظلومیت کا ذکر کر، یہ بتانا کہ مجھے باحق احسان میں ڈالا گیا ہے اور اسے میرا مرتبہ اور مقام بتانا اور مجھے جو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کا ذکر کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور استعانت غلّی میں کشادگی کو طلب کرنے کے لیے کہا تھا اور ان کے نزدیک یہ ان کی قید سے رہائی کا سبب تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا من انصاری الی اللہ۔

(المحرر المیط ج ۶ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے مخلوق سے مدد طلب کرنے پر جو گرفت کی گئی اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مصائب کو دور کرنے کے لیے بدوں سے جو مدد طلب کی جاتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حکم افلاس کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مصائب کے یہ لائق ہے کہ وہ مخلوق سے استعانت کو ترک کر دیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۳۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت

امام ابو جعفر محمد بن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ثلاۃ، وہب بن منبہ اور ابن جریر نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔

(جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت میں ثمن قول ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا یہ مدت بارہ سال ہے، ضحاک نے کہا یہ مدت چودہ سال ہے، ثلاۃ نے کہا یہ مدت سات سال ہے۔

(ازار المسیر ج ۳ ص ۲۲۸، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف پر جو گرفت کی تھی اس کی وجہ سے جو قید میں اضافہ ہوا اس کی مدت سات سال یا نو سال تھی اور اس سے پہلے وہ پانچ سال قید میں رہے تھے، اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے: پس وہ قید خانہ میں مزید چند سال رہے، یہ اس عتاب کے نتیجہ میں قید کی مدت ہے نہ کہ کل قید کی مدت، اس لحاظ سے ان کی قید کی کل مدت بارہ سال یا نو سال ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ سات قرۃ گاؤں ہیں جن کو سات ذیل گاؤں

عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتَبِلَاتٌ خُضِرٌ وَأَخْرَیْطٌ يَأْكُلُهَا أَمْلَأُفْتُونِي

کما رہی ہیں اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات اسو کے چمکے خوشے دیکھے اے میرے درباریو!

فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَى تَعْبُرُونَ ۝ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ

میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو! ۝ انہوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں،

وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۝ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا

اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ۝ ان دو قیدیوں میں سے جو نہات یافتہ تھا

وَاذْكُرْ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝ يُونُسُ

اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے یوسف کے پاس بھیج دو ۝

أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

اے یوسف کے پاس جا کر کہا اے یوسف! اے بہت سچا کہنے والے! میں اس خواب کی تعبیر بتا چکے کہ سات قرۃ گاؤں ہیں جن کو سات ذیل

عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتَبِلَاتٌ خُضِرٌ وَأَخْرَیْطٌ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى

گاؤں کما رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں، اور سات اسو کے چمکے خوشے ہیں، تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَا

لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا ترجمہ جان لیں ۝ یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے،

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ

پھر تم جو کمیت کاٹو تو تمام غلے کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا ماسوا ان قلیل غلے کے جن کو تم کھاؤ ۝ پھر

يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ أَكْلُنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

اس کے بعد سات خشک سال آئیں گے وہ ان غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے پیش کر کے رکھا تھا

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصُونَ ﴿٢٩﴾ تَعْرِياتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ

ما سوا تھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے ○ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں

فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٣٠﴾

لوگوں پر بارشیں ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں کو چھڑیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سات فریہ گائیں ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھاری ہیں، اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکے ہوئے (خوشے دیکھے) اے میرے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو ○ (یوسف: ۳۳)

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرماتا ہے، جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور کشادگی کے دن قریب آگئے، تو مصر کے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور ان کو کشادگی کی بشارت دی، اور کہا کہ اللہ عزوجل آپ کو قید خانہ سے نکالتے والا ہے اور آپ کو اس زمین کا اقتدار عطا کرنے والا ہے، اس زمین کے بادشاہ آپ کے تابع ہو جائیں گے اور سردار آپ کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ بادشاہ ایسا خواب دیکھے گا اور اس کی ایسی ایسی تعبیر ہوگی، پھر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے وہ خواب دیکھا جس کے نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہائی مل گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ ان کے لیے سختی اور مصیبت کا سبب بن گیا تھا اور بادشاہ کا یہ خواب ان کے لیے کشادگی اور رحمت کا سبب بن گیا۔

مصر کے بادشاہ الریان بن الولید نے خواب دیکھا کہ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور ان کے پیچھے سات دہلی گائیں نکلیں، انہوں نے ان موٹی تازی گایوں کو کان سے پکڑا اور کھا گئیں اور اس نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات سوکے ہوئے خوشے دیکھے، ان سوکے ہوئے خوشوں نے ان سرسبز خوشوں کو کھالیا اور ان میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور سوکے ہوئے خوشے اسی طرح سوکے رہے، اسی طرح دہلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھالیا تھا اور وہ اسی طرح دہلی کی دہلی رہیں۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ گھبرا گیا اس نے لوگوں کو، اہل علم کو، کابینوں کو، نجومیوں کو، جادو گروں کو اور سرداروں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کر کے کہا: اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۷۴، زاد المسیر ج ۴، ص ۲۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ○

(یوسف: ۳۳)

اضغاث احلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

صعٹ کا معنی ہے بے ربط اور غلط فط باتیں، گھاس پھوس کا مٹھی بھر مجموعہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس خواب کو بہت لوگ دیکھیں اور ان کو جمع کر کے ایسا مجموعہ یا گٹھا بنالیا جائے جیسے سوکھی ہوئی گھاس کا گٹھا ہوتا ہے، اس سے مراد وہ خواب ہے جس

کی تعبیر نہ بیان کی جاسکے۔ انکسلی نے کہہ اضغاث احلام کا معنی ہے طے جٹے اور خلط طوط خواب۔ ابن قتیہ نے کہہ اضغاث احلام کا معنی ہے جس طرح آدمی مختلف گھاسوں کو ملا کر ایک گٹھا بنا تا ہے اور اس میں طرح طرح کی گھاس ہوتی ہے اسی طرح جس خواب میں مختلف النوع باتیں دکھائی دیں۔ ہر جگہ نے کہہ الضغاث کا معنی ہے کسی چیز کا گٹھا مثلاً سبز یوں یا ان جیسی چیزوں کا ان کی مڑو یہ تھی کہ تم نے خواب میں چند ملی جلی چیزیں دیکھی ہیں، یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے اور ایسے طے جٹے خواب کی تعبیر کا ہمیں علم نہیں ہے۔

الاحلام، حلم کی جمع ہے، انسان خیمہ میں جو خواب دیکھتا ہے اس کو حلم کہتے ہیں، بعض خواب صحیح ہوتے ہیں اور بعض باطل ہوتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۳۰ مطبوعہ دار الکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد ایشی پوری المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نفس ناظمہ کو اس صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ وہ عالم افلاک تک پہنچ سکتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کر سکتا ہے، لیکن بیداری میں نفس ناظمہ بدن کی تدبیر اور حواس میں تصرف کرنے میں مشغول ہوتا ہے، اس بلع کی وجہ سے وہ بیداری میں لوح محفوظ کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور خیمہ کے وقت یہ مشغولیات کم ہو جاتی ہیں تو نفس اس مطالعہ پر قوی ہو جاتا ہے، اور جب روح ان احوال میں سے کسی محل پر واقف ہو جاتی ہے تو اگر وہ احوال اس مسئلہ کے مطابق خیال میں مستش ہو جاتے ہیں تو ان کی تعبیر میں کسی تاویل کی احتیاج نہیں ہوتی اور اگر ان احوال کی رموز یا ان کے اشارات خیال میں مرتسم ہوں تو پھر ان کی تعبیر میں تاویل کی احتیاج ہوتی ہے، پھر اگر وہ رموز اور اشارات مربوط، مرتب اور منظم ہوں تو ان منقبات سے حقائق روحانیہ کی طرف منتقل ہوتا اور ان کی تاویل کرنا تعبیر کرنے والے کے لیے سہل اور آسان ہوتا ہے، اور بعض اوقات وہ رموز اور اشارات غلط، مضطرب اور غیر منضبط ہوتے ہیں اور ان کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور ان کی ترتیب اور تالیف میں تشویش ہوتی ہے اور ان سے کسی چیز کی تصویر کشی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسے ہی خوابوں کو اضغاث احلام کہا جاتا ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ بدن کی قوتوں میں کسی فساد کی وجہ سے قوت منطیقہ میں تشویش پیدا ہوتی ہے یا خارج میں کسی غیر مانوس چیز سے سہمتہ پڑتا ہے اور اس کو اضغاث اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تعبیر بیان کرنے والوں کو تھکا رہتی ہے۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۴۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

سو کئی ہوئی گھاس کے مختلف اور منتشر ٹکڑوں کے گٹھے کو صحت کہتے ہیں، انسان جو خواب دیکھتا ہے کبھی تو اس کا معنی بالکل واضح ہوتا ہے جیسے انسان بیداری میں سوچ بچار کرتا ہے اور کبھی اس کا معنی غیر مربوط، غیر منضبط اور غیر واضح ہوتا ہے، جیسے غیر مناسب اور غیر مربوط اور غیر مرتب گھاس کے ٹکڑوں کا گٹھا ہو اس کو اضغاث احلام کہتے ہیں، اس میں غیر مربوط خیالات کو غیر مناسب اور مختلف قسم کے گھاس کے ٹکڑوں کے مجموعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ہم نے یوسف ۱۲ میں اضغاث احلام کی زیادہ وضاحت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دو قیدیوں میں سے جو نجات یافتہ تھا اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں، مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو (یوسف: ۳۵) مدت گزرنے کے بعد حضرت یوسف کا ذکر کرنے کی توجیہ

بادشاه نے جب درباریوں سے خواب کے متعلق پوچھا اور وہ اس کی تعبیر نہ بتا سکے اس وقت اس سلق نے کہا کہ قید خانے میں ایک شخص بہت عالم فاضل ہے اور بہت نیک ہے اور بہت عبادت گزار ہے، میں نے اور بارہا سنی ہے جو خواب دیکھے

تھے ہم نے اس سے ان خوابوں کی تعبیر بھی تھی اور اس کی بتائی ہوئی تعبیر بالکل صحیح اور درست واقع ہوئی، اگر آپ بھی اپنے خواب کی صحیح تعبیر چاہتے ہیں تو مجھے اس کے پاس قید خانے میں بھیج دیں، میں اس سے صحیح تعبیر معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۵ھ)

بعض علما نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: اسے ایک مدت کے بعد یوسف یاد آیا، یہ ترجمہ اس نظریہ پر مبنی ہے کہ شیطان نے سلق کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں حضرت یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا لیکن احادیث، آثار اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں الٹا اور ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور انہوں نے سلق سے کہا کہ وہ ہلاک کے سلسلے میں ان کی مظلومیت کا ذکر کرے، اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے اس لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا۔

ابو صلیح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سلق نے اس وقت تک ہلاک کے سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا جب تک ہلاک کو خواب کی تعبیر بتانے کے لیے کسی ماہر کی ضرورت نہیں پڑی، اس وقت اس نے ہلاک کے سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ اس کو ذرا تھا کہ اگر اس نے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور حضرت یوسف کے بے قصور قید ہونے کا بتایا تو ہلاک کے ذہن میں خود اس سلق کا جرم پھر سے تازہ ہو جائے گا جس وجہ سے اس کو قید کیا گیا تھا اور اس کو خطرہ تھا کہ یہ امر اس کے لیے کسی مصیبت کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔

(ازاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے یوسف کے پاس جا کر کہا) اے یوسف! اے بہت سچے بچے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات فریہ گائیں ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھاری ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور سات سوکے ہوئے (خوشے ہیں) تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں۔ (یوسف: ۳۶) جس سے علم حاصل کیا جائے اس کی تعظیم اور تکریم لازم ہے

سلق نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہا جس کا معنی ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا اور اس نے آپ کی یہ صفت اس لیے بیان کی کہ اس نے آپ کو ہمیشہ سچ بولنے والا پایا اور اس لیے کہ آپ نے اس کو جو تعبیر بتائی تھی وہ صادق ہوئی، اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص کسی سے علم حاصل کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرے اور اس کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرے جو احترام اور تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔ سلق نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ساری باتیں خواب میں وہی الفاظ ذکر کیے جو الفاظ ہلاک نے ذکر کیے تھے اور یہ اس وجہ سے کیا کہ اگر خواب کے الفاظ میں تبدیلی کر دی جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی تعبیر بھی بدل جائے، اس لیے سلق نے احتیاط کی اور خواب کے بیچہ وہی الفاظ بیان کیے جو ہلاک نے ذکر کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے، پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلہ کو ان کے خوشوں میں بھونڈو دلاؤ اس قبیل غلے کے جن کو تم کھاؤ۔ پھر اس کے بعد سات خشک سال کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا سو اتھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں لوگ بھلوں کو بچھڑیں گے۔ (یوسف: ۴۹-۵۰)

حضرت یوسف علیہ السلام کے مکارم اخلاق

ان آیات سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند ظرف اور مکارم اخلاق کا پتا چلتا ہے، آپ نے سلق کو تاکید سے کہا تھا

کہ وہ بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرے، سلقی نے سات سال تک بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف کا ذکر نہیں کیا۔ پھر وہ اپنی ضرورت سے حضرت یوسف سے خواب کی تعبیر پوچھنے گیا تو حضرت یوسف نے اس کو کوئی سرزنش یا ملامت نہیں کی بلکہ شرح صدر کے ساتھ اس کو خواب کی تعبیر بتادی۔ سلقی کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے حضرت یوسف کو مزید سات یا نو سال قید میں رہنا پڑا۔ یہ ایک تقدیری امر تھا لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اگر سلقی جاتے ہی حضرت یوسف کی مظلومیت اور ان کے بلا تصور قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کر دیتا اور بادشاہ حضرت یوسف پر رحم کھا کر ان کو قید سے رہائی دلا دیتا تو یہ بادشاہ کا حضرت یوسف پر احسان ہوتا اور جب بادشاہ کو خود ان کی ضرورت پڑی اور حضرت یوسف نے خواب کی تعبیر بتلا کر بادشاہ کی الجھن کو دور کیا تو اب بادشاہ حضرت یوسف کا زیر احسان تھا گویا اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک کافر کا اس کے نبی پر احسان ہو بلکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ کافر بادشاہ حضرت یوسف کے زیر احسان رہے بلکہ حضرت یوسف نے بعد میں آنے والے سات قحط کے سالوں سے نجات کا جو طریقہ بتایا اس سے قوم مصر کی پوری قوم حضرت یوسف کے زیر احسان تھی۔

مستقبل کے لیے پس انداز کرنے اور قومی ضرورت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنے کا جواز

خواب کی تعبیر میں حضرت یوسف نے گہوں کو سالوں سے تعبیر کیا اور فریہ گاہوں کو خوش حالی اور غلہ کی فراوانی کے سالوں سے تعبیر کیا اور دلی گہوں کو خشک سالی اور قحط کے سالوں سے تعبیر کیا۔ پھر ان کو معیشت کی اصلاح کا طریقہ بتایا کہ وہ خوش حالی اور غلہ کی فراوانی کے سالوں میں ضرورت سے زیادہ غلہ کو خرچ نہ کریں اور بے تحاشا خرچ کر کے ضائع نہ کریں بلکہ مستقبل میں آنے والے قحط کے سات سالوں کے لیے غلہ کو بچا کر رکھیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مستقبل کے لیے مل کو پس انداز کرنا مصلحت کے اعتبار سے ضروری ہے اور بتلوی صلیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ بچا کر نہ رکھا کرو، جس نے صبح کھانے کو دیا ہے شام کو بھی دے گا نیز اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ قومی ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزی جائز ہے منع اس صورت میں ہے جب لوگ بھوکے مر رہے ہوں اور تاجر اپنا نفع بوجھانے کے لیے غلہ کو گوداموں میں چھپا کر رکھیں اور مارکیٹ میں فروخت کے لیے نہ لائیں۔

خواب کا پہلی تعبیر پر واقع ہونا ضروری نہیں

بادشاہ کے درباریوں نے بادشاہ کے خواب کو اضعاف احلام قرار دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کو باحتمال قرار دیا اور اس کی تعبیر بتائی، اس سے معلوم ہوا کہ جو وہ سراسر محض خواب کی تعبیر بتائے خواب اس پر بھی واقع ہو جاتا ہے اور ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ درج ذیل حدیث ضعیف ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کا ایک ہالٹن ہوتا ہے پس خواب کی تعبیر کنایہ سے اس کے ہم سے بیان کرو۔ خواب کی جو پہلی تعبیر بتائی جائے خواب اس پر واقع ہوتا ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر خواب میں مثلاً سالم ہم کے محض کو دیکھو تو اس کی تعبیر سلامتی بیان کرو، اگر کوئے کو دیکھے تو اس کی تعبیر قاتل ہے کیونکہ حدیث میں کوئے کو قاتل فرمایا ہے اور اگر پہلی دیکھے تو اس کی تعبیر عورت ہے اور کنایہ سے مراد مثل ہے مثلاً کجور کا درخت دیکھے تو اس کی تعبیر نیکی کرنے والا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۱۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۱۳۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۸۰۲)

علامہ یوسفی نے کہا: اس حدیث کی سند میں یزید بن ابیہن رقاشی ہے اور وہ ضعیف ہے، حافظ ابن عسقلانی نے بھی اس حدیث کو یزید رقاشی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۲ طبع لاہور ۱۳۷۴ھ)

تمام مقاصد حیات کے لیے شریعت کا مکمل ہونا

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تمام لوگوں کے لیے رحمت ہوتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، وہ عقائد کی اصلاح کرتے ہیں، مکارم اخلاق کی ہدایت دیتے ہیں، تزکیہ نفوس کرتے ہیں اور معیشت اور اقتصادیات کی اصلاح کے لیے بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ غلہ کی فراوانی کے سات سالوں میں وہ کس طرح آئندہ کے سات سالوں کے لیے غلہ کو محفوظ رکھیں اور اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا کام صرف دین کی حفاظت اور عبادت کا نظام قائم کرنا نہیں ہے بلکہ شریعت جان کی حفاظت کا بھی نظام قائم کرتی ہے اسی لیے قصاص اور دیت کا نظام قائم کیا اور مال کی حفاظت کے لیے چوری اور ڈاکہ کی حدود مقرر کیں، عقل کی حفاظت کے لیے شراب کی حد مقرر کی، نسب کی حفاظت کے لیے نکاح کا نظام قائم کیا اور زنا کی حد مقرر کی اور عزت کی حفاظت کے لیے حد قذف مقرر کی اور معیشت کی حفاظت اور اقتصادی حالت کو توازن پر رکھنے کے لیے زکوٰۃ اور عشر کا نظام قائم کیا اور احکام کو ممنوع قرار دیا اور اس آیت میں غلہ کے زمانہ میں غلہ کو برقرار رکھنے کے طریقہ کی رہنمائی کی، غرض شریعت انسان کی اصلاح کے تمام پہلوؤں اور اس کے تمام مقاصد کی حفاظت کو محیط ہے اور اس پر عمل کرنے ہی میں دین اور دنیا کی فلاح ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا غیب کی خبریں دینا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کافر کا خواب بھی صحیح ہوتا ہے اور اس کی تعبیر بھی سچی ہوتی ہے تو پھر مومن کے خواب اور پھر نبی کے خواب کی صحت اور صداقت کا کیا عالم ہو گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر میں بتایا کہ ان پر سات سال غلہ کی فراوانی کے ہوں گے اور سات سال قحط کے ہوں گے پھر اس کے بعد ایک سال میں بہت بارش ہوگی اور زمین بہت پھل اگلے گی اور لوگ پہلوں سے رس نہجڑیں گے اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے آنے والے پندرہ سالوں کی حقیقی خبریں بیان کر دیں اور یہ سب خبریں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے بیان کیں اور یہ غیب کی خبریں تھیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اَنْتَوْنِي بِهٖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ اَرْجِعْ اِلٰى

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا اپنے

رَبِّكَ فَسَلِّهٖ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قُطِعْنَ اَيْدِيهِنَّ اِنْ رَّبِّي

آپ کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، بے شک میرا رب

يَكْبِتْهُمْ عَنْ عَلِيمٍ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمْ اِذَا رَاوَدْتُنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَفْسِهٖ

ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے ○ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنے

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ ۖ قَالَتْ اٰمَرَاتُ الْعَزِیْزِ اَلَنْ

کی کوشش کرتی؟ انہوں نے کہا حاشا خدا! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی، عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات

حَقَّ الْحَقُّ أَنَا رَأَوْدَتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾

ظاہر ہو رہی گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ سچوں میں سے تھے ○

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ

اس نے کہا میں نے یہ اس پر کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی جان لے کر بے شک اللہ

الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

خیانت کرنے والوں کی سازش کو کامیاب کرنے میں نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، جب ان کے پاس قہر آیا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ لٹ لے تھے بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے ○ (یوسف: ۵۰)

علم دین کی وجہ سے روز قیامت علماء کی مغفرت

جب وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر معلوم کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور بادشاہ کو وہ تعبیر بتائی تو بادشاہ نے اس تعبیر کو بہت پسند کیا اور کہا کہ یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، اور یہ واقعہ علم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کو ان کی دنیاوی مصیبت سے نجات کا سبب بنادیا اور جب علم دنیاوی مصیبت سے نجات کا سبب ہے تو آخرت اور قیامت کے مصائب سے نجات کا سبب کیوں نہیں ہوگا!

حضرت ثعلبہ بن احکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل جب بندوں پر اپنا فضل کرنے کے لیے اپنی کرسی پر بیٹھا ہو گا تو وہ علماء سے فرمائے گا میں نے اپنا علم اور اپنا حکم (نظام، قانون) تم کو صرف اس لیے عطا کیا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا تھا اور میں بے نیاز ہوں۔

(۱) المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۸۱، حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶، تاہم اس حدیث کا ایک راوی الطلاء بن مسلمہ وضع فی الحدیث کے ساتھ منہم ہے اور البیہقی نے اس حدیث کا ذکر السنن الضعیفہ میں کیا ہے رقم: ۸۶۷، خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن نقل میں ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس حدیث کے شواہد بھی ہیں)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ قیامت کے دن علماء کو اٹھائے گا اور فرمائے گا: میں نے اپنا علم تم میں اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

(۲) المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۰، حافظ البیہقی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶)

حضرت واہب بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ علماء کو جمع کر کے فرمائے گا: میں نے تمہارے دلوں میں حکمت اس لیے نہیں رکھی تھی کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں، جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(۱) الکامل فی معانی الرجال ج ۶، ص ۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۷۷ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۹۳)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت یوسف کی تحسین کرنا

جب ہوشلہ کا قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ان کو بلانے کے لیے پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک ان کی اس تحت سے براءت نہ ثابت ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس عمل کی تعریف فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکرم بن الکرم بن الکرم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں، آپ نے فرمایا: اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت حضرت یوسف رہے تھے، پھر مجھے قاصد بلانے آتا تو میں اس کے بلانے پر چلا جاتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ولما جاءه الرسول قال ارجع الی ربک فبسطه ما بال المسوۃ الشی قطع عن یدیهس۔ (یوسف: ۵۰)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۱۷، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحدیث: ۳۷۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا اور اپنے بے قصور ہونے کی حجت کو تلاش نہ کرتا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۰۷)

مکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے موٹی اور دلی گالیوں کے حلق سوال کیا گیا کہ میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو بالکل جواب نہ دیتا اور یہ شرط رکھتا کہ پہلے وہ مجھے قید خانے سے نکالیں، اور مجھے حضرت یوسف کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان کے پاس قاصد آیا تو اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں دروازے سے نکلنے کی طرف جلدی کرتا، لیکن حضرت یوسف نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے بے قصور ہونے کی حجت ظاہر ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث: ۸۲۳۷، طبع جدید دار الفکر، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۳۳)

رہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توقف کرنے کی وجوہات

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے توقف کیا جب تک کہ ان کے قصور ہونا واضح نہ ہو جائے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے احتیاط اور دانش مندی کو جو ملحوظ رکھا اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اگر حضرت یوسف ہوشلہ کے بلانے پر فوراً چلے جاتے تو ہوشلہ کے دل میں حضرت یوسف پر لگائی ہوئی تحت کا اثر باقی رہتا اور جب خود ہوشلہ نے حضرت یوسف پر لگائی ہوئی تحت کی تحقیق اور تحقیق کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بے قصور ہونا واضح ہو گیا تو اب کسی کے لیے یہ گنجائش نہ رہی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار پر انگلی اٹھاتا۔

(۲) جو شخص بارہ یا چودہ سال قید خانہ میں رہا ہو پھر اس کو قید خانہ سے نکلنے کا موقع ملے تو وہ رہائی کی طرف جھپٹ پڑتا ہے، اور جب حضرت یوسف نے قید خانے سے نکلنے میں توقف کیا تو معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف انتہائی دانش مند، محکم اور بہت صابر ہیں، اور ایسے شخص کے حلق یہ پور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہر قسم کی تحت سے بری ہو گا اور ایسے شخص کے متعلق یہ یقین کیا جاسکے گا کہ اس پر جو اتہام لگایا جائے گا وہ جھوٹا ہو گا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کا ہوشلہ سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ان کے بے قصور ہونے کو ان عورتوں سے معلوم کرے، ان کے بہت زیادہ پارہ پارہ اور پاک دامن ہونے کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ اگر وہ ذرا بھی اس برائی میں ملوث ہوتے تو انہیں یہ خطرہ ہوتا کہ وہ عورتیں پہلے کی طرح پھر ان پر الزام لگادیں گی۔

(۴) جب حضرت یوسف نے ساقی سے یہ کہا تھا کہ بلا شاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا تو اس کہنے ہی کی وجہ سے ان کو سات سال یا نو سال مزید قید میں رہنا پڑا اور جب بلا شاہ نے ان کو بلایا تو انہوں نے اس کے بلانے کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کے بلانے پر نہیں گئے، بلکہ اپنے بے قصور ہونے اور اس قسمت سے بری ہونے کی کوشش کی، اور ہو سکتا ہے اس سے حضرت یوسف کی مراد یہ ہو کہ ان کے دل میں اب بلا شاہ کے بلانے کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ اس بات کی تلافی ہو کہ پہلے انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کی بجائے ساقی کے توسل سے بلا شاہ کے پاس پیش کر دیا تھا۔

جیل بھرو تحریک کا عدم جواز

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ جتنی مدت حضرت یوسف قید میں رہے ہیں اگر اتنی مدت میں قید میں رہتا تو بلا شاہ کے بلانے پر چلا جاتا اس کا ایک معنی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی تحسین ہے اور ان کے صبر اور ضبط کی تعریف ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مومن اور خصوصاً نبی کے لیے قید میں رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ آزاد فضا میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے اور تبلیغ کرنے کے جتنے مواقع ہوتے ہیں وہ قید خانے میں میسر نہیں ہوتے اور آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں حضرت یوسف کی جگہ ہوتا تو قید خانے سے باہر آکر اپنے بے قصور ہونے کو واضح کرتا اور اس ارشاد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ از خود بلا اور مصیبت میں گرفتار ہونا اور اپنے آپ کو قید کے لیے پیش کرنا جائز نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آج کل بعض سیاسی لیڈر جو خود گرفتاریاں پیش کرتے ہیں اور جیل بھرو تحریک چلاتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت یوسف کا تہمت لگانے والیوں کی تعیین نہ کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: بلا شاہ سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تصریح نہیں کی عزیز مصر کی بیوی سے پوچھو حالانکہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ وہ پیش پیش تھی، اور آپ کو قید کرانے میں اسی کا ہاتھ تھا یہ آپ کا غلط کریم تھا کہ آپ نے اس کا صراحتاً نام نہیں لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے پتا چلتا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا اور آپ پر اس برے کام کی تہمت لگائی تھی، لیکن آپ نے معین کر کے کسی عورت کا نام نہیں لیا اور خصوصیت کے ساتھ کسی عورت کی شکایت نہیں کی۔

مصر کی عورتوں کی سازش کی وجوہ

حضرت یوسف نے فرمایا: میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے، ان کی سازش کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان عورتوں میں سے ہر ایک عورت حضرت یوسف سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہتی تھی اور جب وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئی تو اس نے اتفاقاً حضرت یوسف علیہ السلام پر برائی کی تہمت لگائی۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر عورت یوسف کو اس پر آمادہ اور تیار کرتی رہی ہو کہ وہ ان کی مالکہ یعنی عزیز مصر کی بیوی کی خواہش پوری کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کو نہیں مانتے تھے اور اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی، چنانچہ اس لیے کہ ہر شریف انسان اور نیک فطرت شخص اس قسم کی برائی اور بے حیائی سے دور رہتا ہے اور حالانکہ اس لیے کہ عزیز مصر کے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت دنیوی احسان تھے، اس نے آپ کی بہت اچھی طرح پرورش کی تھی، رابعاً اس لیے کہ عزیز مصر کی بیوی نے عزیز مصر سے یہ کہہ کر آپ کو اپنے پاس رکھا تھا کہ میں اس کو بیٹا بناؤں گی تو جس عورت کو کوئی شخص

بچپن سے مل کا قائم مقام سمجھا رہا ہو وہ جوان ہونے کے بعد اس کے متعلق ایسا کب سوچ سکتا ہے، یہ تو عام آدمی سے بھی متصور نہیں ہے چہ جائیکہ اللہ کے نبی سے، ان وجوہات کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ان عورتوں کی سفارش کو سختی کے ساتھ رد کرتے رہے۔

(۳) وہ سب عورتیں جب اپنے مقصد میں ناکام اور نامراد ہو گئیں تو ان سب عورتوں نے مل کر عزیز مصر کے سامنے حضرت یوسف کی کردار کشی کی، آپ پر الزام لگایا اور بری تہمت لگائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلاشبہ نے (ان عورتوں کو بلا کر پوچھا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے کہا حاش اللہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی، عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو گئی ہے، میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ بچوں میں سے تھے (یوسف: ۵۱) عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف اور شخص کا معنی

بلاشبہ نے ان عورتوں سے یہ کہا کہ اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ اس کے بھی حسب سابق دو محمل ہیں: ایک یہ کہ ان میں سے ہر عورت خود اپنے لیے حضرت یوسف میں طمع رکھتی تھی اور دوسرا یہ کہ سب عورتیں مل کر حضرت یوسف کو عزیز مصر کی بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لیے تیار کرتی تھیں۔

اس مجلس میں عزیز مصر کی بیوی بھی حاضر تھی، اور اس کو علم تھا کہ یہ تمام تحقیق اور تفتیش اس کی وجہ سے ہو رہی ہے، اس لیے اس نے حقیقت سے پردہ اٹھلایا اور کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی، ممکن ہے اس کے اعتراف کی وجہ یہ ہو کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ حضرت یوسف نے عورتوں کا ذکر کیا اور اس کا نام نہیں لیا اور اس کی پردوش کے جو حقوق تھے ان کی رعایت کرتے ہوئے اس کا پردہ رکھا تو اس نے بھی حضرت یوسف کے اس حسن اخلاق کے بدلہ میں یہ ظاہر کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہر قسم کے گنہ اور تہمت سے بری ہیں اور یہ اقرار کیا کہ گنہ اس کی جانب سے تھا، اس نے حضرت یوسف کو گنہ کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اپنا دامن بچالیا۔

اس آیت میں یہ الفاظ: حصص الحق، اس کا معنی ہے حق واضح اور منکشف ہو گیا اور دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے اور قرار پکڑ لے تو عرب کہتے ہیں حصص البعبر فی بروکہ، زجلج نے کہا یہ حقہ سے ماخوذ ہے، عرب کہتے ہیں سائت حصۃ الحق من حصۃ الساطل، حق کا حقہ باطل کے حقہ سے الگ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی جان لے کہ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیتا (یوسف: ۵۲) پس پشت خیانت نہ کرنے کے دو محمل

اس آیت کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، قتادہ اور ابو صالح نے یہ کہا ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۶۵۷ السکن والعیون ج ۳ ص ۳۸ زاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۸) اگر اس کلام کا قائل حضرت یوسف علیہ السلام کو قرار دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس سے متصل پہلی آیت میں عزیز مصر کی بیوی کا کلام تھا کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے، میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور پھر

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہو تو یہ بے ربط ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کے بے ربط ہونے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہ الگ الگ آیتیں ہیں اور قرآن مجید میں اس کی کئی نظائر ہیں:

عَلَيْكُمْ (الاعراف: ۱۰۹) قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمٍ غُرَعَوْا لَنَا هَذَا لَسَحَرٌ
فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک یہ شخص بڑا ماہر
جادوگر ہے۔

اور اس کے متصل بعد دوسری آیت میں فرعون کا کلام ہے:

يُرِيدُ أَنْ يَمْلِكَ بِكُمْ قَوْمُكَ يَوْمَ مَا كُنْتُمْ تَتَأَمَّرُونَ (الاعراف: ۱۱۰)
(فرعون نے کہا:) یہ تم کو تمہاری زمین سے نکال دینا چاہتا ہے
سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

بلکہ قرآن مجید میں اس کی بھی مثال ہے کہ ایک آیت میں دو قائلین کا کلام ہے:

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مِمَّ نَحْشَرُ قَوْمًا مِمَّا كُنَّا نَسْتَمْتَلِيهِمْ يَوْمَ مَا كُنَّا نَمُنُّ
وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ (النہل: ۵۲)
(کفار) کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت! ہماری خواب گاہ سے
ہمیں کس نے اٹھا دیا، (فرشتے کہیں گے) یہ وہ ہے جس کا رحمن
نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔

دوسرا محل یہ ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے اور اب یہ قول، سابق قول سے متصل ہو گا کہ اس نے یہ کہا کہ میں نے یہ اعتراف اس لیے کیا ہے تاکہ یوسف یہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کے خلاف جھوٹ بول کر اور اس پر بہتان لگا کر خیانت نہیں کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پس پشت کسی کی خیانت نہیں کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے کس موقع پر یہ کلام فرمایا تھا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) جب ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹ کر قید خانہ میں آیا تو اس وقت انہوں نے فرمایا: میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت خیانت نہیں کی۔ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے اس وقت انہوں نے فرمایا: میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے۔۔۔۔۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت خیانت نہیں کی، حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ اور جمہور نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی، اور ضحاک نے حضرت ابن عباس کا دوسرا قول ردایت کیا ہے کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی، اور تیسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور بادشاہ کی خیانت کی توجیہ یہ ہے کہ بادشاہ کے وزیر کی خیانت کرنا بھی بادشاہ کی خیانت ہے۔ (اس کے علاوہ ایک اور قول بھی ہے لیکن وہ اتنا واضح نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو ترک کر دیا۔)

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۳۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت یوسف کی پاکیزگی پر دلائل

یہ آیتیں حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اور پاکیزگی پر حسب ذیل وجوہ سے دلالت کرتی ہیں:

(۱) عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی۔

(۲) اور مزید یہ کہا کہ بے شک وہ بچوں میں سے تھے۔ (یوسف: ۵۷)

(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے اس قول میں سچے تھے: اس عورت نے خود مجھے اپنے نفس کی طرف راغب کیا تھا۔ (یوسف: ۳۶)

(۴) بے شک اللہ مجرموں کی سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ (یوسف: ۵۴)

یعنی جو شخص خائن اور سازشی ہوتا ہے وہ ضرور رسوا ہو جاتا ہے سوا کر میں خائن اور سازشی ہوتا تو ضرور رسوا ہو جاتا اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسوا ہونے نہیں دیا اور مجھے اس الزام اور تہمت سے بری کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ میں خیانت کرنے والا نہ تھا۔

(۵) اگر حضرت یوسف نے معاذ اللہ کوئی جرم کیا ہوتا تو آپ اس بات کی ہرگز جرات نہ کرتے کہ اپنے اوپر گلی ہوئی تہمت کی تفتیش اور تحقیق کرانے کے لیے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجے، ایسا اقدام وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اپنی پاکیزگی اور پارہ سلتی پر یقین واثق اور کامل احمک ہو۔

(۶) وہ عورتیں یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی اور طہارت پر پہلے بھی یہ کہہ کر شہوت دے چکی تھیں سبحان اللہ یہ بشر نہیں ہیں یہ تو معزز فرشتے ہیں۔ (یوسف: ۳۱)

اور اب دوسری بار بھی انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ہم نے اس میں کوئی بُرائی نہیں جانی۔ (یوسف: ۵۷)

اسی طرح عزیز مصر کی بیوی نے پہلی بار بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی یہ کہہ کر بیان کی: میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا سو یہ سچا گیا۔ (یوسف: ۳۲)

اور دوسری بار بھی اس نے اعتراف کیا کہ اب تو حق بات ظاہر ہوئی گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی۔ (یوسف: ۵۷)

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، سوا اس کے

رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۷ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي

جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا ہے ۝ اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے

بِهِ اسْتَخْلَصَهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

کراؤ، میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا، پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا اے یوسف! آپ آج سے ہمارے نزدیک

مَكِينٌ أَمِينٌ ۝۳۸ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي

مقتدر اور امانت دار ہوں ۝ (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں۔ بے شک میں

حَفِیْظٌ عَلَیْہُمْ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكِّنَّا لِیُوسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَّبِعُوْا

حفاظت کرنے والا علم والا ہوں ○ اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا، وہ اس ملک میں

مِنْہَا حَیْثُ یَشَآءُ ۖ یُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ یَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ

جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم نیک کرنے والوں کے اجر کو

اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَا جَزَآءُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ضائع نہیں کرتے ○ اور جزا جو کہ ایمان لائے اور آخرت سے ملتے رہے ان کے لیے آخرت کا

یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

○ اجر بہت بہتر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا بے شک نفس تو بڑی کابست
عکم دینے والا ہے، سو اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا ہے بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

(یوسف: ۵۳)

حضرت یوسف کے اس قول کی توجیہ کہ میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا

مفسرین کا اس اختلاف ہے کہ اس قول کے قائل حضرت یوسف ہیں یا عزیز مصر کی بیوی، صحیح قول یہ ہے کہ اس قول
کے قائل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے میں اپنے نفس کو خطائوں اور لغزشوں سے پاک قرار نہیں
دیتا کیونکہ انسانوں کے نفوس ان کو اپنی خواہش پر چلنے کا حکم دیتے رہتے ہیں، خواہ نفسانی خواہشیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس
کی رضا کے خلاف کیوں نہ ہوں، ہاں مخلوق میں سے جس پر میرا رب رحم فرمائے تو وہ اس کو خواہش کی پیروی کرنے اور بری
باتوں میں نفس کے احکام کی اطاعت کرنے سے نجات عطا فرماتا ہے اور بے شک جو شخص اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ
کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو سزا دیتے اور اس کو سزا کرنے سے درگزر فرماتا ہے، اور اسی طرح آخرت میں بھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا تھا اس کی مفسرین نے متعدد وجوہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض وجوہ ناممکن
ہیں۔ صحیح وجہ یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا: میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس
پشت اس کی خیانت نہیں کی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خیال آیا کہ میں نے جو یہ کہا ہے ہو سکتا ہے یہ اپنی تعریف
اور خود سرائی اور خود ستائی کے زموں میں آتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے اس لیے اس کے ازالہ اور مٹائی
کے طور پر فوراً فرمایا: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا بے شک نفس تو بڑی کابست عکم دینے والا ہے سو اس کے
جس پر میرا رب رحم فرمائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے جب اس نے اپنی خطا کا اعتراف کر لیا اور یہ اقرار کر لیا کہ اسی نے
حضرت یوسف کو ورغلا یا تھا اور حضرت یوسف نے گناہ سے اپنا دامن بچا لیا تھا تو بطور احتذار کے کہا کہ میں اپنے آپ کو بے

قصور نہیں کہتی بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے سو اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا ہے جو رحم فرمائے والا ہے۔ (یوسف: ۵۳)

یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ عزیز مصر کی بیوی بت پرست تھی، اس کا یہ کہنا متصور نہیں ہے کہ سو اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا ہے، یہ کہنا حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے لائق ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے فرمایا تھا ”میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی“ تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کو اس فعل کی طرف رغبت نہیں تھی یا ان کا نفس اور ان کی طبیعت اس فعل کی طرف مائل نہیں تھی کیونکہ نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے اور طبیعت لذات کی شائق ہوتی ہے اور اس کلام سے حضرت یوسف نے یہ ظاہر فرمایا کہ ان کا اس گناہ کو ترک کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو اس فعل کی طرف رغبت نہیں تھی یا اس کی طاقت نہیں تھی بلکہ ان کا اس گناہ کو ترک کرنا محض اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں گناہوں کی طاقت اور قدرت نہیں ہوتی اور وہ اپنے اختیار سے گناہوں کو ترک نہیں کرتے بلکہ ان کا گناہوں کا ترک کرنا فرشتوں کی طرح اضطراری ہوتا ہے سو ان کا یہ قول عصمت کی تعریف سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

عصمت کی تعریف

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قشقرانی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے بلوغت گناہ نہ پیدا کرے، اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے بلوغت اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے، اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی، ان تعریفوں سے ان لوگوں (بعض شیعہ اور بعض معتزلہ) کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کا مکلف کرنا صحیح ہو گا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۹۰ مطبوعہ نور محمد راجح المطابع کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے بلوغت گناہوں سے بچنے کے حکم (حمازت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیہ الخبائی ص ۱۳۶، مطبوعہ مطبعہ یوسفی لکھنؤ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے برخلاف حسین النہار (معتزلی) نے یہ کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(الشفاع ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ ملتان)

علامہ قاسم بن غلابہ حنفی متوفی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ کی قدرت اور اختیار کے بلوغت گناہ کو پیدا نہ کرے۔

(شرح المسائرہ ص ۳۹۰ مطبوعہ دارۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

نفس امارہ اور نفس مطمئنہ

حکماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس امارہ کیا چیز ہے جو برائی کا بہت حکم دیتا ہے۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ نفس انسان ایک چیز ہے اور اس کی صفات بہت ہیں، جب یہ اللہ عزوجل کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے تو پھر یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے اور جب یہ شہوت اور غضب کی طرف مائل ہو تو پھر یہ نفس امارہ ہوتا ہے، اور نفس جو برائی کا بہت حکم دیتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس ابتدا سے ہی دنیا کی رنگینیوں اور پرکشش چیزوں سے دلچسپی رکھتا ہے، محسوسات کا عالم اس کے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور آخرت کا عالم اور آخرت کی پُرکشش چیزیں اس کی نظر سے غائب ہوتی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حسن ظاہر کو چھوڑ کر حسن غائب کی طرف متوجہ ہوں، اس لیے اس ظاہر عالم کی پُرکشش چیزیں اس کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور بہت قلیل لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان جسمانی لذات کو چھوڑ کر روحانی لذتوں کی طرف راغب ہوں اس لیے بالعموم انسان کا نفس برائی کا حکم کرتا ہے، البتہ وہ نفس قدسیہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں، اس کی صفات کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کی طبیعت شریعت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے، ان پر یہ حاضر اور ظاہری رنگینیاں اور پرکشش چیزیں اثر انداز نہیں ہوتیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے خوف کا اس قدر قلبہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں کبھی گنہ کا خطرہ نہیں ہوتا اور انہی لوگوں کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے انسان اس وقت گنہ سے بچ سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے شامل حال

-۵۲-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے کر آؤ، میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا (اے یوسف!) آپ آج سے ہمارے نزدیک مقدر اور امانت دار ہیں (یوسف: ۵۳) بادشاہ کا حضرت یوسف کو اپنے پاس بلانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے: بادشاہ سے مراد ہے مصر کا بادشاہ۔ امام ابن اسحاق نے کہا: وہ الولید بن الریان ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ اس بادشاہ سے مراد کون ہے، بعض نے کہا اس سے مراد عزیز مصر ہے۔ یعنی بادشاہ کا وزیر اور بعض نے کہا اس سے مراد بادشاہ ہے یعنی الولید بن الریان۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لیے مخصوص تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں الملک سے مراد بادشاہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید میں تھے تو ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: دعا کیجئے: اے اللہ! میرے لیے کشادگی اور قید سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے اور مجھے وہاں سے رزق عطا فرما جس سے مجھے گمان بھی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لیے قید سے رہائی کا سبب پیدا فرمادیا، قرآن مجید میں ہے:

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا

کرتا ہے، اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جس سے

اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس

کے لیے کفی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ

مِمَّا حَبِطَتْ لِأَعْيُنِنَا رُسُلُ الْوَعْدِ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

فَهُوَ حَسْبُكَ (الملاق: ۲-۳)

حضرت یوسف سے بلاشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات

بلاشاہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت زیادہ معتقد ہو گیا تھا اور ان کو اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) بلاشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم سے بہت متاثر ہوا تھا کیونکہ جب بلاشاہ کے خواب کی تعبیر سے اس کے تمام ارکان دولت عاجز ہو گئے تھے، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے برجستہ اس خواب کی تعبیر بتائی اور اس کو جو پریشانی لاحق ہونے والی تھی، اور اس قوم پر جو مصیبت آنے والی تھی اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔

(۲) وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ضبط سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا حکم بھیجیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک کہ تمام الزاموں اور تہمتوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر نہ ہو جائے۔

(۳) وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ادب اور احترام اور ان کی پردہ پوشی کی صفت سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کٹ لیے تھے۔ (یوسف: ۵۰) حالانکہ آپ کی غرض عزیز مصر کی بیوی کا حال معلوم کرنا تھا جس نے آپ پر تہمت لگائی تھی لیکن آپ نے اس کا پردہ رکھا اور باقی عورتوں کا ذکر کیا جب کہ باقی عورتوں سے بھی آپ کا واسطہ عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے ہی پڑا تھا اور آپ اسی کی تحت اور الزام کی وجہ سے اس قید میں گرفتار ہوئے تھے اور یہ آپ کا نہایت درجہ کا عرف اور حوصلہ تھا۔

(۴) وہ آپ کی پاکیزگی اور پارسائی اور آپ کے ٹھوس اور پختہ کردار کی وجہ سے بھی متاثر ہوا کیونکہ جو آپ پر تہمت لگانے والے تھے ان سب نے آپ کی ان تہمتوں سے براءت کا اعتراف اور اقرار کر لیا۔

(۵) آپ کے ساتھ قید میں جو سلق رہا تھا اس نے آپ کی بہت تعریف کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں اور ہر کسی کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ایسی وجوہ ہیں کہ ان میں سے ایک وجہ بھی کسی شخص میں پائی جائے تو اس شخص سے لوگ متاثر ہوں گے تو جس شخص میں یہ تمام وجوہات پائی جائیں تو لوگ اس سے کس قدر زیادہ متاثر ہوں گے اور کتنے زیادہ اس کے عقیدت مند ہوں گے۔

جب بلاشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ان صفات اور ان کے ان ثنائی اور خصائل پر مطلع ہوا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوا اور وہ اس پر راغب ہوا کہ ان کو اپنے لیے مخصوص کر لے۔

حضرت یوسف کا رہا ہو کر بلاشاہ کے دربار میں جانا

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بلاشاہ کا قاصد ان کو بلانے کے لیے پہنچا تو اس نے کہا: آپ نماز ہو کر، قید کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنیں اور میرے ساتھ بلاشاہ کے پاس چلیں، حضرت یوسف نے قید خانے سے نکلنے سے پہلے قید خانہ کے دروازہ پر لکھ دیا: ”یہ آزمائش اور امتحان کی جگہ، یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے، یہ دشمنوں کے چہنئے کا موقع ہے اور بچوں کی تجربہ گاہ ہے۔“ جب حضرت یوسف علیہ السلام بلاشاہ کے دربار میں پہنچے تو یہ دعا کی: اے اللہ! میں اس کی خیر سے تیری خیر کا سوال کرتا ہوں، اور اس کے شر سے تیری قدرت اور تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں، اور جب اس کے پاس داخل ہوئے تو عبرانی زبان میں اس کے حق میں دعائیہ کلمات کہے۔

بلو شاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے اپنے ساتھ مخصوص کرنا چاہا تھا کہ بلو شاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی عمدہ اور نفیس چیز کا پتا چلتا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ وہ بلا شرکت غیر سے اس چیز کے مالک ہو جائیں۔

جب بلو شاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو کہا: میں اپنی اہلیہ اور طعام کے سوا تم کو اپنی ہر چیز میں شریک کرنا چاہتا ہوں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا؟ حالانکہ میں یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہوں۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بلو شاہ کے دربار میں پہنچے تھے اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور اس وقت آپ جوان رہتے تھے، بلو شاہ نے حضرت یوسف کو دیکھ کر ساقی سے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے میرے خواب کی تعبیر بتائی تھی حالانکہ بڑے بڑے جادوگر اور کاہن اس کی تعبیر بتانے سے عاجز رہے تھے، پھر بلو شاہ نے یہ فرمائش کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس کے سامنے بالمشافہ خواب کی تعبیر بیان کریں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ پہلے اس کا دیکھا ہوا خواب بیان کیا پھر اس کی تعبیر بیان فرمائی۔

حضرت یوسف کا بلو شاہ کے سامنے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے بلو شاہ تم نے خواب میں دیکھا کہ سات بہت حسین و جمیل اور موٹی تازی گائیں ہیں جو بہت خوش نما اور بھلی معلوم ہوتی ہیں، ان کے بچے ان کا دودھ پی رہے تھے، وہ دریائے نیل سے نکل کر کنارے پر آئیں، جس وقت آپ یہ حسین منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، اچانک دریا کا پانی زمین میں دھنسن گیا اور اس کی کچھڑیں سے سات دہلی پتلی گائیں نمودار ہوئیں، ان کے بل بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے، ان کے پیٹ سکڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ان کے دودھ پینے والے بچے نہ تھے۔ ان کے لیے لے لے دانت اور داڑھیں تھیں۔ کتے کی طرح ان کے پنجے تھے، اور درندوں کی طرح ان کی سونڈ تھی، وہ ان فریہ گایوں پر حملہ آور ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے درندوں کی طرح ان کو چیر پھاڑ ڈالا، اور ان کا گوشت کھا گئیں اور ان کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ان کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر اس پر تعجب کر رہے تھے کہ یہ دہلی پتلی گائیں کس طرح ان فریہ گایوں پر غالب آ گئیں، اور ان گایوں کو کھلنے کے باوجود ان دہلی گایوں کی جسامت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، پھر اچانک آپ نے سات تروتازہ اور سرسبز خوشے دیکھے جو دانوں اور پانی سے بھرے ہوئے تھے، اور اسی کھیت میں دوسری جانب سات خشک خوشے تھے، وہ نہ سرسبز تھے، نہ ان میں دانہ اور پانی تھا، ان کی جڑیں کچھڑ اور پانی میں تھیں۔ جس وقت آپ دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا منظر ہے ایک طرف یہ سرسبز اور پھل دار خوشے ہیں اور دوسری طرف یہ سیاہ اور خشک خوشے ہیں اور دونوں ایک ہی کھیت میں ہیں اور ان کی جڑیں پانی میں ہیں، جب تیز ہوا چلتی تو سیاہ اور خشک پودوں کے پتے اڑ کر سرسبز پودوں پر جا کر گر جاتے تو پھر ان میں آگ لگ جاتی اور وہ جل کر سیاہ ہو جاتے پھر اے بلو شاہ! آپ خوفزدگی کے عالم میں بیدار ہو گئے۔ پھر بلو شاہ نے کہا اللہ کی قسم یہ بہت عجیب و غریب خواب تھا اور جس طرح آپ نے اس کی منظر کشی کی ہے وہ بہت ہی دل فریب ہے! تو اے صدیق آپ کے نزدیک اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ حضرت یوسف نے کہا میری رائے یہ ہے کہ خوش حلی کے ان سرسبز سالوں میں آپ غلے کو جمع کر لیں اور ان سالوں میں زیادہ سے زیادہ گندم کاشت کریں کیونکہ ان سالوں میں اگر آپ نے پھر اور بجری میں بھی گندم بوئی تو اس سے بھی گندم اگ آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں بہت روئیدگی اور برکت فرمائے گا پھر آپ گندم کو ان کے خوشوں میں رہنے دیں اور ان کو گوداموں میں ذخیرہ کرائیں، پس اس گندم کا بھوسا جانوروں کے چارے میں استعمال ہو گا اور گندم لوگوں کی خوراک بنے گی، پھر جس گندم کا آپ ذخیرہ کریں گے وہ معمر اور اس کے مضافات کے لیے کافی ہوگی اور دور دراز سے سفر کر کے لوگ آپ کے پاس گندم لینے

کے لیے آئیں گے اور اس کو فروخت کرنے سے آپ کے پاس مل و زر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا۔ پھر بلا شہ نے کہا کہ میرے اس کام کی نگرانی اور اس کا انتظام کون کرے گا؟ اگر میں شر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کر لوں تو وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے نہیں کر سکیں گے! اور ان سے ایمانداری اور دیانت داری کی بھی توقع نہیں ہے! تب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کر دیں۔

بلو شہ کا حضرت یوسف کو صاحب اقتدار اور امانت دار قرار دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بلو شہ کو خواب کی تعبیر اور قحط کے مشکل حالات کا حل بتایا تو بلو شہ نے کہا (۱) اے یوسف! ”آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں“ اور یہ ایک جامع کلمہ ہے جو تمام فضائل اور مناقب کو شامل ہے کیونکہ کہیں وہ شخص ہو سکتا ہے جس کے پاس قدرت اور علم ہو، کیونکہ قدرت سے وہ حسب مشاء تصرف کر سکے گا اور علم کے ذریعہ ہی اس کو معلوم ہو گا کہ کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اور جو شخص امانت دار ہو گا وہ اسی کام کو کرے گا جس کا کرنا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہو گا نہ کہ وہ کام جو صرف اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہو، خواہ اس میں کوئی حکمت اور مصلحت ہو یا نہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ بلو شہ نے کہا آپ ہمارے نزدیک ایسے شخص ہیں جو ہمارے ملک میں اپنے علم اور قدرت سے حکمت اور مصلحت کے مطابق تصرف کریں۔

(تفسیر کبیر ج ۶، ص ۷۲-۷۰، ۷۴ الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۱۸۵-۱۸۴، روح المعانی ج ۱۳، ص ۹-۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں بے شک میں حفاظت کرنے والا

علم والا ہوں (یوسف: ۵۵)

طلب منصب کا عدم جواز اور حضرت یوسف کے طلب منصب کی توجیہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بلو شہ سے منصب طلب کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں منصب کو طلب کرنا جائز ہو، لیکن ہماری شریعت میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمن بن سمرہ! امارت کا سوال نہ کر، کیونکہ اگر تم کو سوال کی وجہ سے امارت دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تم کو بغیر سوال کے امارت دی گئی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، اور اگر تم کسی چیز کی قسم کھاؤ پھر تم یہ دیکھو کہ اس کا خلاف بہتر ہے تو تم اپنی قسم کا کفارہ کرو اور اس بہتر کام کو کر لو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۹)

سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۳۸۳، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۸۷۵۵، سنن ابوداؤد البیہقی رقم الحدیث: ۳۵۱، مسند احمد ج ۵،

ص ۶۶۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۳۵۱، المستدرک لابن الجارود رقم الحدیث: ۷۹۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۶۱، صحیح ابن حبان

رقم الحدیث: ۳۳۳۸، سنن کبریٰ للشیخ ج ۶، ص ۵۳، تہذیب الکمال ج ۹، ص ۱۴۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ اشعریین کے دو آدمی تھے، ایک میری دائیں جانب اور دوسرا میری بائیں جانب تھا۔ ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی منصب کا سوال کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، انہوں نے مجھے اپنے دل کی بات پر

مطلع نہیں کیا تھا اور مجھے یہ پتا نہیں چلا تھا کہ یہ کسی منصب کو طلب کریں گے، حضرت ابو موسیٰ نے کہا: گویا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی مسواک آپ کے ہونٹ کے نیچے تھی اور وہ سکر چکی تھی، آپ نے فرمایا: جو شخص کسی منصب کا ارادہ کرے گا، ہم اس کو ہرگز اس منصب پر مقرر نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۳۳، رقم حدیث الباب: ۹۵، رقم المسلسل: ۷۳۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۳، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۵۴۳۵)

اور اگر بالفرض حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں بھی منصب کو طلب کرنا ممنوع ہو تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے عہدہ طلب کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے یہ عہدہ اس لیے طلب کیا تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص اس منصب کا اہل نہیں تھا اور نہ کوئی اتنا نیک اور دیانت دار تھا جو مستحق لوگوں کو ان کے حقوق پہنچا سکے۔ اس لیے ان کے نزدیک اس عہدہ کی صلاحیت اور اہلیت کے لحاظ سے وہ اس عہدہ کے لیے متعین تھے اور ان پر اس عہدہ کا طلب کرنا فرض تھا اور آج کل بھی یہی حکم ہے، اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ قصہ امارت یا کسی اور عہدہ کے لیے اس کے علاوہ اور کسی شخص میں اس عہدہ کی اہلیت اور صلاحیت نہیں اور نہ کسی اور میں تقویٰ اور پرہیزگاری ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس عہدہ کا سوال کرے اور اس عہدہ کے حصول کے لیے جدوجہد کرے اور وہ عہدہ دینے والوں کو اپنی ان صفات کی خبر دے جن صفات کی وجہ سے وہ اس عہدہ کا اہل اور مستحق ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفات بتائیں اور فرمایا: میں بہت حفاظت کرنے والا اور بہت جانتے والا ہوں، اور اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس کے علاوہ اور بہت لوگ ہیں جو اس عہدہ کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں تو پھر اس کے لیے اس عہدہ کو طلب کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم امارت کا سوال نہ کرو، کیونکہ جب اس کو علم ہو کہ اس منصب کی وجہ سے بہت آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور ان سے بچنا کار اپنا بہت مشکل ہوتا ہے اس کے باوجود وہ اس منصب کو طلب کرے اور اس پر حریص ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنی ذات کی منفعت اور اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لیے اس عہدہ کو طلب کر رہا ہے اور جو شخص ایسا ہو گا وہ عنقریب اچھی نفسانی خواہشوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جائے گا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس منصب کو طلب کرے گا اس کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور جس شخص کو اس منصب پر آنے والی آفتوں اور مصیبتوں کا علم ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ وہ اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا اور اس سے اس کے حقوق میں کوتاہیاں ہوں گی۔ اس وجہ سے وہ اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کرے اور اس سے دور بھاگے پھر اس کو زبردستی اس منصب پر فائز کر دیا جائے تو اس کے حق میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کو ان متوقع آفت اور مصائب اور خطرات سے نجات مل جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا: جس کو اس کی طلب کے بغیر منصب دے دیا گیا اس کی (غیب سے) مدد کی جائے گی۔

موجودہ طریق انتخاب کے جواز پر حضرت یوسف کے طلب منصب سے استدلال اور اس کے جوابات ہمارے زمانہ میں قوی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں کے جو انتخابات ہوتے ہیں، ان نشستوں کے حصول کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے تو پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طلب منصب سے استدلال کرتے ہیں، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے، اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں، وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے، ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا! ہم اس شخص کو عامل

نہیں بتائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بتائیں گے جو اس کی حرص کرے گا جیسا کہ اس بحث کے شروع میں ہم نے احادیث بیان کر دی ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو، اس کا شخص خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز کی گئی ہو، اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے، اس کو عام رواج اور معمول بتالینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر طبقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنوینٹ کرتے ہیں اور مخالف امیدواروں کی کردار کشی کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور حسد کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر امیدوار کے حلقہ میں یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے بد اہشا باطل ہے، کیونکہ ہر طبقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں!

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

در حقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے، جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، انہیں امیدواروں میں سے صدر مملکت، وزیراعظم، وزیراعلیٰ اور دیگر وزراء کا انتخاب ہوتا ہے اور یہی امیدوار اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، ملک کے سربراہ اور وہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے، اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے، نیکی اور تقویٰ کی، سیاسی تجربہ اور تدبیر کی، حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے، ہر فاسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت، انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیراعظم، وزیراعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے اور وہ علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

موجودہ طریق انتخاب کی اصلاح کی ایک صورت

میں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں جب یہ اعتراض کیا کہ پاکستان کے آئین میں امیدوار کے لیے کوئی معیار

مقرر نہیں کیا گیا تو اس وقت کے امور مذہبیہ کے وفاقی وزیر راجہ ظفر الحق نے آئین پاکستان سے امیدوار کے لیے حسب ذیل شرط پڑھ کر سنائی:

آرٹیکل ۴۳: کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہو گا اگر.....

(۵) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ

ہو۔ (آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ص ۸۶، مطبوعہ منصور بک ہاؤس لاہور)

اہل فہم پر تخیلی نہیں ہے کہ وزیر موصوف کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لیے کہ آئین پاکستان کی اس دفعہ میں اسلامی تعلیمات کے علم کی یہ شرط مبہم اور غیر واضح ہے، اس میں اسلامی علوم کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا گیا نہ کسی منضبط سند کی شرط لگائی گئی ہے جسے دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ آیا اس کو اسلامی علوم پر دسترس ہے یا نہیں اور کسی دینی یا دنیاوی سند کی شرط نہ ہونے کے نتیجہ میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی انگوٹھے لگانے والے اسمبلی کے ممبر منتخب ہو جاتے ہیں اور کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انگوٹھے چھاپ وزیر تعلیم بن جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں قوی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ممبر کے لیے یہ شرط ہونی چاہیے کہ وہ ایم۔ اے عربی یا ایم۔ اے اسلامیات ہو یا کسی مسلم اور دینی دارالعلوم کا فارغ التحصیل ہو۔

اور چونکہ اسلام میں از خود منصب کا طلب کرنا جائز نہیں ہے، اس کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ کوئی امیدوار از خود کسی نشست کے لیے کھڑا نہ ہو بلکہ وہ جس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ جماعت اس کو نامزد کرے اور وہ جماعت ہی اس کے الیکشن کی کمپین چلائے اور اس کی کونینگ کرے اور یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اخراجات اس امیدوار سے وصول کر لیے جائیں، بہر حال ہمیں اپنے طریق انتخاب کو اسلامی حدود میں رکھنے کے لیے اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا چاہیے۔

کافریا فاسق فاجر کی طرف سے عہدہ یا منصب قبول کرنے کی تحقیق

اس آیت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی مسلمان عالم فاضل شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی فاسق فاجر یا کسی کافر حکمران کے ماتحت کام کرے یا کسی منصب کی ذمہ داریاں بجالائے البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں کوئی ایسا کام شامل نہ ہو جو اس کے دین یا شریعت کے کسی حکم کے منافی ہو، لیکن جب اس کے فرائض کی باگ ڈور کافریا فاسق کے ہاتھ میں ہو اور اس کے لیے لازم ہو کہ وہ ان کی خواہشات پر عمل کرے تو پھر اس کے لیے یہ عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جائز تھا اور ان کی خصوصیت تھی اور آج کل کے دور میں یہ جائز نہیں ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ کافریا فاسق کی ملازمت کرنا جائز ہے، جب کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ان کو اپنے دین اور اپنی شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔

علامہ بلوردی شافعی متوفی ۷۵۰ھ نے کہا ہے کہ اگر منصب پر فائز کرنے والا ظالم ہو تو اس کی طرف سے منصب کو قبول کرنے کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) اس کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے، وہ اس منصب کو قبول کرے اور اس منصب کے تقاضوں کے مطابق حق اور انصاف پر مبنی امور انجام دے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے فرعون (مصر کا کافر بادشاہ الولید بن الریان) کی طرف سے منصب سونپا گیا اور انہوں نے اس کو قبول فرمایا اور اعتبار منصب قبول کرنے والے کے افعال کا ہوتا ہے نہ کہ منصب دینے والے کے افعال کا۔

(۲) کافریا فاسق کی طرف سے منصب قبول کرنا جائز نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کا جو منصب قبول کیا تھا اس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کافر فرعون نیک اور عادل شخص تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کافر فرعون باغی اور سرکش تھا لہذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے فرعون سے عہدہ قبول کرنا محل اعتراض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اپنے دائرہ کار میں تھی، انہوں نے اس طرف نظر نہیں کیا کہ اس کو اس کام کی ذمہ داری کون سونپ رہا ہے۔ علامہ ماوردی نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ کافر کی طرف سے منصب قبول کرنے کو مطلقاً جائز کہا جائے نہ مطلقاً ناجائز کہا جائے بلکہ اس کی تین قسمیں بیان کی جائیں:

(۱) جن فرائض کی انجام دہی میں کسی شخص کے اجتہاد کا دخل نہیں ہے اور شریعت نے ان فرائض کی تعیین کی تصریح کر دی ہے مثلاً زکوٰۃ اور صداقت کی وصول یابی کہ اموال ظاہرہ میں ہر چیز کا نصب مقرر ہے کہ جب مال تجارت دو سو درہم (چھ سو بارہ اعشاریہ تین چھ گرام چاندی) کی مقدار یا اس سے زائد ہو تو اس میں سے از حلال فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے گی، یا چالیس سے ایک سو انیس جنگل کی گھاس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری وصول کی جائے گی اور زرعی پیداوار سے اگر بارانی زمین ہو تو عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا دسواں حصہ، ورنہ نصف عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ، سو ان فرائض کی انجام دہی کسی عامل کے اجتہاد پر موقوف نہیں ہے اس لیے کسی ظالم اور فاسق عاجز حکمران سے اس قسم کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

(۲) جن فرائض کی انجام دہی میں اجتہاد کرنا پڑتا ہے جیسے اموال نے کے مصرف، ان میں ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس میں ناحق تصرف کرنے کے لیے کے گا اور اموال نے غیر مستحق کو دینے کے لیے کے گا۔

(۳) جو شخص اہل ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کر لے، مثلاً ظالم کی طرف سے کسی کو قاضی بنایا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہو گا تو اس کے لیے یہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

(۱) نکات و انہیون ج ۳، ص ۵۱-۵۰، الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۱۸۸-۱۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت

حضرت یوسف علیہ السلام کے حفیظ اور علیم ہونے کے محامل

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں بہت حفاظت کرنے والا، بہت علم والا ہوں، حضرت یوسف کے اس قول کے چار محمل ہیں:

(۱) ابن زید نے کہا: میرے پاس جو چیز امانت رکھی جائے، میں اس کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور مجھ کو جو عہدہ دیا جائے میں اس کو بہت جانتے والا ہوں۔

(۲) ابن سراقہ نے کہا: میں لکھائی کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور حساب کو بہت جانتے والا ہوں، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کاغذ پر لکھا۔

(۳) اشیع نے سفیان سے روایت کیا کہ وہ حساب کی بہت حفاظت کرنے والے تھے اور زبانوں کو بہت جانتے والے تھے۔

(۴) قتادہ نے کہا: تم نے جو منصب دیا ہے میں اس کی حفاظت کرنے والا ہوں۔ شیبہ الصبسی نے کہا میں ایام قحط کی بھوک کو بہت جانتے والا ہوں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو علم و فضل دیا ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس علم و فضل کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کرے البتہ عام حالات میں اپنی صفات اور خوبیوں کا اظہار نہ کرنا اولیٰ ہے، حضرت یوسف علیہ

السلام نے بوقت ضرورت اپنی ان صفات کا اظہار کیا تھا۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۵۷-۵۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
 خود ستائی کے ممنوع ہونے کے محال اور حضرت یوسف کی اپنی تعریف کا جواز
 حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قول میں اپنی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے:
 فَلَا تَرْكِبُوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تَتَّبِعُونَ
 سو تم اپنی تعریفیں نہ کرو، پرہیزگاروں کو وہ خوب جانتا ہے۔
 (النجم: ۳۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ فخر اور تکبر کی وجہ سے اپنی تعریف کرنا منع ہے، یا کسی ناجائز مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تعریف کرنا منع ہے یا جو اوصاف انسان میں نہ ہوں، ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا منع ہے، لیکن کسی ضرورت کی بناء پر ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا جائز ہے جو اوصاف انسان میں موجود ہوں اور بعض دفعہ یہ تعریف کرنا ضروری ہوتی ہے اور حضرت یوسف کے معاملہ میں ایسا ہی تھا۔ اس تعریف کے ضروری ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت یوسف کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ چند سالوں کے بعد قحط پڑنے والا ہے سو اگر غلہ کی فراوانی کے سالوں میں حسن تدبیر اور دیانت داری سے غلہ کا ذخیرہ نہ کیا گیا تو لوگ بھوک سے مرجائیں گے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے علاوہ اس ملک میں اور کوئی شخص نہیں ہے جو دیانت دار بھی ہو اور حسن تدبیر کا مالک بھی ہو، اس لیے مصر کے لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس ملک کے خزانوں پر آپ کو مقرر کیا جاتا اور اس ملک کے خزانوں پر آپ کا مقرر کیا جاتا اس پر موقوف تھا کہ بادشاہ کو آپ کی صفات سے روشناس کرایا جاتا اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اس لیے آپ پر واجب تھا کہ آپ بادشاہ کو اپنی قابلیت اور صلاحیت سے روشناس کراتے اس لیے آپ نے فرمایا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، میں بہت زیادہ حفاظت کرنے والا، بہت زیادہ علم والا ہوں۔

(۲) آپ اللہ عزوجل کی طرف سے مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے گئے تھے اور رسول پر اپنی امت کی مصلحتوں کی رعایت بقدر امکان کرنا واجب ہے اور یہاں یہ رعایت اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ بادشاہ آپ کو یہ منصب سونپ دیتا اور بادشاہ اس وقت آپ کو یہ منصب سپرد کرتا جب وہ آپ کی اہلیت سے واقف ہوتا اور وہ اس وقت واقف ہوتا جب آپ بتاتے۔
 (۳) مستحقین تک نفع پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان سے ضرر کو دور کرنا جب انسان کے اختیار میں ہو تو پھر اس پر ایسا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اپنی ان صفات کا اظہار فرماتے۔
 حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی مدح فرمانا تواضع اور انکسار کے خلاف نہیں ہے
 علامہ عبدالرحمن بن علی الجوزی حنبلی متوفی ۷۹۷ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مدح کیسے فرمائی حالانکہ انبیاء عظیم اسلام اور صالحین کا طریقہ تواضع و انکسار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب اپنی مدح فخر اور تکبر سے خلل ہو اور اس سے مراد اس حق تک پہنچنا ہو جس کو اس نے قائم کرنا ہو اور عدل کو زندہ کرنا ہو اور ظلم کو مٹانا ہو تو پھر اپنی مدح کرنا جائز اور مستحسن ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا اور جب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو میں کلام کروں گا اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری سنائوں گا، جہ کا جہنم اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور آدم کی اولاد میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا میں ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۰ سنن داری رقم

الحديث: ۳۹، دلائل النبوة للبيهقي ج ۵، ص ۳۸۳، شرح السنہ رقم الحديث: ۳۳۳۳) اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ علم ہو تاکہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے اونٹ پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا ہے تو میں اس تک پہنچتا ہوں ان نفوس قدسیہ نے اپنی مدح میں جو کلمات طہیلت فرمائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے قائم مقام ہیں اور قاضی ابویعلیٰ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی صاحب فضیلت شخص کو لوگ جانتے نہ ہوں تو انہیں اپنا تعارف کرانے کے لیے اپنے فضائل کو بیان کرنا جائز ہے۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۳۵-۲۳۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا وہ اس ملک میں جہاں رہتا چاہتے تھے رہتے تھے، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم نیک کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے ○ (یوسف: ۵۷-۵۶)

ایام قحط میں حضرت یوسف کا حسن انتظام

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے یہ طلب کیا کہ وہ ان کو اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دے تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ میں نے ایسا کر دیا بلکہ اللہ سبحانہ نے یہ فرمایا: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔ امام رازی نے یہاں پر یہ نکتہ آفرینی کیا ہے کہ بادشاہ اسی وقت حضرت یوسف کا مطالبہ پورا کر سکتا تھا جب اللہ تعالیٰ بادشاہ کے دل میں اس بات کا داعیہ اور باعث اور محرک پیدا کرتا ہے نیز بادشاہ اس کام کا ظاہری سبب تھا اور اللہ تعالیٰ موثر حقیقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری سبب ذکر کرنے کے بجائے موثر حقیقی کا ذکر فرمایا۔

علامہ عبدالرحمن بن علی الجوزی الحلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر والوں کے مال، ان کے زیورات، ان کے مویشی، ان کی زمینوں اور ان کے غلاموں کے عوض ان کے ہاتھ غلہ فروخت کیا پھر ان کی اولاد اور پھر ان کی جانوں کے عوض ان کے ہاتھ ان کو غلہ فروخت کیا، حتیٰ کہ تمام مصر والے حضرت یوسف کے غلام بن گئے، پھر حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا کرم کیا! بادشاہ نے کہا: ہم بھی تمہارے تابع ہیں، پھر حضرت یوسف نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناؤں اور تم کو گواہ بناؤں کہ میں نے اہل مصر کو آزاد کر دیا اور میں نے ان کی املاک ان کو لوٹا دیں، حضرت یوسف علیہ السلام ان ایام میں بھی سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں کسی بھوکے کو بھول جاؤں۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۳۶-۲۳۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود القراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۹۱ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام مطمئن ہو کر ملک کا انتظام چلانے لگے اور انہوں نے بڑے بڑے گودام بنوا کر ان میں غلہ جمع کر لیا، حتیٰ کہ غلہ کی فراوانی کے سات سال گزر گئے اور قحط کے ایام شروع ہو گئے اور وہ ایسا زبردست قحط تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے ایسا قحط نہیں دیکھا تھا حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ اور اس کے متعلقین کو ہر روز دوپہر کے وقت کھانا بھجاتے تھے، ایک دن آدمی رات کو بادشاہ نے آواز دی: اے یوسف! بھوک لگ رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اب

قط کا وقت آ پہنچا ہے۔ پس قحط کے پہلے سال میں لوگوں نے اپنے پاس جو طعام اور غلہ جمع کر کے رکھا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر مصر کے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے طعام خریدنے گئے، پہلے سال حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ مصر میں کسی شخص کے پاس کوئی درہم اور دینار باقی نہیں رہا اور تمام نقد مال حضرت یوسف کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ دوسرے سال اہل مصر نے اپنے تمام زبورات اور جواہر کے بدلہ میں حضرت یوسف سے غلہ خریدا، تیسرے سال انہوں نے اپنے تمام مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا، چوتھے سال انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کے بدلہ میں غلہ خریدا، حتیٰ کہ ان کے پاس کوئی باندی اور غلام نہیں رہا پانچویں سال انہوں نے اپنی زمینوں، کھیتوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا اور چھٹے سال انہوں نے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام بنادیا اور ساتویں سال انہوں نے اپنی جانوں اور اپنی گردنوں کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ مصر میں کوئی انسان باقی نہیں رہا مگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام تھا اور کوئی چیز باقی نہیں رہی، مگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ملکیت میں آ چکی تھی، اور لوگ کہنے لگے کہ ہمارے علم میں حضرت یوسف سے پہلے کوئی بڑا اور جلیل بادشاہ نہیں تھا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا: آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا کچھ عطا فرمایا ہے؟ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: میری وہی رائے ہے جو آپ کی رائے ہے، تمام معاملات آپ کے سپرد ہیں، میں تو محض آپ کے تابع ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کر دیا، اور ان کی تمام املاک ان کو واپس کر دیں۔ روایت ہے کہ حضرت یوسف ان ایام میں سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں اس کے باوجود آپ بھوکے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے سیر ہو کر کھالیا تو میں بھوکوں کا حق بھول جاؤں گا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے بلورچی کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا صبح کا کھانا اسے دوپہر کو دیا کرے اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے اور بھوکوں کو یاد رکھے۔

(معالم التنزیل ج ۲، ص ۶۳، الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۱۹۱، ۱۹۰، روح المعانی ج ۱۳، ص ۹-۸)

عزیز مصر کی بیوی سے حضرت یوسف کا نکاح

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۴۵۹ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ میرے بھائی حضرت یوسف پر رحم فرمائے اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو تو بادشاہ ان کو اسی وقت مقرر کر دے، لیکن اس کہنے کی وجہ سے بادشاہ نے اس کام کو ایک سال موخر کر دیا، اور وہ ایک سال بادشاہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہے، اور اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک سال گزرنے کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا، ان کے سر پر تلج رکھا، ان کی میان میں تلوار لٹکائی اور ان کے لیے سونے کا تخت رکھا جس پر یا قوت اور موتیوں سے کام کیا ہوا تھا اور ان کو ریشمی طے پہنائے (ایک قسم کے کپڑے کی دو چادروں کو طے کہتے ہیں، ایک چادر تھمد کے طور پر باندھی اور دوسری چادر اوپر اوڑھی جائے) پھر بادشاہ نے کہا: آپ تاج پہن کر تخت پر رونق افروز ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے اور دربار کے تمام سردار حضرت یوسف علیہ السلام کے اطاعت گزار ہو گئے، بادشاہ گھر جا کر بیٹھ گیا اور مصر کے تمام معاملات حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور مصر کے سابق وزیر ظفیر (عزیز مصر) کو اس نے اس کے عہدے سے معزول کر دیا، اور اس کے عہدہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا۔ امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ ابن زید نے کہا مصر کے بادشاہ کے بہت کثیر خزانے تھے، اس نے وہ تمام خزانے

حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فرامین اور آپ کے تمام فیصلوں کو پورے ملک میں نافذ العمل قرار دیا، پھر انہی ایام میں قطفیر (عزیز مصر) مرگیا پھر بلا شلہ نے قطفیر کی بیوی راحیل (یا زلیخا) کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کر دیا، جب حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس خلوت میں گئے تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا یہ اس سے بہتر نہیں جس کا تم مجھ سے پہلے ارادہ کرتی تھیں۔ اس نے کہا: اے بہت سچے انسان! مجھے طاعت نہ کرنا میں ایک حسین جوان عورت تھی، اور میرا شوہر عورت کی خواہش پوری کرنے پر قادر نہ تھا اور تم غیر معمولی حسن اور جمال کے مالک تھے، پس مجھ پر میرا نفس غالب آگیا اور تم پر میری شہوت قوی ہو گئی اور تمہارے ساتھ جو میری محبت تھی وہ میری عقل کو کنٹرول نہ کر سکی، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سے ودائیے ہوئے: افراسیم بن یوسف اور یشاب بن یوسف۔ حضرت یوسف نے مصر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کیا اور مصر کے تمام مرد اور عورتیں آپ سے محبت کرنے لگے۔ (محکم دلائل ج ۲ ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ زبیری متوفی ۵۳۸ھ، امام ابن جوزی متوفی ۵۵۳ھ، امام رازی المتوفی ۶۰۶ھ، علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ، علامہ ابوالیمان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، علامہ آلوسی المتوفی ۸۴۷ھ، امام ابن جریر المتوفی ۱۰۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ نے بھی عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔

(۱) کشف ج ۲ ص ۳۵۶-۳۵۵، زاد المسیر ج ۳ ص ۲۲۲، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۷۷، الجامع لاحکام القرآن، ج ۹ ص ۹۸۶، البحر المحیط، ج ۶ ص ۲۹، تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۵۳۳، روح البیان ج ۳ ص ۷، جامع البیان ج ۳ ص ۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۲۹ رقم الحديث ۹۷۳۳)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد باوردی متوفی ۴۵۵ھ نے بھی امام ابن جریر طبری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف کا نکاح ہو گیا تھا پھر لکھا ہے کہ جن مورخین نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ عورت زلیخا تھی انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اور جب زلیخا نے حضرت یوسف کو اقتدار کے زمانہ میں دیکھا تو اس نے کیا: اللہ کے لیے حمد ہے جس نے پادشاہوں کو معصیت کی وجہ سے غلام بنادیا اور غلاموں کو اطاعت کی وجہ سے پادشاہ بنادیا، تو حضرت یوسف نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کی کفالت کی حتیٰ کہ وہ مرگئی اور اس سے نکاح نہیں کیا۔

(۱) التلک والعیون ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حافظ ابن کثیر نے زلیخا سے نکاح نہ کرنے کا تو فیض لکھا لیکن نکاح کی روایت ذکر کے بعد لکھا ہے کہ فضیل بن عیاض نے کہا کہ ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کو راستہ میں عزیز مصر کی بیوی ملی اور اس نے یہ کہا: اللہ کی حمد ہے جس نے اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو پادشاہ بنادیا اور معصیت کی وجہ سے پادشاہوں کو غلام بنادیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ) علامہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے:

زلیخا بڑھی ہو چکی تھی اور حضرت یوسف کے فراق میں رورو کر رہی تھی اور اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بھیک مانگتی پھرتی تھی۔ حضرت یوسف نے اس سے نکاح کر لیا، حضرت یوسف نے نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کا شباب، اس کا حسن اور اس کی بیٹائی لوٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا شباب، اس کا حسن اور اس کی بیٹائی لوٹا دی بلکہ وہ پہلے سے

بھی زیادہ حسین ہو گئی اور اس دعا کا قبول کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کے اکرام کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے دور رہے تھے، پھر حضرت یوسف نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ کنواری تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے حکیم ترمذی کے حوالہ سے وہب بن منبہ کی نکاح کی روایت بیان کی ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ قصہ گونگوں کے درمیان یہ مشہور ہے کہ اس کا حسن اور شبلیہ حضرت یوسف کی دعا اور ان کے اکرام کی وجہ سے لوٹ آیا تھا لیکن اس قصہ کی کوئی اصل نہیں ہے اور حضرت یوسف کی اس کے ساتھ شادی کی جو خبر ہے، وہ بھی محدثین کے نزدیک ثابت اور مستند نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۳، ص ۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طہارت اور نزاہت پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا وہ اس ملک میں جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے۔

یعنی جس طرح ہم نے یوسف پر یہ انعام کیا تھا کہ بادشاہ کے دل میں ان کی محبت ڈال دی تھی اور ان کو قید و بند کی مصیبت سے نجات عطا کی تھی، اسی طرح ہم نے ان پر یہ انعام کیا کہ ہم نے ان کو اس ملک میں اقتدار عطا فرمایا، وہ اس ملک میں بلا روک ٹوک جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شہادت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی کرنے والوں میں سے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر لیے تھے، صرف آخری مرحلہ رہ گیا تھا وہ قطعاً باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام محسنین میں سے نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام روایات باطل اور کذاب ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت یوسف علیہ السلام دنیا میں بلند مراتب اور عالی درجات پر واصل ہو چکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں جو اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہے۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام مومنین اور متقین میں سے ہیں۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ہوئے زمانے میں بھی متقی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا: ولقد هممت به وهم بها اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس عورت نے ان کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا اور انہوں نے بھی اس کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا کیونکہ اگر یہ معنی ہوتا تو وہ اس زمانہ میں متقی نہ ہوتے اس لیے لانا اس کا یہی معنی ہے کہ اس عورت نے ان کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا اور انہوں نے اس سے بچتے کا ارادہ کیا سو یہ آیت بھی حضرت یوسف کی نزاہت اور طہارت پر دلیل ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حلق فرمایا: انه من عبادنا المخلصین۔

(یوسف: ۲۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حلق فرمایا کہ وہ مخلص ہیں، محسن ہیں اور متقی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوی شہادت ہے کہ کسی دور میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا دامن کسی قسم کی بھی مصیبت کی آلودگی میں گھوٹ نہیں رہا۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَا خَلَوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ

اور یوسف کے بھائی اظہارِ محبت کے لئے تو ان کے پاس گئے، پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کے

مُنْكَرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِآخِ لَكُمْ مِّنْ

نہ پہچان سکے اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس

أَيُّكُمْ أَلا تَدْرُونَ أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۵۹﴾

سے کراؤ، انا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں ○

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿۶۰﴾

پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لاتے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آ سکو گے

قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَنَّا أَبَاهُ وَانَّا الْفَاعِلُونَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفَتَاهِهِ

انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں ○ یوسف نے اپنے کا زندہ دل سے کہا ان کے

اجْعَلُوا بَيْضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا

بیسوں کی قیمتیں ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں

إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا

شاید وہ (پھر) واپس آ جائیں ○ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے

يَا أَبَانَا مَن مِّنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسَلْنَا أَخَانَا نَكْتَلُ وَإِنَّا

کہا، اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا کیونکہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیکھئے تاکہ ہم غلہ

لَهُ لِحَفِظُونَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنُكُمْ عَلَىٰ

لا سکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے ○ (ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح اعتبار کروں جس طرح میں اس سے پہلے

أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالَ اللَّهُ خَيْرَ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَحْمَدُ الرَّحِيمِينَ ﴿۶۴﴾

اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں؛ پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب سے رحم کرنے والا ہے

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ط قَالُوا

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی تھیل دیکھی جہاں کی طرف بڑھا دی گئی تھی ، انہوں نے کہا

يَا بَانَا مَا تَبِغِي ط هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا

اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے! یہ ہماری رقم کی تھیل ہیں بڑھا دی گئی ہے ہم اپنے گھسروالوں کے لیے غلہ لائیں گے

وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدَادُ كَيْلٍ بَعِيرٍ ط ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ

اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے اور بادشاہ کے لیے یہ تو معمول تھا ہے ○ (ان کے باپ

لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي

نے کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر

بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا

آؤ گے ، ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ ، جب انہوں نے اپنے باپ سے یہ عہد کر لیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر

تَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنِّي بَابَ وَاحِدٍ

یہ ہے میں اس پر اللہ کو گواہ ہے ○ اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! (شہر میں) تم سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہونا ،

وَادْخُلُوا مِنِّي أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ

اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا ، اللہ میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا

مِنْ شَيْءٍ ط إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے ، میں نے اسی پر توکل کیا ہے ، اور توکل کرنے والوں کو اسی

الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ط مَا

پر توکل کرنا چاہیے ○ اور جب وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا ، اور وہ

كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ

اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا تھا عروہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جو

يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

اس نے پوری کر لی، بے شک وہ صاحب علم تھے کیوں کہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۸﴾

لوگ نہیں جانتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یوسف کے بھائی (غلہ خریدنے مصر گئے تو ان کے پاس گئے، پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے) اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے کر آؤ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مسمان نواز ہوں۔ پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہو گا اور نہ ہی تم میرے قریب آ سکو گے۔ انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو راضی کر دیں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔ (یوسف: ۶۸-۵۸)

مشکل الفاظ کے معنی

وہم لہ مکروں: انکار معرفت کی ضد ہے، حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو نہیں پہچانا کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف کو بچپن میں دیکھا تھا اور اب بہت لمبا عرصہ گزر چکا تھا انہوں نے خیال کیا کہ ان کی وفات ہو چکی ہوگی۔

ولما جہرہم بجهارهم ہر باب میں جس چیز کی ضرورت اور استیصال ہو اس کو حجاز کہتے ہیں، جہار البیت کا معنی ہے مردہ کی گھنٹن وغیرہ کا سامان کرنا، جہاز العروس کا معنی ہے دلہن کی ضرورت کی اشیاء اور جہاز السفر کا معنی ہے سفر کی ضرورت کی چیزیں، یہاں مراد ہے ان کی ضروریات کی گند مہاپ کران کی بور یوں میں بھر کر ان کے اونٹوں پر لاد دیں۔

المسرلین مسمان نوازی کرنے والے، حضرت یوسف نے بہت اچھی طرح ان کی مسمان نوازی کی تھی۔

مسرودہ: سراود کا معنی ہے کسی چیز پر مائل اور رافب کرنا، یعنی ہم کسی طرح کو شش کر کے اس کے باپ کو اس کے

بیچنے پر آمادہ کریں گے۔ (فرائب القرآن وریایب الفرقان ج ۴، ص ۱۰۳-۱۰۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت یوسف کے بھائیوں کا غلہ لینے مصر پہنچنا اور حضرت یوسف کا انہیں پہچان لینا

جب تمام شہروں میں قحط پھیل گیا اور جس شہر میں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے اس میں بھی قحط پہنچ گیا اور ان کے لیے روح اور بدن کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہو گیا اور ہر طرف یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ مصر کا بلا شلہ غلہ فروخت کر رہا ہے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں ایک نیک بلا شلہ ہے جو لوگوں کو گندم فروخت کر رہا ہے، تم اپنی رقم لے کر جاؤ اور ان سے غلہ خریدو، سو حضرت یعقوب کے دس بیٹے سوا بن یا من کے، حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے، اور یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے بھائیوں کے ساتھ ملاقات کا سبب بنا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی اس کی تصدیق کا سبب بنا وہ وحی یہ تھی:

لَتَسْفِتَنَّهُمْ بِأَمْرِهُمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ تم ضرور ان کو ان کی اس

کارروائی سے آگاہ کرو گے اور اس وقت ان کو (تمہاری شان کا)

(یوسف: ۱۵)

پتا بھی نہ ہو گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ حضرت یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو بالکل نہ پہچان سکے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اس لیے پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی تھی کہ تم ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کرو گے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا اس میں بھی یہ دلیل تھی کہ ان کے بھائی ان تک پہنچیں گے، اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام اس واقعہ کے خطر تھے اور جو لوگ بھی دور دراز سے غلہ لینے کے لیے مصر آتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان کے متعلق تفتیش کرتے تھے اور معلومات حاصل کرتے تھے کہ آیا یہ ان کے بھائی ہیں یا نہیں، رہا یہ کہ ان کے بھائیوں نے ان کو کیوں نہیں پہچانا تو اس کی حسب ذیل وجہ ہیں:

بھائیوں کا حضرت یوسف کو نہ پہچانا اور اس کی وجہ

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دربانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ غلہ خریدنے کے لیے باہر سے آنے والوں کو ان سے فاصلہ پر رکھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام ان سے بالواسطہ گفتگو کرتے تھے، اس طرح وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے خصوصاً اس لیے کہ ان پر بادشاہ کا رعب طاری تھا اور جو ضرورت مند ہو وہ کچھ زیادہ ہی مرعوب اور خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۲) جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت وہ کم سن اور سچے تھے، اور اب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو ڈاڑھی آچکی تھی، اور ان کی شکل و صورت میں کافی تغیر ہو چکا تھا، انہوں نے دیکھا کہ وہ ریشم کا لباس پہنے ہوئے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے گلے میں سونے کا طوق تھا اور ان کے سر پر سونے کا تلخ تھا اور اتنا عرصہ گزرنے کی وجہ سے وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بھول چکے تھے، جس وقت انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چالیس سال گزر چکے تھے، ان اسباب میں سے ہر سبب ایسا ہے جس کی وجہ سے اتنے عرصہ پہلے کے شخص کو انسان بھول سکتا ہے، اور جب یہ تمام اسباب مجتمع ہوں تو اس کو نہ پہچانا اور بھول جانا زیادہ متوقع ہے۔

(۳) کسی چیز کو پہچان لینا اور یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ معرفت پیدا نہ کی ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول محقق ہو، آپ ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کریں گے اور ان کو پتا بھی نہ ہو گا۔ (یوسف: ۱۵)

بن یامین کو بلوانے کی وجہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ وہ آئندہ اپنے دوسرے بھائی کو لے کر آئیں اس کی حسب ذیل وجہ ہیں:

(۱) غلہ فروخت کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ اصول تھا کہ وہ ہر شخص کو ایک بار شتر دیتے تھے یعنی صرف ایک اونٹ پر غلہ لا کر دیتے تھے، اس سے زیادہ دیتے تھے نہ کم، اور حضرت یوسف کے پاس ان کے دس بھائی آئے تھے، تو آپ نے ان کو دس بار شتر دیئے۔ انہوں نے کہا: ہمارا ایک بوڑھا باپ بھی ہے اور ایک اور بھائی بھی ہے، انہوں نے بتایا کہ ان کا باپ اپنے بوڑھے اور شدت غم کی بناء پر نہیں آسکا اور ان کا ایک اور بھائی جو ہے وہ اپنے باپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے نہیں آسکا اور ان دونوں کو بھی زندہ رہنے کے لیے طعام کی ضرورت ہوگی، اس لیے براہ کرم دوبار شتر غلہ اور مرحمت فرمائیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: باپ تو خیر بوڑھا اور مخدور ہے لیکن اس بھائی کو تمہیں اگلی بار لانا ہو گا ورنہ تم کو غلہ بالکل نہیں ملے گا۔

(۲) جب وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت یوسف نے ان سے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگ شام کے رہنے والے ہیں اور بکریاں چراتے ہیں، ہم پر قحط آپڑا تو ہم غلہ خریدنے آئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم لوگ جاسوسی کرنے تو نہیں آئے؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ! ہمارا باپ سچا نبی ہے اور ہم اس کے بیٹے ہیں، ان کا نام یعقوب ہے۔ حضرت یوسف نے پوچھا تم کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ بھائی ہیں، ہم میں سے ایک فوت ہو گیا اور ایک باپ کے پاس ہے اس کو دیکھ کر اسے فوت شدہ بھائی کے غم سے تسکین ہوتی ہے اور ہم دس بھائی ہیں جو آپ کے پاس ہیں۔ حضرت یوسف نے کہا: تم ایک کو یہاں بطور ضلالت چھوڑ کر جاؤ، اور اگلی بار اس بھائی کو لے کر آنا پھر انہوں نے قرعہ اندازی کر کے شعون کو بطور رہن حضرت یوسف کے پاس چھوڑ دیا۔

(۳) جب انہوں نے اپنے باپ کا ذکر کیا تو حضرت یوسف نے پوچھا تم اپنے باپ کو اکیلا کیسے چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اس کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آئے بلکہ ہمارا ایک بھائی ان کے پاس ہے۔ حضرت یوسف نے پوچھا تمہارے باپ نے خصوصیت کے ساتھ اس کو ہی کیوں اپنے ساتھ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: تمام اولاد میں وہ سب سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تمہارا باپ عالم اور حکیم ہے وہ بلا وجہ اس سے اتنی محبت نہیں کر سکتا ضرور اس میں کوئی خصوصیت ہوگی، اس کو میرے پاس لے کر آؤ، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس میں کیا ایسی خاص بات ہے۔

حضرت یوسف نے بن یامین کو لانے کے لیے انہیں ترغیب بھی دی اور دھمکی بھی دی، ترغیب کے طور پر یہ فرمایا: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم اپنے بھائی کو لے آئے تو میں تم کو بطور انعام غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ دوں گا اور دھمکی یہ دی کہ اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہو گا اور نہ ہی تم میرے قریب آ سکو گے۔

حضرت یوسف نے بن یامین کو بلوا کر حضرت یعقوب کو مزید رنج میں کیوں جلا کیا؟

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بن یامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اس کی جدائی میں ان کو بہت رنج اور قلق ہو گا تو انہوں نے بن یامین کو اپنے باپ کے پاس سے بلوانے کے لیے کیوں اقدام کیا اور اپنے باپ کو رنج اور قلق میں ڈالنے کا کیوں انتظام کیا؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ وہ بن یامین کو بلوائیں اور انہوں نے ابتلا و جی میں یہ اقدام کیا تاکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مزید رنج اور غم میں جلا ہوں اور اس طرح ان کا ثواب اور زیادہ ہو۔

(۲) ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ اس کارروائی سے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے پر متغیب ہو جائیں، کیونکہ خصوصیت سے بن یامین کو بلوانے والے حضرت یوسف ہی ہو سکتے تھے، وہ دونوں بگے بھائی تھے۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اچانک دونوں بیٹے ملیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوشی ہوگی۔

(۴) حضرت یوسف نے بن یامین کو صرف ملاقات کے لیے بلایا تھا اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور جانے نہیں دیں گے، لیکن جب بن یامین کی حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا اپنا حال سنایا تو بن

یامین نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے پر اصرار کیا تب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تم کو روکنے کی بھی صورت ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگوا دیا جائے۔ بن یامین نے کہا: مجھے منظور ہے۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۳۹-۲۴۶، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۷۸-۴۷۹، الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۱۹۳-۱۹۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا ان کے پیسوں کی تھیلی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے گھردالوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ (پھر) واپس آجائیں۔ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے، آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لاسکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے (ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح اعتبار کروں جس طرح میں اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں؟ پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے (یوسف: ۶۳-۶۴)

مشکل الفاظ کے معنی

وقال لمتبانه: متباہ جمع قلت ہے یہ فنی کی جمع ہے، فنی کے معنی نوکر اور غلام ہیں، اس سے مراد غلہ کو باپ کر بوریوں میں بھرنے والے ہیں، جمع کثرت کی وجہ یہ ہے کہ غلہ خریدنے کے لیے بکثرت لوگ آتے تھے اس لیے اس کی پیمائش کرنے والے بھی زیادہ ہونے چاہئیں تھے۔

بصاعتهم: اس سے مراد غلہ کی قیمت ہے، یہ چاندی کے درہم تھے، رحال سے مراد ان کے غلہ کی بوریاں ہیں۔
مع منالکبیل: کبیل کے معنی پیمائش ہے اور رحال اس سے مراد مکبیل ہے یعنی ہم کو غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے۔

سکنل: یعنی جب منع اٹھ جائے گا اور ہم بھائی کو لے جائیں گے تو ہم اپنی ضرورت کے مطابق غلہ لے آئیں گے۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳، ص ۱۰۳-۱۰۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

بھائیوں کی بوریوں میں رقم کی تھیلی رکھنے کی وجوہ

امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا کہ انہوں نے غلہ کی جو قیمت دی ہے وہ ان کی بوریوں میں رکھ دو اور اس طرح رکھو کہ ان کو بالکل پتا نہیں چلے، تاکہ جب یہ گھر لوٹیں تو اس رقم کو دیکھ کر دوبارہ آجائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کس حکمت کی وجہ سے وہ تھیلی ان کی بوریوں میں رکھوائی تھی؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب وہ گھر جا کر بوریاں کھولیں گے اور ان کو اپنی قیمت واپس مل جائے گی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرم اور آپ کی سخاوت سے متاثر ہوں گے اور دوبارہ جانے کے لیے راغب ہوں گے جب کہ انہیں غلہ کی طلب بھی تھی۔
(۲) حضرت یوسف کو یہ خطرہ تھا کہ شاید ان کے باپ کے پاس مزید غلہ خریدنے کے لیے رقم نہ ہو اس لیے انہوں نے وہ قیمت بوریوں میں رکھ دی۔

(۳) حضرت یوسف نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قحط کا زمانہ ہے، ہو سکتا ہے ان کے باپ کا ہاتھ تنگ ہو تو وہ اس طرح باپ کی کچھ خدمت کر دیں۔

(۴) ایام قحط میں جب کہ ان کے بھائیوں اور باپ کو غلہ کی سخت ضرورت تھی تو ایسے حالات میں انہوں نے ان کو قیمت غلہ دینا صلہ رحم کے خلاف اور برا جاننا اس لیے چکے سے وہ رقم واپس کر دی۔

(۵) حضرت یوسف کا مکمل تھا کہ جب ان کے بھائی سلیمان میں رقم کی قبلی دیکھیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ شاید سہو اور نسیان سے ان کی یہ رقم ہماری بوریوں میں آگئی ہے اور وہ انبیاء کی اولاد ہیں، وہ ضرور اس رقم کو واپس کرنے آئیں گے یا یہ معلوم کرنے آئیں گے کہ آخر کس سبب سے ہماری بوریوں میں یہ رقم کی قبلی آگئی۔

(۶) حضرت یوسف نے اس طریقہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہا اور ایسے طریقہ سے کہ ان پر حضرت یوسف کا احسان ظاہر ہو اور نہ ان کو عار محسوس ہو۔

(۷) حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ وہ یہ جان لیں کہ میں جو ان کے بھائی کو بلوارہا ہوں تو اس پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بلوارہا اور نہ غلہ کے دام چھلنے کے لیے بلوارہا ہوں۔

(۸) حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف ان کے بیٹوں پر کریم ہیں تاکہ وہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس بھیجنے میں خطرہ محسوس نہ کریں۔

(۹) چونکہ یہ نگلی کا زمانہ تھا اس لیے حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کی کچھ مدد ہو جائے اور چونکہ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا اس لیے اس رقم کو بوریوں میں چھپا کر رکھ دیا۔

(۱۰) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ انتہائی ظلم کیا اور بے رحمانہ سلوک کیا تھا جو اب میں حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کریں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل بتائیے! آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کر دو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۶۷، عالم الکتاب، اتحاف السادة المستمعین ج ۹، ص ۲۵)
امام ابن الجار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم سے تعلق توڑے تو اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے، تم اس سے اچھا سلوک کر دو اور حق بات کو، خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۰۹)

بدی را بدی بدل باشد جزا
اگر مردی احسن قلبی من ایسا
(سعدی شیرازی)

(بڑائی کا جواب بڑائی سے و نہایت آسان ہے، مردانگی تو یہ ہے کہ بڑا سلوک کرنے والے سے اچھا سلوک کر دو)
بڑائی کا جواب اچھائی سے دینے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ

بے شک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بدسلوکی کے جواب میں نیک سلوک کیا لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ایسی بکثرت مثالیں ہیں جب آپ نے لوگوں کی بدسلوکی کے مقابلہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بدذہبی کرتے تھے نہ مٹھانہ بازار میں

شور کرتے تھے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے، لیکن آپ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(شماکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱ مسند احمد ج ۶ ص ۹۷۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۰۹ سوار و العلمین رقم الحدیث: ۲۳۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی شخص سے اس کی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے تھے، جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتا تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے، اور آپ کو کبھی دو چیزوں میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ اس چیز کو اختیار فرماتے جو زیادہ آسان ہوئی بشرطیکہ وہ گنہگار نہ ہو۔

(شماکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵ مسند احمد ج ۶ ص ۸۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۴۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۷۵ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۵۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۳)

میدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم علم یہ ہے کہ جنگ احد میں کافر آپ کے خلاف جنگ کرنے آئے تھے، انہوں نے آپ کا پھلا سامنے کا دانت شہید کر دیا، آپ کا پھلا ہونٹ زخمی کر دیا، آپ کا چہرہ خون سے رنگین ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۷۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھ رہا تھا، آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا ذکر فرما رہے تھے، ان کا چہرہ ان کی قوم نے خون سے رنگین کر دیا۔ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۷۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف دعاء ضرر کیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، یہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ مشرکین کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں عصر کی نماز پڑھنے سے (اپنے خلاف لڑائی میں) مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف دعاء ضرر فرمائی ہے اور حدیث سابق میں آپ نے دعاء ضرر سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ذات کو جو اذیت پہنچائی جاتی، آپ اس کو معاف فرما دیتے اور دعاء ضرر نہیں فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادات میں جو خلل ڈالا جاتا آپ اس کو معاف نہ کرتے اور خلل ڈالنے والوں کے خلاف دعاء ضرر فرماتے تھے۔

برائی کا جواب بھلائی سے دینے اور آپ کے خلق کریم پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

حضرت زید بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی علماء میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لیے آیا، اس نے آپ کے دائیں کندھے سے چادر پکڑ کر کھینچی اور کہا: اے عبدالطلب کی اولاد! تم لوگ بہت دیر سے قرض کی ادائیگی کرتے ہو اور میں تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اس کو ڈانٹا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اور اس شخص کو کسی اور چیز کی تلقین کی ضرورت ہے، تم مجھے اچھی طرح سے ادائیگی کی تلقین کرتے اور اس شخص کو احسن طریقہ سے تقاضا کرنے کی تلقین کرتے۔ اے عمر! جاؤ، اس کا قرض ادا کرو، ابھی اس کی مدت ختم ہونے میں تین دن باقی تھے، تم اس کو تیس صلے (تقریباً تین من) غلہ زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اس پر سختی کی تھی۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲، ص ۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶، ص ۵۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۰۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نجرانی سخت چادر اوڑھی ہوئی تھی، ایک دہائی نے اس چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے کے اوپر نشان پڑ گئے تھے، پھر اس نے کہا: آپ کو جو اللہ نے مل دیا ہے اس میں سے میرے لیے حکم کیجئے، آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا پھر آپ ہنسے اور آپ نے اس کو دینے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم غم اور درگزر کا بیان ہے اور یہ کہ آپ کی جان پر جو اذیت ہوتی تھی، آپ اس کو برداشت کرتے تھے اور سخت طبیعت دہائیوں کو آپ حسن تدبیر سے درگزر فرماتے تھے، حالانکہ وہ وحشی جانوروں کی طرح غیر مانوس اور بہت جلد خنجر ہونے والے تھے، آپ خلق عظیم کے حامل تھے اور اس آیت کے مصداق اتم تھے:

فَإِمَّا يَنْزَغُوكَ مِنَ اللَّيْلِ فَاصْبِرْ ۖ وَأَوْرَثَكَ يَوْمًا حَسْبًا ۚ
فَظَنَّا أَنَّكَ قَلْبٌ غَافٍ ۖ لَآ تَفْقَهُوا شَيْئًا حَوْلَ كَذِّبِ
الْآيَةُ۔ (آل عمران: ۱۵۹)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بن یامین کو بھیجنے کی وجہ

ایک سوال یہ ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام یہ تجربہ کر چکے تھے کہ انہوں نے بھائیوں کے کہنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا اور پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر نہیں آئے اور کہہ دیا کہ ان کو بھیجا کھا گیا اور بالآخر ان کا جھوٹ ثابت ہو گیا تو دوبارہ ان کے کہنے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام بن یامین کو بھیجنے پر کیسے تیار ہو گئے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) وہ بھائی اب کلنی بڑے ہو چکے تھے اور نیکی اور تقویٰ کی طرف مائل ہو چکے تھے اور اب ان سے سابقہ کارروائی کی توقع نہیں تھی۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ مشاہدہ کر لیا تھا کہ یہ لوگ بن یامین سے اس طرح حسد اور بغض نہیں رکھتے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد اور بغض رکھتے تھے۔

(۳) ہر چند کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر پہلے اعتدال کرنے کا تجربہ تلخ تھا لیکن قحط کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو گئے۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی کی ہو اور اس وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام تیار ہو گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی قبیل دیکھی جو ان کی

طرف بٹا دی گئی تھی، انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، ہم اپنے گھروالوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لد اہوا غلہ زیادہ لائیں گے، اور (بادشاہ کے لیے) یہ تو معمولی مقدار ہے O (ان کے باپ نے) کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے، ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ، جب انہوں نے اپنے باپ سے یہ عہد کر لیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر رہے ہیں، اس پر اللہ گواہ ہے۔ O (یوسف: ۶۶-۶۵)

بن یا مین کو ساتھ بھیجنے کے لیے باپ کو تیار کرنا

اس آیت میں ماسعی کے دو محمل ہیں: یہ مافنی کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور استغنام کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ مافنی کے لیے ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہ یعنی حضرت یوسف کے متعلق جو بتایا تھا کہ وہ بہت فیاض اور جواد ہے تو ہم اس تعریف اور توصیف سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتے تھے۔ دیکھئے اس بادشاہ نے ہمیں رقم کی تھیلی بھی واپس کر دی ہے، اور اس صورت میں دو سراسمعی یہ ہے کہ ہم آپ سے دوبارہ جانے کے لیے مزید رقم نہیں چاہتے کیونکہ بادشاہ نے ہماری پہلی رقم ہمیں واپس کر دی ہے۔

اگر یہ ماسغنام کے لیے ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہمیں اور کیا چاہیے، ہماری رقم بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔

میسرہ کا معنی ہے: طعام، اور سمیراھلسا کا معنی ہے: ہم اپنے گھروالوں کے لیے طعام لے کر آئیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لد اہوا غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئے تو ان کو غلہ سے لد اہوا ایک اونٹ زیادہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: یہ تو معمولی مقدار ہے، اس کے حسب ذیل محمل ہیں:

- (۱) مقاتل نے کہا: اتنے فیاض اور جواد کے لیے ایک ہار شتر توبست معمولی بات ہے، زجاج کا بھی یہی مختار ہے۔
- (۲) جتنی طویل مدت ہم نے ایام قحط میں گزاری ہے، اس کے مقابلہ میں یہ بہت کم مقدار ہے۔
- (۳) ہمارے بھائی کے بغیر جو ہمیں غلہ دیا گیا ہے یہ بہت کم ہے، آپ بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ ہم کو زیادہ غلہ مل سکے۔

مصیبت میں گھر جانے کا معنی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم یہ پختہ عہد کرو، اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے یہ عہد کرو اور دو سراسمعی یہ ہے کہ تم اللہ کی قسم کھاؤ۔

مصیبت میں گھرنے کے بھی دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ اور دو سراسمعی یہ کہ تم سب مقہور اور مغلوب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے کہا اے میرے بیٹا (شیر میں) تم سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہو، اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہو، اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے O اور جب وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا اور وہ اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا تھا مگر وہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی، جو اس نے پوری کر

لی، بے شک وہ صاحب علم تھے، کیونکہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (یوسف: ۶۸-۶۷)
نظر لگنے کے متعلق احادیث

حضرت یعقوب علیہ السلام کے یہ دس بیٹے بہت خوب صورت اور بہت باکمال تھے، مصر کے چار دروازے تھے، جب دس بیٹے مصر روانہ ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خدشہ ہوا کہ اگر دس کے دس ایک دروازے سے داخل ہوئے تو ان پر دیکھنے والوں کی نظر لگ جائے گی اس لیے انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہو، یہ نظر لگنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر بے حق ہے اور آپ نے گھورنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۷۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۸۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۶۱)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نظر بد کے دم کرانے کا حکم دیا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۵۵، السنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۷۵۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۳۶۳، مسند احمد ج ۶، ص ۳۸، صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۱۰۳، المستدرک ج ۳، ص ۳۳، سنن کبریٰ للیستی ج ۹، ص ۳۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا (اس کا رنگ سرخی، نکل سیاہ تھا یا زرد تھا، ہر حال اس کے چہرے کا رنگ اصل رنگ کے خلاف تھا) آپ نے فرمایا: اس پر دم کراؤ کیونکہ اس پر نظر لگی ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۸۷)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے فرماتے تھے، تمہارے باپ حضرت اسماعیل اور حضرت اسمعیل بھی دم کرتے ہوئے فرماتے تھے: میں (تم کو) شیطان، ہرزہ پرے کپڑے اور نظر لگانے والی آنکھ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۳۸، ج ۴، ص ۳۱۵، مسند احمد ج ۹، ص ۳۳۶۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۵)
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جعفر کی اولاد پر نظر بہت جلد لگتی ہے، کیا میں اس پر دم کرایا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۵۶، مسند احمد ج ۶، ص ۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۳)

ابو المہدی بن سہل بن ضیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ سہل بن ضیف نے خزار (مدینہ کی ایک وادی) میں غسل کیا اور انہوں نے اپنا جبہ اتارا اور عامر بن ربیعہ ان کو دیکھ رہے تھے، اور سہل گورے رنگ کے بہت خوبصورت شخص تھے۔ عامر بن ربیعہ نے انہیں دیکھ کر کہلا اتنے گورے رنگ کا اتنا خوبصورت شخص میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ سہل کو اسی وقت بخار چڑھ گیا۔ پھر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بتایا کہ سہل کو

بست تیز بخار چڑھ گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ جانیں سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہل کے پاس تشریف لے گئے اور سہل نے بتایا کہ اس طرح مجھے عامر نے نظر بھر کر دیکھا تھا پھر مجھے بخار چڑھ گیا۔ آپ نے عامر سے فرمایا: تم کیوں اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا: تبارک اللہ احسن الخالقین اللہم بارک فیہ۔ (جب دیکھنے والا کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی) بے شک نظر کا لگنا برحق ہے، تم اس کے لیے وضو کرو۔ عامر نے ان کے لیے وضو کیا پھر وہ بالکل تندرست ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: آپ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کنیوں سمیت دھوئے اور گھنٹوں کو اور ازار کے اندر جسم کا حصہ دھوئے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کے غسلہ کو سہل کے اوپر بھلایا جائے۔

(موطا امام مالک رقم الحديث: ۶۷۳۶۶۷ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۵۰۹ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۵۱ سند احمد ج ۳)

ص ۳۸۶ عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحديث: ۱۲۰۹

نظر بد میں مذاہب اور اس سے متعلق شرعی احکام

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور نظر کبھی انسان کو قتل بھی کر دیتی ہے جیسا کہ موطا کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو، اس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ بعض بدعتی فرقوں نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے، لیکن احادیث صحیحہ، امت کا اجماع اور مشاہدہ ان کے انکار کو رد کرتا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو نظر لگنے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھے، تاہم نظر کا لگنا یا نہ لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآئِرٍ فِيْهِ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس جادو سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔ (البقرہ: ۱۰۲)

اصحیٰ نے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی نظر بست لگتی تھی، اس نے سنا کہ ایک گائے بست زیادہ دودھ دیتی ہے، اس کو یہ بست اچھا لگا اس نے پوچھا وہ کون سی گائے ہے؟ لوگوں نے کوئی اور گائے بتائی اور اس کو تھلی رکھا لیکن وہ دونوں گائیں مر گئیں۔ اصحیٰ نے کہا: میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مجھے کوئی چیز اچھی لگتی ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں سے ایک قسم کی حرارت خارج ہوتی ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی چیز اچھی لگے تو وہ یہ کہے:

تبارک اللہ احسن الخالقین اللہم اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے، بارک فیہ۔ اے اللہ! اس چیز میں برکت دے۔

جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو پھر اس کی نظر نہیں لگے گی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو ارشاد فرمایا تھا۔

جس شخص نے یہ کلمات نہیں کہے اور اس کی نظر لگ گئی تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ غسل نہ کرے تو اس کو غسل کرنے پر مجبور کیا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوب کے لیے ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ جب اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو جس پر اس کی نظر لگ گئی ہے، اور کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کو نفع سے روکنا اور اس کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے اور غسل کے بعد اس شخص کا غسلہ اس پر بھلایا جائے جس پر نظر لگی ہے۔

جس شخص کی نظر کا لگنا مشہور ہو، اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے تاکہ لوگوں کا ضرر نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ قاضی یا حاکم کو چاہیے کہ اسے اس کے گھر میں بند کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو سرکاری طور پر رزق بھی مہیا کرے اور لوگوں کو اس کی اذیت سے بچائے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو شہر بدر کر دیا جائے، لیکن موطا امام مالک کے حوالے سے جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے وہ ان اقوال کو مسترد کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو گھر میں بند کیا تھا نہ شہر بدر کیا تھا بلکہ کبھی کسی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے، اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی کو قاضی کہا جاسکتا ہے۔

بعض احادیث میں نظر لگ جانے کے بعد دم کرانے کا ارشاد ہے اور بعض احادیث میں جس کی نظر لگی ہے، اس کو غسل کرا کر اس کے غسلہ کو اس پر ڈالنے کا حکم ہے جس پر نظر لگی ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو دم کرایا جائے (دم کے کلمات حدیث میں مذکور ہیں) اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔ (المجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۸۹-۱۹۰)

نظر بد کی تاثرات کی تحقیق

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دیکھنے سے دوسرے شخص کو ضرر کیوں کر پہنچ جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی طبعیات اور ان کے بدنوں کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہر نکل کر دوسرے کے بدن میں پہنچ جاتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ جس شخص کو آشوب چشم ہو اور تندرست آدمی اس کو دیکھے تو اس کو بھی بیماری لگ جاتی ہے، اس طرح بعض بیماریوں میں تندرست آدمی بیماروں کے پاس بیٹھے تو اس کو وہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اگر کسی آدمی کو جمالیں آ رہی ہوں تو اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو بھی جمالیں آنے لگتی ہیں، اسی طرح افغانی (سانپ) کے ساتھ نظر ملانے سے بھی اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے، لیکن اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ کسی شخص کی نظر سے ضرر کا پہنچنا اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جاریہ ہے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت پر موقوف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر دوران خطبہ فرمایا: سفید دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ کو قتل کر دو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو سقط کر دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۹۷ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۷۱۱ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۹۳ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۷۵۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سفید دھاریوں والے سانپ کے دیکھنے سے بصارت مٹ جاتی ہے اور حمل سقط ہو جاتا ہے، اس طرح بعض افغانی (سانپ) ایسے ہیں کہ ان کی نظر سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے، اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ اسی طرح انسان کا بعض لوگوں سے اس نوع کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے انسان کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں سے انسان اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور یہ سب نظر کی تاثرات ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کے دیکھنے سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض کو دیکھنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ روح کی تاثرات ہیں اور ارواح مختلف ہوتی ہیں۔ بعض روحوں کی طبعیات، کیفیات، قوتیں اور خواص بہت جلد تاثر کرتی ہیں کیونکہ وہ روح بہت خبیث ہوتی ہے، اور بعض کسی شخص کو دیکھتے ہی اس میں تاثر کرتی ہے اور بعض روحوں دوسرے شخص کے بدن کے ساتھ اتصال کے بعد تاثر کرتی ہیں، اور اس کی آنکھوں سے ایک مٹھی تیر نکل کر دوسرے کے جسم میں پڑ جاتا ہے، بہر حال

اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت کے بغیر یہ تاثیر نہیں ہوتی اور اس کا علاج یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو قفل کرنا اور اس کا فضلہ نظر لگنے والے شخص پر ڈالا جائے ورنہ یہ دعا کر کے اس پر دم کیا جائے:

اعوذ بکلمات اللہ النامة من کل
شیطان وهامة ومن کل عین لامة۔
میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ
کے کلمات تمہارے کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۳۷)

(صحیح البخاری ج ۳، ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا

جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھیرایا، اور بتایا کہ میں تمہارا

أَخُوكَ فَلَا تَبْتَسِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَهَنَّهُمْ بِهِمْ جَبَّارٌ

بھائی ہوں، سو تم اس بدسلوکی پر غمگین نہ ہونا جو کرتے رہے تھے ○ پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا

هُمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا

تو اس نے (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بری میں رکھ دیا، پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قابضے والو !

الْعَيْرِ إِنَّكُمْ لَسْرِقُونَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا أَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَّا ذَا اتَّبَقِدُونَ ﴿۴۳﴾

بے شک تم ضرور جھوٹے ہو ○ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تمہاری کیا چیز کم ہو گئی ہے؟ ○

قَالُوا أَنْفَقْنَا مَوَاسِئَ الْمَلِكِ وَلَيْمَنَ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا

کازندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ کم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلط سے لڑا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں

بِهِ زَعِيمٌ ﴿۴۴﴾ قَالُوا اتَّانَ اللَّهُ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي

اس کا ضمان ہوں ○ انہوں نے کہا اللہ کی قسم اتم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں

الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿۴۵﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ

آئے اور نہ ہم چور ہیں ○ کازندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلتے تو تمہاری کیا سزا

كَاذِبِينَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اجْزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ﴿۴۷﴾

جھوٹی چاہیے؟ ○ انہوں نے کہا جس کی بری سے وہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے

كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٩﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ

ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ تو یوسف نے اپنے بھائی کی پوری سے پہلے ان کی پوریوں کی کاشمی یعنی شروع کر دی

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَٰ

پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی پوری سے برآمد کر لیا، ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی،

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے،

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٨٠﴾

ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر دہائی علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے ○

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا

انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے اس کا بھائی ہی چوری کر چکا ہے سو یوسف نے

يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانٍ

اس بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہیں کیا، اس نے (دل میں) کہا تم خود بدتر جگہ کے ہو

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا

اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے ○ انہوں نے کہا سائے عزیز! اس کا باپ

شَيْخًا كَبِيرًا اخُذْنَا أَحَدًا مَكَانَهُ إِنْكَارِكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٢﴾

بہت بڑھ چاہے، آپ اس کی جگہ ہمیں سے کسی کو رکھ لیں، ہماری دہائی میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں ○

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ

یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! کہ ہم نے جس کی پوری میں اپنا سامان پایا ہے اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ نہیں،

إِنَّا إِذَا الظَّالِمُونَ ﴿٨٣﴾

پھر تو ہم ظالم قرار پائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، سو تم اس بد سلوکی پر غمگین نہ ہونا جو یہ کرتے رہے تھے۔ پھر جب یوسف نے ان کا سلوک تیار کیا تو اس نے (شعلی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا، پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! بے شک تم ضرور چروہو۔ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ کارندوں نے کہا: بوشلو کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو ملے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا خالص ہوں۔ (یوسف: ۷۵-۷۹)

حضرت یوسف کا بن یامین کو یہ بتانا کہ میں تمہارا بھائی ہوں

ابن ابی جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہ ہمارا وہ بھائی ہے جس کے حلق آپ نے کھاتھا کہ اس کو لے کر آؤ اب ہم اس کو ملے کر آئے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور درست کیا اور تم کو غریب اس پر انعام ملے گا پھر فرمایا: میں تمہاری فیاضیت اور نکریم کرنا چاہتا ہوں، پھر آپ نے دو دو کو کھانے پر بٹھلایا، اور اس کو عمدہ کھانے پیش کیے، پھر بن یامین کے متعلق فرمایا: یہ اکیلا رہ گیا! اس کو میں اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں اور دو دو کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور فرمایا: بن یامین کو میں اپنے کمرہ میں ٹھہرا لیتا ہوں، پھر تھلی میں بن یامین کو بتایا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، تمہارے یہ بھائی جو کچھ بد سلوکی کرتے رہے ہیں، تم اس پر غم نہ کرنا۔

(جامع البیان ج ۳، ص ۲۱-۲۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۷۰)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

دوب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے دو دو کو ایک ساتھ دسترخوان پر بٹھلایا اور بن یامین کو اکیلا بٹھلایا۔ وہ روئے لگے اور کہنے لگے اگر میرا بھی بھائی ہوتا تو آپ مجھے اس کے ساتھ بٹھاتے۔ حضرت یوسف نے کہا میں اس کو اکیلا دیکھ رہا ہوں سو میں اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں۔ پھر جب رات ہوئی تو دو دو کو ایک کمرہ دیا بن یامین اکیلے رہ گئے تو کہا اس کو میں اپنے ساتھ کمرے میں رکھ لیتا ہوں، تھلی میں حضرت یوسف نے کہا: کیا تمہارا کوئی ماں شریک بھائی ہے۔ اس نے کہا ہاں میرا ایک ماں شریک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت یوسف نے کہا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے اس ہلاک شدہ بھائی کے قائم مقام میں تمہارا بھائی ہو جاؤ؟ بن یامین نے کہا اے بوشلو! آپ جیسا بھائی کس خوش نصیب کا ہو گا؟ لیکن آپ یعقوب سے پیدا نہ ہوئے نہ راحیل سے؟ پھر حضرت یوسف روئے لگے اور اس کو لگایا اور فرمایا: میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور تم اب غم نہ کرنا یعنی وہ جو ہم پر حسد کرتے رہے تھے اور ہمارے باپ کی توجہ اپنی طرف پھرنے کی جو کوشش کرتے رہے تھے، اس پر اب تم غم نہ کرنا۔ (ازاد المسیر ج ۳، ص ۲۵۶-۲۵۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت یوسف نے بن یامین کو روک کر باپ کی مزید دل آزاری کی

جب بن یامین نے حضرت یوسف کو پہچان لیا تو حضرت یوسف سے کہا مجھے ان کی طرف نہ لوٹائیں۔ حضرت یوسف نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ حضرت یعقوب کو پہلے ہی میری وجہ سے کتنا غم اٹھنا پڑا تھا پھر ان کا غم اور زیادہ ہو جائے گا۔ بن یامین نے واپس جانے سے انکار کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تمہیں روکنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگا دیا جائے۔ بن یامین نے کہا کوئی پروا نہیں، پھر حضرت یوسف نے چپکے سے شعلی پیالہ بن یامین کی بوری میں رکھ دیا، انہوں نے خود وہ پیالہ اس طرح رکھا تھا کہ کسی کو پتا نہیں چل سکا یا اپنے بعض خاص خدام کا اس کو حکم دیا تھا۔

قرآن مجید میں اس پیالے کے لیے دو لفظ ہیں السفایہ اور صواع، السفایہ کا معنی پانی پینے کا پیالہ ہے اور صواع کا معنی پیانہ ہے، یہ سونے اور چاندی کا ایک برتن تھا اس سے پانی بھی پیا جاتا تھا اور اس سے باپ کر غلہ بھی دیا جاتا تھا۔ حسن بصری، مجلد اور قلاوہ سے روایت ہے کہ یہ پانی پینے کا برتن تھا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۲۲، الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف کو یہ علم تھا کہ بن یامین کے واپس نہ پہنچنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مزید غم ہو گا تو پھر انہوں نے بن یامین کی بات کیوں مان لی اور ایسا کام کیوں کیا جس کے نتیجے میں ان کے باپ کو صدمہ پہنچا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے وحی کے ذریعہ جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت ہے، اور ان کے اقدام کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بن یامین کے نہ پہنچنے کے بعد بھی حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کو یاد کرتے رہے تھے اور وہ کہتے تھے باسعی علی یوسف۔

بے قصور قافلہ والوں کو چور کہنے کی توجیہ

پھر منہوی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! تم ضرور چور ہو!

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منہوی نے یہ اعلان اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے کیا تھا تو ایک رسول برحق کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ وہ بے قصور لوگوں پر بہتان باندھیں اور ان پر چوری کی جھوٹی تسمت لگائیں، اور اگر انہوں نے یہ حکم نہیں دیا تھا تو انہوں نے بعد میں منہوی کا رد کیوں نہیں کیا کہ تم ان کو چور کیوں کہہ رہے ہو، یہ تو بے قصور ہیں! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت یوسف بن یامین سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ تمہیں روکنے کا صرف یہی طریقہ ہے تو گویا ان کی رضامندی سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔

(۲) حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ تم نے یوسف کو اس کے باپ سے چرایا تھا اور چرا کر پہلے کنوئیں میں ڈالا پھر قافلہ والوں کے ہاتھ غلام بنا کر بیچ دیا، تو یہ کلام بطور توریہ تھا اس کلام سے حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ تم یوسف کو چرانے والے ہو اور اس کلام کا ظاہر یہ تھا کہ تم شہی بیان نہ چرانے والے ہو۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منہوی کا یہ کلام بطور استفہام ہو، یعنی اس نے پوچھا ہو کہ آیا تم چور ہو؟

(۴) قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ منہوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے یہ اعلان کیا تھا یا ان کو اس اعلان کا علم تھا اور ظاہر یہ ہے کہ کارندوں نے اپنے طور پر اس پیالہ کو تلاش کیا اور جب ان کو وہ نہیں ملا تو ان کو شبہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اس پیالہ کو اپنی یوریوں میں رکھ لیا ہو۔

انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہاری کیا چیز کم ہو گئی ہے؟ کارندوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

جعل (کسی چیز کو ڈھونڈنے کی اجرت) کی تحقیق

اس آیت میں یہ ذکر ہے: جو شخص شہی پیالے کو ڈھونڈ کر لائے گا اس کو میں ایک ہار شتر دوں گا۔ اس میں جعل کا ثبوت دوں گا۔ جعل کا لغوی معنی ہے کہ کسی کام کی اجرت، مجاہدین کو جو رقم دی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے سلمان جہاد خریدیں، اس کو بھی جعل کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے کسی معین کام پر معین عوض عطا کرنا۔ فقہاء مالک کے

نزدیک اس کا معنی ہے ظنی منفعت کے حصول کے لیے کسی کو اجرت دینا جیسے صحت اور شفا کے حصول کے لیے طبیب کو اجرت دینا یا تعلیم میں مہارت کے حصول کے لیے معلم کو اجرت دینا یا بھاگے ہوئے غلام کو ڈھونڈنے کے لیے کسی کو اجرت دینا۔

عمر بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ جو بھاگا ہوا غلام حرم میں مل جائے اس (کو ڈھونڈنے) کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس درہم کا فیصلہ فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۳۹۰ مطبوعہ بیروت) شرح نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ شرم میں مل جائے تو اس کے لیے دس درہم ہیں اور اگر شرم سے باہر ملے تو اس کے لیے چالیس درہم ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۳۹۰۸ مطبوعہ بیروت)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اونٹ پر لدا ہوا مل مجبول ہے، کیونکہ اونٹ پر لدا ہونے کی اجرت کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی اور اجرت کا مجبول ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ ان کی شریعت میں جائز ہو، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ اجرت تو چور کو دی جائے گی اور وہ جائز نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی شریعت میں جائز ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مجمل ہے اور کسی چیز یا شخص کو ڈھونڈ کر لانے والے کو جو مل دیا جاتا ہے، اس کو جس جس کہتے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا اس آیت میں دو دلیلیں ہیں: ایک دلیل یہ ہے کہ مجمل جائز ہے اور اس کو ضرورت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں جتنی جہالت کو جائز کہا گیا ہے، کسی اور چیز میں نہیں کہا گیا اور مجمل میں ایک طرف معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف ضرورت کی بناء پر مجمل ہوتی ہے اور اجارہ (مزدوری) میں کلام اور اس کی اجرت دونوں کا معلوم اور معین ہونا ضروری ہے، ورنہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

جب کسی شخص نے کہا جو شخص میرے بھاگے ہوئے غلام کو لے آیا تو اس کو ایک دینار ملے گا پس اگر وہ اس غلام کو لے کر آیا تو اس کو ایک دینار دینا ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴، ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) مل اور شخص کی ضمانت کے متعلق احادیث

اس آیت میں کفالت (ضمانت) کا بھی ثبوت ہے کیونکہ منادی نے کہا: جو پیالہ لائے گا اس کو ایک ہار شتر ملے گا اور اس کا میں ضامن ہوں۔ یعنی پیالہ لانے والے کو حکومت سے ملے کروں گا۔ یہ آیت ضامن ہونے کی اصل ہے اور اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی نماز جنازہ خود پڑھ لو، کیونکہ اس پر قرض ہے۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا: وہ قرض مجھ پر ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم وہ قرض ادا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں پورا قرض ادا کروں گا تب آپ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھادی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۹ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۵۸ مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۹۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۰۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۵)

اس حدیث سے تو صرف مل کا ضامن ہونا ثابت ہوتا ہے اور درج ذیل حدیث سے مل اور نفس (شخص) دونوں کا

ضامن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الزعم عارم یعنی کفیل ضامن ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۵۶۵ سنن الترمذی رقم الحديث: ۳۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۴۳۹۸ مسند احمد ج ۵، ص ۲۶۷ سنن کبریٰ للیستی ج ۶، ص ۸۸، شرح السنہ رقم الحديث: ۳۳۱۳)

یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے مال اور نفس دونوں کی ضمانت کے جواز پر دلیل ہے اور بالخصوص نفس کی ضمانت پر یہ احادیث ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تہمت زدہ شخص سے کفیل کو طلب کیا۔ حارث بن مضرب بیان کرتے ہیں کہ ابن النواحد اور اس کے اصحاب نے میلہ کذاب کی رسالت کی شہادت دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابن النواحد کے قتل کا حکم دیا، پھر اس کے اصحاب کے متعلق مسئلوں سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت جریر اور حضرت اشعث نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم ان سے توبہ طلب کریں گے اور ان کے خاندان والوں کو ان کا کفیل (ضامن) بنایا، انہوں نے ان سے توبہ طلب کی، انہوں نے توبہ کر لی، اور ان کے خاندان والوں نے ان کی ضمانت دی۔ امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، ایک شخص نے اس کی بیوی کی باندی کے ساتھ زنا کیا۔ حمزہ نے اس شخص کے کفیل (ضامن) لیے حتیٰ کہ حضرت عمر کے پاس آئے اور حضرت عمر نے اس شخص کو سو کوڑے مارے اور اس کو جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا کیونکہ حد میں کسی کو کفیل نہیں بنایا جاتا۔ حماد نے کہا اگر کوئی آدمی کسی شخص کی ضمانت دے اور وہ مرجائے تو اس پر کوئی تادان نہیں ہے اور حکم نے کہا وہ ضامن ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحديث: ۳۳۹۰)

(سنن کبریٰ للیستی ج ۶، ص ۷۷، مطبوعہ ملتان)

ضمانت کی تعریف اور اس کے شرعی احکام

علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں:

کفالت (ضمانت) کی دو قسمیں ہیں: کسی شخص کا ضامن ہونا اور مال کی ضمانت دینا کسی شخص کا ضامن ہونا جائز ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اس نے ضمانت دی اس کو حاضر کرنا اس پر لازم ہے اور مال کے ضامن ہونے کا یہ معنی ہے کہ ایک شخص قرض خواہ سے کہے اگر اس مقروض نے قرض ادا نہیں کیا تو میں تمہارا قرض ادا کروں گا وہ میرے ذمہ ہے یا میں اس کا ضامن ہوں۔

جب ضامن یہ کہے کہ میں فلاں تاریخ پر اس شخص کو حاضر کروں گا تو اگر اس سے صاحب حق مطالبہ کرے تو اسے اس تاریخ پر اس شخص کو حاضر کرنا ہو گا اگر ضامن اس کو حاضر کر دے تو فیماوردہ حاکم اس کو قید کر دے، کیونکہ وہ اپنے حق کو ادا نہیں کر سکا اگر وہ شخص کہیں غائب ہو جائے تو حاکم ضامن کو آنے جانے اور لانے کی مدت کی صلت دے، اگر مدت گزرنے کے بعد بھی وہ اس شخص کو نہ لائے تو حاکم اس کو قید کرے اور اگر وہ شخص مر گیا تو پھر ضامن بری ہو جائے گا کیونکہ اب وہ اس کو حاضر کرنے سے عاجز ہو چکا ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدر ج ۷، ص ۱۶۱-۱۵۵ ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں قسلا کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔ کارندوں نے کہا: اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے؟ انہوں نے کہا: جس کی بوری سے وہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے، ہم غلاموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ (یوسف: ۷۵-۷۳)۔
حضرت یوسف کے بھائیوں کے چور نہ ہونے پر دلائل

مفسرین نے کہا: انہوں نے دو چیزوں پر قسم کھائی تھی: ایک یہ کہ وہ زمین میں قسلا کرنے کے لیے نہیں آئے، کیونکہ ان کے کردار اور ان کے چال چلن سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ دوبار آئے اور انہوں نے خود کسی کام لکھ لیا نہ لوگوں کی چراگاہوں میں اپنے جانوروں کو چراانے کے لیے چھوڑا، اور وہ مختلف قسم کی عیالوں میں مشغول رہتے تھے اور جن کے یہ طور طریقے ہوں ان کے متعلق زمین میں قسلا پھیلا تصور نہیں ہو سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پر دلیل قائم ہو چکی تھی کہ وہ چور نہیں ہو سکتے، کیونکہ جب ان کی بوریوں میں ان کی رقم کی تھیلی رکھ دی گئی تھی تو انہوں نے اس کو لینا جائز نہیں سمجھا اور اس کو جانوں کی توں واپس لائے اور چور اس طرح نہیں کرتے۔

جب انہوں نے دلائل کے ساتھ چوری سے اپنا بے قصور ہونا واضح کر دیا تو حضرت یوسف کے کارندوں نے پوچھا: اگر تم میں سے کسی کی بوری میں وہ پیالہ نکل آئے تو پھر؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ اس جرم میں اسی کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اس زمانہ میں ہر چور کو اس کی چوری کے جرم میں غلام بنا لیا جاتا تھا، اور ان کی شریعت میں چور کو غلام بنانا اس کے ہاتھ کاٹنے کے قائم مقام تھا۔ (جامع البیان ج ۹، ص ۲۸-۲۷ تفسیر کبیر ج ۶، ص ۷۷-۷۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی، پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا، ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہے، ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر (مقتضی) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے۔ (یوسف: ۷۶)

حضرت یوسف کا بھائیوں کے سلمان کی تلاشی لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ کہہ دیا کہ جس کی بوری سے وہ پیالہ نکل آئے، اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے تو کارندوں نے کہا: اب تمہاری تلاشی لینی ضروری ہو گئی اور تمہارے سلمان کی تلاشی خود بادشاہ لے گا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سلمان کی تلاشی لینی شروع کر دی اور پہلے بن یامین کے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی تاکہ ان پر تہمت نہ لگے۔ قلدہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی کسی بوری کو کھولتے تو استغفار کرتے، حتیٰ کہ جب آخر میں صرف ان کے بھائی کی بوری رہ گئی تو انہوں نے خیال کیا: میرا خیال ہے کہ اس نے کوئی چیز نہیں اٹھائی ہوگی اس کی تلاشی نہ لی جائے، ان کے بھائیوں نے کہا: ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ کھل تلاشی نہ لے لی جائے، پھر جب بن یامین کی بوری کھولی تو اس سے پیالہ نکل آیا، اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو پکڑ کر لے گئے۔

بھائیوں سے چور کی سزا معلوم کرنے کی وجہ

بادشاہ کا قانون یہ تھا کہ چور کو پکڑ کر مارا جائے اور اس سے تلوان وصول کیا جائے۔ اس قانون کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ چور کو

غلام بنا کر رکھ لیا جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تدبیر کی طرف متوجہ کیا کہ وہ بھائیوں سے پوچھیں کہ جس کے سلمان سے وہ پیالہ نکل آئے، اس کی کیا سزا ہوگی اور جب انہوں نے یہ اقرار کر لیا کہ اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے گا تو وہ اپنے اقرار کی بنا پر ماخوذ ہو گئے۔

بھائی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس پر چوری کے الزام کی تحقیق

اس مقام پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عظیم اور جلیل القدر نبی ہیں اور انہوں نے ایک حیلہ کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس حیلہ کے نتیجے میں ان کے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام آیا اور یہ اس کی لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اس پر طعن کا موقع ملا اور انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے، تو ایک نبی کی شان کے یہ کس طرح لائق ہے کہ وہ محض اپنی محبت کی تسکین کی خاطر اپنے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوانے کا سلمان مہیا کریں، جس کے نتیجے میں وہ بھی رسوا ہوا اور اس کے فراق میں اس کا باپ بھی زیادہ غم زدہ ہوا اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع میں تھا اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں جیسا چاہے تصرف کرے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُوَ يُسْئَلُ عَنِ السَّالِئِينَ۔

اللہ جو کام کرتا ہے اس کے حلق اس سے سوال نہیں کیا جا

(الانبیاء: ۲۳) سکا اور ان سب (بندوں) سے سوال کیا جائے گا۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کی حکمتیں ہوتی ہیں، وہ انشاء اللہ غیب واضح ہو جائیں گی۔

(۲) رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل کی تسکین کے لیے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوا دیا اور باپ کو الگ غمزدہ کیا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی یہ خواہش نہیں تھی کہ بن یامین ان کے پاس رہے، بلکہ خود بن یامین حضرت یوسف کے پاس رہنا چاہتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مسلسل منع کرنے کے باوجود نہیں مانے اس کے ثبوت میں یہ روایت ہے:

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

کعب نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف نے بن یامین سے کہا میں تمہارا بھائی ہوں تو بن یامین نے کہا: میں اب آپ سے جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ والد میری وجہ سے پہلے ہی کتنے غمگین ہیں اگر اب تم بھی یہاں رہ گئے تو ان کا غم اور زیادہ ہو گا اور تمہارا یہاں رہنا اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک کہ میں تم کو ایک برے کام سے منسوب نہ کروں، اور تمہاری طرف ایسی چیز منسوب نہ کروں جو لائق شرم ہے۔ بن یامین نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے آپ جو مناسب جائیں وہ کریں، میں آپ سے بالکل جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے کہا: میں اپنا چاہتا ہوں تمہارے سلمان میں چھپا دوں گا پھر میں تمہارے خلاف چوری کا اعلان کروں گا تاکہ تمہاری روانگی کے بعد میرے لیے تم کو واپس لانا ممکن ہو۔ بن یامین نے کہا: آپ جس طرح کرنا چاہتے ہیں کریں۔

(معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۶۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوالحسن الواحدی المتوفی ۳۶۸ھ، علامہ محمود بن عمر الزعتری متوفی ۵۳۸ھ، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ

ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الوسیط ج ۲ ص ۱۶۳، کشف ج ۲ ص ۴۸، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۸۶، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۳۰۰، انوار التنزیل مع غایت القاضی ج ۵ ص ۳۳۵، غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۲ ص ۹۹، روح المعانی ج ۳ ص ۳۳)

(۳) اس میں حکمت یہ تھی کہ یہ بیان کیا جائے کہ جو کام فی نفسہ حرام یا ممنوع نہ ہو، مگر اس کا حصول کسی خفیہ تدبیر موقوف ہو تو اس خفیہ تدبیر سے اس کو حاصل کرنا جائز ہے، جیسے ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے پاس رہنا حرام یا ممنوع نہیں ہے، مگر یہ رہائش اس خفیہ تدبیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کا ارتکاب کیا گیا اس میں دوسری حکمت یہ تھی کہ اس وجہ سے حضرت یعقوب کو دو بیٹوں کی جدائی کا غم اٹھانا پڑا اور اس پر انہوں نے صبر کیا تو وہ زیادہ اجر کے امیدوار ہوئے۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ بعد میں ان کو زیادہ خوشی حاصل ہوئی کیونکہ دو بیٹوں سے بیک وقت ملنا نصیب ہوا، چوتھی حکمت یہ تھی کہ یہ بتایا جائے کہ بعض اوقات انسان کو اپنا مطلوب حاصل کرنے کے لیے کچھ قربانی بھی دینی پڑتی ہے، بن یامین حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ان کو عارضی طور پر اپنی طرف چوری کی نسبت کی بدنامی برداشت کرنا پڑی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بلاشبہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اپنے بھائی کو رکھنے کے سلسلے میں حضرت یوسف نے جو اقدام کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس کی وحی سے کیا تھا اس میں حضرت یوسف کی اپنی رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں تھا اور بعض مفسرین کو اس معاملہ میں شدید لغزش ہوئی ہے۔

بھائی کی طرف چوری کی نسبت کو علامہ بلوردی کا گناہ قرار دینا

علامہ ابوالحسن علی بن محمد البلوردی المتوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ وہ اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ رکھیں، پھر ان کو چور قرار دیں، حالانکہ وہ بے قصور تھے اور یہ گناہ ہے۔ پھر علامہ بلوردی نے اس اعتراض کے چار جواب دیئے ہیں اور چوتھا جواب یہ ہے: حضرت یوسف کا یہ اقدام گناہ تھا اس کی اللہ نے ان کو یہ سزا دی کہ قوم نے یہ کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو کون سی نئی بات ہے، اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے، بھائی سے ان کی مراد حضرت یوسف تھے۔

(الکت والعیون ج ۳ ص ۶۲-۶۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ بلوردی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کے قائل ہیں، ہم اس سے پہلے بھی اسی سورت میں ان کی عبارت ذکر کر کے ان کا رد کر چکے ہیں۔

حیلہ کے جواز کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بہت خوبصورت تدبیر تھی جو اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ تھی، کیونکہ اس میں بہت کھٹیں تھیں اور مطلوبہ مصلحت تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ صحیح اور جائز غرض کو پورا کرنے کے لیے کسی خفیہ تدبیر پر عمل کرنا جائز ہے، جب کہ اس سے کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ یہ وہ حیلہ ہے جو جائز اور مشروع ہے کیونکہ اس پر خیر اور مصلحت مرتب ہوتی ہے اور اس میں کسی فریق کو نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ بن یامین کو اطمینان تھا کہ وہ بے قصور ہیں اور جو کچھ باتیں ہوئی ہیں، وہ عارضی ہیں اور ان کی یہی مرضی تھی۔

حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے علامہ قرطبی کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۵۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں حیلوں کے ساتھ اغراض کو پورا کرنے کی دلیل ہے جب کہ وہ حیلے شریعت کے مخالف نہ ہوں اور نہ کسی شرعی قاعدہ کو منہدم کرتے ہوں، اس میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے، وہ حیلوں کو جائز قرار دیتے ہیں، خواہ حیلے اصول شریعہ کے مخالف ہوں اور حرام کو حلال کرتے ہوں۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے اپنے مال کو فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے، جب کہ اس کی یہ نیت نہ ہو کہ وہ ایسا کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائے گا اور اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ جب سال پورا ہو جائے اور اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل آجائے تو اس کے لیے بقدر نصاب مال میں تصرف کرنا یا کمی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر اس کی ملک میں مثلاً بکریاں جمع ہوں تو ان کو متفرق کر دے (مثلاً اس کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور اس نے ایک بکری زکوٰۃ میں دی ہو تو وہ اپنی بکریوں کو متفرق کر دے اور کہے کہ یہ ہیں بکریاں میری ہیں اور میں بکریاں فلاں کی ہیں اور فلاں کو وہ بکریاں ہبہ کر دے تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائے) اسی طرح متفرق کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (کیونکہ ۳۰ سے ۵۹ تک ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہے اور ۳۰ پر دو بکریاں ہیں، اب فرض کریں کہ دو بھائیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں اور ہر ایک پر ایک ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے اور جب عامل آئے تو ان میں سے کوئی ایک بھائی دوسرے کو اپنی بکریاں ہبہ کر دے اور وہ دوسرا بھائی کہے، یہ میری اسی بکریاں ہیں اس طرح ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی اور ایک بکری بچ جائے گی، اور بعد میں پھر دونوں بھائی حسب سابق مسئلہ کر لیں)

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنے نصاب میں کمی کرے گا تب بھی سال پورا ہونے کے بعد اس کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: زکوٰۃ کے ذرے سے مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اور متفرق کو مجتمع نہ کیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۵) اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے مجتمع کو متفرق کیا ہے یا متفرق کو مجتمع کیا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے بچ جائے تو اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور زکوٰۃ سال پورا ہونے کے بعد لازم ہوتی ہے اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کے ذرے سے ایسا نہ کرے، اس کا مصداق تو وہ شخص اسی صورت میں بنتا ہے۔ (یہ امام ابو حنیفہ پر اعتراض ہے)

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ میں نے ابوبکر محمد بن الولید الطبری وغیرہ سے سنا ہے کہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الدامغانی کے پاس ہزاروں دینار مال تھا جب سال پورا ہونے کو آتا تو وہ اپنے بیٹوں کو بلا کر کہتے، اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے قویٰ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، اور اب مجھے اس مال کی ضرورت نہیں ہے، اب یہ مال تمہارا ہے، پھر وہ اس مال کو گھر سے نکال دیتے اور لوگ اپنے کندھوں پر مال اٹھا کر ان کے بیٹوں کے گھروں میں پہنچا دیتے، پھر جب دو سراسر سال پورا ہونے کو آتا تو وہ بیٹوں کو کسی کام سے بلاتے اور بیٹے ان سے کہتے، اے بھائی! ہمیں ابھی آپ کی زندگی کی بہت توقع ہے اور جب تک آپ زندہ ہیں، ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں ہے، آپ اور آپ کا مال ہمارے ہی لیے تو ہے سو آپ یہ مال لے لیجئے، پھر وہ لوگ سارا مال اپنے کندھوں پر اٹھا کر شیخ کے گھر لوٹا دیتے اور ملک کی تبدیلی سے شیخ یہ ارادہ کرتا تھا کہ اس سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور یہ اقدام امام ابو حنیفہ کی رائے کے موافق ہے کیونکہ متفرق کو مجتمع کرنے اور مجتمع کو متفرق کرنے میں ان کے نزدیک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور یہ بہت عظیم بحث ہے۔ امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں اس پر ایک مبسوط کتاب لکھی

ہے، اس کا نام کتب النحل رکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۰۶-۲۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے امام بخاری کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے بھی امام ابو حنیفہ پر اسی طرح کے اعتراض کیے ہیں، ہم اس کی دو تین مثالیں پیش کر رہے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک منشر ہوں والا اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ نے فرمایا: پانچ نمازیں، ان کے سوا تم جو نفل پڑھو، اس نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ مجھ پر کتنے روزے فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: رمضان کے روزے، ماسوا نفل روزوں کے، اس نے پوچھا یا رسول اللہ! مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسلام کے شرعی احکام بیان فرمائے۔ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مکرم بنایا ہے، مجھ پر اللہ نے جو فرض کیا ہے، میں اس میں کوئی چیز زیادہ کروں گا نہ کم کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہو گیا یا فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہو گیا اور بعض لوگوں (امام بخاری کی مراد ہے امام ابو حنیفہ) نے یہ کہا ہے کہ ایک سو میں اونٹوں کی زکوٰۃ میں دو حقد (تین سال کی دو اونٹیاں) دی جاتی ہیں، اگر اس نے ان اونٹوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا یا کسی کو بیہ کر دیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کا کوئی حیلہ کیا تو اس پر کوئی تہان نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میری ماں نے نذر ملنی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی نذر پوری کر دو اور بعض لوگ (یعنی امام ابو حنیفہ) یہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس بیس اونٹ ہوں تو اس کے اوپر چار بکریاں زکوٰۃ ہے۔ پس اگر وہ سال پورا ہونے سے پہلے کسی کو بکریاں بخش دے یا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان کو فروخت کر دے یا زکوٰۃ سناٹہ کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرے تو اس پر کوئی تہان نہیں ہے، اسی طرح اگر اس نے ان بکریوں کو ضائع کر دیا اور پھر وہ مر گیا تو اس کے مال سے کوئی تہان نہیں لیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا: عبید اللہ کہتے ہیں، میں نے نافع سے پوچھا شغار کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک شخص کسی کی بیٹی سے نکاح کرے اور وہ شخص اس کی بیٹی سے نکاح کرے اور ہر ایک اپنے رشتہ کے عوض دوسرے کو رشتہ دے اور مرنہ رکھیں، اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اگر وہ حیلہ کر کے نکاح شغار کریں تو یہ جائز ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عورتوں سے حدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حضرت علی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ حدہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص حیلہ کر کے حدہ کرے تو وہ نکاح فاسد ہے اور بعض نے کہا نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حیلہ کے جواز پر علامہ قرطبی کے اعتراضات کے جوابات

نقضاء اختلاف کے نزدیک حیلہ کی کیا تعریف ہے اور قرآن اور سنت سے اس پر کیا دلائل ہیں اس پر ہم بعد میں گفتگو

کریں گے، پہلے ہم علامہ قرطبی اور امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہے اور سال پورا ہونے سے ایک ماہ پہلے اس نے اپنا مال کسی کو فروخت کر دیا یا کسی کو بیہ کر دیا اور یہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کیا تو اس پر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اگر واقعی اس نے یہ عمل زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کیا تو وہ یقیناً سخت گناہ گار ہو گا لیکن اگر اس نے کسی صحیح نیت سے کسی جائز ضرورت کی بنا پر مال فروخت کیا یا بیہ کیا تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا تاہم شرعی احکام کا غلط تو ظاہر ہوتا ہے اور جب اس کے پاس بقدر نصاب مال ایک سال تک نہیں رہا بلکہ گیارہ مہینے رہا ہے تو اس کے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور امام مالک اور دوسرے جن ائمہ نے گیارہ ماہ گزرنے کے بعد اس کے مال پر زکوٰۃ واجب کر دی ہے، انہوں نے احکام شریعہ میں ترمیم کی ہے اور یہ فرض کر کے کہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس کی نیت پر اور غیب پر حکم لگایا ہے اور مسلمان کے متعلق بدگمانی کی ہے اور ہم ان تمام امور سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

حیلہ کے جواز پر امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات

اسی طرح امام بخاری نے کہا ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں پر زکوٰۃ میں دو حصہ ہیں یا بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہیں۔ جس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان میں سال پورا ہونے سے پہلے کسی کردی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اس کی نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر اس نے واقعی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، تو وہ سخت گناہ گار ہو گا لیکن شرعی احکام تو ظاہر حال کے اعتبار سے ملتزم ہوتے ہیں، اور اگر سال پورا ہونے سے ایک ماہ پندرہ دن پہلے اس کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر امام مالک کی طرح امام بخاری بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس گیارہ ماہ بھی بقدر نصاب مال رہا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی تو اس کا مطلب ہو گا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی مدت میں ترمیم کر دی اور دوسری بھی وہ تمام غرایب لازم آئیں گی جن کو ہم نے امام مالک کے قول پر لازم کیا ہے۔

امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر حیلہ سے نکاح شغار کیا جائے تو نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے، یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا۔ امام ابو حنیفہ یا کسی بھی حنفی فقہ نے یہ نہیں کہا کہ حیلہ کے ساتھ نکاح شغار کیا جائے، اگر لوگ آپس میں مقرر کیے بغیر نکاح کریں گے اور اس رشتہ کے بدلہ کو مقرر دیں گے تو ان کا اس رشتہ کے بدلہ کو مقرر دینا باطل ہے، ان کا نکاح ہو جائے گا اور فریقین کو مرضی ادا کرنا لازم ہو گا بہر حال نکاح شغار میں حیلہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جس نے حیلہ سے نکاح کیا تو وہ نکاح فاسد ہے اور بعض نے کہا نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اس کا بھی حیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک حیلہ باطل ہے یعنی جو نکاح مدت معینہ کے لیے کیا جائے، نیز حیلہ کا بھی حیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۷۳-۷۴)

ہم نے امام بخاری، امام مالک اور علامہ قرطبی کی زکوٰۃ سے متعلق عبارات پر جو کلام کیا ہے کہ جس شخص کے پاس بظاہر سال پورا ہونے کے بعد بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے اس پر ظاہر حال کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ہم صرف ظاہر کے مکلف ہیں اور اس کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، ہم اس پر التوبہ: ۷۳ میں دلائل ذکر کر چکے ہیں اور اختصار ایساں

بھی دلائل پیش کر رہے ہیں:

دنیاوی احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں

علامہ محمد بن طولون الصالحی المتوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: مجھے ظاہر کے مطابق حکم دینے کا امر کیا گیا ہے اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں۔ صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی تفتیش کروں اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے پیٹ چاک کروں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۱)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے ظاہر کے مطابق حکم دینے کا امر کیا گیا ہے اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے لیکن اس کے معنی کی تائید میں احادیث ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازے پر کچھ لوگوں کے جھگڑے کی آواز سنی، آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں محض ایک بشر ہوں، اور میرے پاس جھگڑے والے آتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض دوسروں سے زیادہ چرب زبان ہوں اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس (بالفرض) میں اگر کسی کو دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ وہ اس کو لے یا اس کو ترک کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارا مواخذہ ان اعمل پر کریں گے جو ہم پر ظاہر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

امام نسائی نے اپنی سنن میں یہ بابت قائم کیا ہے حکم میں ظاہر کا اعتبار ہے، اور امام شافعی نے کتاب الام میں یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ظاہر کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں اور اس کے بعد امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باطنی معاملات کا اللہ والی ہے اور اس نے شہادت کی بنا پر تم سے سزا کو ساقط کر دیا۔

امام عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ (الذکر فی الاحادیث المشتہ ج ۹ ص ۳۳-۳۴ رقم: ۶۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ اور علامہ اسماعیل بن محمد الجبلونی المتوفی ۱۱۲۳ھ نے بھی اس حدیث کی اسی طرح تحقیق کی ہے۔ (القاصد المختص ص ۳۰-۳۱ رقم: ۶۷۸ کشف القناع ومزيل اللبس ج ۱ ص ۱۲۳-۱۲۴ رقم: ۵۸۵)

اب ہم حیلہ کے جواز پر فقہاء احناف کے دلائل پیش کر رہے ہیں۔

حیلہ کے جواز پر قرآن اور سنت سے دلائل

قَسَدًا رِبَاؤَعِيَّةً قَبْلَ رِجَالٍ آخِيَةٍ نُمَّ

تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی

اَسْتَحَرَّحَهَا مِنْ وَعَدَاءِ اٰجِبُوْكَ كَذٰلِكَ يَكْتُمُ
لِيُؤْتِيَنَّكَ مَا تَكُنَّ رَاجِيًا لِّاَنْتَ اَعْمٰهُ فِىْ رِجْسٍ
الْمَلِكِ-الابہ- (یوسف: ۷۶)

اس کی مکمل تفسیر سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔
وَعَدَّ يَدَيْكَ كَفَضًا فَاضْرِبْ يَدَيْكَ لَتَحْنَتَ-

(ص: ۳۳)

تلاشی لینی شروع کر دی، پھر اس پالے کو اپنے بھائی کی بوری
سے برآمد کر لیا، ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ
بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔

اور (اے ایوب!) آپ اپنے ہاتھ میں ٹکوں کی ایک جھاڑو
لے کر اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو اپنی قسم سے نکلنے کا حیلہ تعلیم فرمایا ہے، کیونکہ جب شیطان نے ان کی بیوی
سے کہا کہ وہ شیطان کے نام پر ایک کلمی کا بچہ ذبح کر دیں تو حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو
کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قسم سے نکلنے کا یہ حیلہ تعلیم فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو سو ٹکوں کی ایک جھاڑو ماریں۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى السَّحَابِ ۝ فَقَالَ اِنِّى
سَفِيْهُمُ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُنْجِبِيْنَ ۝
پھر ابراہیم نے ایک نظر ستاروں کو دیکھا ۝ تو کہا میں بے شک
بیمار ہوں ۝ تو وہ ان سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔

(القصص: ۷۰-۸۸)

حضرت ابراہیم کے پاس بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے، آپ اس موقع پر حاضر ہوں۔ آپ ان کے پاس نہیں
جانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے حیلہ کیا اور فرمایا: میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہ تھے، آپ کا یہ کلام بطور تور یہ تھا، آپ کی
مراد یہ تھی کہ تمہاری بت پرستی کی وجہ سے میری روح بیمار ہے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ کا جسم بیمار ہے۔

قَالُوْا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰتِيْنَا
يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا
فَسُئِلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يٰسْطَفُوْنَ- (الانبياء: ۷۳-۷۴)
انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا آپ نے ہمارے جوں کے
ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ ابراہیم نے کہا: بلکہ اسی نے کیا ہے،
ان کا بڑا یہ ہے، سو ان سے پوچھ لو! اگر یہ بولتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے یہاں بھی حیلہ اور تور یہ کیا ہے۔ جوں کو حقیقتاً آپ نے توڑا تھا لیکن آپ نے بظاہر اس کی نسبت اس
بڑے بت کی طرف کر دی، کیونکہ ان جوں کو توڑنے کا سبب یہی بڑا بت تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کو لے کر اردن کے علاقہ میں گئے، وہاں صادق یا ضحاک نام کا ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا
اس کا یہ معمول تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو لے کر اس کے علاقہ میں حاضر ہو تا وہ شوہر کو قتل کر دیتا اور اس کی بیوی کو چھین لیتا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے جان بچانے کا یہ حیلہ کیا کہ حضرت سارہ سے کہا کہ تم کہنا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم
میری اہلیانی بہن ہو۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۳ طبع ناہور، عمدة القاری ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ مصر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ
کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے ساتھ ایک شہر میں داخل ہوئے، جس میں ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا اس کو بتایا گیا کہ (حضرت)
ابراہیم ایک عورت کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور وہ عورت دنیا کی سب سے حسین عورت ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام سے معلوم کرایا کہ اے ابراہیم! تمہارے ساتھ جو عورت ہے وہ تمہاری کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: وہ میری
بہن ہے، پھر سارہ سے کہا: میری بات کو جھٹلاتا مت، میں نے ان کو یہ بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو اور اللہ کی قسم! اس وقت
روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ (یعنی تم میری اہلیانی بہن ہو) قرآن مجید میں ہے:

رَأْسًا لِّلْمُؤْمِنِينَ حَتَّىٰ تَبْلُغُوا (الجمرات: ۳۰)

تمام مومن پہنچائی ہیں۔

صحیح البخاری رقم الحديث: ۹۲۷۷ صحیح مسلم رقم الحديث: ۹۳ سنن النسائی رقم الحديث: ۹۳۱۶ مسند احمد رقم الحديث: ۹۲۳۰

عالم الکتاب

حیلہ کی تعریف اور اس کے جواز پر علامہ سرخی کے دلائل

شمس الائمہ سرخی متوفی ۸۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں اپنے بھائی سے بات نہیں کروں گا، اگر میں نے اس سے بات کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دو، اور جب اس کی عدت گزر جائے تو اپنے بھائی سے بات کر لو، پھر اس عورت سے نکاح کر لو، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیلہ کی تعلیم دی ہے، اور حیلہ کے جواز میں بکثرت احادیث اور آثار ہیں، اور جو آدمی احکام شرع میں غور کرے گا تو وہ بہت محاطات کو اس طرح پائے گا۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے محبت کرتا ہو اور وہ پوچھے کہ اس سے وصل کا کیا حیلہ ہے؟ تو کہا جائے گا تم اس سے نکاح کر لو، اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے تنگ ہو اور وہ یہ سوال کرے کہ اس سے چھٹکارے کی کیا صورت ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اس کو طلاق دے دو، اور اگر طلاق دینے کے بعد وہ تلام ہو اور سوال کرے کہ اب دوبارہ اس سے وصل کا کیا حیلہ ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اس سے رجوع کر لو، اور اگر وہ تین طلاقیں دے چکا ہو اور پھر اس سے وصل چاہتا ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ مباشرت کے بعد اس کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت گزرنے کے بعد وہ اس سے دوبارہ نکاح کر لے، سو جو شخص احکام شریعہ میں حیلہ کو مکروہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت احکام شریعہ کو ہی مکروہ سمجھتا ہے اور حیلہ کو مکروہ سمجھنے کی وجہ صرف غور و فکر کی کمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حرام کام سے بچ جائے یا جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حلال چیز کو حاصل کر لے وہ حیلہ مستحسن ہے، اور مکروہ تحریمی حیلہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حق کو باطل کرے، یا کسی باطل چیز کو حیلہ سے طبع کر کے اس کو حق ظاہر کرے، سو جو حیلہ اس طرح کا ہو، وہ مکروہ (تحریمی) ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲)

اور تم نیک اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

پس ہم نے حیلہ کی جو پہلی قسم بیان کی ہے، اس میں نیکی اور تقویٰ پر معاونت ہے اور جو دوسری قسم بیان کی ہے، اس میں گناہ اور ظلم پر معاونت ہے۔ (المبسوط ج ۳ ص ۳۰۰-۳۰۱ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حیلہ کے جواز میں معتزمین کے منشاء غلطی کا ازالہ

شمس الائمہ سرخی کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کے نزدیک وہ حیلہ مستحسن ہے جو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں کے حصول کے لیے ہو جس میں کسی حرام کام سے بچنا اور کسی حلال چیز کو حاصل کرنا مقصود ہو اور جس حیلہ سے کسی حق کو باطل کیا جائے یا کسی حرام چیز کو حاصل کیا جائے، جس میں ظلم اور گناہ پر معاونت ہو وہ حیلہ ناجائز اور حرام ہے، لہذا اگر کوئی شخص زکوٰۃ یا کسی اور فرض یا اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں کسی حق کو ساقط کرنے کا حیلہ کرتا ہے تو وہ ناجائز اور حرام ہے، لہذا ایسی مثالوں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر طعن کرنا ظلم اور دیانت سے بہت دور کی بات ہے۔ اگر کوئی

مخص سال پورا ہونے سے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنا بقدر نصاب مال زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی کو بیہ کرتا ہے، تو سال کے بعد بقدر نصاب مال نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، لیکن اللہ کے فرض کو ساتھ کرنے کے لیے جو اس نے حیلہ کیا ہے، اس کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہو گا اور دنیا میں بھی اللہ کا حق کھا کر وہ فیض یاب نہیں ہو گا اور جلد یا بدیر اسے کسی بھاری مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مکافات عمل ہے اور اس سے بہت کم کوئی بچ سکا ہے۔ جن حضرات نے امام ابو حنیفہ پر متعصبانہ اعتراضات کیے ہیں، کاش وہ جلد بازی نہ کرتے اور ان تمام امور پر غور کر لیتے۔

وفوق کل ذی علم علیم کے ترجمہ میں مصنف کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وفوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف: ۷۶) ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ”اور ہر (متلی) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے۔“ اور متلی کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اگر ہر علم والے سے بڑھ کر کوئی علم والا ہے تو پھر اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی علم والا ہونا چاہیے!

تحقیق مقام کے لیے ہم اس آیت کے چند مزید تراجم پیش کر رہے ہیں:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا۔

شیخ امین احسن اصلاحی اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔ (تذکر قرآن ج ۳ ص ۲۳۲)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۴۰۰)

شیخ تھانوی نے لفظ کل کو کل مجموعی پر محمول کیا ہے اور اس پر بھی یہ اعتراض ہو گا کہ تمام علم والوں میں اللہ تعالیٰ بھی شامل ہے سو اس ترجمہ کے لحاظ سے اس سے بھی بڑا کوئی علم والا ہونا چاہیے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

اس پر بھی یہ اعتراض ہو گا کہ ہر صاحب علم میں اللہ تعالیٰ بھی داخل ہے اور مودودی صاحب نے ایسی کوئی قید نہیں لگائی جس سے اللہ تعالیٰ ہر صاحب علم کے عموم سے خارج ہو سکے اور اس بنا پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل سے بھی کوئی بالاتر علم والا ہو۔ (العباد باللہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (کنز الایمان ص ۱۳۹)

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۳۰۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے اوپر (ایک) سب سے زیادہ علم والا ہے۔ (الایمان ص ۳۶)

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۳۱۸ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر صاحب علم سے برتر و سر صاحب علم ہوتا ہے۔ (جمل القرآن ص ۱۳۹)

یہ اس دور کے مشہور تراجم ہیں لیکن تمام تراجم میں ذی علم کو مطلق رکھا ہے اور ایسی کوئی قید نہیں لگائی جس سے کسی

دی عظیم کے عموم سے اللہ تعالیٰ خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے، اگر یوں ترجمہ کیا جاتا کہ ہر (مخلوق) علم والے کے اور ایک عظیم علم والا ہے، یا ہر (خلوق) علم والے کے اور یا ہر (مخلوق) علم والے کے اور ایک عظیم علم والا ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا یہ تمام حرمین الہی علم تھے لیکن اس اعتراض کو دور کرنے کی طرف ان کی توجہ منعطف نہیں ہوئی۔

مفسرین نے اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ حسن بن محمود نیشاپوری متوفی ۷۳۸ھ نے لکھا ہے: ہر ذی علم کے اور ایک عالم ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے، پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی ایک عالم ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدہ کے عموم سے اللہ تعالیٰ خارج ہے اور یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۸۹ قراب القرآن و درغائب القرآن ج ۳ ص ۱۸۱

قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے اس جواب کے علاوہ دو سرا جواب یہ دیا ہے کہ ذی علم سے مراد مخلوق ہے۔ یعنی مخلوق میں ہر ذی علم کے اور ایک عالم ہے، اور اب ہر ذی علم کے عموم میں اللہ تعالیٰ داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے، مخلوق نہیں ہے۔ علامہ کازرونی متوفی ۸۶۰ھ، علامہ محمد بن مصلح الدین القوی المتوفی ۹۵۵ھ، علامہ شہاب الدین خفای متوفی ۷۹۹ھ نے ان دونوں جوابوں کو برقرار رکھا ہے اور ان کی مزید وضاحت کی ہے۔

(انوار التنزیل مع انکار رونی ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۱ حاشیہ انکار رونی ج ۳ ص ۳۰۲ حاشیہ الخفای ج ۵ ص ۳۳۱ حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۵ ص ۳)

علامہ سید محمود آکوی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہر ذی علم کے اور ایک عالم ہے۔ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کے اور بھی ایک عالم ہو، اور یہ ظاہر البطلان ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقات میں سے ہر ذی علم کے اور ایک عالم ہے، کیونکہ یہاں گفتگو مخلوق میں ہو رہی ہے، اور دو سرا قرینہ یہ ہے کہ عظیم مقابلہ کا صیغہ ہے اور اس کا سنی ہے جو ہر ذی علم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ عظیم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے تو اب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جو ذی علم ذکر کیا گیا ہے وہ ذی علم لانا مخلوقات میں سے ہوگا اور دو سرا جواب یہ ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو (کوئی نئی بات نہیں) اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ سو یوسف نے اس بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔ اس نے (دل میں) کہا تم خود بدتر خلعت کے ہو، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو، اسے اللہ خوب جانتا ہے (یوسف: ۷۷)

حضرت یوسف کی طرف منسوب کی گئی چوری کے متعلق روایات

جب ملاشی کے بعد شعی پالہ بن یامین کی بوری سے نکل آیا تو حضرت یوسف کے تمام بھائیوں کے سر جھک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا یہ عجیب بات ہے کہ راحیل نے دو بیٹوں کو جنم دیا اور دونوں چور نکلے، پھر انہوں نے بن یامین سے کہا اے راحیل کے بیٹے! تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب ٹوٹ پڑے ہیں، بن یامین نے کہا تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب آ چکے ہیں! تم میرے بھائی کو لے گئے اور تم نے اس کو جنگل میں ضائع کر دیا، اس کے باوجود تم مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہو، انہوں نے کہا شعی پالہ تمہاری بوری سے کیسے نکل آیا؟ بن یامین نے کہا: جس نے تمہاری رقم کی قبلی تمہاری بوریوں میں رکھی تھی، اسی نے میری بوری میں شعی پالہ کو رکھا ہے۔

بظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے ہارشلو سے کہا میں یا میں کا چوری کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس کا بھائی جو ہلاک ہو چکا ہے وہ بھی پہلے چوری کر چکا ہے، اور اس کلام سے ان کی فرض یہ تھی کہ چوری کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے، یہ اور اس کا بھائی ہی اس برائی میں ملوث تھے۔

بھائیوں نے حضرت یوسف کی طرف جو چوری منسوب کی تھی اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت یوسف کا بیٹا کافر تھا اور وہ بتوں کی عبادت کرتا تھا۔ بچپن میں حضرت یوسف سے ان کی ماں نے کہا کہ وہ ان بتوں کو چرا کر توڑ دیں، اسی چوری کی طرف ان کے بھائیوں نے نسبت کی تھی۔ وہ ببن متبہ اور قلدہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

(۲) بچپن میں ان کے گھر کوئی ساکل آیا تو حضرت یوسف نے گھر سے کوئی چیز اٹھا کر ساکل کو دی تھی، بجلد نے کہا وہ اندا تھا۔ کعب نے کہا وہ بکری تھی، سفیان بن عیینہ نے کہا وہ مرغی تھی۔

(۳) عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ بھوک کے ایام میں حضرت یوسف اپنے بچپن میں باپ کے دسترخوان سے کچھ چیزیں اٹھا کر گتے والوں کو دے دیتے تھے۔

(۴) ابن ابی نجیح نے بجلد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی حضرت اسحاق کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں۔ حضرت یوسف نے ان کی گود میں پرورش پائی اور وہ آپ سے محبت کرتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب نے ان کو اپنی بہن سے طلب کیا انہوں نے کہا میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرت یعقوب نے کہا: بخدا میں اس کو اب نہیں چھوڑ سکتا، پھر ان کی پھوپھی نے حضرت اسحاق کا جبرک پٹکا (کمر باندھنے کی پٹی) حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، پھر کہا حضرت اسحاق کا سلفہ گم ہو گیا تلاش کرو اس کو کس نے لیا ہے، پھر وہ پٹکا حضرت یوسف کے پاس سے برآمد ہوا، پھر انہوں نے حضرت یعقوب کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا اللہ کی قسم! اب یوسف میری ملکیت ہے، اب میں جو چاہوں اس کے ساتھ کروں! حضرت یعقوب نے کہا ٹھیک ہے، پھر جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی زندہ رہیں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سو یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی طرف چوری کی نسبت کرتے تھے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۸-۳۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۷۸-۲۷۹ مسلم الشریعہ ج ۲ ص ۳۷۰ زاد المسیر ج ۴ ص ۳۳۳ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۰ الجامع مادکام القرآن ج ۹ ص ۲۰۸)

واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ان کے بھائیوں نے چوری کی جو نسبت کی تھی، اس کے متعلق جتنی بھی روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کسی پر بھی چوری کی تعریف صلوٰۃ نہیں آتی، یہ سب ان کے بھائیوں کا ان کی طرف کذب اور بہتان تھا ان کے ذہن میں حضرت یوسف وقت پانچکے تھے اور وہ فوت شدہ شخص کا بھی برائی کے ساتھ ذکر کرنے سے باز نہیں آئے اور یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی نہیں تھے، کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور بعد صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں، ہماری رائے میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! ہم نے جس کی بوری میں اپنا سامان پایا ہے، اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ لیں، پھر تو ہم ظالم قرار پائیں گے (یوسف: ۷۹-۷۸)

بھائیوں کا حضرت یوسف سے فدیہ لینے کی درخواست کرنا

پہلے تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کی نسبت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی، پھر اس کے بعد نرمی اور عاجزی کا طریقہ اختیار کیا وہ یہ اعتراف کر چکے تھے کہ جس شخص کے پاس چوری کا مل برآمد ہو اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جاتا ہے۔ اب انہوں نے یہ کہا کہ ہر چند کہ چوری کی سزا یہی ہے لیکن اس کو معاف کرنا بھی جائز ہے یا پھر فدیہ دے کر اس کو چھڑا لینا بھی جائز ہے۔ آپ اس کے بدلہ میں ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ انہوں نے کہا: ہمارا باپ شیخ کبیر ہے، شیخ کبیر کا معنی یا تو بہت بوڑھا ہے یا اس کا معنی ہے وہ بہت قدردانِ حرمت والا اور بہت دین دار ہے۔

انہوں نے کہا: ہماری رائے میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں، انہوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں:

(۱) اگر آپ نے ہماری درخواست منظور کر لی تو پھر آپ بہت نیک کائنات میں گئے۔

(۲) آپ نے چونکہ ہمارا بہت اعزاز و اکرام کیا ہے اور ہمارے لیے بہت مال خرچ کیا ہے، ہمیں بہت دافر مقدار میں گندم دیا ہے اور ہماری دی ہوئی قیمت بھی ہمیں واپس کر دی، یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔

(۳) مقول ہے کہ جب مصر اور اس کے مضافات میں بہت بڑا قحط پڑا اور لوگوں نے غلہ خریدنے کے لیے آخر کار اپنے آپ کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو آزاد کر دیا اور ان کی املاک بھی ان کو لوٹا دیں، یہ واقعہ بہت مشہور ہو چکا تھا اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کی ہے تو ہم پر بھی احسان فرمائیں اور بن یامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: سلا اللہ! اگر ہم نے کسی شخص کو بغیر جرم کے اپنے پاس رکھ لیا تو ہم ظالم قرار پائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ پورا واقعہ خلاف واقع امور پر مبنی ہے، بن یامین پر چوری کا الزام لگتا ہے اور اس کے فراق کی وجہ سے حضرت یعقوب کو مزید رنج اور غم میں مبتلا کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کے منصب نبوت کے کیسے لائق ہے تو اس کا جواب ہم تفصیل سے یوسف: ۷۷ کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا بِحَيَاتٍ قَالَ كَبِيرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا

جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگرمی کی ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم کو علم نہیں ہے

اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنْ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

کہ تمہارے باپ نے اللہ کی قسم لے کر تم سے پکا عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ

مَا قَرَّطُمْ فِیْ یُوْسُفَ فَلَئِنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ

میں تقصیر کر چکے ہو، میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت

لِيْ اِنِّيْ اَوْيَحُكُمْ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۱ اَرْجِعُوْا اِلَيَّ

دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اللہ وہ سب سے بہتر فیصلہ فرماتے والا ہے ۝ اپنے باپ کا طرف داری

اَبِيْكُمْ فَقُولُوْا يَا اَبَانَا اِنَّ اِبْنَكَ سَرَقٌ وَمَّا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا

جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چھپ کر اس بات کا گواہی دے سکتے ہیں جو ہم نے

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۲ وَسَّالِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ

علم میں اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے ۝ اور آپ اس بستی (دولہ) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلے

الَّتِيْ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۳ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم گئے ہیں اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں ۝ یعقوب نے کہا بھرتھارے دلوں نے ایک بات

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبِّرْ حَتّٰى عَسٰى اللّٰهُ اَنْ يَّكْرِتِيْنَ بِهُمْ

کڑی ہے تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے، فقیر اللہ ان سب کو میرے پاس سے

جَمِيْعًا ۝۸۴ اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۵ وَتَوَلٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

آگے گا، بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ۝ اور ان سے پشت پھیر لی اور کہا

يٰٓاَسْفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَاَبْيَضَّتْ عَيْنُهٗ مِنَ الْحُزَنِ فَهُوَ

ہم نے افسوس پرست رکھا (جدا) پر، اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم

كٰظِمٌ ۝۸۶ قَالُوْا تَاَنَّىٰ اللّٰهُ تَهْتَرُ اَتَدْكُرْ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرْمًا

پر داشت کرنے والے تھے ۝ بیٹوں نے کہا آپ پرست کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے

اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝۸۷ قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَيْنِيْ وَحَزَنِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاعْلَمُ

یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور مجھے

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۸ يٰٓبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ

اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے ۝ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس سے بھائی

يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْسُ

کو تائیس کرو، اور اللہ کی رحمت سے یوسف و ہر بے شک اللہ کی

مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ ﴿٨٤﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ

رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں ○ سو جب وہ یوسف کے پاس پہنچے

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

تو انہوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم آپ کے پاس خیر

مُزْجِجَةٍ فَادْفِنِنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

پونجی سے کرکٹے ہیں، آپ ہمیں پورا غلہ آپ کر دے دیں۔ اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ امداد کرنے والوں کو

الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ

جنا دیتا ہے ○ یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا

إِذَا أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٦﴾ قَالُوا عَرَانِكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا

جب تم جہالت میں تھے ○ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں ہی

يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ فَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَشَقِّ وَ

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور

يَصْدِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٧﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ

صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○ انہوں نے کہا بے شک اللہ نے آپ کو

أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخُطِئِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ لَا تَثْرِبِ

ہم پر غصہ دی اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے ○ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر

عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٨٩﴾ اذْهَبُوا

کوئی عداوت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اللہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ میری

يَقْبِضِيْ هٰذَا فَالْقُوْةُ عَلٰی وَّجْهِ اَبِيْ يٰٓاَتِ بِصِيْرًا

اس قبضے کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی

وَاَتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ

اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف کے بھائی اس سے بائیس ہو گئے تو انہوں نے تھلی میں سرگوشی کی، ان کے بڑے بھائی نے کہا: کیا تم کو علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ نے اللہ کی قسم لے کر تم سے پکا وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ میں تقصیر کر چکے ہو، میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے، یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمائے والا ہے (یوسف: ۸۰)

بڑے بھائی کا واپس جانے سے انکار کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی منت ساجست کی کہ وہ بن یامین کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ ان میں سے کسی کو رکھ لیں، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے منظور نہیں کیا کہ جب وہ ناامید ہو گئے تو آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، کہ اب اس مشکل صورت حل کا کس طرح سامنا کیا جائے اور اس وحیدہ الجھن کا کیا حل تلاش کیا جائے، کیونکہ ان کے باپ نے بن یامین کو ان کے حوالے کرنے سے پہلے ان سے یہی قسمیں لی تھیں کہ وہ بن یامین کی حفاظت کریں گے، سو اس کے کہ وہ سب کسی مصیبت میں گھر جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے بڑے نے کہا اس میں اختلاف ہے کہ بڑے سے مراد عقل اور دانش مندی میں بڑا مراد ہے یا عمر میں بڑا مراد ہے۔ متحدہ اساتید کے ساتھ مجاہد سے مروی ہے کہ زیادہ عقل مند شخصوں تھا اور عمر میں بڑا روئیل تھا، قلوبہ نے کہا یہاں روئیل ہی مراد ہے جو عمر میں بڑا تھا اور جب بھائی حضرت یوسف کو قتل کرنے لگے تھے تو اسی نے ان کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۶-۳۵، تفسیر عام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۳۸۸، زاد المسیر ج ۲ ص ۳۶)

روئیل نے کہا اگر ہم بن یامین کے بغیر اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو یہ بڑے شرم کی بات ہے، ہم لوگ پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں خیانت کر چکے ہیں اور ہمارے اس اقدام سے ہمارا باپ بہت رنج اور غم میں مبتلا ہو گا اور جب ہم بن یامین کے بغیر باپ کے پاس جائیں گے تو وہ یہی کہے گا کہ جس طرح ہم نے پہلے یوسف کے معاملہ میں خیانت کی تھی اسی طرح اب بنیامین کے معاملہ میں بھی خیانت کی ہے، نیز وہ یہ بھی کہے گا کہ ہم نے جو یہی قسمیں کھا کر باپ سے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا ہم نے ان قسموں اور ان وعدوں کو پورا نہیں کیا، اندریں حالات میں اس وقت تک اس ملک سے نہیں جاؤں گا جب تک میرا باپ مجھے واپس نہ بلائے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی ایسا سبب بن جائے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس بل جائے اور میں اس کو لے کر باپ کے پاس جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے کہا) اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے (یوسف: ۸۱) اور آپ اس بستی (دالوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم

ضرور ہے ہیں ○ (یوسف: ۸۲-۸۱)

بھائیوں کا حضرت یعقوب کے پاس واپس جانے کا فیصلہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس معاملہ میں غور و فکر کیا تو انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ واپس جائیں اور جس طرح واقعہ پیش آیا ہے بلا کم و کاست اسی طرح اپنے باپ کے سامنے بیان کر دیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے بغیر خود دیکھے یا بغیر کسی گواہی کے کیسے یہ شہادت دی کہ بن یامین نے چوری کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ پیالہ اسی جگہ بوری میں رکھا تھا جس جگہ ان کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا، ہر چند کہ یہ یعنی شہادت تو نہیں تھی لیکن یہ واقعاتی شہادت ہے اور واقعاتی شہادت پر حسب ذیل دلائل ہیں:

واقعاتی شہادت کے حجت ہونے پر قرآن و سنت اور عقل صریح سے دلائل

وَشَهِدَ شَاوِلٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنَّ كَانَ قَيْصُصُ
فُلْدَمِثٌ قُبُلٌ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَافِرِينَ ○
وَلَمَّا كَانَ قَيْصُصُ فُلْدَمِثٌ دُبُرَ فُلْدَمِثٍ وَهُوَ مِنَ
الصَّادِقِينَ ○ فَلَمَّا رَأَى قَيْصُصُ فُلْدَمِثٌ دُبُرَ قَالِ
رَأَيْتُمْ مِّنْ كَبِدٍ كَبِدٌ كَبِدٌ كَبِدٌ عَطِيطٌ ○

(یوسف: ۲۸-۳۱)

اور اس عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے گواہی دی، اگر اس کی قیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جی ہے اور وہ جموں میں سے ہے ○ اور اگر اس کی قیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جموں میں سے ہے ○ پھر جب اس نے اس کی قیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کی سازش ہے اور بے شک تمہاری سازش بہت سنگین ہوئی ہے۔

اس واقعہ میں جس شہادت کا ذکر ہے، یہ بھی یعنی شہادت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شہادت کا انکار نہیں کیا اور نہ اس شہادت کی مذمت کی بلکہ اس شہادت کی حکایت کر کے اس کو مقرر اور ثابت رکھا اس سے معلوم ہوا کہ واقعاتی شہادت بھی حجت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے تھے، اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بیٹے کو کھا گیا ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا کہ تیرے بیٹے کو بھیڑیے نے کھلیا ہے اور دوسری نے کہا تیرے بیٹے کو کھلیا ہے۔ ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو واقعہ سنایا، انہوں نے کہا چھری لاؤ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دیتا ہوں، تو چھوٹی عورت کہنے لگی نہ نہ اللہ آپ پر رحم کرے، یہ اسی کا بیٹا ہے، تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الاقبتہ رقم الحدیث: ۲۰، رقم بلا تکرار: ۱۱۷۲۰، رقم السلسلہ: ۴۳۱۵)

بڑی عورت نے حضرت سلیمان سے کہہ دیا تھک ہے آپ اس کے دو ٹکڑے کر دیں، لیکن چھوٹی نے فوراً کہنا نہ نہ آپ اسی کو دے دیں۔ اس واقعاتی شہادت سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ بچہ اسی کا ہے۔ تب ہی یہ اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی نہیں ہوئی اور بڑی کا بچہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی تھی، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ واقعاتی شہادت حجت ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر سے ایک انصاری نے جھگڑا کیا پھر ملی زمین سے

پانی کی تلی حضرت زبیر کے ہاتھوں میں آ رہی تھی۔ انصاری نے کہا: اس پانی کو میرے لیے چھوڑ دو، حضرت زبیر نے انکار کیا، پھر وہ دونوں یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زبیر پہلے تم پانی سے اپنے بلغ کو سیراب کر، پھر یہ پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔ انصاری اس فیصلہ سے غضب ناک ہوا اور اس نے کہا: آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ کا پھوپھی زاد ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خفیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی دینے کے بعد پانی روک لو، حتیٰ کہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے۔ حضرت زبیر نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی ہے:

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
وَيَمَاسِحَ رِبَّتَهُمْ (انصاء: ۶۵)
آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں
ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم
تسلیم نہ کر لیں۔

(الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۹۸، المستدرک ج ۲، ص ۳۰۷)
چونکہ اس پھر تلی زمین میں پانی کی تلی سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بلغ میں پانی آتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس بلغ کو حضرت زبیر پانی دیں گے اور پھر وہ انصاری پانی دے گا اور یہ واقعی شہادت کی بناء پر فیصلہ ہے۔

اسی طرح قسامت کا فیصلہ بھی واقعی شہادت پر مبنی ہے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قسامت کا رواج تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو برقرار رکھا۔ انصار کا ایک شخص یسود کے قلعہ میں مقول پایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسود سے ابتدا کی اور ان پر پچاس قسمیں لازم کیں، یسود نے کہا ہم ہرگز قسم نہیں کھائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: کیا تم قسم کھاؤ گے، انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسود پر دس لازم کر دی، کیونکہ مقول بہر حال ان کے علاقہ میں پایا گیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۷۷، سنن ابوداؤد ج ۲، ص ۳۲۹)
شخص الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی محلہ میں مقول پایا جائے تو اس محلہ والوں پر لازم ہے کہ ان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ خدا کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، اس قسم کے بعد وہ دس ادا کریں گے۔
(المبسوط ج ۲، ص ۹۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

قسامت میں اہل محلہ پر جو قسم اور اس کے بعد جو دس لازم کی جاتی ہے، یہ بھی واقعی شہادت پر مبنی ہے۔
واقعی شہادت پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کا تازہ تازہ گلا کٹا ہوا ہے اور اس کے پاس ہی ایک شخص خون سے بھرا ہوا چھرا لیے کھڑا ہے اور اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے ہیں تو یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہی شخص قاتل ہے اور اگر بعد میں لیبارٹری ٹیسٹ سے ثابت ہو جائے کہ چھرے پر لگا ہوا خون اور مقول کا خون ایک ہی ہے تو پھر اس کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا اور یہ واقعی شہادت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص گولی لگنے سے مر گیا اور اس کے پاس ایک شخص پکڑا گیا جس کے ہاتھ میں ہتھول تھا اور بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ مقول کے جسم سے جو گولی برآمد ہوئی ہے وہ اسی نمبر کی ہے، جس نمبر کی

گولیاں اس کے ہسٹول میں تھیں، اب اس شخص کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور یہ واقعاتی شہادت ہے۔
اسی طرح ایک شخص ٹوٹی پٹے اور ایک ہاتھ میں قراقلی ٹوٹی لیے ہوئے بھاگ رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے پیچھے ننگے سر بھاگ رہا ہے تو یہ اس بات کی واقعاتی شہادت ہے کہ وہ شخص اس کے سر سے ٹوٹی اتار کر بھاگا ہے۔

دو آدمی ایک بیل یا اونٹ کے دھوی دار ہیں اور دونوں کے گھرا ایک گلوں میں ہیں، اس گلوں میں جا کر اس بیل یا اونٹ کو چھوڑ دیا تو جس آدمی کے گھریا باڑہ میں وہ بیل یا اونٹ چلا جائے تو یہ اس بات کی واقعاتی شہادت ہے کہ وہ بیل یا اونٹ اسی شخص کا ہے۔

الغرض قرآن مجید احادیث اور عقلی قرائن سے یہ ثابت ہے کہ واقعاتی شہادتیں بھی شرعی حجت اور عقلی دلیل ہیں۔
غیب کے نگہبان نہ ہونے کے محال

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے کہا: اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے، اس قول کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) ہم نے یہ دیکھا کہ شہی کارندوں نے شہی پیل بن یامین کی بوری سے برآمد کر لیا اور حقیقت حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔

(۲) مجاہد، حسن اور قتادہ نے کہا: ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کا بیٹا چوری کرتا ہے، اگر ہمیں یہ پہلے معلوم ہوتا تو ہم اس کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاتے اور نہ اس کو واپس لانے کے متعلق آپ کے سامنے کی قسمیں کھاتے۔

(۳) منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: چلو میں لیا کہ اس نے چوری کی ہے، لیکن بادشاہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں یہ مقرر ہے کہ جس پر چوری ثابت ہو جائے اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے، ضرور تم نے اپنے کسی مطلب کی وجہ سے بادشاہ کو یہ بتایا ہو گا تب انہوں نے کہا کہ چوری کا واقعہ رونما ہونے سے پہلے ہم نے بادشاہ سے یہ ذکر کیا تھا اور اس وقت ہم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ واقعہ ہو جائے گا کیونکہ ہم غیب پر نگہبان نہیں ہیں۔

بہستی سے پوچھنے کے معانی

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: اور آپ اس بہستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس بہستی سے مراد مصر ہے اور بعض نے کہا: اس سے وہ بہستی مراد ہے جو مصر کے دروازہ پر تھی۔ پھر متن قرآن میں یہ عبارت ہے: آپ اس بہستی سے پوچھ لیجئے، اس میں عربی کے اسلوب عبارت کے مطابق مضاف محذوف ہے، اور دوسرا معنی علامہ ابو بکر الانباری نے بیان کیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس بہستی سے پوچھ لیجئے، وہاں کے درو دیوار اور بازاروں سے پوچھ لیجئے تو وہ آپ کو بتائیں گے کیونکہ آپ انبیاء میں سے ہیں بلکہ اکابر انبیاء میں سے ہیں، جب آپ سوال کریں گے تو کوئی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان جملوات کو گویا کر دے اور آپ کو صحیح واقعہ کی خبر دے دے اور یہ آپ کا معجزہ ہو جائے، اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت سچی ہو اور اس کا صدق بہت واضح ہو تو کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کو آسمان اور زمین سے پوچھ لو! اسی نسخ پر انہوں نے کہا: آپ بہستی سے پوچھ لیجئے۔

بدگمانی دور کرنے کے لیے وضاحت کرنے کا استحباب

اس آیت سے یہ فقہی مسئلہ نکلتا ہے کہ جو آدمی حق اور صدق پر ہو اور اس کو یہ گمان ہو کہ لوگ اس کے متعلق غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا ہوں گے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس بدگمانی اور غلط فہمی کو دور کرے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو۔

(کشف الخفاء ج ۱، ص ۳۳، مطبوعہ الغزالی دمشق)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں احکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، میں آپ کی زیارت کے لیے گئی اور کچھ دیر آپ سے باتیں کرتی رہی، جب میں جانے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے تک مجھے پھوڑنے آئے۔ جب میں حضرت ام سلمہ کے دروازے تک پہنچی تو دو انصاری گزرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا ٹھہرو، یہ صفیہ بنت حبیبہ ہے، ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ! اور ان کو یہ وضاحت ناگوار ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے خون کی گزرگاہوں میں پہنچ جاتا ہے، اور مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۷۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۹)

(سنن الکبریٰ للشیخ رقم الحدیث: ۳۳۵۷)

امام ابو بکر محمد بن جعفر الخرازمی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

بدیل بن ورقاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر کھڑا کیا اور اس کے متعلق کسی نے بدگمانی کی تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

(مکارم الاخلاق ج ۱، رقم الحدیث: ۵۳۹، مطبوعہ مطبعہ المدنی ۱۳۱۱ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۸۸۱۵)

موسیٰ بن خلف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رات کو گشت کر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی راستہ میں ایک عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ حضرت عمر نے اس کو مارنے کے لیے درہ بلند کیا تو اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! یہ میری بیوی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ایسی جگہ باتیں کرتے کہ لوگ تم کو نہ دیکھتے۔ (مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۵۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑی ہے، تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے، عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بے شک وہ خوب جاننے والا هست حکمت والا ہے اور ان سے پشت پھیر لی اور کہا ہائے افسوس یوسف (کی جدائی) پر اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے، بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہاں) یاد کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے، یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ (یوسف: ۸۶-۸۴)

بن یامین کے متعلق بات گھڑنے کی توجیہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں کی بات سنی تو جس طرح انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق ان کو دی ہوئی خبر پر یقین نہیں کیا تھا، انہوں نے اس خبر پر بھی یقین نہیں کیا اور فرمایا: بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بتائی ہے، اس سے ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ تم نے جھوٹ کہا ہے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ بن یامین کو میرے پاس بے ٹکالنے اور اس کو مصر لے جانے اور اس سے منفعت حاصل کرنے کے لیے تم نے ایک بات بتائی تھی، جس کے نتیجہ میں یہ مصیبت آئی، تم نے اس کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بہت ضد کی اور اس کو اپنے ساتھ واپس لانے کے لیے مدد و بیان کیے اور قسمیں کھائیں لیکن

تم نے جو کچھ سوچا تھا تقدیر میں اس کے بالکل خلاف تھا۔
صبر جمیل کی تعریف

حضرت یعقوب نے فرمایا: تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے۔ صبر جمیل کی تعریف میں امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت کرنا حرام ہے اور جب آدمی اپنے مرض یا مصیبت کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے اور وہ اس مرض اور مصیبت کو پسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے تو یہ اللہ کے فضل کی شکایت ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے، ہاں اگر اس پر قرائن ہوں کہ وہ اللہ کے فضل کو پسند نہیں کر رہا اور نہ اس پر ناراض ہے اور وہ اللہ سے شکوہ اور شکایت نہیں کر رہا بلکہ اپنے درد اور مصیبت کا اظہار کر رہا ہے، تو پھر اپنی تکلیف اور مصیبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہے، لیکن پھر بھی خلافِ اولیٰ ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ مصیبت کا اظہار بالکل نہ کرے کیونکہ اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے، بعض علماء نے کہا جس نے اپنی مصیبت کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا اور صبر جمیل کا معنی یہ ہے کہ اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز امام غزالی لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: مومن کے تقویٰ پر تین چیزوں سے استدلال کیا جاتا ہے: اس کو جو نعمت نہیں ملی اس کے حصول کا اللہ پر بھروسہ رکھے، اور جو نعمت مل گئی ہو اس پر اللہ سے راضی رہے اور جو نعمت اس سے جاتی رہی ہو اس پر اچھی طرح صبر کرے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی تعظیم اور اس کی معرفت کی نشانی یہ ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور اپنی مصیبت کا ذکر نہ کرو۔ (ابن ابی الدنیاف فی المعصرات والکفارات) (احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۲۳، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

صبر جمیل کے اجر کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندہ کو کسی مصیبت (یا مرض) میں مبتلا کرتا ہوں، اور وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کو قید سے آزاد کرتا ہوں اور اس کا گوشت پہلے گوشت سے بہتر بنا دیتا ہوں اور اس کا خون پہلے خون سے بہتر بنا دیتا ہوں اور از سر نو اس کے عمل شروع کر دیتا ہوں۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۷۵، المستدرک ج ۹، ص ۳۳۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطرے زیادہ محبوب ہیں، ایک وہ (خون کا) قطرہ جو اس کے راستہ میں گرا ہو، اور ایک وہ آنسو کا قطرہ جو اس شخص کی آنکھ سے گرا ہو جو آدمی رات کو اللہ کے خوف سے کھڑا عبادت کر رہا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں: ایک صبر کا وہ گھونٹ جب کوئی شخص سخت درد کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے اور دو سرا وہ گھونٹ جب کوئی شخص غصہ کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ پی لے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، رقم الحدیث: ۳۳۳۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اجر والا وہ گھونٹ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے لیے غصہ کو ضبط کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۹، مسند احمد ج ۲، ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کو قحلی رکھنا اور مصائب اور بیماریوں کو چھپانے کی کے خزانوں میں سے ہے اور جس نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۰۵۰، کمال ابن عدی ج ۳، ص ۱۰۸۸، قدیم)

حضرت یعقوب کے ہائے افسوس کہنے کی توجیہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا ہائے میرا افسوس یوسف کی جدائی پر!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے: ہائے یوسف کے اوپر میرا طویل رنج و غم۔

ابن قتیبہ نے کہا: الاسف کا معنی ہے بہت زیادہ حسرت۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس امت کو مصیبت کے وقت کہنے کے لیے جو کلمات دیئے گئے ہیں وہ ہیں انا لله وانا اليه راجعون (البقرہ: ۱۵۶) اگر انبیاء سابقین کو یہ کلمات دیئے گئے ہوتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی یہ کلمات دیئے گئے ہوتے اور وہ ہا افسی علی یوسف کی بجائے انا لله وانا اليه راجعون کہتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا ہائے میرا افسوس، یوسف کی جدائی پر اور یہ تو شکایت کے الفاظ ہیں، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر جمیل کدھر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکایت نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف شکایت کی ہے، صبر جمیل کے معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتے، انہوں نے تو خود کہا تھا:

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَخُزْنِي إِلَى اللَّهِ

میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

ابن الانباری نے کہا یہ دعائیہ کلمات ہیں اور ان کی مراد یہ تھی اے میرے رب! یوسف کا جو مجھے رنج اور افسوس ہے، اس پر رحم فرما۔ اولاد سے محبت فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس کی جدائی پر رنج اور غم ہونا یہ بھی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ممنوع یہ ہے کہ انسان غم سے بچ دیکھ کر اسے کام کرے جن سے بے قراری اور بے چینی کا اظہار ہو، دل میں رنج ہو، آنکھوں میں آنسو ہوں اور اپنے رنج و غم کا اللہ سے اظہار ہو اور اس میں اللہ کی شکایت نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف شکایت ہو تو یہ تمام امور جائز ہیں اور ان میں کسی کو طاعت نہیں کی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی باپ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو لیا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو سونگھ پھر ہم اس کے بعد آپ کے پاس گئے اس وقت حضرت ابراہیم اپنی جان کی سخت کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو برہے تھے، تب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی؟ (روہے ہیں) آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں! پھر آپ کی آنکھوں میں اور آنسو آئے، آپ نے فرمایا: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں اور دل ٹھکین ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر غم زدہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے، حضرت

یوسف نے ان کو پہچان لیا تو ان سے کہا اے کرم فرشتے! کیا آپ کو حضرت یعقوب کا علم ہے؟ کہا ہاں، پوچھا کیا حال ہے؟ کہا آپ کے غم میں ان کی بیٹلی جاتی رہی۔ پھر پوچھا انہیں کتنا غم ہے؟ کہا ستر درجہ زیادہ غم ہے۔ پوچھا ان کو اجر بھی ملے گا؟ کہا ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا! (تفسیر امام ابن ابی ماتم ج ۱، رقم الحديث: ۸۸۸۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حسن بھری نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل اسی (۸۰) سال تک روتے رہے اور ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور جب سے ان کی بصارت گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں تھا۔

(زاوالمسیر ج ۳، ص ۲۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (یعنی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے ○ اے میرے بیٹا! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے یاموس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر یاموس ہوتے ہیں ○ (یوسف: ۸۷-۸۵)

مشکل الفاظ کے معانی

جو چیز لائق شکر ہو اور اس میں کوئی خیر نہ ہو اس کو حصر صحتے ہیں، حتیٰ کہ جو شخص ہلاکت کے قریب پہنچ جائے اس کو حصر صحتے ہیں، اس معنی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا حتیٰ تکون حرضا (یوسف: ۸۵) نہ حصر صحتے کا معنی ہے بیماری کا ازالہ کرنا اور کسی شخص کو کسی کام پر ابھارنا۔ قرآن مجید میں ہے:

حَتَّىٰ يَرْضَى الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْفِتْلِ۔
مومنوں کو جلاو پر برا بھلا نہ کہئے۔

(الانفال: ۶۵)

(المفردات ج ۱، ص ۱۳۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام واحدی نے اہل معانی سے نقل کیا ہے کہ محبت یا غم کی زیادتی کی وجہ سے جسم یا عقل میں جو فساد ہوتا ہے اس کو حصر صحتے کہتے ہیں، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ ہر وقت یوسف کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ اس کثرت گریہ و زاری کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ آپ اپنے جسم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور خطرہ ہے کہ شدت غم کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔

بنی: بٹ کا معنی پھیلانا اور تقسیم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَبِثَّ فَبِهَا مَسَّ كُلُّ دَابَّةٍ (البقرة: ۱۷۳) اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ انسان جب اپنے غم کو چھپائے رکھے تو اس کو ہم (فلک) کہتے ہیں اور جب دوسروں سے اپنے غم کا اظہار کر دے تو اس کو بٹ (پریشانی) کہتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: میں اپنی پریشانی اور غم کا صرف اللہ سے ذکر کرتا ہوں۔ یعنی چھوٹا غم ہو یا بڑا میں اس کا ذکر صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

جن قرائن کی بنا پر حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے ملاقات کا یقین تھا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت، اس کے احسان اور اس کی وحی سے میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے

لئے وہاں سے کشادگی لے کر آئے گا جہاں کا مجھے علم بھی نہیں ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ توقع تھی کہ ان کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہو جائے گی اور اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ملک الموت آیا تو آپ نے اس سے پوچھا تھا آیا تم نے میرے بیٹے یوسف کی روح قبض کر لی ہے، اس نے کہا نہیں، اے اللہ کے نبی! پھر اس نے مصر کی طرف اشارہ کیا آپ اس کو وہاں ڈھونڈیں۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے کیونکہ حضرت یوسف میں سعادت، شرافت اور کمال کے آثار بہت نمایاں تھے اور ان جیسے لوگوں کے خوابوں میں خطا نہیں ہوتی۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی ہو کہ وہ عنقریب ان کو حضرت یوسف سے ملا دے گا لیکن اس کا وقت معین نہ کیا ہو اس لیے ان کے دل میں قلق اور اضطراب تھا لیکن ان سے ملاقات کا بہر حال یقین تھا۔

(۴) جب حضرت یعقوب کے بیٹوں نے مصر کے بادشاہ کی نیک سیرت اور اس کے اقوال اور افعال کا کامل ہونا بیان کیا تو ان کا خیال تھا کہ یہ یوسف ہی ہوں گے کیونکہ کسی کافر کی ایسی سیرت نہیں ہو سکتی۔

(۵) حضرت یعقوب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بن یامین چوری نہیں کرتے، ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ بادشاہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے پاس رکھا اس سے ان کو قوی گمان ہو گیا کہ چوری کے بدلہ سے حضرت یوسف نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کے کفر ہونے کی وجوہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹا جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

جب ان دلائل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ مصر کا بادشاہی دراصل حضرت یوسف ہیں، تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: جاؤ جا کر یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی روح سے مراد اس کی رحمت ہے۔ قلادہ نے کہا: اس سے مراد اللہ کا فضل ہے۔ ابن یزید نے کہا: اس سے مراد اللہ کی کشادگی ہے، اور یہ تمام الفاظ متقارب ہیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا کہ مومن مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے خیر اور فضل کی توقع رکھتا ہے، اور راحت اور کشادگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے، کیونکہ انسان اللہ کی رحمت سے اس وقت مایوس ہو گا جب اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کو اس کی مراد کا علم نہیں ہے یا اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اس کو علم تو ہے لیکن وہ اس کی مراد کو پورا کرنے سے عاجز ہے اس پر قادر نہیں ہے، یا اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اس کو علم اور قدرت تو ہے لیکن وہ بخیل ہے وہ ایسا کرے گا نہیں، اور یہ تمام وجوہ کفر ہیں۔ اس لیے مومن کو آخر وقت تک یہ امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی امید اور مراد کو پورا کر دے گا لیکن اگر کسی وجہ سے وقت نکل جائے اور اس کی مراد پوری نہ ہو تو پھر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اس کی مراد کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا یا اس کی مراد خود اس کے حق میں نقصان دہ تھی اور اس کو اس کا علم نہیں تھا یا اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ مراد پوری نہیں کی تو وہ اس کے عوض اس کو اس سے اچھی کوئی اور نعمت دنیا میں یا

آخرت میں عطا کرے گا یا اگر اس نے مراد پوری نہ ہونے پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دنیا یا آخرت کی کوئی مصیبت اس سے دور کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھروالوں کو تکلیف پہنچی ہے، اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا غلہ باپ کر دے دیں اور ہم پر صدقہ کریں، بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے؟ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا، بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

(یوسف: ۹۰-۸۸)

حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو ڈھونڈنے کے بجائے غلہ کا سوال کیوں کیا؟

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ جا کر حضرت یوسف اور بن یامین کو ڈھونڈیں تو انہوں نے اپنے باپ کی بات مان لی اور مصر پہنچ گئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھروالوں کو تکلیف پہنچی ہے، اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں، لیجئے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کے باپ نے تو ان سے کہا تھا کہ جا کر یوسف اور بن یامین کو تلاش کرو اور انہوں نے مصر پہنچ کر غلہ مانگنا شروع کر دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ کسی کی تلاش میں نکلتے ہیں وہ اپنے مطلوب اور حصول کے لیے تمام ذرائع اور وسائل اور تمام جہلوں اور بہانوں کو کام میں لاتے ہیں، انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی ننگ دستی اور بدحالی کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ ان کے پاس غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے اور ان کو غلہ کی شدید حاجت ہے، وہ تجربہ کر رہے تھے کہ اگر بادشلہ کا دل ان کے لیے نرم ہو گیا تو ہم اس سے یوسف اور اس کے بھائی کے متعلق معلوم کریں گے اور اگر اس کا دل نرم نہیں ہوا تو خاموش رہیں گے۔

مزحاجہ کا معنی ایسی قیمت جس کو مسترد کر دیا جائے، الارحاء کا معنی ہے کم کم یا آہستہ آہستہ چلانا، ان کے پاس جو پیسے تھے، وہ مقدار میں بھی کم تھے اور ان کی کیفیت بھی بہت معمولی تھی گویا وہ بہت حقیر رقم تھی، اس لیے انہوں نے کہا ہمیں اور ہمارے گھروالوں کو بھوک اور ہلاکت کا سامنا ہے، ہمیں غلہ کی سخت ضرورت ہے اور ہمارے پاس بہت حقیر رقم ہے، آپ ہمیں پورا غلہ باپ کر دے دیں اور ہم پر صدقہ کریں۔

سوال کرنے کی شرائط اور احکام

انہوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ ہم پر صدقہ کریں اس سے حقیقتاً صدقہ مراد نہیں تھا کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھے اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد پر صدقہ حلال نہیں ہے، اس کا معنی تھا آپ ہم پر کرم اور فضل فرمائیں۔ یعنی ہماری رقم کے اعتبار سے جتنے غلے کا ہمارا حق بنتا ہے، ہمیں اس سے زیادہ اپنے فضل سے عطیت فرمائیں، اور ابو سلیمان الدمشقی اور ابوالحسن الملوردی اور ابو یعلیٰ نے یہ کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء تھے، ان پر صدقہ حلال تھا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان فقیر اور محتاج میں مبتلا ہو تو اس کے لیے اپنی ننگ دستی اور بدحالی کو بیان نہ کرنا ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد اللہ کی شکایت کرنا نہ ہو، اور اسی شرط کے ساتھ بیمار کے لیے ڈاکٹر کے سامنے اپنی بیماری کی

کیفیت بیان کرنا جائز ہے اور یہ صبر جیل کے خلاف نہیں ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے۔

حضرت قیس بن عمارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قیس! سوال کرنا صرف تین فتنوں میں سے کسی ایک کے لیے جائز ہے: ایک وہ شخص جو مقروض ہو (اور اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے پیسے نہ ہوں) دو سراوہ جس کا تمام مال کسی آفت کی وجہ سے ضائع ہو گیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو فتنہ سے ہو اور اس کی قوم میں سے تیس آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ فتنہ سے ہے۔ اے قیس! ان کے علاوہ جو شخص سوال کر کے کھائے گا وہ حرام کھائے گا۔ (تین گواہوں کا ہونا استحب پر معمول ہے ورنہ جو شخص فتنہ سے ہو اور کھانا خریدنے کے لیے اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور کوشش کے باوجود اسے کوئی ملازمت یا مزدوری نہ ملی ہو یا وہ بہت کمزور اور بیمار ہو اور فتنہ زدہ ہو، ایسی صورت میں گواہوں کے بغیر بھی اس کے لیے بقدر ضرورت سوال کرنا جائز ہے)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے یوں نہیں کہا: اللہ آپ کو جزا دے، کیونکہ اس کے خیال میں بلو شہ کافر تھا اور کافر کو آخرت میں اجر نہیں ملتا۔ اس لیے انہوں نے جھوٹ سے بچنے کے لیے تو یہ کیا اور کہا: اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: تو یہ کے ساتھ کلام کرنے میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۸۹) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ خیرات دینے والے کے لیے دعائے کلمات کہے۔

بھائیوں سے ان کے مظالم پوچھنے کی وجوہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا: کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے؟ حضرت یوسف کے اس قول کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) امام ابن اعلیٰ نے کہا ہے کہ جب انہوں نے حضرت یوسف سے کہا: اے امیر ہم اور ہمارے گھروالے فقرا اور فتنہ میں گرفتار ہیں۔ آپ ہم پر صدقہ کیجئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل نرم ہو گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۳۳)

(۲) کلبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے ان سے کہا: مالک بن زعر نے بتایا ہے کہ میں نے کنوئیں میں ایک ایسا لڑکا دیکھا تھا اور میں نے اس کو اتنے درہموں کے بدلے خرید لیا، تو انہوں نے کہا: اے بلو شہ! وہ غلام ہم نے بیچا تھا تب حضرت یوسف جلال میں آگئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان کو قتل کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ یسوزا پلٹ آیا اور اس نے کہا: حضرت یعقوب تو ایک بیٹے کی تشدد کی پر اب تک غمزدہ ہیں اور رو رو کر رونا رہے گئے، جب ان کو اپنے تمام بیٹوں کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کا کیا حال ہو گا پھر کہا: اگر آپ ہمیں قتل ہی کر رہے ہیں تو قلاں قلاں مقام پر قلاں نام کا ہمارا باپ رہتا ہے اس کے پاس ہمارا سلطان بھجوا دیں۔ تب یوسف علیہ السلام رو پڑے اور اس پر کہا: کیا تم کو یاد ہے...

(۳) ابو صلیح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بھائیوں نے مالک بن زعر کو جو تحریر دی تھی، حضرت یوسف نے وہ تحریر نکال کر ان کو دکھائی تو انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے وہ غلام فروخت کیا تھا پھر حضرت یوسف نے ان کے قتل کا حکم دیا اور پھر مذکورہ واقعہ ہے، لیکن یہ دونوں روایتیں موضوع ہیں، حضرت یوسف کی جو سیرت قرآن مجید نے بیان کی ہے، اس کے خلاف ہیں۔

(۳) حضرت یعقوب نے بلو شہ کے نام ایک رقعہ لکھ دیا تھا جس کو پڑھ کر حضرت یوسف کا دل نرم ہو گیا۔

(سالم، التخریل ج ۲، ص ۴۵، زاد المسیر ج ۲، ص ۲۹۷)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ نے اس رقعہ کے مندرجات اس طرح ذکر کیے ہیں:

یعقوب اسرائیل اللہ بن اخلق ذبح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے عزیز مصر کے نام! حمد الہی کے بعد ہم وہ لوگ ہیں جو نسل در نسل مصائب میں مبتلا ہیں، میرے دادا کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا تاکہ وہ جل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبیاً تدعی دی، اور آگ کو ان پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا، اور میرے باپ کے گلے پر چھری رکھی مگر تاکہ اس کو ذبح کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذیہ دے دیا، اور رہا میں تو میرا جو سب سے محبوب بیٹا تھا اسے اس کے بھائی جکل میں لے گئے پھر میرے پاس خون آلودہ قمیض لائے اور کہا اس کو بھیڑیے نے کھالیا، میں جب سے اس کے فراق میں رو رہا ہوں، اس کا ایک بھائی تھا جس سے مجھے تسلی رہتی تھی، اس کے یہ بھائی اسے اپنے ساتھ لے گئے اور مجھے آکر یہ بتایا کہ اس نے آپ کے ہاں چوری کی ہے اور آپ نے اس کی سزا میں اس کو رکھ لیا ہے، ہم لوگ نہ خود چور ہیں اور نہ ہماری اولاد چور ہے، اگر آپ نے میرے اس بیٹے کو واپس کر دیا تو میں آپ کو دعاؤں گا اور اگر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا تو میں آپ کے خلاف دعائیں کروں گا جس کا اثر ساتویں پشت تک آپ کی اولاد کو پہنچے گا والسلام۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مکتوب پڑھا تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بھائیوں نے پہچان لیا کہ یہ بلو شہی دراصل یوسف ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۵۰۳-۵۰۴، الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۲۲۳، ۲۲۴)

یہ مکتوب بھی جعل اور وضعی ہے اور اسرائیلی روایات میں سے ہے کیونکہ اس میں حضرت اخلق کو ذبح اللہ بتایا گیا ہے اور حقیق یہ ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام ذبح اللہ ہیں۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جاہل تھے؟ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے ان کو یاد دلایا کہ تم نے یوسف کے ساتھ کس قدر ظلم کیا تھا اور کتنا بڑا جرم کیا تھا جیسے کسی بڑے مجرم سے کہا جاتا ہے: کیا تم کو علم ہے تم نے کس کی مخالفت کی تھی اور کیا جرم کیا تھا!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جو ان کے مظالم یاد دلانے ہیں، ان میں اس آیت کی تصدیق ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ يُوْسُفَ أَنَاذِرْهُمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ (یوسف: ۱۵)

اور ہم نے یوسف کی طرف (کوئیں میں) یہ وحی کی کہ (ایک وقت آئے گا) تم ان کو ان کی اس کارروائی سے ضرور آگاہ کرو گے اور اس وقت ان کو شعور نہیں ہو گا۔

حضرت یوسف نے فرمایا: اس وقت تم جاہل تھے، گویا حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا تذکرہ بیان کیا یعنی جس وقت تم نے یہ ظلمانہ کام کیے تھے اس وقت تم تکبر کی جہالت میں تھے اور اب تم ایسے نہیں ہو یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت تم باپ کی نافرمانی کے عذاب اور صلہ رحم کے تقاضوں سے جاہل تھے اور اپنی خواہش کی پیروی میں ڈوبے ہوئے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت تم اس بات سے جاہل تھے کہ مستقبل میں تمہارے ان مظالم کا کیا نتیجہ نکلے گا اور تم کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ جس کو تم غلام بنا کر چند سکوں کے عوض بیچ رہے ہو، وہ کل بلو شہ میں جائے گا اور تم اپنی کے دربار میں خوراک کے حصول کے لیے رحم کی فریاد لے کر حاضر ہو گئے؟

بھائیوں کا حضرت یوسف کو پہچان لینا

ان کے بھائیوں نے کہا کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ انہوں نے حضرت یوسف کو جو پہچان لیا، اس کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضرت یوسف علیہ السلام مسکرائے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کے دانتوں سے پہچان لیا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ سراقول یہ ہے کہ حضرت یوسف کے ہاتھ پر تل کی طرح ایک نشانی تھی، اور حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت سارہ کے ہاتھ پر بھی اسی طرح کی نشانی تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سر سے تلج اتارا تو بھائیوں نے اس تل کو دیکھ کر انہیں پہچان لیا۔

(۳) امام ابن اسحاق نے کہا پہلے حضرت یوسف نے اپنے اور ان کے درمیان حجاب رکھا ہوا تھا اور اس وقت وہ حجاب اٹھ دیا تھا اس لیے ان کے بھائیوں نے ان کو پہچان لیا۔ (ازاد المسیر ج ۳، ص ۲۸۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں وہی ہوں، بلکہ فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے تاکہ ان کے بھائی اس نام سے یہ جان لیں کہ میں وہی ہوں جس پر انہوں نے قلم توڑے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت اور سرفرازی عطا فرمائی ہے، میں وہ ہوں جس کو عاجز سمجھ کر تم نے ہلاک کرنے کے لیے کنوئیں میں ڈال دیا تھا اس کو آج اللہ نے ایسی حکومت اور ایسا اقتدار عطا فرمایا ہے کہ تم اپنی رفق حیات پر قرار رکھنے کے لیے اس کے پاس غلہ کی خیرات مانگنے آئے ہو! حضرت یوسف نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی ہمیں دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی ہے۔

نیز فرمایا: بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جو شخص اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرتا ہے اور لوگوں کے مظالم پر صبر کرتا ہے تو اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حسیق فرمایا کہ وہ متقی ہیں اور جیسا کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے ساتھ زنا کے تمام مقدمات میں طوط ہو گئے تھے، اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آپ کا خود کو متقی فرمانا صحیح نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطاکار تھے ○ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ (یوسف: ۹۳)

حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف خطا کرنا اور حضرت یوسف کا انہیں معاف فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا ہے اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان کی تصدیق کی اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا اور کہا بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم

خطا کرتے۔

مفسرین کرام نے عیاضی اور معیطی میں فرق بیان کیا ہے۔ عیاضی وہ ہے جو قصد اخطا کرے اور معیطی وہ ہے جس سے خطا سرزد ہو جائے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے اپنے آپ کو عیاضی کہا تھا کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف پر جو مظالم کیے وہ عمدہ اکیسے تھے۔ حضرت یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

نشریب کا معنی ہے کسی شخص کو اس کا برا کلام یا بدولہا کر اس کو ملامت کرنا اور عار دلانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں آج کے بعد تم کو تمہاری زیادتیوں پر کبھی ملامت نہیں کروں گا۔ ابن الانباری نے کہا: آپ نے اس طرف اشارہ کیا کہ آج کا دن معاف کرنے کا پسلا وقت ہے اور آپ جیسے شخص کا منصب یہ ہے کہ وہ دوبارہ انہیں ان کا قصور یاد نہ دلائے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۵۸۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر بن العوام، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت خالد بن ولید کو گھوڑوں پر سوار کیا کر روانہ کیا (الی قول) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ گیا اس کو ایمان ہے، اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے اس کو ایمان ہے، قریش کے سردار کعبہ میں داخل ہوئے اور ان سے جگہ نکھ ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کے دونوں چوکت پکڑ کر کھڑے ہو گئے، اور لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے لگے، اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ پر آئے اور دروازہ کی چوکت کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے (شرکین مکہ سے) فرمایا: تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے برادر زاد اور ہم زاد ہیں اور انہوں نے یہ تین مرتبہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس طرح کہتا ہوں جس طرح حضرت یوسف نے کہا تھا:

لَا تَشْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَعْذِرُ اللَّهُ لَكُمْ
وَهُوَ أَزْهَمُ التَّرَاجُؤِ
آج تمہیں کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت
فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا

ہے۔

پھر شرکین مکہ تمیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے جیسے ان کے پیروں کی پٹیاں کھول دی گئی ہوں۔

(النسائی الکبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۱۱۸، مطبوعہ لبنان، سنی المذنبی والرشاد ج ۵، ص ۲۴۲، مطبوعہ بیروت)

حضرت یوسف کی قیص سے حضرت یعقوب کی آنکھوں کا روشن ہونا

جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو پہچان لیا تو حضرت یوسف نے ان سے اپنے باپ کا حال پوچھا، بھائیوں نے بتایا کہ ان کی بیٹلی جاتی رہی ہے، تب حضرت یوسف نے ان کو اپنی قیص دی اور کہا یہ قیص میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

امام عبدالرحمن بن محمد رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مطلب بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی قیصوں میں سے ایک قیص پہنائی تھی، حضرت ابراہیم نے یہ قیص حضرت اسحاق کو پہنائی اور حضرت اسحاق نے وہ قیص حضرت یعقوب کو پہنائی اور حضرت یعقوب نے وہ قیص حضرت یوسف کو پہنائی، پھر انہوں نے اس قیص کو لپیٹ کی ایک چاندی کی نگلی میں رکھا اور اس کو حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا، جس وقت حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا گیا اور جب ان کو قید میں رکھا گیا اور جس وقت ان کے پاس ان کے بھائی آئے۔ ان تمام اوقات میں وہ نگلی ان کے گلے میں تھی اور اس وقت حضرت یوسف نے اس نگلی سے یہ قیص نکال کر بھائیوں کے حوالے کی اور کہہ میری اس قیص کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ ابھی وہ قیص فلسطین کے علاقہ کھن میں تھی کہ حضرت یعقوب نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہود نے کہہ پہلے حضرت یعقوب کے پاس میں خون آلودہ قیص لے کر گیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا، اب اس قیص کو بھی میں لے کر آؤں گا اور یہ بتاؤں گا کہ یوسف زندہ ہیں، جس طرح پہلے میں نے ان کو رنجیدہ کیا تھا اسی طرح اب میں جا کر ان کو خوشخبری دوں گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۳۹ مطبوعہ مکتبہ مکرّمہ ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور آپ کے بالوں سے بیماریوں کا شفا یاب ہونا اور دیگر برکتیں

حضرت اسلم رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اسلم کو بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر مطلقاً ریشم کو حرام کہتے ہیں تو انہوں نے کہہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، انہوں نے ایک طیالبہ کسروانیہ جبہ نکالا جس میں ریشم کے پچھلے گئے ہوئے تھے اور اس کے سامنے اور پیچھے کے چاک پر یا آستینوں پر ریشم کے تیل پونے بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسلم نے کہہ یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب وہ فوت ہو گئیں تو میں نے اس پر قبضہ کر لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، ہم بیماروں کے لیے اس کو دھوتے ہیں اور اس (کے حسلہ، دھوون) سے ان کے لیے شفا طلب کی جاتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۰۶۹ سند احمد ج ۶ ص ۳۳۸-۳۳۷ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث ۸۵۸۵ ص ۲۷۳ طبع عالم الکتب بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۷۹۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم آپ کے جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کے بدنوں پر ملتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفا عطا فرماتا تھا۔

(ضمیمہ الریاض ج ۳ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ متوفی ۵۴۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو القاسم بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم بیماروں کے لیے اس میں پانی ڈالتے تھے اور وہ اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔

(الاضواء ج ۹ ص ۲۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ خفاجی نے لکھا ہے: بیمار اس پیالہ میں پانی کرپیتے تھے اور شفا طلب کرتے تھے اور اس کو پینے سے آپ کے آثار کی برکت سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی۔ (ضمیمہ الریاض ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عثمان بن عبداللہ بن مویہ بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے ایک برتن میں پانی ڈال کر مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اسرائیل نے تین انگلیوں کو ٹپایا یعنی وہ چاندی سے طبع کی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی تین انگلی جتنی، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں سے کچھ بل تھے، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اس کو اور کوئی بیماری ہو جاتی تو وہ آپ کے پاس ایک برتن بھیج دیتا۔ میں نے گھنٹی کی شکل کی ایک ڈبیا دیکھی اس میں سرخ رنگ کے بل تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک برتن بھیجتا، وہ اس برتن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مبارک ہاتھوں کو رکھتیں پھر اس برتن میں پانی ڈالتیں اور ان کا دھوون اس بیمار کو پلاتیں، یا وہ آدمی شفا طلب کرنے کے لیے اس پانی سے غسل کرتا اور اس کو اس پانی کی برکت حاصل ہوتی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۳، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ)

امام حافظ احمد بن علی بن حنفی حنفی متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عمرہ کیا آپ نے اپنے سر کے بل منڈوائے لوگ آپ کے بل لینے کی طرف جھپٹے، میں نے آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی۔ میں نے آپ کے بل لے کر ان کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا اور میں نے ان بالوں کو اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں رکھا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی گیا مجھے فتح حاصل ہوئی۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۱۳ رقم الحدیث: ۷۱۸۳، مطبوعہ دارالافتاء العربیہ دمشق ۱۳۱۲ھ)

امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوسیری متوفی ۸۳۰ھ نے اس حدیث کو امام ابویعلیٰ کے حوالے سے ذکر کر کے کہا ہے کہ امام ابویعلیٰ نے اس حدیث کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مختصراتحاف السلاۃ المرقیۃ زاد السانید العشرۃ ج ۹، رقم الحدیث: ۷۶۶۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۳ھ نے بھی امام ابویعلیٰ کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (العالم، ج ۳، رقم الحدیث: ۳۰۴۳) نیز حافظ عسقلانی نے اس حدیث کو امام سعید بن منصور سے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ (اس تفصیل کو ہم امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کریں گے) اور امام ابویعلیٰ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۱ صاحب ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ، ۱۲ صاحب ج ۲ ص ۲۱۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی، حضرت خالد نے کہا: اس ٹوپی کو ڈھونڈ لوگوں کو وہ ٹوپی نہیں ملی۔ حضرت خالد نے پھر کہا: اس ٹوپی کو تلاش کرو، تو لوگوں کو وہ ٹوپی مل گئی، وہ ایک پرانی ٹوپی تھی، حضرت خالد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا، مسلمان آپ کے بالوں کی طرف جھپٹے، میں نے آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی اور ان بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں رکھ لیا، پھر میں جس جنگ میں بھی گیا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور مجھے فتح عطا کی گئی۔

(المعجم الکبیر ج ۳، رقم الحدیث: ۳۸۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت)

حافظ نور الدین البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۸) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۹) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوة ج ۴ ص ۲۳۹) امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۷۳۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اسد المطلب ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی عیاض بن سوی مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(الانفاج ج ۱ ص ۲۴۶ مطبوعہ دار الکتب بیروت ۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ اور علامہ فخری متوفی ۸۴۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۳) علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (معدن القاری ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ مصر ۱۳۳۸ھ) اور خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کا امام سعید بن منصور، امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام حاکم اور امام ابو نعیم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(المحافل الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی شغلیابی کا تو ایک واقعہ ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، آپ کے برتنوں اور آپ کے ہاتھوں سے حصول شفا کے متعدد واقعات ہیں اور یہ آپ کے مبارک ہاتھوں کی برکت تھی کہ حضرت خلد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہر جنگ میں فتح حاصل ہوتی تھی۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَذْرَاءُ قَالَتْ أَبُو هَمْرَانِي لَا جَدَّ بَرِيحَ يُوْسُفَ

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑا صاحبِ تسلط ہے تو

لَوْلَا أَنْ تُفْقِدُونَهُ ۖ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝۹۵

بجے یوسف کی خوشبو آرہی ہے ○ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم آپ اپنی اسی پران جنت میں مبتلا ہیں ○

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ

پھر جب خوش خبری سننے والا آیا اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بینا ہو گئے،

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۖ ۝۹۶

یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھ کو اللہ کی طرف ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ○

قَالُوا يَا بَنَا آسَافَ نَا اسْتَغْفِرُكَ نَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۖ ۝۹۷

بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے، بے شک ہم گنہگار ہیں ○ یعقوب نے کہا

سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا

میں غریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے اور رحم فرمے والا ہے۔

دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا

جب وہ سب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ!

مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے ○ اور اس نے اپنے ماں باپ کو بلند تخت پر بٹھایا

وَحَزَّوَالَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ

اور وہ سب یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ

کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا، اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب

أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ

اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی، اور شیطان نے میرے اور میرے

أَنْ تَزْعُمَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ

بہانوں کے درمیان جو عناد پیدا کر دیا تھا، اس کے بعد آپ سب کو گاؤں سے لے آیا ہے، بے شک میرا رب بوجہا

لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ

ہے وہ حسن تدبیر سے کرتا ہے، بے شک وہ بے حد علم والا، بہت حکمت والا ہے ○ اے میرے رب! تو نے مجھ پر معرکے حکومت

الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ

عطا کی اور بے غواہوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا

وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا

کرنے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا،

وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ ذَلِكْ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ

اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا ۝ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف

إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝

وحی فرماتے ہیں اور جب برادران یوسف اپنی سازش پر متفق ہوئے تھے اور اپنی سازش پُر عمل کر رہے تھے تو اس وقت آپ ان کے پاس

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا

موجود نہ تھے ۝ اور آپ خواہ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝ اور آپ ان سے

تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

اس رہنمائی دینا ۱ پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتے یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ نوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے ۝ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں ۝ پھر جب خوش خبری سننے والا آیا اور اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بھاگے، یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھ کو اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے ۝ بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے، بے شک ہم گنہگار ہیں ۝ یعقوب نے کہا میں متقرب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۝ (یوسف: ۹۸-۱۰۳)

بہت فاصلہ سے حضرت یعقوب تک حضرت یوسف کی خوشبو پہنچنے کی توجیہ

ابن ابی المذہب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے آٹھ راتوں کی مسافت کے فاصلہ پر تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کی خوشبو آ گئی۔ ابن ابی المذہب نے دل میں کہا یہ تنا کا صلہ ہے جتنا بھروسہ کوفہ تک کا فاصلہ ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۱۱۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۹۶۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت یوسف، حضرت یعقوب کے گھر کے قریب کنوئیں میں تھے تو آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو نہیں آئی تو پھر اتنے فاصلہ سے آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو کیسے آگئی؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں حضرت یوسف کا معاملہ حضرت یعقوب سے چلی رکھا تھا تاکہ حضرت یوسف مکمل معصیت میں گرفتار ہوں اور اس پر مہر کرنے سے حضرت یوسف کو اس معصیت کا اور حضرت یعقوب کو ان کی جدائی کا پورا پورا اجر ملے اور جب معصیت اور جدائی کے ایام ختم ہو گئے اور کشادگی اور فرحت کا دور آیا تو اللہ تعالیٰ نے فاصلہ کے زیادہ ہونے کے باوجود ان کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچادی۔

(۲) جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا وہ قمیص ایک چاندی کی ٹکلی میں تھی اور وہ ٹکلی حضرت یوسف کے گلے میں تھی، جب اس

قیس کو اس نگلی سے نکلا تو جنت کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں اور جب وہ مانوس خوشبوئیں ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر حضرت یعقوب تک پہنچیں تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت یوسف کی قیس کی خوشبو ہے اور جب حضرت یوسف کو قیس میں تھے تو وہ قیس نگلی میں بند تھی اور اس کی ہوائیں حضرت یعقوب تک نہیں پہنچیں تھیں۔

(۳) صبا (شرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا) نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تھی کہ خوش خبری دینے والے سے پہلے وہ حضرت یوسف کی خوشبو حضرت یعقوب تک پہنچا دے، تو اللہ عزوجل نے اس کو اجازت دے دی، یہی وجہ ہے کہ ہر غم زدہ تک جب بلو صبا کے جھوٹے پیچھے ہیں تو اس کی روح کو تازگی محسوس ہوتی ہے۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۸۳)

تفتدون کے معنی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تفتدون لا ان تعبدون، اس لفظ کے پانچ معنی بیان کیے گئے ہیں:

- (۱) مقاتل نے کہا اس کا معنی ہے اگر تم مجھ کو جابل قرار نہ دو۔
- (۲) عبد اللہ بن ابی ہریرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر تم مجھے بے وقوف نہ قرار دو۔
- (۳) سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا اگر تم مجھے جھوٹا نہ قرار دو۔
- (۴) حسن اور مجاہد نے کہا اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے ذاکل العقل نہ قرار دو۔
- (۵) ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی ہے اگر تم مجھے ملامت نہ کرو۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۸۵)

ضلال کے معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اپنی صلاں قدیم میں جلتا ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے ہوئے تھے، یہاں بیٹوں سے مراد ان کے پوتے، نواسے اور دیگر مجلس کے حاضرین ہیں۔ صلاں کے اس جگہ تین معنی مراد ہو سکتے ہیں:

- (۱) ضلال کے معنی شقاء ہیں یعنی آپ اپنی اسی پرانی بد عادت اور سختی میں گرفتار ہیں جس کی وجہ سے آپ حضرت یوسف کا غم جھیل رہے ہیں۔ مقاتل نے اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

مَقَالُوا آبَسَّرَاتِنَا وَاحِدًا تَتَّبِعُهُ أَتَالَا لَفِي صَلَاتٍ سَغِيرٍ۔ (القمر: ۲۳)

(قوم ٹھونڈے) کہا کیا ہم ایڈوں میں سے ہی ایک بشر کی پیروی کریں گے پھر تو ہم ضرور بد عادت اور مذاب میں گرفتار ہوں گے!

- (۲) قنادہ نے کہا آپ اپنی پرانی محبت میں گرفتار ہیں، آپ یوسف کو نہیں بھولتے اور وہ آپ کے دل سے نہیں نکلا۔ اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

إِنَّا نَأْتَا لَفِي صَلَاتٍ ثَمِينٍ۔ (یوسف: ۸)

بے شک ہمارا لب ضرور محبت کی مکلی دار نگلی میں ہے۔

- (۳) حسوں: قنادہ نے کہا یہ بہت سنگین کلمہ ہے اور ان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے نبی کی شان میں ایسا کلمہ استعمال کرتے۔ حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ ان کے اعتقاد میں حضرت یوسف فوت ہو چکے تھے اور حضرت یعقوب ان کی محبت میں صبح فکر سے ہٹ چکے تھے اور درحقیقت کئے والے خود صلاں میں جلتا تھے۔

حضرت یعقوب کی بینائی کا لوٹ آنا

یہودا جب حضرت یعقوب کے پاس پہنچا تو اس نے وہ قیس آپ کے چہرے پر ڈال دی اور آپ اسی وقت بینا ہو گئے۔ آپ بہت خوش ہوئے اور آپ کا سارا غم جاتا رہا اور آپ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان

چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف کا خواب سچا ہے اور اس کی تعبیر ضرور پوری ہوگی۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں سے پوچھا: یوسف کس دین پر ہے؟ انہوں نے بتایا: وہ دین اسلام پر ہے، تب حضرت یعقوب نے کہا: اب نعمت پوری ہوگئی!

اپنے مظالم کو دنیا میں معاف کرالینا

حضرت یعقوب کے بیٹوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ انہوں نے مغفرت کا اس لیے سوال کیا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت ظلم کیے تھے اور اپنے باپ کو ان کی بددائی کے رنج و غم میں مبتلا کیا تھا۔

اور جو شخص کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے خواہ اس کی جان میں یا اس کے مال میں وہ ظالم ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مظالم کی عافی کرے، اس کا جو مال چھینا ہے وہ اس کو واپس کرے اور جو اس کو رنج پہنچایا ہے اس کا ازالہ کرے اور دنیا میں اس سے اپنا قصور معاف کرالے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی کی عزت یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کی اس دن آنے سے پہلے عافی کرے جس دن اس کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہو تو اس کے ظلم کے برابر وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ اس کے اوپر لا دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۸۰)

بیٹوں کے لیے استغفار کو موخر کرنے کی وجوہ

یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے لیے دعا کیوں نہیں کی اور اس کو موخر کس وجہ سے کیا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطا اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھائی یعقوب نے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا ان کا مطلب یہ تھا کہ حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۹۵۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں! میرے سینہ سے قرآن نکل جاتا ہے اور میں اس کو یاد رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالحسن! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم کو نفع پہنچائیں اور جن کو تم وہ کلمات سکھاؤ ان کو بھی وہ کلمات نفع پہنچائیں، اور جو کچھ بھی تم یاد کرو وہ تمہارے سینہ میں محفوظ رہے۔ میں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! آپ سکھائیے! آپ نے فرمایا: جب جمعہ کی شب ہو اگر تم سے ہو سکے تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قیام کرو، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔ (یوسف: ۹۸) ان کی مراد یہ تھی کہ حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے، اگر تم سے ہو سکے تو اس رات کے وسط میں قیام کرو اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو

اس رات کے اول میں قیام کرو، اور چار رکعات نماز پڑھو، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ نیشین پڑھو اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ قلم الدخان پڑھو اور تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ الم السجدہ پڑھو اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ سارک الدی پڑھو اور جب ان رکعات سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کرو اور مجھ پر اور بقی انبیاء پر اچھی طرح سے درود شریف پڑھو اور تمام مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کرو اور اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرو پھر آخر میں یہ دعا کرو: اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے بیشک گناہوں سے بچا کر مجھ پر رحم فرما اور فضول کاموں کی مشقت سے بچا کر مجھ پر رحم فرما تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والے! اے جلال! اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک! اے اللہ! اے رحمن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے حفظ کرنے پر میرے دل کو لازم کر دے جیسا کہ تو نے مجھے اس کتاب کی تعلیم دی ہے اور مجھے اس طرح اس کی تلاوت کی توفیق دے جس طرح تو راضی ہو! اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والے! اے جلال! اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک! اے اللہ! اے رحمن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے پڑھنے کے ساتھ میری آنکھوں کو منور کر دے اور اس کی تلاوت سے میری زبان کو رواں کر دے اور اس سے میرے دل میں کشادگی کر دے اور اس سے میرے سینے کو کھول دے اور اس سے میرے بدن کو صاف کر دے، کیونکہ تیرے سوا میری حق پر کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ تیرے سوا کوئی حق کو لا سکتا ہے اور گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کو کرنا اللہ بلند و برتر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے، اے ابوالحسن! تم عین پانچ یا سات جمعہ تک یہ عمل کرنا اللہ کے اذن سے تمہاری دعا قبول ہوگی! اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے یہ دعا کسی مومن سے تہلو نہ نہیں کرے گی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! پانچ یا سات جمعہ گزرے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی ہی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! پہلے میں چار یا پانچ آیتیں یہ مشکل یاد کرتا تھا جب میں ان کو یاد کرتا تو وہ میرے سینے سے نکل جاتی تھیں اور اب میں چالیس یا اس سے زیادہ آیتیں حفظ کر لیتا ہوں اور جب میں ان کو زبانی پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے سامنے کتاب اللہ موجود ہے، اور پہلے میں حدیث سنتا تھا تو میرے سینے سے نکل جاتی تھی اور اب میں احادیث سنتا ہوں اور پھر ان کو بیان کرتا ہوں تو ان سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! اے ابوالحسن! میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

(سنن الترمذی رزقم الحمد: ۳۵۷۰، مطبوعہ دار الجلیل بیروت ۱۹۹۸ء)

(۲) ان سے جلدی دعا کرنے کا وعدہ کر کے ان کو اٹھادیا، عطا فرمائی نے کہا: بوزھوں کی بہ نسبت جوانوں سے حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اور حضرت یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

(۳) سبھی نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کو اس لیے مؤخر کر دیا تھا تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھ لیں، اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو وہ ان کے لیے استغفار کریں گے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! اگر اللہ نے ہمیں معاف کر دیا تو فیماورنہ اس دنیا میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے۔ پھر حضرت یعقوب نے دعا کی اور حضرت یوسف نے آمین کہی، پھر بیس سال تک ان کی دعا قبول نہیں ہوئی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی ہے

اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے، اور اس کے بعد ان سے نبوت کا عہد لیا گیا۔ (صحیح یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نہیں تھے، کیونکہ نئی اعلان نبوت سے پہلے اور بعد تمام صفات اور کبار سے عہد اور سوا محصور ہوتا ہے... سعیدی غفرلہ...) (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے (یوسف: ۹۹)

حضرت یعقوب کا مصر روانہ ہونا اور حضرت یوسف کا استقبال کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

فرقد البسی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت یوسف نے ان سب کو بلایا ہے، پھر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے، جب حضرت یوسف کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور ان کے ساتھ مصر کے تمام سردار اور معزز لوگ تھے۔ جب یعقوب اور حضرت یوسف ایک دوسرے کے قریب پہنچے، اس وقت حضرت یعقوب اپنے بیٹے یوذا کے سہارے چل رہے تھے، جب حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا تو یوذا سے پوچھا: کیا یہ مصر کا بلو شہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں یہ آپ کا بیٹا ہے! جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یعقوب سلام کی ابتداء کرنے کے مستحق ہیں، تب حضرت یعقوب نے کہا تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج و غم کو دور کرنے والے۔

(المجامع لاحکام القرآن رقم الحدیث: ۱۵۱۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ربیع بن انس نے کہا: جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تھے تو ان کے بیٹوں پوتوں اور پر پوتوں کی تعداد (بستر ۷۲) تھی پھر جب ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکل تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، رقم الحدیث: ۱۱۹۸۸)

حضرت یوسف کی ماں کی وفات کے بلوجود ان کے والدین کو تخت پر بٹھانے کی توجیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ راحیل تو بن یامین کی ولادت کے وقت فوت ہو گئی تھیں، اس سوال کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) امام ابن جریر نے کہا اس سے مراد ان کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۱۵۳)

امام ابن ابی حاتم نے بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ بن یامین کی ولادت کے وقت فوت ہو گئی تھیں اس لیے اس آیت میں ماں باپ سے مراد حضرت یوسف کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔ (قلوہ نے کہا حضرت یعقوب حضرت یوسف کی خالہ سے نکاح کر چکے تھے)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۱۲۹)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۳۹۸ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ حضرت یوسف کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر حقیقی طور پر واقع ہو۔

قرآن مجید کی ظاہر آیت کے زیادہ موافق یہ ہے کہ حضرت یوسف کی ماں اور ان کے باپ دونوں نے سجدہ کیا۔

ہم اس سے پہلے سورہ بقرہ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بھی زندہ کر دیا تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۹۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے پر علامہ قرطبی کے دلائل علامہ قرطبی نے سورہ البقرہ کی تفسیر میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

ہم نے اپنی کتاب ”اتذکرہ“ میں یہ لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کے مہلک باپ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے، ہم نے اس کو اپنی کتاب ”اتذکرہ“ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے ”اتذکرہ“ میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

امام ابو بکر احمد بن علی الخلیب نے اپنی کتاب السابق واللاحق میں اور امام ابو حنیفہ عمر بن شاپین متوفی ۳۸۵ھ نے المنائح والخصوخ میں دونوں نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت البقیع میں حج کیا آپ مجھ کو ساتھ لے کر جنت البقیع کے پاس سے گزرے، اس وقت آپ غم زدہ تھے اور رو رہے تھے، آپ کو روٹا ہوا دیکھ کر میں بھی روئے گی۔ میں نے عرض کیا: آپ پر میرے مہلک باپ نذاہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اے میرا غمخوار! میں نے اونٹ کے پیلو سے ٹھک ٹھک، آپ کلن دیر تک کھڑے رہے، پھر آپ میری طرف آئے اور آپ خوشی سے مسکرا رہے تھے، میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے مہلک باپ نذاہوں! آپ میرے پاس آئے اس وقت آپ فکین تھے اور رو رہے تھے، یا رسول اللہ! میں بھی آپ کو روٹا دیکھ کر روئے گی، پھر آپ میرے پاس آئے اس وقت آپ خوشی سے مسکرا رہے تھے، یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اپنی ماں حضرت آمنہ کی قبر کے پاس سے گزرا، میں نے اپنے رب اللہ سے سوال کیا کہ اس کو زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا پھر وہ مجھ پر ایمان لے آئی یا فرمایا: پھر وہ ایمان لے آئی پھر اللہ نے اس کو اسی طرح لوٹا دیا۔ (المنائح والخصوخ ص ۲۸۳ رقم الحديث: ۳۳۰ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ) یہ خطیب کی روایت کے الفاظ ہیں اور امام سبکی نے الروض المائف میں ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مہلک اور باپ دونوں کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (علامہ عبدالرحمن سبکی متوفی ۵۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے (اکرام کے) لیے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ آپ پر ایمان لائے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے فضل سے آپ کو خصوصیت عطا فرمائے اور آپ کی کرامت کی وجہ سے جو چاہے آپ پر انعام فرمائے، صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (الروض المائف ج ۷ ص ۳۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو آپ کو اجازت دی گئی اور آپ نے ان کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ کو استغفار کی اجازت نہیں دی گئی۔ (صحیح مسلم، البیہا جز ۲، رقم الحديث: ۵۷۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۵۷۵۷ سنن احمد ج ۲ ص ۳۳۶) تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد للہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ استغفار سے ممانعت پہلے کا واقعہ ہے اور والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے،

امام ابن شاہین نے النسخ والنسخہ میں اسی طرح تحقیق کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخ میں۔ جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔

اس حدیث میں باپ کو آپ کے چچا ابو طالب ہیں (صحیح مسلم الایمان: ۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۳، مسند احمد ج ۳، ص ۱۱۹) ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ موضوع ہے اور وہ قرآن مجید اور اجماع کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَبَّسْتَ الثَّوْبَ لِثَدْيٍ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ
حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ
الْآنَ وَلَا الْيَوْمَ يَعْمَلُونَ وَهُمْ كَفَّارًا أُولَٰئِكَ
أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (النساء: ۱۸)

اور ان لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے
رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آئے اور
وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان کی (توبہ مقبول) ہے جو
کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔

پس جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا اس کو حشر میں ایمان نفع نہیں دے گا بلکہ عذاب کے مشابہہ کے وقت بھی اس کو ایمان نفع نہیں دے گا تو دوبارہ زندہ کرنے پر ایمان کیسے نفع دے گا!

حافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تسلسل اور تواتر سے آپ کی وفات تک ثابت ہوتے رہے ہیں تو آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ پر ایمان لانا بھی آپ کے اکرام اور آپ کے فضائل کے قبیل سے ہے اور آپ کے والدین کریمین کا زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً محال نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ بنو اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا اور جب ان کا زندہ ہونا محال نہیں ہے تو زندہ ہو کر آپ پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے؟ اور سورہ نساء کی آیت ۱۸ سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ جو کفر پر مرے اس کو ایمان نفع نہیں دیتا اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا ثابت ہے، اس کو امام ابو جعفر طوسی نے ذکر کیا ہے، تو اگر سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا مانع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سورج کو نہ لوٹاتا، اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے کے لیے نفع بخش نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو زندہ نہ فرماتا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ لیے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول کر لیا، اور ظاہر قرآن میں بھی اسی طرح ہے، اور جس طرح قرآن مجید میں ہے:

لَا يَخْفَعُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ (البقرہ: ۱۷)

کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی تو اس آیت کے عموم میں تخصیص کی گئی ہے، اسی طرح مذکورہ صدر دلائل کی بناء پر آیت ۱۸ میں بھی تخصیص کی جائے گی، اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا پہلے کا واقعہ ہے اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

(اللہ کریم ج ۱، ص ۳۵-۳۶، مطبوعہ دار البیاری المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان نے اپنے ماں باپ کو بلند تخت پر بٹھایا، اور وہ سب یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے، اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا، اور

ہے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی، اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو عداوت پیدا کر دیا تھا اس کے بعد آپ سب کو گھوڑوں سے لے آیا، بے شک میرا رب جو چاہتا ہے وہ حسین تدبیر سے کرتا ہے، بے شک وہ بے حد علم والا بہت حکمت والا ہے۔ (یوسف: ۱۰۰)

حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی مدت میں متعدد اقوال

دوب بن منبہ نے بیان کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سترہ سال کی عمر میں کنوئیں میں ڈالا گیا تھا اور وہ اپنے باپ سے اتنی (۸۰) سال غائب رہے اور اپنے باپ سے ملاقات کے بعد تیس (۲۳) سال مزید زندہ رہے اور عزیز مصر کی بیوی کے بطن سے حضرت یوسف کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ افراتیم اور فٹا اور رحمت نام کی ایک بیٹی تھی جو حضرت ایوب کی بیوی بنی اور حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی، ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے درمیان تینتیس (۳۳) سال جدائی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملا دیا۔ امام ابن اثیر نے کہا: اٹھارہ سال جدائی رہی، ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوسف کے خواب اور اس کی تعبیر پوری ہونے کے درمیان جو مدت گزری ہے امام ابن جوزی نے اس کے متعلق سات قول ذکر کیے ہیں: ۴۰ سال، ۲۳ سال، ۸۰ سال، ۳۶ سال، ۳۵ سال، ۷۰ سال، ۱۸ سال۔

(ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۹۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یہ تمام اقوال ظنی ہیں اور کسی قول کی بنیاد کوئی قطعی اور یقینی دلیل نہیں ہے۔

حضرت یوسف کے لیے حضرت یعقوب کے سجدہ کی توجیہات

اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف کے مل باپ حضرت یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنا متعدد وجوہ سے موجب اشکال ہے:

- (۱) حضرت یعقوب اکابر انبیاء سے ہیں اور حضرت یوسف ہر چند کہ نبی تھے لیکن حضرت یعقوب بلند مرتبہ کے تھے۔
 - (۲) حضرت یعقوب باپ تھے اور حضرت یوسف بیٹے تھے اور اولاد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مل باپ کے سامنے جھکی رہے:
- وَاحْبِسْ لَهَا حَنَاحَ التَّلِي مِنَ الرَّحْمَةِ
اور نرم دلی کے ساتھ ان کے لیے عاجزی سے جھکنے رہنا۔
(نہی اسرائیل: ۲۴)

دو میں صورت مل باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا عجیب و غریب ہے۔

- (۳) حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کی بہ نسبت بہت عبادت گزار تھے اور ان سے بہت افضل تھے اور افضل کا مفعول کو سجدہ کرنا بہت عجیب ہے۔

اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

- (۱) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان سب نے یوسف کی وجہ سے اللہ کو سجدہ کیا اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ پھر خواب کیسے سچ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب بھی یہی تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند نے میری وجہ سے اللہ کو سجدہ کیا۔
- (۲) حضرت یوسف بنزل کعبہ تھے اور سجدہ اللہ کو تھا۔

- (۳) ہر چند کہ حضرت یعقوب ہر لحاظ سے حضرت یوسف سے افضل تھے لیکن انہوں نے اس لیے حضرت یوسف کو سجدہ کیا تاکہ ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سلسلے سجدہ کرنے میں عار محسوس نہ ہو جیسے ادارہ کا سربراہ کسی شخص کی تعظیم کرے

تو ادارہ کے ہائی اراکین بھی اس کی تعظیم بجالانے میں ہار محسوس نہیں کرتے۔

(۳) ہرچند کہ قیاس اور عقل کا یہی تقاضا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت یوسف کو سجدہ نہ کرتے لیکن بعض احکام تعبدی ہوتے ہیں، ان میں عقل کا دخل نہیں ہوتا جیسے تقیم وضو کا قائم مقام ہے جب کہ وضو سے منہ صاف ہوتا ہے اور تقیم میں خاک آلود ہاتھ منہ پر ملے جاتے ہیں، نیز اس میں یہ دکھانا ہے کہ نبی میں تقسائیت بالکل نہیں ہوتی، اللہ ہاپ کو حکم دیتا ہے کہ بیٹے کو سجدہ کرے اور ہاپ طمانیت قلب کے ساتھ بیٹے کے لیے سجدہ کرتا ہے اور اس کے دل میں بیٹے کے خلاف کوئی میل نہیں آتا۔ سو ایسے عقیم بندے کی بندگی پر سلام ہو! سلام ہو حضرت یعقوب پر!!

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیم کا حرام ہونا

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیم حرام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ دوسرے کے لیے سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۰ کشف الاستار رقم الحدیث: ۳۲۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۳۳ المستدرک ج ۴ ص ۱۷۱-۱۷۲ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۹ مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸ کمال ابن ہدی ج ۴ ص ۳۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۵۵ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸-۳۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۷۷۳)

قیام تعظیم کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس کو پسند کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۷۸۳) مشکبرین اور جبارہ کی مخالفت اور اپنے رب کے سامنے تواضع کو پسند کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو پسند کرتے اور سلامی کے ساتھ بے تکلف ماحول میں رہتے تھے۔

ابو جلا بیان کرتے ہیں کہ حضرت معلویہ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ابن الصغوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت معلویہ نے کہا تم دونوں بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص اس سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۶ مسند احمد ج ۴ ص ۳۹ المعجم الکبیر ج ۴ رقم الحدیث: ۸۸۴ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳۰)

حضرت ابوالامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا سے نکب لگا کر کھڑے ہوئے تھے، تو ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں کی طرح نہ کھڑے ہو، وہ بعض، بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۶ مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۳) قیام تعظیم میں مذہب فقہاء

علامہ ابوسلمان خطیب شافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا ریمین فاضل کے لیے اور حاکم عادل کے لیے کھڑے ہونا اور شاگرد کا استاذ کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے

مکروہ نہیں ہے، اور جس شخص کی صفات ان کے خلاف ہوں ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے لیے کھڑے ہونے کا حکم دے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ عالم کے لیے کھڑے ہونا اور نیک لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا منع نہیں ہے اور جس حدیث میں آپ نے فرمایا: جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے، اس کا محمل یہ ہے کہ وہ بیخدا رہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۸، ص ۸۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم و تحکیم کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اس شخص کیلئے کھڑا ہونا مستحب ہے جس میں علم، نیکی، شرف، اقتدار اور حکومت کی کوئی فضیلت ہو یا وہ رشتہ دار ہو یا عمر میں بڑا ہو، اور اس کیلئے کھڑا ہونا نیکی اور احترام اور اکرام کی وجہ سے ہونہ کہ ریاکاری یا اس کے تکبر کی وجہ سے ہو، اور ہم نے جس نظریہ کو اختیار کیا ہے یہی سلف اور خلف کا معمول ہے۔

(الاذکار ج ۱، ص ۳۰۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۷۱۸ھ لکھتے ہیں:

مصر اور عجم میں یہ عادت ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی تعظیم کے لیے نہ کھڑا ہو تو وہ اپنے دل میں غلی محسوس کرتا ہے اور یہ ممکن کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کے نزدیک اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، اسی طرح جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے فخر ہوتے ہیں اور جھکتے ہیں اور یہ عادت مستمر ہے بلکہ ان کے آباء و اجداد سے یہ رسم چلی آرہی ہے، خصوصاً جب وہ حکام اور مہل داروں سے ملتے ہیں تو فخر ہو کر ملتے ہیں (اسی طرح علماء اور مشائخ سے) اور انہوں نے اس معاملہ میں احادیث اور سنن سے بالکل اعراض کر لیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے، کیا وہ اس کے لیے جھک جلیا کرے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا وہ اس سے محافطہ کرے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے کہا: کیا وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۷۸۸، مسند احمد ج ۳، ص ۳۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۷۷۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:

۴۳۲۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱، ص ۱۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے لیے فرمایا:

قوموا الی سیدکم و خیرکم۔ اپنے سردار اور نیک آدمی کی طرف کھڑے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

ہم کہتے ہیں یہ حدیث صرف حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے اور دو سراجواب یہ ہے حضرت سعد بن معاذ بیمار تھے اور دراز گوش پر سوار ہو کر آرہے تھے اور آپ نے لوگوں سے کہا ان کو دراز گوش سے اتارنے کے لیے کھڑے ہوں اور کسی بڑے آدمی کی تعظیم کے لیے اس وقت کھڑے ہونا جائز ہے جب وہ اپنی تعظیم سے خوش نہ ہو، اگر وہ اپنی تعظیم سے خوش ہو تو پھر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کے لیے حدیث میں دوزخ کے عذاب

کی وعید ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۷: ۹۷ ص ۴۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شاہی حنفی متوفی ۱۲۵۴ھ لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ قبل میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور کوئی شخص آجائے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ مشکل الآثار میں مذکور ہے دوسرے کے لیے کھڑے ہونا بیہودہ مکروہ نہیں ہے جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس کے لیے لوگ کھڑے ہوں اس کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے اور جس کے لیے قیام نہیں کیا جاتا اگر اس کے لیے قیام کیا جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ ابن وہبان نے کہا ہمارے زمانہ میں مناسب یہ ہے کہ یہ فتویٰ دیا جائے کہ جس شخص کے متعلق یہ علم ہو کہ اگر اس کے لیے قیام نہ کیا جائے تو وہ کینہ، بغض اور عداوت رکھے کا خصوصاً جس جگہ کسی شخص کے لیے کھڑے ہونے کا معمول ہو اس شخص کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے اور جن احادیث میں قیام پر مذاب کی وعید ہے وہ ایسے قیام کے متعلق ہے جیسا ترکوں میں اور غمیوں میں رواج تھا (یعنی ایک سردار بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے صف بہ صف کھڑے ہوں) میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علیہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ شیخ حکیم ابو القاسم کے پاس کوئی دولت مند آتا تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور فقراء اور طلبہ کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا دولت مند مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے، اگر میں اس کے لیے نہیں کھڑا ہوں گا تو وہ مجھ سے بغض رکھے گا اور فقراء اور طلبہ صرف سلام کے جواب کی توقع رکھتے ہیں اور اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ میں ان سے بھی باتیں کروں۔ (رد المحتار ج ۵، ص ۴۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی شخص کو عداوت، خصائل اور شائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں دیکھا جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی مجلس میں بٹھاتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۵۳ المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم

الحدیث: ۶۶۳۸ سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۱۱۱)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرے میں تھے۔ انہوں نے آکر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ پشت تہ بند تھینچے ہوئے اس کے (استقبال کے) لیے کھڑے ہوئے اور میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ پشت نہیں دیکھا (حضرت ام المومنین کا مطلب ہے کہ انہوں نے کسی اور کے لیے آپ کو برہنہ پشت استقبال کرتے ہوئے نہیں دیکھا) پھر آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو گلے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۲ کتاب الصغاء للتحقیق ج ۴، ص ۴۲۸)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن وہ مکہ سے بھاگ گئے تھے حتیٰ کہ ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو مامون قرار دے دیا، وہ یمن جا کر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کے اکرام کے لیے

کھڑے ہو گئے اور ان کو گلے لگایا اور فرمایا: ہجرت کرنے والے سوار کو خوش آمدید ہو۔

(۱) معلم الکبیر ج ۶ ص ۳۷۳ رقم الحدیث ۹۰۳۳ حافظ البیہقی نے کہا اس کی سند منقطع ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۸۵ اسد الغابہ ج ۳ ص ۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت یوسف نے کہا) اے میرے رب تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتدا پیدا کرنے والے! تویی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا (یوسف: ۱۰۱) دعائیں سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال رہے، پھر ان کی وفات ہو گئی، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو شام میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت یوسف ان کی میت کو لے کر خود شام گئے، پھر مصر لوٹ آئے اور اس کے بعد تیس سال تک زندہ رہے، پھر جب انہوں نے جان لیا کہ انہوں نے ہمیشہ نہیں رہنا اور ہر حال اللہ تعالیٰ کے پاس جلتا ہے تو انہوں نے یہ دعا کی۔

(قرآن، القرآن درغائب الفرقان ج ۳ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے پہلے اس کی حمد و ثنا کرنی چاہیے اور اس کی نعمتوں کا بیان کرنا چاہیے اس کے بعد اپنا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی طرح دعا کی تھی:

اَلَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِيْٓ ^۱ وَالَّذِي هُوَ ^۲
بَطْنُ مِصْرَٖ ^۳ وَيَسُوْفِيْ ^۴ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ ^۵
بَشْرِيْ ^۶ وَالَّذِي يُمِيتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِيْ ^۷
وَالَّذِي اَطْمَعُ اَنْ تَقُوْرَ لِيْ حَبِيْثَتِيْ يَوْمَ ^۸
الْكِيْسِ ^۹ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّالْحَقِيْنِيْ ^{۱۰}
بِالصُّلٰحِيْنَ ^{۱۱} وَاَعْمَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ ^{۱۲}
اَلَا يَجِرُ ^{۱۳} وَاَجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ السَّعِيْدِ ^{۱۴}
وَاَعُوْزْ بِاِيِّ رَٔئِهٖ كَارٍ ^{۱۵} مِنَ الصَّٰلِحِيْنَ ^{۱۶} وَلَا ^{۱۷}
تُخَيِّرْنِيْ يَوْمَ يُسْعٰوْرُوْنَ ^{۱۸} يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا ^{۱۹}
بَنُوْنَ ^{۲۰} (الشعراء: ۸۸-۷۸)

جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے وقت دے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) غنائیں صاف فرما دے گا اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ واصل کر دے اور میرے بعد آنے والی نسلوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے اور میرے (عربی) باپ کی مغفرت فرما بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور مجھے حشر کے دن شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح دعائیں کی ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے، میں یہاں صرف ایک مثل پیش کر رہا ہوں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو اٹھے تو یہ کہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک ہے، اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہی ہر چیز پر قادر

ہے۔ الحمد للہ، سبحان اللہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور گناہوں سے باز آنا اور حبوت کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں، اس کے بعد یہ کہے: اے اللہ! مجھے بخش دے یا جو بھی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی، پھر اگر اس نے وضو کیا تو اس کی نماز قبول ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۴۹، دار الرق، موت کی دعا کرنے کے متعلق امام رازی کا نظریہ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کی اور انہوں نے قلدہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے رب سے نکلنے کی دعا کی اور ان سے پہلے کسی نبی نے موت کی دعا نہیں کی، اور اکثر مفسرین کا یہی عقار ہے، پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ہر صاحب عقل زندگی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دے گا کیونکہ دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں، دنیا کی بڑی لذتیں کھانے، جملع کرنے اور حکومت اور اقتدار میں ہیں۔ کھانے کی لذت بہت عارضی ہے بس جتنی دیر انسان لقمہ چباتا ہے، حلق سے لقمہ نکلنے کے بعد کوئی لذت باقی نہیں رہتی، اور لذت جملع بھی بہت عارضی ہے اور اس کے نتیجہ میں ہل بچوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں انسان تاحیات مشقت میں مبتلا رہتا ہے اور حکومت اور اقتدار کی لذت کے ساتھ ان گنت مسائل، پریشانیاں اور خطرات ہیں اور جب صاحب عقل ان محالوں پر غور کرے گا تو وہ یہی تمنا کرے گا کہ حیات جسمانیہ زائل ہو جائے۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرا بھی یہی حال ہے، میں جسمانی لذات کے محتاج سے واقف ہوں اور میں چاہوں تو ان کے عیوب بیان کرنے میں بڑی ضخیم کتابیں لکھ سکتا ہوں اور اب اکثر اوقات میں، میں حضرت یوسف کی، کی ہوئی دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے دنیا سے مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔ (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۵۱-۵۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

موت کی دعا کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں امام رازی کے علوم و معارف اور ان کی نکتہ آفرینیوں کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچا، میں ان کی تحقیقات اور تحقیقات سے استفادہ کرتا ہوں، ان کے دسترخوان علم کا ایک ادنیٰ ریزہ خوار ہوں اور ان کا روحانی شاگرد ہونا اپنے لیے باعث فخر گردانتا ہوں، اس کے باوجود ہمد ادب مجھے امام رازی کی اس تحقیق سے اختلاف ہے، میرے نزدیک موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا نہیں کی تھی اور نہ اس کی دعا کی تھی بلکہ ان کی دعا یہ تھی کہ اے اللہ! جب تو میری روح کو قبض فرمائے تو حالت اسلام پر میری روح کو قبض فرما، اس میں مرنے کی دعا نہیں ہے بلکہ تاحیات اسلام پر جینے کی دعا ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ! مجھ سے اسلام کو سلب نہ کرنا حتیٰ کہ تو مجھے موت عطا کرے، اور ابن عقیل کہتے تھے کہ حضرت یوسف نے موت کی تمنا نہیں کی تھی، انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ان کی موت صفت اسلام پر آئے اور اس دعا کا معنی یہ ہے کہ جب تو مجھے موت عطا فرمائے تو حالت اسلام پر موت عطا فرماتا۔ (ازاد المسیر ج ۳، ص ۳۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے

لے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۸ سنن ابویزید رقم الحدیث: ۱۷۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۷۵ مسند احمد ج ۳ ص ۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنائے کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے، جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن میں صرف نیکیوں کو زیادہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنائے کرے، اگر وہ نیک شخص ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۳۵، سنن انسائی رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تو خود اکابر انبیاء میں سے ہیں اور صالحین کا اطلاق تو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ان سے کم مرتبہ کے لوگوں پر بھی ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ صالحین سے حضرت یوسف کی مراد ہے ان کے آباء کرام، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین

امام عبدالرحمن بن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۵۹ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یسوزا کو وصیت کی اور فوت ہو گئے، ان کی تدفین میں لوگوں نے نزاع کیا۔ حضرت یوسف کی برکت کے حصول کے لیے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف کو دفن کیا جائے، پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تاکہ ان پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے، پھر انہوں نے لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت یوسف کو دفن کر دیا، پھر حضرت یوسف کا صندوق وہیں رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روانہ ہوئے تو وہ اپنے ساتھ اس صندوق کو لے گئے اور اس صندوق کو کنعان کی سرزمین میں دفن کر دیا۔ حسن بصری نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام جب فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۹۲، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۵۱ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو ان کی عمر ۷۷ سال تھی اور وہ ۸۰ سال اپنے باپ سے غائب رہے اور حضرت یعقوب سے ملاقات کے بعد ۲۳ سال زندہ رہے اور ۳۰ سال کی عمر میں وفات پائی، ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس کے بعد امام بغوی نے امام ابن جوزی کی طرح تدفین کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۲، ص ۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف کا تابوت نکالنا

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا

کر کھڑا اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لیے زادِ راہ ہے، اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دے اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا، لیکن انہوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کھل دینا ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتا تھا اس کا نام شامح بنت شیر بن یعقوب تھا اس نے حضرت موسیٰ سے کہا میں ایک شرط پر تم کو اس کا پتا بتاؤں گی۔ اس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: منظور ہے۔ اس نے کہا دوسری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ نے مان لیا۔ پھر اس بوڑھی نے اس صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب ۵۴ سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت ۳۲ سال کی ہو جاتی، اس نے ۱۶۰۰ یا ۱۳۰۰ سال کی عمر پائی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۲۰۵ رقم الحدیث ۳۰۹۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۷۱۱ھ نے بھی اس حدیث کو امام ابن اسحاق اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الذرائع المستوری ج ۳، ص ۵۵۳-۵۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۳۳ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا

امام حافظ احمد بن علی تمیمی متوفی ۷۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا، آپ نے اس کی عزت افزائی کی اور فرمایا: ہمارے پاس آؤ، وہ آیا آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے کہا: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہیے اور بکریاں چاہئیں جن کا ہم دودھ دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کے ظہان نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی ہمارے آباء و اجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی فحش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟ انہوں نے کہا بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی، حضرت موسیٰ نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کی قبر بتاؤ۔ اس نے کہا اس وقت تک اس کا پتا نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔ آپ نے پوچھا تمہاری کیا درخواست ہے؟ اس نے کہا میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، حضرت موسیٰ کو یہ ماننا ناگوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ اس کی درخواست منظور کر لیں! تو وہ آپ کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی حفر ہو چکا تھا اس نے کہا میں سے پانی نکلا، انہوں نے وہاں سے پانی نکلا۔ اس نے کہا میں کھدائی کرو، کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی فحش برآمد کی، جب انہوں نے حضرت یوسف کی فحش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روزِ روشن کی طرح مل گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۳، ص ۲۳۶-۲۳۷ رقم الحدیث ۵۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حافظ نور الدین البیہقی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ سند ابویعلیٰ کی حدیث کے راوی صحیح ہیں اور اسی وجہ سے میں نے اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۰-۱۷۱ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ، موارد الملتقى ج ۲ رقم الحدیث: ۴۳۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الرسالہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۷۱-۵۷۲ علامہ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے: المطالب العلیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

امام ابو حاتم محمد بن حبلن متوفی ۳۵۳ھ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۰۱-۵۰۰ رقم الحدیث: ۱۷۲۳)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو متحد دائرہ حدیث کے حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (الدرا المنثور ج ۹ ص ۳۰۳-۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابو بکر محمد بن جعفر الخزاز علی المتوفی ۳۷۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا، اگر آپ کا ارادہ اسے کرنے کا ہو تا تو فرماتے ہیں! اور اگر آپ کا ارادہ نہ کرنے کا ہو تا تو آپ خاموش رہتے، اور آپ کسی کام کے متعلق "نہ" نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا آپ خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا آپ خاموش رہے، پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے اسے گویا جھڑکنے کے انداز میں فرمایا: اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا۔ اس نے کہا میں آپ سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گی، پھر فرمایا: سوال کرو، اس نے کہا: میں اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا، پھر فرمایا: سوال کرو، اس نے کہا: میں آپ سے سفر خرچ کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا۔ حضرت علی نے کہا: ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو، پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر جانے کا حکم ہوا تو آپ کے پاس سواری کے لیے جانور لائے گئے، وہ جانور سمندر کے کنارے تک پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود پلٹ آئے، حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! یہ کیا ماجرا ہے؟ حکم ہوا کہ تم یوسف کی قبر کے پاس ہو، اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ کو پتا نہیں تھا کہ وہ قبر کھلی ہے؟ پھر حضرت موسیٰ نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی کو پتا ہے، وہ قبر کھلی ہے؟ لوگوں نے کہا: اگر کھلی جانتے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے، اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کھلی ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا کو بلایا، جب وہ پہنچ گئی تو حضرت موسیٰ نے کہا: کیا تم کو حضرت یوسف کی قبر کا علم ہے؟ اس نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! جب تک تم میرا سوال پورا نہیں کرو گے! حضرت موسیٰ نے کہا: بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟ اس بڑھیا نے کہا: میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں تم رہو گے، اسی درجہ میں میں رہوں! حضرت موسیٰ نے کہا: صرف جنت کا سوال کرو۔ اس نے کہا:

نہیں! اللہ کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں! حضرت موسیٰ اس کو ملتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس کو وہ درجہ دے دو، اس سے تم کو کوئی کمی نہیں ہوگی! حضرت موسیٰ نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا، اس نے قبر تعالیٰ اور وہ حضرت یوسف کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔ (مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۳۶۶، رقم الحدیث: ۶۶۹، مطبوعہ مطبع المدنی مصر ۱۳۱۸ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸ ص ۳۷۷-۳۷۶، رقم الحدیث: ۷۷۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۳۱۵ھ)

حافظ البیہقی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۷) امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۹ ص ۵۲۱، رقم الحدیث: ۳۲۳۳، مطبوعہ مکتبۃ الرشد بیروت)

ان حدیثوں کے اہم اور نمایاں فوائد میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس شخص کو جو چاہیں عطا کر دیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: مانگ اے اعرابی جو چاہتا ہے، اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا سوال کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ تم میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا میں کتنا فرق ہے! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی اس بیرون کو جنت میں اپنا درجہ عطا فرمادیں، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف جنت عطا کرنے کی نسبت فرمائی اور یہ کہ صحابہ کرام کا یہ اعتقاد تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت تک عطا کرنے کا اختیار تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کی اس بیرون کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اپنا درجہ بھی عطا فرما سکتے ہیں، اور یہ کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں خواہ جنت ہو، ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا شرک نہیں ہے، ان حدیثوں میں قبر سے نعش نکال کر دو سری جگہ دفن کرنے کا بھی ذکر ہے، سواب ہم اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔

دفن سے پہلے اور دفن کے بعد میت کو دو سری جگہ منتقل کرنے کی تحقیق

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میری بھوپھی میرے والد کی نعش لے کر آئیں تاکہ وہ ان کو ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منادی نے ندا کی کہ شہداء کو ان کی قتل گاہوں میں ہی لوٹا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن البیہقی رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۷۷)

۳۵، مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۷۷)

طاعی بن سلطان محمد انصاری المتوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی ہے شہداء کو ان کے قتل سے منتقل نہ کرو، بلکہ ان کو وہیں دفن کر دو جہاں ان کو قتل کیا گیا تھا، اسی طرح جو آدمی کسی جگہ طبی موت مر جائے اس کو دو سرے شہر نہ منتقل کیا جائے۔ لازماً حار میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر وجوب کے لیے ہے، کیونکہ جب میت کو ایک جگہ سے دو سری جگہ منتقل کیا جائے گا تو غالب یہ ہے کہ اس کا جسم متغیر ہو چکا ہوگا البتہ اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر میت کو منتقل کرنا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے: امام مالک روایت کرتے ہیں: حضرت عمرو بن الحمزہ انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا، ان کی قبریں سیلاب کے قریب تھیں، یہ دونوں ایک قبر میں دفن تھے، یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے، جب ان کے جسموں کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، یوں

لگتا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا، اس کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹا کر جب چھوڑا گیا تو وہ پھر اپنے زخم پر آگیا۔ جنگ احد اور قبر کھودنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۰۴۳، الجملہ: ۵۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ مکتب)

امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد قبر کو کھودنا جائز ہے، خواہ مدت کم گزری ہو یا زیادہ، ماسوا عذر کے، اور التجنيس میں مرقوم ہے کہ عذر یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کو نصب شدہ زمین میں دفن کر دیا گیا ہو یا اس زمین پر کسی نے شفعہ کر دیا ہو، یہی وجہ ہے کہ بکثرت صحابہ کو ارض حرب (دشمن اسلام کی زمین) میں دفن کر دیا گیا پھر ان کو ان کے وطنوں میں نہیں لوٹایا گیا یہ اسی طرح اگر کسی شخص کا قیمتی کپڑا اس کی رقم اور کوئی قیمتی چیز قبر میں گر گئی تو اس کو نکالنے کے لیے قبر کو کھودنا جائز ہے، اور تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا بیٹا اس کی غیر موجودگی میں کسی اور شہر میں دفن کر دیا گیا اور وہ اس کے فراق پر صبر نہیں کر سکتی تب بھی اس کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اس کو اپنے شہر میں خنقل کر کے دفن کر دے اور اگر کوئی شخص بغیر غسل کے یا بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو اس فرض کی تکلیف کے لیے بھی اس کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے، ہاں دفن سے پہلے اس کو ایک یا دو میل کے فاصلہ تک خنقل کرنا جائز ہے، کیونکہ اتنا فاصلہ تو قبرستان تک بھی ہوتا ہے۔ (یہ ملا علی قاری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہا اب ایک شہر میں کسی قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز ہے) امام سرخسی نے کہا ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر خنقل کرنا مکروہ ہے، اور مستحب یہ ہے کہ ہر شخص کو اسی قبرستان میں دفن کیا جائے، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر شام میں فوت ہوئے تھے پھر ان کی میت کو مدینہ لایا گیا تو حضرت عائشہ نے اپنے بھائی کی زیارت کرنے ہوئے فرمایا: اگر تمہارا معاملہ میرے سپرد ہوتا تو میں تم کو وہیں دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی، پھر التجنيس میں مذکور ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر خنقل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے تھے اور ان کی میت شام خنقل کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بہت عرصہ کے بعد مصر سے شام خنقل کیا تاکہ ان کی قبر ان کے آباء کرام کے ساتھ ہو، التجنيس کی عبارت ختم ہوئی۔ ملا علی قاری اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ بات کسی سے خفی نہیں ہے کہ یہ ہم سے پہلے کی شریعت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف، ہم پر حجت نہیں ہے، اور شریعت سابقہ اس وقت حجت ہوتی ہے جب اس کے خلاف قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ شہداء کو وہیں دفن کرو جہاں وہ قتل ہوئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کو کسی عذر کی وجہ سے شام خنقل کیا گیا ہو، اور صاحب التجنيس نے گناہ کی نفی کی ہے کراہت کی نفی نہیں کی اور اس مسئلہ میں میت کو خنقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور وہ خلاف اولیٰ ہے اور اگر کوئی عذر ہو تو پھر خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ (صحیح یہ ہے کہ بلا عذر میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا مکروہ تحریمی ہے) صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ دفن سے پہلے اگر میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کسی فائدہ کی وجہ سے خنقل کر دیا جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے مثلاً حرم شریف کے قریب کی وجہ سے خنقل کیا جائے، یا کسی نئی یا ولی کے قریب کی وجہ سے خنقل کیا جائے یا اس لیے کہ اس کے رشتہ داروں کو اس قبر کی زیارت میں سہولت ہو۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۷۳-۷۲، مطبوعہ مکتبہ اداویہ مکتب، ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ دفن سے پہلے میت کو ایک شہر سے کسی دوسرے شہر میں کسی فائدہ اور مصلحت کی بنا پر خنقل کرنا بلا کراہت جائز ہے اور بے فائدہ اور بغیر کسی مصلحت کے میت کو خنقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور دفن کے بعد کسی عذر کی بنا پر دوسری جگہ میت کو خنقل کرنا بھی جائز ہے اور بغیر کسی ضرورت یا عذر کے دفن کے بعد میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن

کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قاضی خان متوفی ۷۲۹ھ نے لکھا ہے کہ بغیر عذر کے قبر کھود کر میت کو نخل کرنا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم السنہ ج ۱ ص ۱۹۵ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸۰-۸۸۱ میں بھی ہم نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں، اور جب برادران یوسف اپنی سازش پر شفق ہو رہے تھے اور اپنی سازش پر عمل کر رہے تھے تو اس وقت آپ ان کے پاس موجود تھے (یوسف: ۱۰۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس مفصل واقعہ کی خبر غیب کی خبر ہے، اس لیے یہ آپ کی نبوت کا مجزہ ہے اور آپ کی صداقت کی دلیل ہے، اور اہل مکہ کو علم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور نہ کسی عالم کی شاگردی اختیار کی ہے نہ اہل علم کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور نہ مکہ علماء کا شرف تھا اس کے باوجود آپ کا حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ کو بغیر کسی غلطی اور تحریف کے اور کسی سے پڑھے اور سنے بغیر بیان کر دینا آپ کا مجزہ ہے اور اس پر دلیل ہے کہ آپ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے خلاف سازشیں کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ نہ تھے، پھر آپ نے ان تمام واقعات کو کیسے جان لیا! اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر آپ کو ان واقعات کا علم نہیں ہو سکتا تھا پس ثابت ہوا کہ آپ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور یہی آپ کی نبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ حوالہ ستانی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں (اور آپ ان سے اس تبلیغ دین) پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتے، یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے (یوسف: ۱۲۳-۱۲۴)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گولی دینا

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

قریش اور یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ دریافت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تفصیل سے یہ واقعات بیان فرمائے، آپ کو امید تھی کہ سورہ یوسف کو سن کر یہ لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن آپ کی یہ امید پوری نہ ہوئی اور آپ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا رنج زائل کرنے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (ازاد المسیر ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

اس دوسری آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں توحید، رسالت، مبدء اور معلو کے دلائل ہیں اور نیک کاموں کی نصیحت ہے۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کے مضامین پر مشتمل ہے، آپ کا منصب دولت کمالا نہیں ہے اور نہ آپ نے اس کی کبھی خواہش کی ہے، آپ کی کوشش تو صرف یہ ہے کہ لوگ ہدایت پر آجائیں اور وہ آخری صلح کو حاصل کر لیں۔

وَكَايْنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ

آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن سے لوگ منہ پھیرتے

عَنْهَا مُعْرَضُونَ ﴿۱۵﴾ وَمَا يُوْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهْمٌ

ہم سے گزر جاتے ہیں ○ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لائے کے باوجود بھی شرک

مُشْرِكُونَ ﴿۱۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ

ہی کرتے ہیں ○ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کا

اللّٰهُ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۷﴾ قُلْ

مکمل احاطہ کر لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو ○ آپ کہیے

هٰذِهِ سَبِيلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ قَدْ عَلِيَ بِصِيْرَةٍ اَنَا وَفِي التَّبَعِيْ

کہ یہ میرا راستہ ہے، میں پوری بعیرت کے ساتھ (لوگوں کو) اس کی طرف بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی اس کی طرف جاتے ہیں

وَسُبْحَنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا اَرْسَلْنَا

اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِّنْ قَبْلِكَ الْاِلٰهَ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرْاٰی ط

صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے وہ بستیوں کے رہنے والے تھے۔

اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا

الَّذِيْنَ مِّنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَكَ اِلَّا الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ط

کیا انجام ہوا، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰی اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ

تو کیا تم نہیں سمجھتے ○ حتیٰ کہ جب رسول تھکا امید ہونے لگے اور لوگوں نے گمان کیا کہ ان سے

قَدْ كَذَّبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيْ مِّنْ نَّشَآءٍ ط وَلَا يَرْدُ

جھوٹ بولا گیا تھا تو رسولوں کے پاس ہماری مدد آگئی سو جس کو ہم نے چاہا وہ بچا لیا گیا اور

بِاسْتِغْنَاءٍ عَنِ الْقَوْمِ الْبَاجِرِينَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ

مجرموں کی قوم سے ہمارا خدا ابھرا نہیں کیا ہوا ○ بے شک ان کے قصوں میں

عِبْرَةٌ لِأُولَى الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ

عقل والوں کے لیے نصیحت ہے، یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

یہ ان کتابوں کا مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ

وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۱﴾

مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں، جن سے لوگ منہ پھرتے ہوئے گزر

جاتے ہیں ○ (یوسف: ۱۱۰)

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت کی نشانیاں

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر بہت نشانیاں ہیں جن پر لوگ غور نہیں کرتے۔ اس کائنات میں ہمیں جو سب سے عظیم چیز نظر آتی ہے وہ سورج ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک مقرر نظام کے تحت طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی عظیم قدر و قیوم کے نظام کے تابع اور مسخر ہے، اور جس عظیم قادر اور قیوم نے اس کائنات کی سب سے عظیم چیز کو اپنے نظام کے مسخر اور اپنے احکام کے تابع کیا ہوا ہے، وہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کو چلانے والا ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ زمین میں زرعی پیداوار، حیوانوں اور انسانوں کی تولید اور نشوونما کا نظام واحد ہے اور اس نظام کی وحدت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے، غرض آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے وجود اور اس کی وحدت پر بہت نشانیاں ہیں لیکن لوگ اس پر غور نہیں کرتے اور ان سے منہ پھرتے ہوئے گزر جاتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود بھی شرک ہی کرتے ہیں ○

(یوسف: ۱۱۱)

ایمان لانے کے باوجود شرک کرنے والوں کے مصلوب

حسن، مجاہد، عامر اور شعیب نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے حلق نازل ہوئی ہے جو یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اور تمام کائنات کا خالق ہے، اس کے باوجود وہ جن کی پرستش کرتے تھے۔ مکرر نے کہا: انہی لوگوں کے حلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے

فَأَشَىٰ يَقُولُ كُونُوا - (الزخرف: ۸۷)

تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہیں بھٹک رہے ہیں!

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَاَنَّى
يُؤْتِكُونُ۔ (العنکبوت: ۲۴)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس
نے پیدا کیا ہے، نور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ
ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہیں بھٹک رہے ہیں!

حسن نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں، وہ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں۔ عیسائی
حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ شرک ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زبان سے ایمان لاتے تھے اور ان کے دل میں کفر تھا۔
حسن سے یہ روایت بھی ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی معیبت میں جھکا ہوتے ہیں اور
انہیں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب اللہ ان کو اس معیبت سے
نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں:

قُلْ مَنْ يُجِيبُكُمْ تِلْكَ طُلُوسُ الْبَرِّ وَالْخَيْرِ
تَدْعُونَهُ نَصْرًا وَخُعُوفًا لِّئَلَّا تُحْسَبُوا مِنْ هَٰذِهِ
لَكَوْنُ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُجِيبُكُمْ
مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ غُروبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُسْرِكُونَ ۝

(الانعام: ۳۳-۳۴)

آپ پوچھئے کہ ہمیں سمندروں اور خشکی کی تاریکیوں سے
کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے
ہو، اگر وہ ہمیں اس معیبت سے نجات دے دے تو ہم ضرور
شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ کہئے کہ ہمیں اس
معیبت سے اور ہر سختی سے اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر ابھی تم
شرک کرتے ہو! ۝

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود نعمتوں کا اسلا اسباب کی طرف کرتے ہیں، سبب الاسباب کی
طرف نہیں کرتے مثلاً کسی کو بیماری سے شفا ہو جائے تو کہتا ہے فلاں دوا سے یا فلاں ڈاکٹر کے علاج سے وہ شغلیاب ہو گیا ہے، یہ
نہیں کہتا کہ اسے اللہ نے شفا دی ہے!

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصائب اور شدائد میں بھی اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے، وہ مشلخ اور اولیاء اللہ کے
مزاروں پر جا کر ان کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور ان کی نذر اور ان کی فتنیں مانتے ہیں! ہر چند کہ اولیاء اللہ
سے مدد طلب کرنا اس عقیدہ سے جائز ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں اور یہ
شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ بھی ہے کہ صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے اور بزرگوں کے وسیلہ سے اپنی حاجت
پر آری کے لیے دعا کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ
فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ۔

جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب
کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۱ مسند احمد ج ۷ ص ۳۰۷-۳۰۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۸۸۹-۹۸۹۰ عمل الیوم واللیلۃ
لابن السنی رقم الحدیث: ۳۲۵ شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۳ العقلی ج ۳ ص ۵۳، الآجری، رقم الحدیث: ۹۸۸ المستدرک ج ۳
ص ۵۴، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۳ الآداب للیستی رقم الحدیث: ۴۷۳)

اور نذر عبادت مقصودہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی نذر اور منت ماننا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کا

کمل احاطہ کر لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو (یوسف: ۲۷)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہیں کرتے، اور وہ غیر اللہ کی عبادت پر ڈٹے رہتے ہیں، کیا ان کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کو کمل طور پر اپنی گرفت میں لے لے یا اسی حال میں ان پر اچانک قیامت آجائے اور اللہ تعالیٰ ان کو دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہتے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں پوری بصیرت کے ساتھ (لوگوں کو) اس کی طرف بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی (اس کی طرف بلاتے ہیں) اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں (یوسف: ۱۰۸)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے کہتے کہ میں جس دین کی دعوت دے رہا ہوں، یہی میرا طریقہ اور میری سنت ہے، اسی طریقہ پر چل کر انسان جنت اور اخروی نعمتوں کو حاصل کر سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دینی چاہیے اور علماء کرام جو دین کی تبلیغ کرتے ہیں وہ اللہ کے بندوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امین اور سفیر ہیں، اس کے بعد فرمایا: اللہ پاک ہے یعنی مشرکین جو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ فلاں اللہ کا شریک ہے، فلاں اللہ کا بیٹا ہے، فلاں اللہ کا والدگار ہے اور ایسی ہی دوسری خرافات، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے اور برتر اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے وہ بستیوں کے رہنے والے تھے، کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (یوسف: ۱۰۹)

نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہ کا ازالہ

مشرکین نبوت یہ کہتے تھے کہ اللہ نے اگر کوئی رسول بھیجا تھا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح بشر ہیں، یہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، کسی جن یا فرشتہ کو یا عورت کو رسول نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بستیوں کے رہنے والے تھے، اس سے مراد ہے کہ وہ شہروں کے رہنے والے تھے، کیونکہ جنگلوں اور دیہاتوں کے رہنے والے عموماً سخت دل اور غیر منذب ہوتے ہیں اور عقل و فہم سے عاری ہوتے ہیں اور شہروں کے رہنے والے عموماً عقل مند، برو بار اور منذب ہوتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنگلوں اور دیہاتوں میں سے کوئی نبی بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، کیونکہ زمین میں قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین اور قوم لوط پر عذاب کے آثار موجود ہیں، اگر یہ ان علاقوں میں سفر کرتے تو دیکھ لیتے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ہم نے آپ سے پہلے مردوں کو رسول بنایا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے کہ نبی کا مادہ خلقت نور ہوتا ہے، کیونکہ نور مرد یا عورت نہیں ہوتا، تمام انبیاء علیہم السلام نوع انسان سے مبعوث کیے گئے اور وہ سب مرد تھے اور وہ سب نور ہدایت ہیں البتہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور حسی سے بھی وافر حصہ ملا تھا، جب آپ مسکراتے تو آپ کے دانتوں کی جھریوں سے نور کی شعاعیں سی دکھائی دیتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب رسولؐ ناامید ہونے لگے اور لوگوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو رسولؐ کے پاس ہماری مدد آگئی، سو جس کو ہم نے چلا وہ پچالیا گیا اور بھرموں کی قوم سے ہمارا عذاب دور نہیں کیا جاتا۔

(یوسف: ۱۱۰)

وَضُنُوا أَنَّهُمْ كَذِبُوا كِي تَوْجِيهَات

اس آیت میں لفظ کذبوا کی قراءت دو طرح سے منقول ہے: ایک وجہ ہے کذبوا اذال پر تشدید کے بغیر اور دوسری وجہ ہے کذبوا اذال پر تشدید کے ساتھ۔ عامم، حمزہ اور کسلیٰ کی پہلی قراءت ہے اور ہلقی قراءت کی دوسری قراءت ہے۔

اگر یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو اس کا نائب فاعل رسولوں کی امتیں ہیں اور اس صورت میں اس کے دو محمل ہیں: (۱) جب رسولؐ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کر لیا کہ رسولوں نے ان سے جو وعدہ کر لیا تھا وہ کیا تھا وہ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا تو اچانک ہماری مدد آ پہنچی۔ یہ تفسیر مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸) امام ابن جریر نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور ہم نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ المتوفی ۱۳۰۶ھ کا ترجمہ بھی اسی روایت پر مبنی ہے۔

(۲) رسولوں نے مایوس ہو کر یہ گمان کر لیا کہ ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ جھوٹا تھا تو ہماری مدد آ پہنچی۔ ابن ابی ملیکہ نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ رسل بشر تھے اور ضعیف تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸) ابن جریر نے کتب میں بھی اسی طرح کتابوں جس طرح حضرت ابن عباس نے کہا اور حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی:

حَسْبِيَ يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى
يَصْرُفُ إِلَيْنَا لَنْ نَصْرَ الْكَافِرِينَ (البقرہ: ۲۲۳)

ابن جریر نے کہا: ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ حضرت ابن عباس کا مذہب یہ تھا کہ رسولؐ کمزور تھے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸) اس روایت کی توجیہ عنقریب آئے گی۔

امام نغردین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ ان کا یہ گمان ضعف بشریت کی وجہ سے تھا مگر یہ بہت بعید ہے کیونکہ عام مومن کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے جو وعدہ کیا ہے، بلکہ اس گمان کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا تو رسولوں کے حق میں یہ کس طرح جائز ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی نے اس روایت کو رد کر دیا ہے، اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کذبوا تشدید کے ساتھ ہو اور عن بن معنی یقین ہو تو اس آیت کا حق ہو گا کہ رسولوں نے یہ یقین کر لیا کہ ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کر دی ہے اور اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، تب انہوں نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو طیامیٹ کر دیا۔

اور اگر اس آیت میں عن بن معنی گمان ہو تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب رسولؐ اپنی قوموں کے ایمان لانے سے

مایوس ہو گئے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں وہ اب ان کی تکذیب کریں گے کہ رسولوں نے کافروں پر جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ عذاب اب تک نہیں آیا، اور جب رسولوں نے اپنی امتوں کے حطلق یہ گمان کیا تو کافروں پر عذاب آگیا اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اور مومنوں کو اس عذاب سے بچالیا اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی جو تویل کی ہے وہ بہت عمدہ تویل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹، ص ۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۵ھ)

امام رازی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروہ نے سوال کیا کہ یوسف: ۱۱۰ میں لفظ کذبوا تشدید کے ساتھ ہے یا بغیر تشدید کے، حضرت عائشہ نے فرمایا: بلکہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی تھی (یعنی یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے) پس میں نے کہہ: اللہ کی قسم! ان کو یہ یقین تھا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے اور یہ ان کا گمان نہیں تھا! حضرت عائشہ نے فرمایا: اے عروہ! انہیں اس کا یقین تھا۔ عروہ نے کہہ: شاید یہ لفظ بغیر تشدید کے ہو (یعنی انبیاء علیہم السلام نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا) حضرت عائشہ نے فرمایا: محاذ اللہ! رسول اپنے رب کے ساتھ یہ گمان نہیں کر سکتے اور ربی یہ آیت تو یہ رسولوں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی تھی اور جب ان تک اللہ کی مدد پہنچنے میں دیر ہو گئی، حتیٰ کہ رسولوں کی امتوں میں سے جن لوگوں نے ان کی تصدیق کی تھی وہ اللہ کی مدد آنے سے مایوس ہو گئے اور رسولوں نے یہ گمان کر لیا کہ اب ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو اللہ کی مدد آگئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۹)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی چار توجیہات پیش کی گئی ہیں: کذبوا بغیر تشدید کے جو پڑھا گیا ہے اس کی دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا یہ صحیح توجیہ ہے اور دوسری توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا یہ باطل توجیہ ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو رد کر دیا ہے اور امام رازی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ اور اگر کذبوا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی بھی دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ رسولوں نے یہ یقین کر لیا کہ ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کر دی ہے، اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں وہ اب ان کی تکذیب کریں گے، یہ حضرت ام المومنین کی توجیہ ہے اور یہ سب سے بہترین توجیہ ہے۔

اس آیت کے ترجمہ میں بعض مترجمین کی لغزش

شیخ محمود حسن متونی ۱۳۳۹ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچا دیا ہم نے جن کو چاہا۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متونی ۱۳۷۳ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:

یہاں تک کہ بغیر مایوس ہو گئے اور ان کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے قسم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جس کو چاہا وہ بچالیا گیا۔

منقہ محمد شفیع دیوبندی متونی ۱۳۹۱ھ نے بھی انہی ترجموں کو مقرر رکھا ہے۔ (معارف القرآن ج ۵، ص ۲۸)

واضح رہے کہ یہ ترجمے اس روایت پر مبنی ہیں جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا ہے اور امام رازی نے

اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ کوئی عام مسلمان بھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ اللہ نے اس سے جھوٹ بولا تھا چہ جائیکہ رسول یہ گمان کریں اور حضرت ابن عباس کی طرف جو یہ روایت منسوب کی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مجاز بالخلف ہے یعنی رسولوں کے پیروکاروں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا اور اس روایت کے ظاہر سے حضرت ابن عباس کی تثنیہ کرنا واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۸، ص ۳۶۸-۳۶۹)

امام رازی کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے، ہم چند مفسرین کے حوالے پیش کر رہے ہیں:

امام عبدالرحمن محمد بن علی جوزی متوفی ۷۵۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا، انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی، سوانہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی، تو انہوں نے صبر کیا وہ بڑے عرصہ تک قوم کو دعوت دیتے رہے اور قوم ان کو جھٹلاتی رہی حتیٰ کہ جب رسول ہا یوس ہو گئے، حضرت ابن عباس نے کہا: وہ اپنی قوم کے ایمان لانے سے ہا یوس ہو گئے، ایک قراءت کذبوا میں تشدید کی ہے اور معنی یہ ہے کہ رسولوں نے یقین کر لیا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے، اور دوسری قراءت تخفیف کی ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان سے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا نکلا تو پھر ہماری مدد آگئی پس ہم جس کو چاہتے ہیں عذاب سے نجات دیتے ہیں، اور مجرموں کی قوم سے ہمارا عذاب دور نہیں کیا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۳، ص ۲۹۶، مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان کو جو عذاب آنے کی خبر دی تھی وہ جھوٹ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی امتوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان سے اللہ کی مدد آنے کا وعدہ کیا تھا وہ جھوٹ تھا اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس نے اس کے خلاف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ رسولوں کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان کریں گے اور اگر وہ ایسا گمان کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق نہ ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو بخاری میں ہے، اس میں بھی اسی کی تائید ہے۔ (المجمع لاحکام القرآن ج ۲، ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ابو علی نے کہا: جس شخص نے اس آیت کا یہ معنی کیا کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے ان کی زبانوں سے ان کی امتوں کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس میں انہوں نے جھوٹ بولا تھا اور جس شخص نے یہ کہا ہے اس نے بہت بڑی جسارت کی ہے، انبیاء علیہم السلام کی طرف اس طرح کے گمان کی نسبت کرنا جائز ہے اور نہ اللہ کے نیک بندوں کی طرف، اسی طرح جس نے یہ گمان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ نہ ہنہ کہ رسول کمزور تھے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کے خلاف کیا گیا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسولوں کی قوموں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔

(المحرر المیط ج ۶، ص ۳۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قریش کے ایک نوجوان نے سعید بن جبیر سے سوال کیا مجھے بتائیے اس آیت کا کیا معنی ہے، میں جب اس آیت کو پڑھتا

ہوں تو میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں نے اس آیت کو نہ پڑھا ہوتا: حتیٰ اذا استنیشس الرسل وظہوا انہم قد کذبوا۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہاں! جب رسول اپنی قوموں سے مایوس ہو گئے کہ وہ ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی قوموں نے یہ گمان کیا کہ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا، پھر امام ابن جریر نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ مسلم بن یسار نے سعید بن جبیر سے سوال کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا، تو انہوں نے کھڑے ہو کر سعید کو گلے لگایا اور کہا: اللہ آپ کی پریشانیوں کو دور کرے جس طرح آپ نے میری پریشانیوں کو دور کیا ہے اور امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اپنی قوموں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ سے ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود دونوں سے اسی طرح روایت ہے اور حضرت ابن عباس کے دوسرے قول کو امام ابن جریر نے بالکل کنزور قرار دیا ہے اور اس کو مسترد کر دیا ہے اور اس کا انکار کر دیا اور اس کو قبول نہیں کیا اور اس سے راضی نہیں ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ان رسولوں نے اپنی قوم پر عذاب آنے کی خبر دی تھی اور ان کے لیے اس کا وقت معین نہیں کیا گیا تھا تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس کا وقت مقرر کر لیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حدیبیہ کے سال کو اپنے اجتہاد سے عمرو کے لیے مقرر کر لیا تھا اور جب کافی مدت گزرنے کے بعد بھی عذاب نہیں آیا تو رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی تفسیر اور تکذیب کی، اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے (اپنے اجتہاد کی) تکذیب کی، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ عذاب کی تکذیب کی لہذا کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اس کے بعد علامہ آلوسی اس تاویل کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ رسل علیہم السلام کی تعظیم کے زیادہ موافق اور جو چیز ان کی شان کے لائق نہیں ہے اس کو ان سے زیادہ دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ سے بدگمانی کی نسبت کرنے کے بجائے ان کی قوم کی طرف یہ نسبت کی جائے یعنی ان کی قوم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۳، ص ۱۰۴-۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

علامہ آلوسی نے یہ غور نہیں کیا کہ اس تاویل میں بڑی خرابی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے وعدہ عذاب سے مایوس ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا کفر ہے اور جب کہ حضرت ابن عباس کی صحیح روایت کی بناء پر معنی یہ ہو گا کہ رسل عظام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور بڑے عرصہ تک عذاب نہ آنے کی وجہ سے ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا نیز جس تاویل کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ سے بدگمانی کی نسبت لازم آتی ہے اس کو صرف خلاف ادنیٰ کہنا بھی درست نہیں بلکہ اس کو ناجائز کہہ کر مسترد کر دینا چاہیے۔ جس طرح امام رازی اور امام ابوالحیاء اندلسی نے کیا ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات کے ترجمہ میں اس چیز کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے ناموافق ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی اور شیخ امین احسن اصلاحی عام طور پر اس کا خیال نہیں رکھتے لیکن یہاں ان کا ترجمہ حضرت ابن عباس کی صحیح اور غیر مودول روایت پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، بلکہ یہ ان کتابوں کا صدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (یوسف: ۱۱۱)

حضرت یوسف کے قصہ کا احسن القصص ہونا

ان کے قصوں سے مراد حضرت یوسف، ان کے بھائیوں اور ان کے والد کے قصے ہیں اور کسی قصہ کا احسن یہ ہوتا ہے کہ اس میں نصیحت ہو اور حکمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے، یعنی جو ان واقعات میں غور و فکر کریں کہ جو شخص کسی کے ظلم و ستم پر صبر کرے اور جب اسے کوئی حسین، جوان اور مقتدر عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ اس سے اپنا دامن بچائے خواہ اس کے نتیجہ میں اس کو قید و بند کے مصائب اٹھانے پڑیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت عمدہ جزا دیتا ہے، اور وہ بھائی جو اپنی طاقت کے بل پر حضرت یوسف پر ظلم کر رہے تھے، ایک وقت آیا کہ وہ حضرت یوسف کے پاس غلہ کی خیرات لینے آئے اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ ظالم بالآخر ناکام ہوتا ہے اور مظلوم انجام کار کامیاب ہوتا ہے۔

فرمایا: یہ قرآن کوئی من گھڑت بات نہیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف کا قصہ بیان کیا ہے یہ کوئی جھوٹ نہیں ہے بلکہ سابقہ آسمانی کتابوں کے موافق ہے اور ان کا صدق ہے۔

قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل کا محمل

اور فرمایا: اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے، اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اس میں حضرت یوسف کے قصہ کی پوری تفصیل ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس قرآن میں بندوں کی دنیا اور آخرت کی فلاح سے متعلق تمام احکام شریعہ کی تفصیل ہے اور ان کی رشد و ہدایت اور اصلاح عقائد اور مبداء اور مصلو کی تمام تفصیل اس میں موجود ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک رونما ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل ہے اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام حقائق اور ان کے تمام اسرار و رموز اور ان کے تمام منافع اور مضار کی تفصیلات اس قرآن میں ہیں کیونکہ قرآن مجید تاریخ، جغرافیہ اور سائنس کی کتب نہیں ہے بلکہ یہ رشد و ہدایت کی کتب ہے اور اس میں رشد اور ہدایت سے متعلق تمام تفصیلات ہیں۔

نیز فرمایا: یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، قرآن مجید ہدایت تو تمام انسانوں کے لیے ہے، لیکن اس کی ہدایت سے صرف ایمان والے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے فرمایا: یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

حرف آخر

آج سورۃ ۸ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ / ۱۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو الحمد للہ سورۃ یوسف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ تبیان القرآن کی یہ پانچویں جلد، ۱۷ مارچ ۱۹۹۹ء کو شروع کی تھی اور آج ۱۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، اور آج وہ مبارک دن ہے کہ مکہ مکرمہ میں آج یوم عرفہ ہے اور مسلمان حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ اس جلد میں سورۃ توبہ، سورۃ یونس، سورۃ صافات اور سورۃ یوسف کی تفسیر آگئی ہے، اللہ العالمین! آپ نے جس طرح سورۃ یوسف کی تفسیر لکھوا دی ہے، اپنے فضل و کرم سے بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مجھ سے لکھوا دیں، مجھے نکی اور صحت و عاقبت کے ساتھ ناصیحت قائم رکھیں اور عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائیں اور مجھے صالحین کے ساتھ لاحق کر دیں، ہر جہد کہ میں ناکارہ اور نااہل ہوں مگر محض

اپنے کرم سے مجھے مرنے سے پہلے اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائیں اور مخلص اپنے فضل سے میری مغفرت فرمائیں، اس کتب کو فیض آفریں بتائیں، اس کے مصنف، اس کے ناشر، اس کے کپوزر اور مسیح کو، اس کے قارئین اور معلومین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلاء اور ہر عذاب سے مامون اور محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور کامیابی اور ہر خوشی عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سیدنا محمد وآلہ
الطیبین، قائد المرسلین اول الشافعیین والمشفعین وعلی الہ المطہرین واصحابہ
الکاملین وعلی ارواحہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماؤ ملتہ اجمعین۔



ماخذ و مراجع

کتب الہیہ

- ۱- قرآن مجید
- ۲- تورات
- ۳- انجیل

کتب احادیث

- ۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
- ۵- امام مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۰ھ، کتب الترید، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷- امام ابو یوسف یحییٰ بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، ساکنہ مل
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۷ھ
- ۱۰- امام کبیر بن جراح، متوفی ۱۹۷ھ، کتب الترید، مکتبہ المدینہ منورہ، ۱۳۰۴ھ
- ۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جبار و طرابلسی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طرابلسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۹ھ
- ۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۰ھ
- ۱۳- امام محمد بن عمرو بن واقد، متوفی ۲۰۷ھ، کتب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۳۰۴ھ
- ۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المسند، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۰۰ھ
- ۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حیدری، متوفی ۲۱۸ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، متوفی ۲۲۴ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

- ۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۰۶ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۲ھ
- ۱۸- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۹ھ، دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ، دار الحديث قاہرہ، ۱۳۲۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۳۶۴ھ
- ۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتب الزہد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۱- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن بن داری، متوفی ۲۵۵ھ، سنن داری، مطبوعہ دارالکتب العربی، ۱۳۰۷ھ
- ۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ، دارالارقم بیروت۔
- ۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، غلق افضل العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۳۳۱ھ
- ۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۲۵- امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۱۷ھ
- ۲۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۶۷ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، مجتہد، متوفی ۲۷۷ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، مجتہد، متوفی ۲۷۷ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت، کتب کراچی
- ۲۹- امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ، دار الجیل بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۳۰- امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۵ھ
- ۳۱- امام علی بن عمرو دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۳۲- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الاطوار الشانی، مطبوعہ دار الراۃ، ریاض، ۱۳۳۳ھ
- ۳۳- امام احمد عمرو بن عبد الحلق بزار، متوفی ۲۵۳ھ، البحر الزخار المعروف بسند السزاور، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۳۵- امام ابو عبد الرحمن بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۳۶- امام ابو عبد الرحمن بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۳۸- امام احمد بن علی المشنی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار الماسون تراث بیروت، ۱۳۰۳ھ
- ۳۹- امام عبد اللہ بن علی بن جابر و نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المستدرک، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۰۸ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ
- ۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان بن یحییٰ، متوفی ۳۳۳ھ، مسند عمرو بن عبد العزیز۔
- ۴۲- امام ابو حوانہ یحییٰ بن اسحاق، متوفی ۳۳۶ھ، مسند ابو حوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۴۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن حکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۳۰۸ھ

- ۳۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۳۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجبلی، پاکستان بلاہور، ۱۳۰۴ھ
- ۳۶- امام ابو جعفر محمد بن عمرو الحنفی متوفی ۳۲۲ھ، کتب الصغفاء الکبیر، دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۳۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خراسانی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۳۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۳۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۴۰ھ، الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دار السلام، ریاض، ۱۳۱۳ھ
- ۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبہ المعارف، ریاض، ۱۳۰۵ھ
- ۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ھ، مسند الشافعی، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۳۰۴ھ
- ۵۴- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۲۰ھ، کتب الدعایہ مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۵۵- امام ابو بکر احمد بن اسحاق بن عیسیٰ المعروف بابن النبی، متوفی ۳۴۳ھ، عمل الیوم والیک، مطبوعہ مؤسسة الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۵۶- امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۴۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۵۷- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شامین المتوفی ۳۸۵ھ، التلخیص والنسوخ من المحدث، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۵۸- امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابن الشیخ، متوفی ۳۴۶ھ، کتب الحفظ، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۵۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۳۵۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۶۰- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۳۴۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۶۱- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۳۴۰ھ، دلائل التنبؤ، مطبوعہ دار التفاکس، بیروت
- ۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ، ملکن
- ۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، کتب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، دلائل التنبؤ، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت
- ۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، کتب الآداب، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۰۶ھ
- ۶۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، کتب فہرست الاوقات، مطبوعہ مکتبہ المنارۃ مکہ مکرمہ، ۱۳۱۰ھ
- ۶۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت، ۱۳۰۴ھ
- ۶۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۳۵۸ھ، البعث والشور، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۳ھ

- ۷۰- امام ابو عمرو يوسف ابن عبد البر قرطبي، متوفى ۴۳۳ھ، جامع بيان العلم وفضله، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت
- ۷۱- امام ابو شجاع شيرازي، شيرازي، المتوفى ۵۰۹ھ، الفردوس، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت، ۱۳۰۶ھ
- ۷۲- امام حسين بن مسعود نفوي، متوفى ۵۲۱ھ، شرح السنه، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت، ۱۳۳۳ھ
- ۷۳- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساكر، متوفى ۵۷۱ھ، مختصر تاريخ دمشق، مطبوعه دار الفكر بيروت، ۱۳۰۴ھ
- ۷۴- امام ابو القاسم علي بن الحسن ابن عساكر، متوفى ۵۷۱ھ، تنقيب تاريخ دمشق، مطبوعه دار احياء التراث العربيه بيروت، ۱۳۰۷ھ
- ۷۵- امام محمد الدين السبارك بن محمد الشيلاني، المعروف بابن الاثير الجزري، المتوفى ۶۲۶ھ، جامع الاصول، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت، ۱۳۱۸ھ
- ۷۶- امام فياء الدين محمد بن عبد الواحد مقدسي، متوفى ۶۳۳ھ، الاحاديث المختارة، مطبوعه مكتبه النفقه الحديثيه، مكة المكرمة، ۱۳۱۰ھ
- ۷۷- امام زكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذري، المتوفى ۶۵۶ھ، الترغيب والترهيب، مطبوعه دار الحديث، قاهره، ۱۳۰۷ھ، دار ابن كثير بيروت، ۱۳۳۳ھ
- ۷۸- امام ابو عبد الله محمد بن احمد ابي قرطبي، متوفى ۶۱۸ھ، التذكري في امور الاخره، مطبوعه دار البقاع، مدينه منوره
- ۷۹- حافظ شرف الدين عبد المومن ديساقي، متوفى ۷۰۵ھ، التبرار اربع، مطبوعه دار خضر بيروت، ۱۳۱۹ھ
- ۸۰- امام ولي الدين تيمري، متوفى ۷۳۲ھ، مكتوبه مطبوعه اصح المطابع دلي، دار ارقم بيروت
- ۸۱- حافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف زبيحي، متوفى ۷۷۳ھ، نصب الرايه، مطبوعه مجلس علي سورت، هند، ۱۳۵۷ھ
- ۸۲- امام محمد بن عبد الله زر كشي، متوفى ۷۹۳ھ، الملل المشهوره، مكتب اسلامي، بيروت، ۱۳۱۷ھ
- ۸۳- حافظ نور الدين علي بن ابي بكر البيشي، المتوفى ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعه دار الكتب العربيه بيروت، ۱۳۰۴ھ
- ۸۴- حافظ نور الدين علي بن ابي بكر البيشي، المتوفى ۸۰۷ھ، كشف الاستار، مطبوعه مؤسسه الرساله بيروت، ۱۳۰۴ھ
- ۸۵- حافظ نور الدين علي بن ابي بكر البيشي، المتوفى ۸۰۷ھ، معارف العظماء، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت
- ۸۶- امام محمد بن محمد جزري، متوفى ۸۳۳ھ، حسن حسين، مطبوعه مصطفى الباني واولاده، مصر، ۱۳۵۵ھ
- ۸۷- امام ابو العباس احمد بن ابو بكر ميري، شافعي، متوفى ۸۳۰ھ، ذواك ابن ماجه، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت
- ۸۸- حافظ علاء الدين علي بن عثمان ماردني تركمان، متوفى ۸۳۵ھ، الجوهري التقي، مطبوعه نشر السنه ملكن
- ۸۹- حافظ شمس الدين محمد بن احمد ذهبي، متوفى ۸۴۸ھ، تخفيض المستدرک، مطبوعه مكتبه دار الباز كه كرمه
- ۹۰- حافظ شهاب الدين احمد بن علي بن حجر عسقلاني، متوفى ۸۵۴ھ، المطالب العاليه، مطبوعه مكتبه دار الباز كه كرمه
- ۹۱- امام عبد الرؤف بن علي النولوي، المتوفى ۸۵۳ھ، كنوز الحقائق، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت، ۱۳۱۷ھ
- ۹۲- حافظ جلال الدين سيوطي، متوفى ۹۱۱ھ، الجامع الصغير، مطبوعه دار المعرفه بيروت، ۱۳۳۹ھ
- ۹۳- حافظ جلال الدين سيوطي، متوفى ۹۱۱ھ، مسند فاطمه الزهراء
- ۹۴- حافظ جلال الدين سيوطي، متوفى ۹۱۱ھ، جامع الاحاديث الكبير، مطبوعه دار الفكر بيروت، ۱۳۳۳ھ

- ۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۸۹۱ھ، البدور السافره، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۳۲۲ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۸۹۱ھ، المحصائص الکبری، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۸۹۱ھ، الدر المستشره، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۹۸- علامه عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغم، مطبوعه مطبع عامرہ، عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ، دارالکتب بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۹۹- علامه علی متقی بن حسام الدین ہندی، برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعه مؤسستہ الرسالہ بیروت

کتاب تفاسیر

- ۱۰۰- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، تہذیب القباس، مطبوعه مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران
- ۱۰۱- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعه مکتبہ الادبیہ مکہ مکرمہ، ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۲- امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعه دار احیاء العلوم بیروت، ۱۳۱۰ھ
- ۱۰۳- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد نراء، متوفی ۲۰۷ھ، محلی القرآن، مطبوعه بیروت
- ۱۰۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعه دار المعرفہ، بیروت
- ۱۰۵- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعه دارالکتب ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، جامع البیان، مطبوعه دار المعرفہ بیروت، ۱۳۰۹ھ، دارالکتب بیروت
- ۱۰۷- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۲۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعه مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۰۸- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعه مکتبہ زرارہ مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۱۷ھ
- ۱۰۹- امام ابو بکر محمد بن علی رازی، بصاحف خفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعه سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ
- ۱۱۰- علامہ ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعه مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، ۱۳۳۳ھ
- ۱۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التیسار فی تفسیر القرآن، مطبوعه عالم الکتب بیروت
- ۱۱۲- علامہ مکی بن ابی طالب، متوفی ۳۸۳ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعه انتشارات نور ایران، ۱۳۶۳ھ
- ۱۱۳- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بلوردی شافعی، متوفی ۳۸۵ھ، التکت والعیون، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۴- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۳۶۸ھ، الویسط، مطبوعه دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۳۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت
- ۱۱۶- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۳۶۸ھ، الویسط، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۱۷- امام ابو محمد الحسن بن مسعود القراء البغوی، المتوفی ۵۱۱ھ، معالم التشریل، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۱۸- علامہ محمود بن عمر قشیری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعه دار احیاء التراث العربیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۱۱۹- علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ العروق بن العربی، مالکی، متوفی ۵۳۳ھ، احکام القرآن، مطبوعه دار المعرفہ بیروت

- ۱۳۰- علامه ابو بکر قاضی عبدالحق بن غالب بن علیہ اندلسی، متوفی ۵۳۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۱۳۱- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۲۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۱۳۲- علامہ ابو القریح عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت
- ۱۳۳- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار، وعدة الايراد، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
- ۱۳۴- امام محمد بن محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۳۵- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۷۸ھ
- ۱۳۶- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد انکی قرطبی، متوفی ۶۱۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۳۷- قاضی ابو الخیر عبداللہ بن عمر یضوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التشریل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
- ۱۳۸- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، دارک التشریل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۱۳۹- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، الباب الاول، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
- ۱۴۰- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قتی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۲۲ھ
- ۱۴۱- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۱۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
- ۱۴۳- علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۳ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۱۴۴- علامہ ابو العباس بن یوسف السکینی الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المنون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۴۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن محمد بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ
- ۱۴۶- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیہ الکازرونی علی البیضوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۶ھ
- ۱۴۷- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن قنوف محاسبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الشافعی، مطبوعہ مؤسستہ الاعلیٰ للطبوعات بیروت
- ۱۴۸- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقائی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی قاہرہ، ۱۳۱۳ھ
- ۱۴۹- حافظ جلال الدین سید علی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۱۵۰- حافظ جلال الدین سید علی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۵۱- حافظ جلال الدین سید علی، متوفی ۹۱۱ھ، الباب المتبول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۵۲- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قزوینی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زاہد علی البیضوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دہلوی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۹ھ
- ۱۵۳- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصلوٰۃ، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۵۴- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۹ھ
- ۱۵۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۶ھ، عیالہ القاضی، مطبوعہ دار صلور، بیروت، ۱۳۸۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ

- ۱۳۶- علامہ احمد جیون، خونپوری، متوفی ۱۳۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی، بمبئی
- ۱۳۷- علامہ اسماعیل حقّی خفی، متوفی ۱۳۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۳۸- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالکمل، متوفی ۱۳۰۴ھ، الفتوحات الاالیہ، مطبوعہ المطبع البیت، مصر، ۱۳۰۳ھ
- ۱۳۹- علامہ احمد بن محمد صلاوی مالکی، متوفی ۱۳۲۳ھ، تفسیر صلاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر
- ۱۴۰- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۳۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان پبلیکیشنز کوئٹہ
- ۱۴۱- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۳۲۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
- ۱۴۲- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، دار الوقایف بیروت، ۱۳۱۸ھ
- ۱۴۳- علامہ ابوالفضل سید محمود آکوسی خفی، متوفی ۱۳۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، دار الفکر بیروت، ۱۳۶۷ھ
- ۱۴۴- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیر کبری بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۳۳۲ھ
- ۱۴۵- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۱۴۶- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۴۷- علامہ حکیم شیخ مظہری جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبہ الاسلامیہ ریاض
- ۱۴۸- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۳۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کتبیں لاہور
- ۱۴۹- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کتبیں لینڈ لاہور
- ۱۵۰- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ، وشیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیہ القرآن، مطبوعہ تاج کتبیں لینڈ لاہور
- ۱۵۱- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والاشور، مطبوعہ تونس
- ۱۵۲- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ
- ۱۵۳- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۳۹ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ کجرات
- ۱۵۴- مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارہ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ
- ۱۵۵- سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۵۶- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۳۰۶ھ، التیسار، مطبوعہ کاظمی، بجلی کیشر ملتان
- ۱۵۷- علامہ محمد امین بن محمد عطار مکنی سیفی، انشاء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۵۸- استاذ احمد مصطفی الراغبی، تفسیر الراغبی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۵۹- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونه، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۴ھ
- ۱۶۰- جنس پیر محمد کرم شاہ الازہری، انشاء القرآن، مطبوعہ انشاء القرآن، بجلی کیشر لاہور
- ۱۶۱- شیخ امین احسن اصلاحي، تدریس قرآن، مطبوعہ قارآن فکونڈیشن لاہور
- ۱۶۲- علامہ محمود صلی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
- ۱۶۳- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت

- ۱۷۴- ڈاکٹر وجہ زحلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ
۱۷۵- سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۷۶- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۴۳ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۷- علامہ جلال الدین سید علی، متوفی ۷۹۹ھ، الاثنین فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۷۸- علامہ محمد عبد العظیم زرکشی، مثل العرکان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۷۹- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
۱۸۰- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۳۴۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۹ھ
۱۸۱- علامہ ابو الولید سلیمان بن ظکری مالکی اندلسی، متوفی ۴۶۳ھ، المستطی، مطبوعہ مطبع السلوۃ مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۸۲- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، کمال المعظم، فوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۳۱۹ھ
۱۸۴- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۵- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابیہم القرطبی مالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، مجمع، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۳۱۷ھ
۱۸۶- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۷۶۷ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد صبح المطلاع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۸۷- علامہ شرف الدین حسین بن محمد اللیسی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح اللیسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۳۳۳ھ
۱۸۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خالد وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۴۸ھ، اکمل، اکمل المعظم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
۱۸۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن جبر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۹۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد یحییٰ خفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعة والنشر مصر، ۱۳۲۸ھ
۱۹۱- علامہ محمد بن محمد سنوی مالکی، متوفی ۸۹۵ھ، کمال المعظم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
۱۹۲- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۰۰ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مکتبہ مصر، ۱۳۰۶ھ
۱۹۳- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۳۹ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۱۸ھ
۱۹۴- علامہ عبد الرؤف منلوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشماک، مطبوعہ نور محمد صبح المطلاع کراچی
۱۹۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد صبح المطلاع کراچی
۱۹۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۵ھ

- ۱۹۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ ادبیہ ملکن، ۱۳۹۰ھ
- ۱۹۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ
- ۱۹۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفہ اللذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البیانی دارالادب مصر، ۱۳۵۵ھ
- ۲۰۰- شیخ عبدالحق محمد شادوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، شجۃ اللغات، مطبوعہ مطبع تیج کار کھٹو
- ۲۰۱- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوزی، مطبوعہ نشر السنہ ملکن، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۹ھ
- ۲۰۲- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
- ۲۰۳- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح العلم، مطبوعہ مکتبہ المجاز کراچی
- ۲۰۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۶۳ھ، تطبیق الصحیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتاب اسماء الرجال

- ۲۰۵- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۵۷ھ، اصل المستعید، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۳۰۱ھ
- ۲۰۶- حافظ جمال الدین ابو الجراح یوسف مزی، ۷۳۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۰۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۲ھ
- ۲۰۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۰۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۱۰- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن الحلوی، متوفی ۹۰۳ھ، القاصد الخند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۱۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الفکر المصنوع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۷ھ
- ۲۱۲- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذوذ فی الاطالیح الشتر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۲۳ھ
- ۲۱۳- علامہ محمد طاہر ثقفی، متوفی ۹۸۶ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۲۱۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۳ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع جبینی دہلی
- ۲۱۵- علامہ اسماعیل بن محمد الجملونی، متوفی ۱۲۶۳ھ، کشف الخفا ومزیل الالباس، مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق
- ۲۱۶- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
- ۲۱۷- علامہ عبدالرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۳۱۷ھ، سنی الطالب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۳ھ

کتاب لغت

- ۲۱۸- امام اللغۃ خلیل احمد قرابیدی، متوفی ۷۷۷ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسودہ ایران، ۱۳۱۳ھ
- ۲۱۹- علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری، متوفی ۱۰۲۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۳۰۲ھ
- ۲۲۰- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۵۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ البیاز مکہ مکرمہ، ۱۳۱۸ھ

- ۲۲۱- علامہ محمود بن مرزوقی، متوفی ۵۸۳ھ، الخاقانی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
- ۲۲۲- علامہ محمد بن اسماعیل الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہلیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
- ۲۲۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تنقیح الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۲۲۴- علامہ جمال الدین محمد بن کرم بن منکور افراقی، متوفی ۷۷۷ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران
- ۲۲۵- علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۲۶- علامہ محمد طاہر بنی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۵ھ
- ۲۲۷- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
- ۲۲۸- لوئیس مطوف الیسوی، المتجدد، مطبوعہ المطبعۃ اللاتینیکیہ، بیروت، ۱۴۳۷ھ
- ۲۲۹- شیخ غلام احمد بروج، متوفی ۱۳۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
- ۲۳۰- ابو نعیم عبد الحکیم خان نثر جلد حرری، قائد اللغات، مطبوعہ حلد اینڈ کمپنی لاہور

کتاب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۲۳۱- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۲۳۲- امام عبد الملک بن اشام، متوفی ۲۴۳ھ، السیرۃ النبویہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
- ۲۳۳- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
- ۲۳۴- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الطبرسی، متوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ
- ۲۳۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۲۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۳۶- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۴ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۷- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد الوہاب الکیفی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
- ۲۳۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سبکی، متوفی ۷۵۷ھ، الروض الانف، مکتبہ قادریہ ملتان
- ۲۳۹- علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، البرق، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۴۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیخی المعروف بہ ابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۲۴۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیخی المعروف بہ ابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ، الکامل فی التاريخ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
- ۲۴۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن عثمان، متوفی ۷۸۸ھ، موفیات الامیاء، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۲۴۳- علامہ علی بن عبد الکافی قلی الدین سبکی، متوفی ۷۹۶ھ، مشغاة القاسم فی زیارۃ خیر الامام، مطبوعہ کراچی
- ۲۴۴- حافظ علاء الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۳ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ

- ۲۳۵- حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۳ھ، الاصابہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۶- علامہ نور الدین علی بن احمد سمهودی، متوفی ۹۹۰ھ، وقایع البقاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۲۳۷- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۹۰ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۲۳۸- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی، متوفی ۹۳۲ھ، سبل البدنی بو الشاہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۳۹- علامہ احمد بن محمد بن شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقة، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۲۴۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الصفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۴۱- شیخ عبدالحق محمد شہدای، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۴۲- علامہ احمد شہاب الدین خلیلی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۴۳- علامہ محمد عبدالباقی زرقلی، متوفی ۱۱۳۳ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۴۳ھ
- ۲۴۴- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۳۴ھ، نشر الیب مطبوعہ تاج کتب لینڈ کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۲۵۵- شمس المائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۵۶- شمس المائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۲۵۷- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۱۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
- ۲۵۸- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۰۰ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۵۹- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۵۴ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۶۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۵۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت ملیہ ملکن
- ۲۶۱- علامہ محمد بن محمود ہارثی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶۲- علامہ عالم بن الطاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتار خانہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ
- ۲۶۳- علامہ ابو بکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرۃ، مطبوعہ مکتبہ اندادیہ ملکن
- ۲۶۴- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۷۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
- ۲۶۵- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، ہدایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۶۶- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۷۶ھ، فتح القدر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۶۷- علامہ جلال الدین خوارزمی، کتابیہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۶۸- علامہ معین الدین الحرموی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۳ھ، شرح الکفر، مطبوعہ جمعیت المعارف المصریہ مصر
- ۲۶۹- علامہ ابراہیم بن محمد طبری، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستمل، مطبوعہ سبیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۱۳ھ
- ۲۷۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۵۴ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبعہ فنی نوا کشور، ۱۳۱۴ھ

- ۲۷۱- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۸ھ
- ۲۷۲- علامہ حامد بن علی قنوی روی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ مہنت مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۷۳- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، مطبوعہ مکتبۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ
- ۲۷۴- علامہ خیر الدین ربلی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ مہنت مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۷۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۷۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غزویون البصائر، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۲۷۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۷۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منہ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۸ھ
- ۲۷۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تصحیح الفتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کونست
- ۲۸۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
- ۲۸۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ ۱۳۱۹ھ
- ۲۸۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۳۰ھ، جد المختار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
- ۲۸۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۳۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
- ۲۸۴- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۳۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کراچی
- ۲۸۵- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
- ۲۸۶- شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی، متوفی ۱۳۹۳ھ، اعلاء السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۸۷- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۳۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کہائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

- ۲۸۸- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ ۱۸۱ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۲۸۹- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب سوری شافعی، متوفی ۱۳۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۹۰- علامہ ابوالحسن شیرازی، متوفی ۳۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۲۹۱- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۳۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۲۹۲- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۹۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۲۹۴- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
- ۲۹۵- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربلی، متوفی ۱۰۰۳ھ، نہایت المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۹۶- علامہ ابوالفیاء علی بن علی شبراہلی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالفیاء علی نہایت المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۲۹۷- امام سحنون بن سعید شافعی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المبدوت الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۹۸- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۵۵ھ، بدایت المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۹۹- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۷۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۰۰- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطالب المغربي، المتوفی ۹۵۳ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ النجاشی
- ۳۰۱- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرش علی الخرش، المتوفی ۱۱۰۹ھ، الخرش علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۰۲- علامہ ابو البرکات احمد درود مالکی، متوفی ۵۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۰۳- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۵۳۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتاب فقہ حنبلی

- ۳۰۴- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۴۳۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۳۰۵- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۴۳۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۰۶- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ بیاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۳۰۷- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قلاح مقدسی، متوفی ۷۷۳ھ، کتاب القروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۳۰۸- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مردادی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۰۹- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۱۰ھ، کشف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ

کتاب شیعہ

- ۳۱۰- شیخ ابلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ)، مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
- ۳۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۱۲- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، القروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۱۳- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبری من القرن السادس، الاحیاء، مؤسسۃ الاعلیٰ للطبوعات بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۱۴- شیخ محمد بن یحییٰ بن علی بن یحییٰ البحرانی، المتوفی ۷۷۷ھ، شرح شیخ ابلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ انصاریان
- ۳۱۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۳۷ھ
- ۳۱۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران
- ۳۱۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

کتاب عقائد و کلام

- ۳۱۸- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المستعد من النبال، مطبوعه دار الایمان، ۱۳۰۵ھ
- ۳۱۹- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعه دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۳۲۰- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن حمید، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدہ قلاویسیہ، مطبوعه دار السلام ریاض، ۱۳۱۳ھ
- ۳۲۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری، متوفی ۷۷۷ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعه نور محمد صالح المطلق کراچی
- ۳۲۲- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری، متوفی ۷۷۷ھ، شرح المقاصد، مطبوعه منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۲۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۸۶ھ، شرح المواقف، مطبوعه منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۲۴- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۸۶ھ، مسامرہ، مطبوعه مطبعه السلطانیہ مصر
- ۳۲۵- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعه مطبعه السلطانیہ مصر
- ۳۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۹۰۶ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعه مطبعه مصطفیٰ انبلی و اولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ
- ۳۲۷- علامہ محمد بن احمد السقاری، المتوفی ۹۸۸ھ، لواحق الانوار العبدیہ، مطبوعه کتب اسلامیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۳۲۸- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۷۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعه تاجدار حرم بیکنج کچی کراچی

کتاب اصول فقہ

- ۳۲۹- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعه مکتبه نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۶۷ھ
- ۳۳۰- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البقاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعه دار الکتاب العربی، ۱۳۱۱ھ
- ۳۳۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری، متوفی ۷۷۷ھ، توضیح و ترویج، مطبوعه نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۳۲- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشیراز بن ہمام، متوفی ۸۸۶ھ، التقریر مع التیسیر، مطبوعه مکتبه المعارف ریاض
- ۳۳۳- علامہ محب اللہ باری، متوفی ۹۸۸ھ، مسلم اثبوت، مطبوعه مکتبه اسلامیہ کوئٹہ
- ۳۳۴- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۳۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعه ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی
- ۳۳۵- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم اثبوت، مطبوعه مکتبه اسلامیہ کوئٹہ

کتاب متفرقہ

- ۳۳۶- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن الشافعی، المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعه مطبعه مینہ مصر، ۱۳۰۳ھ
- ۳۳۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعه دار الخیر بیروت، ۱۳۳۳ھ

- ۳۳۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد اکی قرطبی، متوفی ۳۲۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البیروت، بیروت، ۱۴۱۷ھ
- ۳۳۹- شیخ تقی الدین احمد بن حمید خلیل، متوفی ۷۲۸ھ، فائدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
- ۳۴۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ، مصر
- ۳۴۱- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
- ۳۴۲- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاضین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۳ھ
- ۳۴۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۸۶ھ، کتاب التعریضات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۳۸۸ھ
- ۳۴۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۲ھ
- ۳۴۵- علامہ ابن حجر مکی، متوفی ۸۳۲ھ، فتاویٰ حندیہ، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۵۶ھ
- ۳۴۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۸۸ھ
- ۳۴۷- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت و الجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۸ھ
- ۳۴۸- علامہ احمد بن حجر قسیمی، متوفی ۹۷۳ھ، الصواعق المحرقة، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
- ۳۴۹- علامہ احمد بن حجر قسیمی، متوفی ۹۷۳ھ، الخداج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۸۳ھ
- ۳۵۰- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۹۳۳ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مکتبہ جیشنگ کینی کراچی، ۱۳۷۷ھ
- ۳۵۱- علامہ سید محمد مرتضی حسینی زبیدی، متوفی ۱۳۰۵ھ، اتحاف سادۃ المستعین، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۷۸ھ
- ۳۵۲- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۳۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کمال، مطبوعہ محمد سعید اینڈ ستر کراچی
- ۳۵۳- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طبران، ۱۳۷۸ھ
- ۳۵۴- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملقوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بکسٹل لاہور
- ۳۵۵- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیت الہدی، مطبوعہ میو پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
- ۳۵۶- علامہ یوسف بن اسماعیل التیسانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
- ۳۵۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۳۳ھ، ہشت زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لینڈ لاہور
- ۳۵۸- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۳۳ھ، تہذیب الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
- ۳۵۹- علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، ندایار سوانہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضلاء لاہور، ۱۳۰۵ھ

